ترمذی ثانی کی جدید اردو شرح جس میں
احادیث کی تشریح آسان انداز میں کی گئی ہے

# معارفِ ترمذی

پسند فرمودہ و تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مؤلف
مفتی محمد طارق
استاذ الحدیث جامعہ فریدیہ، اسلام آباد

جلد پنجم

مکتبۃ شیخ الہند
سیکٹر F-10/3 سٹریٹ C-7 ہاؤس 72 اسلام آباد

# معارفِ ترمذی

مطبوع

شمائل ترمذی کی جدید اُردو شرح جس میں
احادیث کی تشریح آسان انداز میں کی گئی ہے

جلد پنجم

پسند فرمودہ و تقریظ
شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

مؤلف
مفتی محمد طارق
استاذ الحدیث جامعہ فریدیہ، اسلام آباد

مکتبہ شیخ الہند
سیکٹر F-10/3 سٹریٹ C-7 ہاؤس 172 اسلام آباد
0333-5375336

جملہ حقوق بحق ''مکتبہ شیخ الھند اسلام آباد'' محفوظ ہیں

نام کتاب : معارف ترمذی شرح شمائل ترمذی جلد پنجم
مصنف: مفتی محمد طارق
کمپوزنگ: محمد آصف لطیف 0343-5261568
ناشر: مکتبہ شیخ الہند، F10/3 اسلام آباد
تاریخ اشاعت: اکتوبر 2019ء

## ہماری مطبوعات ملنے کے پتے

| | | | |
|---|---|---|---|
| اسلام آباد | : مکتبہ فریدیہ، E-7 اسلام آباد | | |
| | : مکتبہ شیخ الہند، F10/3 اسلام آباد 0333-5375336 | | |
| راولپنڈی | : قرآن محل، اقبال مارکیٹ، کمیٹی چوک راولپنڈی | | |
| | : مکتبہ عثمانیہ کمیٹی چوک راولپنڈی | | |
| لاہور | : مکتبہ رحمانیہ اردو بازار لاہور | مکتبہ سید احمد شہید اردو بازار لاہور | |
| | : مکتبہ الحسن اردو بازار لاہور | | |
| کراچی | : ادارہ المعارف، جامعہ دار العلوم کراچی | مکتبہ لدھیانوی نیوٹاؤن کراچی | |
| | : کتب خانہ اشرفیہ اردو بازار کراچی | مکتبہ عمر فاروق، شاہ فیصل کالونی کراچی | |
| فیصل آباد | : مکتبہ العارفی، نزد جامعہ امدادیہ فیصل آباد | | |
| پشاور | : دار الاخلاص پشاور | مکتبہ عمر فاروق پشاور | بیت العلم پشاور |
| اکوڑہ خٹک | : مکتبہ علمیہ اکوڑہ خٹک | | |
| تیمر گرہ | : دینی کتب خانہ تیمر گرہ | مکتبہ عباسیہ تیمر گرہ | |
| بٹ خیلہ | : مکتبہ عثمانیہ بٹ خیلہ | | |
| مینگورہ | : مکتبہ عزیزیہ مینگورہ سوات | | |
| تخت نصرتی کرک | : مکتبہ احیاء العلوم تخت نصرتی کرک | | |

اپنے شہر کے ہر بڑے کتب خانے میں ہماری مطبوعات دستیاب ہیں

# معارف ترمذی جلد پنجم

## شرح شمائل ترمذی

# فہرست

## معارف ترمذی جلد پنجم

## شرح شمائل ترمذی


تقریظ: حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ ...... ۱
عرض مؤلف ...... ۲
شمائل النبی صلی اللہ علیہ وسلم ...... ۵
شیخ، حافظ، حجہ اور حاکم ... کے اصطلاحی معنی ...... ۵
ابو عیسیٰ کنیت رکھنے کا حکم ...... ۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي خَلْقِ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ...... ۷
حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمن رحمہ اللہ کا مختصر تعارف ...... ۹
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قد و قامت وغیرہ کا ذکر ...... ۱۰
بعثت کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کتنی تھی ...... ۱۲
نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام رہا ...... ۱۲
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ مبارک اور چلنے کی کیفیت ...... ۱۴
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بالوں کی لمبائی ...... ۱۶
آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی حسین نہیں ...... ۱۸
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں سب سے پہلے ...... ۱۹
حسن و جمال کے بے مثال پیکر ...... ۲۳
چند اخلاق حسنہ ...... ۲۴
حضرت ھند بن ابی ھالہ رضی اللہ عنہ ...... ۲۸
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک ...... ۲۹
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ، آنکھوں اور ایڑیوں کا حال ...... ۳۲
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کی چاند سے تشبیہ ...... ۳۳
آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چاند کی طرح گول اور رنگ ...... ۳۴
معراج کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی ملاقات ۳۵
حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ ...... ۳۷
حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ ...... ۳۸
حلیہ مبارک سے متعلق تین چیزیں ...... ۳۸
آخری صحابی حضرت ابو الطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ ...... ۳۹
نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دانتوں کی کیفیت ...... ۴۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي خَاتَمِ النُّبُوَّةِ ...... ۴۱
نبوت کی ایک اہم علامت اور معجزہ ...... ۴۱
مہر نبوت کی ہیئت وصورت ...... ۴۱
مہر نبوت کب لگائی گئی ...... ۴۲
مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق پہلی حدیث ...... ۴۴
مہر نبوت کے متعلق دوسری حدیث ...... ۴۵
حضرت رمیثہ نے قریب سے مہر نبوت کو دیکھا ...... ۴۶
سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کی وفات پر عرش رحمن جھوم اٹھا ...... ۴۶
حضرت سعد کی قبر تھوڑی دیر کے لیے تنگ کر دی گئی ...... ۴۷
حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ ...... ۴۸
مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق تیسری روایت ...... ۴۹
نبوت کی تین علامتیں دیکھ کر حضرت سلمان نے ...... ۵۱
مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق چوتھی روایت ...... ۵۴

مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق پانچویں حدیث ...... ۵۵
حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ ...... ۵۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي شَعْرِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ...... ۵۶
نبی کریم ﷺ کے سر کے بال ...... ۵۶
میاں بیوی اکٹھے نہا سکتے ہیں ...... ۵۷
ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ چار مرتبہ ...... ۵۸
مانگ نکالنا سنت ہے ...... ۵۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرَجُّلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ...... ۶۰
نبی کریم ﷺ سر پر تیل لگاتے اور کنگھی کیا کرتے ...... ۶۱
نبی کریم ﷺ ہر محترم کام کو دائیں طرف سے ...... ۶۲
کنگھی کرنے میں مبالغہ نہ کیا جائے ...... ۶۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي شَيْبِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ...... ۶۴
حضور ﷺ کے چند بال سفید تھے ...... ۶۵
مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ...... ۶۷
حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ ...... ۶۸
حضرت ابو رمثہ تیمی کی خدمت میں ...... ۶۹
نبی کریم ﷺ تیل کا استعمال فرماتے ...... ۷۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي خِضَابِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ...... ۷۰
ہر شخص کو اپنے کیے کی سزا ہوگی ...... ۷۱
کیا حضور اکرم ﷺ نے خضاب کیا ...... ۷۳
سیاہ خضاب لگانے کا حکم ...... ۷۴
سیاہ خضاب کی ممانعت کے چند دلائل ...... ۷۵
سیاہ خضاب کے جواز کے بعض دلائل ...... ۷۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي كُحْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ...... ۷۶
نبی کریم ﷺ اہتمام سے آنکھوں میں سرمہ لگاتے ...... ۷۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ...... ۷۹
لباس کی پانچ قسمیں ...... ۷۹
نبی کریم ﷺ کو کرتا بہت پسند تھا ...... ۸۰
نبی کریم ﷺ کے کرتے کی آستینیں عموماً ...... ۸۰
نبی کریم ﷺ کے کرتے کا گریبان کبھی کھلا ہوتا ...... ۸۲
نبی کریم ﷺ نے "ثوبِ قطری" کو زیب تن فرمایا ...... ۸۴
حضرت یحییٰ بن معین کا علم حدیث میں شوق کا ...... ۸۴
آپ ﷺ کپڑا پہنتے وقت یہ دعا مانگتے ...... ۸۵
نبی کریم ﷺ کو یمنی دھاری دار چادر پسند تھی ...... ۸۶
نبی کریم ﷺ کا سرخ لباس ...... ۸۷
مردوں کے لیے سرخ رنگ کے کپڑے ...... ۸۸
نبی کریم ﷺ کا لباس عموماً سادہ ہوتا ...... ۸۹
نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حضرت قیلہ ...... ۹۰
سفید لباس پہننے کی ترغیب ...... ۹۱
نبی کریم ﷺ کا رومی یعنی شامی جبہ ...... ۹۳
لباس کے بارے میں شرعی اصول ...... ۹۳
کوٹ پتلون پہننے کا حکم ...... ۹۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي عَيْشِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ...... ۹۵
امام ترمذی نے اس باب کو دو جگہ کیوں ذکر کیا ...... ۹۵
بسا اوقات نبی کریم ﷺ کے پاس ...... ۹۷
نبی کریم ﷺ نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا ...... ۹۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي خُفِّ رَسُولِ اللهِ ...... ۹۸
موزے سے متعلق نبی کریم ﷺ کے دو معجزے ...... ۹۸
نجاشی کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو موزوں ...... ۹۹
موزے پھٹنے تک آپ ﷺ انہیں پہنا کرتے ...... ۱۰۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُولِ اللهِ ﷺ ...... ۱۰۲
نبی کریم ﷺ کے ہر جوتے میں دو تسمے تھے ...... ۱۰۲
نبی کریم ﷺ کے جوتوں پر بال نہ ہوتے ...... ۱۰۳
نبی کریم ﷺ نے جوتوں کے ساتھ نماز پڑھی ...... ۱۰۵
ایک جوتا پہن کر نہ چلا جائے ...... ۱۰۵
نبی کریم ﷺ ہر امر میں دائیں جانب کو پسند فرماتے ...... ۱۰۷

نبی کریم ﷺ کے ہر جوتے کے دو تسمے ہوتے ........ ۱۰۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ خَاتَمِ رَسُولِ اللّٰهِ ........ ۱۰۸
نبی کریم ﷺ کی ایک سے زیادہ انگوٹھیاں تھیں ....... ۱۰۹
عہد رسالت میں دعوت وتبلیغ کے خطوط پر مہر ....... ۱۱۱
شاہ ایران پرویز کسریٰ کے نام دعوتِ اسلام کا خط مبارک ۱۱۲
قیصر روم کی طرف نبی کریم ﷺ کا خط مبارک ....... ۱۱۳
حبشہ کے بادشاہ اصحمہ کی طرف دعوت اسلام کا نبوی خط .. ۱۱۴
حبشہ کے دوسرے بادشاہ کی طرف نبی کریم ﷺ ..... ۱۱۵
انگوٹھی کے نگینہ میں اپنا نام یا کوئی ذکر لکھوانے کا حکم ...... ۱۱۶
نبی کریم ﷺ انگوٹھی اتار کر بیت الخلاء جایا کرتے ...... ۱۱۷
حضرت عثمان کے دور میں نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی .... ۱۱۷
لوہے کی انگوٹھی کا حکم ........ ۱۱۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ ........ ۱۲۰
نبی کریم ﷺ کس ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے ... ۱۲۰
کس ہاتھ میں انگوٹھی پہنی جائے ....... ۱۲۲
حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما ....... ۱۲۲
نبی کریم ﷺ چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے ...... ۱۲۳
انگوٹھی پر "محمد رسول اللہ" کے نقش کا حکم ...... ۱۲۵
حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ ...... ۱۲۵
حضرات حسنین بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے ...... ۱۲۶
مسلمان مردوں پر سونے کا استعمال حرام ہے ....... ۱۲۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ سَيْفِ ....... ۱۲۸
نبی کریم ﷺ کی نو تلواریں ....... ۱۲۹
نبی کریم ﷺ کی تلوار کے دستہ کا کنارہ چاندی کا تھا ... ۱۳۰
قبیلہ بنو حنیفہ کی تلواروں کی طرح نبی کریم ﷺ ....... ۱۳۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ دِرْعِ رَسُولِ ....... ۱۳۱
نبی کریم ﷺ کی سات زرہیں ....... ۱۳۱
نبی کریم ﷺ کا جنگ میں دو زرہیں پہننا ....... ۱۳۳
احد کے معرکہ میں حضرت طلحہ کی بے مثال قربانیاں ..... ۱۳۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مِغْفَرِ رَسُولِ ....... ۱۳۵
نبی کریم ﷺ کے دو خود ....... ۱۳۵
فتح مکہ کے دن ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم ....... ۱۳۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي عِمَامَةِ رَسُولِ ....... ۱۳۷
پگڑی پہننا سنت ہے ....... ۱۳۷
نبی کریم ﷺ کی پگڑی کی مقدار ....... ۱۳۸
نبی کریم ﷺ کی پگڑی کا رنگ ....... ۱۳۸
نبی کریم ﷺ کی سیاہ پگڑی ....... ۱۴۰
نبی کریم ﷺ کے شملہ کی تعداد اور مقدار ....... ۱۴۱
نبی کریم ﷺ کی زندگی کا آخری خطبہ ....... ۱۴۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ إِزَارِ رَسُولِ ....... ۱۴۳
نبی کریم ﷺ کا تہبند اور لنگی ....... ۱۴۳
وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک ....... ۱۴۴
نبی کریم ﷺ اپنا تہ بند اور لنگی نصف پنڈلی تک رکھتے. ۱۴۶
شلوار، لنگی اور تہ بند وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم .. ۱۴۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي مِشْيَةِ ....... ۱۴۸
نبی کریم ﷺ کا حسن وجمال اور آپ ﷺ کے .... ۱۴۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقَنُّعِ رَسُولِ اللّٰهِ ....... ۱۵۰
نبی کریم ﷺ کا قناع کپڑا ....... ۱۵۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي جِلْسَةِ رَسُولِ ....... ۱۵۱
نبی کریم ﷺ کبھی اکڑوں بیٹھتے ....... ۱۵۲
نبی کریم ﷺ کبھی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹا کرتے ... ۱۵۳
نبی کریم ﷺ کے مسجد میں بیٹھنے کے مختلف انداز ...... ۱۵۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي تُكَأَةِ رَسُولِ ....... ۱۵۵
نبی کریم ﷺ کبھی تکیہ پر ٹیک لگاتے ....... ۱۵۶
جھوٹی گواہی سمیت چند کبیرہ گناہ ....... ۱۵۷
حضرت ابو بکرہ یعنی نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ ....... ۱۵۹

نبی کریم ﷺ ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے ........... ۱۶۰
ٹیک لگا کر کھانا کھانے کا حکم ........ ۱۶۱
کھانے کے لیے بیٹھنے کی مستحب صورتیں ........ ۱۶۲
حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ ........ ۱۶۳
''علی یسارہ'' کے لفظ میں اسحاق بن منصور منفرد ہیں ...... ۱۶۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي اتِّكَاءِ رَسُولِ اللهِ ........ ۱۶۳
بیماری میں نبی کریم ﷺ کا سہارا حضرت اسامہ پر ..... ۱۶۴
حضرت فضل کے کندھے پر ہتھیلی رکھ کر آپ ﷺ اٹھے ۱۶۵
وفات سے پہلے نبی کریم ﷺ کا ایک اہم خطبہ ...... ۱۶۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَكْلِ رَسُولِ ........ ۱۶۷
نبی کریم ﷺ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لیتے ...... ۱۶۸
انگلیاں چاٹنے کی حکمتیں ........ ۱۶۹
''عذر'' کی وجہ سے ٹیک لگا کر کھانے کا ثبوت ......... ۱۷۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ خُبْزِ رَسُولِ اللهِ ........ ۱۷۰
آلِ محمد ﷺ نے کبھی مسلسل دو دن جو کی روٹی ....... ۱۷۱
نبی کریم ﷺ اپنی تنگدستی کو صحابہ سے مخفی رکھتے ...... ۱۷۲
نبی کریم ﷺ نے میدے کو دیکھا تک نہیں ........ ۱۷۳
نبی کریم ﷺ دسترخوان پر کھانا کھاتے ........ ۱۷۵
میز کرسی پر کھانا خلاف سنت نہیں ........ ۱۷۶
نبی کریم ﷺ اور اہل بیت کی معیشت کا حکم ........ ۱۸۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ إِدَامِ ........ ۱۸۰
سرکہ بہترین سالن ہے ........ ۱۸۱
مرغ کا گوشت حلال ہے ........ ۱۸۳
سرخاب کا گوشت حلال ہے ........ ۱۸۴
حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ ........ ۱۸۴
زیتون کا آئل استعمال کرنے کی ترغیب ........ ۱۸۵
نبی کریم ﷺ کو کدو پسند تھا ........ ۱۸۷
ایک درزی کے ہاں نبی کریم ﷺ کی دعوت ........ ۱۸۸
نبی کریم ﷺ کو میٹھی چیز اور شہد بہت پسند تھا ........ ۱۸۹
نبی کریم ﷺ نے بھنا ہوا گوشت کھایا ........ ۱۹۰
کھانے کے وقت چھری سے گوشت کاٹ سکتے ہیں ...... ۱۹۲
مونچھیں مونڈنا یا قینچی سے کترنا دونوں طریقے ........ ۱۹۴
چھری کانٹے اور چمچ سے کھانے کا حکم ........ ۱۹۶
نبی کریم ﷺ کو دستی کا گوشت پسند تھا ........ ۱۹۶
ایک یہودی عورت نے نبی کریم ﷺ کو دستی کے ........ ۱۹۷
دستی کے گوشت میں نبی کریم ﷺ کا ایک معجزہ ........ ۱۹۹
نبی کریم ﷺ کو دستی کا گوشت پسند ہونے کی ایک وجہ ۲۰۰
نبی کریم ﷺ نے خشک روٹی اور سرکہ کو تناول فرمایا ...... ۲۰۱
ما اقفر بیت ... کی ترکیب نحوی مع اشکال وجواب ...... ۲۰۲
حضرت عائشہؓ کی فضیلت ........ ۲۰۳
آپ ﷺ نے پنیر کا ٹکڑا اور شانہ کا گوشت سالن ..... ۲۰۵
حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ ........ ۲۰۶
حضرت سلمیٰ سے نبی کریم ﷺ کا پسندیدہ کھانا ........ ۲۰۸
حضرت سلمیٰ رضی اللہ عنہا ........ ۲۰۸
غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت جابر کی طرف سے ..... ۲۰۹
ایک انصاری خاتون نے نبی کریم ﷺ کے ........ ۲۱۱
حضرت ام المنذر رضی اللہ عنہا ........ ۲۱۳
بیماری میں مضر اشیاء سے پرہیز کرنے کا حکم ........ ۲۱۳
نفلی روزے کی نیت رات سے کرنا ضروری نہیں ........ ۲۱۵
نبی کریم ﷺ نے کھجور کو سالن کے طور پر ........ ۲۱۶
حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم ........ ۲۱۷
نبی کریم ﷺ کو ہانڈی اور پلیٹ میں بچا ........ ۲۱۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ وُضُوءِ ........ ۲۱۸
کھانے سے پہلے وضو کرنا یا ہاتھ منہ دھونا ضروری نہیں ... ۲۱۹
کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور کلی ........ ۲۲۰
کھانے کے بعد ہاتھ تولیہ سے صاف کرنا ........ ۲۲۲

بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ رَسُولِ اللهِ ........ ۲۲۳
کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا باعث برکت ہے ۲۲۳
حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ ........ ۲۲۵
کھانے کے درمیان میں بسم اللہ اولہ وآخرہ پڑھنے کا حکم ۲۲۵
دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھانے کا حکم ...... ۲۲۶
کھانے کے بعد کی دو مسنون دعائیں ........ ۲۲۸
"غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا" کی ترکیب نحوی ........ ۲۲۹
"بسم اللہ" کے بغیر کھانے میں بے برکتی ........ ۲۲۹
کھانے کے بعد ضرور اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کیا جائے ... ۲۳۱
کھانے سے متعلق چند آداب کا ثبوت ........ ۲۳۱
بَابُ مَا جَاءَ فِي قَدَحِ رَسُولِ اللهِ ........ ۲۳۲
نبی کریم ﷺ کے پانی کے پیالے ........ ۲۳۲
بَابُ مَا جَاءَ فِي فَاكِهَةِ رَسُولِ اللهِ ........ ۲۳۳
نبی کریم ﷺ ککڑی یا کھیرے کو کبھی کھجور کے ...... ۲۳۳
کئی طرح کے پھل اور کھانوں کا جواز ........ ۲۳۴
نبی کریم ﷺ تربوز اور خربوزہ کو تازہ کھجور........ ۲۳۵
صاع، مد اور رطل: پیمائش کے آلے ........ ۲۳۷
موسم کا پہلا پھل دیکھنے کی ایک مسنون دعا ........ ۲۳۷
نکسیر کا خون بند کرنے کا ایک وظیفہ ........ ۲۳۹
نبی کریم ﷺ کے لیے حضرت معاذ بن عفراء ........ ۲۴۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرَابِ ........ ۲۴۰
نبی کریم ﷺ کو میٹھا اور ٹھنڈا مشروب پسند تھا ........ ۲۴۰
کھانے اور دودھ پینے کی دعائیں ........ ۲۴۲
امام ترمذی کا حدیث عائشہؓ پر کلام ........ ۲۴۴
امام ترمذی کا حدیث ابن عباس پر کلام ........ ۲۴۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شُرْبِ ........ ۲۴۶
آب زمزم پینے کا مسنون طریقہ ........ ۲۴۶
آب زمزم پینے کے آداب ........ ۲۴۷
کھڑے ہو کر پانی پینے کا مسئلہ ........ ۲۴۷
وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے ........ ۲۵۰
نبی کریم ﷺ عموماً تین سانس میں پانی نوش فرماتے .. ۲۵۱
نبی کریم ﷺ نے مشکیزے کے منہ سے ........ ۲۵۲
احادیث میں تعارض اور اس کا حل ........ ۲۵۳
حضرت کبشہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا ........ ۲۵۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعَطُّرِ رَسُولِ ........ ۲۵۴
نبی کریم ﷺ کثرت سے خوشبو استعمال فرماتے ........ ۲۵۵
خوشبو سمیت چند چیزوں کا ہدیہ رد نہیں کرنا چاہیے ........ ۲۵۶
مرد و عورت کی خوشبو میں فرق ........ ۲۵۸
دنیا کی خوشبو کی اصل جنت سے ہے ........ ۲۵۹
جزیر بن عبد اللہ کو حضرت عمر کے سامنے معائنہ کے ........ ۲۶۰
بَابُ كَيْفَ كَانَ كَلَامُ رَسُولِ اللهِ ........ ۲۶۱
نبی کریم ﷺ کی گفتگو کا انداز ........ ۲۶۲
نبی کریم ﷺ کے کلام کرنے، خاموش رہنے ........ ۲۶۵
بَابُ مَا جَاءَ فِي ضَحِكِ رَسُولِ ........ ۲۶۸
آپ ﷺ کی آنکھیں سرمگیں اور پنڈلیاں پتلی تھیں .. ۲۶۸
نبی کریم ﷺ اکثر مسکراتے ........ ۲۶۹
نبی کریم ﷺ کے ہنسنے کا ذکر ........ ۲۷۱
حضرت جریر کو دیکھ کر نبی کریم ﷺ تبسم فرماتے ..... ۲۷۳
دوزخ سے نکلنے والے آخری شخص کی بات پر نبی ........ ۲۷۴
نبی کریم ﷺ کا سواری پر بیٹھ کر مسکرانا ........ ۲۷۷
سواری اور گاڑی وغیرہ پر سوار ہونے کی چند دعائیں ... ۲۷۸
حضرت سعد کی تیراندازی پر نبی کریم ﷺ کا ہنسنا .... ۲۷۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مِزَاحِ ........ ۲۸۰
مزاح کی حقیقت ........ ۲۸۰
نبی کریم ﷺ کی چھوٹے بچوں سے ہنسی مزاح ........ ۲۸۱
حدیث نغیر سے ثابت ہونے والے چند مسائل ........ ۲۸۳

نبی کریم ﷺ کا مزاح بھی حقیقت پر مشتمل ہوتا..... ۲۸۵
زاہر بن حرام اشجعیؓ کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا مزاح ۲۸۷
بڑھاپے کی حالت میں کوئی شخص جنت نہیں جائے گا..... ۲۸۹
بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ كَلَامِ ........ ۲۹۰
نبی کریم ﷺ کبھی ابن رواحہ اور طرفہ بن عبد........ ۲۹۱
اشعار کہنے اور پڑھنے کا حکم........ ۲۹۲
لبید بن ربیعہ شاعر کا ایک سچا شعر........ ۲۹۳
پاؤں کی زخمی انگلی سے ایک شعر سے خطاب........ ۲۹۵
غزوہ حنین پر ایک نظر........ ۲۹۷
کیا غزوہ حنین میں سب صحابہ بھاگ گئے تھے........ ۲۹۹
انا ابن عبد المطلب کہنے کی وجہ........ ۳۰۰
حضرت عبد اللہ بن رواحہ کی کفار مکہ کو اشعار میں دھمکی... ۳۰۱
امام ترمذی رحمہ اللہ کا ایک تسامح........ ۳۰۳
نبی کریم ﷺ کی مجلس میں دور جاہلیت........ ۳۰۴
حضرت شرید بن سوید ثقفیؓ........ ۳۰۶
ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے امیہ کے سو شعر سنے..... ۳۰۶
حضرت حسان اشعار کے ذریعہ نبی کریم ﷺ........ ۳۰۷
بَابُ مَا جَاءَ فِي كَلَامِ رَسُولِ اللهِ........ ۳۱۰
''خرافہ'' قبیلہ عذرہ کا ایک شخص تھا........ ۳۱۱
حَدِيثُ أُمِّ زَرْعٍ........ ۳۱۲
حدیث ام زرع کا پس منظر........ ۳۱۲
پہلی عورت کا شوہر متکبر اور بیکار ہے........ ۳۱۳
دوسری عورت کا شوہر سراپا عیب ہے........ ۳۱۴
تیسری عورت کا لمبا تڑنگا شوہر........ ۳۱۵
چوتھی کا شوہر معتدل مزاج........ ۳۱۶
پانچویں کا شوہر گھر کے امور میں دخل اندازی نہ کرتا..... ۳۱۷
چھٹی عورت کے شوہر کو بیوی بچوں اور ان........ ۳۱۸
ساتویں کا شوہر نامرد اور جلاد صفت ہے........ ۳۱۹
آٹھویں کا شوہر خرگوش کی طرح نرم و نازک ہے........ ۳۱۹
نویں عورت کا شوہر مہمان نواز اور ذی رائے ہے........ ۳۲۰
دسویں کے شوہر ''مالک'' ہر خوبی سے آراستہ ہیں........ ۳۲۱
گیارہویں عورت: ابوزرع نے تو مجھے خوب ناز........ ۳۲۳
ابوزرع کی ماں صاحب حیثیت خاتون........ ۳۲۴
ابوزرع کا دبلا پتلا بیٹا........ ۳۲۴
ابوزرع کی فرمانبردار بیٹی........ ۳۲۵
ابوزرع کی امانتدار باندی........ ۳۲۶
ابوزرع نے بالآخر ''ام زرع'' کو طلاق دے دی........ ۳۲۶
دوسرے شوہر کا ابوزرع جیسے عظیم انسان سے کیا مقابلہ ۳۲۷
نبی کریم ﷺ ابوزرع سے کہیں زیادہ........ ۳۲۸
حدیث ام زرع سے ثابت ہونے والے چند امور..... ۳۲۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي نَوْمِ رَسُولِ اللهِ........ ۳۲۹
نبی کریم ﷺ کے سونے کی کیفیت اور چند دعائیں.. ۳۳۰
نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے چند سورتوں کی........ ۳۳۱
انبیاء کی نیند ناقضِ وضو نہیں ہوتی........ ۳۳۲
کھانے پینے کے بعد اور سونے کی ایک دعاء نبوی........ ۳۳۳
نبی کریم ﷺ کی سفر میں صبح سے پہلے........ ۳۳۴
بَابُ مَا جَاءَ فِي عِبَادَةِ رَسُولِ........ ۳۳۵
طویل قیام سے نبی کریم ﷺ کے پاؤں........ ۳۳۶
کیا انبیاء سے گناہ سرزد ہو سکتا ہے........ ۳۳۸
نبی کریم ﷺ تہجد کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے..... ۳۴۰
حضرت ابن عباسؓ نے نبی کریم ﷺ کے........ ۳۴۱
دس رکعت تہجد کا ذکر........ ۳۴۲
تہجد کی قضا بارہ رکعتیں........ ۳۴۳
نماز تہجد کا آغاز دو مختصر رکعتوں سے کیا جائے........ ۳۴۴
حضرت زید بن خالد نے نبی کریم........ ۳۴۵
نبی کریم ﷺ کا عام معمول آٹھ رکعت تہجد کا تھا..... ۳۴۷

تہجد کی چار رکعتوں میں تقریباً چھ پاروں کی تلاوت .... ۳۴۹
امت کے لیے نبی کریم ﷺ کا تہجد میں ........... ۳۵۰
طویل قیام کی وجہ سے ابن مسعودؓ کا اقتداء ......... ۳۵۱
نفل نماز کو کچھ کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھ کر پڑھنے کا حکم .. ۳۵۲
نبی کریم ﷺ کی نماز تہجد پڑھنے کی مختلف حالتیں ... ۳۵۳
نبی کریم ﷺ نماز میں ترتیل سے قراءت فرماتے .. ۳۵۵
آخری عمر میں آپ ﷺ عموماً بیٹھ کر تہجد پڑھا کرتے ۳۵۶
بارہ رکعات سنت مؤکدہ ........... ۳۵۷
حضرت علیؓ سے حضور ﷺ کے دن کے ........... ۳۵۹
بَابُ صَلَاةِ الضُّحٰی ........... ۳۶۱
ضحیٰ کی دو نمازیں ........... ۳۶۱
نبی کریم ﷺ کی چاشت کی نماز کی رکعتیں ........ ۳۶۳
حضرت عائشہؓ سے نماز چاشت سے متعلق ........ ۳۶۴
نماز چاشت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا معمول ۳۶۵
زوال کے بعد چار رکعت نفل پڑھنے کی فضیلت ...... ۳۶۷
بَابُ صَلَاةِ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ ........... ۳۶۸
نبی کریم ﷺ نوافل عموماً گھر میں پڑھا کرتے ...... ۳۶۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ رَسُولِ اللهِ ........... ۳۶۹
نبی کریم ﷺ کے نفلی روزوں کے معمولات ........ ۳۷۰
نبی کریم ﷺ شعبان میں اکثر روزے رکھتے تھے .. ۳۷۲
نبی کریم ﷺ جمعہ کے دن اور ہر مہینے میں تین ..... ۳۷۳
اللہ کے سامنے تین بار اعمال کی پیشی ........... ۳۷۴
ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کا مسنون طریقہ ........ ۳۷۵
نبی کریم ﷺ دس محرم کا روزہ رکھا کرتے ........... ۳۷۵
نبی کریم ﷺ نفلی اعمال میں بھی دوام اختیار فرماتے ۳۷۷
نفلی عبادات میں اعتدال کا حکم ........... ۳۷۸
نبی کریم ﷺ کے چار طویل نوافل ........... ۳۸۰
آخری چار احادیث کو بظاہر باب سے مناسبت نہیں ........ ۳۸۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ رَسُولِ ........... ۳۸۱
نبی کریم ﷺ کی قراءت کا ہر حرف واضح ہوتا ........ ۳۸۱
نبی کریم ﷺ مد والے حروف میں مد فرماتے ........ ۳۸۲
نبی کریم ﷺ ہر آیت پر وقف فرماتے ........... ۳۸۳
نبی کریم ﷺ کی نماز تہجد میں قراءت کی کیفیت ...... ۳۸۴
فتح مکہ کے دن اونٹنی پر تلاوت میں ترجیع ........... ۳۸۵
تمام انبیاء خوبصورت اور خوش آواز تھے ........... ۳۸۵
نبی کریم ﷺ درمیانی آواز سے تلاوت فرمایا کرتے ۳۸۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي بُكَاءِ رَسُولِ اللهِ ........... ۳۸۶
نبی کریم ﷺ نوافل میں بہت رویا کرتے ........... ۳۸۷
نبی کریم ﷺ بعض صحابہؓ سے کبھی تلاوت سنا کرتے ۳۸۸
سورج گرہن کی نماز میں نبی کریم ﷺ کی ........... ۳۹۰
نواسی کے انتقال پر نبی کریم ﷺ کے آنسو ........ ۳۹۳
حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا ........... ۳۹۴
نبی کریم ﷺ حضرت عثمان بن مظعونؓ کی ........ ۳۹۵
نبی کریم ﷺ کا حضرت ام کلثومؓ کی تدفین ۳۹۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاشِ رَسُولِ ........... ۳۹۷
نبی کریم ﷺ کا بستر ........... ۳۹۸
بَابُ مَا جَاءَ فِي تَوَاضُعِ رَسُولِ ........... ۳۹۹
نبی کریم ﷺ کی تواضع و انکساری ........... ۴۰۰
میری تعریف میں نصاریٰ کی طرح حد سے مبالغہ نہ کرنا ..... ۴۰۱
نبی کریم ﷺ ہر شخص کی بات پوری توجہ ........ ۴۰۲
نبی کریم ﷺ گدھے پر بھی سوار ہوا کرتے ........ ۴۰۴
نبی کریم ﷺ ہر طرح کے کھانے کی دعوت ........ ۴۰۵
نبی کریم ﷺ نے پرانے کجاوے پر حج کیا ........ ۴۰۷
دوسرے انسان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا حکم .. ۴۰۸
حضرت حسنؓ نے اپنے ماموں سے نبی کریم ﷺ ..... ۴۱۲
نبی کریم ﷺ گھر میں اپنے اوقات کو تین ........ ۴۱۳

نبی کریم ﷺ اہل علم وفضل اور اکابر صحابہؓ کو ......... ۴۱۵
ضرورت مندوں کی ضرورت کو بادشاہ یعنی ذمہ ......... ۴۱۷
گھر سے باہر نبی کریم ﷺ کا لوگوں کے ......... ۴۱۹
نبی کریم ﷺ اچھی بات کی حوصلہ افزائی فرماتے ...... ۴۲۱
نبی کریم ﷺ ہر امر میں اعتدال کا ......... ۴۲۲
نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کی تربیت پر خاص نظر رکھتے ۴۲۳
لوگوں کے ساتھ خیر خواہی اور ان کی غم ......... ۴۲۴
نبی کریم ﷺ اہل مجلس میں سے ہر شخص پر ......... ۴۲۵
نبی کریم ﷺ ملاقات کرنے والے سے اٹھنے ...... ۴۲۷
نبی کریم ﷺ کی مجلس کی دس خصوصیات ......... ۴۲۹
نبی کریم ﷺ معمولی کھانے اور غلام کی دعوت ...... ۴۳۱
نبی کریم ﷺ حضرت جابر کی بیمار پرسی کے ......... ۴۳۲
حضرت یوسف بن عبداللہ: ایک صحابی رسول ......... ۴۳۳
نبی کریم ﷺ بچہ کا نام رکھتے اور اس کے ......... ۴۳۴
نبی کریم ﷺ کو کدو بہت پسند تھا ......... ۴۳۵
نبی کریم ﷺ اپنے گھر کے اکثر کام خود ہی کر لیتے ... ۴۳۶
بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ رَسُولِ اللهِ ......... ۴۳۷
خلق کے معنیٰ اور انسانی مزاج میں اس کا اثر ......... ۴۳۷
حضرت زید بن ثابت سے نبی کریم ﷺ ......... ۴۳۹
قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی آپ ﷺ ...... ۴۴۱
نبی کریم ﷺ کا اپنے خادم کے ساتھ ......... ۴۴۳
نبی کریم ﷺ پریشانی کے وقت یہ کلمات ......... ۴۴۵
نبی کریم ﷺ عموماً کسی کو منہ پر منع نہ فرماتے ......... ۴۴۷
نبی کریم ﷺ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے ......... ۴۴۸
نبی کریم ﷺ نے جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں ...... ۴۵۱
نبی کریم ﷺ جائز امور میں آسان امر کو ......... ۴۵۲
نبی کریم ﷺ ہر ایک سے نرمی سے گفتگو فرماتے .... ۴۵۴
حدیث میں "رجل" سے کون مراد ہے ......... ۴۵۵
مدارات اور مداہنت میں فرق ......... ۴۵۶
نبی کریم ﷺ کسی کو مایوس نہ فرماتے ......... ۴۵۷
نبی کریم ﷺ نے چھ چیزوں کو ہمیشہ کے لیے ...... ۴۵۹
شکریہ میں تعریفی کلمات پر آپ ﷺ سکوت فرماتے .. ۴۶۱
نبی کریم ﷺ نے کبھی کسی سائل کو رد نہیں کیا ...... ۴۶۳
رمضان میں نبی کریم ﷺ کی سخاوت ......... ۴۶۴
نبی کریم ﷺ کسی چیز کو آئندہ کے لیے ذخیرہ ...... ۴۶۶
نبی کریم ﷺ ضرورت مندوں کے لیے قرض ...... ۴۶۷
نبی کریم ﷺ ہدیہ کا بدلہ بھی دیا کرتے ......... ۴۷۰
بَابُ مَا جَاءَ فِي حَيَاءِ رَسُولِ اللهِ ......... ۴۷۱
حیا کے معنیٰ اور اس کی اقسام ......... ۴۷۱
نبی کریم ﷺ کی شرم وحیاء ......... ۴۷۲
حضور اکرم ﷺ کا محل ستر کسی بیوی نے کبھی ...... ۴۷۳
بَابُ مَا جَاءَ فِي حِجَامَةِ رَسُولِ ......... ۴۷۴
پچھنے کا استعمال مقام نبوت کے منافی نہیں ......... ۴۷۵
سترہ، انیس یا اکیس تاریخ میں پچھنے لگانا مفید ہے ..... ۴۷۷
بَابُ: مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ رَسُولِ ......... ۴۷۸
نبی کریم ﷺ کے پانچ مخصوص اسماء مبارک ......... ۴۷۹
نبی رحمت، نبی توبہ اور نبی ملاحم ......... ۴۸۱
بَابُ: مَا جَاءَ فِي عَيْشِ النَّبِيِّ ......... ۴۸۳
نبی کریم ﷺ کے گھر میں تنگدستی اور فقر وفاقہ کا حال ۴۸۳
حضور ﷺ کے بعد لوگوں کی چار قسمیں ......... ۴۸۵
بھوک کی بے تابی سے بچنے کے لیے پیٹ پر ......... ۴۸۶
حضرت ابوالہیثم کے گھر میں نبی کریم ......... ۴۹۰
حضرت سعد بن ابی وقاص اسلام کے پہلے تیر ......... ۴۹۴
صحابہ کرامؓ نے غزوہ سیف البحر یا جیش الخبط ......... ۴۹۵
الزام تراشی کرنے والے کے خلاف حضرت ......... ۴۹۶
حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ ......... ۴۹۹

حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوان کو عرب کی ........ ۴۹۹
حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا ایک اہم خطاب.. ۵۰۰
نبی کریم ﷺ اور حضرت بلال کا فقر وفاقہ ........ ۵۰۲
نبی کریم ﷺ کے دستر خوان پر روٹی اور ........ ۵۰۳
نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل ........ ۵۰۴
بَابُ: مَا جَاءَ فِي سِنِّ رَسُولِ اللهِ ........ ۵۰۵
وفات کے وقت رسول اللہ ﷺ کی عمر مبارک کتنی تھی. ۵۰۶
نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام کی مدت ........ ۵۰۷
نبی کریم ﷺ کے قد وقامت، رنگ اور ........ ۵۰۸
بَابُ: مَا جَاءَ فِي وَفَاةِ رَسُولِ ........ ۵۰۸
نبی کریم ﷺ کی تاریخ وفات ........ ۵۰۹
نبی کریم ﷺ کی مرض الوفات ........ ۵۱۱
وفات کے وقت سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا. ۵۱۴
نبی کریم ﷺ کی موت کی سختی دیکھ کر حضرت ........ ۵۱۵
اے محمد ﷺ اللہ تعالیٰ آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں ۵۱۷
ہر نبی کو اس کی موت کی جگہ پر ہی دفن کیا جاتا ہے...... ۵۱۸
موت کے بعد صدیق اکبرؓ نے نبی کریم ﷺ کی..... ۵۱۹
نبی کریم ﷺ کی آمد سے مدینہ منورہ روشن ہو گیا ..... ۵۲۰
نبی کریم ﷺ کو منگل اور بدھ کی درمیانی........ ۵۲۱
نبی کریم ﷺ کے دفن میں تاخیر کے اسباب ........ ۵۲۲
صدیق اکبر نے آپ ﷺ کی مرض ........ ۵۲۴
انکن صواحب یوسف کا مطلب ........ ۵۲۵
نبی کریم ﷺ نے مرض الوفات میں دو ........ ۵۲۶
نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد صحابہ کرام کی کیفیت. ۵۲۹
نبی کریم ﷺ کی نماز جنازہ ہر شخص نے اکیلے ........ ۵۳۰
نبی کریم ﷺ کی تجہیز وتکفین اور غسل ........ ۵۳۲
نبی کریم ﷺ کی تدفین اور قبر........ ۵۳۳
ثقیفۂ بنی ساعدہ میں صدیق اکبرؓ کے ہاتھ ........ ۵۳۴
مسجد نبوی میں حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ ........ ۵۳۶
آپ ﷺ کی موت کے وقت بے چینی ........ ۵۳۹
نبی کریم ﷺ اہل ایمان کے لیے آخرت ........ ۵۴۰
بَابُ: مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ رَسُولِ ........ ۵۴۲
نبی کریم ﷺ نے میراث میں کوئی مال ........ ۵۴۲
انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی........ ۵۴۴
انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہ ہونے کی حکمتیں .. ۵۴۷
وفی الحدیث قصۃ سے کیا مراد ہے؟........ ۵۴۸
حدیث میں عامل سے کون مراد ہے؟........ ۵۴۹
اہل بیت کا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ ........ ۵۵۳
بَابُ: مَا جَاءَ فِي رُؤْيَةِ ........ ۵۵۵
خواب کی تین قسمیں اور ان کا درجہ........ ۵۵۶
حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنے کی فضیلت ..... ۵۵۷
حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنے سے متعلق ........ ۵۵۸
حضرات حسنینؓ حضور اکرم ﷺ کے بہت مشابہ تھے ۵۵۹
یزید فارسی نے خواب میں زیارت کے بعد ........ ۵۶۱
حضرت یزید فارسی اور حضرت یزید رقاشی رحمہم اللہ تعالیٰ ۵۶۳
حضرت عوف بن ابی جمیلہ رحمہ اللہ ........ ۵۶۳
''اچھا خواب'' نبوت کا ایک جزء ہے........ ۵۶۴
قادیانیوں کا ایک غلط استدلال ........ ۵۶۵
فیصلہ میں اثر یعنی کسی منقولی چیز کا اتباع کرنا چاہیے ..... ۵۶۵
حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ ........ ۵۶۶
حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ ........ ۵۶۶
دینی تعلیم کسی متبع سنت عالم سے حاصل کی جائے ..... ۵۶۷
کتاب کے آخر میں امام ترمذی کی دو اہم نصیحتیں ..... ۵۶۷
مصادر ومراجع........ ۵۶۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

# تقریظ

شیخ الاسلام حضرت مولانا **مفتی محمد تقی عثمانی** صاحب دامت برکاتہم العالیہ

شیخ الحدیث، ونائب صدر جامعہ دارالعلوم کراچی

**الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی من تبعھم باحسان الی یوم الدین۔**

برادر عزیز و مکرم جناب مولانا محمد طارق صاحب فاضل جامعہ دارالعلوم کراچی واستاد حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد نے جامع ترمذی جلد ثانی کی شرح اردو میں "معارف ترمذی" کے نام سے لکھی ہے جس کی بحمد اللہ تعالیٰ دو جلدیں شائع ہوئی ہیں جو فاضل مؤلف حفظہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے پاس بھیجی ہیں، بندہ کو اس شرح کے مکمل مطالعہ کا تو موقع نہیں مل سکا، لیکن جستہ جستہ مقامات سے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ انہوں نے مستند مآخذ سے استفادہ کرکے احادیث کی تشریح دلنشین انداز میں کی ہے، انداز بیان بھی آسان، عام فہم اور شگفتہ ہے جو علماء وطلبہ کے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہے۔ باقی مقامات جو میرے مطالعے سے نہیں گذرے، ان کے بارے میں ذمہ دارانہ رائے دینی تو ممکن نہیں ہے، لیکن فاضل مؤلف کی قابلیت اور مآخذ، مستند ہونے کی بنا پر باقی کے بارے میں یہی امید ہے۔

جامع ترمذی کی بیشتر شروح جامع ترمذی جلد اوّل ہی تک پہنچی ہیں، اور جلد ثانی کی مفصل شروح، بالخصوص حنفیہ کی طرف سے بہت کم ہیں، اس لئے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ شرح اس کمی کو پورا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کو اس کی بہترین جزا عطا فرما کر اسے نافع اور مقبول بنائیں، اور ان کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین

بندہ

محمد تقی عثمانی عفی عنہ

۲۵ / ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ

# عرض مؤلف

**الحمد للہ رب العالمین، والصلاۃ والسلام علی رسولہ محمد وعلی آلہ وصحبہ ومن تبعهم باحسان الی یوم الدین۔**

امابعد: اس وقت اللہ جل جلالہ کے فضل وکرم اور احسان سے معارف ترمذی کی پانچویں جلد ہمارے ہاتھوں میں ہے، یہ جلد امام ترمذی رحمہ اللہ کی کتاب "شمائل ترمذی" کی شرح پر مشتمل ہے، اس کتاب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان احادیث اور آثار کو جمع کیا ہے، جن کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے ہے، ان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے اوصاف، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کی تفصیل، مہر نبوت کی ہیئت وصورت، سر کے بالوں اور چہرہ انور کی کیفیت اور حسن وجمال کو بیان کیا گیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات، طور طریقے، رہن سہن، اہل خانہ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بے مثال سلوک، گھر سے باہر صحابہ کرام، کفار، دشمنان اسلام اور اطراف عالم سے آنے والے وفود کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق حسنہ کا نمونہ، بول چال اور گفتگو کا طریقہ، ہنسی مذاق، مہمان نوازی، کھانے پینے کی کیفیت اور انداز، شب وروز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عبادت کے کیا معمولات تھے، ان احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مذکورہ اوصاف، آداب اور سنتیں ذکر کی گئی ہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا لباس مبارک، لنگی اور پگڑی کیسی تھی، جوتے اور موزے کس طرح کے تھے، انگوٹھی، مہر، بستر اور تکیہ کی کیفیت، سرمہ اور خوشبو کا استعمال، پانی اور دودھ پینے کا پیالہ، سواری کے لیے اونٹ اور اونٹنیاں کتنی تھیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خود، زرہوں اور تلواروں کی تعداد اور ان کی کیفیت کیا تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کی تفصیل، ترکہ اور میراث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا چھوڑا، اور اس بارے میں کیا ہدایات ارشاد فرمائیں، اور کتاب کے آخر میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جو نیک بخت مسلمان خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کی سعادت سے سرفراز ہوجائے تو اس نے واقعی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہی دیکھا ہے۔

ان تمام اوصاف سے متعلق امام ترمذی رحمہ اللہ نے بڑے عمدہ انداز سے شمائل میں احادیث کو ذکر کیا ہے، حقیقت یہ ہے کہ جب انسان شمائل کی ان احادیث کو پڑھتا ہے تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ گویا وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں موجود ہے، اور وہ

اپنی آنکھوں سے گویا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دیدار کر رہا ہے، اس بارے میں شیخ محمد بن جزری نے کیا خوب کہا:

اَخِلَّائِیْ! اِنْ شَطَّ الْحَبِیْبُ وَرَبْعُهٗ وَ عَزَّ تَلَاقِیْهِ وَنَائَتْ مَنَازِلُهٗ

وَفَاتَکُمْ اَنْ تُبْصِرُوْهُ بِعَیْنِکُمْ وَمَا فَاتَکُمْ بِالْعَیْنِ هٰذِهٖ شَمَائِلُهٗ

ترجمہ: ۱۔ اے میرے جگری دوستو! اگر پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کی جگہ تم سے دور ہے، اور اگر تمہارے لیے ان سے ملاقات کرنا مشکل ہے اور ان کے گھر تم سے دور ہیں۔

۲۔ اور اگر تمہارے بس میں نہیں کہ تم ان کو اپنی آنکھوں سے دیکھ سکو (تو پریشان ہونے کی کوئی بات نہیں) کیونکہ یہ موقع تو تم سے فوت نہیں ہوا کہ تم اپنی آنکھوں سے ان کے شمائل کو دیکھ لو۔

علامہ محی الدین عبدالقادر زرکشی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

یَا أَشْرَفَ! مُرْسَلاً کَرِیْماً مَا أَلْطَفَ هٰذِهٖ الشَّمَائِلُ

مَنْ یَسْمَعُ وَصْفَهَا تَرَاهُ کَالْغُصْنِ مَعَ النَّسِیْمِ مَائِلُ

ترجمہ: ۱۔ اے بہت شرف وفضل والے مہربان رسول، آپ کے یہ شمائل کس قدر پیارے اور لطیف ہیں۔

۲۔ جو بھی ان شمائل کو سنے گا تو وہ اس رسول کو یوں دیکھے گا، جس طرح ایک ٹہنی اور شاخ ہوا میں جھومتی ہے (یعنی ان اوصاف وشمائل کو سن کر اسے اپنے محبوب کی شخصیت جھومتی نظر آئے گی)

یہ تمام اشعار ملا علی قاری رحمہ اللہ نے "جمع الوسائل فی شرح الشمائل" کے مقدمہ میں ذکر کیے ہیں۔

............☆☆☆............

شمائل ترمذی کی اس شرح میں درج ذیل امور کا اہتمام کیا گیا ہے تا کہ ہر حدیث اور اس سے ثابت ہونے والے احکام و مسائل کو بہتر انداز سے سمجھا جا سکے:

۱۔ ہر حدیث کا عربی متن، اس پر اعراب اور بامحاورہ اردو ترجمہ۔

۲۔ احادیث کے مشکل الفاظ اور لغات کی تشریح اور وضاحت۔

۳۔ عنوان لگا کر احادیث کی شرح وتفصیل۔

۴۔ احادیث سے ثابت ہونے والے فوائد، عبرتیں اور نصائح کا بیان۔

۵۔ تشریح انتہائی عام فہم انداز سے کی گئی ہے، تا کہ ایک عام آدمی کو بھی اس کا مطلب سمجھ آ جائے، اور وہ اس سے استفادہ کر سکے۔

۶۔ طویل مباحث سے اجتناب۔

۷۔ ہر بحث اور مسئلہ کے مستند حوالے۔

۸۔ ہر حدیث کی تخریج کی گئی ہے، یعنی یہ بتایا گیا ہے کہ شمائل ترمذی کی احادیث، اور کس کس حدیث کی کتاب میں موجود

ہیں، رقم الحدیث کی بھی تصریح کی گئی ہے۔

۹۔ جس صحابی اور صحابیہ نے حضور اکرم ﷺ سے حدیث روایت کی ہے، ان کے حالات زندگی، دینی خدمات اور کارنامے، زہد وتقویٰ اور ان کی عبادات کا اختصار کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور راویوں میں سے بعض مقامات پر بعض تابعین کے حالات زندگی بھی مختصراً لکھے گئے ہیں۔

۱۰۔ بعض احادیث کے آخر میں اختصار کے پیش نظر امام ترمذی رحمہ اللہ نے لکھا ہے: "وفی الحدیث قصة"، ایسے تمام مواقع پر اس قصہ سے متعلق پوری حدیث کو حوالہ کے ساتھ لکھنے کا اہتمام کیا گیا ہے۔

انسانی کوشش اور ہمت کے بقدر اس بات کا مکمل اہتمام کیا گیا ہے کہ شمائل ترمذی کی اس شرح میں کسی قسم کی کوئی غلطی نہ ہو، ہر بحث اور مسئلہ کو مکمل تحقیق، غور وفکر اور مستند حوالوں کے ساتھ لکھا گیا ہے، اس کے باوجود اگر کسی صاحب علم کی نظر میں اس کی کوئی بات غلط ثابت ہو تو برائے کرم دلیل سے اس غلطی کی نشاندہی کر دیں، اس پر میں ان کا شکر گزار ہوں گا، اور وہ بات اگر واقعی خلاف حقیقت ثابت ہوگئی تو اس غلطی کی اصلاح کر دی جائے گی ان شاء اللہ العزیز۔

اللہ جل جلالہ سے تہ دل سے دعا ہے کہ وہ محض اپنے فضل وکرم سے اس ادنیٰ سی کوشش ومحنت کو اپنی بارگاہ عالی میں قبول فرمائے، اس میں کمی کوتاہی کو معاف فرما دے، اس کی برکت سے اس ناکارہ کو اپنی اور اپنے حبیب ﷺ کی سچی محبت عطا فرمائے، ان احادیث پر مجھے اور تمام پڑھنے والوں کو اخلاص کے ساتھ عمل کی توفیق عطا فرمائے، اس شرح کو میرے لیے، میرے والدین اور میرے تمام اساتذہ کے لیے، بالخصوص حضرت مولانا غلام محمد صاحب رحمہ اللہ کے لیے (کہ یہ کتاب میں نے جامعہ دار العلوم کراچی میں ان سے پڑھی ہے) صدقہ جاریہ، عفو ودرگزر، اپنی رضا اور خوشنودی اور مغفرت وبخشش کا ذریعہ بنائے اور تمام مقاصد حسنہ میں کامیابی نصیب فرمائے، اور محض اپنے فضل وکرم سے مجھے دین اسلام کی مزید سے مزید خدمت کے لیے قبول ومنظور فرمائے، اور ترمذی اول کی شرح کو مکمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

طالب دعا

**محمد طارق**

استاذ حدیث ومفتی جامعہ فریدیہ E-7 اسلام آباد

ومدیر جامعہ مریم للبنات F-10/3،

سٹریٹ C-7، مکان نمبر 72، اسلام آباد

24 ذوالحجہ 1440ھ

27 اگست 2019م

0333-5375336

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

# شمائل النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عادات وخصائل

**اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلَامٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى، قَالَ الشَّيْخُ الْحَافِظُ أَبُوْ عِيْسٰى مُحَمَّدُ بْنُ عِيْسٰى بْنِ سَوْرَةَ التِّرْمِذِيُّ،**

تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، اور اللہ کے ان تمام بندوں یعنی انبیاء پر سلامتی ہو، جن کو اللہ جل شانہ نے (اپنی نبوت ورسالت کے لیے) منتخب فرمایا ہے، شیخ، حافظ ابوعیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ ترمذی کہتے ہیں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** شمائل: شمال (شین کے نیچے زیر) کی جمع ہے جیسے خصائل: خصال کی جمع ہے: عادات، اخلاق، اصطفی: اللہ تعالیٰ نے منتخب فرمایا۔ "عباد" عبد کی جمع ہے، اس سے اصلاً تمام انبیاء علیہم السلام مراد ہیں، اور بعض کے بقول عام انسان بھی ضمناً سلامتی کی دعا میں داخل ہیں۔

## شیخ، حافظ، حجہ اور حاکم ... کے اصطلاحی معنی

شیخ: اس ماہر استاذ کو کہتے ہیں جسے کسی فن میں کمال حاصل ہو، اور اس لائق ہو کہ اس میں اس کی پیروی کی جائے، خواہ وہ جوان ہو یا بوڑھا، مخصوص عمر کی اس میں کوئی قید نہیں، نیز محدثین کے ہاں پانچ مراتب ہیں:

- طالب: وہ ابتدائی طالب علم جو علم حدیث حاصل کرے۔
- محدث: وہ شخص جو احادیث کو حاصل کر کے روایت کرے۔
- حافظ: وہ شخص جسے ایک لاکھ احادیث متن اور سند کے ساتھ یاد ہوں۔
- حجہ: وہ شیخ جسے تین لاکھ احادیث کا علم حاصل ہو، ان کے متن، سند، جرح وتعدیل کے اعتبار سے راویوں کے حالات اور ان کی تاریخ پر مکمل عبور اور کمال حاصل ہو۔
- حاکم: وہ شیخ جسے تمام احادیث کا علم حاصل ہو، روایت کردہ کوئی حدیث اس کی نظروں سے اوجھل نہ ہو۔(۱)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۶/۱۔

# ابو عیسیٰ کنیت رکھنے کا حکم

امام ترمذی رحمہ اللہ کی کنیت ''ابو عیسیٰ'' ہے، اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ بعض احادیث سے اس کنیت کی کراہت معلوم ہوتی ہے، مثلاً:

- مصنف ابن ابی شیبہ میں حضرت موسیٰ بن علی اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی کنیت ''ابو عیسیٰ'' رکھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اِنَّ عِیْسٰی لَا أَبَ لَہٗ'' (حقیقت یہ ہے کہ حضرت عیسیٰ کا کوئی باپ نہیں تھا)(۱)۔
- سنن ابی داؤد میں حضرت زید بن اسلم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر فاروق کے ایک بیٹے نے اپنی کنیت ''ابو عیسیٰ'' رکھی تو حضرت عمر نے اسے مارا اور حضرت مغیرہ بن شعبہ نے اپنی کنیت ''ابو عیسیٰ'' رکھی تو حضرت عمر نے ان سے فرمایا کہ کیا تمہارے لیے ''ابو عبداللہ'' کنیت رکھ لینا کافی نہیں ہے؟ حضرت مغیرہ نے عرض کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میری یہ کنیت رکھی ہے، حضرت عمر نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اگلے پچھلے سب گناہ معاف کر دیئے گئے ہیں، ہم نہیں جانتے کہ ہمارا آخرت میں کیا بنے گا، لہذا ہمیں احتیاط کرنی چاہیے؛ چنانچہ حضرت مغیرہ نے پھر وفات تک اپنی کنیت ابو عبداللہ ہی رکھی۔(۲)

حضرت مولانا رشید احمد گنگوہی رحمہ اللہ کی تقریر میں ہے کہ حضرت عمرؓ کے کلام کا مقصد یہ ہے کہ بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے کام کو بھی کر لیا کرتے جو اپنی ذات کے لحاظ سے ناپسندیدہ اور مکروہ ہوتا ہے، تاکہ امت کو یہ معلوم ہو جائے کہ یہ کام اسلام میں حرام نہیں، جائز ہے اگرچہ ناپسندیدہ اور مکروہ ہے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حق میں وہ کام گناہ نہیں ہوتا بلکہ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر و ثواب دیا جاتا ہے، لیکن امت کا کوئی فرد اگر اسے کرے گا تو اس کے لیے وہ ناپسندیدہ اور مکروہ ہوگا، لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو حضرت مغیرہ بن شعبہ کی کنیت ''ابو عیسیٰ'' رکھی، اس سے اس کنیت کا جواز ثابت ہوتا ہے، اور جس شخص سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ''حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا تو کوئی باپ نہیں تھا'' اس سے اس کنیت کی کراہت اور ناپسندیدہ ہونا معلوم ہوتا ہے، کیونکہ اس سے یہ وہم اور شبہہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا باپ تھا، حالانکہ ان کا تو کوئی باپ نہیں تھا، اس کراہت سے بچنے کے لیے حضرت عمر نے اپنے بیٹے کو مارا اور حضرت مغیرہ کو ''ابو عیسیٰ'' کنیت رکھنے سے منع کیا۔(۳)

اس تفصیل سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ ''ابو عیسیٰ'' کنیت رکھنا اگرچہ شریعت میں جائز ہے مگر ناپسندیدہ اور مکروہ ہے۔(۴)

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبۃ ۵۷۰/۱۳، کتاب الأدب، باب ما یکرہ ان یکتنی بہ، رقم الحدیث: ۲۷۲۰۶۔

(۲) سنن ابی داؤد ۳۷۸/۴ کتاب الادب، باب فیمن یتکنی بأبی عیسیٰ رقم الحدیث: ۴۹۶۳، ط: بیروت

(۳) بذل المجہود ۱۰۲/۱۹ کتاب الادب، باب فیمن یتکنی بأبی عیسیٰ، رقم الحدیث: ۴۹۶۳

(۴) ردالمحتار ۴۱۸/۶، کتاب الحظر والاباحۃ، احب الاسماء الی اللہ تعالیٰ، ط: ایچ ایم سعید کراچی۔

جب یہ کنیت مکروہ ہے، تو پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اپنی کنیت "ابوعیسیٰ" کس وجہ سے رکھی؟ اس کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

- ہوسکتا ہے کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے جو اپنی کنیت ابوعیسیٰ رکھی، اس وقت تک کراہت کی روایت ان تک نہ پہنچی ہو۔
- یا یہ کہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے خود یہ کنیت نہیں رکھی، بلکہ ان کے آباء واجداد اور بڑوں کی طرف سے یہ کنیت رکھی گئی۔
- یا یہ کہ حضرت عمرؓ کی حدیث سے اگرچہ کراہت کے ساتھ جواز معلوم ہوتا ہے، مگر اس کے باوجود امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کنیت کو اس وجہ سے پسند کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ بن شعبہ کی یہ کنیت رکھی تھی، یہ تینوں جواب حضرت گنگوہی رحمہ اللہ نے دیئے ہیں۔(۱)
- ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ کراہت اس وقت ہے کہ جب کوئی شخص خود ابتداءً یہ کنیت رکھے، لیکن اگر کوئی شخص خود ہی اس کنیت سے مشہور ہوجائے تو اس میں نہ تو ممانعت ہے اور نہ ہی کراہت ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ بھی اسی طرح اس کنیت سے مشہور ہوگئے، باقاعدہ انہوں نے یہ کنیت نہیں رکھی۔(۲)

حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ نے اس توجیہ کو سب سے بہتر قرار دیا ہے۔(۳)

امام ترمذی رحمہ اللہ "ترمذ" شہر میں رہتے تھے، یہ ماوراء النہر میں نہر جیحون کے پاس ایک شہر ہے، جو ازبکستان میں واقع ہے، لفظ ترمذ کا صحیح تلفظ کیا ہے؟ امام نووی فرماتے ہیں کہ اس لفظ کو تین طرح سے پڑھا جاسکتا ہے:

- ترمذ میں مشہور تلفظ یہ ہے: تاء اور میم دونوں کے نیچے زیر ہو۔
- تاء اور میم دونوں پر پیش ہو۔
- تاء پر زبر اور میم کے نیچے زیر ہو۔(۴)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي خَلْقِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت اور حلیہ مبارک کا بیان ہے

عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ، وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ، وَلَا بِالْآدَمِ، وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ، وَلَا بِالسَّبِطِ،

---

(۱) مقدمة الكوكب الدری ۱/۴، بذل المجهود ۱۹/۱۰۲
(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل للملا علی القاری ۱/۶
(۳) مقدمة الكوكب الدری ۱/۵
(۴) جمع الوسائل فی شرح الشمائل للملا علی القاری ۱/۷

بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً ، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ ، وَتَوَفَّاهُ اللّٰهُ تَعَالٰی عَلٰی رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً ، وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.(۱)

ربیعہ بن ابی عبدالرحمن نے حضرت انس بن مالک ؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ نہ بہت لمبے قد کے تھے اور نہ پست قد کے تھے، (بلکہ آپ ﷺ درمیانے قد کے تھے) اور آپ ﷺ رنگ کے لحاظ سے نہ بالکل سفید تھے (چونے کی طرح) اور نہ بالکل گندمی رنگ کے (کہ سانولہ پن آجائے بلکہ آپ ﷺ چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن اور پرنور تھے) اور آپ ﷺ کے سر کے بال نہ بالکل پیچدار اور گھونگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے، چالیس سال کی عمر ہو جانے پر اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کو نبی بنایا، پھر آپ ﷺ دس سال مکہ مکرمہ میں ہی رہے، اور (ہجرت کے بعد) مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا، پھر اللہ تعالیٰ نے ساٹھ سال کی عمر میں آپ ﷺ کو وفات دی، اس وقت آپ ﷺ کے سر اور آپ ﷺ کی ڈاڑھی میں بیس بال بھی سفید نہ تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔ **خلق:** (خاء پر زبر اور لام ساکن) پیدائش یعنی آپ ﷺ کی شکل وصورت اور آپ ﷺ کا حلیہ مبارک، اور اگر یہ لفظ خاء اور لام پر پیش کے ساتھ ہو تو اس کے معنی: عادت اور اخلاق کے ہیں، **الطویل:** لمبا، **البائن:** اس لفظ کے دو معنی ہوسکتے ہیں۔ (۱) یہ لفظ بان یبین سے ہو جس کے معنی ظاہر ہونے کے ہیں، معنی یہ ہیں: آپ ﷺ کا لمبا قد بالکل ظاہر اور واضح نہیں تھا۔ (۲) اس کے معنی ''دور ہونے'' کے ہیں، معنی یہ ہیں: آپ ﷺ کا قد درمیانے پن سے دور نہیں تھا، یعنی آپ ﷺ کا قد درمیانہ تھا مگر ذرا لمبائی کی طرف مائل تھا، **القصیر:** پست قد، کوتاہ قد، ٹھگنا، **الأمهق:** بہت سفید رنگ جس میں کوئی سرخی نہ ہو جیسے چونا، برف اور دودھ کا رنگ ہوتا ہے جنہیں دیکھنے میں کوئی لطف نہیں آتا، مگر آپ ﷺ کے سفید رنگ میں سرخی مکس تھی، جس کی وجہ سے دیکھنے میں بہت پیارے لگتے تھے، **الادم:** گندم گوں، گندمی رنگ کا، **الجعد:** (جیم پر زبر اور عین ساکن): گھونگھریالے بال، پیچدار بال، **القطط:** (قاف اور طاء پر زبر) چھوٹے گھونگھریالے بال، شدید گھونگھریالے بال، یہاں حدیث میں یہ لفظ جعد کی صفت ہے، معنی یہ ہیں: آپ ﷺ کے بال بہت ہی زیادہ گھونگھریالے اور پیچدار نہیں تھے، **السبط:** (سین پر زبر اور با پر جزم اور زیر): سیدھے بال جن میں گھونگھریالا پن نہ ہو، **علی رأس اربعین سنة:** چالیس سال کے آخر میں، اس میں لفظ ''رأس'' آخر کے معنی میں ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک لفظ ''رأس'' یہاں پر زائد ہے، یعنی جب آپ ﷺ کی عمر چالیس سال ہوگئی، **توفاه الله:** اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وفات دی یعنی آپ ﷺ کی روح مبارک قبض ہوگئی۔

---

(۱) صحیح البخاری: ۱۸۷/۴، باب صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۴۸، ط: دار طوق النجاة، صحیح مسلم، ۱۸۲۴/۴، رقم الحدیث: ۲۳۴۷، ط: دار احیاء التراث العربی بیروت۔

# حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمن رحمہ اللہ کا مختصر تعارف

اس حدیث کے راوی حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ ہیں، جن کے تفصیلی حالات معارف ترمذی جلد چہارم میں گذر چکے ہیں، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے حضرت ربیعہ روایت کر رہے ہیں، ربیعہ بن ابی عبدالرحمن تابعی تھے، ان کے والد کا نام ''فروخ'' تھا، والد کی کنیت ابوعبدالرحمن ہے، اور حضرت ربیعہ کی کنیت ''ابوعثمان'' ہے، یہ ''ربیعہ الرای'' کے نام سے علمی حلقوں میں مشہور ہو گئے تھے، کیونکہ یہ فقہی مسائل کا قرآن وسنت کی روشنی میں قیاس کے ذریعہ استنباط کیا کرتے تھے، یہ امام مالک رحمہ اللہ کے استاذ تھے، مسجد نبوی میں ان کا بڑا وسیع حلقہ درس تھا، جس میں بڑے بڑے شیوخ شریک ہوتے تھے، یحیی بن سعید کہتے ہیں: مَارَأَيْتُ اَحَدًا أَفْطَنَ مِنْ رَبِيْعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ (میں نے ربیعہ سے زیادہ کوئی سمجھدار نہیں دیکھا) بہت بڑے بزرگ تھے، بہت سے محدثین نے ان کے بارے میں تعریفی کلمات کہے ہیں۔

ابن سعد کہتے ہیں کہ ۱۳۶ ہجری میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی، مطرف بن عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ان کی وفات پر بڑی حسرت سے امام مالک رحمہ اللہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا: ذَهَبَتْ حَلَاوَةُ الْفِقْهِ مُنْذُ مَاتَ رَبِيْعَةُ بْنُ اَبِي عَبْدِ الرَّحْمٰنِ (ربیعہ کی وفات سے فقہ کی حلاوت اور مٹھاس دنیا سے چلی گئی)۔

ان کا ایک مشہور واقعہ ہے کہ ان کے والد ''فروخ'' اپنی بیوی کے مشورے سے بنوامیہ کے زمانے میں خراسان کی طرف جہاد کے لیے چلے گئے تھے، خرچہ کے لیے اپنی بیوی کو تیس ہزار دینار دیئے، جب وہ چلے گئے تو فتوحات ہوتی گئیں اور یہ بھی دیگر مجاہدین کے ساتھ آگے بڑھتے گئے، اللہ کی شان کہ جس وقت وہ گئے تھے تو ان کی بیوی امید سے تھی، پیٹ میں حمل تھا، اس دوران ان کا بیٹا پیدا ہو کر بڑا بھی ہو گیا، ستائیس سال کے بعد واپس گھر آئے، جب واپس آئے تو سیدھا گھر کے دروازے پر گئے، گھوڑے پر سوار تھے اور ہاتھ میں نیزہ تھا، گھوڑے سے اتر کر نیزے سے دروازہ کھٹکھٹایا، اتنے میں حضرت ربیعہ رحمہ اللہ باہر آئے، انہوں نے دیکھا کہ یہ تو کوئی اجنبی آدمی ہے، دیکھ کر کہنے لگے: اے اللہ کے دشمن! کیا تو میرے گھر پر ڈاکہ ڈالنا چاہتا ہے؟ انہوں نے کہا: نہیں اور پھر فروخ نے کہا: اے اللہ کے دشمن! تو نے میرے گھر میں میری عزت وحرمت پر ڈاکہ ڈال رکھا ہے، یوں ان دونوں باپ بیٹے میں کافی گرما گرمی ہو گئی، اونچی آوازیں سن کر پڑوسی بھی جمع ہو گئے، یہاں تک کہ امام مالک اور دوسرے مشائخ کو بھی پتہ چل گیا، وہ بھی آ گئے، ربیعہ کہنے لگے: تو نے میرے گھر پر ڈاکہ ڈالنے کی کوشش کی ہے، اس لیے میں آپ کو عدالت میں قاضی کے پاس لے کر چلوں گا، اور فروخ نے بھی کہا کہ میں بھی تمہیں قاضی کے پاس لے کر جاؤں گا، کیونکہ تو میری بیوی کے پاس پکڑا گیا ہے، بحث ومباحثہ کی چیخ وپکار کافی بلند ہو گئی، امام مالک رحمہ اللہ نے فروخ سے کہا کہ تم اس گھر کے علاوہ کہیں اور پناہ لے لو، فروخ نے کہا: میں ''فروخ'' ہوں اور یہ میرا ہی گھر ہے، گھر کے اندر ربیعہ کی والدہ نے فروخ کی آواز سن لی، باہر آ کر کہنے لگیں: یہ میرے شوہر ہیں، اور یہ ربیعہ ان کا بیٹا ہے، جب یہ جہاد پر گئے تھے تو ربیعہ میرے پیٹ میں تھا، بس اب تو مجلس کا ماحول ہی بدل

گیا، باپ بیٹا آپس میں مل کر رونے لگے۔

فروخ نے حال احوال پوچھنے کے بعد کہا کہ جو رقم میں تمہیں دے گیا تھا، وہ کہاں ہے، واپس مجھے لا کر دو، بیوی نے کہا کہ وہ تو میں نے کہیں دفن کی ہوئی ہے، کچھ دنوں کے بعد نکالوں گی، پھر تھوڑی دیر کے بعد حضرت ربیعہ مسجد نبوی چلے گئے، اور اپنے حلقہ درس میں بیٹھ گئے، تھوڑی ہی دیر میں ان کے درس میں امام مالک رحمہ اللہ جیسے بڑے بڑے شیوخ شریک ہو گئے، بیوی نے فروخ سے کہا: جایئے! آپ بھی مسجد چلے جائیں، چنانچہ یہ وہاں پہنچے، نماز پڑھی، اور بڑے بڑے علماء کا ایک بہت بڑا درس کا حلقہ لگا دیکھا تو یہ بھی ان میں جا کر بیٹھ گئے، حضرت ربیعہ نے والد کو دیکھ کر ادب کے مارے اپنا سر جھکا لیا اور یوں ظاہر کیا جیسے انہوں نے اپنے والد کو درس میں بیٹھتے دیکھا ہی نہیں، فروخ نے پوچھا: یہ آدمی کون ہے؟ لوگوں نے انہیں بتایا کہ یہ ربیعہ بن ابی عبد الرحمن فروخ ہیں، اس پر کہنے لگے: اللہ جل جلالہ نے میرے بیٹے کو بہت بلند مقام عطا فرمایا ہے، پھر گھر گئے اور اپنی بیوی سے کہنے لگے: میں نے اپنے بیٹے ربیعہ جیسا درس کا حلقہ کسی اور عالم کا نہیں دیکھا، اب بیوی نے کہا: بتایئے! آپ کو اپنی رقم واپس چاہیے یا اپنے بیٹے کا یہ مقام و مرتبہ اور شرف چاہیے؟ کہا! نہیں! اللہ کی قسم مجھے اپنے بیٹے کا یہ مقام چاہیے، بیوی نے کہا: آپ نے جو مجھے تیس ہزار دینار دیئے تھے، وہ میں نے اپنے بیٹے ربیعہ کی تعلیم و تربیت پر خرچ کر دیئے ہیں، اس پر فروخ کہنے لگا: اللہ کی قسم! تم نے وہ پیسے ضائع نہیں کیے بلکہ صحیح جگہ پر خرچ کیے۔ (۱)

اس سے آپ اندازہ لگایئے کہ ایک نیک ماں نے اپنے بیٹے کی کس قدر اچھی تربیت کی ہے، وہ بھی ایسی حالت میں کہ شوہر ایک طویل عرصہ سے گھر میں موجود ہی نہیں، ایسے میں ایک خاتون کی کس قدر گھریلو ذمہ داریاں بڑھ جاتی ہیں، مگر پھر بھی حضرت ربیعہ کی ماں نے اپنے بچے کی تعلیم و تربیت میں کوئی کسر نہیں چھوڑی، آج بھی اگر والدین اسی جذبے اور ہمت سے سرشار ہو کر اخلاص کے ساتھ اپنی اولاد کی دینی تربیت کریں تو انہیں بھی اس طرح کے اچھے ثمرات حاصل ہو سکتے ہیں، جو حضرت فروخ اور ان کی بیوی کو حاصل ہوئے، اللہ جل شانہ اپنے فضل و کرم سے اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائیں۔ آمین یا رب العالمین۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قد و قامت وغیرہ کا ذکر

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسمانی اوصاف کو بیان کیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد و قامت کتنا تھا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی رنگت کس طرح کی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال سیدھے تھے یا پیچدار اور گھونگھریالے، غرض یہ کہ حسن و جمال اور خوبصورتی کا ہر نقش پورے آب و تاب کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں موجود تھا بلکہ یوں کہیے کہ حسن و جمال کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر انتہا تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہ نے اتنا حسن عطا فرمایا تھا کہ اسے کوئی انسان بیان کرنے کی طاقت ہی نہیں رکھتا، نور مجسم کے جمال جہاں آرا کو الفاظ میں بیان کرنے سے انسان عاجز اور قاصر ہے، چنانچہ

(۱) سير أعلام النبلاء: ۶/۳۱۹-۳۲۲، رقم الترجمة: ۸۵۴ ربيعة بن ابی عبد الرحمن فروخ، ط: بيروت

قرطبی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا پورا حسن و جمال ظاہر نہیں کیا گیا ورنہ تو صحابہ کرامؓ اور لوگوں کی آنکھیں آپ ﷺ کو دیکھ ہی نہ سکتیں، پھر بھی صحابہ کرامؓ نے اپنی صلاحیت اور ہمت کے بقدر جس طرح آپ ﷺ کے معنوی کمالات یعنی علوم و معارف اور احادیث کو بیان کیا ہے، اسی طرح آپ ﷺ کے ظاہری کمالات یعنی آپ ﷺ کے جسمانی حسن و جمال اور اوصاف کو بھی امت تک بڑے عمدہ انداز میں پہنچایا ہے۔(۱)

کسی نے کیا خوب کہا:

اے کہ تیرا جمال ہے زینت محفل حیات
دونوں جہاں کی رونقیں ہیں تیرے حسن کی زکوۃ

امام ترمذی رحمہ اللہ نے ''شمائل ترمذی'' میں چار سو احادیث ذکر کی ہیں، جن کے چھپن ابواب ہیں، اس پہلے باب میں چودہ احادیث ذکر فرمائی ہیں، (۲) اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے جسمانی اوصاف سے متعلق چار چیزیں ذکر کی گئی ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کا قد مبارک نہ تو بہت لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا، جسے ٹھگنا کہا جاتا ہے، بلکہ آپ ﷺ کا قد درمیانہ تھا، جو ذرا لمبائی کی طرف مائل تھا، چنانچہ ایک روایت میں اس کی تصریح ہے، اس کے باوجود جب آپ ﷺ کسی مجمع میں لوگوں کے درمیان کھڑے ہوتے، تو آپ ﷺ سب سے زیادہ بلند نظر آتے، اگرچہ اس مجمع میں دراز قد والے لوگ بھی ہوتے تھے، اس وجہ سے نہیں کہ آپ ﷺ کا قد سب سے لمبا تھا، بلکہ ایسا معجزہ کی وجہ سے ہوتا، تاکہ سب کے سامنے یہ بات واضح ہو جائے کہ جس طرح نبی کریم ﷺ معنوی کمالات اور اوصاف یعنی علوم و معارف وغیرہ میں سب سے فائق اور بلند ہیں، آپ ﷺ سے کوئی بلند مرتبہ نہیں، اسی طرح ظاہری طور پر بھی کوئی آپ ﷺ سے بلند اور اونچا نہیں، اس سے آپ ﷺ کی اعجازی حیثیت کو اجاگر کیا گیا ہے۔ کسی شاعر نے اسے یوں بیان کیا:

نہ پست قد نہ لمبے ہی کوئی مفہوم ہوتے تھے
میانہ قد سے کچھ نکلے ہوئے معلوم ہوتے تھے
وہ قامت نخل طوبی بھی پئے تعظیم جھک جائے
وہ اک شاہکار فطرت جس پہ خود خالق کو پیار آئے

۲۔ آپ ﷺ کی رنگت نہ تو چونے کی طرح بالکل سفید تھی، جس میں سرخی کی جھلک بھی نہیں ہوتی اور نہ بہت گہری گندمی تھی کہ سانولہ پن آجائے، بلکہ ایسی گندم گوں تھی جس میں سرخی اور سفیدی دونوں تھیں، جسے سرخ سفید رنگ کہا جاتا ہے، جو دیکھنے میں انتہائی خوبصورت، پرکشش اور خوش نما معلوم ہوتا ہے۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۱۰
(۲) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية للامام الباجوری الشافعی (ص:۱۷) ط: بیروت

۳۔ نبی کریم ﷺ کے بال نہ بہت زیادہ گھونگھریالے اور ٹیڑھے تھے جیسے افریقی اور حبشی لوگوں کے ہوتے ہیں، اور نہ بالکل سیدھے تھے جیسے عجمی لوگوں کے ہوتے ہیں بلکہ ان دونوں کے درمیان درمیان تھے یعنی ان میں معمولی سی پیچیدگی، خم اور گھونگھریالہ پن تھا۔(۱)

۴۔ وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کے سر مبارک اور آپ ﷺ کی ڈاڑھی میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے، اس بارے میں مزید احادیث باب ماجاء فی شیب رسول اللہ ﷺ میں آگے مذکور ہیں، اور اس سے متعلق مباحث بھی وہیں پر درج ہیں۔

## بعثت کے وقت آپ ﷺ کی عمر کتنی تھی

نبی کریم ﷺ کو نبوت کے اعزاز کے ساتھ باقاعدہ کس وقت سرفراز کیا گیا، اس وقت آپ ﷺ کی عمر مبارک کتنی تھی؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ مسعودی اور ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو اسی مہینہ میں نبوت عطا کی گئی، جس میں آپ ﷺ کی ولادت ہوئی یعنی ربیع الاول میں آپ ﷺ کو نبوت کا فریضہ سونپا گیا، اس قول کے مطابق آپ ﷺ کی عمر مبارک چالیس سال ہی بنتی ہے، جس طرح اس حدیث میں چالیس کا عدد ذکر کیا گیا ہے، اور بعض حضرات کے نزدیک اس وقت آپ ﷺ کی عمر چالیس سال اور دس دن یا بیس دن تھی۔

۲۔ جمہور علماء کے نزدیک نبی کریم ﷺ کی ولادت تو ربیع الاول میں ہوئی، مگر بعثت اس مہینہ میں نہیں بلکہ نو، سترہ، اٹھارہ یا چوبیس رمضان المبارک میں ہوئی ہے، اس لحاظ سے اس وقت آپ ﷺ کی عمر چالیس سال اور چھ ماہ یا انتالیس سال اور چھ ماہ تھی، اہل عرب کسر کو ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے، بس صرف ایک بڑے عدد یعنی دہائی کو ذکر کر دیتے ہیں، اسی عرف کے مطابق اس حدیث میں چالیس سال کا عدد ذکر کیا گیا ہے۔(۲)

## نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں تیرہ سال قیام رہا

اس میں کوئی اختلافی روایت نہیں کہ مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کا قیام دس سال رہا، مگر نبوت ملنے کے بعد آپ ﷺ کا قیام مکہ مکرمہ میں کتنا عرصہ رہا، اس میں دو طرح کی روایتیں منقول ہیں ایک یہ کہ آپ ﷺ کا قیام دس سال رہا ہے، اور دوسری یہ کہ آپ ﷺ مکہ مکرمہ میں نبوت کے بعد تیرہ سال مقیم رہے، حضرت انس کی مذکورہ روایت میں نبوت کے بعد

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۲۶۲ کتاب الفضائل والشمائل، باب اسماء النبی ﷺ وصفاتہ، رقم الحدیث: ۵۷۸۲، ط: کوئٹہ۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ۴/۵۶۸ کتاب الفضائل باب فی صفۃ النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۶۰۴۴ جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۱۴۔ عمدۃ القاری ۱۶/۳۰۳ کتاب مناقب الانصار باب مبعث النبی ﷺ، فتح الباری ۱/۳۶ کتاب بدء الوحی حدیث: ۳۔

مکہ مکرمہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام دس برس ذکر کیا گیا ہے اور پھر اس روایت میں اسی بناء پر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک ساٹھ سال ذکر کی گئی ہے حالانکہ بہت سی روایات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ سال مذکور ہے اور یہی جمہور علماء کے نزدیک صحیح ہے، تو مکہ میں قیام سے متعلق اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کے بارے میں روایات میں بظاہر تعارض ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے تین جواب دیئے ہیں:

۱۔ جمہور کے نزدیک صحیح یہی ہے کہ نبوت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مکہ مکرمہ میں قیام تیرہ برس رہا، اور جن روایات میں دس سال کا ذکر ہے، ان سے مراد یہ ہے کہ فترتِ وحی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ مکرمہ میں دس سال رہا، فترتِ وحی کا زمانہ تین سال ہے، اس دوران آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر عارضی طور پر وحی کا سلسلہ موقوف کر دیا گیا تھا، تین سال کے بعد پھر وحی کا سلسلہ مسلسل شروع کر دیا گیا تھا، اسی بات کو بعض حضرات نے یوں تعبیر کیا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں نبوت عطا کی گئی اور پھر تین سال کے بعد رسالت دی گئی، رسالت ملنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم دس سال مکہ مکرمہ میں رہے، تو حضرت انس کی مذکورہ روایت میں ان تین سالوں کا تذکرہ نہیں، جو زمانہ نبوت اور رسالت کے درمیان تھے، ان کو فترتِ وحی کا زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ عربی میں عموماً اعداد میں کسر کو شمار نہیں کیا جاتا، صرف دہائی کو ذکر کر دیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت انس کی مذکورہ روایت میں دونوں جگہ صرف دہائیاں ذکر کی گئی ہیں اور کسر کو ذکر نہیں کیا گیا، تیرہ سال کے بجائے دس سال اور تریسٹھ سال کے بجائے ساٹھ سال کو بیان کیا گیا ہے، لیکن مراد تیرہ سال اور تریسٹھ سال ہی ہیں۔ (۱)

۳۔ جمہور کے نزدیک وہ تمام روایات راجح ہیں جن میں مکہ مکرمہ میں تیرہ سال کا ذکر ہے، اور جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر تریسٹھ سال مذکور ہے، کیونکہ سند کے لحاظ سے یہ روایات زیادہ صحیح ہیں۔ (۲)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر سے متعلق مزید روایات اور تفصیل اس کتاب کے آخر میں ذکر کی گئی ہے، لہٰذا مزید گفتگو وہاں دیکھ لی جائے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَبْعَةً، لَيْسَ بِالطَّوِيلِ، وَلاَ بِالْقَصِيرِ، حَسَنَ الْجِسْمِ، وَكَانَ شَعْرُهُ لَيْسَ بِجَعْدٍ، وَلاَ سَبِطٍ، أَسْمَرَ اللَّوْنِ، إِذَا مَشَى يَتَكَفَّأُ. (۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درمیانے قد کے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت لمبے قد کے تھے اور نہ پست قد، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوبصورت معتدل جسم والے تھے، اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال نہ بالکل گھونگھریالے

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۱۴، ۱۵، فتح الباری ۸/۱۹۰، کتاب المغازی، باب وفاۃ النبی ﷺ رقم الحدیث: ۴۴۶۴، تکملۃ فتح الملہم ۴/۵۶۸، رقم الحدیث: ۶۰۴۴۔

(۲) فتح الباری ۷/۲۹۱، کتاب مناقب الانصار، باب ھجرۃ النبی ﷺ و اصحابہ الی المدینۃ، رقم الحدیث: ۳۹۰۳، شرح المناوی علی ھامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۱۵۔

(۳) جامع الترمذی، کتاب اللباس، باب ماجاء فی الجمعۃ واتخاذ الشعر، رقم الحدیث: ۱۷۵۴۔

تھے اور نہ بالکل ہی سیدھے (بلکہ ان دونوں کے درمیان درمیان تھے) اور آپ ﷺ گندمی رنگ کے تھے، اور جب آپ ﷺ چلتے تو آگے کی طرف جھکتے ہوئے چلتے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ربعة: (را پر زبر اور عین ساکن) درمیانہ قد آدمی، یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ حسن الجسم: (حاء اور سین پر زبر) خوبصورت اور معتدل جسم والا، جو نہ تو موٹا ہو اور نہ ہی کمزور اور لاغر ہو، اسمر: گندمی رنگ والا، گندم گوں، سانولہ، یتکفأ: اس کے تین ترجمے ہیں: (۱) وہ جلدی چلتے۔ (۲) وہ آگے کی طرف ذرا جھک کر چلتے۔ (۳) وہ قوت سے قدم اٹھا کر چلتے، پاؤں گھسیٹ کر نہ چلتے۔

## نبی کریم ﷺ کا رنگ مبارک اور چلنے کی کیفیت

مذکورہ حدیث میں دو باتیں خاص طور پر بیان کی گئی ہیں:

۱۔ حضرت انس کی اس روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کا رنگ مبارک سانولہ اور گندمی تھا، جبکہ اس سے پہلے حضرت انس کی روایت میں ہی یہ بیان ہوا ہے کہ نبی کریم ﷺ گندمی رنگ کے نہیں تھے، تو حضرت انس ؓ کی ان دونوں روایات میں بظاہر تعارض ہے۔

۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے ان میں یوں تطبیق دی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا رنگ چونے کی طرح سفید نہیں تھا کہ جس میں سرخی کی جھلک بھی نہ ہو، اور نہ ہی انتہائی گہرا گندمی تھا کہ جس سے سانولہ پن آجائے، بلکہ آپ ﷺ کا رنگ ایسا گندمی تھا، جس میں سرخی اور سفیدی دونوں تھیں، لہذا جس روایت میں گندمی رنگ کی نفی کی گئی ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ ایسا گندمی نہیں تھا کہ جس میں سرخی بالکل نہ ہو، اور جس روایت میں آپ ﷺ کا رنگ گندمی بیان کیا گیا ہے، اس سے مراد ایسا گندمی رنگ ہے، جس میں سرخی اور سفیدی دونوں مکس ہوں۔

اس پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ بہت سی روایات میں نبی کریم ﷺ کا رنگ مبارک سفید بیان کیا گیا ہے، جبکہ حضرت انس ؓ کی مذکورہ روایت میں آپ ﷺ کا رنگ گندمی بیان کیا گیا ہے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک کا وہ حصہ جس پر سورج کی روشنی پڑتی تھی، وہ ذرا گندمی ہو گیا تھا اور جو حصہ کپڑوں کے نیچے تھا، وہ سفید تھا، اس لیے جس روایت میں آپ ﷺ کا گندمی رنگ بیان کیا گیا ہے، اس سے وہ اعضاء مراد ہیں، جن پر دھوپ پڑتی تھی، اور جن روایات میں سفید رنگت کا تذکرہ ہے، اس سے مراد جسم کا وہ حصہ ہے، جو کپڑوں میں تھا، اس لیے وہ سفید رہا۔

ہاں یہ درست ہے کہ آپ ﷺ پر بادل سایہ کیا کرتے تھے، مگر یہ نبی بننے سے پہلے کے واقعات ہیں، جن کو "ارہاص" کہا جاتا ہے، نبوت کے بعد دیگر معجزات تو ظاہر ہوتے رہے، لیکن بادلوں کے سایہ والا معجزہ ظاہر نہیں ہوا، کسی صحیح حدیث سے اس کا

ثبوت نہیں، چنانچہ جب نبی کریم ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ پہنچے، تو حضرت ابوبکر صدیق ؓ نے آپ ﷺ پر چادر سے سایہ کیا، اور حجۃ الوداع کے موقع پر منی کی کڑکتی دھوپ میں رمی جمرات کے مقام پر آپ ﷺ پر حضرت صدیق اکبر نے کپڑے سے سایہ کیا، اگر بادل سایہ کرتے، تو پھر کسی چادر کے سایہ کی ضرورت ہی نہ پڑتی۔(۱)

۲۔ نبی کریم ﷺ کے چلنے میں تین اوصاف تھے:

۞ آپ ﷺ تیزی سے چلتے۔ ۞ آپ ﷺ ذرا آگے کی طرف جھک کر چلتے تھے، ناز و نخرے اور متکبرانہ انداز سے نہیں چلتے تھے۔ ۞ اپنے پاؤں زمین سے قوت کے ساتھ اٹھا کر چلتے، پاؤں گھسیٹ کر نہ چلتے، اس سے معلوم ہوا کہ تیز قدم، آگے کی طرف جھکتے ہوئے اور زمین سے پاؤں اٹھا کر چلنا مسنون ہے۔(۲)

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلاً مَرْبُوعًا، بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، عَظِيمَ الْجُمَّةِ إِلَى شَحْمَةِ أُذُنَيْهِ، عَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ، مَارَأَيْتُ شَيْئًا قَطُّ أَحْسَنَ مِنْهُ.(۳)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ درمیانہ قد آدمی تھے، آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان ذرا زیادہ فاصلہ تھا، آپ ﷺ بڑے بالوں والے تھے جو (بسا اوقات) آپ ﷺ کے کانوں کی لو تک آتے تھے، آپ ﷺ پر ایک سرخ دھاری والا خوبصورت جوڑا تھا اور میں نے کبھی ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی، جو آپ ﷺ سے زیادہ حسین و جمیل ہو۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ مِنْ ذِي لِمَّةٍ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ، أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللهِ، لَهُ شَعْرٌ يَضْرِبُ مَنْكِبَيْهِ، بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، لَمْ يَكُنْ بِالْقَصِيرِ، وَلاَ بِالطَّوِيلِ.(۴)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے کسی زلفوں والے کو سرخ دھاری والے خوبصورت جوڑے میں حضور اقدس ﷺ سے زیادہ حسین نہیں دیکھا، آپ ﷺ کے بال کندھوں تک آ رہے تھے، آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان ذرا زیادہ فاصلہ تھا، اور آپ ﷺ نہ تو پست قد تھے اور نہ ہی بہت زیادہ لمبے قد والے (بلکہ آپ ﷺ درمیانہ قد تھے، جو ذرا لمبائی کی طرف مائل تھے)۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** رجلاً مربوعا: اس میں لفظ مربوعا کے معنی تو ہیں: درمیانہ قد، اور لفظ ''رجلا'' کو دو طرح پڑھا گیا ہے، (۱) رجلاً: (را پر زبر اور جیم پر پیش کے ساتھ): اس کے معنی مرد کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ انتہائی باکمال

---

(۱) فتح الباری ۶/۶۰۷، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۴۸ جمع الوسائل مع شرح المناوی علیٰ ہامشہ ۱/۱۷۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل لملا علی قاری ۱/۱۷

(۳) الصحیح لمسلم، باب فی صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۲۳۳۷، مسند الامام احمد بن حنبل، رقم الحدیث: ۱۸۴۷۳۔

(۴) الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۲۳۳۷، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۳۵۔

تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں کامل درجہ کی مردانگی پائی جاتی تھی مگر یہاں پر لفظ رجلا تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، کلام میں اصل مقصود ''مربوعا'' ہے، چنانچہ عربی محاورے میں اس طرح کی تعبیر کثرت سے استعمال ہوتی ہے، مثلاً: قرآن مجید میں ہے: انتم قوم تجھلون، انتم قوم مسرفون، اس میں لفظ قوم مقصود نہیں، یہ تمہید کے طور پر ہے، اصل مقصود: تجھلون اور مسرفون ہے، اسی طرح کہا جاتا ہے: فلان رجل کریم، اور رجل صالح، ان میں بھی لفظ رجل تمہید کے طور پر ذکر کیا گیا ہے، اصل مقصود کریم اور صالح ہے۔

۲۔ رجلاً: (را پر زبر اور جیم کے نیچے زیر): وہ شخص جس کے سر کے بال نہ تو بالکل سیدھے ہوں اور نہ بالکل گھونگھریالے بلکہ ان دونوں کے درمیان درمیان ہوں یعنی ان میں تھوڑا سا ٹیڑھا پن ہو، جو دیکھنے میں انتہائی خوبصورت معلوم ہوں، چنانچہ اسی معنیٰ کے لیے عربی میں یوں کہا جاتا ہے: شعر رَجِلٌ، جبکہ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ لفظ ''رجلا'' کسی راوی کا اضافہ ہے، چنانچہ بعض روایات میں یہ لفظ نہیں ہے، (۱) بعید: (با پر پیش) بُعد کی تصغیر ہے: ذرا زیادہ دوری یعنی فاصلہ، منکبین: منکب کا تثنیہ ہے: دونوں کندھے، عظیم: بڑے، گھنے، گنجان (بال)، وفرۃ: (واؤ پر زبر اور فاء ساکن) سر کے وہ بال، جو کانوں کی لو تک پہنچے ہوئے ہوں، لمۃ: (لام کے نیچے زیر اور میم پر زبر و تشدید): کان کی لو سے بڑھی ہوئی بالوں کی زلفیں، جو کندھوں تک نہ پہنچی ہوں، یا کندھوں کے قریب قریب ہوں، جمۃ: (جیم پر پیش اور میم پر زبر اور تشدید) بالوں کی وہ زلفیں، جو کندھوں تک لٹکی ہوئی ہوں، ان کو یاد رکھنے کا فارمولہ لفظ ''ولج'' ہے، واؤ سے وفرۃ، لام سے لمۃ اور جیم سے جمۃ کی طرف اشارہ ہے، حلۃ: (حا پر پیش اور لام پر زبر و تشدید) خوبصورت جوڑا، یہاں حدیث میں اس سے تہ بند اور چادر مراد ہے، اور بعض کے نزدیک تین کپڑوں کا جوڑا مراد ہے، لہ شعر یضرب: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایسے بال تھے، جو پہنچ رہے تھے، یا لگ رہے تھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک کے بالوں کی لمبائی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بالوں کی لمبائی کتنی تھی؟ اس بارے میں روایات میں تین طرح کے الفاظ منقول ہیں: وفرہ، لمہ اور جمہ، بظاہر ان روایات میں تعارض ہے، اس لیے شارحین حدیث نے اس کی مختلف توجیہات اور مطلب بیان کیے ہیں، تا کہ یہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے:

۱۔ امام نووی، حافظ ابن حجر اور قاضی عیاض وغیرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بالوں کا لمبا اور چھوٹا ہونا مختلف اوقات اور حالات کے اعتبار سے ہے:

۞ جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم بالوں کو چھوٹا کراتے تو وہ کانوں کی لو تک ہوتے، کچھ دنوں میں مزید بڑھ جاتے، اور پھر مزید

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۵۵۲/۴ کتاب الفضائل باب فی صفۃ النبی ﷺ و انه کان احسن الناس وجها، رقم الحدیث: ۶۰۱۹، جمع الوسائل فی شرح الشمائل للملا علی قاری ۱۹/۱۔

بڑے ہو کر جمہ کی مقدار تک پہنچ جاتے۔

❁ نبی کریم ﷺ جس وقت بالوں میں کنگھی کرتے، تو وہ بال بڑے دکھائی دیتے یعنی لمہ اور جمہ، اور جب کنگھا نہ کرتے تو وہ بال سمٹے رہتے اور وفرہ کی حد تک دکھائی دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جس صحابی نے بالوں کی جس کیفیت کا مشاہدہ کیا، اس نے اسی طرح آگے بیان کر دیا، جس نے زلفوں کی لمبائی کانوں کی لو تک دیکھی، تو اس نے آپ ﷺ کے بالوں کی لمبائی وفرہ ذکر کردی، اور جس نے کانوں سے ذرا نیچے دیکھے، تو اس نے لمہ کی مقدار بیان کردی، اور جس نے کندھوں تک بالوں کی لمبائی دیکھی، تو اس نے جمہ کی مقدار کو بیان کر دیا۔

۲۔ بعض محققین فرماتے ہیں کہ وفرہ، لمہ اور جمہ کے مفہوم میں اگرچہ لغوی معنیٰ کے اعتبار سے فرق ہے، لیکن بسا اوقات عرف میں استعمال کے لحاظ سے ان میں سے ہر لفظ دوسرے کی جگہ استعمال ہوتا رہتا ہے، اور ان سے مطلقاً لمبے بال مراد لیے جاتے ہیں، خواہ ان کی لمبائی کانوں کی لو تک ہو یا کانوں سے نیچے اور کندھوں تک پہنچی ہوئی ہو، لہذا بعض راویوں نے بالوں کی لمبائی کے لیے ''وفرہ'' کا لفظ، بعض نے ''لمہ'' اور بعض نے ''جمہ'' سے تعبیر کر دیا ہے، اس لیے ان روایات میں اصلاً کوئی تعارض نہیں ہے۔(۱)

۳۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کے اگلے حصے کے بال آپ ﷺ کے کانوں تک یا نصف کانوں تک پہنچ جاتے تھے، اس لیے بعض راویوں نے آپ ﷺ کے بالوں کو وفرہ بیان کیا ہے، اور آپ ﷺ کے درمیانے سر کے بال کانوں کی لو سے ذرا نیچے ہوتے، ان کو لمہ سے تعبیر کیا گیا ہے اور سر کے پچھلے حصے کے بال کندھوں کے قریب قریب ہو جاتے، ان کو حدیث میں جمہ کے لفظ سے بیان کیا گیا ہے، اس لیے ان روایات میں تعارض نہیں، مگر اس توجیہ کو دیگر محدثین نے پسند نہیں کیا، اس میں بہت تکلف ہے۔(۲)

**عظیم الجمة الی شحمة اذنیه:** اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ جمہ تو ان زلفوں کو کہتے ہیں، جو کندھوں تک پہنچی ہوئی ہوں، جبکہ اس جملے میں جمہ کے لیے الی شحمة اذنیه کے الفاظ ہیں کہ وہ بال آپ ﷺ کے کانوں کی لو تک پہنچے ہوئے تھے، حالانکہ کانوں کی لو تک کی زلفوں کو وفرہ کہا جاتا ہے؟ اس اشکال کے دو جواب دیے گئے ہیں:

۱۔ یہاں اس حدیث میں جمہ سے مجازاً وفرہ مراد ہے، جیسے پہلے تفصیل سے گذر چکا ہے کہ یہ تینوں الفاظ یعنی وفرہ، لمہ اور جمہ ایک دوسرے کے معنیٰ میں استعمال ہوتے رہتے ہیں، اور ان سے مطلقاً بڑے بال مراد ہوتے ہیں۔

۲۔ اس جملہ کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ کے سر کے گھنے بال تو کانوں کی لو تک ہی تھے اور اس سے نیچے کندھوں تک جو

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۰/۱، ۲۱، وایضاً ۹۹/۱ باب ما جاء فی شعر رسول الله ﷺ، فتح الباری ۷۱۰/۶ کتاب المناقب باب صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۵۱ شرح مسلم للنووی ۲۵۷/۲ کتاب الفضائل باب صفة شعره ﷺ، تکملة فتح الملهم ۵۵۵/۴ رقم الحدیث: ۶۰۲۰ بذل المجهود ۲۶/۱۷ کتاب الترجل باب ما جاء فی الشعر، رقم الحدیث: ۴۱۸۳۔

(۲) شرح المناوی للشمائل علی هامش جمع الوسائل ۲۰/۱، خصائل نبوی (ص: ۴۴، مکتبة البشریٰ)

زلفیں لٹک رہی تھیں، وہ گھنی نہیں تھیں، بلکہ وہ خفیف اور ہلکی تھیں، اس صورت میں الی شحمة اذنیه کا تعلق لفظ "عظیم" سے ہوگا۔(۱)

## آپ ﷺ سے زیادہ کوئی حسین نہیں

نبی کریم ﷺ کو اللہ جل جلالہ نے جس طرح باطنی علوم اور کمالات سے سرفراز فرمایا تھا، اسی طرح آپ ﷺ کو جسمانی طور پر حسن و جمال بھی خوب عطا فرمایا تھا، اس طرح کا حسن و جمال کسی انسان کو نہیں دیا گیا، حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ آپ ﷺ سے زیادہ میں نے کسی چیز کو خوبصورت نہیں دیکھا، حدیث میں شیئا کا لفظ استعمال فرمایا، انسانا کا نہیں، اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ آپ ﷺ کا حسن و جمال چاند اور سورج سے بھی زیادہ ہے، چنانچہ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ کامل ایمان کا تقاضا ہے کہ یہ عقیدہ رکھا جائے کہ نبی کریم ﷺ کا جسم مبارک، جن اوصاف جمیلہ اور ظاہری خوبیوں سے متصف ہے، دوسرا کوئی انسان ان سے ہرگز متصف نہیں ہوسکتا، آپ ﷺ کی جسمانی ساخت، قد و قامت، چہرہ، آنکھیں، بھنویں، پیشانی، منہ، دانت، ہونٹ، رخسار، ڈاڑھی، سر، زلفیں، ہاتھ اور پاؤں وغیرہ، غرض جسم کا ہر عضو خوبصورتی اور حسن و جمال کا عظیم شاہکار تھا، جو بھی حقیقت پسند انسان آپ ﷺ کو ایک نظر دیکھ لیتا، تو پھر وہ ہمیشہ کے لیے آپ ﷺ کا ہی گرویدہ اور عاشق ہو جاتا، اور آپ ﷺ کی مقدس جماعت میں شامل ہو جاتا اور قرطبی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا پورا حسن ظاہر نہیں ہوا، ورنہ کوئی آنکھ آپ ﷺ کو دیکھ ہی نہ سکتی، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کس قدر خوبصورت اور حسین تھے، ﷺ۔(۲)

حضرت عائشہؓ نے اپنے دو اشعار میں نبی کریم ﷺ کے حسن و جمال کو یوں بیان کیا:

فَلَوْ سَمِعُوْا فِيْ مِصْرَ أَوْصَافَ خَدِّهٖ لَمَا بَذَلُوْا فِيْ سَوْمِ يُوْسُفَ مِنْ نَقْدٖ

لَوَامِي زُلَيْخَا لَوْ رَأَيْنَ جَبِيْنَهٗ لَآثَرْنَ بِالْقَطْعِ الْقُلُوْبَ عَلَى الْأَيْدِيْ

ترجمہ: اگر لوگ مصر میں نبی کریم ﷺ کے رخساروں کے اوصاف سن لیتے تو وہ حضرت یوسف کو خریدنے میں رقم خرچ نہ کرتے۔

ترجمہ: زلیخا کو ملامت کرنے والی خواتین یعنی اس کی سہیلیاں اگر نبی کریم ﷺ کی پیشانی کو دیکھ لیتیں تو ہاتھوں کے بجائے اپنے دلوں کو کاٹ دیتیں۔(۳)

شاعر اسلام حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

وَأَحْسَنَ مِنْكَ لَمْ تَرَ قَطُّ عَيْنِيْ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۰/۱۔

(۲) شرح المناوی للشمائل علی هامش جمع الوسائل ۲۲/۱۔

(۳) تاریخ الخمیس ۳۵۸/۱ دار صادر، بیروت۔

وَأَجْمَلَ مِنْکَ لَمْ تَلِدِ النِّسَاءُ
خُلِقْتَ مُبَرَّأً مِنْ کُلِّ عَیْبٍ
کَأَنَّکَ قَدْ خُلِقْتَ کَمَا تَشَاءُ

ترجمہ: میری آنکھوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی حسین نہیں دیکھا، اور کسی عورت نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی خوبصورت بچہ جنا ہی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر قسم کے عیب سے پاک پیدا کیا گیا ہے، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس طرح پیدا کیا گیا ہے جس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاہتے تھے (یہ کلام مبالغہ کے طور پر ہے، یعنی جس طرح انسان یہ چاہتا ہے کہ میرے اندر کوئی عیب نہ ہو، اللہ تعالیٰ نے اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی عمدہ تخلیق کی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضی بھی وہی ہوتی تھی، جو اللہ تعالیٰ کی مرضی ہوتی تھی)(۱)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعریف میں سب سے پہلے کس نے اشعار کہے ہیں

یوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثناء میں بہت سے لوگوں نے اشعار کہے ہیں اور قیامت تک کہتے رہیں گے، سب سے پہلے کس نے اشعار کہے ہیں؟ یہ بات یقین کے ساتھ کہنا تو ذرا مشکل ہے تاہم محقق علماء کے اس میں مختلف اقوال ہیں، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شیر خوارگی کے زمانے میں سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں اشعار کہے گئے ہیں، چنانچہ علامہ سہیلی کی ایک روایت کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جد امجد حضرت عبد المطلب نے سب سے پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں اشعار کہے ہیں، ان میں سے دو شعر یہ ہیں:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ أَعْطَانِیْ هٰذَا الْغُلَامَ الطَّیِّبَ الْأَرْدَانِیْ
قَدْ سَادَ فِی الْمَهْدِ عَلَى الْغِلْمَانِ أُعِیْذُهٗ بِالْبَیْتِ ذِی الْأَرْكَانِ

ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے یہ پاکیزہ اور انتہائی عمدہ بچہ عطا کیا، جو ماں کی گود میں ہی سب بچوں پر غالب آگیا، میں اسے ستونوں والے بیت اللہ کی پناہ میں دیتا ہوں۔(۲)

۲۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی رضاعی بہن حضرت حلیمہ سعدیہ کی بیٹی حضرت حذافہ بنت الحارث السعدی جو ”شیماء“ کے نام سے زیادہ مشہور ہیں، نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں اس وقت اشعار کہے تھے، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حلیمہ کی پرورش میں تھے، اور حضرت شیماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھیلتیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کندھوں پر اٹھا کر ادھر ادھر لے جاتیں، اس وقت

(۱) دیوان حسان بن ثابت (ص: ۱۰) دار صادر، بیروت۔
(۲) الروض الأنف فی شرح السیرۃ النبویۃ لابن ہشام ۹۸/۲، ولادۃ رسول اللہ ﷺ ورضاعتہ، ط: بیروت۔

وہ گنگنا کر یہ اشعار پڑھا کرتی تھیں:

يَا رَبَّنَا أَبْقِ لَنَا مُحَمَّدًا حَتّٰى أَرَاهُ يَا فِعًا وَأَمْرَدَا
ثُمَّ أَرَاهُ سَيِّدًا مُسَوَّدًا وَاكْبِتْ أَعَادِيَهِ مَعًا وَالْحُسَّدَا
وَأَعْطِهِ عِزًّا يَدُوْمُ أَبَدًا

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! ہمارے لیے محمد ﷺ کو باقی رکھ، تاکہ میں انہیں ایک خوبصورت نوجوان دیکھ سکوں، پھر میں انہیں ایسا سردار بنتا دیکھوں جس کی بات مانی جاتی ہے، اور تو ان کے دشمنوں اور حاسدین کو ایک ساتھ ذلیل و رسوا کردے، اور انہیں ایسی عزت عطا فرما جو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے برقرار رہے۔(۱)

۳۔ ام المؤمنین حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کے چچازاد بھائی حضرت ورقہ بن نوفل رضی اللہ عنہم نے اشعار کہے ہیں۔

۴۔ اسی طرح کئی قصائد آپ ﷺ کی تعریف میں حضرت ابوطالب نے بھی کہے ہیں۔

۵۔ عہد رسالت کے مداحین میں حضرت حسان سمیت بہت سے صحابہ کرام کا نام آتا ہے، مگر حضرت کعب بن زہیر رضی اللہ عنہ کی ایک الگ امتیازی شان ہے، انہوں نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں آپ ﷺ کی تعریف میں قصیدہ پیش کیا، تو آپ ﷺ نے انہیں اپنی چادر مبارک اتار کر عنایت فرمائی، اس لیے ان کے اس قصیدے کو "قصیدہ بردہ" کہا جاتا ہے جس کا آغاز "بَانَتْ سُعَادُ" سے ہے۔

حضرت کعب بن زہیر کا یہ نعتیہ قصیدہ "قصیدہ بانت سعاد" کے نام سے مشہور ہے، اسی نام سے چھپا ہوا ہے، یہ مبارک چادر حضرت کعب بہت سنبھال کر رکھتے تھے، ان کی وفات کے بعد حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے بیس ہزار درہم میں ان کے بیٹے سے یہ چادر خرید لی تھی، حضرت معاویہ کے بعد بنو امیہ اور بنی عباس کے خلفاء عیدین اور ہر خوشی کے موقع پر اس چادر کو پہنا کرتے تھے، امام سیوطی فرماتے ہیں کہ سقوط بغداد کے موقع پر یہ بردہ شریف ضائع ہوگئی تھی۔(۲)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدٍ، مِنْ وَلَدِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ، إِذَا وَصَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَ: لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْمُمَّغِطِ وَلَا بِالْقَصِيرِ الْمُتَرَدِّدِ وَكَانَ رَبْعَةً مِنَ الْقَوْمِ، وَلَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ وَلَا بِالسَّبِطِ كَانَ جَعْدًا رَجِلًا وَلَمْ يَكُنْ بِالْمُطَهَّمِ، وَلَا بِالْمُكَلْثَمِ، وَكَانَ فِي الْوَجْهِ تَدْوِيرٌ، أَبْيَضُ مُشْرَبٌ، أَدْعَجُ الْعَيْنَيْنِ، أَهْدَبُ الْأَشْفَارِ، جَلِيلُ الْمُشَاشِ، وَالْكَتَدِ، أَجْرَدُ، ذُو مَسْرُبَةٍ، شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، إِذَا مَشَى تَقَلَّعَ، كَأَنَّمَا يَمْشِي فِي صَبَبٍ، وَإِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ مَعًا، بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ، أَجْوَدُ النَّاسِ صَدْرًا، وَأَصْدَقُ النَّاسِ لَهْجَةً، وَأَلْيَنُهُمْ عَرِيكَةً، وَأَكْرَمُهُمْ عِشْرَةً، مَنْ رَآهُ بَدِيهَةً هَابَهُ، وَمَنْ

---

(۱) الاصابة ۲۰۵/۸، کتاب النساء، حرف الشين، رقم: ۱۱۳۹۰

(۲) الاصابة ۴۴۳/۵ حرف الکاف، رقم: ۷۴۲۶، تاریخ الخلفاء للسیوطی (ص: ۲۱)

خَالَطَهُ مَعْرِفَةً أَحَبَّهُ، يَقُولُ نَاعِتُهُ: لَمْ أَرَ قَبْلَهُ وَلَا بَعْدَهُ مِثْلَهُ.

ابراہیم بن محمد جو حضرت علی کی اولاد میں سے ہیں (یعنی پوتے ہیں)، فرماتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ جب نبی کریم ﷺ کے جسمانی اوصاف بیان کرتے، تو کہا کرتے کہ نبی کریم ﷺ نہ بہت لمبے تھے، اور نہ زیادہ پست قد، بلکہ آپ ﷺ میانہ قد لوگوں میں سے تھے، اور آپ ﷺ کے بال نہ تو بہت زیادہ گھونگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے، بلکہ تھوڑے تھوڑے گھونگریالے تھے، آپ نہ تو موٹے تھے، اور نہ آپ ﷺ کا چہرہ بالکل گول تھا، بلکہ آپ ﷺ کے چہرے میں قدرے گولائی تھی، آپ ﷺ کا رنگ سفید سرخی مائل تھا، آپ ﷺ کی آنکھیں نہایت سیاہ تھیں، آپ ﷺ کی پلکیں لمبی تھیں، آپ ﷺ کے جسم کی ہڈیاں اور دونوں مونڈھوں کے درمیان کی جگہ بھی موٹی اور پُر گوشت تھی، آپ ﷺ کے بدن مبارک پر (خاص خاص حصوں کے علاوہ جیسے بازوں، پنڈلیاں وغیرہ، ان کے علاوہ اور کہیں) بال نہیں تھے، آپ ﷺ کے سینہ سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، آپ کے ہاتھ اور پاؤں گوشت سے پُر تھے، جب آپ ﷺ (راستہ پر) چلتے تو اپنے قدموں کو خوب قوت سے اٹھاتے، گویا کہ آپ ﷺ بلندی سے پستی کی طرف چل رہے ہیں،

جب آپ ﷺ کسی کی طرف متوجہ ہوتے، تو پورے بدن کے ساتھ توجہ فرماتے (صرف گردن پھیر کر نہیں دیکھتے تھے، کیونکہ یہ انداز بے رخی اور تکبر کا ہے) آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی، اور آپ ﷺ ہی نبوت کے سلسلہ کو ختم کرنے والے تھے، آپ ﷺ سب سے زیادہ سخی دل، سب سے زیادہ سچی زبان اور سب سے زیادہ نرم طبیعت والے تھے، اور مل جل کر رہنے کے اعتبار سے لوگوں میں سب سے زیادہ معزز و مکرم تھے، جو شخص آپ ﷺ کو پہلی بار یا اچانک دیکھتا تو وہ آپ ﷺ سے ڈر جاتا (اس پر دہشت طاری ہوتی) اور جو شخص پہچان کر آپ ﷺ سے میل جول کرتا تو وہ (آپ ﷺ کے حسن اخلاق کی وجہ سے) آپ ﷺ کو اپنا محبوب بنالیتا تھا، نبی کریم ﷺ کے ان اوصاف کو بیان کرنے والے (حضرت علی) کہتے ہیں کہ آپ ﷺ جیسا (حسین و جمیل اور باکمال) شخص نہ تو میں نے آپ ﷺ سے پہلے دیکھا اور نہ آپ ﷺ کے بعد دیکھا، اللہ جل جلالہ کی آپ ﷺ پر خصوصی رحمت اور سلامتی ہو۔

قَالَ أَبُو جَعْفَرٍ: سَمِعْتُ الْأَصْمَعِيَّ، يَقُولُ فِي تَفْسِيرِ صِفَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: الْمُمَغَّطُ: الذَّاهِبُ طُولًا، وَسَمِعْتُ أَعْرَابِيًّا يَقُولُ فِي كَلَامِهِ: تَمَغَّطَ فِي نُشَّابَتِهِ أَيْ مَدَّهَا مَدًّا شَدِيدًا، وَأَمَّا الْمُتَرَدِّدُ: فَالدَّاخِلُ بَعْضُهُ فِي بَعْضٍ قِصَرًا، وَأَمَّا الْقَطَطُ: فَالشَّدِيدُ الْجُعُودَةِ، وَالرَّجِلُ: الَّذِي فِي شَعْرِهِ حُجُونَةٌ أَيْ: يَنْحَنِي قَلِيلًا، وَأَمَّا الْمُطَهَّمُ: فَالْبَادِنُ الْكَثِيرُ اللَّحْمِ، وَأَمَّا الْمُكَلْثَمُ: فَالْمُدَوَّرُ الْوَجْهِ، وَأَمَّا الْمُشْرَبُ: فَهُوَ الَّذِي فِي بَيَاضِهِ حُمْرَةٌ، وَالْأَدْعَجُ: الشَّدِيدُ سَوَادِ الْعَيْنِ، وَالْأَهْدَبُ: الطَّوِيلُ الْأَشْفَارِ، وَالْكَتَدُ: مُجْتَمَعُ الْكَتِفَيْنِ،

وَهُوَ الكَاهِلُ، وَالمَسْرُبَةُ: هُوَ الشَّعْرُ الدَّقِيقُ الَّذِي هُوَ كَأَنَّهُ قَضِيبٌ مِنَ الصَّدْرِ إِلَى السُّرَّةِ، وَالشَّثْنُ: الغَلِيظُ الأَصَابِعِ مِنَ الكَفَّيْنِ وَالقَدَمَيْنِ، وَالتَّقَلُّعُ: أَنْ يَمْشِيَ بِقُوَّةٍ، وَالصَّبَبُ: الحُدُورُ، تَقُولُ: انْحَدَرْنَا فِي صَبُوبٍ وَصَبَبٍ، وَقَوْلُهُ: جَلِيلُ المُشَاشِ، يُرِيدُ رُءُوسَ المَنَاكِبِ، وَالعِشْرَةُ: الصُّحْبَةُ، وَالعَشِيرُ: الصَّاحِبُ. وَالبَدِيهَةُ: المُفَاجَأَةُ، يُقَالُ بَدَهْتُهُ بِأَمْرٍ: أَيْ فَجَأْتُهُ.(۱)

ابو جعفر کہتے ہیں کہ میں نے اصمعی کو آپ ﷺ کی صفات (کے الفاظ) کی تفسیر کرتے ہوئے سنا: الممغط: بہت لمبا، اصمعی نے ایک اعرابی کو یہ کہتے ہوئے سنا: تمغط فی نشابته: کمان میں تیر ڈال کر بہت کھینچا، متردد: وہ شخص جس کے اعضاء چھوٹا قد ہونے کی وجہ سے ایک دوسرے میں گھسے ہوئے ہوں، قطط: (قاف اور طا پر زبر) شدید گھنگھریالے بال، رجلی: (راء پر زبر اور جیم کے نیچے زیر) وہ شخص جس کے بال قدرے گھنگھریالے ہوں، مطھم: موٹا آدمی جو زیادہ گوشت والا ہو، مکلثم: وہ شخص جس کا چہرہ گول ہو، مشرب: (میم پر پیش اور شین ساکن، صیغہ اسم مفعول، باب افعال سے) وہ شخص جس کے سفید رنگ میں سرخی ملا دی گئی ہو، أدعج: وہ شخص جس کی آنکھوں کی پتلی خوب سیاہ ہو، أھدب: لمبی پلکوں والا، کتد: دونوں کندھوں کے درمیان کا حصہ، اسے کاھل بھی کہتے ہیں، مسربة: (میم پر زبر، سین ساکن اور را پر پیش) سینہ سے ناف تک بالوں کی باریک لکیر گویا کہ وہ ایک شاخ اور چھڑی ہے، شثن: ہتھیلوں اور پیروں کی انگلیوں کا موٹا ہونا، تقلع: طاقت وقوت سے پاؤں اٹھا کر چلنا، صبب: بلندی سے نیچے اترنا، ڈھلان، یوں کہتے ہیں: ہم بلندی سے نیچے کی طرف اترے، جلیل المشاش: وہ شخص جس کے مونڈھوں کے سرے موٹے ہوں، عشرة: (عین کے نیچے زیر اور شین ساکن) مل جل کر رہنا، ایک ساتھ زندگی گذارنا، عشیر: ساتھی، ساتھ رہنے والا، البدیھة، البداھة: اچانک پیش آنے والا امر، کہا جاتا ہے: بدھته بأمر: (صیغہ متکلم) میں اس کے پاس اچانک آیا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کے کچھ مشکل الفاظ کے معنی تو امام اصمعی کے حوالے سے اوپر لکھ دیئے ہیں، لہذا ان کے علاوہ جو مشکل الفاظ ہیں، ان کے معنی درج کیے جاتے ہیں، ممغط: (میم پر پیش، دوسری میم پر زبر اور تشدید، اور عین کے نیچے زیر) بہت ہی لمبا، یہ لفظ دراصل منمغط ہے انمغاط سے، یہ لفظ تمغیط سے اسم فاعل نہیں ہے، اس میں نون کو خلاف قیاس میم سے بدل دیا گیا ہے اور پھر میم کا میم میں ادغام کر دیا گیا، اس لئے ممغط ہوگیا، امام اصمعی نے اس لفظ کی تشریح میں ایک دیہاتی کا یہ قول ذکر کیا ہے: تمغط فی نشابته: اس نے کمان میں تیر ڈال کر خوب کھینچا، ترمذی کی اس حدیث میں اگرچہ تمغط کا لفظ نہیں ہے، مگر اس مثال میں لفظ تمغط استعمال کر کے اس طرف اشارہ کر دیا کہ انمغط اور تمغط دونوں کے ایک ہی معنی ہیں، القصیر: چھوٹے قد والا آدمی، پست قد، ربعة: (را پر زبر اور با ساکن) درمیانہ، متوسط، جعد: (جیم پر زبر اور عین

(۱) سنن الترمذی، ابواب المناقب، باب ما جاء فی صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۶۳۸، دلائل النبوة للبیہقی ۱/ ۲۶۹۔

ساکن) گھنگریالے بال، سبط: (سین پر زبر اور با ساکن اور زیر کے ساتھ) سیدھے بال جن میں کوئی خم نہ ہو، یعنی جو گھنگریالے نہ ہوں، تدویر: گولائی، أهدب: لمبی پلکوں والا، أشفار: شفر (شین پر پیش اور فا ساکن) کی جمع ہے: پلکوں کی جڑ جہاں بال اگتے ہیں، جليل: بڑے، موٹے، المشاش: (میم پر پیش) مشاشة کی جمع ہے: مونڈھے کی ابھری ہوئی ہڈی، اجود: سب سے زیادہ سخی، الينهم: (لین سے اسم تفضیل) ان میں سب سے زیادہ نرم، عريكة: طبیعت، من خالطه: جو شخص آپ ﷺ سے مل لیتا، معرفة: پہچان کر۔(۱)

## حسن و جمال کے بے مثال پیکر

مذکورہ حدیث میں نبی کریم ﷺ کے جسم کے کچھ اوصاف کا ذکر ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ کا قد نہ تو بہت لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا جسے ٹھگنا کہا جاتا ہے، بلکہ آپ ﷺ کا قد درمیانہ تھا، اس کے باوجود آپ ﷺ لوگوں میں سب سے نمایاں دکھائی دیتے تھے، یہ بھی آپ ﷺ کا ایک قسم کا معجزہ ہے۔

۲۔ آپ ﷺ کی ہتھیلیاں اور پاؤں گوشت سے بھرے ہوئے اور نرم و گداز تھے۔

۳۔ آپ ﷺ کا سر بڑا مگر خوشنما تھا، یہ اہل عرب کے ہاں سرداری کی علامت ہوتی ہے۔

۴۔ آپ ﷺ کی ہڈیوں کے جوڑ بھی بڑے اور موٹے تھے۔

۵۔ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر تھی، وہ ایسی دکھائی دیتی جیسے ایک باریک شاخ ہے۔

۶۔ آپ ﷺ کے سر کے بال نہ بالکل گھونگریالے تھے، نہ بالکل سیدھے، بلکہ ان میں قدرے خم اور گھنگریالا پن تھا۔

۷۔ آپ ﷺ موٹے بھر کم نہیں تھے کہ جس سے انسان بدنما لگے۔

۸۔ چہرے میں قدرے گولائی تھی، بالکل ہی گول نہیں تھا۔

۹۔ آپ ﷺ کا رنگ چونے کی طرح سفید نہیں بلکہ سفید سرخی مائل تھا۔

۱۰۔ آنکھوں کی پتلیاں شدید سیاہ اور سفیدی خوب سفید تھی۔

۱۱۔ آپ ﷺ کی پلکیں لمبی تھیں۔

۱۲۔ آپ ﷺ کے کندھوں کی ہڈیاں ابھری ہوئی اور موٹی تھیں۔

۱۳۔ چند مخصوص جگہوں کے علاوہ آپ ﷺ کے جسم پر کوئی بال نہیں تھے، چنانچہ سینے سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لائن تھی، دونوں کلائیوں اور پنڈلیوں پر تھوڑے سے بال تھے۔

۱۴۔ آپ ﷺ جھک کر چلتے گویا کہ کسی اونچی جگہ سے اتر رہے ہوں، اور قدم کو قوت و طاقت سے اٹھا کر رکھتے، اس طرح

(۱) مرقاة المفاتيح ۷۰/۱۰، کتاب الفضائل، باب أسماء النبي وصفاته، رقم: ۵۷۹۱۔

آپ ﷺ کی تواضع اور بہادری کی صفات ظاہر ہوتیں۔

۱۵۔ آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی۔

حاصل یہ کہ حسن و جمال کی تمام صفات نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک میں موجود تھیں، لہذا آپ ﷺ حسن و جمال کے ایک بے مثال پیکر تھے۔

## چند اخلاق حسنہ

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے چند کریمانہ اخلاق کا بھی ذکر ہے، جن کی ہمیں بھی پیروی کرنی چاہیے:

- نبی کریم ﷺ جب کسی کی طرف متوجہ ہوتے، تو مکمل متوجہ ہوتے، صرف آنکھوں یا چہرے سے توجہ نہیں فرماتے تھے کیونکہ یہ بے رخی، بے توجہی اور تکبر کی علامت شمار ہوتی ہے۔
- آپ ﷺ لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے۔
- آپ ﷺ بہت زیادہ سچے تھے، آپ ﷺ نے کبھی جھوٹ نہیں بولا۔
- آپ ﷺ ایک نرم مزاج انسان تھے، لیکن قدرتی طور پر آپ ﷺ کا ایک رعب اور جلال تھا، جو آپ ﷺ کو پہلی بار یا اچانک دیکھتا تو اس پر ہیبت طاری ہو جاتی۔
- مل جل کر رہنے میں آپ ﷺ بہت ہی اچھے تھے، جو بھی آپ ﷺ کے قریب ہوتا اور آپ ﷺ کو پہچان لیتا تو وہ آپ ﷺ کا گرویدہ اور آپ ﷺ کا ہی ہو کر رہ جاتا، پھر دنیا کی کوئی طاقت اسے آپ ﷺ سے جدا نہیں کر سکتی تھی، ان اوصاف کی وجہ سے ہی جانثاروں کی تعداد دن بدن بڑھتی ہی چلی گئی، صلی اللہ علیہ وسلم۔

حَدَّثَنَا سُفْيَانُ بْنُ وَكِيعٍ قَالَ: حَدَّثَنَا جُمَيْعُ بْنُ عُمَرَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ الْعِجْلِيُّ إِمْلَاءً عَلَيْنَا مِنْ كِتَابِهِ، قَالَ: أَخْبَرَنِي رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَمِيمٍ، مِنْ وَلَدِ أَبِي هَالَةَ زَوْجِ خَدِيجَةَ، يُكْنَى أَبَا عَبْدِ اللهِ، عَنِ ابْنٍ لِأَبِي هَالَةَ، عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: سَأَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ، وَكَانَ وَصَّافًا، عَنْ حِلْيَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا أَتَعَلَّقُ بِهِ،

سفیان بن وکیع کہتے ہیں کہ ہمیں جمیع بن عمیر نے اپنی کتاب سے املاء کر کے لکھوایا، وہ کہتے ہیں کہ مجھے قبیلہ بنوتمیم کے ایک شخص نے بتایا، جس کی کنیت ابوعبداللہ ہے، اور وہ حضرت خدیجہ کے سابقہ شوہر ابو ہالہ کی اولاد میں سے ہے، اس شخص نے ابو ہالہ کے بیٹے یعنی ہند سے روایت کیا، اور وہ حسن بن علی سے روایت کرتے ہیں، حضرت حسن فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں حضرت ہند بن ابو ہالہ سے نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک دریافت کیا، اور وہ حضور ﷺ کے حلیہ مبارک کو بہت عمدہ انداز سے بیان کیا کرتے تھے، اور میں چاہتا ہوں کہ وہ آپ ﷺ کے حلیہ (اور

اوصاف) میں سے کچھ میرے سامنے بیان کریں، تاکہ میں اس وصف کے ساتھ چمٹ جاؤں یعنی میں اس کو محفوظ کر لوں،

فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا، مُفَخَّمًا، يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، أَطْوَلَ مِنَ الْمَرْبُوعِ، وَأَقْصَرَ مِنَ الْمُشَذَّبِ، عَظِيمَ الْهَامَةِ، رَجِلَ الشَّعْرِ، إِنِ انْفَرَقَتْ عَقِيقَتُهُ فَرَقَهَا، وَإِلَّا فَلَا يُجَاوِزُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ إِذَا هُوَ وَفَّرَهُ، أَزْهَرَ اللَّوْنِ، وَاسِعَ الْجَبِينِ، أَزَجَّ الْحَوَاجِبِ، سَوَابِغَ فِي غَيْرِ قَرَنٍ، بَيْنَهُمَا عِرْقٌ، يُدِرُّهُ الْغَضَبُ، أَقْنَى الْعِرْنِينِ، لَهُ نُورٌ يَعْلُوهُ، يَحْسَبُهُ مَنْ لَمْ يَتَأَمَّلْهُ أَشَمَّ،

ماموں جان نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے بھی عظیم الشان تھے، اور دوسروں کی نظروں میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے رتبہ والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، درمیانے قدوالے آدمی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد ذرا لمبا اور زیادہ لمبے قدوالے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پست تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑے سروالے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کسی قدر گھونگھریالہ پن تھا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بالوں میں آسانی سے مانگ نکل آتی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مانگ نکال لیتے تھے، اور اگر سہولت سے مانگ نہ نکلتی (کہ بال آپس میں اڑے ہوئے ہیں اور کنگھی کی ضرورت پڑتی) تو (اس وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مانگ نہ نکالتے، (بلکہ کسی اور وقت میں نکال لیتے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے بالوں کو بڑھاتے، تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کانوں کی لو سے متجاوز ہوجاتے یعنی آگے بڑھ جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت چمکدار، صاف شفاف رنگ والے، اور کشادہ پیشانی والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ابرولمبائی میں پتلے اور مڑے ہوئے گنجان تھے، دونوں ابرو کامل اور جدا جدا تھے، ایک دوسرے سے ملے ہوئے نہیں تھے، ان دونوں کے درمیان ایک رگ تھی، جس کو غصہ ظاہر کر دیتا تھا (یا جس کو غصہ خون سے بھر دیتا تھا، یعنی وہ رگ غصہ کے وقت پھڑکتی تھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک بلندی مائل تھی، اس پر ایک چمک اور نور تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ شخص بڑی ناک والا سمجھتا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے اور ناک کو غور سے نہ دیکھتا۔

كَثَّ اللِّحْيَةِ، سَهْلَ الْخَدَّيْنِ، ضَلِيعَ الْفَمِ، مُفَلَّجَ الْأَسْنَانِ، دَقِيقَ الْمَسْرُبَةِ، كَأَنَّ عُنُقَهُ جِيدُ دُمْيَةٍ فِي صَفَاءِ الْفِضَّةِ، مُعْتَدِلَ الْخَلْقِ، بَادِنٌ، مُتَمَاسِكٌ، سَوَاءُ الْبَطْنِ وَالصَّدْرِ، عَرِيضُ الصَّدْرِ،

آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھنی ڈاڑھی والے، نرم رخساروں والے، اعتدال کے ساتھ کشادہ منہ والے، سامنے کے دو دانتوں میں ذرا فصل والے، سینہ سے ناف تک بالوں کی ایک باریک لکیر والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن ایسی خوبصورت اور باریک تھی، جیسا کہ مورتی کی گردن صاف تراشی ہوئی ہوتی ہے، اور رنگ میں چاندی جیسی صاف اور خوبصورت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم معتدل اعضاء والے، پُرگوشت اور مضبوط جسم والے تھے، پیٹ اور سینہ ہموار تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سینہ فراخ اور چوڑا تھا۔

بَعِيدُ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، ضَخْمُ الْكَرَادِيسِ، أَنْوَرُ الْمُتَجَرِّدِ، مَوْصُولُ مَا بَيْنَ اللَّبَّةِ وَالسُّرَّةِ بِشَعْرٍ يَجْرِي كَالْخَطِّ، عَارِي الثَّدْيَيْنِ وَالْبَطْنِ مِمَّا سِوَى ذَلِكَ، أَشْعَرُ الذِّرَاعَيْنِ وَالْمَنْكِبَيْنِ وَأَعَالِي الصَّدْرِ، طَوِيلُ الزَّنْدَيْنِ، رَحْبُ الرَّاحَةِ، شَثْنُ الْكَفَّيْنِ وَالْقَدَمَيْنِ، سَائِلُ الْأَطْرَافِ -أَوْ قَالَ: شَائِلُ الْأَطْرَافِ-

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوڑوں کی مضبوط اور بڑی ہڈیوں والے تھے، جسم کا جو حصہ کپڑوں سے باہر رہتا تھا، وہ بھی روشن اور چمکدار تھا، سینہ اور ناف کے درمیان ایک لکیر کی طرح بالوں کی باریک دھاری تھی، اس لکیر کے علاوہ دونوں چھاتیاں اور پیٹ بالوں سے خالی تھا (البتہ) دونوں بازو، دونوں کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر بال تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں دراز اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں، دونوں ہتھیلیاں اور قدم گوشت سے بھرے ہوئے تھے، دونوں ہاتھ اور پاؤں کی انگلیاں (تناسب کے ساتھ) لمبی تھیں،

خَمْصَانُ الْأَخْمَصَيْنِ، مَسِيحُ الْقَدَمَيْنِ، يَنْبُو عَنْهُمَا الْمَاءُ، إِذَا زَالَ زَالَ قَلِعًا، يَخْطُو تَكَفِّيًا، وَيَمْشِي هَوْنًا، ذَرِيعُ الْمِشْيَةِ، إِذَا مَشَى كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ، وَإِذَا الْتَفَتَ الْتَفَتَ جَمِيعًا، خَافِضُ الطَّرْفِ، نَظَرُهُ إِلَى الْأَرْضِ أَطْوَلُ مِنْ نَظَرِهِ إِلَى السَّمَاءِ، جُلُّ نَظَرِهِ الْمُلَاحَظَةُ، يَسُوقُ أَصْحَابَهُ، وَيَبْدَأُ مَنْ لَقِيَ بِالسَّلَامِ.(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوے قدرے گہرے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدم چکنے اور ملائم تھے، ان پر پانی ٹھہرتا نہیں تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو قوت سے قدم اٹھاتے اور آگے کو ذرا جھک کر چلتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرمی سے چلتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیز رفتار تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو ایسا لگتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گویا نشیب میں اتر رہے ہیں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرف توجہ فرماتے، تو پورے بدن سے توجہ فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر نیچی رہتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نگاہ آسمان کی بنسبت زمین کی طرف زیادہ رہتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام طور پر دیکھنا گوشۂ چشم سے ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو (سفر میں) چلنے میں آگے کر دیتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس سے ملاقات کرتے، تو سلام کرنے میں خود ابتداء فرماتے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** وصاف: (واؤ پر زبر اور صاد پر زبر و تشدید صیغہ مبالغہ) بہت زیادہ بیان کرنے والا، حلية: (حاء کے نیچے زیر اور لام ساکن) شکل وصورت، انسان کا روپ، التعلق به: (صیغہ متکلم) میں اس وصف کو مضبوطی سے لے لوں، اس کے ساتھ چمٹ جاؤں، میں اسے محفوظ کرلوں، فخما: (فاء پر زبر اور خاء ساکن) اپنی ذات وصفات کے اعتبار سے عظیم الشان، بڑا، مفخما: (باب تفعیل سے صیغہ اسم مفعول) وہ شخص جو لوگوں کی نظروں میں بلند رتبہ والا بنا دیا گیا ہو، جو لوگوں کی نظروں میں معظم ومحترم ہو، يتلألأ وجهه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمکنا، اطول من المربوع: درمیانے قد والے آدمی سے قدرے لمبے، لمبائی کی طرف مائل، أقصر: زیادہ پست، المشذب: (باب تفعیل سے اسم مفعول) اس کے اصل معنی ہیں: کھجور کا لمبا درخت، جس کی

(۱) المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۴۱۴۔

شاخیں کاٹ دی گئی ہوں، یہاں حدیث میں اس سے زیادہ لمبے قد والا آدمی مراد ہے، ھامۃ: (میم پر تشدید کے بغیر) سر، رجل: (را پر زبر اور جیم کے نیچے زیر) کسی قدر بالوں کا گھونگھریالا ہونا، انفرقت: وہ بال ظاہر ہوتے، پھٹ جاتے، عقیقۃ: نومولود بچے کے سر کے بال، مطلق سر کے بالوں کو بھی عقیقہ کہا جاتا ہے، فرق: (فا اور را پر زبر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم مانگ نکال لیتے، یجاوز: بڑھ جاتے، تجاوز کر جاتے، شحمۃ: کان کی لو، وفرہ: (باب تفعیل سے) جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان بالوں کو بڑھاتے، ازھر اللون: سفید رنگ والے، جس میں سرخی ملی ہوئی ہو، ازج: ابرو کا باریک، لمبا اور مڑا ہوا ہونا، حواجب: حاجب کی جمع ہے: ابرو، سوابغ: سابغ کی جمع ہے: کامل، قرن: (قاف اور را پر زبر) ملا ہوا ہونا، وہ رسی جس میں ایک ساتھ دو اونٹ باندھے جائیں۔

عرق: (عین کے نیچے زیر اور را ساکن) رگ، یدرہ: یہ ادرار سے ہے، اس رگ کو غصہ ہلا دیتا، متحرک کر دیتا، یعنی غصہ سے وہ رگ پھڑک جاتی تھی، أقنی: (یہ صفت کا صیغہ ہے) لمبا ہونا، طویل ہونا، عرنین: (عین کے نیچے زیر اور را ساکن) ناک، لہ نور: اس میں "ہ" ضمیر عرنین کی طرف لوٹ رہی ہے، اس ناک پر ایک نور اور چمک تھی، أشم: اونچی ناک والا جو دیکھنے میں اچھا لگے، کث اللحیۃ: گھنی ڈاڑھی والا، گنجان ڈاڑھی والا، سھل: (سین پر زبر اور ھاء ساکن) نرم، الخدین: خد کا تثنیہ ہے، دونوں رخسار، ضلیع: کشادہ منہ والا، المفلج: (تفلیج سے صیغہ اسم مفعول) علیحدہ علیحدہ دانتوں والا، وہ شخص جس کے سامنے کے دانتوں میں ذرا فاصلہ ہو، اسنان: سن کی جمع ہے: دانت، دقیق: باریک، مسربۃ: (میم پر زبر، سین ساکن اور را پر پیش) سینہ سے ناف تک کے باریک بال، جید: (جیم کے نیچے زیر) گردن، دمیۃ: (دال پر پیش، میم ساکن اور یاء پر زبر) گڑیا، ہاتھی دانت وغیرہ کی بنی ہوئی تصویر، تراشا ہوا حسین بت، اس سے حسن میں تشبیہ دی جاتی ہے، بادن: اعتدال کے ساتھ موٹا آدمی، متماسک: مضبوط اور بڑے اعضاء والے، ضخم: (ضاد پر زبر اور خا ساکن) بڑا، شاندار، کرادیس: کردوس کی جمع ہے: ہر بڑی اور مکمل ہڈی، المتجرد: اس لفظ کو دو طرح پڑھا جا سکتا ہے، (۱) باب تفعل یا تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہو، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کپڑے اتارتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ اعضاء خوب روشن اور چمکتے تھے، جو کپڑوں میں ہوتے تھے، (۲) المتجرد میں "را" کے نیچے زیر ہو یعنی اسم فاعل کا صیغہ ہو، اب ترجمہ یوں ہوگا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک کا وہ حصہ بھی خوب روشن اور چمکدار تھا جو کپڑوں سے باہر رہتا تھا (چہ جائیکہ وہ حصہ جو کپڑوں کے اندر چھپا ہو، وہ تو بطریق اولیٰ روشن اور چمکدار تھا)، موصول: ملی ہوئی، اللبۃ: (لام پر زبر اور باء پر زبر و تشدید) سینہ اور گردن کے درمیان ہار پہننے کی جگہ، گلا، ثدیین: ثدی کا تثنیہ ہے، چھاتی، سینہ، مما سوی ذلک: اس سربہ یعنی لکیر کے علاوہ۔

اشعر الذراعین: دونوں بازوؤں پر بال تھے، أعالی الصدر: اعالی: اعلیٰ کی جمع ہے، سینہ کے بالائی حصے، طویل الزندین: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں کلائیاں دراز تھیں، رحب الراحۃ: کشادہ ہتھیلی والے، شثن: (شین پر زبر اور ثاء ساکن) موٹا، پر گوشت، سائل الاطراف: لفظ سائل: مختلف طرح سے منقول ہے: شین کے ساتھ یعنی شائل اور لام کے بجائے نون کے ساتھ یعنی سائن، ان تمام الفاظ کے معنی ایک ہی ہیں: طویل اور لمبا ہونا، اور اطراف: طرف کی جمع ہے: کنارہ، یہاں اس لفظ سے انگلیاں مراد ہیں،

اب ترجمہ یوں ہوگا: اعتدال کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلیاں لمبی تھیں، الاخمصان: أخمص کا تثنیہ ہے: پاؤں کا تلوا، پاؤں کا نچلا بیچ کا حصہ، جو زمین کو نہیں لگتا، اور اخمصان مزید مبالغہ کے طور پر ہے، مسیح القدمین: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں قدم ملائم، نرم اور چکنے تھے، ینبوا عنهما الماء سے مزید اسی کی تفسیر اور وضاحت ہے یعنی: ان قدموں سے پانی دور ہوجاتا یعنی ان پر ٹھہرتا نہیں تھا، اذا زال: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے، زال قلعا: تو قوت سے قدم اٹھاتے، یخطو: آپ صلی اللہ علیہ وسلم قدم اٹھاتے، تکفیا: آگے کو جھک کر، ہونا: نرمی اور وقار سے، ذریع المشیۃ: کشادہ قدم والے یعنی تیز رفتار کانما ینحط: گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتر رہے ہوں، من صبب: (صاد اور باء پر زبر) ڈھلان سے، بلندی سے، التفت جمیعا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہوتے، خافض الطرف: پست نگاہ، جل نظرہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اکثر دیکھنا، الملاحظۃ: گوشۂ چشم سے دیکھنا، یسوق: آپ صلی اللہ علیہ وسلم آگے کر دیتے، یبدأ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہل فرماتے، ابتداء فرماتے۔

## حضرت ھند بن ابی ھالہ رضی اللہ عنہ

اس حدیث کے راوی حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ اپنے ماموں حضرت ھند بن ابی ھالہ سے روایت کر رہے ہیں۔

ابوھالہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہ کے سابق شوہر تھے، ابوھالہ کا نام کیا تھا؟ اس بارے میں مختلف اقوال ہیں: نباش بن زرارہ، ھند بن زرارہ وغیرہ، حضرت خدیجہ کے اس شوہر سے دو بیٹے تھے، ایک کا نام ھالہ، اور دوسرے کا ھند تھا، اسی سے ان کو ابو ھالہ کہا جاتا ہے، جب ابوھالہ کی وفات ہوگئی، تو حضرت خدیجہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شادی کر لی، اور ان کا بیٹا ھند، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش میں آ گیا، حضرت ھند چونکہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ماں شریک بھائی ہیں، اس لیے یہ حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہ کے ماموں ہیں، حضرت حسن کی عمر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت سات سال تھی، جس کی وجہ سے وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو اچھی طرح محفوظ نہیں کر سکے تھے، اس لیے وہ اپنے ماموں حضرت ھند بن ابوھالہ رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف پوچھ رہے ہیں، اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو خوب اچھی طرح بیان کرتے تھے، جنگ جمل میں حضرت ھند حضرت علی کے ساتھ تھے، اسی میں وہ شہید ہو گئے۔(۱)

حدیث کے راوی جمیع بن عمیر کہتے ہیں: اخبرنی رجل من بنی تمیم من ولد أبی ھالۃ زوج خدیجۃ یکنی ابا عبداللہ،

اس سند میں "رجل" موصوف ہے، "من بنی تمیم" اس کی پہلی صفت ہے، "من ولد أبی ھالۃ" دوسری صفت ہے، اس میں ابوھالہ کی بالواسطہ اولاد مراد ہے، اور "یکنی ابا عبداللہ" یہ "رجل" کی تیسری صفت ہے، یہ "رجل" ایک مجہول الحال راوی ہے۔(۲)

---

(۱) الاصابۃ ۲۰۵۸/۳، باب الھاء بعدھا النون، رقم: ۹۰۱۰

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل لملا علی قاری ۳۸/۱

# نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حلیہ مبارک

امام ترمذی رحمہ اللہ کی اس طویل حدیث میں حضرت ھند بن ابی ھالہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف اور حلیہ مبارک کو بیان کیا ہے، جس کی کچھ تفصیل اور شرح درج ذیل ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لحاظ سے بھی بہت عظیم ہیں اور لوگوں کے ہاں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم عظمت والے تھے، چنانچہ دشمن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت شان کے معترف تھے، یہاں حدیث میں "مفخم" سے جسم کی فخامت اور موٹا ہونا مراد نہیں، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان، مرتبہ اور فضیلت مراد ہے، کیونکہ عمر کے بڑھنے سے عموماً انسانی جسم میں بھی کچھ بھاری بھرکم آجاتا ہے، جسم بڑھ جاتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم مبارک بھی آخری عمر میں تھوڑا بھاری ہو گیا تھا، یہ کسی غفلت اور زیادہ کھانے کی وجہ سے نہیں ہوا بلکہ عمر کے بڑھنے سے تھوڑی سی یہ تبدیلی آگئی تھی اور عرف میں اس طرح کا بھاری جسم کوئی معیوب بھی نہیں ہوتا۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور چودھویں رات کے چاند کی طرح بلکہ اس سے کہیں زیادہ روشن، چمکدار اور خوبصورت تھا، چاند کے ساتھ یہ تشبیہ عربی محاورے کے اعتبار سے ہے، چنانچہ شعراء عرب کسی چیز کے حسن و جمال کو بیان کرتے وقت تشبیہ دیتے ہیں اور یہ صرف لوگوں کو سمجھانے کی حد تک ہے، ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کے برابر کوئی چیز نہیں، وہ ہر چیز سے بلند اور اعلیٰ ہیں۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میانہ قد تھے، مگر ذرا لمبائی کی طرف مائل تھے، اور انتہائی لمبے آدمی سے کوتاہ تھے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی لمبے قد والے لوگوں میں ہوتے یا طویل قد والوں کے درمیان چلتے، تو معجزانہ طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی لمبے دکھائی دیتے، تاکہ یہ واضح ہو جائے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح باطنی کمالات اور خصوصیات میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے فائق نہیں، اسی طرح ظاہری طور پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے اونچے ہیں، کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بلند قامت نہیں۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سر مبارک اعتدال کے ساتھ بڑا تھا، اور سر کے بالوں میں کسی قدر گھونگھریالہ پن تھا، جو دیکھنے میں انتہائی خوبصورت لگتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً زلفیں رکھتے تھے، ابتداء میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مشرکین کی مخالفت اور اہل کتاب کے ساتھ موافقت کی وجہ سے مانگ نہیں نکالتے تھے، پھر جب اس بارے میں وحی نازل ہوگئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہتمام کے ساتھ مانگ نکالنا شروع کر دی، یہ مانگ نکالنا سنت ہے۔(۱)

حدیث کے اس جملے: ان انفرقت عقیقته فرق والا فلا، کا مطلب یہ ہے کہ وحی نازل ہونے سے پہلے اگر آسانی سے مانگ نکل آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مانگ نکال لیتے مثلاً غسل کے بعد ہاتھ سے ہی مانگ نکال لیتے، کنگھی وغیرہ سے مانگ نکالنے کا اہتمام نہیں تھا، اس کی مزید وضاحت اسی کتاب میں باب ماجاء فی شعر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بیان کی گئی ہے۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵۵۱/۴ کتاب الفضائل، باب فی سدل النبی ﷺ شعره و فرقه، رقم الحديث: ٦٠١٧

نومولود کے ساتویں دن عقیقہ کرنا مستحب ہے، چنانچہ حضرت عبدالمطلب نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عقیقہ بھی ساتویں دن کیا تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اس عقیقہ پر اعتبار نہیں تھا، معلوم نہیں انہوں نے اللہ جل شانہ کے نام پر ذبح کیا تھا یا کسی بت کے نام پر، اس لیے نبوت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا عقیقہ خود کیا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کا بچپن میں عقیقہ نہ ہو تو بہتر یہی ہے کہ بڑے ہو کر وہ اپنا عقیقہ کرلے، تاکہ اس کے سر سے الا بلا اور مصیبت دور ہو جائے۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابرو لمبی اور باریک تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ابرو ئیں آپس میں ملی ہوئی نہیں تھیں، ان کے درمیان ایک رگ تھی، جو غصہ کے وقت پھڑکنا شروع ہو جاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ نہایت صاف اور خوبصورت تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی کشادہ اور چمکدار تھی، جو آدمی کے حسین وجمیل اور عقلمند ہونے کی علامت ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ناک ذرا لمبی تھی، اس پر قدرتی طور پر ایک خاص قسم کا نور تھا، ابتداءً دیکھنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بڑی ناک والا سمجھتا لیکن غور سے معلوم ہوتا کہ حسن و چمک کی وجہ سے بلند معلوم ہوتی ہے، ورنہ حقیقت میں وہ زیادہ بلند نہیں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک گنجان اور گھنی تھی، رخسار ہموار اور ہلکے تھے، ان کا گوشت لٹکا ہوا نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ اعتدال کے ساتھ کشادہ تھا۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کے دانتوں میں ذرا ذرا فاصلہ تھا، جو نہایت خوبصورت آبدار اور چمکدار تھے، سارے دانتوں میں فاصلہ نہیں تھا، کیونکہ یہ چیز باعث حسن نہیں بلکہ بدنما ہوتی ہے، ہاں سامنے کے دانتوں میں فاصلہ، حسن کو دوبالا کر دیتا ہے اور اہل عرب کے ہاں ان دانتوں کو بہت پسند کیا جاتا ہے۔

۶۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک ایسی خوبصورت اور باریک تھی، جیسا کہ مورتی اور گڑیا کی گردن صاف ہوتی ہے، اور رنگ میں چاندنی جیسی صاف اور خوبصورت تھی، اور ''دمیۃ'' ہاتھی دانت وغیرہ سے بنی ہوئی تصویر کو بھی کہتے ہیں، اس سے عربی زبان میں حسن و جمال میں تشبیہ دی جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گردن مبارک حسن و جمال کی شاہکار تھی۔

۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تمام اعضاء نہایت اعتدال والے اور گوشت سے پر تھے، جسم گٹھا ہوا یعنی بہت مضبوط تھا، پیٹ اور سینہ دونوں برابر اور ہموار تھے، پیٹ سینہ سے اور سینہ پیٹ سے بڑا ہوا نہیں تھا، اور سینہ چوڑا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان قدرے زیادہ فاصلہ تھا، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھے اعتدال کے ساتھ چوڑے تھے، جوڑوں کی ہڈیاں بڑی اور مضبوط تھیں، جو انسان کے بہادر ہونے کی علامت ہوتی ہے۔

۸۔ انور المتجرد اس جملے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کپڑے اتارتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک روشن اور چمکدار نظر آتا تھا۔

۲۔ یا یہ مطلب ہے کہ بدن کا وہ حصہ جو کپڑوں سے باہر رہتا تھا، وہ بھی روشن اور چمکدار تھا، کیونکہ عموماً یہ حصہ موسمی اثرات کی وجہ سے تبدیل ہو جاتا ہے، سفید اور چمکدار نہیں رہتا، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ حصہ بھی خوب روشن اور چمکدار تھا، اور جسم کا جو حصہ کپڑوں کے اندر ہوتا، اس کی روشنی، خوبصورتی اور چمک کا کیا کہنا، وہ تو روشن اور چمکدار تھا ہی۔

۹۔ ناف اور سینہ کے درمیان بالوں کی لکیر کی طرح ایک دھاری تھی، جو بہت خوبصورت لگتی تھی، اس لکیر کے علاوہ چھاتی اور پیٹ پر کوئی بال نہیں تھا، البتہ دونوں بازو، کندھوں اور سینہ کے بالائی حصہ پر کچھ بال تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کلائیاں دراز اور ہتھیلیاں کشادہ تھیں، نیز ہتھیلیاں اور دونوں قدم گوشت سے پر تھے، جو انسان کے حسین وجمیل ہونے کی علامت ہوتی ہے، ہاتھ پاؤں کی انگلیاں تناسب اور اعتدال کے ساتھ لمبی تھیں، پاؤں کے تلوے قدرے گہرے تھے اور قدم ہموار تھے، ان کے صاف ستھرا ہونے اور نرمی کی وجہ سے پانی ان پر ٹھہرتا نہیں تھا، فوراً ڈھل جاتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے وقت اپنا قدم قوت سے اٹھاتے اور آگے کی طرف جھک کر چلتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم چلتے تو ایسا معلوم ہوتا گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پستی میں اتر رہے ہیں۔

۱۰۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی طرف توجہ فرماتے تو پورے جسم کے ساتھ متوجہ ہو جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر عموماً نیچے رہتی تھی، کبھی کبھی وحی کے انتظار میں آسمان کی طرف بھی دیکھتے تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خطاب فرماتے تو پھر سامعین کی طرف دیکھتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت گوشۂ چشم سے دیکھنے کی تھی، شرم وحیا کی وجہ سے آنکھ بھر کر نہیں دیکھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سلام کرنے میں پہل فرماتے تھے۔

**یسوق اصحابه:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کو آگے کر دیتے اور خود پیچھے چلتے تھے، شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجہیں لکھی ہیں:

- صحابہ کرام کی تربیت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے پیچھے چلتے تھے، تاکہ جس کی کوئی غلطی نظر آجائے، تو اس کی اصلاح کر دی جائے۔(۱)
- فرشتے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے چلتے تھے، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے آخر میں چلتے، تاکہ فرشتے آسانی سے آسکیں، چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: خَلُّوا خَلْفَ ظَهْرِيْ لِلْمَلَائِكَةِ: میری پشت کے پیچھے فرشتوں کے لیے جگہ خالی چھوڑ دو۔(۲)
- بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ شہر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول نہیں تھا، بلکہ سفر میں تمام شرکاء سے پیچھے چلتے، تاکہ تمام مسافرین کی دیکھ بھال کی جاسکے۔
- کمال تواضع کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے پیچھے کسی کو نہیں چھوڑتے تھے۔(۳)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ يَقُوْلُ: كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَلِيعَ الْفَمِ، أَشْكَلَ الْعَيْنِ، مَنْهُوْسَ الْعَقِبِ. قَالَ شُعْبَةُ: قُلْتُ لِسِمَاكٍ: مَا ضَلِيعُ الْفَمِ؟ قَالَ: عَظِيمُ الْفَمِ، قُلْتُ: مَا أَشْكَلُ الْعَيْنِ؟ قَالَ: طَوِيلُ شِقِّ الْعَيْنِ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۴۷۔۵۰

(۲) کنز العمال ۱۵/۱۷۴ کتاب المعیشة والعادات، أداب المشی، رقم الحدیث: ۴۱۶۱۱

(۳) المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص:۶۵)

قُلْتُ: مَامَنْهُوسُ الْعَقِبِ؟ قَالَ: قَلِيلُ لَحْمِ الْعَقِبِ. (۱)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کشادہ منہ والے تھے، آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی تھی، اور ایڑیوں پر گوشت کم تھا، شعبہ راوی کہتے ہیں کہ میں نے سماک بن حرب سے پوچھا: ضلیع الفم کے کیا معنیٰ ہیں؟ انہوں نے فرمایا: کھلے منہ والے، کشادہ دہن، میں نے عرض کیا: اشکل العین کے کیا معنیٰ ہیں؟ سماک نے فرمایا: آنکھوں کی لمبی پھٹن والے یعنی بڑی آنکھوں والے، میں نے عرض کیا: منھوس العقب کے کیا معنیٰ ہیں؟ سماک نے فرمایا: ایڑیوں پر کم گوشت والے۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔** ضلیع: کھلے منہ والے، کشادہ دہن، اشکل: وہ شخص جس کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی ہو اور سماک بن حرب نے اس کے معنیٰ یہ بیان کیے ہیں: طویل شق العین (آنکھوں کی لمبی پھٹن والے) یعنی وہ شخص جس کی آنکھیں بڑی ہوں، لیکن قاضی عیاض اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ ''اشکل'' کے جو معنیٰ سماک نے بیان کیے ہیں، یہ لغت کے اعتبار سے درست نہیں ہیں، لغوی اعتبار سے اس کے وہی معنیٰ صحیح ہیں، جو اوپر لکھے گئے ہیں یعنی وہ شخص جس کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی ہو، اس طرح کی آنکھ اہل عرب اور عجم دونوں کے ہاں انتہائی دلکش اور پسندیدہ ہوتی ہے، منھوس: دبلا آدمی، العقب: (عین پر زبر اور قاف کے نیچے زیر) ایڑی، منھوس العقب کے معنیٰ ہیں: وہ شخص جس کی ایڑیوں پر گوشت کم ہو، مگر جسم کے دیگر اعضاء کے موافق ہو۔(۲)

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ، آنکھوں اور ایڑیوں کا حال

مذکورہ حدیث میں تین باتیں بیان کی گئی ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا منہ مبارک کھلا اور کشادہ تھا، تنگ نہیں تھا، کیونکہ یہ بدنما لگتا ہے اور کھلا منہ خوبصورت لگتا ہے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں کی سفیدی میں سرخی ملی ہوئی تھی، ان میں چند سرخ لکیریں تھیں، جو بہت خوبصورت لگتی تھیں، اور سماک بن حرب کے بقول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں بڑی تھیں۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایڑیوں پر گوشت کم تھا، موٹی نہیں تھیں، مگر جسم کے دیگر اعضاء کے موافق تھیں، یہ بھی حسن کی ایک اہم علامت شمار ہوتی ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي لَيْلَةٍ إِضْحِيَانٍ، وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ،

---

(۱) الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۲۳۳۹، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۴۶۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۵۵/۱، تکملة فتح الملهم ۵۵۷/۴، کتاب الفضائل، باب فی صفة فم النبی ﷺ رقم الحدیث: ۶۰۲۵

فَجَعَلْتُ أَنْظُرُ إِلَيْهِ وَإِلَى الْقَمَرِ، فَلَهُوَ عِنْدِي أَحْسَنُ مِنَ الْقَمَرِ.(۱)

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) چاندنی رات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر سرخ لباس تھا، میں (کبھی) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا اور (کبھی) چاند کی طرف، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے نزدیک چاند سے کہیں زیادہ خوبصورت تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: اضحیان: (ہمزے کے نیچے زیر، ضاد ساکن، حاء کے نیچے زیر اور نون پر تنوین) چاندنی رات جس میں کوئی بادل نہ ہو، پوری رات چاند کی روشنی سے روشن ہو، حلة: (حا پر پیش اور لام پر زبر و تشدید) پوشاک، لباس، جوڑا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن کی چاند سے تشبیہ

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ چاندنی رات میں، جس میں کوئی بادل نہیں تھا، اور چاند پورے آب و تاب سے چمک رہا تھا، میں کبھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور کی طرف دیکھتا، اور کبھی چاند کی طرف، بالآخر میں اسی نتیجہ پر پہنچا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال اور نور، چاند سے کہیں زیادہ ہے۔

یہ تشبیہ صرف سمجھانے کی حد تک ہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور روشنی، ظاہر اور باطن دونوں اعتبار سے ہے، جبکہ چاند کی روشنی صرف ظاہر تک ہے، اور یہ روشنی بھی چاند کی اپنی ذاتی نہیں، بلکہ سورج سے حاصل کردہ ہے، مہینے کے مختلف ایام کے اعتبار سے کبھی وہ کم اور کبھی زیادہ ہوتی رہتی ہے، کبھی اس پر پوری تاریکی چھا جاتی ہے اور کبھی اس پر گرہن بھی طاری ہو جاتا ہے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نور اور روشنی اصلی ہے، بلکہ دیگر تمام روشنیاں اور انوار و تجلیات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نور کی وجہ سے ہی ہیں، اس لیے چاند کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن کی تشبیہ من وجہ ہے، ہر اعتبار سے نہیں، کیونکہ جو کمالات ظاہری اور باطنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں موجود ہیں، وہ چاند میں بالکل نہیں۔(۲)

عَنْ أَبِي إِسْحَاقَ قَالَ: سَأَلَ رَجُلٌ الْبَرَاءَ بْنَ عَازِبٍ: أَكَانَ وَجْهُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِثْلَ السَّيْفِ؟ قَالَ: لَا، بَلْ مِثْلَ الْقَمَرِ.(۳)

ترجمہ: ابو اسحاق کہتے ہیں کہ ایک شخص نے حضرت براء سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کی طرح (صاف شفاف) تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں بلکہ چاند کی طرح (روشن اور گول) تھا۔

---

(۱) سنن الترمذی، باب ما جاء فی الرخصة فی لبس الحمرة، رقم الحدیث: ۲۸۱۱۔

(۲) مرقاة المفاتیح ۱۰/۴۷۳، کتاب الفضائل، باب أسماء النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۵۷۹۴، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للمناوی ۱/۵۶۔

(۳) الصحیح للبخاری، المناقب، باب فی صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۵۲، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۳۶۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْيَضَ، كَأَنَّمَا صِيغَ مِنْ فِضَّةٍ، رَجِلَ الشَّعْرِ. (۱)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید رنگ والے تھے گویا کہ چاندی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن ڈھالا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم قدرے گھونگھریالے بالوں والے تھے۔

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چاند کی طرح گول اور رنگ سفید سرخی مائل تھا

مذکورہ احادیث میں تین امور کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ تلوار کی طرح لمبا اور تیز چمک والا نہیں تھا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ انور چاند کی طرح گول اور روشن تھا، اور اس نور میں ایسی کشش اور جاذبیت تھی کہ انسان جب اس چہرہ کو دیکھتا تو دیکھتا ہی رہ جاتا، تلوار کی طرح ایسی تیز سفیدی نہیں تھی کہ جسے دیکھنے سے انسان دل برداشتہ اور اکتا جائے، اسی وجہ سے حضرت براء نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے کو چاند یعنی بدر سے تشبیہ دی ہے، اور تلوار کے ساتھ مشابہ قرار دینے سے انکار کیا ہے۔ (۲)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید مگر سرخی مائل تھا، برف کی طرح صرف سفید نہیں تھا، اس کی مزید تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

۳۔ سر کے بالوں میں کسی قدر گھونگھریالہ پن تھا، بالکل سیدھے بھی نہیں تھے اور نہ بالکل حبشی لوگوں کے بالوں کی طرح ٹیڑھے بلکہ درمیانے تھے یعنی ان میں کسی قدر گھونگھریالہ پن تھا، جس سے ان بالوں میں مزید نکھار اور حسن پیدا ہو جاتا ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: عُرِضَ عَلَيَّ الأَنْبِيَاءُ، فَإِذَا مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ ضَرْبٌ مِنَ الرِّجَالِ، كَأَنَّهُ مِنْ رِجَالِ شَنُوءَةَ، وَرَأَيْتُ عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا عُرْوَةُ بْنُ مَسْعُودٍ، وَرَأَيْتُ إِبْرَاهِيمَ عَلَيْهِ السَّلَامُ، فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا صَاحِبُكُمْ، يَعْنِي نَفْسَهُ، وَرَأَيْتُ جِبْرِيلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَإِذَا أَقْرَبُ مَنْ رَأَيْتُ بِهِ شَبَهًا دِحْيَةُ. (۳)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (معراج کے موقع پر) میرے سامنے انبیاء پیش کیے گئے تو (میں نے دیکھا کہ) موسیٰ چھریرے بدن کے یعنی ذرا پتلے دبلے آدمی ہیں، گویا کہ وہ (یمن کے) قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہیں، اور میں نے عیسیٰ بن مریم کو دیکھا تو (ایسا لگا کہ) میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے ان کے ساتھ مشابہت کے لحاظ سے سب سے قریب تر آدمی عروہ بن مسعود ہیں، اور میں نے ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا، تو ان سے مشابہت کے اعتبار سے سب سے قریب تر تمہارا یہ ساتھی ہے یعنی خود نبی کریم

---

(۱) جامع الحدیث، مسند انس بن مالک، رقم الحدیث: ۳۶۱۱۹، کنز العمال، رقم الحدیث: ۱۷۸۰۸۔

(۲) تکملة فتح الملھم ۵۶۲/۴ کتاب الفضائل، باب شیبه ﷺ رقم الحدیث: ۶۰۳۹

(۳) سنن الترمذی، باب فی صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۶۴۹۔

صلی اللہ علیہ وسلم، اور میں نے جبرائیل علیہ السلام کو دیکھا، تو میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے شکل وصورت کے لحاظ سے ان سے قریب تر دحیہ بن خلیفہ کلبی ہیں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** عوض علي: (صیغہ مجہول) مجھ پر پیش کئے گئے، ضرب: (ضاد پر زبر اور را ساکن) چھریرے بدن کا قد آور آدمی، پھرتیلا، کاموں میں چاک و چوبند اور چست، شنوءة: یمن کا ایک قبیلہ ہے، جو شنوءۃ یعنی عبداللہ بن کعب بن ازد کی طرف منسوب ہے، اور اسے شنوءۃ اس وجہ سے کہتے ہیں کہ اس کی اپنے اہل خانہ کے ساتھ دشمنی رہتی تھی، مگر ظاہری لحاظ سے اس قبیلہ کے لوگ چونکہ خوبصورت اور چاک و چوبند ہوتے تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس قبیلہ کے فرد کے ساتھ تشبیہ دی ہے، فاذا اقرب الناس من رأیت بہ: میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے قریب ترین، شبھاً: مشابہت کے اعتبار سے۔

## معراج کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی ملاقات

اس حدیث میں ہے: عوض علی الانبیاء (مجھ پر انبیاء پیش کئے گئے) کس مقام پر اور کب یہ انبیاء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیے گئے؟ اس بارے میں دو قول ہیں، ان دونوں اقوال میں کوئی اشکال نہیں ہے، اس لیے کہ بخاری میں دونوں طرح کی روایتیں ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے خواب میں حضرات انبیاء نے ملاقات کی۔

۲۔ جمہور اہل سنت کے نزدیک یہ ملاقات معراج کے سفر میں ہوئی، چنانچہ معراج کے موقع پر مسجد اقصیٰ میں یا آسمانوں میں بلکہ دونوں مقامات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی ملاقات ہوئی، ابن کثیر فرماتے ہیں کہ صحیح قول یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی ملاقات پہلے آسمانوں پر اور پھر مسجد اقصیٰ میں ہوئی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب آسمانوں پر تشریف لے گئے تو حضرت جبرئیل علیہ السلام سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پوچھتے کہ یہ کون سے نبی ہیں؟ اگر پہلے ملاقات ہو چکی ہوتی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جبرائیل سے نہ پوچھتے، واقعہ معراج راجح قول کے مطابق بیداری کی حالت میں پیش آیا تھا، اس لیے اس دوران حضرات انبیاء سے ملاقات بھی بیداری میں براہ راست ہوئی۔(۱)

ترمذی کی مذکورہ روایت میں صرف تین انبیاء کے نام ذکر فرمائے گئے ہیں: حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم علیہم السلام، اس کی کچھ تفصیل درج ذیل ہے:

❁ حضرت موسیٰ کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ مجھے ایسا لگا کہ یہ یمن کے قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہیں، کیونکہ

---

(۱) الجامع لاحکام القرآن للقرطبی ۱۸۴/۱۰ سورۃ الاسراء، معارف القرآن ۴۳۸/۵ معراج کے جسمانی ہونے پر قرآن وسنت کے دلائل، جمع الوسائل للقاری ۶۰/۱، ۶۳

حضرت موسیٰ کا بدن بھی چھریرا یعنی پتلا دبلا تھا جیسے قبیلہ شنوءہ کے لوگوں کے بدن دبلے پتلے، مگر چاک و چوبند اور چست ہوتے ہیں۔

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ لفظ موسیٰ قبطی زبان کا لفظ ہے، یہ اصل میں موشی (شین کے ساتھ) ہے، جس کے معنیٰ ہیں: درختوں کے درمیان پانی، ان کا تابوت جب فرعون اور اس کی بیوی حضرت آسیہ بنت مزاحم نے درختوں کے درمیان پانی میں دیکھا تو اس مناسبت سے حضرت آسیہ نے ان کا نام "موشی" رکھ دیا، پھر یہ لفظ عربی زبان میں سین کے ساتھ استعمال ہونے لگا یعنی "موسیٰ"۔(۱)

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو دیکھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ ان کی شکل وصورت مجھے ایسی لگی، جیسے میرے دیکھے ہوئے لوگوں میں سے حضرت عروہ بن مسعود ہیں، حضرت عروہ کی شکل وصورت کیسی تھی؟ یہ کسی روایت میں منقول نہیں، اس لیے اس تشبیہ سے تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا حلیہ معلوم نہیں ہوتا البتہ بخاری کی روایات میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حلیہ کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ گندمی رنگ کے ایک خوبصورت نوجوان تھے، بسا اوقات کسی عارض کی وجہ سے ان کا رنگ سرخ محسوس ہوتا تھا، بال گھونگھریالے، سینہ چوڑا، اعتدال کے ساتھ لمبا قد، اور جسم پر گوشت کم تھا۔(۲)

۞ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو ان کی شباہت اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت تقریباً ایک طرح تھی، علامہ ماوردی فرماتے ہیں کہ لفظ ابراہیم سریانی زبان کا لفظ ہے، جس کے معنیٰ ہیں: اب رحیم (مہربان باپ) یہاں حدیث میں "یعنی نفسہ" کے جو الفاظ ہیں، یہ حضرت جابر یا بعد کے کسی راوی کا اضافہ ہے، اصل روایت میں نہیں ہیں۔

۞ حضرت جبرائیل علیہ السلام کی شکل وصورت حضرت دحیہ کلبی کی طرح تھی، حضرت دحیہ انتہائی خوبصورت نوجوان تھے، اور جبرائیل سریانی لفظ ہے، جس کے معنیٰ ہیں: عبداللہ یا عبدالرحمن یا عبدالعزیز، اور "ایل" جمہور کے نزدیک اللہ کا نام ہے۔(۳)

اس حدیث میں صرف مذکورہ تین انبیاء کا ذکر اس لیے فرمایا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اجداد میں سے ہیں، اور سب ہی کے ہاں یہ مقبول ہیں اور ان کو مانا جاتا ہے، اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل کے انبیاء میں سے ہیں، چنانچہ حضرت موسیٰ یہود کے اور حضرت عیسیٰ نصاریٰ کے نبی تھے، اور اس حدیث میں انبیاء کے ساتھ ضمناً حضرت جبرائیل علیہ السلام کا بھی ذکر آ گیا ہے، کیونکہ یہ وہ عظیم الشان فرشتہ ہیں، جو انبیاء کے پاس وحی لے کر آتے تھے، ان کا کثرت کے ساتھ انبیاء کے پاس آنا جانا رہتا تھا، اس لیے انبیاء کے ساتھ ان کا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذکر فرما دیا ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی ملاقات آسمانوں پر اور پھر مسجد اقصیٰ میں ہوئی، حالانکہ انبیاء کے جسم تو زمین پر قبروں میں ہیں، تو پھر یہ ملاقات کس طرح ہوئی؟ اس اشکال کے دو جواب دیے گئے ہیں:

۱۔ انبیاء کی ارواح کو اجسام کی شکل وصورت دے دی گئی تھی، اس طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے انبیاء کی ملاقات ہوئی۔

---

(۱) شرح المناوی علی حاشیۃ جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/ ۶۰

(۲) فتح الباری ۶/ ۶۰۱، کتاب احادیث الانبیاء باب قول اللہ واذکر فی الکتاب مریم، جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/ ۶۲

(۳) المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۷۵)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اعزاز واکرام کی وجہ سے انبیاء کو اصلی جسموں کے ساتھ حاضر کیا گیا، تاکہ وہ سید الاولین والآخرین سے براہِ راست فیض یاب ہوسکیں، اس بات کی تائید حضرت انس کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، جس کے الفاظ یہ ہیں: وَبُعِثَ لَهُ آدَمُ وَمَنْ دُوْنَهُ مِنَ الْأَنْبِيَاءِ (حضرت آدم اور دیگر انبیاء کو قبروں سے اٹھایا گیا، تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کریں)۔(۱)

اس روایت سے استدلال کر کے جمہور اہل سنت فرماتے ہیں کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اپنی قبروں میں حیات ہیں، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے بہت سے مستند دلائل سے اس بات کو ثابت کیا ہے۔(۲)

اس حدیث میں دو صحابہ کرام کا ذکر آیا ہے، حضرت عروہ بن مسعود ثقفی اور حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہما، ان کے مختصر سے حالات درج ذیل ہیں:

## حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ

حضرت عروہ بن مسعود ثقفی رضی اللہ عنہ نے غزوہ طائف کے بعد ۹ ہجری میں اسلام قبول کیا، اسلام قبول کرنے سے پہلے کفار مکہ کے ایک اہم لیڈر تھے، لوگ ان کی بات مانتے تھے، چنانچہ ایک قول کے مطابق: لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ میں اس ''رجل'' سے حضرت عروہ بن مسعود مراد ہیں، صلح حدیبیہ میں کافروں کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بات چیت کے لیے آئے تھے، یہ طائف کے رہنے والے تھے، ۹ ہجری میں جب طائف فتح ہوگیا تو حضرت عروہ کے دل میں اللہ نے اسلام کی محبت ڈال دی، انہوں نے اسلام قبول کرلیا، طائف جانے کا جب ارادہ کیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: اِنِّيْ اَخَافُ اَنْ يَّقْتُلُوْكَ (مجھے یہ اندیشہ ہے کہ وہ لوگ تمہیں قتل کر دیں گے)، حضرت عروہ نے عرض کیا: لَوْ وَجَدُوْنِيْ نَائِمًا مَا اَيْقَظُوْنِيْ (اگر وہ مجھے سوتا ہوا پائیں تو بیدار نہیں کر سکتے یعنی سب کچھ اللہ کی طرف سے ہوتا ہے، وہ لوگ میرا کچھ نہیں بگاڑ سکتے) بہر حال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں واپس جانے کی اجازت دے دی، وہاں جا کر انہوں نے اپنی قوم ثقیف کو اسلام کی دعوت دی، وہ بجائے اس کے کہ اسلام قبول کرتے، ان کے دشمن بن گئے، حضرت عروہ جب فجر کی اذان کے لیے بالاخانے پر گئے، اذان دی تو ایک شخص نے تیر مار کر انہیں شہید کر دیا، ان کی شہادت کی اطلاع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَثَلُ عُرْوَةَ مَثَلُ صَاحِبِ يٰسٓ دَعَا قَوْمَهٗ اِلَى اللّٰهِ فَقَتَلُوْهُ (عروہ کی مثال صاحب یسین یعنی حضرت حبیب بن اسماعیل نجار کی طرح ہے، جو اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلاتے مگر پھر بھی انہوں نے حبیب کو شہید کر دیا، اسی طرح ثقیف کے لوگوں نے بھی یہ زیادتی کی کہ عروہ بن مسعود کو شہید کر دیا، حالانکہ وہ بھی اپنی قوم کو اللہ کی طرف بلا رہے تھے، یعنی اسلام کی دعوت دے رہے تھے)(۳)

---

(۱) فتح الملہم ۳۷۳/۲ کتاب الایمان، باب الإسراء برسول اللہ ﷺ۔

(۲) فتح الباری ۶۰۲/۶ کتاب احادیث الانبیاء، باب قول اللہ: واذکر فی الکتاب مریم اذ انتبذت من اھلھا۔

(۳) الاصابۃ ۴۰۶/۴، رقم: ۵۵۴۲ حرف العین

## حضرت دحیہ بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ

حضرت دحیہ (دال کے نیچے زیر اور حا ساکن یا دال پر زبر اور حا ساکن) بن خلیفہ کلبی رضی اللہ عنہ مشہور صحابی ہیں، بدر کے علاوہ باقی تمام معرکوں اور غزوات میں شریک رہے، صلح حدیبیہ کے موقع پر درخت کے نیچے انہوں نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دستِ مبارک پر بیعت کی، حضرت جبرائیل علیہ السلام جب وحی لے کر آتے، تو عموماً حضرت دحیہ کی شکل وصورت میں آتے تھے، حضرت دحیہ انتہائی خوبصورت نوجوان تھے، حسن وجمال میں یہ ضرب المثل تھے، عربوں کا یہ دستور تھا کہ جب کسی بادشاہ کے پاس اپنا کوئی نمائندہ بھیجتے، تو ایسے شخص کا انتخاب کرتے، جو انتہائی خوبصورت ہوتا، اسی عرف کے مطابق حضرتِ جبرائیل بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حضرت دحیہ کی صورت میں آتے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر اس دنیا میں کون ہوسکتا ہے، چنانچہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی حضرت دحیہ کو اپنا نمائندہ بنا کر دنیا کے حکمرانوں کے پاس بھیجا کرتے تھے، چنانچہ ۷ یا ۶ ہجری کے آخر میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قیصر کی طرف نمائندہ بنا کر بھیجا، انہوں نے اس سے حمص میں ملاقات کی، بعد میں حضرت دحیہ نے شام میں رہائش اختیار کرلی تھی، اور حضرت معاویہ کی خلافت تک زندہ رہے۔ (۱)

عَنْ سَعِيدٍ الْجُرَيْرِيِّ قَالَ: سَمِعْتُ أَبَا الطُّفَيْلِ يَقُولُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا بَقِيَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ أَحَدٌ رَآهُ غَيْرِي، قُلْتُ: صِفْهُ لِي، قَالَ: كَانَ أَبْيَضَ، مَلِيحًا، مُقَصَّدًا. (۲)

سعید جریری کہتے ہیں کہ میں نے ابوالطفیل یعنی حضرت عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ کو فرماتے ہوئے سنا کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے اور اب روئے زمین پر میرے علاوہ کوئی آدمی باقی نہیں رہا، جس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہو، سعید جریری کہتے ہیں کہ میں نے ان سے عرض کیا کہ میرے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا حلیہ بیان کر دیجیے؟ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید رنگ، مگر سرخی مائل، اور معتدل جسم والے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ملیح: خوبصورت، سفید رنگ والا مگر سرخی مائل، مقصد: (میم پر پیش، قاف پر زبر، صاد پر زبر اور تشدید) معتدل جسم والا، سلیم الاعضاء۔

## حلیہ مبارک سے متعلق تین چیزیں

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک سے متعلق تین چیزیں بیان کی گئی ہیں: (۱) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید تھا۔ (۲) مگر یہ سفید رنگ سرخی مائل تھا۔ (۳) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا جسم معتدل، انتہائی حسین وجمیل، اور خوبصورت تھا، ہر عضو حسن

---

(۱) الاصابۃ ۳۲۱/۲، رقم: ۲۳۹۵ الدال بعدھا الحاء، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۶۳/۱

(۲) کنز العمال، رقم الحدیث: ۱۷۸۰۶، مسند الامام احمد، رقم الحدیث: ۲۳۷۹۷۔

وجمال کا ایک عظیم شاہکار تھا۔

حضرت عامر نے فرمایا: مابقی علی وجه الارض احد، شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ "وجہ الارض یعنی روئے زمین" کی قید اس لیے لگائی کہ آسمان پر حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ ﷺ کے دیکھنے والوں میں موجود تھے، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس قید سے حضرت خضر علیہ السلام بھی نکل جاتے ہیں کیونکہ وہ اس وقت پانی پر تھے، براہِ راست زمین پر نہیں تھے۔(۱)

## آخری صحابی حضرت ابوالطفیل عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ

حضرت ابوالطفیل یعنی عامر بن واثلہ رضی اللہ عنہ نے صحابہ میں سب سے اخیر میں وفات پائی ہے، ہجرت والے یا غزوہ احد والے سال میں یہ پیدا ہوئے، تقریباً آٹھ سال نبوت کا زمانہ پایا، جوانی میں نبی کریم ﷺ سے ملاقات کی، اور آپ ﷺ سے احادیث بھی محفوظ کی ہیں، مشاجرات صحابہ میں یہ حضرت علیؓ کے ساتھ تھے، صحیح قول کے مطابق ان کی وفات ایک سو دس ہجری میں ہوئی ہے، اسی وجہ سے انہوں نے اس حدیث میں فرمایا کہ اب روئے زمین پر میرے علاوہ کوئی صحابی نہیں رہا، ان کی وفات سے گویا صحابہ کرام کا سلسلہ اس دنیا سے ختم ہوگیا تھا۔(۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَفْلَجَ الثَّنِيَّتَيْنِ، إِذَا تَكَلَّمَ رُئِيَ، كَالنُّورِ يَخْرُجُ مِنْ بَيْنِ ثَنَايَاهُ.(۳)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے اگلے دانت کچھ کشادہ تھے (یعنی ان میں معمولی فاصلہ تھا، ملے ہوئے نہیں تھے) نبی کریم ﷺ جب گفتگو فرماتے، تو ایک نور سا دکھائی دیتا، جو آپ ﷺ کے دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** أفلج: وہ شخص جس کے دانتوں میں قدرتی طور پر ذرا فاصلہ ہو، خواہ وہ دانت ثنایا ہوں یا رباعی، ثنیتین: (ثا پر زبر، نون کے نیچے زیر اور یاء پر زبر و تشدید) سامنے کے چار دانتوں میں سے دو دانت، اوپر والے دو اور نیچے والے دو دانت، ان کو ثنایا کہا جاتا ہے، ثنایا کے ساتھ دائیں طرف، اوپر نیچے ایک ایک دانت، اور ایسے ہی بائیں طرف، اوپر نیچے ایک ایک دانت، ان کو رباعی یا رباعیات کہا جاتا ہے، رُئی: (رأی سے صیغہ مجہول ماضی) کوئی چیز دکھائی دیتی، اس فعل کا نائب فاعل کیا ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں: (۱) لفظ "شئ" محذوف ہے یعنی رئی شئ کالنور، نور کی طرح ایک چیز دکھائی دیتی۔ (۲) علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ کالنور نائب فاعل ہے، اور اس میں "کاف" اسم ہے جس کے معنی ہیں: مثل، اصل عبارت یوں ہوگی: رئی مثل

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۶۴/۱

(۲) الاصابة ۱۹۳/۷، باب الکنی حرف الطاء، رقم: ۱۰۱۶۶

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی، باب احادیث عبداللہ بن عباس، رقم الحدیث: ۱۲۱۸۱۔

البنور: نورسا دکھائی دیتا، یخرج من بین ثنایاہ: وہ نور آپ ﷺ کے دانتوں کے درمیان سے نکلتا، یہ جملہ رئی کے نائب فاعل سے حال ہے۔(۱)

## نبی کریم ﷺ کے سامنے کے دانتوں کی کیفیت

مذکورہ حدیث میں دو چیزوں کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ کے سامنے کے چاروں دانتوں یعنی ثنایا علیا اور ثنایا سفلی میں قدرتی طور پر ذرا خلا اور فاصلہ تھا، وہ آپس میں جڑے ہوئے اور ملے ہوئے نہیں تھے، ان دانتوں میں اس طرح کا فاصلہ حسین اور خوبصورت ہونے کی علامت ہوتی ہے، عرف میں اس طرح کا آدمی بہت حسین وجمیل شمار ہوتا ہے، اور اللہ جل جلالہ نے جس طرح نبی کریم ﷺ کو باطنی کمالات سے خوب نوازا تھا، اسی طرح آپ ﷺ حسن و جمال کے بھی انتہائی اعلیٰ معیار پر تھے، گویا آپ ﷺ ظاہری اور باطنی دونوں اعتبار سے اوج کمال پر ہیں، کوئی آپ ﷺ کا ثانی نہیں۔

۲۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب گفتگو فرماتے، تو ایک نورسا دکھائی دیتا، جو آپ ﷺ کے دانتوں کے درمیان سے نکلتا تھا، رئی کالنور یخرج من بین ثنایاہ سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

۱۔ اکثر حضرات کے نزدیک اس میں نبی کریم ﷺ کے کلام کو نور سے تشبیہ دی گئی ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ جب گفتگو فرماتے، تو ایسا محسوس ہوتا کہ آپ ﷺ کے دانتوں سے گویا ایک نورسا نکل رہا ہے، وہ ایک نورانی کلام ہوتا۔(۲)

۲۔ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ یہ محض تشبیہ ہی نہیں، بلکہ حقیقت میں یہ ایک محسوس ہونے والی چیز ہوتی، جو ہر دیکھنے والا اسے دیکھتا تھا، اور معجزانہ طور پر حضور اقدس ﷺ کے دانتوں کے درمیان سے وہ نکلتی تھی۔(۳)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۶۷/۱

(۲) مرقاة المفاتیح ۴۷۵/۱۰ کتاب الفضائل والشمائل، باب أسماء النبی وصفاته، رقم الحدیث: ۵۷۹۷

(۳) شرح المناوی علی حاشیة جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۶۷/۱

## بَابُ مَا جَاءَ فِي خَاتَمِ النُّبُوَّةِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں مہر نبوت کا بیان ہے۔

## نبوت کی ایک اہم علامت اور معجزہ

نبی کریم ﷺ کی نبوت کی علامات اور معجزات میں سے سب سے اہم علامت اور معجزہ ''مہر نبوت'' ہے، مستدرک حاکم میں حضرت وہب بن منبہ کی ایک طویل روایت ہے کہ موسیٰ علیہ السلام گھونگھریالے بالوں والے گندمی رنگ کے ایک لمبے قد کے آدمی تھے گویا کہ وہ قبیلہ شنوءہ کے لوگوں میں سے ہیں، اور اللہ تعالیٰ نے مجھ سے پہلے، جس نبی کو بھی بھیجا ہے، اس کے دائیں ہاتھ میں نبوت کی کوئی علامت ہوا کرتی تھی، مگر ہمارے نبی ﷺ کی یہ خصوصیت ہے کہ آپ ﷺ کی نبوت کی علامت دو کندھوں کے درمیان مہر نبوت ہے۔(۱) یہ مہر آپ ﷺ کے آخری نبی ہونے کی نشانی تھی کہ آپ ﷺ کے بعد قیامت تک اور کوئی نبی نہیں آئے گا۔(۲)

## مہر نبوت کی ہیئت وصورت

''مہر نبوت'' نبی کریم ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان، دل کے بالمقابل، دائیں جانب ابھرا ہوا گوشت کا ایک گول سرخ حصہ تھا، اسے مہر نبوت کہا جاتا ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ مہر نبوت کی شکل وصورت، ہیئت اور حجم کے بارے میں احادیث میں مختلف الفاظ منقول ہیں، چنانچہ امام ترمذی نے اس باب میں آٹھ روایتیں ذکر کی ہیں، ان میں مہر نبوت کی شکل وصورت سے متعلق پانچ طرح کے الفاظ ہیں: (۱) مِثْلَ زِرِّ الْحَجَلَةِ (کپڑوں سے آراستہ دلہن کے کمرے کے گول بٹن کی طرح وہ مہر نبوت گول تھی) (۲) مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ (وہ مہر کبوتری کے انڈے کی طرح تھی) (۳) شَعَرَاتٌ مُجْتَمِعَاتٌ (مہر نبوت ایسی تھی جیسے کچھ جمع شدہ بال ہوں) (۴) كَانَ فِي ظَهْرِهِ بِضْعَةٌ نَاشِزَةٌ (آپ ﷺ کی پشت میں گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا تھا)۔(۵) مِثْلَ الْجُمْعِ (جیم پر پیش اور میم ساکن) حَوْلَهَا خِيلَانٌ كَأَنَّهَا ثَآلِيلُ (مہر نبوت ایک مٹھی کی طرح تھی، جس کے آس پاس کالے مسے اور تل تھے) (۶) مِثْلَ الْبُنْدُقَةِ مِنَ اللَّحْمِ (وہ مہر ایسی تھی جیسے بیر کی طرح گوشت ہو) (۷) خَلْفَ كَتِفِهِ مِثْلَ التُّفَّاحَةِ (آپ ﷺ کے کندھے کے پیچھے سیب کی طرح مہر نبوت تھی) (۸) اور دلائل النبوۃ للبیہقی میں یہ الفاظ ہیں: مِثْلَ السِّلْعَةِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ (آپ ﷺ کا دونوں شانوں کے درمیان جسم

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۷۱۔

(۲) المستدرک علی الصحیحین للحاکم ۳/۱۸۰ رقم الحدیث: ۴۱۵۷، ذکر النبی موسی بن عمران۔

کی کھال پر گوشت کا ایک ٹکڑا تھا)۔

ان تمام روایات میں کوئی تعارض نہیں، کیونکہ ہر راوی نے اپنے ذہن کے مطابق مہر نبوت کی شکل وصورت اور ہیئت کو بیان کیا ہے، بعض نے صرف اس کی شکل کو اپنے الفاظ میں بیان کیا، بعض نے اس کے ظاہری حجم اور بڑے ہونے کی مقدار ذکر کی اور بعض نے شکل وصورت اور حجم دونوں چیزوں کو سامنے رکھ کر اسے بیان کیا، بس اتنی بات میں تو تمام احادیث متفق ہیں کہ مہر نبوت عام جسم سے الگ ایک نمایاں گوشت کا ابھرا ہوا حصہ تھا، اس کی کیفیت کو ہر راوی نے اپنے انداز میں بیان کیا ہے۔

اور بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ مہر نبوت چھوٹی بڑی ہوتی رہتی تھی، جب وہ چھوٹی ہوتی تو ایسا لگتا کہ جیسے کبوتری کا انڈا، یا بیر کی طرح گوشت کا ایک ٹکڑا ہو، اور جب وہ بڑی ہوتی تو ہاتھ کی مٹھی کی شکل کی ہو جاتی تھی۔

اور بعض روایات میں یہ بات منقول ہے کہ اس مہر پر یہ لکھا ہوا تھا: محمد رسول اللہ، یا یہ لکھا تھا: سِرْ فَأَنْتَ الْمَنْصُوْرُ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم جہاں بھی جائیں، آپ کی مدد کی جائے گی) وغیرہ... ابن حبان نے اگرچہ ان روایات کو صحیح قرار دیا ہے مگر حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ان روایات کی کوئی اصل اور ثبوت نہیں ہے، اس لیے ان باتوں کا اعتبار نہ کیا جائے۔(۱)

## مہر نبوت کب لگائی گئی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک پر یہ مہر کب لگائی گئی؟ اس سلسلے میں شارحین حدیث کے مختلف اقوال ہیں:

۱۔ ابونعیم کہتے ہیں کہ پیدائش کے بعد فوراً یہ مہر لگائی گئی۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ مہر شق صدر کے موقع پر لگائی گئی۔(۲)

۳۔ صحیح یہ ہے کہ مہر نبوت کے ساتھ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت ہوئی، چنانچہ بنی اسرائیل کے علماء آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی علامت سے جانتے تھے، اور بعض روایات سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیدائش ہی مہر نبوت کے ساتھ ہوئی ہے۔

اور جن روایات میں ولادت کے بعد یا شق صدر کے موقع پر مہر نبوت لگانے کا ذکر ہے، ہوسکتا ہے کہ یہ اسی سابقہ مہر کی تجدید اور اعادہ ہو، نئی مہر نہ ہو، اور اگر مہر نبوت کی تجدید کئی بار ہو، تو اس میں کوئی مانع اور قباحت بھی نہیں، اس طرح ان تمام متعارض روایات میں تطبیق اور توفیق ہو جاتی ہے۔(۳)

---

(۱) فتح الباری ۶/۶۹۶، ۶۹۸، کتاب المناقب باب خاتم النبوۃ، رقم الحدیث: ۳۵۴۱ تکملۃ فتح الملہم ۴/۵۶۵، کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوۃ، رقم الحدیث: ۶۰۴۰ جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۷۲۔

(۲) فتح الباری ۶/۶۹۶ کتاب المناقب، باب اثبات خاتم النبوۃ رقم الحدیث: ۳۵۴۱

(۳) عمدۃ القاری ۳/۷۸، کتاب الوضوء، باب استعمال فضل وضوء الناس، رقم الحدیث: ۵۳، مرقاۃ المفاتیح ۲/۱۲۲، کتاب الطہارۃ باب احکام المیاہ رقم الحدیث: ۴۷۶، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۷۰، سیرۃ المصطفیٰ ۱/۹۹، شرح المواہب للزرقانی ۱/۱۶۰

یہ مہر نبوت نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک پر وفات تک تھی، چنانچہ بیہقی نے روایت ذکر کی ہے کہ جب صحابہ کرام کو نبی کریم ﷺ کی وفات میں شک ہوا تو حضرت اسماء بنت عمیس نے اپنا ہاتھ نبی کریم ﷺ کے شانوں کے درمیان مہر نبوت کی جگہ پر رکھا تو وہ مہر نہیں تھی، تب ان کو یقین ہوا کہ نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں۔(۱)

عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ يَقُولُ: ذَهَبَتْ بِي خَالَتِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّ ابْنَ أُخْتِي وَجِعٌ. فَمَسَحَ رَأْسِي وَدَعَا لِي بِالْبَرَكَةِ، وَتَوَضَّأَ، فَشَرِبْتُ مِنْ وَضُوئِهِ، وَقُمْتُ خَلْفَ ظَهْرِهِ، فَنَظَرْتُ إِلَى الْخَاتَمِ بَيْنَ كَتِفَيْهِ، فَإِذَا هُوَ مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ.(۲)

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ مجھے میری خالہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں لے گئیں، اور عرض کیا: اے اللہ کے رسول: میرا یہ بھانجا بیمار ہے، تو آپ ﷺ نے میرے سر پر ہاتھ پھیرا اور میرے لیے برکت کی دعا کی اور پھر آپ ﷺ نے وضو کیا تو میں نے آپ ﷺ کے اعضاء سے گرنے والا پانی پیا، پھر میں آپ ﷺ کی پشت کے پیچھے کھڑا ہوا تو میں نے آپ ﷺ کے دونوں کندھوں کے درمیان مہر نبوت دیکھی، جو دلہن کے لیے سجائے گئے کمرے کی گھنڈی یعنی گول بٹن کی طرح (گول) تھی۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** خاتم: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا جا سکتا ہے: (۱) (تاء کے نیچے زیر ہو) اس صورت میں یہ اسم فاعل کا صیغہ ہوگا، معنی ہوں گے: نبوت کو ختم کرنے والے، نبوت کو پایہ تکمیل تک پہنچانے والے۔ (۲) (تاء پر زبر ہو) اس کے معنی ہیں: مہر اور خاتم النبوۃ کے معنی ہیں: مہر نبوت، ذھبت بی خالتی: میری خالہ مجھے لے گئیں، وجع: (جیم کے نیچے زیر) مریض، بیمار، درد میں مبتلی آدمی، یہاں حدیث میں پاؤں کے گوشت میں درد مراد ہے، کیونکہ بخاری کی روایت میں ''وقع'' قاف کے ساتھ ہے، جس کے معنی ''پاؤں کے گوشت میں درد'' کے ہیں، وضوءہ: (واو پر زبر) آپ ﷺ کے وضو کا پانی، اس پانی میں دو احتمال ہیں: (۱) برتن میں بچا ہوا وضو کا پانی، (۲) وہ پانی جو نبی کریم ﷺ کے اعضاء سے وضو کے دوران نیچے گرتا تھا، یہاں حدیث میں یہ معنی مراد لینا زیادہ مناسب ہے، کیونکہ صحابہ کرام برکت کے طور پر یہ پانی لیا کرتے تھے،(۳) زر: (۱) (زاء کے نیچے زیر اور راء پر تشدید) گول بٹن، گھنڈی (۲) انڈا، حجلة: (حاء اور جیم پر زبر) (۱) دلہن کے لیے سجایا ہوا کمرہ، جو کپڑوں سے آراستہ کیا جاتا تھا، اور ان پر گول بٹن بھی لگائے جاتے اور یہ کمرہ گنبد نما ہوتا تھا، دلہن کے لیے لگایا گیا پردہ، (۲) چکور کی طرح ایک پرندہ جو کبوتر کی طرح ہوتا ہے، اس کی چونچ اور پاؤں سرخ اور گوشت بہت لذیذ ہوتا ہے۔

---

(۱) دلائل النبوة للبیهقی ۲۱۹/۷، باب ما یؤثر عنه صلی الله علیه وسلم من الفاظه فی مرض موته وما جاء عند وفاته۔

(۲) سنن الترمذی، باب فی خاتم النبوة، رقم الحدیث: ۳۶۴۳۔

(۳) مرقاة ۱۶۰/۲، کتاب الطهارة، باب احکام المیاه، رقم الحدیث: ۴۷۶

## مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق پہلی حدیث

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں آٹھ روایتیں مہر نبوت کی ہیئت وصورت سے متعلق ذکر کی ہیں، حضرت سائب بن یزید کی مذکورہ روایت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ ''مہر نبوت'' یہ نبی کریم ﷺ کی نبوت کی ایک اہم علامت ہے، جس کا ذکر پہلی آسمانی کتابوں میں بھی تھا، یہی مہر نبوت حضرت سائب نے آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان دیکھی۔

مِثْلُ زِرِّ الْحَجَلَةِ اس میں لفظ ''زر'' اور ''الحجلة'' کے دونوں معنی کی مزید وضاحت درج ذیل ہے:

❁ حجلہ کے معنی: پردوں اور کپڑوں سے آراستہ کیا ہوا دلہن کا گنبد نما کمرہ، اس صورت میں لفظ ''زر'' کے معنی ''گول بٹن'' کے ہوں گے، کیونکہ اس کمرے کو مزین کرتے وقت ان کپڑوں پر گول بٹن لگائے جاتے تھے، مہر نبوت بھی اس بٹن اور گھنڈی کی طرح گول تھی۔

❁ حجلہ کے معنی: چکور کی طرح ایک پرندہ، اس معنی کے لحاظ سے زر کے معنی انڈے کے ہوں گے، مطلب یہ ہے کہ مہر نبوت ایسی تھی جیسے چکور کی طرح پرندے کا انڈا ہو، امام خطابی فرماتے ہیں کہ لفظ ''زر'' بعض روایتوں میں اس طرح منقول ہے کہ اس میں را پہلے ہے، اور زا بعد میں ہے، اس کے معنی انڈے ہی کے ہیں۔ (۱)

۲۔ حضرت سائب بن یزید کے سر میں درد تھا یا دوسری روایت کے مطابق پاؤں میں، آپ ﷺ نے شفقت کے طور پر ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، اور برکت کی دعا کی: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ فِي عُمُرِهِ وَصِحَّتِهِ یا یوں فرمایا: بَارَكَ اللّٰهُ فِيكَ (اللہ تعالیٰ تیری عمر میں برکت دے) چنانچہ سنن بیہقی میں روایت ہے کہ حضرت سائب کے سر پر ہاتھ پھیرنے کی برکت تھی کہ ان کا سر کالا ہی رہا، کوئی بال سفید نہیں ہوا، جبکہ سر کے علاوہ باقی بال سفید ہو گئے تھے، اور عمر وصحت میں یوں برکت ظاہر ہوئی کہ چورانوے سال کی عمر میں بھی ان کی صحت بالکل درست تھی، ان کی بینائی اور سماعت میں کوئی فرق نہیں آیا تھا اور وہ خود اس کا اظہار بھی کیا کرتے تھے۔ (۲)

۳۔ حضرت سائب کی خالہ کی درخواست پر آپ ﷺ نے ان کے علاج کی خاطر وضو کیا یا اتفاقا اس وقت وضو فرمایا، بہر حال علاج کے طور پر آپ ﷺ نے اسے اعضاء سے گرنے والا پانی پلوایا تو وہ صحیح ہو گئے، جبکہ بعض شارحین حدیث کے نزدیک اس پانی سے وضو سے بچا ہوا پانی مراد ہے۔

۴۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچے کے سر پر شفقت کے طور پر ہاتھ پھیرنا اور اس کی عمر اور صحت کے لیے برکت کی

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۲/۲۵۹، تکملة فتح الملهم ۴/۵۶۶، رقم الحديث: ۲۰۴۲، كتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة

(۲) سير أعلام النبلاء ۴/۵۱۲، رقم الترجمة: ۳۰۲، ط: بيروت جمع الوسائل في شرح الشمائل ۱/۶۹.

دعا کرنا مسنون ہے۔(۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: رَأَيْتُ الْخَاتَمَ بَيْنَ كَتِفَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُدَّةً حَمْرَاءَ مِثْلَ بَيْضَةِ الْحَمَامَةِ.(۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ایک سرخ غدود (کی طرح) تھی (یعنی گوشت کا ابھرا ہوا سرخ حصہ) جیسے کبوتری کا انڈا ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ غدة: (غین پر پیش، دال پر زبر و تشدید) غدود، بیضة: انڈا، حمامة: کبوتری

## مہر نبوت کے متعلق دوسری حدیث

اس حدیث میں مہر نبوت کی یہ ہیئت بیان کی گئی ہے کہ وہ ایک سرخ غدود کی طرح تھی جیسے کبوتری کا انڈا ہوتا ہے، قرطبی فرماتے ہیں کہ مہر نبوت کی شکل وصورت سے متعلق جتنی روایات منقول ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں، یہ مہر چھوٹی بڑی ہوتی رہتی تھی، جب وہ چھوٹی ہوتی تو ایسا لگتا کہ جیسے کبوتری کا انڈا ہو یا بیر کی طرح گوشت کا ایک ٹکڑا ہو اور جب بڑی ہوتی تو ہاتھ کی مٹھی کی شکل کی ہوجاتی تھی۔(۳)

عَنْ رُمَيْثَةَ قَالَتْ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَوْ أَشَاءُ أَنْ أُقَبِّلَ الْخَاتَمَ الَّذِي بَيْنَ كَتِفَيْهِ مِنْ قُرْبِهِ لَفَعَلْتُ، يَقُولُ لِسَعْدِ بْنِ مُعَاذٍ يَوْمَ مَاتَ: اهْتَزَّ لَهُ عَرْشُ الرَّحْمَنِ.(۴)

ترجمہ: حضرت رمیثہ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا اور میں اس وقت حضور ﷺ کے اتنے قریب تھی کہ اگر میں چاہتی تو آپ ﷺ کی مہر نبوت کو چوم لیتی، جو آپ ﷺ کے دونوں شانوں کے درمیان موجود تھی، آپ ﷺ حضرت سعد کے حق میں اس دن فرما رہے تھے، جس دن ان کی وفات ہوئی: عرش رحمن ان کی (موت کی) وجہ سے جھوم گیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أقبل: (صیغہ متکلم) میں چوم لیتی، اهتز له: ان کی موت کی وجہ سے جھوم گیا، خوشی سے حرکت میں آ گیا۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۶۹/۱

(۲) جامع الاصول، رقم الحدیث: ۸۸۰۶، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۴۴۔

(۳) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۸۴) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۷۱/۱۔

(۴) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث: ۳۸۵۷۔

## حضرت رمیثہ نے قریب سے مہر نبوت کو دیکھا

حضرت رمیثہؓ (را پر پیش، میم پر زبر اور یاء ساکن) رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحابیات میں سے ہیں، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دو حدیثیں روایت کی ہیں، ایک یہی روایت ہے، اور دوسری روایت حضرت رمیثہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے صلاۃ الضحیٰ سے متعلق نقل کی ہے۔

حضرت رمیثہ نے مہر نبوت کو انتہائی قریب سے دیکھا ہے، فرماتی ہیں کہ میں نے اتنے قریب سے مہر کو دیکھا ہے کہ اگر میں چاہتی تو مہر نبوت کو چوم سکتی تھی، اس سے دراصل وہ بتانا یہ چاہتی ہیں کہ میں اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت قریب تھی اور اس موقع پر میں نے حضرت سعد بن معاذ کی فضیلت سے متعلق یہ حدیث براہ راست سنی ہے۔

اس حدیث سے یہ ضرور ثابت ہوتا ہے کہ حضرت رمیثہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب تھیں، مگر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت رمیثہ کی طرف دیکھا ہو، لہذا اس سے یہ استدلال کرنا کہ غیر محرم عورت کی طرف دیکھنا جائز ہے، درست نہیں، جبکہ بعض شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غیر محرم عورت کی طرف بھی دیکھ سکتے تھے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی بھی طرح کے فتنہ کا احتمال نہیں تھا۔(۱)

## سعد بن معاذ کی وفات پر عرش رحمن جھوم اٹھا

اس حدیث میں حضرت سعد کی فضیلت کا ذکر ہے کہ ان کی وفات کے موقع پر عرش رحمن خوشی سے جھوم اٹھا، یہ عرش کیوں جھوما، کس وجہ سے وہ حرکت میں آ گیا؟ شارحین حدیث نے اس کے مختلف مطلب بیان کئے ہیں:

۱۔ عرش رحمن حقیقت میں اس خوشی کی وجہ سے جھوم گیا کہ ایک انتہائی پاک روح آرہی ہے، اس مفہوم کو جمہور اہل سنت نے اختیار کیا ہے، کیونکہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وان من شیء الا یسبح بحمدہ ولکن لا تفقھون تسبیحھم، ہر چیز میں حس اور شعور موجود ہے، وہ اللہ کی تسبیح بیان کر رہی ہے، اگرچہ تم اس کی تسبیح کو نہیں سمجھتے، اس لیے اس حدیث میں بھی عرش کا حقیقۃً ہلنا اور خوشی سے جھومنا مراد ہے۔

۲۔ بعض کے نزدیک اس سے اہل عرش مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہاں کے تمام فرشتے حاملین عرش وغیرہ، اس نیک روح کی آمد پر خوشی سے جھوم اٹھے۔

۳۔ اس سے حضرت سعد کی موت کی عظمت کو بیان کرنا مقصود ہے، چنانچہ اہل عرب کسی اہم آدمی کی وفات ہو تو یوں کہتے ہیں: أَظْلَمَتِ الدُّنْيَا لِمَوْتِ فُلَانٍ (فلاں کی موت سے دنیا میں تاریکی چھا گئی ہے) وَقَامَتِ الْقِيَامَةُ لَهُ (فلاں کے جانے سے تو

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۷۳، خصائل نبوی (ص:۳۳)

قیامت قائم ہوگئی)۔
۴۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے حضرت سعد کے جنازہ کا ہلنا مراد ہے، مگر یہ قول غلط ہے، کیونکہ روایات میں "عرش رحمن" کی تصریح موجود ہے۔(۱)

## حضرت سعد کی قبر تھوڑی دیر کے لیے تنگ کر دی گئی

حضرت سعد بن معاذ رضی اللہ عنہ کے جنازے میں ستر ہزار فرشتے شریک ہوئے، عرش رحمن ان کی روح کی آمد پر خوشی سے جھوم اٹھا، مگر اس کے باوجود ان کی قبر تھوڑی دیر کے لیے تنگ کر دی گئی، اس کا سبب کیا تھا؟ اس بارے میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

۱۔ ابن قتیبہ کہتے ہیں کہ قبر، حشر اور قیامت انتہائی دہشت ناک اور پر خطر مراحل ہیں، ان کی ہولناکی سے ولی تو کیا، کوئی نبی بھی بچ نہیں سکتا، اس لیے ایسا ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے اس قدر قابل رشک فضائل ہوں، مگر پھر بھی اس کی قبر تھوڑی دیر کے لیے تنگ کر دی گئی ہو، چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اگر میرے پاس زمین کے برابر مال و دولت ہو تو میں اس ہولناک منظر سے بچنے کے لیے قربانی کر دوں۔(۲)

۲۔ الکوکب الدری میں ہے کہ اس حدیث کے بعض طرق میں یہ تصریح ہے کہ جب ان کی اہلیہ سے اس کی وجہ دریافت کی گئی تو انہوں نے بتایا کہ حضرت سعد اونٹ چرایا کرتے تھے، اور ان کے پیشاب کی چھینٹوں سے بچنے کا خاص اہتمام نہیں کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ پیشاب کے قطروں سے اچھی طرح پرہیز نہ کرنے سے ایک نیک آدمی کی قبر کو بھی تھوڑی دیر کے لیے تنگ کیا جا سکتا ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ یہ ساری تفصیل اس روایت کے لحاظ سے ہے جس میں حضرت سعد کا نام ہے، مگر شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے نزدیک راجح یہ ہے کہ یہ واقعہ نہ تو حضرت معاذ سے متعلق ہے اور نہ سعد بن معاذ کے بارے میں ہے، بلکہ یہ کسی صحابی کے بارے میں ہے، جس کا روایت میں نام مذکور نہیں ہے۔(۳)

حضرت سعد بن معاذ کے مزید مناقب اور احوال معارف ترمذی جلد چہارم باب مناقب سعد بن معاذ میں گذر چکے ہیں، انہیں وہاں دیکھ لیا جائے۔

---

(۱) فتح الباري ۱۵۶/۷، کتاب مناقب الانصار، باب مناقب سعد بن معاذ، رقم الحدیث: ۳۸۰۳، شرح مسلم للنووی ۲۹۴/۲، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل سعد بن معاذ، مرقاة ۳۴۸/۱۱، رقم: ۶۲۰۲، تکملة فتح الملهم ۲۰۴/۵، رقم الحدیث: ۶۳۰۱

(۲) جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوي ۷۵/۱

(۳) الکوکب الدري ۱۰۳/۱، ابواب الطهارة، باب ماجاء في بول مایؤکل لحمه۔

عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدٍ، مِنْ وَلَدِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ، إِذَا وَصَفَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ - وَقَالَ: بَيْنَ كَتِفَيْهِ خَاتَمُ النُّبُوَّةِ، وَهُوَ خَاتَمُ النَّبِيِّينَ. (۱)

ابراہیم بن محمد جو حضرت علیؓ کے پوتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات بیان کرتے، تو یہ یہ اوصاف بیان کیا کرتے، پھر انہوں نے (یعنی ابراہیم نے یا حضرت علیؓ نے) پوری حدیث بیان کی (جو اس کتاب کے پہلے باب میں گذر چکی ہے) اور حضرت علیؓ یہ بھی بیان کیا کرتے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت تھی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء ہیں۔

فائدہ: یہ حدیث تفصیلاً پہلے باب میں گذر چکی ہے، امام ترمذی نے اسے اس باب میں صرف اس لیے ذکر کیا ہے کہ اس میں مہر نبوت کا تذکرہ ہے اور اس بات کا کہ مہر نبوت کی جگہ دو شانوں کے درمیان ہے۔

عَنْ عِلْبَاءَ بْنِ أَحْمَرَ الْيَشْكُرِيِّ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبُو زَيْدٍ عَمْرُو بْنُ أَخْطَبَ الْأَنْصَارِيُّ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَبَا زَيْدٍ، ادْنُ مِنِّي فَامْسَحْ ظَهْرِي، فَمَسَحْتُ ظَهْرَهُ، فَوَقَعَتْ أَصَابِعِي عَلَى الْخَاتَمِ قُلْتُ: وَمَا الْخَاتَمُ؟ قَالَ: شَعَرَاتٌ مُجْتَمِعَاتٌ.

علباء بن احمر کہتے ہیں کہ مجھ سے ابوزید عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ نے بیان کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے (یعنی حضرت عمرو بن اخطب سے ایک مرتبہ) فرمایا کہ اے ابوزید! میرے قریب ہو جاؤ اور میری کمر کو (ہاتھ سے) ملو، چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر کو ملا، تو میری انگلیاں (اتفاقاً) مہر نبوت پر لگ گئیں، علباء کہتے ہیں کہ میں نے عمرو بن اخطب سے پوچھا کہ مہر نبوت کیا چیز تھی؟ انہوں نے بتایا کہ وہ چند بالوں کا مجموعہ تھی۔

## حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ

حضرت عمرو بن اخطب رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ''ابوزید'' کی کنیت سے مشہور ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تیرہ غزوات میں شریک ہوئے، عہد رسالت میں انہوں نے قرآن مجید کا کچھ حصہ جمع کیا تھا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر کو بھی ملا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے سر پر ہاتھ پھیر کر یہ دعا دی: اَللّٰهُمَّ جَمِّلْهُ (اے اللہ ان کو خوبصورت کر دے) یہ دعا ان کے حق میں یوں منظور ہوئی کہ ان کے سر کے چند ہی بال سفید ہوئے، جبکہ ان کی عمر ایک سو بیس سال تھی۔ (۲)

(۱) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۶۳۸۔

(۲) الاصابۃ ۱۳۱۳/۲، رقم: ۵۷۶۱، جمع الوسائل، فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۷۶/۱

# مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق تیسری روایت

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرو بن اخطب سے فرمایا کہ تم میرے پاس آ کر میری کمر کو ملو، ملنے کا یہ حکم یا تو اس وجہ سے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کمر میں کوئی تکلیف تھی، یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نور نبوت سے یہ سمجھ گئے کہ عمرو بن اخطب مہر نبوت کو دیکھنا چاہتے ہیں کہ اس کی کیفیت کس طرح ہے، جو بھی وجہ ہو، اس سے بہر حال حضرت عمرو کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ ان کا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خصوصی تعلق تھا۔

۲۔ کمر کو ملنے کے دوران اتفاقاً حضرت عمرو کا ہاتھ مہر نبوت پر لگ گیا، علباء بن احمر کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرو بن اخطب سے پوچھا کہ مہر نبوت کیسی تھی؟ انہوں نے بتایا کہ وہ چند بالوں کا مجموعہ تھی۔

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمرو نے بعینہ اس مہر کو نہیں دیکھا، بلکہ اس کے قریب بالوں پر ہاتھ لگا کر انہوں نے اس کی کیفیت یوں تعبیر کر دی کہ وہ چند بالوں کا مجموعہ تھی، ورنہ حقیقت میں ایسا نہیں تھا۔

۳۔ اسی مفہوم کی روایت الطبقات الکبری لابن سعد میں بھی ہے مگر اس میں ابو رمثہ کی سند سے ہے،(۱) اسے ملا علی قاری نے جمع الوسائل میں بھی ذکر کیا ہے، اور شرح المناوی میں ابو رمثہ کے بجائے ابو زمعہ کے الفاظ ہیں، مگر تحقیق و جستجو کے باوجود ذخیرہ احادیث میں یہ واقعہ ابو زمعہ کے الفاظ سے نہیں، بلکہ ابن سعد کے الطبقات الکبری میں بھی ابو رمثہ کی سند سے ہی ہے، اور یہی صحیح سند ہے، اور یہاں شمائل میں ابو زید عمرو بن اخطب کی سند سے یہ روایت ہے، میرک کہتے ہیں کہ کسی ایک روایت میں راوی کو وہم ہو گیا ہے، کیونکہ یہ واقعہ بظاہر ایک ہی ہے، اس لیے محدثین کی نظر میں ترمذی کی یہ روایت جو ابو زید عمرو بن اخطب کی سند سے منقول ہے، یہ ابن سعد کی روایت کردہ حدیث سے زیادہ صحیح اور راجح ہے، کیونکہ اس کی سند میں ایک راوی عزرہ بن ثابت ہیں جو حضرت ابو زید عمرو بن اخطب کے نواسوں میں سے ہیں، جو بلاشبہ حضرت عمرو کی روایت کو زیادہ بہتر طریقے سے جانتے ہیں۔(۲)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ قَالَ: سَمِعْتُ أَبِي بُرَيْدَةَ، يَقُولُ: جَاءَ سَلْمَانُ الْفَارِسِيُّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ قَدِمَ الْمَدِينَةَ بِمَائِدَةٍ، عَلَيْهَا رُطَبٌ، فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: يَا سَلْمَانُ مَا هٰذَا؟ فَقَالَ: صَدَقَةٌ عَلَيْكَ وَعَلَى أَصْحَابِكَ، فَقَالَ: ارْفَعْهَا، فَإِنَّا لَا نَأْكُلُ الصَّدَقَةَ قَالَ: فَرَفَعَهَا، فَجَاءَ الْغَدَ بِمِثْلِهِ، فَوَضَعَهُ بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: مَا هٰذَا يَا سَلْمَانُ؟ فَقَالَ: هَدِيَّةٌ لَكَ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَصْحَابِهِ: ابْسُطُوا.

---

(۱) الطبقات الکبری لابن سعد ۱/۴۲۵، باب ذکر خاتم النبوۃ الذی کان بین کتفی رسول اللہ ﷺ

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۶۷

ثُمَّ نَظَرَ إِلَى الْخَاتَمِ عَلَى ظَهْرِ رَسُولِ اللهِ صلى الله عليه وسلم فَآمَنَ بِهِ وَكَانَ لِلْيَهُودِ، فَاشْتَرَاهُ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم بِكَذَا وَكَذَا دِرْهَمًا، عَلَى أَنْ يَغْرِسَ لَهُمْ نَخْلًا، فَيَعْمَلَ سَلْمَانُ فِيهِ، حَتَّى تُطْعِمَ فَغَرَسَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم النَّخْلَ إِلَّا نَخْلَةً وَاحِدَةً، غَرَسَهَا عُمَرُ فَحَمَلَتِ النَّخْلُ مِنْ عَامِهَا، وَلَمْ تَحْمِلْ نَخْلَةٌ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم: مَا شَأْنُ هَذِهِ النَّخْلَةِ؟ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللهِ: أَنَا غَرَسْتُهَا، فَنَزَعَهَا رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم، فَغَرَسَهَا، فَحَمَلَتْ مِنْ عَامِهَا.(۱)

حضرت عبداللہ بن بریدہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت بریدہ بن حصیب کو فرماتے ہوئے سنا کہ نبی کریم ﷺ جب (ہجرت کرکے) مدینہ منورہ تشریف لائے تو حضرت سلمان فارسی ایک دسترخوان لائے، جس پر تازہ کھجوریں تھیں، اس دسترخوان کو انہوں نے نبی کریم ﷺ کے سامنے رکھا (یعنی پیش کیا) آپ ﷺ نے پوچھا: اے سلمان! یہ کیسی کھجوریں ہیں؟ انہوں نے عرض کیا کہ یہ آپ ﷺ پر اور آپ ﷺ کے ساتھیوں پر صدقہ ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان کو تم اٹھالو کیونکہ ہم صدقہ نہیں کھاتے، حضرت بریدہ فرماتے ہیں کہ سلمان نے وہ کھجوریں اٹھالیں؛ پھر اگلے دن حضرت سلمان اسی طرح کھجوروں کا ایک دسترخوان لائے اور انہیں آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیا (یعنی پیش کیا) پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ سلمان یہ کیسی کھجوریں ہیں؟ عرض کیا یارسول اللہ! یہ آپ ﷺ کے لیے ہدیہ ہیں، حضور اکرم ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ تم (اس دسترخوان کی طرف) اپنے ہاتھ بڑھاؤ، پھر حضرت سلمان نے نبی کریم ﷺ کی پشت پر مہر نبوت کو دیکھا تو وہ آپ ﷺ پر ایمان لے آئے۔ حضرت سلمان (اس وقت) یہود (بنی قریظہ) کے غلام تھے، پھر نبی کریم ﷺ نے ان کو اتنے اور اتنے درہم میں خرید لیا (یعنی عبد مکاتب بنالیا، اور پھر آپ ﷺ نے ان کا بدل کتابت بھی ادا کیا) اس کے ساتھ ساتھ یہ کہ حضرت سلمان ان کے لیے کھجور کے درخت لگائیں اور ان میں کام کریں؛ یہاں تک کہ وہ پھل دار ہو جائیں، پھر نبی کریم ﷺ نے وہ پودے خود لگائے سوائے کھجور کے ایک پودے کے کہ اسے حضرت عمر نے لگایا، چنانچہ وہ تمام درخت اسی سال ہی پھل لے آئے، اور ایک درخت پھل دار نہیں ہوا، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ اس درخت کا کیا معاملہ ہے؟ (کہ یہ پھل دار نہیں ہوا) حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا: یارسول اللہ کھجور کا یہ درخت میں نے لگایا ہے، پھر نبی کریم ﷺ نے اس درخت کو اکھاڑا اور دوبارہ اسے خود لگایا، تو وہ بھی اسی سال ہی پھل لے آیا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** رطب: (را پر پیش اور طا پر زبر) تازہ پختہ کھجور، فوضعها: حضرت سلمان نے اس دسترخوان کو رکھا یعنی پیش کیا، ادفعها: اس دسترخوان کو تم اٹھالو، ماهذا یا سلمان: سلمان یہ کھجوریں کیسی ہیں؟ ابسطوا: تم اپنے ہاتھوں کو اس دسترخوان کی طرف بڑھاؤ، پھیلاؤ، کشادگی پیدا کرو تاکہ سلمان سمیت سب اس میں شامل ہوسکیں، يغرس لهم: حضرت سلمان

(۱) شرح معانی الآثار للطحاوی، رقم الحدیث: ۲۷۴۸۔

یہود کے لیے پودے لگائیں، درخت لگائیں، تطعم: (تا پر پیش اور عین کے نیچے زیر یعنی صیغہ معروف) وہ کھجور کے درخت پھل لے آئیں، وہ کھانے کے قابل ہو جائیں، و لم تحمل نخلة: ایک درخت پھل نہیں لایا، فنزعها: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کو نکال دیا، اکھاڑ دیا، فحملت من عامه: چنانچہ پھر وہ درخت بھی اسی سال ہی پھل لے آیا۔

## نبوت کی تین علامتیں دیکھ کر حضرت سلمان نے اسلام قبول کرلیا

حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ ایران کے صوبہ اصفہان میں مقام "جے" کے رہنے والے تھے، دین حق کی تلاش میں ایک طویل عرصے تک سرگرداں رہے، اس کے لیے انہوں نے بڑی مشقتیں، غلامی کی زندگی اور کٹھن حالات برداشت کیے، ایک عیسائی پادری نے انہیں بتایا کہ آخری نبی کے پیدا ہونے کا زمانہ قریب ہے، جو عرب ہوں گے اور دین ابراہیمی پر ہوں گے، اور ان کی ہجرت کی جگہ ایک ایسی زمین ہے، جہاں کھجوروں کی پیداوار بکثرت ہے، اور اس کی دونوں جانب کنکریلی زمین ہے، پھر اس نے نبوت کی تین علامتیں بتائیں: (۱) وہ صدقہ نہیں کھائیں گے۔ (۲) ہدیہ میں دی گئی کھانے کی چیز وہ کھالیں گے۔ (۳) اور ان کے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت ہوگی۔ (۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے، تو حضرت سلمان فارسی پہلے سے وہاں پہنچ چکے تھے، اس وقت وہ یہود بنی قریظہ کے غلام تھے، جیسے ہی انہیں پتہ چلا، تو دربار نبوت میں حاضر ہوئے اور وہ تین علامتیں جانچنا شروع کر دیں:

۱۔ ایک دن حضرت سلمان فارسی دسترخوان لائے، جس پر تازہ پختہ کھجوریں انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیں، اس روایت میں تو کھجوروں کا ذکر ہے، جبکہ مسند احمد کی روایت میں ہے کہ انہوں نے لکڑیاں جمع کیں، انہیں بیچا اور پھر کھانا بنوا کر لائے، اور طبرانی کی روایت میں حضرت سلمان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک درہم سے اونٹ کا گوشت خریدا، پھر اسے پکا کر بڑے پیالے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کیا، بظاہر ان روایات میں تعارض سا ہے، شارحین حدیث نے اس میں دو احتمال ذکر کیے ہیں:

۱۔ ہوسکتا ہے کہ حضرت سلمان فارسی کئی بار دسترخوان لائے ہوں، کبھی اس میں کھانا تیار کرا کر لائے، کبھی اونٹ کا فرائی گوشت اور کبھی کھجوروں کی ٹرے لائے۔

۲۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ ایک ہی بار دسترخوان لائے ہوں مگر اس میں یہ تمام ڈشیں موجود تھیں، کھانا، اونٹ کا بھونا ہوا گوشت اور تازہ پختہ کھجوریں، اس لیے روایات میں تعارض نہیں ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ یہ کیسی کھجوریں ہیں، حضرت سلمان نے بتایا کہ یہ صدقہ کی ہیں جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے لیے میں لایا ہوں، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میرے سامنے سے انہیں اٹھالو، ہم صدقہ نہیں

---

(۱) حضرت سلمان فارسی کے تفصیلی حالات کے لیے دیکھیے: معارف ترمذی ۵۱۱/۴، ابواب المناقب، باب مناقب سلمان الفارسی

کھاتے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے "نحن" (ہم) کا لفظ استعمال فرمایا، اس سے یا تو تمام انبیاء مراد ہیں، یا اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وہ رشتہ دار مراد ہیں، جن کے لیے صدقہ کا استعمال جائز نہیں، یا یہ کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس ہی مراد ہے۔

اس موقع پر صحابہ نے یہ کھانا کھایا یا نہیں؟ اس میں دو قول ہیں:

- کسی نے نہیں کھایا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُسے اٹھانے کا فرما دیا تھا۔
- دوسری روایت میں تصریح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ تم اسے کھالو۔

○ حضرت سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہ پہلی علامت تھی جسے میں نے اسی طرح دیکھ لیا، جس طرح مجھے اس پادری نے بتایا تھا کہ وہ نبی صدقہ نہیں کھائیں گے۔

۲۔ پھر دوسری دفعہ حضرت سلمان اسی طرح کھجوروں کا ایک طباق لائے، اور بتایا کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہدیہ ہیں، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا اور اپنے صحابہ سے بھی فرمایا کہ اپنے ہاتھ اس دسترخوان کی طرف بڑھاؤ، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور تمام صحابہ نے انہیں تناول کیا۔

یہ دوسری علامت تھی جسے حضرت سلمان نے دیکھ لیا۔

۳۔ اب صرف تیسری علامت باقی تھی جسے دیکھنے کے لیے حضرت سلمان انتظار میں تھے، اسی فکر میں وہ ایک دن آئے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک صحابی کے جنازے کی وجہ سے بقیع میں تشریف فرما تھے، ان کے دفن کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتظار فرما رہے تھے، کہتے ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا اور میں پشت کی طرف گھومنے لگا تا کہ میں مہر نبوت کو دیکھ لوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ یہ مہر نبوت دیکھنا چاہتے ہیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر کمر سے ہٹا دی، تو میں نے وہ مہر دیکھ لی، اس تیسری علامت کو دیکھتے ہی حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لے آئے۔

اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے حضرت سلمان نے اپنی دکھ بھری داستان سنائی کہ وہ کہاں سے راہ حق کی تلاش میں نکلے، کہاں اور کس طرح پہنچے، اور اب وہ بنی قریظہ کے غلام ہیں، بنو قریظہ کے کسی ایک یہودی کے غلام تھے، یا مشترک طور پر چند یہودیوں کے غلام تھے، اس کی تائید حدیث کے اس لفظ سے بھی ہوتی ہے: ان یغرس لھم میں "ھم" ضمیر جمع کی استعمال کی گئی، پھر حضرت سلمان کے آقا نے انہیں مکاتب بنا دیا یعنی یہ عہد کر لیا کہ اگر تم آزادی حاصل کرنا چاہتے ہو تو اتنا مال تم دیدو تو پھر آزاد ہو، اُسے "بدل کتابت" کہا جاتا ہے۔

اس یہودی آقا نے بدل کتابت میں دو چیزیں طے کیں:

۱۔ چالیس اوقیہ نقد سونا، ایک اوقیہ چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

۲۔ سلمان تین سو یا بقول بعض پانچ سو کھجوروں کے پودے لگائیں، ان کی دیکھ بھال کریں، یہاں تک کہ ان پر پھل آ

جائے، تب وہ آزاد ہوں گے۔(۱)

ان دونوں چیزوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کی خصوصی مدد کی، اسی وجہ سے حدیث میں خرید نے یعنی بدل کتابت ادا کرنے کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کی گئی ہے، چنانچہ حضرت سلمان نے کھجوروں کے تین سو پودوں کا بندوبست کیا، جس جگہ پر ان کو لگانا تھا، وہاں گڑھے کھودے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے ان پودوں کو زمین میں لگایا، ترمذی کی اس روایت کے مطابق صرف ایک پودا حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لگایا، ترمذی کے علاوہ اور کسی حدیث میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے اس پودے کا ذکر نہیں ہے، البتہ بعض روایتوں میں حضرت سلمان کا ذکر ہے کہ انہوں نے ایک درخت لگایا تھا، سال کے بعد ان تمام درختوں پر پھل آ گیا، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایسا معجزہ تھا جسے مدینہ کے سب ہی لوگوں نے مشاہدہ کیا، مگر وہ درخت جسے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے لگایا تھا، اس پر پھل نہیں آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس درخت کو خود اکھاڑ کر پھر اپنے ہاتھ سے لگایا، تو اس کا بھی کچھ عرصہ کے بعد پھل نکل آیا، حالانکہ جس وقت اسے آپ نے لگایا تھا، وہ درخت لگانے کا موسم ہی نہیں تھا، یوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا معجزہ بھی ظاہر ہو گیا۔

سونے کا بندوبست اس طرح ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ سونا کہیں سے آ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان سے فرمایا کہ تم یہ لے لو اور اس سے چالیس اُوقیہ سونا اپنے آقا کو دے دو، وہ کہنے لگے کہ یہ تو یا رسول اللہ تھوڑا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ جل شانہ ان شاء اللہ اسی سے پورا کر دیں گے، چنانچہ حضرت سلمان وہ سونا لے گئے، اس میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر برکت ڈال دی کہ اس میں سے اسے چالیس اوقیہ سونا تول کر دے دیا، یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معجزہ تھا کہ تھوڑے سے سونے سے اتنی بڑی مقدار ادا کر دی گئی۔

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کی دعوت کرے تو مخصوص حالات میں اسے قبول کیا جا سکتا ہے، خاص طور پر اس وقت جب اس سے اسلام اور مسلمانوں کا فائدہ وابستہ ہو، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمان کی دعوت قبول کر لی، حالانکہ ابھی تک وہ دائرہ اسلام میں داخل نہیں ہوئے تھے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے تھے کہ سلمان علامات نبوت دیکھ کر اسلام قبول کر لیں گے۔

۲۔ جس شخص کو کھانے کی کوئی چیز ہدیہ کی جائے تو اعلیٰ ظرفی کا تقاضا یہ ہے کہ وہ شخص اپنے ساتھ کھانے میں وہاں پر موجود دوسرے لوگوں کو بھی شامل کرے۔

۳۔ حضرت سلمان فارسی نے تیسری علامت دیکھ لی کہ مہر نبوت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان تھی۔(۲)

عَنْ أَبِي نَضْرَةَ الْعَوَقِيِّ قَالَ: سَأَلْتُ أَبَا سَعِيدٍ الْخُدْرِيَّ عَنْ خَاتَمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - يَعْنِي خَاتَمَ

(۱) سیر أعلام النبلاء ۳/۳۴۰، قصة سلمان الفارسی، رقم:۹۶

(۲) جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۷۸

النُّبُوَّةِ - فَقَالَ: كَأَنَّ فِي ظَهْرِهِ بَضْعَةٌ نَاشِزَةٌ.(۱)

ترجمہ: ابونضرہ عوقی یعنی منذر بن مالک کہتے ہیں کہ میں نے حضرت ابوسعید خدری سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا کہ (مہر نبوت کی شکل ایسی تھی کہ جیسے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت پر گوشت کا ابھرا ہوا ٹکڑا ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ بضعة: (باء پر زیر اور زبر) گوشت کا ٹکڑا، ناشزة: ابھرا ہوا، اٹھا ہوا، اونچا، بلند۔

## مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق چوتھی روایت

اس حدیث میں راوی نے مہر نبوت کی ہیئت یہ بیان کی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کمر مبارک میں مہر نبوت کی جگہ یوں محسوس ہوتی جیسے گوشت کا ابھرا ہوا ایک ٹکڑا ہو۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ سَرْجِسَ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِي نَاسٍ مِنْ أَصْحَابِهِ، فَدُرْتُ هٰكَذَا مِنْ خَلْفِهِ، فَعَرَفَ الَّذِي أُرِيدُ، فَأَلْقَى الرِّدَاءَ عَنْ ظَهْرِهِ، فَرَأَيْتُ مَوْضِعَ الْخَاتَمِ عَلَى كَتِفَيْهِ مِثْلَ الْجُمْعِ حَوْلَهَا خِيلَانٌ كَأَنَّهَا ثَآلِيلُ، فَرَجَعْتُ حَتَّى اسْتَقْبَلْتُهُ، فَقُلْتُ: غَفَرَ اللّٰهُ لَكَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ، فَقَالَ: "وَلَكَ" فَقَالَ الْقَوْمُ: اسْتَغْفَرَ لَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، وَلَكُمْ، ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: وَاسْتَغْفِرْ لِذَنْبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَالْمُؤْمِنَاتِ.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سرجس فرماتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہ کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے، میں نے اس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کے پیچھے چکر لگایا، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرا مقصد سمجھ گئے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی پشت سے چادر اتار دی، پھر میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں شانوں کے درمیان مٹھی کی طرح مہر نبوت دیکھی، جس کے ارد گرد سیاہ تل تھے، گویا مسے ہیں، پھر میں لوٹا یہاں تک کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آ گیا، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت فرمائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اور تمہاری بھی (مغفرت فرمائے) لوگوں نے مجھ سے یعنی عبداللہ سے کہا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے مغفرت کی دعا فرمائی ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں اور تم سب کے لیے بھی (مغفرت کی دعا کی ہے) پھر حضرت عبداللہ نے سورہ محمد کی یہ آیت پڑھی: (ترجمہ: اور آپ مغفرت کی دعا کیجئے اپنے گناہ کے لیے، مومن مردوں کے لیے اور مومن عورتوں کے لیے)

---

(۱) کنز العمال، رقم الحدیث: ۱۷۸۲۱۔

(۲) سنن النسائی، رقم الحدیث: ۱۱۴۳۲، اتحاف الخیرة المهرة، رقم الحدیث: ۵۸۲۰۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** درت: دار سے صیغہ متکلم: میں گھوما، میں نے چکر لگایا، **من خلفه:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے سے، **فالقی الرداء:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چادر کو اتار دیا، **الجمع:** (جیم پر پیش اور میم ساکن) مٹھی، **حولها:** "ھاء" ضمیر لفظ خاتم کی طرف لوٹ رہی ہے، اور مراد اس سے علامۃ النبوۃ ہے اس لیے مؤنث کی ضمیر لائی گئی ہے۔ **الخيلان:** (خاء کے نیچے زیر) الخال کی جمع ہے: بدن میں کالے نشان، سیاہ تل، ثالیل: ثؤلول کی جمع ہے: مسہ، چنے کے برابر ٹھوس پھنسی، **استقبلته:** (صیغہ متکلم) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آیا، **قال القوم:** قوم نے کہا، قوم سے صحابہ کرام مراد ہیں۔

## مہر نبوت کی ہیئت سے متعلق پانچویں حدیث

ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مسجد نبوی میں تشریف فرما تھے، سامنے آنے کے بجائے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کی طرف چلے گئے تاکہ وہ مہر نبوت کو دیکھ سکیں، ان کا مقصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی کمر سے چادر ہٹا دی تاکہ وہ مہر نبوت دیکھ لیں، فرماتے ہیں کہ میں نے دونوں شانوں کے درمیان مہر نبوت کی جگہ دیکھی تو وہ ایک مٹھی کی طرح تھی، جس کے اطراف میں مسوں کی طرح سیاہ تل تھے، پھر میں نے سامنے آکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا شکریہ ادا کرتے ہوئے یہ دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مغفرت کرے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حضرت عبداللہ کو مغفرت کی دعا دی۔

فقال القوم: اس کا قائل کون ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ حدیث کے راوی عاصم احول ہیں، اور مجازاً انہیں قوم کے لفظ سے تعبیر کیا گیا ہے۔

۲۔ ان کے قائل حضرت عبداللہ بن سرجس ہیں، اور قوم سے صحابہ کرام مراد ہیں۔

لوگوں نے حضرت عبداللہ سے پوچھا کہ کیا واقعی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے آپ کے لیے مغفرت کی دعا کی ہے، اس پر انہوں نے کہا: جی ہاں میرے لیے کی ہے اور تم سب کے لیے بھی دعا کی ہے، پھر حضرت عبداللہ نے یہ آیت پڑھی واستغفر لذنبک وللمؤمنين والمؤمنات، اللہ تعالیٰ نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا ہے کہ وہ اپنے لیے اور تمام مومن مرد اور عورتوں کے لیے بھی مغفرت کی دعا کریں، یقیناً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس آیت پر عمل کیا ہوگا، اس لیے مغفرت کی دعا میں صرف میں ہی نہیں بلکہ تم سب ہی شامل ہو۔

فقلت: غفر اللہ لک یا رسول اللہ، سوال یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو ہر قسم کی لغزش اور گناہ سے معصوم ہیں قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لیغفر لک اللہ ما تقدم من ذنبک وما تاخر، پھر مغفرت کی اس دعا سے کیا مراد ہے؟ اس کی شارحین نے مختلف توجیہات کی ہیں:

۱۔ ہوسکتا ہے کہ یہ واقعہ اس آیت کے نازل ہونے سے پہلے پیش آیا ہو۔

۲۔ غیر اختیاری طور پر جو وسوسے اور خیالات آجاتے ہیں، ان کی مغفرت کی دعا ہے۔

۳۔ اس سے استقامت اور دین میں ثابت قدمی مراد ہے۔

۴۔ سب سے بہتر یہ توجیہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس دعا کے معنی یہ ہیں کہ یا رسول اللہ! اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کے درجات مزید بلند کرے، اس مفہوم میں کوئی اشکال نہیں۔(۱)

## حضرت عبداللہ بن سرجس رضی اللہ عنہ

اس حدیث کے راوی حضرت عبداللہ بن سرجس مزنی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں، انہوں نے نبی کریم ﷺ سے احادیث بھی نقل کی ہیں، جنہیں آئمہ حدیث نے صحاح ستہ میں روایت کیا ہے، اور آپ ﷺ کی کمر مبارک پر حضرت عبداللہؓ نے مہر نبوت کو بھی دیکھا تھا، بعد میں انہوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کرلی تھی۔(۲)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي شَعْرِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کے بالوں کا ذکر ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّمَ إِلَى نِصْفِ أُذُنَيْہِ.(۳)

حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے (سر کے بال) نصف کانوں تک تھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر کے بال

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں نبی کریم ﷺ کے بالوں سے متعلق جو روایات ذکر کی ہیں، ان میں بالوں کی چھ طرح کی کیفیت کا ذکر ہے: ا۔ وہ بال آپ ﷺ کے نصف کانوں تک تھے۔ ۲۔ کانوں کی لو تک۔ ۳۔ کانوں اور شانوں کے درمیان تک۔ ۴۔ شانوں تک پہنچے ہوئے تھے۔ ۵۔ کندھوں کے قریب قریب تھے۔ ۶۔ آپ ﷺ کے بال چار مینڈھیوں پر مشتمل تھے۔

یوں بالوں کی لمبائی کے اعتبار سے روایات میں تعارض پایا جاتا ہے، اس لیے شارحین حدیث نے اس کی تین توجیہات ذکر کی ہیں، جن کی تفصیل چند صفحات پہلے باب ما جاء فی خلق رسول اللہ ﷺ میں اس عنوان میں دیکھ لیجیے: ''نبی کریم ﷺ کے سر مبارک کے بالوں کی لمبائی''

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۸۸/۱، ۸۹، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية۔(ص:۱۰۴)

(۲) الاصابة ۱۰۵۶/۲، عبداللہ بن سرجس رقم الترجمة: ۴۷۰۷

(۳) سنن النسائی، رقم الحدیث: ۵۲۳۴۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أَغْتَسِلُ أَنَا وَرَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ إِنَاءٍ وَاحِدٍ، وَكَانَ لَهُ شَعْرٌ فَوْقَ الْجُمَّةِ وَدُونَ الْوَفْرَةِ.(۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی برتن (کے پانی) سے غسل کیا کرتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال (بعض اوقات) مونڈھوں سے اوپر اور کان کی لو سے نیچے ہوتے تھے۔

## میاں بیوی اکٹھے نہا سکتے ہیں

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک ساتھ نہاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ میاں بیوی ایک ساتھ ایک ہی برتن کے پانی سے غسل کر سکتے ہیں۔

۲۔ عورت کے بچے ہوئے پانی سے مرد غسل کر سکتا ہے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال بعض اوقات مونڈھوں سے اوپر اور کانوں کی لو سے نیچے ہوتے، یعنی نہ زیادہ لمبے تھے اور نہ چھوٹے بلکہ درمیانی درجہ کے تھے۔(۲)

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرْبُوعًا، بَعِيدَ مَا بَيْنَ الْمَنْكِبَيْنِ، وَكَانَتْ جُمَّتُهُ تَضْرِبُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ.(۳)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درمیانہ قد تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں کندھوں کے درمیان ذرا زیادہ فاصلہ تھا (یعنی کندھے وسیع تھے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کانوں کی لو تک ہوتے تھے۔

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسٍ: كَيْفَ كَانَ شَعْرُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: لَمْ يَكُنْ بِالْجَعْدِ وَلَا بِالسَّبِطِ، كَانَ يَبْلُغُ شَعْرُهُ شَحْمَةَ أُذُنَيْهِ.(۴)

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال مبارک کیسے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نہ بالکل گھونگھریالے تھے اور نہ ہی بالکل سیدھے (بلکہ ان دونوں کے درمیان درمیان تھے یعنی قدرے گھونگھریالہ پن اور کسی قدر سیدھے تھے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال کانوں کی لو تک پہنچے ہوتے تھے۔

---

(۱) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۷۵۵۔
(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۹۱/۱
(۳) الجامع بین الصحیحین، رقم الحدیث: ۸۶۰۔
(۴) سنن الترمذی، باب صفة النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۳۶۲۳۔

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ بِنْتِ أَبِي طَالِبٍ، قَالَتْ: قَدِمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ قَدْمَةً، وَلَهُ أَرْبَعُ غَدَائِرَ. (۱)

حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ (ہجرت کے بعد) ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال چار مینڈھیوں والے تھے۔

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ شَعْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِلَى أَنْصَافِ أُذُنَيْهِ. (۲)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال نصف کانوں تک ہوتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** مربوعا: درمیانہ قد والے، جعد: (جیم پر زبر اور عین ساکن) پیچیدہ، گھونگھریالے، سبط: سیدھے بال، غدائر: غديرة کی جمع ہے: زلفیں، گیسو، میڈھیاں، قدمة: (قاف پر زبر اور دال ساکن) ایک مرتبہ کا آنا۔

## ہجرت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چار مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے

یہاں دو باتیں ہیں:

❁ ہجرت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چار مرتبہ مکہ مکرمہ تشریف لائے:

۱۔ سن سات ہجری میں عمرے کی قضاء کے لیے۔ ۲۔ سن آٹھ ہجری میں فتح مکہ کے موقع پر۔ ۳۔ پھر اسی سفر میں عمرہ جعرانہ کے لیے۔ ۴۔ پھر سن دس ہجری میں حجۃ الوداع کے لیے۔

اوپر حدیث میں حضرت ام ہانی نے جس آمد کا ذکر کیا ہے، اس سے فتح مکہ کے موقع پر آنا مراد ہے، اس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ام ہانی کے گھر تشریف لائے تھے اور غسل کر کے وہاں نماز چاشت بھی پڑھی تھی۔

❁ نیز اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال چار مینڈھیوں پر مشتمل تھے، ان مینڈھیوں سے عورتوں جیسی مینڈھیاں مراد نہیں، کیونکہ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لیے عورتوں کی طرح مینڈھیاں بنانے سے منع فرمایا ہے، اس لیے حدیث کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال چار حصوں پر مشتمل تھے، جو مینڈھیوں کی طرح دکھائی دے رہے تھے۔ (۳)

باقی احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی مختلف حالتوں کا ذکر ہے، جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَسْدِلُ شَعْرَهُ، وَكَانَ الْمُشْرِكُونَ يَفْرِقُونَ رُءُوسَهُمْ، وَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُونَ رُءُوسَهُمْ، وَكَانَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ بِشَيْءٍ، ثُمَّ

---

(۱) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۱۹۳۔

(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۱۸۸۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۹۵/۱، المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ۔ (ص: ۱۱۰)

فَرَقَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَأْسَهُ. (۱)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (ابتداء میں) بالوں کو (مانگ نکالے بغیر ویسے ہی) چھوڑ دیا کرتے تھے، جبکہ مشرکین اپنے سروں کی مانگ نکالا کرتے تھے، اور اہل کتاب اپنے سروں کے بال (مانگ کے بغیر ہی) چھوڑ دیا کرتے تھے، نبی کریم ﷺ (شروع میں) ان امور میں اہل کتاب کے ساتھ موافقت کو پسند فرماتے تھے، جن میں آپ ﷺ کو کوئی حکم نہیں دیا جاتا تھا، پھر آپ ﷺ نے اپنے سر کی مانگ نکالنا شروع فرما دی۔

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ، قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَا ضَفَائِرَ أَرْبَعٍ. (۲)

حضرت ام ہانی فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو چار گیسوؤں والا دیکھا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یسدل: آپ ﷺ مانگ کے بغیر بالوں کو چھوڑ دیتے، یفرقون: (فاء ساکن اور را پر زبر اور زیر دونوں جائز ہیں، بعض نے باب تفعیل سے روایت کیا ہے) مشرکین مانگ نکالتے، ثم فرق: پھر آپ ﷺ نے مانگ نکالنا شروع کر دی، مانگ کہتے ہیں: سر کے بالوں کو بالکل درمیان سے دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے، بیچ میں جو لکیر سی بنتی ہے، اسے مانگ کہتے ہیں، ضفائر: ضفیرۃ کی جمع ہے: مینڈھیاں، زلفیں، گیسو۔

## مانگ نکالنا سنت ہے

نبی کریم ﷺ ابتداء میں مشرکین مکہ کے ساتھ مخالفت اور اہل کتاب کے ساتھ موافقت کی بناء پر مانگ نہیں نکالتے تھے، کیونکہ مشرکین مکہ مانگ نکالتے تھے اور اہل کتاب سر کے بال یوں ہی چھوڑ دیتے، مانگ نہیں نکالتے تھے، اور اہل کتاب کے ساتھ یہ موافقت یا تو اس وجہ سے تھی کہ وہ مشرکین کے مقابلہ میں بعض احکام مثلاً توحید، آخرت وغیرہ میں اسلام کے قریب تھے، جبکہ مشرکین تو محض بت پرستی میں مشغول تھے، اور یا اہل کتاب کو مانوس کرنا پیش نظر تھا، تاکہ وہ اسلام قبول کر لیں، مگر اس کے باوجود جب ان کی دشمنی اسلام کے ساتھ آئے دن بڑھنے لگی، اور مشرکین میں اسلام پھیلنے لگا، تو پھر آپ ﷺ نے اہل کتاب کی موافقت ترک فرما دی۔ (۳)

امام سیوطی فرماتے ہیں کہ بعض امور میں نبی کریم ﷺ اہل کتاب کی موافقت کیا کرتے تھے، مثلاً: ۱۔ اہل کتاب کی طرح آپ ﷺ مانگ نہیں نکالتے تھے پھر مانگ نکالنا شروع فرما دی۔ ۲۔ یہود و نصاریٰ کے ساتھ سفید بالوں پر خضاب نہ

---

(۱) سنن النسائی، رقم الحدیث: ۵۲۳۸۔

(۲) للمعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۱۰۴۸۔

(۳) بذل المجهود ۱۷/۳۷ کتاب الترجل باب فی الفرق، رقم الحدیث: ۴۱۸۸

لگانے میں موافقت کرتے تھے پھر یہ موافقت چھوڑ دی اور خضاب کی اجازت دے دی۔ ۳۔ عاشوراء کے روزے میں ان کی موافقت فرماتے پھر ان کی مخالفت کرتے ہوئے مسلمانوں کو یہ حکم دیا کہ نو محرم یا دس محرم کا روزہ بھی عاشوراء کے ساتھ رکھا کریں۔ ۴۔ سولہ یا سترہ ماہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی پھر بیت اللہ کو قبلہ بنانے کا حکم نازل ہوگیا۔ ۵۔ اہل کتاب کی طرح ناپاکی کے دنوں میں حائضہ عورت کے ساتھ میل جول ترک کر دی تھی، پھر جماع کے علاوہ ان دنوں میں اس کے ساتھ رہنے کا حکم دے دیا۔ ۶۔ جمعہ کا روزہ رکھتے پھر اس کا اہتمام ترک کر دیا۔ ۷۔ میت کے لیے کھڑے ہو جاتے پھر اس قیام کو ترک کر دیا۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ تیس سے زائد ایسے مسائل ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل کتاب کی موافقت کی ہے، یہ موافقت ان امور میں تھی، جن میں وحی کے ذریعہ اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی حکم اور تعلیم نہیں دی گئی ہوتی تھی، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی اتباع کو پسند فرماتے تھے۔(۲)

ترمذی کی مذکورہ روایت میں ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سدل کو ترک کر دیا اور فرق یعنی مانگ نکالنا شروع فرما دی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص مانگ نکالے بغیر بالوں کو یوں ہی چھوڑ دے تو یہ بھی جائز ہے، بشرطیکہ بالوں کو اس انداز سے نہ لٹکایا اور چھوڑا جائے کہ جس سے خواتین کے بالوں کے ساتھ مشابہت لازم آجائے، ورنہ پھر اس طرح کرنا مکروہ ہوگا۔(۳)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي تَرَجُّلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا بالوں میں کنگھی کرنے کا بیان ہے

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ أُرَجِّلُ رَأْسَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا حَائِضٌ.(۴)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں میں کنگھا کرتی تھی، جبکہ میں حیض یعنی ماہ واری کے دنوں میں ہوتی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ دَهْنَ رَأْسِهِ وَتَسْرِيحَ لِحْيَتِهِ، وَيُكْثِرُ الْقِنَاعَ، حَتَّى كَأَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زَيَّاتٍ.(۵)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲۷۷/۸ کتاب اللباس، باب الترجل رقم الحدیث: ۴۴۲۵، ط: کوئٹہ، حاشیہ صحیح بخاری ۴/ ۲۶۴۹ کتاب اللباس باب الفرق رقم الحدیث: ۵۹۱۷، ط: مکتبۃ البشریٰ کراچی

(۲) فتح الباری ۱۰/ ۴۴۳ کتاب اللباس، باب الفرق رقم الحدیث: ۵۹۱۷

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/ ۹۷

(۴) الجمع بین الصحیحین، رقم الحدیث: ۳۱۹۵۔

(۵) کنز العمال، رقم الحدیث: ۱۸۲۷۹۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اکثر اپنے سر پر تیل اور اپنی ڈاڑھی پر کنگھا کیا کرتے تھے، اور تیل کے استعمال کے وقت اکثر اپنے سر پر کپڑا ڈال لیا کرتے تھے، یہاں تک کہ وہ کپڑا گویا ایسا ہو جاتا، جیسے تیل فروش کا کپڑا ہو۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** ترجل: (تا اور را پر زبر، جیم پر تشدید اور پیش) کنگھا کرنا، کنت أرجل: (صیغہ متکلم) میں کنگھا کیا کرتی تھی، دھن: (دال پر زبر اور ھا ساکن، یہ مصدر ہے) تیل لگانا، استعمال کرنا اور دھن (دال پر پیش اور ھا ساکن) تیل کو کہتے ہیں، تسریح لحیته: اپنی ڈاڑھی کو کنگھا کرتے، القناع: (قاف کے نیچے زیر) وہ کپڑا جو سر پر تیل لگانے کے بعد رکھا جائے، تا کہ ٹوپی، پگڑی اور دیگر کپڑے خراب نہ ہوں، کأن: (نون کی تشدید کے ساتھ) گویا کہ، زیات: (زا پر زبر اور یاء پر تشدید اور زبر) تیل فروش، اس کو "تیلی" بھی کہا جاتا ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر پر تیل لگاتے اور کنگھی کیا کرتے

مذکورہ احادیث میں چند چیزوں کا ذکر ہے، جن کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ ماہواری کے دنوں میں عورت اپنے شوہر کی ہر طرح کی خدمت کر سکتی ہے، البتہ جماع کرنا اس دوران جائز نہیں، چنانچہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ماہواری کے دنوں میں کنگھا کیا کرتی تھی۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے سر پر تیل لگاتے اور کنگھا کیا کرتے، اور سر پر تیل لگانے کے بعد ایک کپڑا اس پر رکھ لیتے، تا کہ ٹوپی اور پگڑی وغیرہ خراب نہ ہوں، وہ کپڑا زیادہ تیل لگنے سے ایسا ہو جاتا، جیسے تیل فروش کا کپڑا ہوتا ہے کہ اس پر زیادہ تیل لگا ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ کپڑا اس لیے رکھتے تا کہ صفائی رہے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم صفائی ستھرائی کو بہت زیادہ پسند فرماتے تھے۔

ضرورت کے مطابق کسی بھی وقت آدمی کنگھا کر سکتا ہے، ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جس کے بال ہوں تو اسے ان کا اکرام کرنا چاہیے یعنی انہیں صاف رکھے اور تیل لگا کر کنگھا بھی کر لیا کرے۔(۱)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ایک روایت میں فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر و حضر میں سات چیزیں ساتھ رکھتے: ۱۔ تیل کی بوتل، ۲۔ کنگھی۔ ۳۔ آئینہ۔ ۴۔ سرمہ دانی۔ ۵۔ مسواک۔ ۶۔ قینچی۔ ۷۔ اور کھجلانے کی ایک خاص لکڑ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سر کے بالوں اور کمر کو کھجلاتے تھے۔(۲)

---

(۱) بذل المجهود ۲۴/۱۷ كتاب الترجل، باب ما جاء فی اصلاح الشعر، رقم الحديث: ۴۱۶۳ المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۱۱۵)

(۲) مرقاة المفاتيح ۲۸۸/۸ كتاب اللباس باب الترجل، رقم الحديث: ۴۴۴۵، العلل المتناهية فی الاحاديث الواهية لابن الجوزی ۶۸۸/۲ حديث فی استصحاب الات الزينة، ط: بيروت

اس سے معلوم ہوا کہ بالوں میں تیل کا استعمال اور کنگھا کرنا ایک مسنون عمل ہے، لہذا یہ کہنا کہ تیل کے استعمال سے جلد خراب ہوتی ہے، درست نہیں ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُحِبُّ التَّيَمُّنَ فِي طُهُوْرِهِ إِذَا تَطَهَّرَ، وَفِي تَرَجُّلِهِ إِذَا تَرَجَّلَ، وَفِي انْتِعَالِهِ إِذَا انْتَعَلَ. (۱)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ہر محترم کام میں) دائیں طرف سے ابتداء کرنے کو پسند فرماتے تھے: اپنے وضو میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم طہارت حاصل کرتے، کنگھا کرنے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کرتے اور جوتا پہننے میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوتا پہنتے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ التیمن: دائیں جانب سے شروع کرنا، فی طھورہ: (طاء پر زبر و پیش) اپنے وضو میں، وضو کا پانی استعمال کرنے میں، اذا ترجل: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کنگھا کرتے، فی انتعالہ: اپنا جوتا پہننے میں۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر محترم کام کو دائیں طرف سے شروع فرماتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند تھی کہ ہر محترم کام کو دائیں جانب سے شروع کیا جائے، مذکورہ حدیث میں تین چیزوں کا ذکر مثال کے طور پر ہے، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو میں، کنگھی کرنے اور جوتا پہننے میں دائیں جانب کو اختیار فرماتے، اس حکم میں ہر محترم و مشرف اور معزز کام داخل ہے، لہذا کسی کو کوئی چیز دینے، لینے، مسجد اور گھر میں داخل ہوتے وقت، سر منڈوانے، مونچھیں بنانے، ناخن تراشنے، سرمہ ڈالنے کے وقت اور کھانے، پینے وغیرہ میں دائیں طرف سے آغاز کیا جائے، اور مسجد سے نکلتے وقت، جوتا پہننے اور بیت الخلاء سے باہر آتے وقت پہلے بایاں پاؤں نکالا جائے، غرض یہ کہ ہر محترم کام میں دائیں جانب سے آغاز کرنا مستحب عمل ہے، اور جو کام محترم اور باعث زینت نہ ہو، اس میں بائیں جانب کو اختیار کیا جائے۔ (۲)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ قَالَ: نَهَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عَنِ التَّرَجُّلِ إِلَّا غِبًّا۔ (۳)

حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کنگھی کرنے کو منع فرماتے تھے مگر کبھی کبھار۔

عَنْ حُمَيْدِ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ، عَنْ رَجُلٍ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَرَجَّلُ غِبًّا. (۴)

---

(۱) الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۲۶۸۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱۰۴/۱

(۳) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۱۶۱۔

(۴) المعجم الأوسط للطبرانی، رقم الحدیث: ۷۵۵۷۔

حضرت حمید بن عبدالرحمن ایک صحابی سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گاہے گاہے کنگھی کیا کرتے تھے۔

ایک لفظ کی تشریح: غبا: (غین کے نیچے زیر اور باء پر زبر وتشدید) اس کے اصل معنی ہیں: اونٹ ایک دن گھاٹی یعنی پانی کی جگہ میں آکر پانی پیے اور ایک دن نہ آئے، پھر یہ لفظ ہر اس کام کے لیے استعمال ہونے لگا کہ جو ایک دن چھوڑ کر کیا جائے یعنی کبھی کبھار، گاہے گاہے۔

## کنگھی کرنے میں مبالغہ نہ کیا جائے

مذکورہ احادیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ کنگھی کرنے میں مبالغہ نہ کیا جائے کہ ہر وقت آدمی عورتوں کی طرح بالوں میں بناؤ سنگار اور تیل کنگھی کرنے میں مشغول رہے، اس طرح کی زیب وزینت، میک اپ اور بناؤ سنگار ایک عورت اپنے شوہر کے لیے تو کر سکتی ہے، مگر مردوں کو اس فکر میں نہیں پڑنا چاہیے، حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کبھار، گاہے گاہے کنگھی کیا کرتے تھے، شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ یہ ممانعت اس وقت ہے، جب بالوں میں کنگھی کرنے کی ضرورت نہ ہو، ضرورت ہو تو کسی بھی وقت کنگھی کی جاسکتی ہے، اس میں کوئی قباحت نہیں، چنانچہ ابن العربی فرماتے ہیں: مُوَالَاتُهُ تَصَنُّعٌ، وَتَرْكُهُ تَدَنُّسٌ وَاغْبَابُهُ سُنَّةٌ۔

ہر وقت کنگھی کرتے رہنا تکلف اور بناوٹ ہے، بالکل کنگھی کو چھوڑ دینا میلا ہو جانا ہے اور کبھی کبھار کرنا یعنی ضرورت کے وقت کرنا سنت ہے۔

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں ضرورت کے مطابق کنگھی کا استعمال کرنا چاہیے۔

۲۔ اپنے جسم، لباس، سر اور ڈاڑھی کے بالوں کو صاف ستھرا رکھنا، اور ان میں کنگھی کرنا تاکہ وہ بدنما نہ لگیں، اسلامی تعلیمات کا یہ ایک اہم حکم ہے، بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ جو شخص میلا کچیلا رہے، سر اور ڈاڑھی کے بالوں میں کنگھی نہ کرے، تو یہ اس کے بزرگ ہونے کی علامت ہے، یاد رکھیے یہ کوئی بزرگی اور دین کا حکم نہیں، بلکہ اس سے ایک انسان کا بدسلیقہ ہونا ضرور معلوم ہوتا ہے، اس لیے اپنے آپ کو صاف ستھرا رکھیے، اس سے اللہ جل جلالہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رضا حاصل ہوتی ہے۔(۱)

عن رجل من اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم اس "رجل" سے ایک صحابی مراد ہیں، صحابی کی اگرچہ تعیین نہ ہو، بلکہ وہ مبہم ہو، تب بھی اس حدیث کی سند میں کوئی فرق نہیں پڑتا، کیونکہ بالاتفاق تمام صحابہ عادل ہیں، وہ کوئی غلط روایت بیان نہیں کرتے، پھر اس میں اختلاف ہے کہ اس صحابی کا نام کیا ہے؟ اس میں تین اقوال ہیں:

۱۔ حضرت حکیم بن عمرو۔ ۲۔ حضرت عبداللہ بن سرجس۔ ۳۔ حضرت عبداللہ بن مغفل۔ یہ قول ملا علی قاری رحمہ اللہ کے

(۱) المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۱۲۰)

نزدیک راجح ہے۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي شَيْبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بالوں کا ذکر ہے

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: هَلْ خَضَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: لَمْ يَبْلُغْ ذٰلِكَ، إِنَّمَا كَانَ شَيْبًا فِي صُدْغَيْهِ، وَلٰكِنْ أَبُو بَكْرٍ خَضَبَ بِالْحِنَّاءِ وَالْكَتَمِ.(۲)

حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک سے پوچھا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا ہے؟ انہوں نے فرمایا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی اس مقدار ہی کو نہیں پہنچی تھی کہ خضاب کی نوبت آتی، کچھ سفید بال صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں کنپٹیوں میں تھے، البتہ حضرت ابوبکر صدیق مہندی اور کتم سے خضاب کیا کرتے تھے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَا عَدَدْتُ فِي رَأْسِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلِحْيَتِهِ إِلَّا أَرْبَعَ عَشْرَةَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.(۳)

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی میں چودہ سے زائد سفید بال شمار نہیں کیے۔

عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ جَابِرَ بْنَ سَمُرَةَ، وَقَدْ سُئِلَ عَنْ شَيْبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: كَانَ إِذَا دَهَنَ رَأْسَهُ لَمْ يُرَ مِنْهُ شَيْبٌ، وَإِذَا لَمْ يَدْهِنْ رُئِيَ مِنْهُ.(۴)

سماک بن حرب کہتے ہیں کہ حضرت جابر بن سمرہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بالوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر پر تیل لگاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی دکھائی نہ دیتی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیل نہ لگاتے تو سفید بال دکھائی دیتے۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ: إِنَّمَا كَانَ شَيْبُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوًا مِنْ عِشْرِينَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.(۵)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال تقریباً بیس تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** شیب: (شین پر زبر اور یا ساکن) بڑھاپا، بالوں کی سفیدی، **خضب:** خضاب کیا، سفید بالوں پر رنگ لگایا، **لم یبلغ ذلک:** لم یبلغ کی ضمیر میں تین احتمال ہیں، ا۔ یہ ضمیر بالوں کی طرف لوٹے، معنی یہ ہوں گے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۷۰

(۲) سنن النسائی، رقم الحدیث: ۵۰۸۶۔

(۳) مسند الامام احمد، رقم الحدیث: ۱۲۶۹۰۔

(۴) جامع الأصول، رقم الحدیث: ۸۸۰۲۔

(۵) مسند الامام احمد، رقم الحدیث: ۵۶۳۴۔

کے بال خضاب کی نوبت تک پہنچے ہی نہیں، ۲۔ یہ ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے، اور ''ذلک'' سے خضاب مراد ہے، معنیٰ یہ ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خضاب تک نہیں پہنچے، ۳۔ یہ ضمیر ''شیب'' کی طرف لوٹ رہی ہے، معنیٰ یہ ہوں گے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال اس قدر تھے ہی نہیں کہ ان پر خضاب لگایا جائے، **انما کان شیبا فی صدغیہ**: اس روایت میں شیباً کا لفظ ہے، جبکہ ایک دوسری روایت شیئا کا لفظ ہے، اور کان کی ضمیر دونوں صورتوں میں شیبہ کی طرف ہے اور شیئاً کے معنیٰ ہیں: بیاضا یسیراً۔ پہلی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ سفید بال کنپٹیوں میں تھے، دوسری صورت میں ترجمہ یوں ہوگا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال کنپٹیوں میں کچھ تھے، **فی صدغیہ**: (صاد پر پیش اور دال ساکن) صدغ کا تثنیہ ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں کنپٹیوں میں، **الحناء**: (حاء کے نیچے زیر اور نون پر زبر و تشدید) مہندی، **الکتم**: (کاف اور تا پر زبر) ایک پودا جس سے خضاب کیا جاتا ہے، بعض نے اس کا ترجمہ وسمہ سے کیا ہے، **ماعددت**: میں نے نہیں گنے، میں نے شمار نہیں کیے، **اذا دھن**: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیل لگاتے، **لم یر منہ**: اس میں منہ کی ضمیر شعر یعنی بالوں کی طرف لوٹ رہی ہے، **و اذا لم یدھن**: (ہاء پر پیش یعنی باب نصر سے) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیل نہ لگاتے، اور بعض نسخوں میں یہ لفظ ادھان یعنی باب افتعال سے ہے، **رئی منہ**: (صیغہ مجہول) نائب فاعل کی ضمیر ''شیب'' کی طرف اور منہ کی ضمیر ''شعر'' کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی سفیدی دکھائی دیتی۔

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چند بال سفید تھے

مذکورہ احادیث میں تین چیزوں کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال بہت تھوڑے تھے، مگر ان کی تعداد میں روایات مختلف ہیں، چودہ، سترہ، اٹھارہ اور بیس بال، اس سے اتنی بات تو ضرور ثابت ہوتی ہے کہ سفید بال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت کم تھے، اور تعداد کا یہ اختلاف بھی مختلف اوقات اور زمانوں کے اعتبار سے ہے، حقیقی اختلاف نہیں، ایک وقت میں ایک صحابی کو محسوس ہوا کہ اتنے بال سفید ہیں، اور دوسرے صحابی نے ان کو شمار کیا تو دوسری تعداد سامنے آگئی، کیونکہ گننے اور شمار کرنے میں بھی فرق ہوسکتا ہے، مقصود تمام روایات سے یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال بہت کم مقدار میں تھے۔ (۱)

۲۔ اس باب کی پہلی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال اس مقدار کو پہنچتے ہی نہیں تھے کہ انہیں خضاب لگانے کی نوبت آتی یعنی وہ بہت تھوڑے تھے، اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ ہی کی دوسری روایات، جنہیں امام ترمذی نے باب ماجاء فی خضاب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کیا ہے، ان سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا ہے، بظاہر دونوں طرح کی روایات میں تعارض ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے حل میں دو

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۰۹

جواب ذکر کیے ہیں:

❁ جن روایات میں خضاب کی نفی کا ذکر ہے، ان کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال اس قدر سفید ہوئے ہی نہیں کہ انہیں ہر وقت خضاب کرنے کی ضرورت ہوتی، اور جن روایات میں خضاب کا ثبوت ہے، ان کے معنی یہ ہیں کہ کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر خضاب کیا کرتے، دوام اور پابندی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمل نہیں کرتے تھے، جس صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خضاب کی حالت میں دیکھا، تو اس نے یہ روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا ہے، اور جس وقت خضاب کا اثر نہیں تھا، اس حالت میں جس صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا، تو اس نے یہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا، کیونکہ اکثر اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم خضاب کے بغیر ہوتے تھے۔(۱)

❁ جن روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا ہے، ان سے مجازی معنی مراد ہیں کہ بال جب سفید ہونے لگتے ہیں تو اس سے پہلے عموماً وہ سرخ ہو جاتے ہیں، بالوں کی یہ سرخی اصلی ہوتی ہے، خضاب کی وجہ سے نہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بھی اس طرح سرخ ہو گئے تھے، انہیں دیکھ کر راوی نے یہ بیان کر دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں پر خضاب کیا ہے۔(۲)

۳۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ مہندی اور کتم سے خضاب کیا کرتے تھے، صرف مہندی سے سرخ کلر بنتا ہے، اور کتم ایک ایسا پودا ہے جس کے خضاب سے سیاہی مائل سرخ کلر بنتا ہے، یہ بھی ہو سکتا ہے کہ صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کبھی مہندی سے خضاب کرتے ہوں اور کبھی کتم سے، اور کبھی دونوں کو ملا کر کلر کرتے ہوں، کسی کی صورت میں سرخ کلر بنتا ہے مگر سیاہی کی طرف مائل ہوتا ہے، بالکل سیاہ رنگ کا استعمال درست نہیں، اس سے منع کیا گیا ہے۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے چند سفید بال کالے بالوں میں موتیوں کی طرح چمکتے تھے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب سر پر تیل لگاتے تو پھر بالوں کی سفیدی نظر نہیں آتی تھی کیونکہ ایسی صورت میں سارے بال ہی چمکنے لگتے تھے، یوں یہ سفیدی خلط ملط ہو جاتی تھی یا تیل لگانے کی وجہ سے بال جم جاتے تھے، جس سے سفید بال کم ہونے کی وجہ سے چھپ جاتے، اور جب سر پر تیل لگا ہوا نہ ہوتا تو پھر سفید بال نظر آتے تھے۔(۳)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ أَبُو بَكْرٍ: يَا رَسُولَ اللهِ، قَدْ شِبْتَ، قَالَ: شَيَّبَتْنِي هُودٌ، وَالْوَاقِعَةُ، وَالْمُرْسَلَاتُ، وَعَمَّ يَتَسَاءَلُونَ، وَإِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ.(۴)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو بوڑھے ہو

(۱) تکملة فتح الملهم ۵۵۹/۴ كتاب الفضائل باب شيبه ﷺ رقم الحديث: ۶۰۲۸

(۲) جمع الوسائل في شرح الشمائل ۱۲۳/۱ باب ما جاء في خضاب رسول الله ﷺ

(۳) جمع الوسائل في شرح الشمائل ۱۱۱/۱

(۴) سنن الترمذي، رقم الحديث: ۳۲۹۷۔

گئے؟ (اس کی کیا وجہ ہے؟) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سورہ ہود، سورہ واقعہ، سورہ مرسلات، سورہ عم یتساءلون اور سورہ اذا الشمس کورت نے بوڑھا بنادیا ہے۔

**عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ: قَالُوا: يَا رَسُولَ اللهِ، نَرَاكَ قَدْ شِبْتَ، قَالَ: قَدْ شَيَّبَتْنِي هُودٌ، وَأَخَوَاتُهَا. (۱)**

حضرت ابو جحیفہؓ فرماتے ہیں کہ لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ہم دیکھ رہے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** شیبتنی: (باب تفعیل سے) مجھے بوڑھا کر دیا، میرے اندر بڑھاپے کے آثار ظاہر کر دیئے، و أخواتها: اخت کی جمع ہے، معنی یہ ہیں: اور سورہ ہود جیسی سورتوں نے۔

## مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا

حضرت صدیق اکبر نے ایک موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ میں تو بڑھاپے کے آثار ظاہر ہو رہے ہیں، کچھ بال سفید ہو گئے ہیں، طبیعت میں ذرا ضعف اور جسم تھوڑا بھاری بھر کم ہو رہا ہے، اس کی کیا وجہ ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج تو معتدل ہے، اس کا تقاضا تو یہ تھا کہ ابھی بڑھاپے کے آثار ظاہر نہ ہوتے، یہ گویا ان کے سوال کا منشا تھا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مجھے ان پانچ سورتوں نے بوڑھا بنادیا ہے: سورہ ہود، واقعہ، مرسلات، نباء اور سورہ تکویر نے۔

دوسری حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سوال کے جواب میں فرمایا کہ مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے، اس کی مزید تفصیل طبقات ابن سعد کی روایت میں ہے، حضرت انس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے تشریف لا رہے تھے، اور ساتھ ہی اپنی ڈاڑھی پر ہاتھ بھی پھیر رہے تھے، (جس میں کچھ سفید بال بھی تھے) حضرت ابو بکر اور حضرت عمر مسجد میں بیٹھے یہ منظر دیکھ رہے تھے، حضرت صدیق اکبر انتہائی نرم دل تھے، عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اس قدر جلدی بڑھاپا آ گیا ہے، یہ کہہ کر رونے لگے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے سورہ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے، حضرت صدیق اکبرؓ نے پھر پوچھا یا رسول اللہ! میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں: "واخواتها" یعنی سورہ ہود جیسی سورتوں سے کون سی سورتیں مراد ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سورہ واقعہ، قارعہ، سأل سائل، اور اذا الشمس کورت۔ (۲)

ایک اور روایت میں سورہ حاقہ، هل اتاک حدیث الغاشیۃ اور اقتربت الساعۃ کا بھی ذکر ہے۔

ان سورتوں کی تخصیص اس وجہ سے کی گئی ہے کہ ان میں گذشتہ امتوں کے واقعات، ان پر عذاب کی تفصیل، قیامت، موت، حشر و نشر اور دوبارہ زندہ ہو کر اللہ جل شانہ کو حساب دینے کے امور تفصیل سے بیان کیے گئے ہیں، اور سورہ ہود کو اس وجہ سے

---

(۱) کنز العمال، رقم الحدیث: ۲۵۸۶۔

(۲) الطبقات الکبری لابن سعد ۱/۴۳۵ ذکر شیب رسول اللہ ﷺ، ط: بیروت

بھی ذکر کیا کہ اس میں ایک آیت ہے: فاستقم کما امرت، اس میں اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کو دین پر ثابت قدم رہنے کا حکم دیا ہے، آپ ﷺ باجود اس کے کہ آپ ﷺ بلاشبہ استقامت کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، مگر آپ ﷺ کو پھر بھی یہ فکر دامنگیر رہتی کہ معلوم نہیں، استقامت کا یہ درجہ جس کا اللہ نے مجھے حکم دیا ہے، مجھے حاصل ہے یا نہیں، اس فکر اور قیامت کے ہولناک مناظر میں غور وفکر کی وجہ سے آپ ﷺ میں بڑھاپے کے آثار جلد ہی ظاہر ہونا شروع ہو گئے تھے۔(۱)

## حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ

دوسری حدیث کے راوی حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا نام وہب بن عبداللہ بن مسلم سوائی ہے، نبی کریم ﷺ کی آخری زندگی میں یہ حاضر خدمت ہوئے، نبی کریم ﷺ سے بہت سی احادیث محفوظ کی ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت حسن بن علی شکل وصورت میں نبی کریم ﷺ کے بہت مشابہ تھے، بعد میں یہ حضرت علی کے اہم ساتھیوں میں شامل ہو گئے تھے، حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں انہیں کوفہ میں پولیس کا نگران بنایا تھا، حضرت علی ان سے بہت محبت فرماتے تھے، اور انہیں وھب السوائی کے بجائے وھب الخیر کہتے تھے، واقدی کہتے ہیں کہ ۶۴ ہجری میں ان کا انتقال ہوا۔(۲)

عَنْ أَبِي رِمْثَةَ التَّيْمِيِّ، تَيْمِ الرَّبَابِ قَالَ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعِي ابْنٌ لِي، قَالَ: فَأُرِيتُهُ، فَقُلْتُ لَمَّا رَأَيْتُهُ: هَذَا نَبِيُّ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ أَخْضَرَانِ، وَلَهُ شَعْرٌ قَدْ عَلَاهُ الشَّيْبُ، وَشَيْبُهُ أَحْمَرُ.(۳)

حضرت ابو رمثہ تیمی یعنی تیم رباب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میرے ساتھ میرا ایک بیٹا بھی تھا، کہتے ہیں کہ پھر مجھ کو آپ ﷺ دکھلائے گئے، جب میں نے آپ ﷺ کو دیکھا تو میں نے (بغیر کسی تاخیر کے دل میں) کہا کہ واقعی یہ اللہ کے سچے نبی ہیں، اس وقت آپ ﷺ نے دو سبز کپڑے پہن رکھے تھے، اور آپ ﷺ کے کچھ بال ایسے تھے، جن پر بڑھاپے کے آثار غالب آ گئے تھے، اور آپ ﷺ کے سفید بال سرخ تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** فأريته: اس لفظ کو دو طرح سے ضبط کیا گیا ہے، ا۔ یہ باب افعال سے ماضی مجہول کا صیغہ ہے اور "ہ" ضمیر سے نبی کریم ﷺ مراد ہیں، ترجمہ: پھر مجھ کو حضور ﷺ دکھلائے گئے، حضرت ابو رمثہ نے نبی کریم ﷺ کو پہلے کبھی نہیں دیکھا تھا، اس لیے حاضرین میں سے کسی نے انہیں بتایا کہ یہ حضور ﷺ ہیں، ۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ فَأَرَيْتُهُ معروف کا صیغہ ہو، اصل

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۱۲
(۲) الاصابۃ ۶/۴۹۰ حرف الواؤ، من اسمہ وھب، رقم: ۹۰۸۷
(۳) المعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۷۲۴۔

عبارت یوں ہوجائے گی: أریت ابنی رسول اللہ ﷺ میں نے اپنے بیٹے کو رسول اللہ ﷺ دکھلائے، مگر راجح یہ ہے کہ یہ ماضی مجہول کا صیغہ ہے، أخضران: أخضر کا تثنیہ ہے: دو سبز، قد علاہ الشیب: آپ ﷺ کے کچھ بالوں پر بڑھاپا غالب آگیا تھا، وشیبہ: اور آپ ﷺ کے سفید بال۔

## حضرت ابورمثہ تیمی کی حضور ﷺ کی خدمت میں حاضری

حضرت ابورمثہ تیمی رضی اللہ عنہ اپنے بیٹے کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پہلی دفعہ حاضر ہوئے، اس سے پہلے انہوں نے نبی کریم ﷺ کو نہیں دیکھا تھا، حاضرین سے پوچھا تو انہوں نے دکھایا کہ یہ سرکار دو عالم ﷺ ہیں، فرماتے ہیں کہ جیسے ہی میری نظر نبی کریم ﷺ کے چہرۂ انور پر پڑی تو میرے ضمیر نے فوراً یہ کہا کہ یہ اللہ کے سچے نبی ہیں، کیونکہ آپ ﷺ کا چہرہ مبارک ایسا پرنور اور خوبصورت تھا کہ جو بھی آپ ﷺ کو دیکھتا، وہ آپ ﷺ کے صادق ہونے کا اقرار کرلیتا اور پھر وہ آپ ﷺ کا ہی ہو کر رہ جاتا، حضرت ابورمثہ کا نام رفاعہ بن یثربی تیمی ہے، ان کو تیم رباب کہا جاتا ہے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تیم رباب سے تیم قریش کی نفی کرنا مقصود ہے، جو بکر کا ایک قبیلہ ہے، رباب دراصل پانچ قبیلوں پر مشتمل تھا: ضبہ، ثور، عکل، تیم اور عدی، ان پانچ قبیلوں نے تیل کی تلچھٹ میں ہاتھ ڈال کر یہ معاہدہ کیا تھا کہ ہم آپس میں ایک دوسرے کی مدد کریں گے، خوشی اور غمی میں ہم شریک ہوں گے، حضرت ابورمثہ کا تعلق چونکہ قبیلہ تیم سے تھا، اس لیے انہیں تیم رباب کہا جاتا ہے۔

حضرت ابورمثہ رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنے بیٹے کے ساتھ اور ایک مرتبہ اپنے والد کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے، احادیث میں ان دونوں کا ذکر منقول ہے، چنانچہ بعض روایات میں ان کا مکہ مکرمہ میں جبکہ دیگر بعض روایات میں ان کا مدینہ منورہ میں آنا مذکور ہے۔

اس ملاقات میں حضرت ابورمثہ نے نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک پر کچھ چیزیں دیکھیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک پر دو سبز چادریں تھیں، وہ چادریں یا تو مکمل سبز تھیں، جس طرح کہ اہل جنت کا سبز لباس ہوگا یا وہ چادریں سبز دھاریوں والی تھیں، اس سے معلوم ہوا کہ مرد بھی سبز کپڑا پہن سکتے ہیں مگر اس قدر شوخ سبز کپڑے جس سے عورتوں کے کپڑوں کے ساتھ مشابہت پیدا ہوجائے، ان کا استعمال مردوں کے لیے درست نہیں، ان سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کے کچھ بالوں پر بڑھاپے کے آثار غالب آگئے تھے، لیکن وہ بال سرخ تھے، یہ سرخ کس وجہ سے تھے؟ اس میں دو قول ہیں:

- بالوں کی یہ سرخی اصلی تھی، کیونکہ بال سفید ہونے سے پہلے عموماً سرخ ہوجاتے ہیں، آپ ﷺ کے بال بھی سفید ہونے سے پہلے سرخ ہوگئے تھے۔
- آپ ﷺ نے ان بالوں پر خضاب کیا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے خضاب کا استعمال کیا ہے، اس

کی مزید تفصیل اگلے باب میں ہے۔(۱)

عَنْ سِمَاکِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ: قِیلَ لِجَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ: أَکَانَ فِي رَأْسِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْبٌ؟ قَالَ: لَمْ یَکُنْ فِي رَأْسِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْبٌ إِلَّا شَعَرَاتٌ فِي مَفْرِقِ رَأْسِہٖ، إِذَا ادَّھَنَ وَارَاھُنَّ الدُّھْنُ.(۲)

حضرت سماک بن حرب کہتے ہیں کہ حضرت جابر بن سمرہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر میں سفید بال تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کی مانگ میں صرف چند بال سفید تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیل لگاتے تو تیل ان سفید بالوں کو چھپا دیتا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ شعرات: شعرۃ کی جمع ہے، چند سفید بال، مفرق: (میم پر زبر، فاء ساکن اور را کے نیچے زیر) مانگ نکالنے کی جگہ، واراھن: یہ مواراۃ سے ہے، "ھن" ضمیر شعرات کی طرف لوٹ رہی ہے: تیل ان سفید بالوں کو چھپا دیتا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیل کا استعمال فرماتے

مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کی مانگ میں صرف چند سفید بال تھے، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر تیل لگاتے تو سارے بال ہی چمکنا شروع ہو جاتے، جس کی وجہ سے سفید بال نظر نہیں آتے تھے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیل نہ لگاتے، تو اس وقت سفید بال کالے بالوں میں موتیوں کی طرح چمکتے ہوئے نظر آتے تھے۔

۲۔ بالوں پر تیل لگانا سنت ہے۔(۳)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي خِضَابِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب لگانے کا ذکر ہے

عَنْ أَبِي رِمْثَةَ قَالَ: أَتَیْتُ رَسُولَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَعَ ابْنٍ لِي، فَقَالَ: ابْنُکَ ھٰذَا؟ فَقُلْتُ: نَعَمْ أَشْھَدُ بِہٖ، قَالَ: لَا یَجْنِي عَلَیْکَ، وَلَا تَجْنِي عَلَیْہِ، قَالَ: وَرَأَیْتُ الشَّیْبَ أَحْمَرَ.(۴)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۱۵

(۲) مسند الامام احمد، رقم الحدیث: ۲۰۸۴۰۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۱۷

(۴) اطراف المسند المعتلی، باب الزینۃ، رقم الحدیث: ۸۱۶۸۔

حضرت ابورمثہ یعنی رفاعہ بن یثربی تیمی کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اپنے ایک لڑکے کے ساتھ حاضر ہوا، تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: کیا یہ تمہارا بیٹا ہے؟ ابورمثہ نے عرض کیا: جی ہاں (یہ میرا بیٹا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے گواہ رہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اس کے جرم کا بدلہ تجھ پر نہیں اور تیرے گناہ کا بدلہ اس پر نہیں، ابو رمثہ کہتے ہیں کہ میں نے (اس وقت) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بالوں کو سرخ دیکھا۔

قَالَ أَبُو عِيسَى: هَذَا أَحْسَنُ شَيْءٍ رُوِيَ فِي هَذَا الْبَابِ، وَأَفْسَرُ، لِأَنَّ الرِّوَايَاتِ الصَّحِيحَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَبْلُغِ الشَّيْبَ.

ترجمہ: ابوعیسیٰ امام ترمذی فرماتے ہیں: یہ حدیث خضاب سے متعلق بہترین حدیث ہے اور بہت واضح ہے، کیونکہ صحیح روایات سے یہ بات ثابت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے تک نہیں پہنچے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ خضاب: ا۔ رنگ کرنا، رنگنا، ۲۔ وہ چیز جس سے رنگ کیا جائے۔ اشهد به: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا گیا ہے، ا۔ (صیغہ امر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات پر گواہ رہیں کہ یہ میرا بیٹا ہے، ۲۔ (صیغہ واحد متکلم) ترجمہ: میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ یہ میرا بیٹا ہے، لایجنی علیک: وہ تجھ پر جرم نہیں کرے گا یعنی اس کے جرم کا بدلہ تجھ پر نہیں، لاتجنی علیه: اور تو اس پر جنایت نہیں کرے گا یعنی تیرے کیے کا بدلہ اس پر نہیں، افسر: (صیغہ اسم تفضیل) زیادہ واضح، زیادہ کھولنے والی۔

## ہر شخص کو اپنے کیے کی سزا ہوگی

مذکورہ حدیث میں دو باتیں بیان کی گئی ہیں:

ا۔ زمانہ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ اگر باپ کوئی جرم کرتا تو اس کے بیٹے کو بدلہ میں پکڑا جاتا اور اسے سزا دی جاتی، باپ کو کچھ بھی سزا نہ دی جاتی، اسی سوچ کے ساتھ حضرت ابورمثہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ میرا بیٹا ہے، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گواہ رہیں، یا یوں کہا کہ میں اس کی گواہی دیتا ہوں، مقصد یہ تھا کہ اگر میں کوئی جرم کر دوں تو میرے اس بیٹے کو پکڑا جائے، مجھے کچھ نہ کہا جائے، یہ بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اسلام جاہلیت کی اس رسم کو رد کرتا ہے، ایسا نہیں ہوسکتا کہ "کرے کوئی اور بھرے کوئی" قرآن مجید میں علی الاعلان یہ حکم ہے: ولا تزر وازرة وزر أخرى کوئی شخص دوسرے کے بوجھ کا ذمہ دار نہیں، لہٰذا اگر باپ کوئی جرم کرے گا تو اس کا بدلہ بیٹے سے نہیں لیا جائے گا اور بیٹے سے اگر کوئی گناہ سرزد ہو جائے، تو اس کی سزا اس کے باپ کو نہیں ملے گی، بلکہ ہر شخص کو صرف اپنے کیے کی سزا ملے گی۔(۱)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے کے بال سرخ تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب سے متعلق حضرت ابورمثہ کی روایت واضح ہے، کیونکہ صحیح روایات

---

(۱) بذل المجهود ۱۷/۴۸ کتاب الترجل باب في الخضاب، رقم الحديث: ۴۲۰۸

میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے کی عمر کو پہنچے ہی نہیں تھے، اس سے دراصل امام ترمذی اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خضاب سے متعلق روایات ان کے نزدیک یا تو صحیح نہیں، یا وہ قابل تاویل ہیں، امام ترمذی نے اگرچہ خضاب کا مستقل باب قائم کیا ہے اور اس میں خضاب سے متعلق بعض روایات بھی ذکر کی ہیں مگر اس کے باوجود ان کا میلان اس طرف ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا، اور وجہ یہ بیان کی ہے کہ صحیح روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے کی عمر کو پہنچے ہی نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بڑھاپے کے بال سرخ تھے، ان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا تھا۔(۱)

عَنْ عُثْمَانَ بْنِ مَوْهَبٍ قَالَ: سُئِلَ أَبُو هُرَيْرَةَ: هَلْ خَضَبَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ.(۲)

عثمان ابن موہب کہتے ہیں کہ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے پوچھا گیا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا؟ انہوں نے فرمایا کہ جی ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا۔

عَنِ الْجَهْذَمَةِ، امْرَأَةِ بِشِيرِ ابْنِ الْخَصَاصِيَةِ، قَالَتْ: أَنَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ مِنْ بَيْتِهِ يَنْفُضُ رَأْسَهُ وَقَدِ اغْتَسَلَ، وَبِرَأْسِهِ رَدْعٌ مِنْ حِنَّاءٍ أَوْ قَالَ: رَدْغٌ شَكَّ فِي هٰذَا الشَّيْخُ.

حضرت جہذمہ جو بشیر بن خصاصیہ کی بیوی ہیں، وہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر سے باہر تشریف لاتے ہوئے دیکھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے غسل کیا تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے سر (سے پانی) کو جھاڑ رہے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر مہندی کا نشان تھا (حدیث میں ردع (عین کے ساتھ)) یا ردغ (غین کے ساتھ) ہے، اس میں امام ترمذی کے استاد ابراہیم بن ہارون کو شک ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: رَأَيْتُ شَعْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَخْضُوبًا. قَالَ حَمَّادٌ: وَأَخْبَرَنَا عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ مُحَمَّدِ بْنِ عَقِيلٍ قَالَ: رَأَيْتُ شَعْرَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ مَخْضُوبًا.

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کو خضاب کیا ہوا دیکھا، اور ابن عقیل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس کے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال خضاب کیے ہوئے دیکھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یخرج من بیتہ: اپنے گھر سے باہر تشریف لاتے ہوئے۔ ینفض: (یاء پر زبر، فاء اور ضاد پر پیش) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جھاڑ رہے تھے۔ ردع: (را پر زبر اور دال ساکن) یہ لفظ عین کے ساتھ ہے یا غین کے ساتھ، اس میں امام ترمذی کے شیخ ابراہیم بن ہارون کو شک ہے، اگر غین کے ساتھ ہو تو اس کے معنی ''شدید کیچڑ'' کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر مہندی کے شدید نشان تھے، اور اگر یہ لفظ عین کے ساتھ ہو، تو اس کے معنی نشان کے ہیں، محدثین فرماتے ہیں کہ عین کے ساتھ یہ روایت صحیح ہے۔ مخضوبا: خضاب کیا ہوا، رنگا ہوا۔

---

(۱) اوجز المسالک ۱۵/۳۱، السنۃ فی الشعر، باب ماجاء فی صبغ الشعر، خصائل نبوی (ص:۵۸)

(۲) العمجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۵۳۳۔

## کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سفید بالوں پر خضاب لگایا یا نہیں؟ اس بارے میں ذخیرۂ احادیث میں دونوں طرح کی روایات ہیں، امام ترمذی نے بھی باب الخضاب میں دونوں طرح کی روایات ذکر کی ہیں، پہلی روایت حضرت ابورمثہ کی ہے، اس میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال سرخ تھے، اس سے امام ترمذی نے اس بات پر استدلال کیا کہ بالوں کی یہ سرخی اصلی تھی، کیونکہ عموماً بال سفید ہونے سے پہلے سرخ ہو جاتے ہیں، ان بالوں پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا، صحیح روایات میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بڑھاپے کی عمر کو پہنچے ہی نہیں تھے، سفید بال اس قدر نہیں تھے کہ انہیں خضاب کرنے کی ضرورت پیش آتی۔

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا، جبکہ اسی باب میں دیگر تمام روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا ہے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی دونوں طرح کی روایات منقول ہیں، پچھلے باب کی پہلی روایت میں حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفید بال اتنے تھے ہی نہیں کہ انہیں خضاب کرنے کی ضرورت پیش آتی، اور اس باب میں حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا ہے، یوں ان روایات میں تعارض پایا جاتا ہے، اس لیے شارحین حدیث نے اس کے حل میں تین باتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ یہ روایات مختلف اوقات اور حالات کے اعتبار سے ہیں، جن روایات میں خضاب کی نفی کا ذکر ہے، ان کے معنی یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بال اس قدر سفید ہوئے ہی نہیں کہ انہیں ہر وقت پابندی اور دوام سے خضاب کرنے کی ضرورت ہوتی، اور جن روایات میں خضاب کا ثبوت ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر خضاب کیا کرتے، دوام اور پابندی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ عمل نہیں کرتے تھے، چنانچہ جس صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خضاب کی حالت میں دیکھا تو اس نے یہ روایت کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب کیا ہے، اور جس وقت خضاب کا اثر نہیں تھا، اس حالت میں جس صحابی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس نے یہ بیان کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خضاب نہیں کیا، کیونکہ اکثر اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم خضاب کے بغیر ہوتے تھے، اور کبھی کبھار خضاب کر لیتے، تاکہ امت کو اپنے عمل سے یہ بتا دیں کہ خضاب کرنا جائز ہے۔(۱)

۞ جن روایات میں خضاب کا ذکر ہے، ان سے حقیقی خضاب مراد نہیں، بلکہ ان سے مجازی معنی مراد ہیں، ان سے بالوں کی وہ سرخی مراد ہے جو عموماً بالوں کے سفید ہونے سے پہلے آجاتی ہے، یہ سرخی اصلی ہوتی ہے، خضاب کی وجہ سے نہیں ہوتی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بال بھی اس طرح سرخ ہو گئے تھے، انہیں دیکھ کر راوی نے یہ بیان کر دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بالوں پر

---

(۱) فتح الباری ۱۰/۴۳۳، کتاب اللباس، باب ما یذکر فی الشیب، رقم: ۵۸۹۷، جمع الوسائل مع شرح المناوی ۱/۱۲۳، بذل المجھود ۱۷/۴۸، کتاب الترجل باب فی الخضاب، رقم: ۴۲۰۹، تکملۃ فتح الملھم ۴/۵۵۹، کتاب الفضائل باب شیبہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۶۰۲۸، تقریرات الرافعی علی رد المحتار ۶/۳۱۰، کتاب الحضر والاباحۃ، ط: ایچ ایم سعید کراچی۔

خضاب کیا ہے۔(۱)

۞ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ جن روایات میں خضاب کی نفی کا ذکر ہے، ان کے معنی یہ ہیں کہ آپ ﷺ نے تمام بالوں پر خضاب نہیں کیا اور جن احادیث میں خضاب کا اثبات ہے، ان کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے صرف سفید بالوں پر خضاب کیا ہے۔(۲)

## سیاہ خضاب لگانے کا حکم

اس میں سب کا اتفاق ہے کہ خالص سیاہ رنگ کے سوا دوسرے تمام رنگوں کا خضاب نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ مستحب ہے، اور سرخ خضاب، خواہ وہ خالص مہندی کا ہو یا براؤن کچھ سیاہی مائل، جس میں کتم وغیرہ شامل کیا جاتا ہے، یہ مسنون ہے، چنانچہ جمہور محدثین کے نزدیک نبی کریم ﷺ سے ایسا خضاب کرنا ثابت ہے، بہت سی احادیث میں سیاہ خضاب کے علاوہ دوسرے رنگوں کی فضیلت کا ذکر ہے، اور علماء فرماتے ہیں کہ سرخ خضاب مردوں کے حق میں سنت ہے، اور یہ مسلمانوں کی خصوصیات میں سے ہے۔

خالص سیاہ خضاب کرنے کا کیا حکم ہے؟ اس میں تین صورتیں ہیں:

۱۔ جہاد کے موقع پر کوئی مجاہد خالص سیاہ خضاب لگائے، تا کہ دشمن پر رعب اور دہشت طاری ہو جائے، یہ صورت تمام آئمہ اور مشائخ کے نزدیک جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔(۳)

۲۔ دوسری صورت یہ ہے کہ کسی کو دھوکہ دینے کے لیے سیاہ خضاب کیا جائے جیسے مرد عورت کو یا عورت مرد کو دھوکہ دینے اور اپنے آپ کو جوان ظاہر کرنے کے لیے ایسا کرے یا کوئی ملازم اپنے آقا کو دھوکہ دینے کے لیے ایسا خضاب لگائے، یہ بالاتفاق ناجائز ہے، کیونکہ دھوکہ دینا نفاق کی علامات میں سے ہے، اور کسی مسلمان کو دھوکہ دے کر اس سے کوئی کام نکالنا بالاتفاق حرام ہے، اس پر چند احادیث:

۞ مَنْ غَشَّنَا فَلَيْسَ مِنَّا وَالْمَكْرُ وَالْخِدَاعُ فِي النَّارِ۔(۴) (جو ہمیں دھوکہ دے وہ ہم میں سے نہیں، مکر و فریب اور دھوکہ کا انجام جہنم ہی ہے)۔

۞ حضرت عائشہ سے ایک مرفوع روایت ہے: إِذَا خَطَبَ أَحَدُكُمُ الْمَرْأَةَ وَهُوَ يَخْضِبُ بِالسَّوَادِ فَلْيُعْلِمْهَا أَنَّهُ يَخْضِبُ وَ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۱۲۳، باب ماجاء فی خضاب رسول اللہ ﷺ

(۲) بذل المجهود ۱۷/۲۸، کتاب الترجل، باب فی الخضاب، رقم الحدیث: ۴۲۰۹

(۳) الفتاوی الهندیة ۵/۳۶۹، کتاب الکراهیة، باب: ۲۰

(۴) المعجم الصغیر للطبرانی ۲/۳۷، باب الفاء من اسمه الفضل، رقم الحدیث: ۷۳۸ (الشاملة)

لَا یَغُرُّ بِهَا۔(۱) (جب تم میں سے کوئی کسی خاتون کو پیغام نکاح دے اور اس مرد نے سیاہ خضاب لگا رکھا ہو تو اس پر لازم ہے کہ اس خاتون کو سیاہ خضاب کا بتا دے اور اسے دھوکہ نہ دے)۔

❁ تیسری صورت یہ ہے کہ صرف زیب و زینت کے لیے سیاہ خضاب کیا جائے، تاکہ اپنے آپ کو یا اپنی بیوی کو خوش کرے، اس میں علماء کرام کا اختلاف ہے، امام ابو یوسف اور بعض دوسرے مشائخ اسے مطلقاً جائز قرار دیتے ہیں، جمہور آئمہ اور مشائخ اس صورت کو مکروہ قرار دیتے ہیں۔(۲)

## سیاہ خضاب کی ممانعت کے چند دلائل

❁ فتح مکہ کے موقع پر حضرت صدیق اکبرؓ کے والد ابو قحافہ لائے گئے، ان کے بال بالکل سفید تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: غَیِّرُوْا هٰذَا بِشَیْءٍ وَاجْتَنِبُوا السَّوَادَ۔(۳) (بالوں کی سفیدی کو کسی کلر سے تبدیل کرو مگر سیاہ خضاب استعمال نہ کرنا)۔

❁ حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یَکُوْنُ قَوْمٌ یَخْضِبُوْنَ فِیْ اٰخِرِ الزَّمَانِ بِالسَّوَادِ کَحَوَاصِلِ الْحَمَامِ، لَا یُرِیْحُوْنَ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ۔(۴) (آخری زمانے میں ایک قوم ہوگی، جو سیاہ خضاب لگایا کرے گی کبوتر کے پوٹوں کی طرح، ایسے لوگ جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گے)

❁ حضرت ابو الدرداءؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ خَضَبَ بِالسَّوَادِ، سَوَّدَ اللّٰهُ وَجْهَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ۔(۵) (جس نے (دنیا میں) خالص سیاہ خضاب لگایا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے چہرے کو سیاہ کر دیں گے)

## سیاہ خضاب کے جواز کے بعض دلائل

۱۔ حضرت صہیب فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِنَّ اَحْسَنَ مَا خَضَبْتُمْ بِهٖ لَهٰذَا السَّوَادُ اَرْغَبُ لِنِسَائِکُمْ فِیْهِ وَاَهْیَبُ لَکُمْ فِیْ صُدُوْرِ عَدُوِّکُمْ۔(۶) (سب سے اچھا وہ خضاب جو تم کرتے ہو، وہ سیاہ رنگ ہے، اس میں تمہاری عورتوں کے لیے زیادہ رغبت ہوتی ہے اور یہ تمہارے دشمنوں کے دلوں میں زیادہ رعب ڈالنے کا باعث ہوتا ہے)۔

اس حدیث سے مجاہد اور شوہر کے لیے سیاہ خضاب لگانے کا جواز ثابت ہوتا ہے۔

---

(۱) السنن الکبریٰ للبیهقی ۷/۲۷۳، رقم: ۱۴۶۹۹۔ (الشاملة)

(۲) تکملة فتح الملهم ۴/۱۴۹، کتاب اللباس و الزینة، باب استحباب خضاب الشیب بصفرة، رقم الحدیث: ۵۴۶۶۔

(۳) الصحیح لمسلم، کتاب اللباس و الزینة، باب استحباب خضاب الشیب بصفرة رقم الحدیث: ۵۴۶۶

(۴) سنن ابن داؤد کتاب الترجل باب ماجاء فی خضاب السواد، رقم الحدیث: ۴۲۱۲۔

(۵) اوجز المسالک ۱۵/۲۷، کتاب الشعر باب ماجاء فی صبغ الشعر۔

(۶) سنن ابن ماجة ۴/۵۰۷، اللباس، باب الخضاب بالسواد رقم الحدیث: ۳۶۲۵، ط: بیروت

۲۔ بعض صحابہ اور تابعین کے تعامل، فتاویٰ اور آثار سے سیاہ خضاب لگانا منقول ہے، چنانچہ علامہ ابن القیم نے زاد المعاد میں ان کے نام لکھے ہیں: حضرت حسن، حضرت حسین، حضرت عثمان، سعد بن ابی وقاص، عقبہ بن عامر، مغیرہ بن شعبہ، جریر بن عبداللہ، عمرو بن عاص، محمد بن سیرین، ابراہیم نخعی، سعید بن جبیر اور محمد حنفیہ، ان حضرات سے سیاہ خضاب لگانا منقول ہے۔

امام ابو یوسف رحمہ اللہ ان حضرات کے تعامل سے ہی استدلال کر کے فرماتے ہیں: كَمَا يُعْجِبُنِي أَنْ تَتَزَيَّنَ لِي يُعْجِبُهَا أَنْ أَتَزَيَّنَ لَهَا (جس طرح مجھے یہ اچھا لگتا ہے کہ میری بیوی میرے لیے زیب و زینت اختیار کرے، اسی طرح اسے بھی یہ بات پسند ہے کہ میں اس کے لیے آراستہ ہو جاؤں) (۱)

جو حضرات سیاہ خضاب کو جائز قرار دیتے ہیں، وہ ممانعت والی احادیث کے بارے میں دو باتیں کہتے ہیں:

❁ سیاہ خضاب کی ممانعت اس وقت ہے، جب اس سے کسی کو دھوکہ دینا مقصود ہو، لہذا اگر دھوکہ دینا پیش نظر نہ ہو، تو پھر اس کا استعمال جائز ہے، مگر جمہور مشائخ فرماتے ہیں کہ یہ احادیث مطلق ہیں، ان میں کوئی قید نہیں، ایسے میں پھر انہیں دھوکہ دینے کی قید کے ساتھ مقید نہیں کیا جا سکتا۔

❁ ممانعت والی احادیث پر علماء جرح نے کلام بھی کیا ہے، یوں ان سے استدلال میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے۔ (۲)

تاہم جمہور مشائخ ممانعت والی احادیث کی روشنی میں یہی فرماتے ہیں کہ خالص سیاہ خضاب کا استعمال غیر مجاہد کے لیے مکروہ ہے، پسندیدہ نہیں، اور جواز والی روایات اور صحابہ و تابعین کے عمل کے بارے میں یہ فرماتے ہیں کہ ان حضرات کا خضاب، خالص سیاہ نہ تھا، بلکہ سرخ سیاہی مائل تھا، اس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں، کیونکہ ایسا نہیں ہو سکتا کہ ممانعت کی احادیث کے باوجود حضرات صحابہ ان پر عمل نہ کرتے اور ان کے خلاف کرتے، اس لیے احتیاط یہی ہے کہ خالص سیاہ خضاب کے استعمال سے اجتناب کیا جائے۔ (۳)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي كُحْلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے سرمہ لگانے کا بیان ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اكْتَحِلُوا بِالْإِثْمِدِ فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ. وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا كُلَّ لَيْلَةٍ ثَلَاثَةً فِي هَذِهِ، وَثَلَاثَةً

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۱۴۹/۴ کتاب اللباس، باب استحباب خضاب الشیب، زاد المعاد لابن القیم، فصل فی ذکر شیء من الادویة والاغذیة ۳۶۸/۴، ط: بیروت

(۲) اوجز المسالک، کتاب الشعر، باب ما جاء فی صبغ الشعر ۲۷/۱۵، تحفة الاحوذی ۴۴۱/۵، کتاب اللباس، باب ما جاء فی الخضاب، رقم الحدیث: ۱۷۵۲، تکملة فتح الملهم ۱۵۰/۴

(۳) جواهر الفقه ۱۶۶/۷، باب اللباس والزینة، اوجز المسالک ۲۶/۱۵، کتاب الشعر، باب ما جاء فی صبغ الشعر

فِي هٰذِهِ.(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اثمد کا سرمہ آنکھوں میں لگایا کرو، اس لیے کہ وہ نگاہ کی روشنی کو تیز کرتا ہے اور پلکوں کے بال اگاتا ہے، حضرت عبداللہ بن عباس یہ بھی کہتے: نبی کریم ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی، جس میں سے ہر رات تین سلائی اس آنکھ میں اور تین سلائی اس آنکھ میں ڈالا کرتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَكْتَحِلُ قَبْلَ أَنْ يَنَامَ بِالإِثْمِدِ ثَلَاثًا فِي كُلِّ عَيْنٍ، وَقَالَ يَزِيدُ بْنُ هَارُونَ فِي حَدِيثِهِ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَتْ لَهُ مُكْحُلَةٌ يَكْتَحِلُ مِنْهَا عِنْدَ النَّوْمِ ثَلَاثًا فِي كُلِّ عَيْنٍ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے (یعنی سوتے وقت) ہر آنکھ میں اثمد سرمہ کی تین تین سلائیاں لگایا کرتے تھے، اس حدیث کے ایک راوی یزید بن ہارون اپنی حدیث میں عبداللہ بن عباس سے روایت کر کے کہتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ کے پاس ایک سرمہ دانی تھی، جس میں سے سوتے وقت ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں ڈالا کرتے تھے۔

عَنْ جَابِرٍ هُوَ ابْنُ عَبْدِ اللّٰهِ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِالإِثْمِدِ عِنْدَ النَّوْمِ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ.(۳)

حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سوتے وقت اثمد سرمہ اپنے اوپر لازم کرلو، کیونکہ وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے، اور پلکوں کے بال اگاتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ خَيْرَ أَكْحَالِكُمُ الإِثْمِدُ، يَجْلُو الْبَصَرَ، وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ.(۴)

حضرت عبداللہ بن عمر سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اثمد سرمہ کو اپنے اوپر لازم کرلو، کیونکہ وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے، اور پلکوں کے بال اگاتا ہے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم: عَلَيْكُمْ بِالإِثْمِدِ، فَإِنَّهُ يَجْلُو الْبَصَرَ وَيُنْبِتُ الشَّعْرَ۔(۵)

---

(۱) للمعجم الکبیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۱۲۴۹۱۔
(۲) تہذیب الآثار، رقم الحدیث: ۱۹۔
(۳) سنن ابن ماجۃ، رقم الحدیث: ۳۴۹۶۔
(۴) مسند الحمیدی، رقم الحدیث: ۵۲۰۔
(۵) مسند البزار، رقم الحدیث: ۶۰۹۴۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے سرموں میں بہترین سرما اثمد سرمہ ہے، وہ نگاہ کو تیز کرتا ہے، اور پلکوں کے بال اُگاتا ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** کحل: (کاف پر پیش اور حا ساکن) سرمہ یا آنکھ میں ڈالی جانے والی کوئی بھی خشک دوا، اکتحلوا: تم سرمہ لگاؤ۔ الاثمد: (ہمزے کے نیچے زیر اور ثا ساکن) یہ ایک قسم کا پتھر ہے، جو سرخی کی طرف مائل ہوتا ہے، عرب ممالک میں بکثرت پایا جاتا ہے، البتہ سب سے بہتر وہ پتھر ہے جو اصفہان ایران سے لایا جاتا ہے، اس پتھر سے سرمہ بنتا ہے، یجلو: تیز کرتا ہے، البصر: نگاہ، ینبت: انبات سے ہے: اگاتا ہے، الشعر: پلکوں کے بال، مکحلۃ: (میم پر پیش، کاف ساکن اور حاء پر پیش کے ساتھ) سرمہ دانی، وزعم: یہ لفظ دو معنی میں استعمال ہوتا ہے: ۱۔ یقینی بات، محقق قول۔ ۲۔ شک اور گمان، زعم کی ضمیر فاعل کس طرف لوٹ رہی ہے؟ اس میں دو قول ہیں: ۱۔ یہ ضمیر ابن عباس کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں زعم کے پہلے معنی مراد ہوں گے، درمیان میں چونکہ حدیث کے الفاظ آگئے تھے، اس لیے زعم کا لفظ درمیان میں لایا گیا ہے، اس قول کو اکثر شارحین حدیث نے اختیار کیا ہے۔ ۲۔ یہ ضمیر محمد بن حمید راوی کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں زعم کے دوسرے معنی یعنی شک اور گمان کے معنی مراد ہوں گے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہتمام سے آنکھوں میں سرمہ لگاتے

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک سرمہ دانی تھی، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت ہر آنکھ میں تین تین سلائیاں ڈالا کرتے اور کبھی دائیں آنکھ میں تین اور بائیں آنکھ میں دو سلائیاں ڈالا کرتے تھے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اثمد سرمہ استعمال کرنے کی بہت تاکید فرمائی ہے، کیونکہ اس کے استعمال سے نگاہ تیز ہوتی ہے، اور پلکوں کے بال بڑھ جاتے ہیں، اور آنکھوں کی اچھی طرح صفائی ہو جاتی ہے، یہ بہترین سرمہ ہے، مگر بسا اوقات اثمد سرمہ کسی آنکھ کے موافق نہیں آتا، دکھتی آنکھ میں اس کا استعمال مفید نہیں ہوتا، اگر یہ صورتحال ہو تو پھر اثمد کے علاوہ کوئی اور سرمہ استعمال کر لیا جائے۔

۳۔ ان احادیث سے معلوم ہوا کہ رات سوتے وقت سرمہ کا استعمال اہتمام سے کرنا چاہیے، اس سے آنکھوں کی بیماری دور ہوتی ہے اور نظر کمزور نہیں ہوتی، آج ہمارے معاشرے میں ہر بیماری کی طرح آنکھوں کی بھی طرح طرح کی بیماریاں پھیلی ہوئی ہیں، ایسے میں سرمہ کی اس سنت پر اور زیادہ پابندی سے عمل کرنا چاہیے، مقصد سنت کی پیروی ہو، زیب و زینت اور نمائش پیش نظر نہ ہو۔

وقال یزید بن هارون فی حدیثه، امام ترمذی اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اسرائیل اور یزید بن ھارون کے

الفاظ میں اختلاف ہے اور قال یزید بن ھارون فی حدیثه کے بعد جو حدیث کے الفاظ ہیں، یہ ابن عباس سے یزید بن ھارون کے طریق کے ہیں، اور ان دونوں حضرات نے عباد بن منصور سے روایت کیا ہے اور دونوں سندیں متصل ہیں، معلق یا مرسل نہیں جیسا کہ بعض لوگوں کو یہ وہم ہوگیا ہے۔

ح وحدثنا علی بن حجر، اس میں لفظ "ح" اختصاراً لکھا جاتا ہے، اس سے ایک سند سے دوسری سند کی طرف تحویل مراد ہوتا ہے، پھر کسی ایک راوی پر یہ دونوں سندیں جمع ہوجاتی ہیں، اسے مدار اسناد یا مرکز اسناد کہا جاتا ہے، اس سند میں عباد بن منصور مرکز الاسناد ہیں۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي لِبَاسِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کا ذکر ہے

## لباس کی پانچ قسمیں

انسان اپنے جسم کو چھپانے کے لیے جو لباس پہنتا ہے، شرعاً اس کی کیا حیثیت ہے، اس لحاظ سے اس کی پانچ قسمیں ہیں:

۱۔ واجب: لباس واجب سے وہ لباس مراد ہے جس سے ستر کو چھپایا جاسکے۔

۲۔ مستحب: یہ وہ لباس ہے جسے پہننے کی شریعت نے ترغیب دی ہے، جو سردی گرمی اور موسمی اثرات سے بچاؤ کا ذریعہ ہوتا ہے، جیسے عام کپڑے، سفید کپڑے، اور عیدین کے موقع پر عمدہ اور صاف لباس پہننا، نماز جمعہ کے لیے سفید یا صاف لباس۔

۳۔ مکروہ: ایسا لباس جسے شریعت نے پسند نہیں کیا، جیسے مردوں کے لیے تیز سرخ لباس کا استعمال یا کوئی مالدار ہر وقت پھٹا پرانا لباس ہی پہنے۔

۴۔ حرام: یہ وہ لباس ہے جو شرعاً ممنوع ہے، جیسے مردوں کے لیے بلا عذر ریشمی لباس کا استعمال۔

۵۔ مباح: ایسا لباس جس کی شریعت میں نہ ترغیب آئی ہے اور نہ ہی اس سے منع کیا گیا ہے، اور وہ ستر کو بھی چھپادے، اس طرح کا لباس پہننا جائز ہے۔(۲)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كَانَ أَحَبَّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقَمِيصُ. (۳)

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہننے کے لیے سب کپڑوں میں سے کرتا زیادہ پسند تھا۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۲۷

(۲) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل ۱/۱۳۰، باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ۔

(۳) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۲۷۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کرتا بہت پسند تھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلے ہوئے لباس میں سے کرتا اور چادروں میں سے یمنی منقش چادر بہت پسند تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہننے میں کرتا زیادہ پسند اس وجہ سے تھا کہ اس میں انسان کا بدن اچھی طرح چھپ جاتا ہے، اسے پہننا بھی آسان ہے، خود ہی یہ جسم پر ٹھہر جاتا ہے، کسی چیز سے اسے باندھنا نہیں پڑتا اور دیکھنے میں بھی خوبصورت لگتا ہے، جبکہ چادر اوڑھی اور پہنی جائے تو اسے کسی چیز سے باندھنا پڑتا ہے، مخصوص انداز سے اسے لپیٹنا پڑتا ہے، اس کے باوجود اس کے گرنے کا ہر وقت خطرہ رہتا ہے اور کرتے میں ایسا کوئی خطرہ نہیں ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہننے میں کرتے کو ان وجوہ کی وجہ سے پسند فرماتے تھے، اس وجہ سے نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ہدیہ کیا جائے۔(۱)

ملا علی قاری رحمہ اللہ نے دمیاطی سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا روئی سے بنا ہوا تھا، جو زیادہ لمبا بھی نہ تھا اور اس کی آستینیں بھی زیادہ لمبی نہ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتا صرف ایک عدد ہی تھا، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول صبح کے کھانے میں سے شام کے لیے اور شام کے کھانے میں سے صبح کے لیے بچا کر رکھنے کا نہ تھا، اور کوئی کپڑا، کرتا، چادر، لنگی اور جوتے دو عدد نہ تھے۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو دنیا کے ساز وسامان اور لباس وغیرہ چیزوں میں دل نہیں لگانا چاہیے، ہر وقت اس کی فکر و توجہ کا محور، اور اس کی صبح وشام کی تگ ودو، صرف اور صرف آخرت کے امور کے لیے ہونی چاہیے، تاکہ کسی طرح آخرت کی زندگی سنور جائے، دنیا اور اس کی چیزوں سے ایک ضرورت کی حد تک تعلق اور لگاؤ ضرور ہو، مگر اسے مقصد حیات نہ سمجھا جائے۔

عَنْ أَسْمَاءَ بِنْتِ يَزِيدَ قَالَتْ: كَانَ كُمُّ قَمِيصِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الرُّسْغِ.(۳)

حضرت اسماء بنت یزید فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قمیص کی آستین پہنچے (یعنی کلائی) تک ہوتی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ کم: (کاف پر پیش اور میم پر تشدید) آستین، رسغ: (را پر پیش، سین ساکن) پہنچا، کلائی، گٹا، ٹخنا یعنی ہتھیلی اور بازو کے درمیان کا جوڑ۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے کرتے کی آستینیں عموماً کلائی تک ہوتیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کی آستین کہاں تک ہوتی؟ اس بارے میں دو طرح کی روایات منقول ہیں، ایک تو یہی ترمذی

(۱) بذل المجھود ۱۹۳/۱۶، کتاب اللباس باب ما جاء فی القمیص، رقم الحدیث: ۴۰۲۶
(۲) شرح المناوی علی ھامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱۳۲/۱
(۳) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۲۹۔

کی روایت ہے جس میں ہے کہ یہ آستین کلائی تک ہوتی، اور سنن بیہقی میں آستین کا پہنچے سے نیچے ہونا بھی منقول ہے، چنانچہ شارحین حدیث نے اس تعارض کے حل میں مختلف توجیہات ذکر کی ہیں:

۱۔ یہ روایات مختلف اوقات کے اعتبار سے ہیں، جس وقت آستین سکڑی ہوتی تو اس وقت وہ پہنچے تک ہوتی، اور جب وہ سیدھی ہوتی تو کلائی سے ذرا لمبی دکھائی دیتی۔

۲۔ بعض حضرات نے یہ موقف اختیار کیا کہ یہ روایات اندازے، تخمینہ اور تقریب پر محمول ہیں، مطلب یہ ہے کہ یہ آستین کلائی تک یا اس سے زیادہ قریب قریب ہی ہوتی تھی۔

۳۔ علامہ جزری فرماتے ہیں کہ کرتے کی آستین میں سنت یہ ہے کہ وہ کلائی تک ہو، اور کرتے کے علاوہ جبہ وغیرہ میں ذرا نیچے تک ہو سکتی ہے، مگر ہاتھوں کی انگلیوں سے لمبی نہ ہو۔(۱)

۴۔ حضرت مولانا خلیل احمد صاحب فرماتے ہیں کہ وہ روایات کہ جن میں آستین کے پہنچے تک ہونے کا ذکر ہے، یہ افضلیت پر محمول ہیں، اور کلائی سے زیادہ کی روایات میں بیان جواز کا ذکر ہے۔(۲)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بہتر یہی ہے کہ کرتے کی آستین پہنچے یعنی کلائی تک ہی ہو، اس سے زیادہ نہ ہو، اور اگر تھوڑی بڑھ جائے مگر انگلیوں سے متجاوز نہ ہو تو یہ جائز ہے، اس سے زیادہ طویل نہ ہو، کیونکہ اس سے انسان عرف میں برا لگتا ہے، اور ہاتھ سے کام وغیرہ کرنے میں مشکل بھی پیش آتی ہے، اور وہ آستین کلائی سے کم بھی نہ ہو، ایسے میں پھر گرمی سردی اور موسم کے اثرات اس پر پڑیں گے، یوں اسے تکلیف ہو سکتی ہے۔

عَنْ قُرَّةَ بْنِ إِيَاسٍ، قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَهْطٍ مِنْ مُزَيْنَةَ لِنُبَايِعَهُ، وَإِنَّ قَمِيصَهُ لَمُطْلَقٌ، أَوْ قَالَ: زِرُّ قَمِيصِهِ مُطْلَقٌ، قَالَ: فَأَدْخَلْتُ يَدِي فِي جَيْبِ قَمِيصِهِ، فَمَسَسْتُ الْخَاتَمَ.(۳)

حضرت قرۃ بن ایاس فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں قبیلہ مزینہ کی ایک جماعت کے ساتھ حاضر ہوا، تاکہ ہم سب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کرلیں، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کرتہ (یعنی گریبان) کھلا تھا، یا یوں فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کا بٹن کھلا تھا، فرماتے ہیں: میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کے گریبان میں اپنا ہاتھ ڈالا اور (تبرکاً) مہر نبوت کو چھویا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** رهط: (را پر زبر اور ہا ساکن) قوم، لوگ، وہ جماعت جو دس سے چالیس افراد پر مشتمل ہو، مزینة:

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۳۴۔

(۲) بذل المجہود ۱۶/۱۹۴، کتاب اللباس باب ماجاء فی القمیص، رقم الحدیث: ۴۰۲۷

(۳) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۸۲، ابن ماجة، رقم الحدیث: ۳۵۷۸۔

(میم پر پیش اور زا پر زبر) قبیلہ مضر کا ایک قبیلہ ہے، ایک عورت کے نام سے قبیلہ کا نام پڑ گیا، لنبایعه: تاکہ ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کریں، لمطلق: کشادہ، کھلا ہوا، زر: (زا کے نیچے زیر اور راء پر تشدید) بٹن، گھنڈی، جیب: گریبان، کرتے کا گلا جو گردن کے آس پاس بنا ہوتا ہے، مسست: میں نے چھویا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کا گریبان کبھی کھلا ہوتا

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

❁ قبیلہ مزینہ کے لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کے لیے حاضر ہوئے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دست اقدس پر بیعت کر کے نبوت کے فیض سے سرفراز ہوں، اس سے معلوم ہوا کہ اپنے نفس کی اصلاح کی غرض سے کسی متبع سنت بزرگ سے اصلاحی تعلق قائم کرنا چاہیے، اور جب ان سے پوری مناسبت ہو جائے تو پھر ان کے ہاتھ پر بیعت بھی کر لینی چاہیے۔

❁ حضرت قرہ بن ایاس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کا گریبان کھلا تھا، یعنی گردن کے آس پاس اور سامنے سے وہ کرتا کھلا تھا، بٹن نہیں لگائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں عموماً عربوں کا یہ طریقہ تھا کہ کرتے کا گلا اور گریبان کھلا رکھتے، اور بٹن بھی نہیں لگاتے تھے، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کرتے کے بٹن ہوتے، مگر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہ بٹن نہ لگاتے، اسے کھلا ہی چھوڑ دیتے، حضرت قرہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب دیکھا تو کرتے کا گریبان کھلا تھا، اس ادا کو دیکھ کر حضرت قرہ اور ان کے بیٹے حضرت معاویہ نے ساری زندگی اپنے کرتے کے بٹن بند نہیں کیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر مرد کسی وجہ سے اپنے کرتے یا قمیص کے بٹن کھلے رکھے، تو ایسا کیا جا سکتا ہے، لیکن اگر اس طرح کرنے میں کسی فتنہ وفساد کا اندیشہ ہو یا معاشرے میں اس کی شخصیت کے بارے میں برا تاثر قائم ہو رہا ہو تو پھر گریبان کو کھلا نہیں، بند ہی رکھنا چاہیے۔

❁ حضرت قرہ نے حصول برکت کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گریبان میں ہاتھ ڈال کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر نبوت پر ہاتھ لگایا، ایسا لگتا ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کا مزاج اور مقصد معلوم تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی ناگواری کا اظہار نہیں فرمایا، اور انہیں موقع دیا تاکہ وہ مہر نبوت کے انوار سے براہ راست فیض یاب ہو سکیں۔

او قال: زر قمیصه مطلق، یہ کس راوی کو شک ہوا ہے، اس میں شارحین کے تین قول ہیں:

۱۔ حضرت معاویہ بن قرہ یا ان سے نیچے کسی راوی کو ان الفاظ میں شک ہوا ہے۔

۲۔ عصام کہتے ہیں کہ حضرت معاویہ بن قرہ کو شک ہوا ہے۔

۳۔ امام ترمذی کے استاذ ابو عمار حسین بن حریث کو شک ہوا ہے۔(۱)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۳۵، ۱۳۶

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ وَهُوَ يَتَّكِئُ عَلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، عَلَيْهِ ثَوْبٌ قِطْرِيٌّ، قَدْ تَوَشَّحَ بِهِ، فَصَلَّى بِهِمْ.

وَقَالَ عَبْدُ بْنُ حُمَيْدٍ: قَالَ مُحَمَّدُ بْنُ الْفَضْلِ: سَأَلَنِي يَحْيَى بْنُ مَعِينٍ عَنْ هَذَا الْحَدِيثِ أَوَّلَ مَا جَلَسَ إِلَيَّ، فَقُلْتُ: حَدَّثَنَا حَمَّادُ بْنُ سَلَمَةَ، فَقَالَ: لَوْ كَانَ مِنْ كِتَابِكَ، فَقُمْتُ لِأُخْرِجَ كِتَابِي فَقَبَضَ عَلَى ثَوْبِي ثُمَّ قَالَ: أَمْلِهِ عَلَيَّ، فَإِنِّي أَخَافُ أَنْ لَا أَلْقَاكَ، قَالَ: فَأَمْلَيْتُهُ عَلَيْهِ، ثُمَّ أَخْرَجْتُ كِتَابِي فَقَرَأْتُ عَلَيْهِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (غالباً مرضِ وفات میں) اپنے گھر سے باہر اس طرح تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ پر سہارا لگائے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر ایک یمنی منقش چادر تھی، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوڑھ رکھا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

(امام ترمذی کے استاذ) عبد بن حمید فرماتے ہیں کہ محمد بن فضل کہتے ہیں کہ یحیٰی بن معین نے میرے پاس بیٹھتے ہی سب سے پہلے مجھ سے اس حدیث کے بارے میں دریافت کیا، چنانچہ میں نے (حدیث بیان کرنے کے لیے) کہا: حدثنا حماد بن سلمۃ اس پر یحیٰی بن معین نے کہا: اگر آپ یہ حدیث اپنی کتاب سے بیان کرتے تو اچھا ہوتا، میں (وہاں سے) اٹھ پڑا تا کہ میں اپنی کتاب (اپنے گھر سے) لے کر آجاؤں، مگر انہوں نے میرا کپڑا پکڑ لیا اور کہنے لگے: (پہلے) مجھے یہ حدیث املاء کرادیں، کیونکہ مجھے یہ اندیشہ ہے کہ (شاید) میں آپ سے (دوبارہ) نہ مل سکوں، محمد بن فضل فرماتے ہیں کہ میں نے وہ حدیث انہیں اپنی یادداشت کی مدد سے املاء کرادی، پھر میں نے اپنی کتاب نکالی اور ان کو وہ حدیث (دوبارہ) پڑھ کر سنائی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ وھو متکئ: اس حال میں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سہارا لیا ہوا تھا، ثوب قطری: (قاف کے نیچے زیر اور طا ساکن) اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں: ۱۔ یہ ایک یمنی مضبوط چادر تھی، جو روئی سے بنائی جاتی، منقش اور دھاری دار ہوتی۔ ۲۔ یہ ایک عمدہ قسم کا لباس تھا، جو بحرین کے ایک شہر قطر سے لایا جاتا تھا، اسی سے اسے قطری کہا جاتا ہے، اصل میں قاف اور طاء پر زبر تھی (قَطَر) پھر خلاف قیاس قاف کے نیچے زیر اور طاء کو ساکن کر کے پڑھا جانے لگا، قد توشح بہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کو لپیٹا، اوڑھا، أول ما جلس الی: میرے پاس بیٹھتے ہی سب سے پہلی وہ بات، لو کان من کتابک: اگر یہ حدیث آپ کی کتاب سے ہوتی، اس کی جزاء محذوف ہے یعنی: لکان احسن تو بہت اچھا ہوتا کہ اس میں زیادہ اعتماد اور دلی اطمینان ہے، أمله: اس لفظ کو دو طرح پڑھا گیا ہے۔ ۱۔ میم کے نیچے زیر اور لام پر زبر و تشدید یہ املال سے صیغہ امر ہے: آپ اس حدیث کی املاء کرادیں،۔ املہ: ہمزے پر زبر، میم ساکن اور لام کے نیچے زیر، یہ املاء سے ہے: آپ یہ حدیث املاء کرادیں، فقرأت علیہ: پھر میں نے وہ حدیث یحیٰی بن معین کو پڑھ کر سنائی، أملیت: اگر یہ لفظ املال سے ہو تو اصل میں امللت ہوگا، پھر دوسرے لام کو یاء سے بدل دیا گیا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ”ثوب قطری“ کو زیب تن فرمایا

اکثر حضرات کے نزدیک مذکورہ حدیث کا واقعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مرضِ وفات کا ہے، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت فضل بن عباس کے سہارے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں تشریف لائے اور صحابہ کو نماز پڑھائی، اس کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دار فانی سے پردہ فرما گئے،(۱) اس موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ثوب قطری یعنی یمن کا منقش دھاری دار کپڑا اوڑھ رکھا تھا، یا تو اسے کندھوں پر ڈالا ہوا تھا، یا اسے احرام کی طرح اوڑھ رکھا تھا یعنی دایاں کندھا ننگا، اور بائیں کندھے پر چادر تھی۔(۲)

## حضرت یحییٰ بن معین کا علم حدیث میں شوق کا ایک اہم واقعہ

امام ترمذی نے اپنے استاذ حضرت عبد بن حمید سے یہ واقعہ ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ بن معین حضرت محمد بن فضل کے پاس ایک دفعہ حاضر ہوئے، بیٹھتے ہی حضرت محمد بن فضل سے مذکورہ حدیث کے بارے میں دریافت کیا، محمد بن فضل نے جب وہ حدیث زبانی سنانا شروع کی تو یحییٰ بن معین نے کہا کہ آپ مجھے یہ حدیث اپنی کتاب سے املاء کرا دیں تو اچھا ہوگا، یہ فوراً اٹھ پڑے تا کہ اپنے گھر سے وہ کتاب لے کر آئیں، مگر یحییٰ بن معین نے ان کے کپڑے کا کنارہ پکڑ کر کہا کہ پہلے مجھے یہ حدیث سنا دیں، پھر کتاب لینے جائیں، کہیں ایسا نہ ہو کہ میں آپ سے دوبارہ ملاقات ہی نہ کر سکوں، مجھے موت پیش آ جائے، واپس آ کر آپ دوبارہ مجھے اس کتاب سے املاء کرا دیں۔

اس سے حضرت یحییٰ بن معین کا علم حدیث کے ساتھ شوق اور والہانہ لگاؤ ثابت ہوتا ہے، علماء نے لکھا ہے کہ حضرت یحییٰ نے اپنے ہاتھ سے دس لاکھ احادیث لکھی ہیں، تمام علماء کا اتفاق ہے کہ وہ علم جرح و تعدیل میں امام تھے، امام احمد بن حنبل ان کی فضیلت میں فرماتے ہیں: كُلُّ حَدِيْثٍ لَا يَعْرِفُهُ يَحْيىٰ فَلَيْسَ بِحَدِيْثٍ (جس حدیث کو یحییٰ نہ پہچانیں وہ کلام حدیث ہی نہیں) اور فرمایا: السِّمَاعُ مِنْ يَحْيىٰ شِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُوْرِ (یحییٰ سے احادیث کو سننا دلوں کی تسکین کا باعث ہوتا ہے) حضرت یحییٰ بن معین رحمہ اللہ ۱۵۸ھ میں پیدا ہوئے، اور ۲۳۳ھ میں مدینہ منورہ میں ان کی وفات ہوئی، عصام کہتے ہیں کہ یحییٰ کو یہ شرف حاصل ہے کہ مدینہ منورہ میں جب ان کی وفات ہوئی تو انہیں اس چارپائی پر غسل دیا گیا، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیا گیا تھا اور جس چارپائی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل کے بعد رکھا گیا، اسی پر ان کو قبرستان لے جایا گیا۔

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت یحییٰ کا یہ واقعہ یہاں باب اللباس میں اس لیے ذکر کیا ہے کہ حضرت یحییٰ نے حضرت محمد بن فضل سے اسی مذکورہ حدیث کے بارے میں پوچھا تھا، جس میں ثوب قطری کا ذکر ہے، اس لیے بعض لوگوں کا یہ کہنا کہ جب اس

---

(۱) سنن الدار قطنی ۳۸۶/۱ کتاب الصلاۃ، باب الامام یسبق المأمومین ببعض الصلاۃ، رقم الحدیث: ۱۴۸۵

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۳۷/۱

واقعہ کالباسِ رسول سے کوئی تعلق نہیں، تو پھر اسے یہاں کیوں ذکر کیا، درست نہیں ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اسْتَجَدَّ ثَوْبًا، سَمَّاهُ بِاسْمِهِ عِمَامَةً أَوْ قَمِيْصًا أَوْ رِدَاءً، ثُمَّ يَقُوْلُ: اللّٰهُمَّ لَكَ الْحَمْدُ كَمَا كَسَوْتَنِيْهِ، أَسْأَلُكَ خَيْرَهُ وَخَيْرَ مَا صُنِعَ لَهُ، وَأَعُوْذُ بِكَ مِنْ شَرِّهِ وَشَرِّ مَا صُنِعَ لَهُ.(۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو اس کا نام لیتے کہ یہ پگڑی ہے یا کرتہ ہے یا چادر ہے، پھر یہ دعا مانگتے: اے اللہ تمام تعریفیں آپ کے لیے ہی ہیں، آپ نے مجھے یہ کپڑا پہنایا ہے، میں آپ سے اس کپڑے کی بھلائی مانگتا ہوں اور اس چیز کی بھلائی مانگتا ہوں، جس کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا ہے، اور اس کپڑے کی برائی سے، اور اس چیز کے شر سے آپ کی پناہ چاہتا ہوں، جس کے لیے یہ کپڑا بنایا گیا ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** استجد: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیا کپڑا پہنتے، سماہ: اس کپڑے کا نام لیتے کہ مثلاً یہ پگڑی ہے یا کرتہ ہے یا چادر ہے وغیرہ، کما کسوتنیه: اس کاف میں دو احتمال ہیں: ۱۔ یہ کاف یا تو علت اور سبب کے لیے ہے، مطلب یہ ہے: لک الحمد علی کسوتک لی ایاہ (مجھے یہ کپڑا پہنانے پر آپ ہی کا شکر ہے) ۲۔ یہ کاف اختصاص میں تشبیہ کے لیے ہے، یعنی: الحمد مختص بک کاختصاص الکسوۃ (تمام تعریفیں آپ ہی کے لیے مخصوص ہیں، جس طرح آپ نے مجھے خصوصیت سے یہ کپڑا پہنایا ہے) اور کما میں لفظ "ما" مصدر یہ ہے، خیرہ: اس کپڑے کی بھلائی یعنی یہ کپڑا باقی رہے، ما صنع لہ: جس کے لیے اس کپڑے کو بنایا گیا یعنی میں اس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کر سکوں، و شر ما صنع: اور اس چیز کے شر سے جس کے لیے وہ بنایا گیا، میں پناہ مانگتا ہوں کہ میں اس میں آپ کی نافرمانی کروں، تکبر و غرور اور فخر کروں۔

## آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کپڑا پہنتے وقت یہ دعا مانگتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی نیا کپڑا پہنتے تو پہلے اس کا نام لیتے کہ یہ مثلاً کرتا ہے، چادر ہے یا پگڑی ہے وغیرہ اور پھر مذکورہ مسنون دعا مانگتے، اس دعا کا مفہوم یہ ہے کہ میں اللہ جل شانہ کی ہر قسم کی تعریف کرتا ہوں، اس نے مجھے جسم ڈھانپنے کے لیے یہ کپڑا عطا فرمایا ہے، میں اللہ سے اس کپڑے کی بھلائی چاہتا ہوں کہ یہ خراب نہ ہو، ضائع نہ ہو، اور میں اسے نیک مقاصد اور اللہ کی اطاعت والے کاموں میں استعمال کر سکوں، اور اس کے شر سے پناہ مانگتا ہوں کہ یہ کپڑا میرے لیے آرام و سکون کا باعث نہ بنے یا یہ کہ میں اس میں اللہ کی نافرمانی کروں، تکبر و غرور کروں، اور دوسروں پر اپنی بڑائی جتاؤں، ان تمام چیزوں سے میں اللہ کی پناہ مانگتا

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۳۸، المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ، ص: ۱۵۹
(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۲۰۔

ہوں۔(۱) یہ بہت اہم دعا ہے، اس لیے لباس پہنتے وقت اہتمام سے اس دعا کو مانگنا چاہیے، تا کہ اس کی برکات ہمیں حاصل ہو جائیں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ أَحَبُّ الثِّيَابِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُهُ الْحِبَرَةُ.(۲)

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہننے میں تمام کپڑوں میں سب سے زیادہ پسند یمنی دھاری دار چادر تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ احب الثیاب: (صیغہ اسم تفضیل) تمام کپڑوں میں سب سے زیادہ پسند، حبرۃ: (حا کے نیچے زیر اور با پر زبر) روئی کی بنی ہوئی یمنی چادر، جو دھاری دار ہوتی تھی۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی دھاری دار چادر پسند تھی

اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی چادر پسند تھی، جس پر سرخ یا سبز لکیریں تھیں، یعنی دھاری دار چادر، جبکہ اس سے پہلے ایک حدیث میں کرتے کا ذکر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہننے میں وہ بہت پسند تھا، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے؟ شارحین نے اس کی مختلف تاویلیں ذکر کی ہیں، جن میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ پہننے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا بہت پسند تھا اور اوڑھنے میں یمنی چادر پسند تھی کہ یہ ہلکی اور نرم ہوتی تھی، اور جسم میں خوبصورت لگتی تھی۔

۲۔ یہ دونوں چیزیں مختلف اوقات کے اعتبار سے پسند تھیں، ازواج مطہرات کے پاس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کرتا زیادہ پسند تھا اور صحابہ کرام میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب تشریف لاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یمنی چادر اوڑھنا پسند تھا۔

۳۔ بعض حضرات نے یہ کہا کہ عموماً یمنی چادر سبز یا اس پر سبز لکیریں ہوتی تھیں، جو کہ آخرت میں اہل جنت کا لباس ہوگا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ چادر پسند تھی۔(۳)

عَنْ عَوْنِ بْنِ أَبِي جُحَيْفَةَ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ حَمْرَاءُ كَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَرِيقِ سَاقَيْهِ. قَالَ سُفْيَانُ: أُرَاهَا حِبَرَةً.(۴)

حضرت ابو جحیفہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۳۹۔
(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۶۰، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۷۸۸۔
(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۴۰، ۱۴۱
(۴) مسند الامام احمد، رقم الحدیث: ۱۸۷۵۹۔

سرخ جوڑا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں پنڈلیوں کی چمک گویا اب بھی میں دیکھ رہا ہوں، اس حدیث کے ایک راوی سفیان ثوری فرماتے ہیں کہ میرا خیال یہ ہے کہ یہ سرخ جوڑا یمنی دھاری دار کپڑا تھا (بالکل سرخ نہیں تھا)۔

عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: مَا رَأَيْتُ أَحَدًا مِنَ النَّاسِ أَحْسَنَ فِي حُلَّةٍ حَمْرَاءَ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، إِنْ كَانَتْ جُمَّتُهُ لَتَضْرِبُ قَرِيبًا مِنْ مَنْكِبَيْهِ. (۱)

حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ میں نے لوگوں میں سے کسی کو سرخ جوڑے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل اور خوبصورت نہیں دیکھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زلفیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کندھوں کے قریب تک پہنچی ہوئی تھیں۔

عَنْ أَبِي رِمْثَةَ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ بُرْدَانِ أَخْضَرَانِ. (۲)

حضرت ابورمثہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو سبز چادریں اوڑھے ہوئے دیکھا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ حلة: (حاء پر پیش، لام پر زبر اور تشدید) کپڑوں کا نیا سوٹ، جوڑا، پوشاک، بریق: چمک، سفیدی، ساقیه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں پنڈلیاں، أراها: سفیان ثوری کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ وہ سرخ حلہ، اس میں "ھا" ضمیر حلہ حمراء کی طرف لوٹ رہی ہے، جمة: (جیم پر پیش، میم پر زبر اور تشدید) وہ زلفیں جو اس قدر بڑھ جائیں کہ کندھوں تک پہنچ جائیں، بردان اخضران: دو سبز لکیروں والی چادریں، اس سے ان کا پورا سبز ہونا مراد نہیں، کیونکہ "برد" لغت میں دھاری دار چادر کو کہتے ہیں اور "اخضران" سے یہ معلوم ہوا کہ ان پر سبز لکیریں تھیں، مکمل سبز نہیں تھیں۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سرخ لباس

مذکورہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس سے متعلق دو باتیں ذکر کی گئی ہیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرخ لباس پہنا اور اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت ہی خوبصورت لگ رہے تھے، راوی کہتے ہیں کہ اس لباس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں کی سفیدی اور چمک گویا میں اب بھی دیکھ رہا ہوں، یعنی وہ خوبصورت منظر اب بھی میری نظروں کے سامنے ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس "سرخ لباس" سے خالص تیز سرخ کلر مراد نہیں جو عموماً عورتوں کا ہوتا ہے، بلکہ اس "حلہ حمراء" سے وہ کپڑے مراد ہیں، جن میں سرخ لکیریں اور دھاریاں ہوں، یا ہلکے قسم کے سرخ رنگ کا کپڑا مراد ہے، جس کا استعمال مردوں کے لیے بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔

---

(۱) الصحیح للبخاری، رقم الحدیث: ۵۹۰۱، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۷۲۴۔

(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۶۵۔

۲۔ آپ ﷺ نے کبھی ایسی چادریں اور کپڑے بھی پہنے ہیں، جن پر سبز لکیریں تھیں، یا ان کا رنگ ہلکا سبز تھا، اس طرح کا لباس مردوں کے لیے درست ہے۔(۱)

## مردوں کے لیے سرخ رنگ کے کپڑے استعمال کرنے کا حکم

مردوں کے لیے سرخ رنگ کا کپڑا پہننا جائز ہے یا نہیں؟ اس بارے میں دونوں قسم کی روایات نبی کریم ﷺ سے منقول ہیں، بعض سے جواز اور بعض روایات سے عدم جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ ترمذی کی مذکورہ دو روایات سے بھی جواز معلوم ہوتا ہے، کہ خود نبی کریم ﷺ نے سرخ کپڑے پہنے ہوئے تھے، اور جن روایات میں ممانعت یا کراہت کا ذکر ہے، ان میں سے چند روایات یہ ہیں:

۱۔ سنن ابی داؤد اور سنن ترمذی میں حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس سے ایک شخص گزرا، جس نے دو سرخ کپڑے پہن رکھے تھے، اس نے آپ ﷺ کو سلام کیا، مگر آپ ﷺ نے اسے سلام کا جواب نہیں دیا۔

۲۔ نبی کریم ﷺ نے مردوں کو ثوب معصفر یعنی کسم پودے سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے، کیونکہ کسم کا رنگ عموماً سرخ ہوتا ہے، عصفر ایک خاص قسم کے زرد رنگ کا پودا ہے، جس کو پانی میں ڈال کر کپڑوں کو رنگ کیا جاتا ہے، عربوں میں اس کا بہت رواج تھا، اردو میں عصفر کو ''کسم'' (کاف پر پیش کے ساتھ) کہتے ہیں۔

باقی تمام فقہاء کرام نے تو جواز کی روایات کی بنیاد پر فرمایا ہے کہ سرخ رنگ کا لباس مردوں کے لیے علی الاطلاق جائز ہے، اور احناف کے ہاں اس سلسلے میں مختلف اقوال ہیں، مگر احناف کے نزدیک ممانعت اور کراہت والی روایات کی روشنی میں راجح قول یہ ہے کہ یہ مکروہ تنزیہی ہے، یہ تفصیل گہرے سرخ رنگ کے لباس سے متعلق ہے، البتہ ہلکے سرخ رنگ کا کپڑا یا ایسا کپڑا، جس میں سرخ دھاریاں اور لکیریں ہوں، مردوں کے لیے اس طرح کا لباس بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، چنانچہ ترمذی کی مذکورہ دونوں روایتوں میں اسی طرح کے لباس کا ذکر ہے، اور مردوں کے لیے سرخ رنگ کی ٹوپی بالاتفاق جائز ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں۔(۲)

عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ قَالَتْ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَلَيْهِ أَسْمَالُ مُلَيَّتَيْنِ كَانَتَا بِزَعْفَرَانٍ وَقَدْ نَفَضَتْهُ. وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ.(۳)

حضرت قیلہ بنت مخرمہ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اس حال میں دیکھا کہ آپ ﷺ نے دو چھوٹے

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل لملا علی القاری، مع شرح المناوی ۱/۱۴۱

(۲) اعلاء السنن ۳۵۵/۱۷، کتاب الحظر والاباحۃ باب کراھۃ لبس الثوب للمعصفر للرجال دون النساء، تکملۃ فتح الملہم ۵۵۳/۴، کتاب الفضائل، باب فی صفۃ شعر النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۶۰۱۹، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۴۱، ردالمحتار ۳۵۸/۶۔

(۳) سنن الترمذی، کتاب الأدب، رقم الحدیث: ۲۸۱۵، جامع الاصول فی احادیث الرسول، رقم الحدیث: ۸۳۱۵۔

پرانے کپڑے پہن رکھے تھے، جو زعفران سے رنگے ہوئے تھے، مگران کا رنگ اڑ گیا تھا یا پھیکا پڑ گیا تھا، اور حدیث میں ایک طویل قصہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أسمال: سمل کی جمع ہے: پرانے کپڑے، یہاں اس لفظِ جمع سے دو کپڑے مراد ہیں، کیونکہ اس کا مضاف الیہ ملیتین تثنیہ ہے، اور لفظ اسمال کی ملیتین کی طرف اضافت بیانیہ ہے، ملیتین: ملیة (میم پر پیش، لام پر زبر اور یا پر زبر وتشدید) کا تثنیہ ہے، اور ملیہ تصغیر ہے ملاءة (میم پر پیش اور ہمزے پر مد کے ساتھ) کی، الف کو حذف کرکے، اور اس کے معنی ہیں: تہ بند، چادر، ازار، کانتا بزعفران: اصل عبارت یوں ہے، کانتا مصبوغتین بزعفران: وہ دونوں کپڑے زعفران سے رنگے ہوئے تھے، قد نفضته: اس میں فعل کی "ھی" ضمیر فاعل اسمال کی طرف اور "ہ" ضمیر زعفران کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہیں: ان کپڑوں نے زعفران کے رنگ کو چھوڑ دیا یعنی ان کا زعفرانی رنگ اڑ گیا، یا مدہم اور پھیکا پڑ گیا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس عموماً سادہ ہوتا

مذکورہ حدیث کی روشنی میں درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لباس عموماً معمولی اور سادہ ہوتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم عجز وانکساری اور تواضع کی وجہ سے ایسا لباس پسند فرماتے تھے، مگر بسا اوقات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مہمانوں کی آمد وغیرہ کے مواقع پر عمدہ اور شاندار لباس بھی پہنا کرتے تھے، لیکن یہ کبھی کبھار ہوتا، ورنہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا عام لباس سادہ ہی ہوتا تھا چنانچہ مستدرک حاکم میں حضرت انس کی روایت ہے کہ ذی یزن کے بادشاہ نے ایک عمدہ لباس نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدیہ دیا جسے تینتیس اونٹ اور اونٹنیوں سے خریدا گیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ ہدیہ قبول کر کے ایک مرتبہ اسے پہنا۔(۱) اور زید بن جدعان سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کپڑوں کا ایک جوڑا ستائیس اونٹنیوں کے بدلے میں خریدا۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ تواضع کی وجہ سے سادے لباس کا استعمال جائز ہے اور تحدیث نعمت کے طور پر کبھی عمدہ لباس بھی پہننا چاہیے تاکہ عملاً اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر کا اظہار ہو جائے۔

۲۔ یہ ذہن میں رہے کہ سادے لباس کا استعمال اگر محض تواضع کی وجہ سے ہو، تب تو وہ پسندیدہ ہے، پیش نظر اگر یہ ہو کہ لوگ مجھے نیک اور بزرگ سمجھیں، یا شکستہ حالت سے لوگوں کو یہ تاثر دینا ہو کہ میں فقیر ومحتاج ہوں، جبکہ حقیقت میں وہ فقیر ومحتاج ہے نہیں، تو پھر ایسے بندے کے لیے سادہ لباس کا پہننا درست نہیں ہے، جیسا کہ اگر کوئی شخص عمدہ لباس تکبر وغرور، ریاکاری اور مالداری کو ظاہر کرنے کی نیت سے پہنتا ہے تو یہ اس کے لیے جائز نہیں ہے، عمدہ لباس صرف اس نیت سے پہننا چاہیے کہ اللہ نے جو

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین ۱۱۲/۵، رقم الحدیث: ۷۵۴۴، کتاب اللباس، ط: دار الفکر بیروت۔

(۲) مسند ابن الجعد ۴۵۵/۱، رقم الحدیث: ۳۱۰۸ (الشاملة)

مجھے نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، جو اس نے مجھے اچھی حالت میں رکھا ہوا ہے، میں اس کے شکر کے اظہار کے لیے یہ لباس پہن رہا ہوں، یہ اس کا فضل وکرم اور احسان ہے ورنہ میں تو اس قابل نہیں تھا۔

اور جب کسی دینی مصلحت کا تقاضا ہو مثلاً کسی نے عمدہ لباس ہدیہ میں دیا، اب یہ اس کی دلجوئی کے لیے پہن رہا ہے، یا ایسا کوئی اہم موقع اور پروگرام ہے، جس میں عمدہ لباس پہننے سے انسان کے وقار میں اضافہ ہو، نہ پہننے سے اس کی عزت مجروح ہو جائے، تو ایسی صورت میں عمدہ لباس پہننا ہی افضل اور مستحب ہوتا ہے۔

۳۔ مردوں کو زعفران سے رنگے ہوئے کپڑے پہننے سے منع کیا گیا ہے، اس لیے اس حدیث کے آخر میں وقید نفضته سے واضح کر دیا گیا کہ زعفران کے رنگ کا اثر ان کپڑوں پر باقی نہیں رہا تھا، وہ رنگ بالکل اڑ گیا تھا، یا وہ انتہائی مدہم، کمزور اور پھیکا پڑ گیا تھا، اس طرح کا کپڑا مرد بھی پہن سکتے ہیں۔(۱)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حضرت قیلہ بنت مخرمہ کی حاضری

اس حدیث میں ایک طویل واقعہ کا ذکر ہے، لیکن اس قصہ کا تعلق چونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس سے نہیں تھا، اس لیے امام ترمذی رحمہ اللہ نے اختصار کے پیش نظر اسے یہاں ذکر نہیں کیا، امام طبرانی نے معجم کبیر میں اور حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے الاصابۃ میں حضرت قیلہ بنت مخرمہ کے حالات میں اس واقعہ کو تفصیلاً ذکر کیا ہے۔

اس واقعہ میں حضرت قیلہ بنت مخرمہ کی مدینہ کی طرف ہجرت کا ذکر ہے، فجر کی نماز کے بعد یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں، مگر حضرت قیلہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچانتی نہیں تھیں، اسی دوران ایک شخص آئے، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سلام کا جواب دیا، تب حضرت قیلہ کو پتہ چلا کہ یہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر دو بوسیدہ پرانے کپڑے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی عاجزانہ انداز سے بیٹھے ہوئے تھے، حضرت قیلہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس نشست میں دیکھا تو ان پر خوف کی وجہ سے کپکپی طاری ہو گئی، ایک صحابی نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا کہ یہ مسکینہ تو ڈر گئی ہے، اس پر لرزہ طاری ہے، فرماتی ہیں کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پشت کے پیچھے تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہاتھ سے اشارہ کر کے فرمایا کہ: يَا مِسْكِينَةُ عَلَيْكِ السَّكِينَةُ (اے مسکینہ، تجھ پر سکون سے رہنا لازم ہے)، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جیسے ہی ارشاد فرمایا تو اس کی برکت سے ان پر سے خوف کی کیفیت ختم ہو گئی، اور ایک روایت میں ہے کہ خوف کی کیفیت اس سلام کرنے والے صحابی پر طاری ہو گئی اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا کہ: علیک السکینۃ، تب ان سے وہ خوف ختم ہوا۔(۲)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۴۵/۱

(۲) المعجم الکبیر للطبرانی ۷/۲۵، قیلۃ بنت مخرمۃ العنبریۃ رقم الحدیث: ۲۱۱۱۶، ط: مکتبۃ العلوم والحکم، موصل، الاصابۃ ۲۸۸/۸، کتاب النساء، حرف القاف، رقم الترجمۃ: ۱۱۶۵۸، شرح المناوی، مع جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱۴۶/۱

اس حدیث کا کچھ حصہ امام ترمذی نے باب ماجاء فی جلسۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں ذکر کیا ہے، اس سے متعلق بقیہ کلام وہیں پر دیکھ لیا جائے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ بِالْبَيَاضِ مِنَ الثِّيَابِ لِيَلْبِسْهَا أَحْيَاؤُكُمْ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ، فَإِنَّهَا مِنْ خَيْرِ ثِيَابِكُمْ.(۱)

حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم پر سفید کپڑے پہننا لازم ہے، چاہیے کہ تمہارے زندے سفید لباس ہی پہنا کریں، اور تم لوگ اپنے مردوں کو سفید کپڑوں میں ہی کفن دیا کرو، کیونکہ وہ تمہارے کپڑوں میں سب سے بہتر کپڑے ہیں۔

عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اِلْبَسُوا الْبَيَاضَ؛ فَإِنَّهَا أَطْهَرُ وَأَطْيَبُ، وَكَفِّنُوا فِيهَا مَوْتَاكُمْ.(۲)

حضرت سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سفید کپڑے پہنا کرو، کیونکہ وہ زیادہ پاکیزہ اور زیادہ صاف ستھرے ہوتے ہیں، اور سفید کپڑوں میں ہی اپنے مردوں کو کفنایا کرو۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** علیکم: اسم فعل ہے جو "الزموا" کے معنی میں ہے: تم لازم پکڑو، تم پر لازم ہے۔ البیاض: سفیدی، اس سے الثیاب البیض مراد ہے یعنی سفید کپڑے، سفید لباس۔ أحیاء: حی کی جمع ہے: زندہ لوگ۔ اطھر: زیادہ پاکیزہ۔ اطیب: زیادہ صاف ستھرا، بہت اچھا۔

## سفید لباس پہننے کی ترغیب

ان احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مسلمانوں کو سفید لباس پہننے کی ترغیب دی ہے، کہ یہ بہترین لباس ہے، زیادہ پاکیزہ، عمدہ اور صاف ستھرا ہوتا ہے، اس پر اگر کوئی گندگی لگ جائے تو فوراً نظر آجاتی ہے، اور پھر اسے دھو لیا جاتا ہے، جبکہ رنگین کپڑے پر گندگی فوراً نظر نہیں آتی، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زندہ لوگ بھی حتی الامکان یہی لباس پہنا کریں اور مرنے کے بعد اپنے مردوں کو بھی اس میں کفنایا کریں۔

مذکورہ احادیث میں اگرچہ سفید لباس پہننے کی ترغیب کا ذکر ہے، لیکن امام ترمذی نے یہاں ایسی کوئی حدیث ذکر نہیں کی، جس میں اس بات کی تصریح ہو کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سفید لباس پہنا کرتے تھے، حالانکہ اس باب کا تقاضا یہی تھا کہ ایسی احادیث ذکر کی جائیں، اس لیے شارحین حدیث نے اس بارے میں دو باتیں ذکر کی ہیں:

(۱) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۰۶۱۔
(۲) سنن الترمذی، الاستئذان، رقم الحدیث: ۲۸۱۰۔

۞ مسلمانوں کو سفید لباس کی ترغیب سے ضمناً خود بخود یہ ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سفید لباس پہنا کرتے تھے، اس لیے ان احادیث کو اس باب سے مناسبت ہے۔(۱)

۞ صحیحین میں حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ ﷺ نے سفید کپڑے پہن رکھے تھے۔(۲)

اس سے واضح طور پر یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ سفید لباس پہنا کرتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ غَدَاةٍ، وَعَلَيْهِ مِرْطٌ مِنْ شَعْرٍ أَسْوَدَ.(۳)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ صبح کے وقت گھر سے باہر تشریف لائے، تو آپ ﷺ کے بدن پر بالوں کی ایک سیاہ چادر تھی (یا سیاہ بالوں کی ایک چادر تھی)

عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَبِسَ جُبَّةً رُومِيَّةً ضَيِّقَةَ الْكُمَّيْنِ.(۴)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (دوران سفر) ایک رومی جبہ پہنا، جس کی آستینیں تنگ تھیں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ذات غداة: صبح کے وقت، ایک صبح، اس میں لفظ ''ذات'' زائد ہے، اس کے کوئی معنی نہیں، مرط: (میم کے نیچے زیر اور را ساکن) اون، یا ریشم کے بالوں سے بنی ہوئی کشادہ اور لمبی چادر، جو عموماً کرتے کی جگہ اوڑھی جاتی ہے، مرط من شعر اسود: اس میں لفظ ''اسود'' پر دو طرح کا اعراب پڑھا جا سکتا ہے: ا۔ اسود کو مجرور پڑھیں تو یہ لفظ شعر کی صفت ہوگا، ترجمہ: کالے بالوں کی ایک چادر۔ ۲۔ لفظ اسود مرفوع پڑھا جائے، اس صورت میں یہ ''مرط'' کی صفت ہوگا، ترجمہ: بالوں کی سیاہ چادر، جبة: (جیم پر پیش اور باء پر زبر و تشدید) چوغہ، قبا، جس کی آستینیں عموماً ذرا کھلی ہوتی ہیں، یہ اون سے بنایا جاتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ اس زمانے میں جبہ دو کپڑوں سے تیار کیا جاتا تھا، ان کے درمیان روئی ڈال کر سلائی کی جاتی تھی، تاکہ سردی نہ لگے، اسی سے عربی میں یہ مقولہ ہے: جُبَّةُ الْبَرْدِ جُنَّةُ الْبَرْدِ (سردی کا جبہ، سردی کی ڈھال ہوتا ہے۔) ضيقة الكمين: دونوں آستینیں تنگ تھیں۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۴۹

(۲) الصحیح للبخاری ۲/۴۶۷، کتاب اللباس، باب الثیاب البیض، رقم الحدیث: ۵۸۲۷، ط: بیروت

(۳) الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۲۷۸۱۔

(۴) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحدیث: ۱۷۶۸۔ی

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا رومی یعنی شامی جبہ

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سیاہ بالوں کی چادر اوڑھ کر گھر سے باہر تشریف لائے، اس سے معلوم ہوا کہ اس طرح کی بڑی چادر، جس سے بدن اچھی طرح ڈھک جائے، کرتے کی جگہ اوڑھی جاسکتی ہے۔

۲۔ دوسری روایت کا واقعہ غزوہ تبوک میں پیش آیا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جبہ کی آستینیں تنگ تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اندر سے ہاتھ نکال کر طہارت حاصل کی تھی، عام طور پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جبہ کی آستینیں کشادہ ہوتی تھیں، اس زمانے میں یہی عرف تھا، مگر سفر کے دوران بسا اوقات تنگ آستینوں والے جبہ کو پہنا جاتا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس موقع پر تنگ آستینوں والا جبہ پہنا، یا یہ کہ اتفاقاً ایسا چوغہ پہنا، جس کی آستینیں تنگ تھیں، یہ انسان کی اپنی مرضی پر ہے، شرعاً اس میں کوئی پابندی نہیں ہے۔

۳۔ ترمذی کی اس روایت میں ''رومی جبہ'' کا ذکر ہے، جبکہ صحیح بخاری اور مسلم وغیرہ کی اکثر صحیح روایات میں ''شامی جبہ'' کا ذکر ہے، بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہے، شارحین نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

- اس زمانے میں اصل حکومت روم کی تھی، شام اس کے ماتحت تھا، اس لیے اس جبہ کو رومی اور شامی دونوں کہا جاسکتا ہے ان میں تعارض نہیں، لہذا بعض روایتوں میں جبہ رومیہ اور اکثر روایات میں جبہ شامیہ کے الفاظ ہیں۔
- یہ بھی ممکن ہے کہ سلائی کے اعتبار سے جبہ کی نسبت ایک جگہ کی طرف اور ڈیزائن کے عرف کے لحاظ سے دوسری جگہ کی طرف نسبت کی گئی ہو، اس لیے دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔

۴۔ دوسری روایت سے معلوم ہوا کہ کفار جو چیزیں بناتے ہیں مثلاً کپڑے اور جوتے وغیرہ وہ ناپاک نہیں ہوتیں جب تک کہ کسی دلیل سے ان کا ناپاک ہونا ثابت نہ ہو جائے، اس لیے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں روم میں عیسائی کافروں کی حکومت تھی، وہاں کے کپڑے سے بنا ہوا جبہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہن لیا تھا، البتہ اگر کسی دلیل سے ان کا ناپاک ہونا ثابت ہو جائے تو پھر وہ چیز ناپاک ہوگی۔(۱)

## لباس کے بارے میں شرعی اصول

اسلام نے مسلمانوں پر کوئی مخصوص لباس پہننا لازم نہیں کیا کہ جس کی خلاف ورزی ناجائز اور حرام ہو، اس کے بجائے لباس کے بارے میں کچھ شرعی اصول بتادیئے ہیں، جن کا لحاظ رکھنا لازم ہے، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ وہ لباس ایسا ہو، جس سے انسان کا ستر اچھی طرح چھپ جائے، چنانچہ قرآن مجید میں اللہ تعالی فرماتے ہیں: ''یَا بَنِیْ اٰدَمَ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۵۰/۱، ۱۵۱۔

قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَیْکُمْ لِبَاسًا یُّوَارِیْ سَوْاٰتِکُمْ وَرِیْشًا"۔ (ترجمہ: اے اولاد آدم: ہم نے تمہارے لیے لباس پیدا کیا جو تمہارے ستر کو بھی چھپاتا ہے، اور موجب زینت بھی ہے)

لہٰذا مرد کا لباس ایسا ہو جس سے کم از کم اس کی ناف سے لے کر گھٹنے تک کا حصہ صحیح طرح چھپ جائے، اور عورت کا پورا جسم ستر ہے، اسے ڈھانپنا ضروری ہے، سوائے چہرے، ہتھیلیوں اور پاؤں کے، اس لیے عورت کا لباس ایسا ہو جس سے اس کا جسم اچھی طرح چھپ جائے، ایسا لباس پہننا جائز نہیں، جو انتہائی تنگ اور چست ہو یا اتنا باریک اور پتلا ہو کہ جس سے جسم کے اعضاء اور ان کے خدوخال محسوس ہوں، کیونکہ اس سے لباس کا اصل مقصد ہی فوت ہو جاتا ہے جیسے آج کل مسلم معاشرہ میں بعض خواتین کے مختلف قسم کے کپڑے اسی طرح ہوتے ہیں، جس سے ان کا جسم چھپنے کے بجائے مزید کشش کا باعث ہوتا ہے، اسی طرح بہت سے برقع اس طرح رائج ہیں جو انتہائی چست اور فیشن والے ہوتے ہیں، ان سے پردے کا مقصد حاصل نہیں ہوتا، لہٰذا اس طرح تنگ لباس اور چست برقعے کا استعمال مسلمان خواتین کے لیے درست نہیں ہے۔

۲۔ لباس ایسا ہونا چاہیے جو انسان کے جسم کے مناسب ہو اور اسے خوبصورت لگے، اس کے لیے زیب وزینت کا باعث ہو، انتہائی خراب اور گھٹیا لباس جس سے لوگوں کے سامنے اس کی عزت مجروح ہو جائے اور لوگوں کی نظر میں اس کا مقام گر جائے، پہننا جائز نہیں، ایک صحابی کے جسم پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسا لباس دیکھا جو ان کی شان کے مناسب نہیں تھا، حالانکہ وہ صاحب حیثیت تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں فرمایا: اِذَا کَانَ لَکَ مَالٌ فَلْیُرَ عَلَیْکَ (جب آپ کے پاس مال موجود ہے تو آپ کے جسم پر اس کا اثر دکھائی دینا چاہیے)، ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّ اللّٰہَ یُحِبُّ اَنْ یَّرٰی اَثَرَ نِعْمَتِہٖ عَلٰی عَبْدِہٖ (اللہ تعالیٰ کو یہ بات پسند ہے کہ اپنے بندے پر نعمت کے اثرات دیکھے) لہٰذا اپنی مالی حیثیت کے لحاظ سے انسان کو اسی طرح کا عمدہ لباس پہننا چاہیے، تاکہ اللہ تعالیٰ کی نعمت کے شکر کا اظہار ہو۔

۳۔ مردوں کا لباس عورتوں کے لباس کی طرح اور عورتوں کا لباس مردوں کے لباس کی طرح نہ ہو، لہٰذا اگر مرد کا لباس عورت کے لباس کے مشابہ ہو یا عورت کا لباس مرد کے لباس کے مشابہ ہو تو یہ جائز نہیں، اس سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے۔

۴۔ مردوں کی شلوار، تہبند اور پینٹ ٹخنوں سے نیچے نہ ہو، اور عورت کے ٹخنے لباس میں چھپے ہونے چاہئیں۔

۵۔ لباس میں اسراف اور تکبر کا اظہار مقصود نہ ہو، اگر کسی نے تکبر کی نیت سے عمدہ لباس پہنا، تاکہ لوگوں کی نظروں میں وہ بڑا بن جائے، تو یہ ناجائز ہے، تکبر کی نیت کے بغیر اپنی حیثیت کے بقدر زیادہ قیمتی، مہنگا اور عمدہ لباس پہننا، تاکہ اللہ کی نعمت کا شکر ادا ہو جائے، جائز ہے بلکہ افضل اور مستحب ہے۔

۶۔ اس لباس کے ذریعہ کافروں کی مشابہت کا قصد نہ ہو، تشبیہ بالکفار کا مطلب یہ ہے کہ قصد اور ارادہ کر کے ایسا لباس پہننا تاکہ میں اس میں کافروں جیسا نظر آؤں، یہ ناجائز اور حرام ہے، لیکن اگر اس لباس سے کافروں کے ساتھ مشابہت کا قصد نہ ہو، مگر اس کے باوجود وہ اس لباس میں کافروں کی طرح نظر آتا ہے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، یہ جائز ہے، جبکہ لباس شرعی اصولوں کے

مطابق ہو۔

۷۔ دنیا میں مردوں کے لیے ریشم کا لباس حرام اور خواتین کے لیے جائز ہے، البتہ خارش، جوؤں یا بیماری اور دشمن کے حملے سے بچنے کی غرض سے مکس ریشم پہنا جائے تو حنفیہ کے نزدیک یہ جائز ہے۔(۱)

## کوٹ پتلون پہننے کا حکم

اگر کوٹ پتلون چست نہ ہو، ڈھیلی ہو، ستر کے اعضاء کی ہیئت اس میں ظاہر نہ ہو اور ٹخنے سے اوپر ہو تو اس کا پہننا مرد کے لیے جائز ہے، لیکن اگر وہ اس قدر چست اور تنگ ہو کہ جسم کے ستر کے اعضاء اس میں نمایاں ہو رہے ہوں تو پھر چونکہ لباس کا اصلی مقصد ہی اس سے حاصل نہیں ہو رہا، ایسی صورت میں اس کا پہننا جائز نہیں۔

کوٹ پتلون اصلاً تو انگریز کا لباس تھا، مگر اس کا استعمال اور رواج دنیا بھر میں اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اب اس میں انگریزوں کے ساتھ مشابہت کی شان مغلوب ہو گئی ہے، اس لیے تشبیہ کی وجہ سے کوٹ پتلون کو علی الاطلاق حرام نہیں کہا جا سکتا، بشرطیکہ اس میں شریعت نے لباس کے جو اصول بیان فرمائے ہیں، وہ اس میں پائے جائیں، لیکن چونکہ اس کے پہننے سے انگریزوں کے ساتھ کسی قدر مشابہت ہو جاتی ہے، اس لیے بلا ضرورت اس کا پہننا پسندیدہ نہیں، لہذا اس سے حتی الامکان پرہیز ہی کرنا چاہیے، البتہ اگر کوئی شخص ملازمت کی مجبوری کی وجہ سے پہنتا ہے، اور دل میں اسے اچھا نہیں سمجھتا تو پھر امید ہے کہ ان شاء اللہ کراہت بھی نہیں ہوگی بشرطیکہ وہ چست نہ ہو۔(۲)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي عَيْشِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور گذر بسر کا بیان ہے

## امام ترمذی نے اس باب کو دو جگہ کیوں ذکر کیا

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ باب شمائل میں دو جگہ ذکر کیا ہے، ایک یہ ہے اور دوسرا اس کتاب کے آخر میں یہی باب دوبارہ ذکر کیا ہے، اس میں زیادہ احادیث ہیں، جبکہ یہاں اس باب میں صرف دو حدیثیں ذکر کی ہیں، بعض لوگوں نے دونوں ابواب ایک ساتھ جمع کر کے لکھ دیئے ہیں، مگر چونکہ اکثر نسخوں میں اس باب کو دو مرتبہ ذکر کیا گیا ہے، اس لیے شارحین حدیث نے اس کی تین

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۸۷/۴، کتاب اللباس والزینة، البحر الرائق ۱۸/۲، کتاب الصلاة، باب ما یفسد الصلاة و ما یکره فیها، الفتاوی الهندیة ۴۰۸/۵، کتاب الکراهیة، الباب التاسع فی اللبس ما یکره من ذلک و ما لا یکره۔

(۲) تقریر ترمذی ۳۳۲/۲، ابواب اللباس باب ما جاء فی لبس الحریر فی الحرب۔

وجہیں لکھی ہیں:

۱۔ اس باب کی احادیث سے امام ترمذی یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی اور گذر بسر میں انتہائی تنگی تھی، بسا اوقات کھانے کی اتنی چیز بھی نہ ہوتی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اصحاب صفہ کو کھلا دیں، حضرت ابو ہریرہؓ شدتِ بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہوجاتے اور دوسرے باب میں ان چیزوں کو بیان کیا گیا ہے جن کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تنگی کے زمانے میں استعمال کیا ہے، یا انہیں کھایا ہے۔

۲۔ اس باب سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرح بعض صحابہ کرام کی زندگی میں بھی انتہائی تنگی تھی، اور دوسرے باب میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور اہل بیت کی تنگدستی کو بیان کیا گیا ہے۔

۳۔ امام ترمذی رحمہ اللہ دو باب قائم کرکے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ابتدائی زندگی میں بھی فقر وفاقہ اور تنگی تھی، اور آخری زندگی میں بھی تنگی رہی، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اختیار سے فقر وفاقہ اور تنگدستی کی حالت کو اختیار کیا تھا۔(۱)

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ سِيرِينَ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي هُرَيْرَةَ، وَعَلَيْهِ ثَوْبَانِ مُمَشَّقَانِ مِنْ كَتَّانٍ فَتَمَخَّطَ فِي أَحَدِهِمَا، فَقَالَ: بَخٍ بَخٍ يَتَمَخَّطُ أَبُو هُرَيْرَةَ فِي الْكَتَّانِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَأَخِرُّ فِيمَا بَيْنَ مِنْبَرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَحُجْرَةِ عَائِشَةَ مَغْشِيًّا عَلَيَّ، فَيَجِيءُ الْجَائِي، فَيَضَعُ رِجْلَهُ عَلَى عُنُقِي، يُرَى أَنَّ بِي جُنُونًا، وَمَا بِي جُنُونٌ، وَمَا هُوَ إِلَّا الْجُوعُ.(۲)

ترجمہ: محمد بن سیرین فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ حضرت ابو ہریرہؓ کے پاس تھے، ان کے جسم پر دو کپڑے تھے، جو سرخ مٹی یعنی گیرو سے رنگے ہوئے تھے، ان میں سے ایک کپڑے سے حضرت ابو ہریرہؓ نے ناک صاف کی، پھر کہنے لگے: واہ واہ آج ابو ہریرہ کتان کے کپڑے سے ناک صاف کر رہا ہے، تحقیق میں نے اپنے آپ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منبر اور حجرہ عائشہ کے درمیان بھوک کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑتا، بس آنے والا آتا اور میری گردن پر اپنا پاؤں رکھتا، یہ سمجھ کر کہ مجھے جنون ہے، حالانکہ مجھے کوئی جنون نہ ہوتا تھا، اور میری یہ کیفیت صرف بھوک کی وجہ سے ہوتی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ علیہ ثوبان: حضرت ابو ہریرہؓ کے جسم پر دو کپڑے تھے، ممشقان: (پہلی میم پر پیش اور دوسری میم پر زبر، شین پر زبر اور تشدید) وہ دونوں کپڑے گیرو سے رنگے ہوئے تھے، بخ بخ: (خا کے سکون اور تنوین کے ساتھ) واہ، واہ، شاباش، یہ الفاظ خوشی اور تعجب کے موقع پر استعمال کیے جاتے ہیں، تمخط: ابو ہریرہؓ نے ناک صاف کی، کتان: (کاف پر زبر اور تا پر زبر و تشدید) ''سن'' پودے کا ریشہ جس سے کپڑا بنا جاتا ہے، ایک عمدہ معتدل کپڑا، جو ہر موسم میں پہنا جا سکتا ہے، اور جسم

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل لملا علی القاری مع شرح المناوی ۱۵۲/۱

(۲) سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۶۸۔

کے ساتھ چپکتا بھی نہیں، لأخِر: (ہمزے پر زبر، خا کے نیچے زیر اور را پر پیش وتشدید) (صیغہ متکلم) میں گر پڑتا، مغشیا علی: مجھ پر بے ہوشی طاری ہوجاتی، یری أنّ بی: (صیغہ مجہول) میرے بارے میں یہ سمجھا جاتا۔

## بسا اوقات نبی کریم ﷺ کے پاس اصحاب صفہ کو کھلانے کے لیے بھی کچھ نہ ہوتا

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

- اگر اللہ جل جلالہ کسی کو تنگدستی کے بعد خوشحالی عطا فرما دیں، تو فقر و فاقہ کا گذشتہ زمانہ بھولنا نہیں چاہیے، بلکہ اسے یاد کر کے اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرنا چاہیے، چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ بعد میں جب گورنر بنے، دنیاوی نعمتیں انہیں میسر ہوئیں، تو اچھے کپڑے پہنا کرتے تھے، ایک دن کتان کے اعلیٰ قسم کے کپڑے سے ناک صاف کر کے اپنے آپ سے کہنے لگے: واہ واہ آج ابو ہریرہ اس قدر عمدہ کپڑے سے ناک صاف کر رہا ہے، ایک وہ وقت بھی تھا کہ میرے پاس کھانے کے لیے کچھ نہ تھا، بھوک کی وجہ سے مجھے بے ہوشی کے دورے پڑتے تھے، جبکہ لوگ یہ سمجھتے کہ میں دیوانہ ہو گیا ہوں، لہذا علاج کے طور پر وہ میری گردن پر پاؤں رکھتے، تا کہ میں صحیح ہو جاؤں، اس زمانے میں جو شخص پاگل ہو جاتا تو اس کے علاج کے لیے اس کی گردن پر پاؤں رکھا جاتا تھا، چنانچہ مجھے بھی مجنون سمجھا جاتا اور گردن پر پاؤں رکھ کر علاج کیا جاتا، جبکہ حقیقت میں مجھے کوئی جنون وغیرہ نہ ہوتا تھا، صرف بھوک کی وجہ سے میں بے ہوش ہو جاتا تھا۔
- امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کو نبی کریم ﷺ کے حالات میں ذکر کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ پر بسا اوقات اس قدر تنگ حالات آجاتے کہ گھر میں کھانے کی کوئی چیز نہ ہوتی، اتنا بھی کھانا نہ ہوتا کہ اصحاب صفہ کو آپ ﷺ کھلا دیں، کیونکہ اصحاب صفہ نبی کریم ﷺ کے مہمان شمار ہوتے تھے، آپ ﷺ انہیں ہر وہ چیز کھلا دیتے، جو آپ ﷺ کے پاس موجود ہوتی، اس سے نبی کریم ﷺ کی معاشی تنگی ثابت ہوتی ہے، اسی کو امام ترمذی نے اس باب میں بیان کیا ہے۔(۱)

عَنْ مَالِكِ بْنِ دِينَارٍ قَالَ: مَاشَبِعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزٍ قَطُّ وَلَا لَحْمٍ، إِلَّا عَلَى ضَفَفٍ. قَالَ مَالِكٌ: سَأَلْتُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ: مَا الضَّفَفُ؟ قَالَ: أَنْ يَتَنَاوَلَ مَعَ النَّاسِ.

ترجمہ: مالک بن دینار فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نہ کبھی روٹی سے اور نہ گوشت سے شکم سیر ہوئے، مگر حالت ضفف پر، مالک بن دینار کہتے ہیں کہ میں نے ایک دیہاتی سے "ضفف" کے معنی پوچھے، تو اس نے بتایا کہ جب آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ اجتماعی شکل میں کھاتے (تو ذرا سیراب ہو کر کھاتے)۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۵۴

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا

حضرت عبداللہ بن دینار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی پیٹ بھر کر نہیں کھایا، نہ روٹی سے اور نہ ہی گوشت سے، البتہ اگر مہمانوں کے ساتھ یا عقیقہ اور ولیمہ وغیرہ کی دعوت میں اجتماعی شکل میں لوگوں کے ساتھ کھاتے تو ان لوگوں کی دلجوئی کی وجہ سے ذرا زیادہ تناول فرما لیتے مگر پھر بھی پیٹ بھر کر نہ کھاتے۔(۱)

اس سے دراصل امت کو یہ درس دینا مقصود ہے کہ وہ کھانے میں اعتدال کا راستہ اختیار کریں، شکم سیر ہو کر کھانے سے اجتناب کیا جائے کیونکہ اس سے غفلت وسستی اور اعمال میں کمزوری پیدا ہو جاتی ہے، اور صحت کے لیے بھی یہ نقصان دہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں سنتوں پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

## بَابُ مَا جَاءَ فِي خُفِّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے موزوں کا ذکر ہے

## موزے سے متعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو معجزے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چند قسم کے چمڑے کے موزے استعمال فرمائے ہیں، موزے کے آداب میں سے ایک یہ ہے کہ پہلے دایاں موزہ پہنا جائے، اور دوسرا ادب خاص طور پر یہ ہے کہ موزے کو جھاڑ کر، صاف ستھرا کر کے پہننا چاہیے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو معجزے:

۱۔ حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کے لیے جنگل تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، اور ایک موزہ پہن لیا، دوسرا موزہ پہننے لگے تو اچانک ایک سبز پرندہ اس موزے کو اٹھا کر اوپر اڑ گیا، پھر اس نے اس موزے کو پھینکا تو اس کے اندر سے ایک کالا سانپ گر گیا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دل سے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور یہ دعا مانگی: اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ شَرِّ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى اَرْبَعٍ، وَمِنْ شَرِّ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى رِجْلَيْهِ وَمِنْ شَرِّ مَنْ يَّمْشِيْ عَلٰى بَطْنِهٖ. (۲) (اے اللہ میں آپ کی پناہ مانگتا ہوں، ہر اس جانور کے شر سے جو چار ٹانگوں پر چلتے ہیں، اور اس کے شر سے جو دو ٹانگوں پر چلتے ہیں، اور اس جانور کے شر سے جو پیٹ کے بل چلتے ہیں)۔

۲۔ ایک اور حدیث میں حضرت ابو امامہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے موزے منگوائے، ایک موزہ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۵۵/۱۔

(۲) المعجم الاوسط للطبرانی ۱۲۱/۹، رقم الحدیث: ۹۳۰۴، ذکر من اسمہ ہاشم، ط: دار الحرمین، القاہرۃ۔

پہن لیا، اتنے میں ایک کوا آیا اور دوسرا موزہ اٹھا کر اڑ گیا، پھر اسے پھینک دیا، جس سے اس کے اندر سے چھپا ہوا سانپ زمین پر گر گیا، نبی کریم ﷺ نے اس بچاؤ پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، اور فرمایا کہ موزے پہننے سے پہلے ہر مسلمان کو چاہیے کہ وہ انہیں ضرور جھاڑ لیا کرے۔(۱)

ان واقعات سے نبی کریم ﷺ کے دو معجزے ثابت ہوتے ہیں کہ اللہ جل شانہ نے معجزانہ طور پر آپ ﷺ کو سانپ کے شر سے محفوظ فرمالیا۔

عَنِ ابْنِ بُرَيْدَةَ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّجَاشِيَّ أَهْدَى لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ أَسْوَدَيْنِ سَاذَجَيْنِ، فَلَبِسَهُمَا ثُمَّ تَوَضَّأَ وَمَسَحَ عَلَيْهِمَا.(۲)

ترجمہ: حضرت بریدہ سے روایت ہے کہ نجاشی نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سیاہ موزوں کا ایک جوڑا ہدیہ کے طور پر بھیجا، جو سادے تھے یعنی ان پر کوئی نقش نہیں تھا، اور آپ ﷺ نے (طہارت کی حالت میں) انہیں پہنا، پھر وضو کیا اور ان پر مسح کیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أهدى: ہدیہ دیا، ساذجين: وہ دونوں موزے سادے تھے، ان پر کوئی نقش اور بال وغیرہ نہیں تھے، بالکل وہ صاف تھے، مسح عليهما: آپ ﷺ نے ان دونوں موزوں پر مسح کیا۔

## نجاشی کی طرف سے نبی کریم ﷺ کو موزوں سمیت چند چیزوں کا ہدیہ

زمانہ جاہلیت میں مختلف ملکوں کے بادشاہوں کے کچھ خاص لقب ہوا کرتے تھے، جیسے یمن کے بادشاہ کو "تبع" فارس کے بادشاہ کو "کسریٰ"، روم کے بادشاہ کو "قیصر"، شام کے بادشاہ کو ہرقل، مصر کے بادشاہ کو "فرعون" اور حبشہ کے بادشاہ کو "نجاشی" کہا جاتا تھا، اس نجاشی کا نام اصحمہ بن ابجر یا ابجر تھا، اور بعض کے بقول مکحول بن صعصعہ تھا، ان کا عربی نام "عطیہ" تھا، نبی کریم ﷺ نے ان کی طرف حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو اسلام کی دعوت دینے کے لیے بھیجا، وہ خود بھی عیسائی عالم تھے، انہوں نے اس صحابی کی دعوت پر، اور بقول بعض اس سے پہلے خود ہی اسلام قبول کر لیا تھا، مگر وہاں کے مخصوص حالات کی وجہ سے نجاشی بادشاہ نبی کریم ﷺ کی طرف ہجرت کر کے نہ آسکے، مگر مکہ سے ہجرت کر کے حبشہ کی طرف جانے والے صحابہ کرام کی انہوں نے بڑی آؤ بھگت اور خدمت کی، اور ہر طرح سے ان کا خیال رکھا۔(۳)

دلہم سے روایت ہے کہ نجاشی نے نبی کریم ﷺ کی طرف خط لکھا کہ میں آپ ﷺ کی، آپ ﷺ کے خاندان کی

---

(۱) المعجم الكبير للطبراني ۱۳۷/۸، رقم الحديث: ۷۶۲۰، ط: القاهرة

(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحديث: ۱۵۵، سنن الترمذي، الأدب، رقم الحديث: ۲۸۲۱۔

(۳) الاصابة ۳۴۷/۱، باب الالف بعدها الصاد، رقم الترجمة: ۴۷۳

ایک قریشی خاتون حضرت ام حبیبہ بنت ابی سفیان سے شادی کراتا ہوں، جو مسلمان ہو چکی ہیں، اور آپ ﷺ کی خدمت میں چند چیزیں ہدیہ کے طور پر بھیج رہا ہوں: ایک کرتا، شلوار، ایک بڑی چادر اور دو سادے موزے، چنانچہ آپ ﷺ نے وضو کیا اور ان پر مسح کیا۔(۱)

حضرت نجاشی کی اسلام کے بارے میں خدمات اور قربانیوں سے نبی کریم ﷺ بہت خوش تھے، اسی وجہ سے جب سن نو ہجری میں نجاشی کی وفات ہوئی، تو نبی کریم ﷺ نے صحابہ کرام کو بتایا، اس موقع پر معجزانہ طور پر ان کی نعش کو آپ ﷺ کے سامنے کر دیا گیا تھا، چنانچہ آپ ﷺ نے مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کے ساتھ ان کی نماز جنازہ پڑھی۔(۲)

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- اس حدیث میں چمڑے کے موزوں پر مسح کا جواز ثابت ہوتا ہے، اس پر امت کا اجماع ہے، موزوں پر مسح کے جواز کے بارے میں اسی (۸۰) صحابہ سے روایات منقول ہیں، اور یہ متواتر احادیث ہیں، اسی وجہ سے بعض حنفیہ کہتے ہیں کہ جو شخص موزوں پر مسح کے جواز کا انکار کر دے تو اس کے بارے میں کفر کا اندیشہ ہے اور امام ابوحنیفہ سے اہل سنت والجماعۃ کی یہ تعریف منقول ہے: أَنْ تُفَضِّلَ الشَّيْخَيْنِ وَتُحِبَّ الْخَتَنَيْنِ وَأَنْ تَرَى الْمَسْحَ عَلَى الْخُفَّيْنِ۔ (کہ تم ابوبکر وعمر کو فضیلت دو، دو داماد یعنی عثمان وعلی سے محبت کرو اور موزوں پر مسح کو جائز سمجھو)

- چمڑے کے سیاہ موزوں کا استعمال بھی درست ہے۔

- کافر اگر کوئی چیز کسی مسلمان کو ہدیہ میں دے تو مسلمان اسے قبول کر سکتا ہے، بشرطیکہ اس ہدیہ کو لینے سے کسی دنیاوی یا دینی نقصان کا اندیشہ نہ ہو، ابن عربی کہتے ہیں کہ نجاشی نے جس وقت یہ چیزیں نبی کریم ﷺ کو ہدیہ دی تھیں، اس وقت تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے۔

- طہارت حاصل کر کے موزے پہن لیے جائیں، پھر جب وضو ٹوٹ جائے، اور انسان وضو کرے تو اس وقت سے وہ ان موزوں پر مسح کر سکتا ہے، مقیم ہے تو ایک دن اور ایک رات تک اور مسافر ہے تو تین دن اور تین راتوں تک مسح کر سکتا ہے۔(۳)

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ: أَهْدَى دِحْيَةُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُفَّيْنِ، فَلَبِسَهُمَا. وَقَالَ إِسْرَائِيلُ: عَنْ جَابِرٍ، عَنْ عَامِرٍ وَجُبَّةً فَلَبِسَهُمَا حَتَّى تَخَرَّقَا، لَا يَدْرِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَذَكِيٌّ هُمَا أَمْ لَا.(۴)

حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) دحیہ کلبی نے نبی کریم ﷺ کو دو موزے ہدیہ میں دیئے، آپ

---

(۱) تحفۃ الاحوذی ۱۱۲/۸ کتاب الادب، باب ما جاء فی الخف الاسود، رقم الحدیث: ۲۸۲۰

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۱۲۱/۴، کتاب الجنائز، باب المشی بالجنازۃ والصلاۃ علیها، الفصل الاول، رقم الحدیث: ۱۶۵۲

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۵۶/۱،

(۴) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحدیث: ۱۷۶۹۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں پہنا، اور اسرائیل عن جابر جعفی عن عامر شعبی حضرت مغیرہ سے ایک اور روایت میں جبہ کے ہدیہ کا بھی ذکر ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں (یعنی موزے اور جبہ کو یا دونوں موزوں) کو پہنا، یہاں تک کہ وہ دونوں پھٹ گئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحقیق نہیں کی کہ یہ موزے ذبح شدہ جانور کی کھال کے تھے یا نہیں۔

(کیونکہ کھال دباغت سے پاک ہوجاتی ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تحقیق کی ضرورت محسوس نہیں فرمائی)

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** فلبسها: اس میں ھا ضمیر میں دو احتمال ہیں: ا۔ یہ ضمیر موزوں اور جبہ کی طرف لوٹ رہی ہے، ۲۔ یا یہ کہ یہ دو موزوں کی طرف لوٹ رہی ہے، اس احتمال کی تقویت اس جملے سے بھی ہوتی ہے: لا یدری النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم ...، کیونکہ اس جملے کا تعلق صرف موزوں سے ہے، حتی تخرقا: یہاں تک کہ وہ دونوں موزے پھٹ گئے، أذکی هما: اس میں لفظ "ھما"، "ذکی" کا فاعل ہے، اور "ذکی"، فعیل کے وزن پر فعل مشبہ ہے: ترجمہ: کیا وہ دونوں موزے ذبح کیے ہوئے جانور کی کھال سے بنائے گئے تھے؟ لا یدری: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں جانتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تحقیق نہیں کی۔

## موزے پھٹنے تک آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انہیں پہنا کرتے

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت دحیہ کلبی نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو موزے اور ایک جبہ ہدیہ میں دیا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قبول فرمایا، اور انہیں پہنا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی مسلمان کسی بزرگ، استاذ وغیرہ کو ہدیہ دے تو اسے قبول کرنا مسنون ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موزوں کو پھٹنے تک استعمال کرتے رہتے، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع ثابت ہوتی ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان موزوں کے بارے میں یہ تحقیق نہ کی کہ یہ کس جانور کی کھال سے بنائے گئے ہیں، اسے ذبح کیا گیا تھا یا نہیں، اس تحقیق کی ضرورت اس لیے محسوس نہیں ہوئی کہ مردار کی کھال بھی دباغت سے پاک ہوجاتی ہے، اس سے دلالۃً یہ معلوم ہوا کہ مجہول چیزوں میں اصل طہارت ہے، الا یہ کہ اس کی ناپاکی پر کوئی دلیل سامنے آجائے، تب وہ ناپاک ہوگی۔

۴۔ قال اسرائیل.... اس جملے کا قائل کون ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ یہ امام ترمذی کا کلام ہے، اگر امام ترمذی نے یہ اپنی طرف سے کہا ہے تو یہ معلق ہے، اور اگر یہ ان کے شیخ قتیبہ کی طرف سے ہو تو پھر یہ معلق نہیں ہوگا۔

۲۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ یحیی بن زکریا کا مقولہ ہو، اس صورت میں معنی کے اعتبار سے قال اسرائیل ... کا عن الحسن بن عیاش پر عطف ہوگا، حاصل یہ ہے کہ یحیی بن زکریا نے موزوں کو ہدیہ دینے کی روایت عن الحسن بن عیاش، عن ابی اسحاق، عن الشعبی، عن المغیرۃ بن شعبۃ کی سند سے روایت کی ہے اور موزوں اور جبہ دونوں کو ہدیہ دینے کی روایت عن اسرائیل، عن جابر الجعفی، عن عامر الشعبی، عن المغیرۃ کی سند سے بیان کی ہے، اور ہوسکتا ہے کہ یہ امام ترمذی کی تعلیق ہو، اور عن المغیرۃ بن شعبۃ

کے الفاظ یہاں مراد ہیں، اگر چہ انہیں یہاں ذکر نہیں کیا گیا، اس کا قرینہ یہ ہے کہ "وجبۃ" کا "خفین" پر عطف ہے۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي نَعْلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کا ذکر ہے

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَيْفَ كَانَ نَعْلُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: لَهُمَا قِبَالَانِ. (۲)

ترجمہ: حضرت قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کیسے تھے؟ تو انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جوتے میں دو دو تسمے تھے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ لِنَعْلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ مَثْنِيٌّ شِرَاكُهُمَا. (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتوں کے تسمے دوہرے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** نعل: جوتا جو تسمہ دار ہو جیسے چپل اور سینڈل وغیرہ۔ قبالان: (قاف کے نیچے زیر) قبال کا تثنیہ ہے: تسمہ۔ مثنی: یہ تثنیہ سے اسم مفعول کا صیغہ ہے، اسے دو طرح پڑھا گیا ہے، ۱۔میم پر پیش، ثاء پر زبر اور نون پر زبر و تشدید، ۲۔میم پر زبر، ثاء ساکن، نون کے نیچے زیر اور یاء پر پیش و تشدید جیسے مرمی ہے۔ شراکھما: جوتے کا تسمہ جو پاؤں کے اوپر رہتا ہے، ترکیب نحوی کے اعتبار سے یہ لفظ مثنی کا نائب فاعل ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہر جوتے میں دو تسمے تھے

عہد رسالت میں ہر جوتے میں دو تسموں کا رواج تھا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نعلین میں سے ہر جوتے میں دو دو تسمے تھے، اور ہر تسمہ دوہرا اور ڈبل تھا تاکہ وہ ٹوٹنے نہ پائے، ایک تسمہ پاؤں کے انگوٹھے اور اس سے متصل انگلی کے درمیان نیچے جوتے میں جڑا ہوتا اور دوسرا تسمہ پاؤں کی درمیان والی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی کے درمیان نیچے جوتے میں جڑا ہوتا تھا، اس طرح پاؤں جوتے کی صحیح گرفت میں آجاتا ہے، گرنے یا پاؤں کے پھسلنے سے انسان محفوظ ہو جاتا ہے۔(۴)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۵۷

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۷۷۳۔

(۳) سنن ابن ماجہ، اللباس، رقم الحدیث: ۳۶۱۴۔

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشمائل لملاعلی القاری ۱/۱۵۹

حَدَّثَنَا عِيسَى بْنُ طَهْمَانَ قَالَ: أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ نَعْلَيْنِ جَرْدَاوَيْنِ لَهُمَا قِبَالَانِ، قَالَ: فَحَدَّثَنِي ثَابِتٌ بَعْدُ عَنْ أَنَسٍ أَنَّهُمَا كَانَتَا نَعْلَيِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ. (۱)

حضرت عیسیٰ بن طہمان کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دو جوتے نکال کر ہمیں دکھائے، جن پر بال نہیں تھے، ان میں سے ہر ایک کے دو تسمے تھے، عیسیٰ کہتے ہیں کہ اس مجلس کے بعد ثابت بنانی نے مجھے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کر کے بتایا کہ وہ دونوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے تھے۔

عَنْ عُبَيْدِ بْنِ جُرَيْجٍ، أَنَّهُ قَالَ لِابْنِ عُمَرَ: رَأَيْتُكَ تَلْبَسُ النِّعَالَ السِّبْتِيَّةَ، قَالَ: إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَلْبَسُ النِّعَالَ الَّتِي لَيْسَ فِيهَا شَعَرٌ، وَيَتَوَضَّأُ فِيهَا، فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أَلْبَسَهَا. (۲)

حضرت عبید بن جریج نے حضرت عبداللہ بن عمر سے پوچھا: میں دیکھتا ہوں کہ آپ بغیر بالوں والے چمڑے کے جوتے پہنتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی جوتے پہنتے ہوئے دیکھا ہے، جن پر بال نہیں ہوتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان جوتوں میں وضو فرماتے تھے، اس لیے میں ایسے ہی جوتے پہننا پسند کرتا ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ لِنَعْلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ.

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے کے دو تسمے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ جرداوین: جرداء کا تثنیہ ہے، اور جرداء کا مذکر الأجرد ہے، ترجمہ: ایسے جوتے جن پر بال نہ ہوں۔ نعلی رسول اللہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دو جوتے۔ النعال السبتیة: نعال جمع ہے نعل کی: جوتے، اور سبتیة: (سین کے نیچے زیر، باء ساکن، تاء کے نیچے زیر اور یاء پر زبر و تشدید) سبت کے اصل معنیٰ کاٹنے کے ہیں، اور نعال سبتیہ سے چمڑے کے ایسے جوتے مراد ہیں، جن کی کھال سے دباغت وغیرہ کے ذریعہ بال صاف کر کے جوتے بنائے جاتے تھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جوتوں پر بال نہ ہوتے

قدیم زمانے میں کھال سے دو طرح کے جوتے بنائے جاتے، بعض ایسے چمڑے کے ہوتے جن پر بال موجود ہوتے، جبکہ بعض جوتے بالوں کے بغیر ہوتے، لوگوں میں دونوں طرح کے جوتے استعمال ہوتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جوتے ایسے چمڑے کے ہوتے، جس پر کوئی بال نہیں ہوتے تھے۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سنن عادیہ میں بھی اتباع سنت کا بہت اہتمام فرماتے تھے، وہ ایسے جوتے پہنتے تھے، جن پر بال نہیں ہوتے تھے، اس اہتمام کو دیکھ کر عبید بن جریج نے ان سے سوال کیا، چنانچہ بخاری شریف میں یہ تفصیلی روایت ہے جس میں

---

(۱) سنن ابن ماجة، رقم الحديث: ۳۶۱۵۔

(۲) الصحيح للبخاري، اللباس، باب النعال السبتية، رقم الحديث: ۵۸۵۱۔

عبید نے حضرت ابن عمر سے کہا کہ میں چار چیزیں آپ کے معمولات میں ایسی دیکھتا ہوں، جو دوسرے صحابہ کے معمولات میں نہیں دیکھتا، ان میں سے ایک یہ ہے کہ آپ ایسے جوتے پہنتے ہیں، جن پر بال نہیں ہوتے، حضرت عبداللہ بن عمر نے وجہ بتائی کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایسے ہی جوتوں میں دیکھا ہے، اس لیے میں اس طرح کے جوتے استعمال کرنے کا اہتمام کرتا ہوں۔

جمہور علماء کے نزدیک سبتی جوتوں کا استعمال بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، البتہ امام احمد کے نزدیک قبرستان میں سبتی جوتوں کا استعمال درست نہیں، مکروہ تنزیہی ہے، ان کا استدلال اس حدیث سے ہے:

اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَأٰى رَجُلًا يَمْشِيْ فِيْ نَعْلَيْنِ بَيْنَ الْقُبُوْرِ، فَقَالَ يَا صَاحِبَ السِّبْتِيَّتَيْنِ: اَلْقِهِمَا۔(۱)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو قبروں کے درمیان جوتوں کے ساتھ چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: اے سبتی جوتے والے! جوتے اتار دیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے اس استدلال کے دو جواب ذکر کیے ہیں:

- امام طحاوی فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے وہ جوتے اتارنے کا حکم اس لیے دیا ہو کہ ان پر کوئی گندگی تھی، کیونکہ صحیح حدیث سے یہ بات ثابت ہے کہ مردے کو دفن کر کے جب لوگ واپس جاتے ہیں تو وہ لوگوں کے جوتوں کی آواز اور کھڑکھڑاہٹ سنتا ہے، نیز حضرت انس کی صحیح حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ جوتے پہن کر نماز پڑھی ہے، لہذا جب مسجد میں جوتے پہن کر آدمی داخل ہوسکتا ہے تو قبرستان میں بطریق اولیٰ داخل ہوسکتا ہے۔
- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ قبرستان میں قبر والوں کے احترام واکرام کی وجہ سے جوتے پہننے سے منع کیا گیا ہو، کیونکہ یہ ادب کے خلاف ہے کہ جوتوں سمیت قبروں کے اوپر چلا جائے، اس حکم میں ہر قسم کے جوتے شامل ہیں خواہ وہ سبتی ہوں یا دوسرے ہوں، لہذا "سبتی" کی قید اتفاقی ہے، احترازی نہیں۔(۲)

ویتوضأفیھا (آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان جوتوں میں وضو فرماتے) اس کے دو مطلب ہوسکتے ہیں:

۱۔ ان جوتوں کو پہن کر ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان جواز کے لیے پاؤں دھو لیتے، کیونکہ ان کی ساخت ایسی تھی کہ پاؤں ان میں آسانی سے دھل جاتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ جوتوں کے ساتھ بھی پاؤں کو دھونا جائز ہے جبکہ وہ پاؤں اچھی طرح دھل سکیں۔

۲۔ پاؤں دھونے کے بعد فوراً آپ صلی اللہ علیہ وسلم جوتے پہن لیتے، خشک ہونے کا انتظار نہ فرماتے، تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ ایسا کرنا بھی جائز ہے، اس سے وضو میں کوئی فرق نہیں آتا۔(۳)

---

(۱) مسند الامام احمد ۳۶۱/۸، مسانید بشیر بن الخصاصیة، رقم الحدیث: ۲۱۳۲۹، ط: دار الکتب، بیروت، سنن ابی داؤد ۲۱۷/۳، کتاب الجنائز، باب المشی فی النعل بین القبور، رقم الحدیث: ۳۲۳۰۔

(۲) فتح الباری ۳۷۹/۱۰، کتاب اللباس باب النعال السبتیة، رقم الحدیث: ۵۸۵۱

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۶۱/۱۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ يَقُولُ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي نَعْلَيْنِ مَخْصُوفَتَيْنِ. (۱)

ترجمہ: حضرت عمر بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو ایسے جوتوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، جن میں دوہرا چمڑا سلا ہوا تھا، یا جن میں چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جوتوں کے ساتھ نماز پڑھی

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اگر جوتے پاک صاف ہوں، تو ان کے ساتھ نماز پڑھنا جائز ہے، چنانچہ حضرت عمرو بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو جوتوں میں نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، مگر یہ آپ ﷺ کا عام معمول نہیں تھا۔

مخصوفتین کے دو ترجمے کیے گئے ہیں: ا۔ ان جوتوں کا تلوا دوہرا تھا، اوپر نیچے دو تہہ چمڑے کی سلی ہوئی تھیں۔ ۲۔ یا ان جوتوں میں چمڑے کے پیوند لگے ہوئے تھے۔ (۲)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَمْشِيَنَّ أَحَدُكُمْ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ، لِيَنْعِلْهُمَا جَمِيعًا أَوْ لِيُحْفِهِمَا جَمِيعًا. (۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ہرگز ایک جوتے میں نہ چلے، چاہیے کہ وہ دونوں جوتے پہن کر چلے یا دونوں کو ہی اتار دے۔

عَنْ جَابِرٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهَى أَنْ يَأْكُلَ يَعْنِي الرَّجُلَ بِشِمَالِهِ، أَوْ يَمْشِيَ فِي نَعْلٍ وَاحِدَةٍ. (۴)

حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بات سے منع کیا ہے کہ آدمی اپنے بائیں ہاتھ سے کھائے یا ایک ہی جوتے میں چلے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لا یمشین: (صیغہ نہی با نون ثقیلہ) ہرگز نہ چلے، لینعلھما: (باب افعال سے) چاہیے کہ وہ دونوں جوتے پہن لے، لیحفھما: چاہیے کہ وہ دونوں جوتے اتار دے، چاہیے کہ وہ ان دونوں پاؤں کو برہنہ کر دے۔

## ایک جوتا پہن کر نہ چلا جائے

ایک پاؤں میں جوتا ہو جبکہ دوسرا پاؤں برہنہ ہو، اس طرح کرنے سے نبی کریم ﷺ نے منع کیا ہے، یہ بے ڈھنگا پن

(۱) مصنف عبد الرزاق، رقم الحدیث: ۱۵۰۵۔
(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۶۳
(۳) الموطأ للامام مالک، رقم الحدیث: ۳۳۹۴۔
(۴) الصحیح لمسلم، اللباس، رقم الحدیث: ۲۰۹۹۔

ہے، وقار اور سلیقہ کے بھی خلاف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ دونوں جوتے پہنیں یا دونوں کو ہی اتار دیں، ایک پاؤں میں جوتا اور بائیں ہاتھ سے کھانا کھانا منع ہے۔

عام حالات میں تو ادب یہی ہے کہ دونوں پاؤں میں جوتے ہوں یا دونوں میں نہ ہوں، ہاں کبھی کسی عذر اور مجبوری کی وجہ سے تھوڑی دیر کے لیے ایک جوتے میں چلنا بھی درست اور جائز ہے، مثلاً جوتا ٹوٹ جائے یا اور کوئی عارض پیش آجائے، تو اس میں کوئی حرج نہیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت عائشہ، حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک جوتے میں چلنا منقول ہے، اس سے جواز ثابت ہوتا ہے۔

ان احادیث کی روشنی میں علماء فرماتے ہیں کہ اسی طرح ایک موزہ پہننا یا ایک آستین پہننا یا ایک کندھے سے صرف کپڑا لٹکانا منع ہے، غرض یہ کہ جوتے اور لباس وغیرہ کو اسی طرح پہننا چاہیے، جو عرف و رواج میں اس کے پہننے کا صحیح طریقہ چل رہا ہے، نئے انداز سے کسی چیز کا استعمال کرنا جو عام عرف کے خلاف ہو، اس سے سختی سے منع کیا گیا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا انْتَعَلَ أَحَدُكُمْ فَلْيَبْدَأْ بِالْيَمِينِ، وَإِذَا نَزَعَ فَلْيَبْدَأْ بِالشِّمَالِ، فَلْتَكُنِ الْيَمِينُ أَوَّلَهُمَا تُنْعَلُ وَآخِرَهُمَا تُنْزَعُ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی جوتا پہنے تو اسے چاہیے کہ وہ دائیں جانب سے شروع کرے، اور جب جوتے اتارے تو اسے چاہیے کہ وہ بائیں جانب سے آغاز کرے تا کہ دایاں پاؤں جوتا پہننے میں مقدم ہو، اور اتارنے میں مؤخر ہو۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ التَّيَمُّنَ مَا اسْتَطَاعَ فِي تَرَجُّلِهِ وَتَنَعُّلِهِ وَطُهُورِهِ.(۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کنگھی کرنے میں، اور جوتا پہننے میں اور اعضاء وضو و غسل کے دھونے میں حتی الوسع دائیں جانب سے ابتداء فرمایا کرتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** اذا انتعل: جب جوتے پہنے، و اذا نزع: اور جب اتارے، التیمن: دائیں جانب، ما استطاع: جس قدر استطاعت ہوتی، حتی الوسع، فی ترجلہ: اپنے بالوں کی کنگھی کرنے میں، و تنعلہ: اور اپنے جوتے پہننے میں، و طھورہ: اور اپنی طہارت میں یعنی وضو اور غسل کے اعضاء دھونے میں دائیں جانب سے شروع کرتے۔

---

(۱) فتح الباری ۱۰/۳۸۰، کتاب اللباس باب لا یمشی فی نعل واحدة، رقم الحدیث: ۵۸۵۵

(۲) الصحیح للبخاری، اللباس، رقم الحدیث: ۵۸۵۶۔

(۳) الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۲۶۸۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر امر میں دائیں جانب کو پسند فرماتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حتی الوسع ہر امر میں دائیں جانب کا لحاظ فرماتے، جوتا اور لباس پہننے، کنگھی کرنے، اعضاء وضو اور غسل کے دھونے وغیرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند تھی کہ پہلے دائیں جانب سے شروع کریں، ہاں اگر کوئی مشکل ہوتی یا جب کسی ضرورت کی وجہ سے بائیں جانب کو اختیار کرنا ضروری ہوتا تو پھر بائیں جانب سے ہی شروع فرما دیتے۔

مذکورہ احادیث سے یہ ادب معلوم ہوا کہ جوتا پہننے میں پہلے دایاں جوتا پہنا جائے اور پھر بایاں جوتا، اور اتارنے کے وقت پہلے بایاں جوتا اور پھر دایاں جوتا اتارا جائے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ حتی الوسع ہر کام میں دائیں جانب کا لحاظ رکھا جائے، یہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت مبارکہ ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ لِنَعْلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِبَالَانِ وَأَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ، وَأَوَّلُ مَنْ عَقَدَ عَقْدًا وَاحِدًا عُثْمَانُ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جوتے کے دو دو تسمے تھے، ایسے ہی حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق کے جوتے میں بھی دوہرا تسمہ تھا، اور سب سے پہلے ایک تسمہ حضرت عثمان غنیؓ نے بنایا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لنعل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جوتے کے، عقد عقدا واحداً: ایک تسمہ بنایا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر جوتے کے دو تسمے ہوتے

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق کے جوتوں میں دوہرا تسمہ ہوتا تھا، یعنی ہر جوتے کے دو دو تسمے ہوتے تھے، اس زمانے میں جوتے کا یہی عرف تھا۔
- سب سے پہلے ایک تسمہ کی ابتداء حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے کی ہے، انہوں نے غالباً ایسا اس لیے کیا تا کہ دو تسموں کا ہونا ضروری نہ سمجھ لیا جائے، یا یہ کوئی نہ کہنا شروع کر دے کہ ایک تسمہ کا استعمال بہتر نہیں ہے، اس لیے جوتے کی بناوٹ میں دو تسمے بنائے جائیں یا ایک ہی تسمہ بنوایا جائے، دونوں ہی جائز ہیں۔(۳)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۶۷

(۲) للمعجم الصغیر للطبرانی، رقم الحدیث: ۲۵۴۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۶۸

## بَابُ مَا جَاءَ فِي ذِكْرِ خَاتَمِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی کا ذکر ہے

امام ترمذی رحمہ اللہ اس باب میں لفظ ''ذکر'' کا اضافہ کر کے اس طرف اشارہ کرنا چاہتے ہیں کہ اس باب میں اور اس سے پہلے باب ماجاء فی خاتم النبوۃ میں فرق ہے، ان میں تکرار نہیں، فرق یہ ہے کہ باب ماجاء فی خاتم النبوۃ میں مہر نبوت کا بیان ہے، جس کی تفصیل وہاں لکھ دی گئی ہے، اور اس باب میں نبی کریم ﷺ کی اس انگوٹھی کا ذکر ہے، جس پر ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا، دعوتی خطوط پر اس سے مہر لگائی جاتی تھی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ خَاتَمُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ وَرِقٍ، وَكَانَ فَصُّهُ حَبَشِيًّا. (۱)

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی اور اس کا نگینہ حبشی پتھر کا بنا ہوا تھا۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ، فَكَانَ يَخْتِمُ بِهِ وَلَا يَلْبَسُهُ. (۲)

حضرت عبداللہ بن عمر ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی تھی، آپ ﷺ اس سے (خطوط وغیرہ پر) مہر لگاتے تھے، اور اسے (ہر وقت) پہنتے نہیں تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ خَاتَمُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ، فَصُّهُ مِنْهُ. (۳)

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی انگوٹھی چاندی کی تھی، اور اس کا نگینہ بھی اس انگوٹھی (یعنی چاندی) کا ہی تھا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ورق: (واؤ پر زبر اور راء کے نیچے زیر) چاندی، چاندی کا ٹکڑا، خواہ وہ ڈھلا ہوا ہو یا نہ ہو۔ خاتم: (تا کے نیچے زیر) انگوٹھی، مہر۔ کان یختم به: آپ ﷺ اس انگوٹھی سے مہر لگاتے تھے۔ و لا یلبسه: اور آپ ﷺ مہر والی انگوٹھی کو ہر وقت نہیں پہنتے تھے۔ فصه منه: اس میں ''منہ'' کی ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے، مراد تو اس سے چاندی ہے کہ وہ نگینہ بھی چاندی کا ہی تھا، مگر اشکال یہ ہے کہ ''منہ'' کی ضمیر مذکر ہے، اور لفظ فضۃ مؤنث ہے، لہذا ضمیر کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ۱۔ منہ کی ضمیر لفظ خاتم کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہیں کہ نگینہ بھی اس انگوٹھی میں سے ہے یعنی چاندی کا تھا کیونکہ انگوٹھی چاندی کی تھی، ۲۔ یہ ضمیر ورق کی تاویل سے فضۃ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۲۰۹۳۔
(۲) صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۵۵۰۰۔
(۳) سنن النسائی، رقم الحدیث: ۵۱۹۸۔

# نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک سے زیادہ انگوٹھیاں تھیں

مذکورہ احادیث کی روشنی میں درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ ابتداء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی نہیں بنوائی تھی، مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صلح حدیبیہ کے بعد سن چھ ہجری کے آخر اور سات ہجری کے اوائل میں مختلف بادشاہوں کو اسلام کی دعوت سے متعلق خطوط لکھنے کا ارادہ فرمایا، تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہوا کہ حکمران مہر کے بغیر خط کو اہمیت نہیں دیتے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی، جو مہر کے لیے استعمال کی جاتی تھی، اس کے نگینہ میں "محمد رسول اللہ" لکھا ہوا تھا، اس کی مزید تفصیل آگے احادیث میں آرہی ہے۔

اس سے استدلال کر کے جمہور علماء فرماتے ہیں کہ چاندی کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، اور مردوں کی چاندی کی انگوٹھی ساڑھے چار ماشہ چاندی سے زیادہ نہ ہو۔(۱)

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی پہلی حدیث میں ہے: وکان فصه حبشيا (اور اس کا نگینہ حبشی تھا) جبکہ اس باب کی تیسری حدیث جو حضرت انس سے ہی منقول ہے، میں ہے کہ وفصه منه (اور اس کا نگینہ بھی چاندی کا تھا)، بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض ہے، شارحین حدیث نے اس تعارض کے حل میں دو باتیں ذکر کی ہیں:

❁ امام نووی اور اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو انگوٹھیاں تھیں، ایک کا نگینہ چاندی کا تھا، اور دوسری کا نگینہ حبشہ کے پتھر سے بنایا گیا تھا، اس لیے دونوں احادیث میں تعارض نہیں۔(۲)

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نگینہ تو چاندی کا ہی تھا، جیسا کہ بخاری کی روایت میں بھی ہے، البتہ اسے حبشی نقش و نگار اور ڈیزائن کے مطابق بنایا گیا تھا، یا اس کا بنانے والا حبشہ کا باشندہ تھا، یا اس کا رنگ کالا تھا، یا اس کا نگینہ جزع یا عقیق پتھر کا تھا جسے ملک حبشہ سے لایا گیا تھا، اس بنا پر اسے حبشی کہا گیا ہے۔(۳)

۳۔ "ولا يلبسه" (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی کو نہیں پہنتے تھے)، اس سے کیا مراد ہے؟ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انگوٹھی پہننا متعدد احادیث سے ثابت ہے، اس لیے اس جملے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

❁ نہ پہننے سے مراد یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ہر وقت دوام کے ساتھ نہیں پہنتے تھے، کبھی کبھی پہنا کرتے۔

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو انگوٹھیاں تھیں، ایک وہ جو مہر کے لیے استعمال کی جاتی تھی، اور دوسری عام پہننے کے لیے تھی، جو انگوٹھی مہر والی تھی، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً پہنتے نہیں تھے، صرف اسے مہر کے لیے استعمال فرماتے تھے، چنانچہ "لا يلبسه" میں اسی

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۶۹

(۲) تکملة فتح الملهم ۴/۱۳۷، کتاب اللباس والزینة باب فی خاتم الورق، فصه حبشی، رقم الحدیث: ۵۴۴۳

(۳) فتح الباری ۱۰/۳۹۵ کتاب اللباس، باب فص الخاتم، رقم الحدیث: ۵۸۷۰ جمع الوسائل مع شرح المناوی ۱/۱۷۰

بات کا ذکر کیا گیا ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَمَّا أَرَادَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَكْتُبَ إِلَى الْعَجَمِ قِيلَ لَهُ: إِنَّ الْعَجَمَ لَا يَقْبَلُونَ إِلَّا كِتَابًا عَلَيْهِ خَاتَمٌ، فَاصْطَنَعَ خَاتَمًا فَكَأَنِّي أَنْظُرُ إِلَى بَيَاضِهِ فِي كَفِّهِ.(۲)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے جب اہل عجم کی طرف (دعوت کے خطوط) لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ عجمی بادشاہ صرف اسی خط کو قبول کرتے ہیں، جس پر مہر لگی ہو، اس لیے آپ ﷺ نے ایک انگوٹھی بنوائی، گویا میں اب بھی اس انگوٹھی کی سفیدی کو آپ ﷺ کی ہتھیلی میں دیکھ رہا ہوں۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ نَقْشُ خَاتَمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مُحَمَّدٌ سَطْرٌ، وَرَسُولُ سَطْرٌ، وَاللهِ سَطْرٌ.(۳)

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی کا نقش "محمد رسول اللہ" تھا، اس طرح کہ لفظ "محمد" ایک سطر میں، لفظ "رسول" دوسری سطر میں اور لفظ "اللہ" تیسری سطر میں تھا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَتَبَ إِلَى كِسْرَى وَقَيْصَرَ وَالنَّجَاشِيِّ، فَقِيلَ لَهُ: إِنَّهُمْ لَا يَقْبَلُونَ كِتَابًا إِلَّا بِخَاتَمٍ، فَصَاغَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا حَلْقَتُهُ فِضَّةٌ، وَنُقِشَ فِيهِ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ.(۴)

حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے کسریٰ، قیصر اور نجاشی کی طرف (اسلام کی دعوت کے لیے خطوط) لکھنے کا ارادہ فرمایا تو آپ ﷺ کو بتایا گیا کہ یہ لوگ مہر کے بغیر خط کو قبول نہیں کرتے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے ایک انگوٹھی ڈھالنے یعنی بنانے کا حکم دیا، جس کا حلقہ چاندی کا تھا، اور نبی کریم ﷺ نے اس میں "محمد رسول اللہ" نقش کرایا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اصطنع: آپ ﷺ نے بنایا یعنی بنانے کا حکم دیا، الی بیاضه: انگوٹھی کی سفیدی اور چمک کی طرف، فی کفه: آپ ﷺ کی ہتھیلی میں یعنی انگلیوں کی اندر والی جانب میں، کسریٰ: (کاف کے نیچے زیر اور سین ساکن) فارس کے بادشاہوں کا یہ لقب ہوا کرتا تھا، اصل میں یہ خسرو ہے، تعریب ہو کر کسریٰ ہو گیا، اس کے معنی ہیں: وسیع مملکت والا، قیصر: یہ روم کے بادشاہوں کا لقب ہوا کرتا تھا، نجاشی: یہ حبشہ کے بادشاہوں کا لقب تھا، صاغ: آپ ﷺ نے ڈھالا یعنی ڈھالنے اور

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۷۰
(۲) الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۲۰۷۲۔
(۳) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحدیث: ۱۷۴۷۔
(۴) الصحیح للبخاری، رقم الحدیث: ۵۸۷۵، شرح معانی الآثار، رقم الحدیث: ۶۲۹۲۔

بنانے کا حکم دیا، نقش فیه: فیہ کی ضمیر نگینہ کی طرف لوٹ رہی ہے اور لفظ "نقش" کو مجہول اور معروف دونوں طرح پڑھا جاسکتا ہے، معروف کی صورت میں اس کی ضمیر فاعل، نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹے گی، معنیٰ یہ ہوں گے: نبی کریم ﷺ نے اس نگینہ میں محمد رسول اللہ نقش کرانے اور لکھوانے کا حکم دیا، اور "محمد رسول اللہ" حکایۃً اس صورت میں بھی مرفوع ہی ہوگا۔

## عہد رسالت میں دعوت وتبلیغ کے خطوط پر مہر لگانے کا اہتمام

سفر حدیبیہ سے واپس آنے کے بعد نبی کریم ﷺ نے مختلف بادشاہوں اور حکمرانوں کو دعوت وتبلیغ کے خطوط بھیجنے کا ارادہ فرمایا، تو اس وقت آپ ﷺ کو معلوم ہوا کہ یہ حکمران مہر کے بغیر کسی خط کو اہمیت نہیں دیتے، اس لیے ان خطوط پر حضور اقدس ﷺ کی مہر کا ہونا ضروری ہے، وہاں کے عرف کے لحاظ سے اس ضرورت کے تحت آپ ﷺ نے انگوٹھی میں اپنی مہر بنوائی، یہ انگوٹھی چاندی کی تھی، جس کے نگینہ میں "محمد رسول اللہ" کندہ کر کے لکھا ہوا تھا۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے دوسرے صحابہ سے فرمایا کہ وہ اپنی انگوٹھیوں کے نگینوں میں "محمد رسول اللہ" نہ لکھوائیں، کیونکہ یہ انگوٹھی مہر کے طور پر استعمال ہوتی تھی، منع اس لیے کیا تا کہ التباس اور خلل واقع نہ ہو، البتہ حضور ﷺ کی وفات کے بعد اپنی انگوٹھی پر "محمد رسول اللہ" لکھوایا جاسکتا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انگوٹھی کے نگینہ میں جو "محمد رسول اللہ" لکھوایا تھا، وہ تین سطروں میں تھا، ایک سطر میں "محمد" دوسری میں "رسول" اور تیسری سطر میں لفظ "اللہ" تھا، بعض علماء نے لکھا ہے کہ اس کی صورت اس طرح اللہ رسول محمد تھی کہ اللہ جل شانہ کا نام سب سے اوپر تھا،

لیکن حافظ ابن حجر رحمہ اللہ اور دیگر محققین فرماتے ہیں کہ روایات میں اس طرح کی کوئی تصریح نہیں ہے، بلکہ اسماعیلی کی روایت سے بظاہر اس کے خلاف معلوم ہوتا ہے، یعنی اس طرح محمد رسول اللہ کیونکہ اس میں ہے: "محمد ایک سطر ہے، دوسری میں "رسول" ہے، اور تیسری سطر میں لفظ "اللہ" ہے، یہ ترتیب قرآن مجید کی اس آیت محمد رسول اللہ کے موافق ہے۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ دعوت اور تبلیغ کے امور میں دوسری قوموں کے عرف اور رواج کے مطابق مہر بنوائی جاسکتی ہے، یا اور کوئی طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، بشرطیکہ اس میں کوئی شرعی قباحت نہ ہو۔

نبی کریم ﷺ نے مختلف بادشاہوں کی طرف اسلام کی دعوت کے خطوط روانہ فرمائے، حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ حدیث میں تین بادشاہوں کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ نے ان کی طرف دعوت وتبلیغ کے خط ارسال فرمائے، اس لیے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان میں خطوط یعنی قیصر وکسریٰ اور نجاشی کی طرف دعوت اسلام کے نبوی خطوط کی کچھ تفصیل درج کر دی جائے۔

---

(۱) فتح الباری ۱۰/۴۰۳، کتاب اللباس باب هل يجعل نقش الخاتم ثلاثة اسطر، رقم الحديث: ۵۸۷۸

# شاہ ایران پرویز کسریٰ کے نام دعوتِ اسلام کا خط مبارک

فارس کے ہر بادشاہ کا لقب ''کسریٰ'' ہوتا تھا، اصل میں یہ لفظ ''خسرو'' ہے، جس کے معنی ہیں: وسیع مملکت والا، پھر معرب ہو کر ''کسریٰ'' ہو گیا، اس کسریٰ کا نام پرویز تھا، جو نوشیرواں کا پوتا تھا، اس خط کی عبارت یہ ہے:

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَّسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى كِسْرٰى عَظِيْمِ فَارِسٍ۔

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى وَاٰمَنَ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ، وَشَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ، وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ، اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ اللّٰهِ فَاِنِّيْ اَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَى النَّاسِ كَافَّةً، لِيُنْذِرَ مَنْ كَانَ حَيًّا، وَيَحِقَّ الْقَوْلُ عَلَى الْكَافِرِيْنَ، اَسْلِمْ تَسْلَمْ فَاِنْ تَوَلَّيْتَ فَعَلَيْكَ اِثْمُ الْمَجُوْسِ۔

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف کسریٰ کے نام جو فارس کا بڑا ہے۔

سلام اس شخص پر ہے جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور اس بات کی گواہی دے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، میں تمہیں اللہ جل شانہ (کے اس دین) کی دعوت دیتا ہوں، کیونکہ میں اللہ کا رسول ہوں، جو تمام لوگوں کی طرف اس لیے بھیجا گیا ہوں، تا کہ میں ہر اس شخص کو ڈراؤں جس کا دل زندہ ہے، اور تا کہ کافروں پر اللہ کی حجت پوری ہو جائے (اور کل قیامت میں یہ کہنے کا موقع نہ ملے کہ ہمیں اس کا علم ہی نہ ہو سکا، لہٰذا) تو اسلام لے آ، سلامت رہے گا، اور اگر تو نے اسلام قبول کرنے سے روگردانی کی تو تمام آتش پرستوں کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا (کہ وہ تیری وجہ سے گمراہ ہو رہے ہیں)۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خط حضرت عبداللہ بن حذافہؓ کے ہاتھ روانہ فرمایا تھا، کسریٰ نے یہ خط سننے کے بعد پھاڑ دیا، اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے پھینک دیا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لیے بددعا فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اللہ جل جلالہ نے کسریٰ کے بیٹے شیرویہ کو اس پر مسلط کر دیا، جس نے اسے قتل کر دیا، اس بارے میں مزید تفصیل تاریخ کی کتابوں میں موجود ہے۔(۱)

(۱) الخصائص الکبریٰ للسیوطی ۱۴/۲ باب ما وقع عند کتابہ ﷺ الی کسریٰ، خصائل نبوی (ص:۹۶)۔

# قیصر روم کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا خط مبارک

''قیصر'' روم کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا، تاریخ میں اس کا نام ہرقل ہے، اس خط کے الفاظ یہ ہیں:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ عَبْدِ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ اِلٰی ھِرَقْلَ، عَظِیْمِ الرُّوْمِ، سَلَامٌ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

اَمَّا بَعْدُ: فَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ بِدِعَایَۃِ الْاِسْلَامِ، اَسْلِمْ تَسْلَمْ یُؤْتِکَ اللّٰہُ اَجْرَکَ مَرَّتَیْنِ، فَاِنْ تَوَلَّیْتَ فَاِنَّ عَلَیْکَ اِثْمَ الْاَرِیْسِیِّیْنَ، وَیَا اَھْلَ الْکِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰی کَلِمَۃٍ سَوَاءٍ بَیْنَنَا وَبَیْنَکُمْ اَنْ لَا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰہَ وَلَا نُشْرِکَ بِہٖ شَیْئًا وَلَا یَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْھَدُوْا بِاَنَّا مُسْلِمُوْنَ۔

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

یہ خط محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے ہے جو اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں، ہرقل کی طرف جو روم کا بڑا (اور سردار) ہے، سلام ہو اس شخص پر جو ہدایت کی پیروی کرے۔

حمد و صلاۃ کے بعد! میں تمہیں اللہ کے کلمہ یعنی لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی طرف دعوت دیتا ہوں، تو اسلام لے آ، سلامت رہے گا، اور اللہ تعالیٰ تجھے دوہرا اجر عطا فرمائیں گے (کیونکہ اسلام قبول کرنے پر اہل کتاب کے لیے دوہرا اجر وثواب ہے) اس کے باوجود اگر تو اسلام قبول کرنے سے روگردانی کرے گا تو تیرے ماتحت زراعت پیشہ لوگوں کا یعنی تمام رعایا کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا، اور اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہم میں اور تم میں مشترک ہے، اور وہ توحید ہے کہ ہم اللہ کے سوا کسی دوسرے کی عبادت نہ کریں اور ہم اللہ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ بنائیں، اور ہم میں سے کوئی آپس میں ایک دوسرے کو پروردگار نہ بنائے، اگر اس کے بعد بھی وہ اہل کتاب اسلام قبول کرنے سے روگردانی کریں تو مسلمانوں: تم ان سے کہہ دو کہ تم لوگ اس کے گواہ رہو کہ ہم تو مسلمان ہیں (یوں ہم تو اپنے مسلک کا صاف اعلان کرتے ہیں، اب تم جانو تمہارا کام)

اس کی طرف دعوت کا خط آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کے ہاتھ بھیجا تھا، اس نے اسلام تو قبول نہیں کیا، مگر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مبارک خط کو بڑے ادب واحترام سے اپنے پاس سنبھال کر رکھا، آپ نے دیکھا کہ کسریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خط مبارک کو پھاڑ دیا تھا جبکہ قیصر روم نے اس خط کا ادب واحترام کیا، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کسریٰ نے اپنے ملک کے ٹکڑے کر لیے، اور قیصر نے اپنے ملک کی حفاظت کر لی۔ (۱)

قیصر روم کے واقعہ کی مزید تفصیل صحیح بخاری کے پہلے باب کی ایک حدیث میں مذکور ہے۔

(۱) الخصائص الکبریٰ للسیوطی ۴/۲ باب ما وقع عند کتابہ ﷺ الی قیصر من الآیات۔

## حبشہ کے بادشاہ اصحمہ کی طرف دعوت اسلام کا نبوی خط

حبشہ کے بادشاہ کا لقب ''نجاشی'' ہوا کرتا تھا، نبی کریم ﷺ نے حبشہ کے دو بادشاہوں کی طرف دعوتِ اسلام کے خط روانہ فرمائے ہیں، پہلے کا نام اصحمہ تھا، ان کی طرف نبی کریم ﷺ نے یہ خط روانہ فرمایا تھا:

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

مِنْ مُحَمَّدٍ رَسُوْلِ اللّٰہِ اِلَی النَّجَاشِیِّ مَلِکِ الْحَبْشَۃِ، سَلَامٌ عَلَیْکَ۔

اَمَّا بَعْدُ: فَاِنِّیْ اَحْمَدُ اِلَیْکَ اللّٰہَ الَّذِیْ لَا اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ، الْمَلِکَ الْقُدُّوْسَ، السَّلَامَ، الْمُؤْمِنَ، الْمُھَیْمِنَ وَاَشْھَدُ اَنَّ عِیْسَی بْنَ مَرْیَمَ رُوْحُ اللّٰہِ وَکَلِمَتُہٗ اَلْقَاھَا اِلٰی مَرْیَمَ الْبَتُوْلِ، الطَّیِّبَۃِ الْحَصِیْنَۃِ، وَحَمَلَتْ بِعِیْسٰی فَخَلَقَہُ اللّٰہُ مِنْ رُوْحِہٖ وَنَفْخَۃٍ کَمَا خَلَقَ اٰدَمَ بِیَدِہٖ۔

وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ اِلَی اللّٰہِ وَحْدَہٗ، لَا شَرِیْکَ لَہٗ، وَالْمُوَالَاۃِ عَلٰی طَاعَتِہٖ، وَاَنْ تَتَّبِعَنِیْ وَتُؤْمِنَ بِالَّذِیْ جَاءَنِیْ فَاِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ وَاِنِّیْ اَدْعُوْکَ وَجُنُوْدَکَ اِلَی اللّٰہِ تَعَالٰی، فَقَدْ بَلَّغْتُ، وَنَصَحْتُ، فَاقْبَلُوْا نَصِیْحَتِیْ، وَالسَّلَامُ عَلٰی مَنِ اتَّبَعَ الْھُدٰی۔

ترجمہ: شروع اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔

اللہ کے رسول محمد ﷺ کی طرف سے نجاشی شاہ حبشہ کی طرف۔ تم پر سلام ہو۔

اما بعد! میں تمہارے پاس اس اللہ کی تعریف پہنچاتا ہوں، جس کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ بادشاہ ہے، سب عیبوں سے پاک ہے، ہر قسم کے نقص سے سالم اور محفوظ ہے، امن دینے والا ہے، نگہبان ہے، اور میں اس بات کا اقرار کرتا ہوں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ کی ایک روح اور اس کے وہ کلمہ تھے، جس کو اللہ جل شانہ نے پاک وصاف کنواری پرہیزگار مریم کی طرف بھیجا تھا، جس سے وہ حاملہ بن گئیں، اللہ جل شانہ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اپنی ایک خاص روح سے پیدا کیا، اور ان میں جان ڈال دی جیسا کہ حضرت آدم علیہ السلام کو (بغیر باپ کے) اپنے دست مبارک سے پیدا فرمایا۔

میں تمہیں اللہ کی طرف بلاتا ہوں، جو اکیلا ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اور اس کی اطاعت پر تعاون (یا محبت) کی طرف بلاتا ہوں، اور اس بات کی طرف بلاتا ہوں کہ تم میری پیروی کرو اور جو شریعت میں لے کر آیا ہوں، اس پر تم ایمان لے آؤ، بلاشبہ میں ہی اللہ کا رسول ہوں، اور میں تم کو اور تمہارے سارے لشکروں کو اللہ جل جلالہ کی طرف بلاتا ہوں، میں حق بات تم تک پہنچا چکا ہوں، اور نصیحت کر چکا ہوں، لہٰذا تم میری نصیحت کو قبول کرلو، اور اس شخص پر سلام اور سلامتی ہو جو ہدایت کی اتباع کرے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف حضرت عمرو بن امیہ ضمری رضی اللہ عنہ کو خط دے کر بھیجا تھا، جب یہ خط اس کے پاس پہنچا تو اس نے اپنی آنکھوں سے لگایا اور تخت سے اتر کر زمین پر بیٹھ گیا اور اسلام قبول کیا۔

پھر اس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف جوابی خط لکھا، جس میں اس نے اپنے ایمان کا اقرار کیا اور اس کا اقرار کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق جو کچھ لکھا، وہ بالکل سو فیصد درست ہے، نجاشی نے یہ خط اپنے لڑکے کے ہاتھ دیا، یہ حبشہ کے ساٹھ آدمیوں کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کے لیے ایک کشتی میں سوار ہوئے، مگر افسوس کہ وہ کشتی راستہ میں سمندر میں ڈوب گئی اور ان میں سے کوئی بھی خدمت اقدس میں نہ پہنچ سکا۔

یہ وہی نجاشی ہیں جن کی طرف مکی دور میں نبوت کے پانچویں سال میں مسلمان ہجرت کر کے گئے تھے، اس بادشاہ نے صحابہ کرام کا بڑا اکرام اور خدمت کی، حالانکہ اس وقت انہوں نے اسلام بھی قبول نہیں کیا تھا، بعد میں انہوں نے حضرت جعفر کے ہاتھ ۶ ہجری میں اسلام قبول کیا تھا، اور رجب ۹ ہجری میں ان کی وفات ہوئی، جب ان کا حبشہ میں انتقال ہوا تو اسی دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیدگاہ میں صحابہ کرام کے ساتھ ان کی غائبانہ نماز جنازہ بھی پڑھائی تھی، ان کی میت معجزانہ طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کر دی گئی تھی، یہ ان کی خصوصیت تھی، ورنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول اس طرح غائبانہ نماز جنازہ پڑھانے کا نہیں تھا۔

شمائل کی مذکورہ روایت میں جس نجاشی کی طرف دعوت اسلام کے خط کا ذکر ہے، اس سے اصحمہ نجاشی مراد نہیں، اگرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی طرف بھی خط مبارک بھیجا تھا، مگر اس حدیث میں یہ نجاشی مراد نہیں۔(۱)

## حبشہ کے دوسرے بادشاہ کی طرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعوتی خط

حبشہ کے بادشاہ اصحمہ کا انتقال ہوا تو ان کے بعد جو شخص حبشہ کا بادشاہ بنا، اس کی طرف بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خط روانہ فرمایا تھا، جس کی تفصیل حسب ذیل ہے:

هٰذَا كِتَابٌ مِنَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وآله وسلم إِلَى النَّجَاشِيِّ عَظِيْمِ الْحَبَشَةِ۔

سَلَامٌ عَلٰى مَنِ اتَّبَعَ الْهُدٰى، وَ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ، وَ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، وَحْدَهٗ، لَا شَرِيْكَ لَهٗ، لَمْ يَتَّخِذْ صَاحِبَةً وَّلَا وَلَدًا، وَ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَ رَسُوْلُهٗ،

وَ اَدْعُوْكَ بِدِعَايَةِ اللّٰهِ فَاِنِّيْ اَنَا رَسُوْلُهٗ، فَاَسْلِمْ تَسْلَمْ، يَا اَهْلَ الْكِتَابِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَاءٍ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَنْ لَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْئًا، وَ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ، فَاِنْ تَوَلَّوْا فَقُوْلُوا اشْهَدُوْا بِاَنَّا

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۷۶ باب ما جاء فی ذکر خاتم رسول اللہ ﷺ، خصائل نبوی (ص:۹۶)، سیرت مصطفی ۲/۳۸۴، نجاشی شاہ حبشہ کی طرف نامہ مبارک

مُسْلِمُوْنَ۔ فَاِنْ اَبَیْتَ فَعَلَیْکَ اِثْمُ النَّصَارٰی۔

ترجمہ: یہ خط اللہ کے نبی محمد ﷺ کی طرف سے نجاشی کے نام ہے، جو حبشہ کا بڑا اور سردار ہے، اس شخص پر سلام ہو جو ہدایت کی پیروی کرے، اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لائے، اور اس بات کا اقرار کرے کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، وہ تنہا ذات ہے، اس کا کوئی شریک نہیں، اس کی نہ تو کوئی بیوی ہے اور نہ اولاد، اور اس بات کا اقرار کرے کہ محمد ﷺ اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں۔

میں تمہیں اللہ کے کلمہ "لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ" کی طرف دعوت دیتا ہوں، کیونکہ میں ہی اللہ جل شانہ کا رسول ہوں، تو مسلمان ہو جا، سلامتی سے رہے گا، اے اہل کتاب! آؤ ایک ایسے کلمہ کی طرف جو ہمارے اور تمہارے درمیان مشترک ہے: وہ یہ کہ ہم اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کریں اور ہم اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ بنائیں، اور ہم میں سے کوئی ایک دوسرے کو اللہ کے سوا رب نہ بنائے۔

اگر اس کے بعد بھی اہل کتاب اسلام قبول کرنے سے روگردانی کریں تو مسلمانوں! تم کہہ دو کہ تم لوگ اس بات کے گواہ رہو کہ ہم مسلمان ہیں، (ہم اپنے ایمان کا بے دھڑک اعلان کرتے ہیں) اے نجاشی: اگر تو میری اس دعوت کے قبول کرنے سے انکاری ہے، تو نصاریٰ کا گناہ بھی تجھ پر ہوگا (کیونکہ وہ تیری وجہ سے گمراہ ہو رہے ہیں)

اکثر شارحین حدیث کے نزدیک شمائل کی مذکورہ حدیث میں یہ والا دوسرا نجاشی مراد ہے، یہ وہ نجاشی نہیں جن کی آپ ﷺ نے غائبانہ نماز جنازہ پڑھائی تھی، اس نجاشی کا مسلمان ہونا ثابت نہیں، اور نہ ہی اس کا نام معلوم ہے۔ (۱)

## انگوٹھی کے نگینہ میں اپنا نام یا کوئی ذکر لکھوانے کا حکم

مذکورہ احادیث کی روشنی میں فقہاء کرام فرماتے ہیں کہ انگوٹھی کے نگینہ میں اپنا نام، کوئی ذکر یا علم وحکمت کی کوئی بات لکھوائی جاسکتی ہے، بہت سے اسلاف کا یہ معمول رہا ہے، چنانچہ حضرت عبداللہ بن عمر اور حضرت سالم بن عبداللہ نے اپنا نام نگینہ پر لکھوایا تھا، حضرت حذیفہ اور ابوعبیدہ بن جراح نے "الحمد للہ" نقش کرایا تھا، حضرت علی نے "اللہ الملک" ابوجعفر باقر نے "العزۃ للہ" ابراہیم نخعی نے "الثقۃ باللہ" اور حضرت مسروق نے "بسم اللہ" لکھوایا تھا، لہذا اگر انسان اللہ کا نام یا کوئی ذکر لکھوائے تو اس کے ادب واحترام کا لحاظ رکھے، جہاں بے حرمتی کا اندیشہ ہو وہاں انگوٹھی کو اتار لیا جائے تو بہتر ہوگا۔ (۲)

---

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۸۳/۳ کتاب رسول اللہ ﷺ الی الاصحم النجاشی، سیرت المصطفی ۳۸۷/۲، حبشہ کے دوسرے نجاشی باد شاہ کے نامہ مبارک۔

(۲) فتح الباری ۴۰۲/۱۰، کتاب اللباس باب قول النبی ﷺ، لا ینقش علی نقش خاتمہ، رقم: ۵۸۷۷، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۷۶/۱

عَنْ أَنَسٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا دَخَلَ الْخَلاءَ نَزَعَ خَاتَمَهُ. (۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب بیت الخلاء جانے لگتے تو اپنی انگوٹھی نکال دیتے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انگوٹھی اتار کر بیت الخلاء جایا کرتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی کے نگینہ میں چونکہ اللہ جل جلالہ کا نام لکھا ہوا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء جانے سے پہلے اسے اتار دیتے، تاکہ اللہ کے نام کی بے حرمتی نہ ہو جائے، اسی وجہ سے فقہاء کرام نے لکھا ہے کہ ایسی انگوٹھی پہن کر بیت الخلاء جانا مکروہ ہے، جس پر اللہ جل جلالہ کا اسم مبارک یا اور کوئی بابرکت نام یا عبارت درج ہو، ایسی صورت میں انگوٹھی کو اتار کر بیت الخلاء جانا چاہیے۔ (۲)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: اتَّخَذَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ وَرِقٍ، فَكَانَ فِي يَدِهِ ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ أَبِي بَكْرٍ، وَيَدِ عُمَرَ، ثُمَّ كَانَ فِي يَدِ عُثْمَانَ، حَتَّى وَقَعَ فِي بِئْرِ أَرِيسٍ، نَقْشُهُ: مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللَّهِ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی بنوائی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ میں رہی (جب تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ رہے) پھر حضرت ابوبکر اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ہاتھ میں رہی، پھر حضرت عثمان کے ہاتھ (یعنی قبضہ) میں رہی، یہاں تک کہ (ان ہی کے زمانہ میں) بیر اریس میں گر گئی، اس انگوٹھی کا نقش "محمد رسول اللہ" تھا۔

## حضرت عثمان کے دور میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی انگوٹھی بیر اریس میں گر گئی

"اریس" نامی ایک یہودی تھا، جس کا مدینہ منورہ میں مسجد قباء کے پاس باغ میں کنواں تھا، جسے بئر اریس کہا جاتا تھا، شامی زبان میں اریس کے معنی "کاشتکار" کے ہیں، یہ کنواں ۱۳۸۴ھ تک موجود تھا، بعد میں سعودی حکومت نے سڑک کی توسیع کی وجہ سے اسے ختم کر دیا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مہر والی یہ انگوٹھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق، پھر حضرت عمر اور پھر حضرت عثمان کے قبضہ میں رہی، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ابتدائی چھ سال تک یہ انگوٹھی ان کے پاس رہی، اس کے بعد اتفاق سے اس کنویں میں یہ گر گئی،

---

(۱) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۷۴۶۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۷۷

(۳) الصحیح للبخاری، اللباس، باب نقش الخاتم، رقم الحدیث: ۵۸۷۳۔

حضرت عثمان نے بہت کوشش کی، تین دن تک اسے تلاش کرتے رہے، سارا پانی بھی نکالا مگر پھر بھی وہ نہ مل سکی۔(۱)

علامہ مناوی شرح شمائل میں لکھتے ہیں:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگوٹھی میں کوئی راز تھا، جس طرح حضرت سلیمان علیہ السلام کی انگوٹھی میں کوئی راز تھا کہ جب وہ ان سے گم ہوگئی، تو ان کی حکومت جاتی رہی، اسی طرح حضرت عثمان سے بھی جب وہ انگوٹھی کنویں میں گر کر گم ہوگئی تو ان کا معاملہ بگڑ گیا، طرح طرح کے فتنے شروع ہوگئے، جو بالآخر ان کی شہادت پر منتج ہوئے۔(۲)

بیرارلیس میں یہ انگوٹھی کس سے گری، حضرت عثمان سے یا حضرت معیقیب سے، صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ انگوٹھی حضرت عثمان سے گری، جبکہ صحیح مسلم اور شمائل کے اگلے باب میں حضرت عبداللہ بن عمر کی روایت میں ہے کہ: سَقَطَ مِنْ مُعَيْقِيبٍ فِيْ بِئْرِ اَرِيْسٍ کہ حضرت معیقیب سے وہ انگوٹھی کنویں میں گر گئی، یوں روایات میں تعارض پایا جاتا ہے۔

شارحین حدیث نے ان میں یوں تطبیق دی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے سے یہ انگوٹھی حضرت معیقیب کے پاس ہوتی تھی، وہ ان کے محافظ تھے، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگوٹھی پہننا چاہتے تو ان سے لے لیتے، عہد صدیقی، عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں بھی یہی اس کے نگران تھے، ایک دفعہ حضرت عثمان کو انگوٹھی دے رہے تھے، یا حضرت عثمان سے لے رہے تھے کہ اس حالت میں وہ انگوٹھی اس کنویں میں گر گئی، اس حالت میں گرنے کی وجہ سے یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ یہ انگوٹھی حضرت عثمان سے گری اور یہ بھی کہ یہ حضرت معیقیب سے گری ہے، ہر ایک کی طرف گرنے کی نسبت کی جاسکتی ہے، اس لیے دونوں طرح کی روایات میں تعارض نہیں ہے۔(۳)

مذکورہ حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- اگر آدمی کا مال گم ہو جائے تو اس کی تلاش میں کوشش کرنی چاہیے۔
- صالحین کے آثار اور ان کا لباس برکت کے لیے استعمال کیا جاسکتا ہے اور انہیں اپنے پاس بھی رکھا جاسکتا ہے۔
- ضرورت ہو تو اپنے نام وغیرہ کی مہر بنوائی جاسکتی ہے۔
- مردوں کے لیے چاندی کی انگوٹھی ساڑھے چار ماشہ تک جائز ہے۔

## لوہے کی انگوٹھی کا حکم

لوہے کی انگوٹھی پہننے کا کیا حکم ہے، اس میں دو قول ہیں:

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۱۳۳/۴، کتاب اللباس، باب لبس النبی ﷺ خاتما، رقم الحدیث: ۵۴۳۳۔

(۲) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل ۱۸۰/۱، المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة للبیجوری (ص:۲۰۶)

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۸۱/۱، ۱۸۲، تکملة فتح الملهم ۱۳۳/۴۔

۱۔ احناف، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک لوہے کی انگوٹھی پہننا مکروہ تنزیہی ہے، ان کا استدلال دو حدیثوں سے ہے:

۞ سنن ابی داؤد کی ایک روایت میں ہے کہ ایک شخص کے پاس لوہے کی انگوٹھی تھی، آپ ﷺ نے دیکھ کر فرمایا: مَالِي أَرَاكَ عَلَيْكَ حِلْيَةَ أَهْلِ النَّارِ (مجھے کیا ہوا کہ میں تمہارے ہاتھ پر اہل دوزخ کا زیور دیکھ رہا ہوں)۔(۱)

۞ ایک دفعہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص نے سونے کی انگوٹھی پہنی، رسول اللہ ﷺ نے انہیں کراہت کی نگاہ سے دیکھا تو انہوں نے وہ انگوٹھی پھینک دی، اور لوہے کی انگوٹھی پہن لی تو آپ ﷺ نے فرمایا: هٰذَا أَخْبَثُ وَأَخْبَثُ (یہ زیادہ بری اور خبیث چیز ہے)۔(۲)

ان روایات کی بنیاد پر جمہور کے نزدیک لوہے پیتل، تانبے کی انگوٹھی پہننا مرد و عورت دونوں کے لیے مکروہ تنزیہی ہے۔(۳)

۲۔ امام شافعی رحمہ اللہ کے نزدیک بغیر کسی کراہت کے لوہے کی انگوٹھی پہننا جائز ہے، ان کے دلائل:

۞ بخاری کی روایت میں ہے، آپ ﷺ نے ایک صحابی سے فرمایا: اِذْهَبْ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتِماً مِنْ حَدِيْدٍ (مہر کے لیے کچھ تلاش کرو اگرچہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو) اگر لوہے کی انگوٹھی کا پہننا ناجائز ہوتا تو آپ ﷺ اس صحابی کو اس کا حکم نہ دیتے۔

لیکن یہ استدلال صریح نہیں ہے، کیونکہ لوہے کی انگوٹھی تلاش کرنے کا حکم دینے سے مردوں کے لیے اس کے پہننے کا جواز ثابت نہیں ہوتا، اس لیے کہ دوسری احادیث میں صراحۃً منع کیا گیا ہے، مراد یہ ہے کہ اگر اور کوئی چیز دستیاب نہیں تو لوہے کی انگوٹھی ہی مہر میں دے دو، عورت اسے بیچ کر اپنی ضرورت پوری کر سکے گی۔(۴)

۞ سنن ابی داؤد میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کی لوہے کی ایک انگوٹھی تھی، جس پر چاندی کا پانی چڑھایا گیا تھا۔

جمہور کہتے ہیں کہ جب اس پر چاندی کا پانی لگایا گیا تو وہ لوہے کے حکم میں نہیں، چاندی کے حکم میں ہو جائے گی۔(۵)

---

(۱) بذل المجهود ۵۶/۱، کتاب الخاتم باب ما جاء فی خاتم الحدید، رقم الحدیث: ۴۲۲۳

(۲) مسند الامام احمد ۲۶۴/۳ مسند المکثرین وغیرهم رقم الحدیث: ۷۱۶۵

(۳) قاموس الفقه ۳۲۲/۳ خاتم، ط: زمزم

(۴) فتح الباری ۳۹۶/۱۰ کتاب اللباس، باب خاتم الحدید، رقم الحدیث: ۵۸۷۱

(۵) اعلاء السنن ۳۲۱/۱۷، کتاب الحظر والاباحة، باب خاتم الحدید وغیره، رقم الحدیث: ۵۶۳۴، عمدة القاری ۳۳/۲۲ کتاب اللباس، باب خاتم الحدید، بذل المجهود ۵۸/۱۷ کتاب الخاتم، باب ما جاء فی خاتم الحدید، رقم الحدیث: ۴۲۲۴، ط: کوئٹه الفقه علی المذاهب الاربعة ۱۵/۲ کتاب الحظر والاباحة، مبحث ما یحل لبسه واستعماله من الذهب والفضة ولا یحل جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۸۳/۱

## بَابُ مَا جَاءَ فِي أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ

یہ باب اس بیان میں ہے کہ نبی کریم ﷺ انگوٹھی کو اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْبَسُ خَاتَمَهُ فِي يَمِينِهِ. (۱)

ترجمہ: حضرت علی بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ انگوٹھی اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے۔

عَنْ حَمَّادِ بْنِ سَلَمَةَ قَالَ: رَأَيْتُ ابْنَ أَبِي رَافِعٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ، فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ: رَأَيْتُ عَبْدَ اللهِ بْنَ جَعْفَرٍ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ، وَقَالَ عَبْدُ اللهِ بْنُ جَعْفَرٍ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ. (۲)

ترجمہ: حضرت حماد بن سلمہ کہتے ہیں کہ میں نے عبدالرحمن بن ابی رافع کو داہنے ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا تو میں نے ان سے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن جعفر کو دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا اور عبداللہ بن جعفر کہا کرتے کہ حضور اقدس ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ جَعْفَرٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ. (۳)

ترجمہ: ایک اور سند سے حضرت عبداللہ بن جعفر سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

## نبی کریم ﷺ کس ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے

امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس سے پہلے باب میں انگوٹھی کی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ چاندی کی ہوتی یا سونے کی، اور اس باب سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی کریم ﷺ کس ہاتھ میں اور کس انگلی میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

اس بارے میں روایات دونوں طرح کی منقول ہیں، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں وہ مرفوع روایات ذکر کی ہیں جن میں آپ ﷺ کا دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے، بائیں ہاتھ میں پہننے سے متعلق حضرت انس کی دو روایات ذکر کی ہیں، مگر ان کے بارے میں یہ کہا ہے کہ یہ روایات صحیح نہیں، اور ایک حضرت حسین کی موقوف حدیث ہے، جس میں بائیں ہاتھ میں

---

(۱) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۲۲۶۔

(۲) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحدیث: ۱۷۴۴۔

(۳) سنن ابن ماجة، اللباس، رقم الحدیث: ۳۶۴۷۔

انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے لیکن دوسری کتب حدیث میں بعض ایسی روایات موجود ہیں، جن میں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا ثابت ہے، چنانچہ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ والی روایات نو صحابہ سے اور بائیں ہاتھ والی روایات تین صحابہ سے منقول ہیں، یوں روایات میں تعارض پایا جاتا ہے، شارحین حدیث نے اس تعارض کے حل میں مختلف توجیہات ذکر کی ہیں، بعض کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے کی انگوٹھی اور بائیں ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی پہنا کرتے تھے، اور صحیح مسلم میں حضرت انس کی ایک حدیث میں دائیں ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے، اس کے بارے میں حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں امام زہری کو وہم ہوا ہے، اصل حدیث میں ''دائیں ہاتھ'' کا ذکر نہیں ہے۔

۲۔ امام بغوی اور بعض دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہلے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا شروع فرمادی، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل رہا، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عمر کی ایک روایت سے بھی ہوتی ہے، اگرچہ اس کی سند کو ضعیف کہا گیا ہے۔(۱)

۳۔ صاحب فتح الودود فرماتے ہیں کہ دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے انگوٹھی پہننا ثابت ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دائیں اور کبھی بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔(۲)

۴۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، اور کبھی کبھار کسی ضرورت کی وجہ سے یا بیان جواز کے لیے بائیں ہاتھ میں بھی پہن لیتے تھے، چنانچہ امام بخاری اور امام ترمذی کی نظر میں دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے والی روایات زیادہ صحیح اور راجح ہیں۔(۳)

۵۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس موضوع کی روایات کی تحقیق کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اگر زیب و زینت کے ارادے سے انگوٹھی پہنے تو بہتر یہ ہے کہ وہ دائیں ہاتھ میں پہنی جائے، اور اگر انگوٹھی سے مہر لگانا پیش نظر ہو، تو پھر اسے بائیں ہاتھ میں پہنا جائے، تاکہ وہ دائیں ہاتھ کی مدد سے آسانی سے مہر لگا سکے۔(۴)

۶۔ حافظ عراقی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دو انگوٹھیاں تھیں، ایک کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ میں اور دوسری کو بائیں ہاتھ میں پہنا کرتے، جیسے پیچھے گذر چکا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک سے زیادہ چاندی کی انگوٹھیاں تھیں، ایک کا نگینہ حبشی پتھر کا اور دوسری کا نگینہ بھی چاندی کا تھا، چنانچہ حافظ عراقی نے ایک نظم میں اسے یوں ذکر کیا ہے:

---

(۱) فتح الباری ۴۰۱/۱۰، کتاب اللباس باب من جعل فص الخاتم فی بطن کفه، رقم الحدیث: ۵۸۷۶، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۸۴/۱، تکملة فتح الملهم ۱۳۸/۴، کتاب اللباس، باب فی خاتم الورق، رقم: ۵۴۴۴۔

(۲) بذل المجهود ۵۹/۱۷، کتاب الخاتم باب ماجاء فی التختم فی الیمین، رقم الحدیث: ۴۲۲۷

(۳) تکملة فتح الملهم ۱۳۹/۴

(۴) فتح الباری ۴۰۱/۱۰

يَلْبَسُهٗ فِيْ خِنْصَرِ يَمِيْنٍ أَوْ يَسَارِ كَمَا رَوَى الْبُخَارِيْ
كِلَاهُمَا فِيْ مُسْلِمٍ وَ يُجْمَعُ بِأَنَّ ذَا فِيْ حَالَتَيْنِ يَقَعُ
أَوْ خَاتِمَيْنِ كُلٌّ وَاحِدٌ بِيَدٍ كَمَا بِفَصٍّ حَبَشِيٍّ قَدْ وَرَدْ

ترجمہ: ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دائیں یا بائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنتے تھے جیسا کہ بخاری نے روایت کیا ہے۔

۲۔ دونوں ہاتھوں میں پہننے کا ذکر صحیح مسلم میں ہے، ان متعارض روایتوں کو یوں جمع کیا گیا کہ یہ دو حالتوں میں واقع ہوتا یعنی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہاتھ اور کبھی بائیں ہاتھ میں پہنتے تھے۔

۳۔ یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو انگوٹھیاں تھیں، ہر ہاتھ میں ایک ایک انگوٹھی تھی، جیسا کہ حبشی پتھر کے نگینہ میں حدیث آئی ہے یعنی جس طرح وہاں یہ تاویل کی گئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کم از کم دو انگوٹھیاں تھیں، اسی طرح یہاں بھی یہی تاویل مراد ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دونوں ہاتھوں میں انگوٹھی پہننا ثابت ہے، لہذا بائیں ہاتھ میں پہننا بھی سنت ہے، یہ نہ تو مکروہ ہے اور نہ خلاف اولیٰ ہے، البتہ بعض کے بقول دائیں ہاتھ میں پہننا افضل ہے، کیونکہ دائیں ہاتھ کو بہر حال فضیلت حاصل ہے۔(۱)

## کس ہاتھ میں انگوٹھی پہنی جائے

امام نووی فرماتے ہیں کہ دونوں ہاتھوں میں انگوٹھی پہنی جاسکتی ہے، اس میں کوئی کراہت نہیں، حضرت امام شافعی کے نزدیک دائیں ہاتھ میں پہننا افضل ہے، اس لیے کہ انگوٹھی پہننا ایک زینت ہے، اور دایاں ہاتھ زینت کا زیادہ مستحق ہے، نیز بایاں ہاتھ استنجاء کے لیے استعمال ہوتا ہے، تو انگوٹھی کے ناپاک ہونے کا خطرہ رہے گا، حضرات حنفیہ، مالکیہ اور حنابلہ کے نزدیک بائیں ہاتھ میں پہننا افضل ہے، کیونکہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری عمل رہا، استنجا کے وقت انگوٹھی کو اتار لیا جائے تا کہ وہ گندگی سے آلودہ نہ ہو۔(۲)

## حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما

مذکورہ احادیث میں سے دو کے راوی حضرت عبداللہ بن جعفر طیار رضی اللہ عنہما ہیں، ان کی والدہ حضرت اسماء بنت عمیس خثعمیہ رضی اللہ عنہا ہیں، حضرت جعفر اپنی اہلیہ کے ساتھ مکی دور میں ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے تھے، وہاں پر حضرت عبداللہ

---

(۱) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۱۸۶، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۲۰۸)

(۲) فتح الباری ۱۰/۴۰۱، عمدة القاری ۲۲/۳۶ كتاب اللباس، باب من جعل فص الخاتم فی بطن كفه، ط: كوئٹه

پیدا ہوئے، یہ مسلمانوں کے پہلے بچے تھے، جو ارض حبشہ پر پیدا ہوئے۔

پھر حضرت جعفر حبشہ سے واپس مدینہ منورہ میں آئے، اور غزوہ موتہ میں انہیں شہادت کا اعزاز حاصل ہوا، اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عبداللہ بن جعفر کے بارے میں فرمایا: وَاَمَّا عَبْدُ اللّٰہِ فَیُشْبِہُ خَلْقِیْ وَ خُلُقِیْ (عبداللہ تو تخلیق اور اخلاق کے اعتبار سے میرے مشابہ ہیں) کئی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جعفر کو اہل وعیال اور مال میں برکت کی دعا دی، جود وسخا اور اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے میں حضرت عبداللہ بہت مشہور تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت حضرت عبداللہ کی عمر دس سال تھی، پھر بھی انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بہت سی احادیث محفوظ کی ہیں، جنہیں صحاح ستہ میں نقل کیا گیا ہے، ۸۰ ہجری یا ۸۴ ہجری میں مدینہ منورہ میں حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہما کا انتقال ہوا۔(۱)

عَنِ الصَّلْتِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ: کَانَ ابْنُ عَبَّاسٍ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِہٖ، وَلاَ إِخَالُہٗ إِلَّا قَالَ: کَانَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَتَخَتَّمُ فِیْ یَمِیْنِہٖ.(۲)

ترجمہ: صلت بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عباس اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے، اور میرا گمان ہے کہ ابن عباس یہ بھی کہا کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یتختم: انگوٹھی پہنتے، ولا اخالہ الا قال: صیغہ متکلم ہے، ہمزے کے نیچے زیر اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں، صرفی قاعدے کے مطابق ہمزہ پر زبر ہونی چاہیے، زیر خلاف قیاس ہے، مگر کثرت استعمال کی وجہ سے ہمزے کے نیچے زیر کو فصیح کہا گیا ہے اور ''اخالہ'' میں ''ہ'' ضمیر ابن عباس کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: اور میں ابن عباس کے بارے میں خیال اور گمان نہیں کررہا مگر یہ کہ وہ کہا کرتے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حضرت صلت کی اس حدیث کو یہاں مختصر نقل کیا ہے، سنن ابی داؤد میں ذرا تفصیل ہے ''محمد بن اسحاق کہتے ہیں کہ میں نے صلت بن عبداللہ کے دائیں ہاتھ کی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی دیکھی، میں نے ان سے اس کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نے عبداللہ بن عباس کو اسی طرح انگوٹھی پہنے دیکھا ہے، اور انہوں نے انگوٹھی کے نگینہ کو اوپر کی جانب کر رکھا تھا، اور میرا خیال ہے کہ ابن عباس یہ بھی ذکر کرتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنی انگوٹھی اسی طرح پہنا کرتے تھے۔(۳)

---

(۱) الاصابۃ ۴/۳۵، حرف العین، رقم: ۴۶۰۹

(۲) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۴۲۲۹۔

(۳) بذل المجہود ۱۷/۶۰، کتاب الخاتم، باب ما جاء فی التختم فی الیمین، رقم الحدیث: ۴۲۲۹۔

اس حدیث میں دو امر ہیں:

۱۔ اس روایت میں تو یہ ہے کہ آپ ﷺ انگوٹھی کا نگینہ اوپر کر کے رکھتے تھے، جبکہ اکثر روایات میں نگینہ کا ہاتھ کے اندر کے حصہ یعنی ہتھیلی کی طرف رکھنے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ نگینہ کو کبھی اندر کی جانب اور کبھی اوپر کر کے رکھتے تھے، مگر صحیح طریقہ یہی ہے کہ نگینہ اندر کی طرف کر کے رکھا جائے، چنانچہ امام ترمذی نے اس کے بعد جو روایت ذکر کی ہے، اس میں بھی اسی کا ذکر ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ نگینہ کو اندر کی طرف رکھنے میں اس کی حفاظت ہے، اس سے انسان کے مزاج میں تکبرو غرور اور خود پسندی بھی پیدا نہیں ہوتی، اگر نگینہ پر کچھ لکھا ہوا ور اسے اوپر کی جانب کر کے رکھا جائے تو اس بات کا قوی امکان ہوتا ہے کہ اسے پتھر یا لوہے وغیرہ سے ایسی کوئی رگڑ پڑ جائے کہ جس سے وہ نگینہ یا اس کا نقش خراب ہو جائے، تاہم ترمذی کی مذکورہ روایت سے اس بات کا جواز ثابت ہوتا ہے کہ انگوٹھی کے نگینہ کو اوپر کی جانب کر کے رکھا جا سکتا ہے۔

۲۔ رسول اللہ ﷺ چھنگلی یعنی چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے، چنانچہ علامہ مناوی نے شرح شمائل میں چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہننے پر اجماع نقل کیا ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ حضرت علی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے مجھے شہادت کی انگلی اور اس کے ساتھ والی انگلی میں انگوٹھی پہننے سے منع کیا ہے، اس لیے ان میں انگوٹھی پہننا مردوں کے لیے مکروہ تنزیہی ہے، البتہ چھوٹی انگلی کے ساتھ والی انگلی یعنی بنصر اور انگوٹھے میں انگوٹھی پہننا نہ تو نبی کریم ﷺ سے ثابت ہے اور نہ ہی صحابہ و تابعین سے منقول ہے۔ اس لیے حنفیہ اور شافعیہ کے نزدیک بہتر یہی ہے کہ مرد حضرات صرف چھوٹی انگلی میں انگوٹھی پہنا کریں، اور خواتین کسی بھی انگلی میں انگوٹھی پہن سکتی ہیں۔(۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اتَّخَذَ خَاتَمًا مِنْ فِضَّةٍ، وَجَعَلَ فَصَّهُ مِمَّا يَلِي كَفَّهُ، وَنَقَشَ فِيهِ مُحَمَّدٌ رَسُولُ اللهِ، وَنَهَى أَنْ يَنْقُشَ أَحَدٌ عَلَيْهِ وَهُوَ الَّذِي سَقَطَ مِنْ مُعَيْقِيبٍ فِي بِئْرِ أَرِيسٍ.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ نے ایک چاندی کی انگوٹھی بنوائی، اور آپ ﷺ نے اس کا نگینہ اپنی ہتھیلی کی جانب کر دیا تھا، اور آپ ﷺ نے اس نگینہ میں "محمد رسول اللہ" نقش کرایا تھا، اور اس سے منع فرمایا کہ کوئی اور شخص اپنی انگوٹھی پر یہ لکھوائے، یہ وہی انگوٹھی تھی جو حضرت معیقیب سے (حضرت عثمان کے زمانہ میں) بیر اریس میں گر گئی تھی۔

---

(۱) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱۸۸/۱، باب ما جاء فی تختم رسول الله ﷺ، مرقاة المفاتیح ۲۵۰/۸، کتاب اللباس، باب الخاتم، رقم: ۴۳۹۰، تکملة فتح الملهم ۱۳۹/۴، کتاب اللباس، باب النهی عن التختم فی الوسطی، رقم الحدیث: ۵۴۴۷، بذل المجهود ۵۹/۱۷، کتاب الخاتم، باب ما جاء فی خاتم الحدید، رقم الحدیث: ۴۲۲۵۔

(۲) الصحیح لمسلم، اللباس، رقم الحدیث: ۲۰۹۱۔

## انگوٹھی پر ''محمد رسول اللہ'' کے نقش کا حکم

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کا عام معمول یہی تھا کہ انگوٹھی کے نگینہ کو اندر کی جانب یعنی ہتھیلی کی طرف کر کے رکھتے تھے۔

۲۔ آپ ﷺ کی انگوٹھی کے نگینہ پر ''محمد رسول اللہ'' کا نقش تھا، یہ انگوٹھی چونکہ مہر کے طور پر استعمال ہوتی تھی، اس لیے آپ ﷺ نے منع کر دیا تھا کہ اور کوئی شخص اس طرح کی انگوٹھی نہ بنوائے، تاکہ کوئی التباس نہ ہو، اس پر سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت معاذ کی انگوٹھی کے نگینہ پر بھی ''محمد رسول اللہ'' لکھا ہوا تھا، حالانکہ آپ ﷺ نے اس سے منع فرما دیا تھا، شارحین حدیث نے اس کے تین جواب دیے ہیں:

- حضرت معاذ کی انگوٹھی پر یہ نقش ممانعت سے پہلے لکھا گیا تھا۔
- یہ ان کی خصوصیت تھی، یا انہیں ممانعت کا حکم معلوم نہیں تھا۔
- ہوسکتا ہے کہ یہ نقش انہوں نے نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اپنی انگوٹھی کے نگینہ پر لکھوایا ہو، کیونکہ ممانعت کا یہ حکم صرف نبی کریم ﷺ کی زندگی تک تھا، آپ ﷺ کی وفات کے بعد اس طرح کا نقش کرایا جا سکتا تھا، مگر صحابہ کرام کا کمال اتباع دیکھیے کہ جب تک نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی ان میں موجود تھی، حضرت صدیق اکبر، حضرت عمر فاروق ؓ اور حضرت عثمان ؓ نے مہر کے لیے نئی انگوٹھی نہیں بنوائی، اسی کو وہ مہر کے لیے استعمال کرتے تھے، پھر وہ انگوٹھی اس کنویں میں گر گئی، کس کے ہاتھ سے گری، اس کی تفصیل پہلے گزر چکی ہے۔(۱)

## حضرت معیقیب بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ

حضرت معیقیب: (میم پر پیش، عین پر زبر، معقاب کی تصغیر ہے) بن ابی فاطمہ دوسی رضی اللہ عنہ بنی امیہ کے حلیف تھے، مکی دور میں ہی انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، ہجرت کر کے حبشہ تشریف لے گئے تھے، بدر واحد، بیعت رضوان اور دیگر تمام معرکوں میں شریک رہے، نبی کریم ﷺ کے زمانے سے لے کر حضرت عثمان کے زمانے میں بھی نبی کریم ﷺ کی انگوٹھی کے محافظ رہے، حضرت عمر فاروق اور حضرت عثمان نے انہیں بیت المال کا ذمہ دار بنایا تھا، صحابہ میں سے ان کو جذام اور حضرت انس ؓ کو برص کی بیماری تھی، حضرت عمر ؓ کے حکم پر ایلوے سے حضرت معیقیب کا علاج کیا گیا، اس سے ان کو افاقہ ہو گیا تھا، حضرت عثمان کے

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۸۹/۱، مرقاۃ المفاتیح ۲۴۳/۸، کتاب اللباس، باب الخاتم، رقم الحدیث: ۴۳۸۳

زمانہ خلافت کے آخر میں یا حضرت علی کے زمانے میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ يَتَخَتَّمَانِ فِي يَسَارِهِمَا.(۲)

ترجمہ: امام محمد باقر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن و حضرت حسین رضی اللہ عنہما اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَمِينِهِ، وَقَالَ أَبُو عِيسَى: هٰذَا حَدِيثٌ غَرِيبٌ لَا نَعْرِفُهُ مِنْ حَدِيثِ سَعِيدِ بْنِ أَبِي عَرُوبَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَ هٰذَا إِلَّا مِنْ هٰذَا الْوَجْهِ. وَرَوَى بَعْضُ أَصْحَابِ قَتَادَةَ، عَنْ قَتَادَةَ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ يَتَخَتَّمُ فِي يَسَارِهِ وَهُوَ حَدِيثٌ لَا يَصِحُّ أَيْضًا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ سے ہی یہ بھی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنتے تھے۔

## حضرات حسنین بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے دائیں اور بائیں دونوں ہاتھوں میں انگوٹھی پہننا ثابت ہے، اور بعض حضرات کے بقول نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری معمول بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا تھا، حضرت حسن و حسین کے عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، کیونکہ لا محالہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنے دیکھا ہوگا، حضرت امام محمد باقر والی روایت یہاں مختصر ہے، مگر سنن بیہقی میں مرفوعاً ذرا تفصیل سے یوں منقول ہے کہ ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی اور حضرات حسنین بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہنا کرتے تھے'' اس سے معلوم ہوا کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا بھی مسنون ہے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ باب کا تقاضا تو یہ تھا کہ امام ترمذی صرف وہی احادیث اس میں ذکر کرتے، جن میں دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے، جبکہ یہاں ایک امام محمد باقر والی روایت اور حضرت انس کی ایک روایت میں بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے۔

اس بارے میں تین باتیں پیش نظر رہیں:

- بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان روایات کو ذکر کر کے ان کا شاذ اور ضعیف ہونا بتانا مقصود ہے، کیونکہ کثیر روایات میں دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر ہے۔

---

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة ۱۵۳/۶، حرف المیم، رقم: ۸۱۸۲

(۲) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحدیث: ۱۷۴۳۔

۞ ان روایات کو ذکر کرنے سے یہ بتانا مقصود ہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا جائز ہے، حرام نہیں، جبکہ باب کے عنوان میں "دائیں ہاتھ" کی قید سے افضلیت کو بیان کرنا مقصود ہے کہ دائیں ہاتھ کو بائیں ہاتھ پر چونکہ ایک گونہ شرف حاصل ہے، اس لیے دائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا افضل ہے۔

۞ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ حضرت انس کی یہ دونوں روایتیں صحیح نہیں، مطلب یہ ہے کہ اس سند سے ان احادیث میں ہاتھ کی تعیین نہیں ہے، اس پر کلام ہے، اس لیے ان روایات سے استدلال نہیں کیا جاسکتا، مگر یہ ذہن میں رہے کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننے کا ذکر صحیح مسلم اور سنن ابو داؤد وغیرہ میں موجود ہے، چنانچہ امام نووی نے دونوں قسم کی روایات کو صحیح بتایا ہے، اس لیے ان روایات میں اگرچہ امام ترمذی نے کلام کیا ہے مگر دیگر روایات سے بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننا ثابت ہے۔(۱)

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: اتَّخَذَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَاتَمًا مِنْ ذَهَبٍ، فَكَانَ يَلْبَسُهُ فِي يَمِيْنِهِ، فَاتَّخَذَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَ مِنْ ذَهَبٍ، فَطَرَحَهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ: لَا أَلْبَسُهُ أَبَدًا، فَطَرَحَ النَّاسُ خَوَاتِيْمَهُمْ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سونے کی ایک انگوٹھی بنوائی، جسے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دائیں ہاتھ میں پہنا کرتے تھے، صحابہ نے بھی (اتباعاً) سونے کی انگوٹھیاں بنوالیں، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ انگوٹھی پھینک دی، اور یہ فرمایا کہ میں اسے کبھی نہیں پہنوں گا، پھر لوگوں نے بھی اپنی انگوٹھیاں پھینک دیں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اتخذ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بنوائی، طرحہ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وہ انگوٹھی پھینک دی، خواتیم: خاتم کی جمع ہے: انگوٹھیاں۔

## مسلمان مردوں پر سونے کا استعمال حرام ہے

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۞ ابتداء اسلام میں سونے کا استعمال جائز تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا، اب صرف خواتین کے لیے سونے کا استعمال جائز ہے، مردوں کے لیے جائز نہیں۔

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دائیں ہاتھ سے سونے کی انگوٹھی اتار کر پھینک دی، کیونکہ اسی وقت حرمت کا حکم نازل ہوا تھا، امام محی السنہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ایک تو یہ معلوم ہوا کہ مردوں کے لیے سونا حرام ہے، اور دوسرا یہ کہ بائیں ہاتھ میں انگوٹھی پہننی چاہیے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ میں چاندی کی انگوٹھی دیکھی تو انہوں نے بھی

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۸۹، خصائل نبوی ﷺ (ص:۱۱۳)

(۲) الصحیح للبخاری، اللباس، باب خواتیم الذھب، رقم الحدیث: ۵۸۶۵۔

چاندی کی انگوٹھیاں بنوالیں پھر ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چاندی کی انگوٹھی اتار کر پھینک دی تو صحابہؓ نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر اپنے ہاتھوں سے انگوٹھیاں نکال کر پھینک دیں، علامہ بغوی فرماتے ہیں: ہوسکتا ہے کہ کچھ لوگوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے محسوس کیا ہو کہ وہ اس طرح کی انگوٹھی سے خود پسندی، عجب اور تکبر میں مبتلی ہورہے ہیں، تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انگوٹھی پھینک دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں سب لوگوں نے اپنی انگوٹھیاں اتار کر پھینک دیں، ایسا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی اصلاح کے لیے کیا، بعد میں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ضرورت کے وقت مہر لگانے کے لیے چاندی کی انگوٹھی پہن لی تھی۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ سَيْفِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کا بیان ہے

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَتْ قَبِيعَةُ سَيْفِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کے دستہ کا کنارہ (گرہ یا ٹوپی) چاندی کا تھا۔

عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي الْحَسَنِ قَالَ: كَانَتْ قَبِيعَةُ سَيْفِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ فِضَّةٍ.(۳)

ترجمہ: حضرت سعید بن ابی الحسن کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تلوار کے دستہ کا کنارہ (یا ٹوپی) چاندی کا تھا۔

عَنْ هُودٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللَّهِ بْنِ سَعْدٍ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: دَخَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَى سَيْفِهِ ذَهَبٌ وَفِضَّةٌ. قَالَ طَالِبٌ: فَسَأَلْتُهُ عَنِ الْفِضَّةِ فَقَالَ: كَانَتْ قَبِيعَةُ السَّيْفِ فِضَّةً.(۴)

ترجمہ: حضرت ہود کے نانا حضرت مزیدہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن (جب) مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار پر سونے اور چاندی کا کام تھا، حدیث کے راوی طالب کہتے ہیں کہ میں نے (اپنے استاذ) ہود سے چاندی کے بارے میں پوچھا (کہ وہ تلوار کی کس جگہ پر تھی) انہوں نے فرمایا: تلوار کے دستہ کا کنارہ چاندی کا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قبیعة: (قاف پر زبر) تلوار وغیرہ کے قبضہ کے کنارہ پر چڑھا ہوا لوہا یا چاندی، تلوار کی ٹوپی پر چڑھا ہوا لوہا یا چاندی، وعلی سیفه ذهب وفضة: اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار پر سونے اور چاندی کا کام تھا۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۹۱ مرقاۃ المفاتیح ۸/۲۴۳، کتاب اللباس، باب الخاتم، رقم الحدیث: ۴۳۸۳

(۲) سنن ترمذی ۴/۲۰۱/۱۶۹۱/باب السیوف وحلیتها/دار احیاء التراث، بیروت۔

(۳) سنن ابی داؤد ۲/۸۳۵/۲۵۸۶/باب فی السیف تحلی/دار الکتاب العربی بیروت۔

(۴) سنن ترمذی ۴/۲۰۰/۱۶۹۰/باب السیوف وحلیتها/دار احیاء للتراث، بیروت۔

# نبی کریم ﷺ کی نو تلواریں

ابن قیم فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے پاس نو عدد تلواریں تھیں، جن کے نام یہ ہیں:

۱۔ ماثور: یہ سب سے پہلی وہ تلوار ہے، جو نبی کریم ﷺ کو اپنے والد صاحب کے ترکہ میں ملی تھی۔

۲۔ ذوالفقار: یہ منبہ بن حجاج کی تلوار تھی، جو غزوۂ بدر میں کفر کی حالت میں ہی قتل کر دیا گیا تھا، یہ تلوار نبی کریم ﷺ کو پسند آگئی، آپ ﷺ نے مال غنیمت کی تقسیم کے وقت اپنے حصے سے زائد اسے اپنے پاس رکھ لیا، ایسا کرنا آپ ﷺ کے لیے جائز تھا، کئی معرکوں اور غزوات میں دیگر تلواروں کے ساتھ آپ ﷺ کے پاس یہ تلوار بھی رہی، اور قاموس میں لکھا ہے کہ یہ تلوار منبہ کے بیٹے عاص کی ملکیت میں تھی، جو غزوہ بدر میں حضرت علی کے ہاتھوں مارا گیا، پھر نبی کریم ﷺ نے یہ تلوار حضرت علی کو ہی عطا فرما دی تھی۔

علامہ تورپشتی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ احد کے موقع پر خواب دیکھا کہ آپ ﷺ نے ذوالفقار تلوار کو ہلایا تو وہ درمیان سے ٹوٹ گئی، پھر دوبارہ جب اسے ہلایا تو وہ پہلے سے بھی زیادہ اچھی ہوگئی، چنانچہ غزوہ احد کے دن اس خواب کی تعبیر یہ سامنے آئی کہ پہلے مسلمانوں کو کچھ شکست کا سامنا کرنا پڑا، پھر جنگ کی کایا پلٹی اور اللہ جل شانہ نے بالآخر مسلمانوں کو فتح عطا فرما دی۔

اس تلوار کو "ذوالفقار" اس لیے کہا جاتا تھا کہ اصل میں "فقار" پشت کی ہڈی کو کہتے ہیں، اس تلوار کی پشت پر چھوٹے چھوٹے خوبصورت گڑھے تھے، اس لیے اسے ذوالفقار کہا جانے لگا۔(۱)

۳۔ قلعی (قاف پر پیش اور زبر اور لام پر زبر) یہ قلع کی طرف منسوب ہے، جو ایک جگہ کا نام ہے۔

۴۔ بتار: (باء پر زبر اور تا پر زبر و تشدید): بہت کاٹنے والی تیز تلوار۔

۵۔ حتف: (حاء پر زبر اور تاء ساکن) اس کے معنیٰ ہیں: ہلاکت، موت، یعنی یہ تلوار دشمن کو موت سے دوچار کرتی ہے، یہ تینوں تلواریں بنی قینقاع کے مال سے حاصل ہوئی تھیں۔

۶۔ قضیب: اس کے معنیٰ ہیں: بہت تیز تلوار۔

۷۔ غضب: یہ تلوار حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کی تھی، اس کے معنیٰ ہیں: تیز تلوار۔

۸۔ رسوب: اس کے معنیٰ ہیں: اندر تک گھس جانے والی تیز تلوار۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵۳۲/۷، کتاب الجهاد، باب قسمة الغنائم، رقم الحديث: ۴۰۱۸

۹۔ مِخذم: (میم کے نیچے زیر، خاء ساکن اور ذال پر زبر): تیز تلوار، سیف قاطع۔(۱)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کے دستہ کا کنارہ چاندی کا تھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذوالفقار تلوار کے دستہ کا کنارہ (یا ٹوپی) چاندی کا تھا، تاکہ اس دستہ کو مضبوطی سے پکڑا جاسکے، یہ اس امت کی خصوصیات میں سے ہے، پہلی شریعتوں میں تلوار کو سونے چاندی سے آراستہ نہیں کیا جاسکتا تھا، بلکہ اونٹ کے تازہ چمڑے کو ایک مخصوص طریقے سے دستہ پر چڑھایا جاتا تھا، جب وہ چمڑا خشک ہوجاتا تو اس پر تلوار کا وار اثر نہیں کرتا تھا، فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ذوالفقار تلوار ہی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ تلوار اور دیگر جنگی آلات کو تھوڑی سی چاندی سے آراستہ کیا جاسکتا ہے، سونے سے آراستہ کرنا جائز نہیں ہے، حضرت مزیدہ کی فتح مکہ والی مذکورہ روایت سے جنگی آلات پر سونے کے استعمال کے جواز پر استدلال نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ اس حدیث کے بارے میں شارحین حدیث نے دو باتیں ذکر کی ہیں:

- قطان کہتے ہیں کہ حضرت مزیدہ کی یہ روایت ضعیف اور منکر ہے، اس لیے اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا۔
- اور اگر اس روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو اس کے معنی یہ ہوں گے کہ اس تلوار پر سونے اور چاندی کا ملمع کیا گیا تھا، یعنی اس پر کچھ سونے اور چاندی کا پانی چڑھایا گیا تھا، سونے سے کوئی چیز بنی ہوئی نہیں تھی، یہی وجہ ہے کہ طالب راوی نے اپنے استاذ سے چاندی کی جگہ پوچھی کہ وہ تلوار میں کس مقام پر تھی، تو انہوں نے بتایا کہ اس کے دستہ کا کنارہ چاندی کا تھا۔

بعض حضرات نے یہ جواب دیا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ اس وقت سونے کی حرمت کا حکم نازل نہ ہوا ہو، یہ جواب اس لیے درست نہیں کہ سونے کی حرمت کا حکم اس سے پہلے نازل ہوچکا تھا۔

عن جدہ، اس سے حضرت ہود کے نانا حضرت مزیدہ مراد ہیں، کیونکہ بعض نسخوں میں عن جدہ کے ساتھ "لأمه" کے الفاظ منقول ہیں۔(۲)

عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ: صَنَعْتُ سَيْفِي عَلَى سَيْفِ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ، وَزَعَمَ سَمُرَةُ أَنَّهُ صَنَعَ سَيْفَهُ عَلَى سَيْفِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ حَنَفِيًّا.(۳)

حضرت محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار حضرت سمرہ کی تلوار کے طرز پر بنوائی، اور حضرت سمرہ فرماتے تھے کہ ان کی تلوار حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار کے طرز پر بنائی گئی (یا انہوں نے بنائی) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تلوار قبیلہ بنو حنیفہ کی تلواروں کے نمونہ پر تھی۔

---

(۱) زاد المعاد لابن القیم ۱/۱۳۰ فصل فی ذکر سلاحه وأثاثه صلی اللہ علیه وسلم، ط: بیروت

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۹۲، المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۲۱۷، ۲۱۸)

(۳) سنن الترمذی، الجهاد، رقم الحدیث: ۱۶۸۳۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ علی سیف سمرۃ: حضرت سمرہ کی تلوار کی شکل وصورت اور کیفیت پر، اس تلوار کی طرز پر، زعم سمرۃ: حضرت سمرہ کہا کرتے، انہ صنع سیفہ: صنع کو معروف اور مجہول دونوں طرح پڑھا جا سکتا ہے، معروف کی صورت میں ترجمہ: انہوں نے اپنی تلوار کو بنایا یا بنوایا، مجہول ہو تو یہ ترجمہ ہوگا: ان کی تلوار کو بنایا گیا، بعض نسخوں میں صیغ سیفہ ہے، ترجمہ: ان کی تلوار کو ڈھالا گیا، بنایا گیا، و کان حنفیا: اور وہ تلوار قبیلہ بنوحنیفہ کی تلواروں کی شکل وصورت اور کیفیت پر تھی، اس جملے کا قائل کون ہے؟ اس میں تین احتمال ہیں:

۱۔ اس کے قائل ابن سیرین ہیں، یعنی یہ مرسل ابن سیرین ہے، اس صورت میں کان کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی طرف لوٹے گی۔

۲۔ یا اس کے قائل حضرت سمرہ ہیں، اس صورت میں بھی کان کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی طرف لوٹے گی۔

۳۔ اگر کان کی ضمیر حضرت سمرہ کی تلوار کی طرف لوٹائی جائے تو پھر و کان حنفیا کا کلام ابن سیرین کا ہوگا، حنفیا: قبیلہ بنو حنیفہ کی تلوار کی شکل وصورت، طرز اور کیفیت والی تلوار۔

## قبیلہ بنوحنیفہ کی تلواروں کی طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حنفی تلوار

ابن سیرین فرماتے ہیں کہ میں نے اپنی تلوار اس طرح بنوائی، جس طرح حضرت سمرہ کی تلوار تھی، اور حضرت سمرہ فرمایا کرتے کہ میری تلوار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی شکل وصورت اور طرز پر تھی، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار قبیلہ بنوحنیفہ کی تلواروں کی طرح تھی، بنوحنیفہ عرب کا ایک مشہور قبیلہ ہے، جو تلواروں کے عمدہ بنانے میں بہت مشہور تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار بھی اس قبیلہ کے ایک کاریگر نے بنائی تھی، یا اس قبیلہ کے علاقے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار لائی گئی تھی، اس لیے اس تلوار کو حنفی کہا جاتا تھا، پھر دوسرے لوگ یکے بعد دیگرے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں اسی طرح کی تلوار بناتے رہے، جس طرح کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار کی شکل وصورت اور ہیئت تھی۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ دِرْعِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زرہ کا بیان ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سات زرہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سات زرہوں کے نام یہ ہیں:

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۶۵، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۲۲۰)

۱۔ ذات الفضول: یہ لوہے کی ایک بہت وسیع زرہ تھی، غزوہ بدر کے موقع پر حضرت سعد بن عبادہ نے یہ زرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دی تھی، کہا جاتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوہ حنین کے موقع پر اسی زرہ کو پہنا تھا، یہ وہی زرہ ہے جسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل خانہ کے کھانے کے لیے تیس صاع جو یعنی تقریباً اڑھائی من جو کے عوض ابوشحم یہودی کے پاس ایک سال کے لیے رہن رکھوا دی تھی۔

۲۔ ذات الوشاح۔ ۳۔ ذات الحواشی۔ ۴۔ سغدیہ (عین پر نقطہ اور بغیر نقطہ دونوں طرح نقل کیا گیا ہے) ۵۔ فضہ، یہ دونوں زرہیں بنی قینقاع سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ملی تھیں اور کہا جاتا ہے کہ سغدیہ نامی زرہ حضرت داؤد علیہ السلام کی تھی، جسے انہوں نے جالوت کے ساتھ لڑنے کے لیے پہنا تھا، پھر ہوتے ہوتے یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس پہنچ گئی، ۶۔ البتراء، ۷۔ خرنق۔(۱)

**عَنِ الزُّبَيْرِ بْنِ الْعَوَّامِ قَالَ: كَانَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانِ، فَنَهَضَ إِلَى الصَّخْرَةِ فَلَمْ يَسْتَطِعْ، فَأَقْعَدَ طَلْحَةَ تَحْتَهُ، وَصَعِدَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى اسْتَوَى عَلَى الصَّخْرَةِ قَالَ: سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: أَوْجَبَ طَلْحَةُ.** (۲)

ترجمہ: حضرت زبیر بن عوام فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بدن مبارک پر احد کے دن دو زرہیں تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چٹان پر چڑھنا چاہا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر چڑھ نہ سکے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ کو اپنے نیچے بٹھایا، اور (ان پر پاؤں رکھ کر) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چڑھ گئے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹان پر سیدھے کھڑے ہو گئے، حضرت زبیر کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ: طلحہ نے اپنے لیے جنت واجب کر لی۔

**عَنِ السَّائِبِ بْنِ يَزِيدَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ عَلَيْهِ يَوْمَ أُحُدٍ دِرْعَانِ، قَدْ ظَاهَرَ بَيْنَهُمَا.** (۳)

حضرت سائب بن یزید فرماتے ہیں کہ غزوۂ احد کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر دو زرہیں تھیں، جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوپر نیچے پہن رکھا تھا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** درعان: (دال کے نیچے زیر) درع کا تثنیہ ہے: دو زرہیں، زرہ کے معنی ہیں: لوہے کا جالی دار کرتا، جسے لڑائی کے وقت پہنا جاتا تھا تاکہ اس پر تلوار وغیرہ کا اثر نہ ہو، فنهض الى صخرة: آپ صلی اللہ علیہ وسلم چٹان کی طرف اٹھے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چٹان پر چڑھنا چاہا، صخرة: پتھر کی چٹان، فأقعد تحته: چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت طلحہ کو اپنے نیچے بٹھایا،

---

(۱) زاد المعاد لابن القیم ۱/۱۳۰، فصل فی ذکر سلاحه و أثاثه صلی الله علیه وسلم، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۹۶

(۲) سنن الترمذی، الجهاد، رقم الحدیث: ۱۶۹۲، المناقب، رقم الحدیث: ۳۷۳۹۔

(۳) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۲۵۹۰۔

حتی استوی: یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سیدھے کھڑے ہو گئے، أوجب طلحة: طلحہ نے اپنے لیے جنت یا میری شفاعت واجب کر لی، ظاهر بينهما: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں زرہوں کو اوپر نیچے پہنا یعنی ایک زرہ کے اوپر دوسری زرہ کو ملا کر پہنا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جنگ میں دو زرہیں پہننا مقام توکل کے منافی نہیں

مذکورہ احادیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے غزوۂ احد کے موقع پر جنگی نقطہ نظر سے اپنے جسم مبارک پر دو زرہیں پہنیں، ایک کے اوپر دوسری زرہ، کیونکہ اللہ جل شانہ نے قرآن مجید میں بہت سی آیات میں حکم دیا ہے مثلاً فرمایا: وَأَعِدُّوا لَهُم مَّا اسْتَطَعْتُم مِّن قُوَّةٍ دشمن سے بچاؤ اور ان سے مقابلہ کرنے کے لیے آلات جہاد کے ذریعہ اپنی تیاری کرتے رہو، اور فرمایا: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا خُذُوا حِذْرَكُمْ فَانفِرُوا ثُبَاتٍ أَوِ انفِرُوا جَمِيعًا سورۃ نساء (اے ایمان والو! احتیاطی تدابیر اختیار کرو، یعنی دشمن کے حملے سے محتاط رہو اور ان سے مقابلہ کے لیے تیاری کرو، اور لڑائی کے وقت اسلحہ سے لیس رہو، اور ان سے مقابلے کے لیے الگ الگ یا اکٹھے ہو کر نکلو) تو زرہیں پہننا بھی چونکہ ایک بچاؤ کا سامان اور آلۂ جہاد ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہیں پہنیں، ایک تو اس لیے تاکہ اللہ جل شانہ کے حکم پر عمل ہو اور اس وجہ سے بھی تاکہ امت کو یہ عبرت اور پیغام جائے کہ حالت جنگ اور اپنے دفاع کے موقع پر اپنی جان کی حفاظت کے لیے زرہیں وغیرہ پہننا اور اسلحہ استعمال کرنا مقام توکل اور منصب نبوت کے منافی نہیں ہے، کیونکہ توکل ترک اسباب کا نام نہیں، بلکہ اپنی بساط کی حد تک اسباب کو اختیار کر کے اس کے نتیجہ کو اللہ جل شانہ پر چھوڑ دیا جائے، یہ ہے توکل، چنانچہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: اعْقِلْهَا وَتَوَكَّلْ کہ تم جانور کو رسی سے باندھا، پھر توکل کرو، اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری اسباب کو اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں۔ (۱)

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اپنے ملک وقوم اور وطن کی حفاظت کے لیے جدید سے جدید اسلحہ بنانا، اس کی مشقیں کرنا یہ سب حکم الٰہی ہے، اس سے اسلامی حکومت کو غافل نہیں ہونا چاہیے، ورنہ کفریہ طاقتیں عالم اسلام پر غالب آجائیں گی، جس کا آج ہم ہر طرف مشاہدہ کر رہے ہیں۔

## احد کے معرکہ میں حضرت طلحہ کی بے مثال قربانیاں

غزوہ احد میں ایک وقت ایسا آیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبل احد کے دامن میں پتھر کی ایک چٹان پر چڑھنا چاہ رہے تھے، تاکہ اس کے اوپر کھڑے ہو کر دشمن کے لشکر کا صحیح طرح جائزہ لیا جاسکے، اور تاکہ صحابہ کرام بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ ہیں، شہید نہیں ہوئے، کیونکہ یہ افواہ پھیل گئی تھی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی شہید ہو گئے ہیں، یوں صحابہ کرام بلندی سے

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۲۷۵/۱۱، كتاب المناقب باب مناقب العشرة المبشرة رقم: ۶۱۲۱، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المغازی ۱۹۶/۱

آپ ﷺ کو دیکھ کر دوبارہ میدان میں جمع ہو جائیں گے، مزید ذوق وشوق، ولولہ اور پوری جرأت و بہادری سے دشمن پر حملہ اور اپنا دفاع کریں گے، مگر آپ ﷺ کوشش کے باوجود اس حالت میں اس چٹان پر نہ چڑھ سکے، کیوں؟

- چٹان اونچی تھی اور زرہوں کا وزن زیادہ تھا، جس کی وجہ سے اوپر نہ چڑھ سکے۔
- نبی کریم ﷺ کا سر مبارک اور پیشانی دونوں زخمی تھے، اور ان سے بہت خون نکل رہا تھا، جیتی ہوئی جنگ شکست میں بدل رہی تھی، ان پریشانیوں کی وجہ سے ہمت نے آپ ﷺ کا ساتھ نہ دیا، اس لیے آپ ﷺ نہ چڑھ سکے۔

حضرت طلحہ کو آپ ﷺ نے نیچے بٹھایا اور ان پر پاؤں رکھ کر چٹان پر چڑھ گئے اور اس پر سیدھے کھڑے ہو گئے، اور پھر فرمایا کہ ''طلحہ نے اپنے لیے جنت یا میری شفاعت واجب کرلی'' کس طرح واجب کرلی، اس کی وجہ:

۱۔ یا تو خاص اس عمل کی وجہ سے کہ انہوں نے آپ ﷺ کو سہارا دے کر چٹان پر چڑھایا۔

۲۔ یا یہ بشارت ان تمام کارناموں کے پیش نظر دی گئی ہے، جو حضرت طلحہ نے غزوہ احد کے دن سرانجام دیئے ہیں، چنانچہ انہوں نے جان کی بازی لگا کر اپنے جسم کو نبی کریم ﷺ کے سامنے ڈھال بنالیا تھا، نبی کریم ﷺ کی طرف جو بھی تیر آتے، ان کے سامنے اپنا جسم کر لیتے اور آپ ﷺ کی طرف انہیں نہ جانے دیتے، یوں ان کا پورا جسم زخموں سے چھلنی ہو گیا تھا، ایک ہاتھ تو ہمیشہ کے لیے ناکارہ اور شل ہو گیا، ان کے جسم پر اسی (۸۰) سے زائد زخم شمار کیے گئے ہیں، جسم کا کوئی حصہ یہاں تک کہ مخصوص اعضاء بھی زخموں سے بچ نہ سکے، بعد میں احد کے معرکہ کا جب بھی تذکرہ ہوتا تو صحابہ کہا کرتے کہ احد کی جنگ کا سارا دن تو طلحہ کی سر فروشی، جرأت وشجاعت اور ایثار وقربانی کا دن تھا۔

دشمنوں میں سے عامر نامی شخص نے میدان احد میں ایک جگہ اس انداز سے گڑھے کھودے کہ آدمی کو محسوس ہی نہ ہوتے اور مزید یہ کہ انہیں اوپر سے ڈھانپ بھی دیا، تاکہ گذرنے والے کو ان کا پتہ نہ چل سکے، اس طرح نبی کریم ﷺ ایک گڑھے میں گر گئے، تو حضرت علیؓ نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا اور حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے آپ ﷺ کو اٹھا کر اس گڑھے سے باہر نکالا، یہ وہ خدمات ہیں جو حضرت طلحہ نے احد کے دن سرانجام دی ہیں، اس بناء پر نبی کریم ﷺ نے ان کو دنیا میں ہی جنت کی بشارت دی ہے۔

دوسری روایت یعنی حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ کی روایت مرسل صحابی ہے، کیونکہ حضرت سائب کی ولادت سن تین ہجری کی ہے، پھر دس ہجری میں حجۃ الوداع میں انہوں نے اپنے والد کے ساتھ حج کیا، اور غزوہ احد سن تین ہجری میں واقع ہوا ہے، اس وقت حضرت سائب کی عمر روایت اخذ کرنے کے قابل ہی نہیں تھی، اس کی تائید سنن ابی داؤد کی روایت سے ہوتی ہے، اس میں اس روایت کی سند یوں ہے: عن سائب بن یزید عن رجل۔۔۔، اس میں اس ''رجل'' سے بظاہر حضرت زبیر بن عوام مراد ہیں،

مگر یہ ذہن میں رہے کہ صحابی کی مرسل حدیث بھی قابل استدلال ہوتی ہے۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مِغْفَرِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث میں ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خود کا بیان ہے

### نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو خود

''خود'' لوہے کی بنی ہوئی ٹوپی ہوتی ہے جیسے موٹر سائیکل کا ہیلمنٹ ہوتا ہے، لڑائی کے وقت اسے سر پر پہنا جاتا ہے، تاکہ اس کا سر دشمن کے حملہ سے محفوظ رہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خود تھے، ایک کا نام: ''وشح یا موشح'' اور دوسرے کا نام ''ذو السبوع'' یا ''السبوع'' تھا۔(۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر جس وقت مکہ مکرمہ داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم احرام کے بغیر تھے، اور کچھ ساعات کے لیے حرم میں قتال کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جائز کر دیا گیا تھا، پھر اس کے بعد ہمیشہ کے لیے حرم میں قتال کو ممنوع کر دیا گیا۔

اس باب کی دونوں روایتوں میں ہے کہ اس موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر لوہے کا خود تھا، جبکہ اگلے باب کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر سیاہ پگڑی تھی، بظاہر دونوں روایتوں میں تعارض ہے، شارحین نے اس کی دو توجیہات ذکر کی ہیں:

- مکہ مکرمہ میں داخلے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر صرف خود تھا، بعد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر عمامہ بھی باندھ لیا، تو کسی راوی نے ابتدائی حالت کے لحاظ سے صرف یہ روایت کر دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر خود تھا، اور جس راوی نے پگڑی کو دیکھا تو اس نے صرف پگڑی کا ذکر کر دیا، اس سے معلوم ہوا کہ حقیقت میں ان دونوں باتوں میں تعارض نہیں ہے۔
- بعض حضرات فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لوہے کے زنگ، حرارت اور اس کی اذیت سے بچنے کے لیے اس کے نیچے پگڑی باندھ رکھی تھی، اس لیے دونوں باتوں میں تعارض نہیں۔(۳)

**عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ وَعَلَيْهِ مِغْفَرٌ، فَقِيلَ لَهُ: هٰذَا ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ، فَقَالَ: اقْتُلُوهُ۔(۴)**

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۱۱/۲۷۵، کتاب المناقب، باب مناقب العشرة المبشرة، رقم الحديث: ۶۱۲۱، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۱۹۶، ۱۹۷، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية، (ص: ۲۲۲)

(۲) زاد المعاد لابن القيم ۱/۱۳۱، فصل فی ذکر سلاحه وأثاثه ﷺ

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۰۲، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية، ص: ۳۲۴

(۴) الصحيح لمسلم، المناسک، رقم الحديث: ۱۳۵۷۔

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فتح مکہ کے دن مکہ مکرمہ میں اس طرح داخل ہوئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر پر خود تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا گیا کہ یہ ابن خطل ہے، جو بیت اللہ کے غلاف کے ساتھ چمٹا ہوا ہے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے تم لوگ قتل کر دو۔

عَنِ ابْنِ شِهَابٍ عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دَخَلَ مَكَّةَ عَامَ الْفَتْحِ، وَعَلٰى رَأْسِهِ الْمِغْفَرُ، قَالَ: فَلَمَّا نَزَعَهُ جَاءَهُ رَجُلٌ، فَقَالَ: ابْنُ خَطَلٍ مُتَعَلِّقٌ بِأَسْتَارِ الْكَعْبَةِ. فَقَالَ: اقْتُلُوْهُ، قَالَ ابْنُ شِهَابٍ: وَبَلَغَنِيْ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لَمْ يَكُنْ يَوْمَئِذٍ مُحْرِمًا۔(۱)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب فتح مکہ کے وقت شہر میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سر مبارک پر خود تھا، راوی کہتے ہیں: جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود کو اتار دیا تو ایک آدمی آیا، اس نے عرض کیا (یا رسول اللہ) ابن خطل کعبہ کے پردے میں لپٹا ہوا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اسے تم لوگ قتل کر دو، ابن شہاب زہری کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ بات پہنچی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دن احرام کی حالت میں نہیں تھے۔

## فتح مکہ کے دن ابن خطل کو قتل کرنے کا حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن جب اپنے سر مبارک سے خود اتارا تو حضرت سعید بن حریث یا حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہما نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتایا کہ ابن خطل بیت اللہ کے غلاف میں لپٹا ہوا ہے، زمانہ جاہلیت سے یہ دستور چلا آرہا تھا کہ جو مجرم بھی غلاف کعبہ میں لپٹ جاتا تو اسے معاف کر دیا جاتا تھا، اسی سوچ کے پیش نظر اس نے ایسا کیا مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ یہ ان لوگوں میں سے ہے، جن کو حرم میں بھی امن حاصل نہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ اسے قتل کر دیا جائے۔

عبداللہ بن خطل: اس کا اصل نام عبدالعزیٰ تھا، اس نے جب اسلام قبول کر لیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کا نام تبدیل کر کے عبداللہ رکھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے عامل بنا کر صدقات وصول کرنے کے لیے بھیجا، اس کے ساتھ ایک مسلمان غلام بھی تھا، راستے میں کسی منزل پر اس نے غلام کو کھانا تیار کرنے کے لیے کہا، غلام کسی وجہ سے سو گیا، اور کھانا تیار نہیں کیا، ابن خطل نے غصے میں آکر اسے قتل کر دیا، اور صدقات کے اونٹ لے کر مرتد ہو کر مکہ مکرمہ آگیا، یہاں آکر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہجو میں اشعار کہا کرتا تھا، اس کی دو باندیاں تھیں، ناچ گانے کی مجلسیں سجا کر ان سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اشعار پڑھواتا تھا، ایک تو یہ خون ناحق کا مجرم تھا، دوسرا ارتداد کا جرم تھا اور تیسرا جرم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خلاف اشعار کہنے کا تھا، ان تین میں سے ہر جرم کی سزا قتل ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن حکم دیا کہ اسے قتل کر دو، چنانچہ حضرت ابو برزہ اسلمی اور حضرت سعید بن حریث نے جا کر اسے قتل کر دیا۔

(۱) الصحیح للبخاری، کتاب المغازی، رقم الحدیث:۴۲۸۶

حدیث جاءہ رجل میں "رجل" سے حضرت فضلہ یا فضیلہ بن عبید ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ مراد ہیں۔(۱)

ابن خطل کے علاوہ اور بھی کچھ مرد اور خواتین ایسے تھے، جنہیں قتل کرنے کا حکم دیا گیا تھا، ان میں سے کچھ تائب ہو کر اسلام کے دائرہ میں داخل ہو گئے، اور کچھ کو قتل کیا گیا،(۲)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي عِمَامَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی کا بیان ہے۔

## پگڑی پہننا سنت ہے

پگڑی پہننا سنت ہے، احادیث میں اس کے بہت سے فضائل منقول ہیں، بعض احادیث درج ذیل ہیں:

۞ امام بیہقی نے ایک مرفوع حدیث نقل کی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اِعْتَمُّوْا تَزْدَادُوْا حِلْمًا، یعنی پگڑی باندھا کرو، اس سے تمہارے وقار اور بردباری میں اضافہ ہوگا۔(۳)

۞ حضرت عبداللہ بن عمر سے ایک آدمی نے آکر پوچھا: يَا اَبَا عَبْدِالرَّحْمٰنِ: اَلْعِمَامَةُ سُنَّةٌ؟ فَقَالَ: نَعَمْ، کیا پگڑی سنت ہے، حضرت عبداللہ بن عمر نے فرمایا کہ جی ہاں پگڑی باندھنا سنت ہے۔(۴)

اس حدیث میں پگڑی کے سنت ہونے کی تصریح ہے، بعض لوگ کہتے ہیں کہ پگڑی سنت نہیں، بلکہ یہ عربوں کی عادت تھی، مگر یہ بات درست نہیں، یہ سنت ہے، جیسا کہ اوپر حدیث میں اس کی وضاحت ہے، اور اگر پگڑی پہننا عربوں کی عادت بھی ہو تو بھی جب اس عمل کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عادۃ اختیار کیا ہے تو اس سے وہ عمل سنت بن جاتا ہے، ایسے عمل کو سنت عادیہ کہا جاتا ہے، سنت کی اتباع کی نیت سے جب اس پر عمل کیا جائے گا تو اس پر ثواب ملے گا۔

۞ حضرت عبدالاعلیٰ بن عدی فرماتے ہیں کہ غدیر خم کے مقام پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو بلایا، انہیں پگڑی پہنائی اور اس کا شملہ پیچھے کی طرف کیا پھر فرمایا کہ اس طرح پگڑی باندھا کرو، عمامہ اسلام کی علامت ہے، مسلمان اور کافر میں فرق کرنے والا ہے۔(۵)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱۹۹/۱، مع شرح المناوی، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية ص: ۲۲۵

(۲) مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: معارف ترمذی، جلد سوم، ص: ۳۰۷، ابواب التفسیر، باب: ومن سورۃ النحل، اس عنوان کے تحت: "فتح مکہ کے دن کچھ لوگوں کو قتل کرنے کا حکم"۔

(۳) شعب الایمان للبیہقی ۱۷۳/۵، باب الملابس والأوانی، فصل فی العمائم، رقم الحدیث: ۶۲۶۰

(۴) عمدۃ القاری ۳۰۷/۲۱، کتاب اللباس، باب العمائم۔

(۵) عمدۃ القاری ۳۰۸/۲۱، کتاب اللباس، باب العمائم

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پگڑی کی مقدار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی کی صحیح مقدار مشہور روایات میں نہیں ہے، بلکہ علامہ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے سیر کی کتابوں میں خاص طور پر تلاش کیا، تاکہ مجھے پگڑی کی صحیح مقدار معلوم ہو جائے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی کی صحیح مقدار مجھے کسی صحیح روایت میں نہیں ملی، البتہ ملا علی قاری نے امام نووی کے حوالے سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دو پگڑیاں تھیں، ایک چھوٹی اور دوسری بڑی، چھوٹی پگڑی کی مقدار چھ یا سات گز (یعنی سات ذراع) اور بڑی کی مقدار بارہ ذراع (یعنی ہاتھ) تھی۔(۱)

علامہ انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی تین پگڑیاں تھیں:

۱۔ تین شرعی ذراع کے بقدر تھی۔

۲۔ چھ یا سات ذراع یعنی ہاتھ لمبی پگڑی جو عام نمازوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہنا کرتے۔

۳۔ بارہ ذراع پگڑی جسے عموماً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ وعیدین اور بڑے اجتماع میں پہنا کرتے تھے۔(۲)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پگڑی کا رنگ

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کالی، سفید، زرد اور سرخ رنگ کی پگڑیوں کا ثبوت ملتا ہے، کالے اور سفید رنگ میں تو کوئی اختلاف نہیں البتہ مردوں کے لیے زرد رنگ اور سرخ رنگ کے لباس کے استعمال سے بعض روایات میں چونکہ ممانعت آئی ہے، اس لیے اس میں اختلاف ہے، لیکن علماء کا قول جواز کا ہے اور جن روایات میں ممانعت آئی ہے، ان سے گہرا سرخ اور گہرا زرد رنگ مراد ہے، ہلکے زرد رنگ اور ہلکے سرخ رنگ کے کپڑے اور پگڑی کے استعمال کرنے میں کوئی حرج نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پگڑی بھی ہلکے زرد رنگ اور ہلکے سرخ رنگ کی تھی۔(۳)

جہاں تک سبز رنگ کی پگڑی کے استعمال کرنے کا تعلق ہے تو کسی صحیح روایت سے یہ رنگ ثابت نہیں، بلکہ علامہ سیوطی رحمہ اللہ سادات کے تذکرے میں لکھتے ہیں کہ: سبز رنگ کی پگڑی سادات علامت کے طور پر استعمال کرتے ہیں، لیکن شریعت اور سنت میں اس کی کوئی اصل نہیں ہے، یہ رنگ ۷۷۳ ہجری میں شعبان بن حسین نامی حکمران کے حکم سے رائج ہوا ہے، (۴) البتہ حضرات

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۲۱۵/۸، كتاب اللباس، رقم الحديث: ۴۳۴۰

(۲) العرف الشذی علی جامع الترمذی للعلامة الكشميری ۳۰۴/۱، كتاب اللباس، باب ما جاء فی العمامة السوداء۔ جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۰۹/۱

(۳) صحیح مسلم، رقم الحديث: ۱۳۵۸، سنن ابی داؤد رقم الحديث: ۴۰۷۶، سنن ترمذی رقم الحديث: ۱۷۳۵، سنن ابی داؤد، رقم الحديث: ۱۴۷، مستدرک حاکم ۵۴۰/۴، کتاب الفتن باب تعميم النبی ﷺ لعبد الرحمن بن عوف۔

(۴) الحاوی للفتاویٰ للسيوطی ۳۳/۱۔

صحابہ نے مختلف رنگ کی جو پگڑیاں استعمال فرمائی ہیں، مصنف ابن ابی شیبہ کی ایک روایت میں ان رنگوں میں سبز رنگ کا بھی ذکر ہے۔(۱)

نیز بعض روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سبز رنگ سب سے زیادہ پسند تھا، کیونکہ سبز کپڑے اہل جنت کا لباس ہیں۔(۲)

لہذا سبز رنگ کی پگڑی کو دوسرے رنگوں پر ترجیح دیئے بغیر اگر کوئی استعمال کرتا ہے تو جائز ہے، ہاں اگر کوئی اسے اپنا شعار اور امتیازی علامت بنادے اور دوسرے رنگوں پر اس کو ترجیح اور فوقیت دے تو یہ درست نہیں، کیونکہ کسی مباح اور مستحب چیز کا اس طرح کا التزام بدعت ہے، جس کا ترک ضروری ہو جاتا ہے۔

اکثر روایات میں چونکہ سفید اور سیاہ پگڑی کا ذکر ہے، اس لیے زیادہ تر سفید یا سیاہ پگڑی کو ہی استعمال کرنا چاہیے، پگڑی کو ٹوپی پر باندھا جائے اور ٹوپی کے بغیر بھی پگڑی باندھی جاسکتی ہے، اسے صرف ٹوپی کے اطراف پر ہی نہ باندھا جائے بلکہ درمیان میں بھی ایک آدھ پیچ ہو، اس کا شملہ کندھوں کے درمیان ہو یا دائیں طرف یا بائیں طرف ہو، اور شملہ ایک ذراع سے زیادہ نہ ہو، اسے مسنون سمجھ کر پہنا جائے تو ان شاء اللہ سنت کا ثواب ہوگا۔(۳)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: دَخَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَكَّةَ يَوْمَ الْفَتْحِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ.(۴)

ترجمہ: حضرت جابرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر جب شہر میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی تھی۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ، قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ عَلَى الْمِنْبَرِ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ.(۵)

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریث فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی دیکھی۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ حُرَيْثٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عِمَامَةٌ سَوْدَاءُ.(۶)

ترجمہ: حضرت عمرو بن حریث سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) خطبہ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی تھی۔

---

(۱) مصنف ابن ابی شیبة ۱۷۹/۵، کتاب اللباس والزینة باب فی العمائم السود۔

(۲) شرح صحیح البخاری لابن بطال ۱۰۲/۹۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۰۴/۱، ۲۰۵، کشف الباری شرح صحیح بخاری، کتاب اللباس (ص:۱۷۱)۔

(۴) سنن ابی داؤد، اللباس، رقم الحدیث:۴۰۷۶۔

(۵) سنن ابن ماجة، اللباس، رقم الحدیث:۳۵۸۴۔

(۶) سنن ابی داؤد، اللباس، رقم الحدیث:۴۰۷۷۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیاہ پگڑی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے موقع پر جس وقت مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی تھی، اس روایت میں تو سیاہ پگڑی کا ذکر ہے، جبکہ پچھلے باب کی روایت میں ہے کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر خود تھا، واقعہ یہ ہے کہ دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں، ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں ہی پہن رکھے ہوں یا داخلے کے وقت صرف خود سر پر تھا، بعد میں اسے اتار کر سیاہ پگڑی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہن لی، اس کی مزید تفصیل پچھلے باب کے اس عنوان میں ہے: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دو خود"۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع پر سیاہ پگڑی اپنے سر مبارک پر باندھی، بعض روایات میں صلح حدیبیہ کے موقع پر سیاہ پگڑی پہننے کا بھی ذکر ہے، بعض کا کہنا ہے کہ فتح مکہ کے موقع پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر پر جو سیاہ پگڑی تھی، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت عباس کو ہدیہ کردی تھی، یہ پگڑی پھر عباسی خلفاء کے پاس محفوظ رہی، جو بھی منصب خلافت پر مامور ہوتا، تو اسے یہ پگڑی پہنائی جاتی، مصر کے خلفاء کے پاس یہ محفوظ تھی۔

دوسری حدیث میں بغیر کسی تعیین کے مطلقاً یہ بات ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمرو بن حریث نے سیاہ پگڑی میں دیکھا، خواہ وہ فتح مکہ کا موقع ہو یا اور کوئی، جمعہ کا دن ہو یا اس کے علاوہ اور کوئی دن ہو، البتہ حضرت عمرو بن حریث کی دوسری حدیث میں جو خطب کا لفظ ہے، اس سے مشہور قول کے مطابق فتح مکہ کا خطبہ مراد ہے، جو کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا، لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ اس روایت کے بعض طرق میں لفظ "منبر" منقول ہے، جس کے معنی یہ ہیں کہ فتح مکہ کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منبر پر خطبہ دیا تھا، حالانکہ واقعہ اس کے خلاف ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس دن کعبہ کی چوکھٹ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا تھا، اس اشکال کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

- بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں خطبہ سے فتح مکہ کا خطبہ مراد نہیں، اس سے مدینہ منورہ کے جمعہ کا خطبہ مراد ہے، کیونکہ بعض روایتوں میں اس واقع میں لفظ "جمعہ" بھی منقول ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے شرح مشکاۃ میں میرک شاہ سے نقل کیا ہے کہ یہ خطبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مرض وفات کے زمانے کا ہے۔(۱)
- علامہ بیجوری فرماتے ہیں کہ اس خطبہ سے فتح مکہ کا خطبہ ہی مراد ہے، اور جن روایات میں لفظ "منبر" ہے، اس سے بیت اللہ کی چوکھٹ مراد ہے، چنانچہ بعض روایات میں لفظ "منبر" کی مراد "عتبة الكعبة" (یعنی کعبہ کی چوکھٹ) بیان کی گئی ہے، اگر ان روایات کو دیکھا جائے تو پھر یہ اشکال وارد ہی نہیں ہوتا۔(۲)

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۳/۴۵۴، باب خطبة الجمعة والصلاة، رقم الحديث: ۱۴۱۰، جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۲۰۵۔

(۲) المواهب اللدنية فی الشمائل المحمدية ص: ۲۲۹، باب ماجاء فی صفة عمامة رسول الله ﷺ۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اعْتَمَّ سَدَلَ عِمَامَتَهُ بَيْنَ كَتِفَيْهِ. قَالَ نَافِعٌ: وَكَانَ ابْنُ عُمَرَ يَفْعَلُ ذَلِكَ. قَالَ عُبَيْدُ اللهِ: وَرَأَيْتُ الْقَاسِمَ بْنَ مُحَمَّدٍ وَسَالِمًا يَفْعَلَانِ ذَلِكَ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب پگڑی باندھتے تو اس کے شملہ کو اپنے دونوں کندھوں کے درمیان لٹکا دیتے یعنی پچھلی جانب ڈال لیتے تھے، نافع کہتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمر اسی طرح کیا کرتے، (نافع کے شاگرد) عبیداللہ کہتے ہیں کہ میں نے اپنے زمانے میں حضرت ابوبکر صدیق کے پوتے قاسم بن محمد کو اور حضرت عمر کے پوتے سالم بن عبداللہ کو ایسے کرتے ہوئے دیکھا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے شملہ کی تعداد اور مقدار

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شملہ سے متعلق تین باتیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اپنی پگڑی شملہ کے ساتھ باندھا کرتے تھے، مگر کبھی شملہ کے بغیر بھی پگڑی باندھ لیتے تھے، اس لیے دونوں طریقے درست ہیں۔

۲۔ روایات میں پگڑی کے ایک شملہ کا بھی ذکر ہے اور دو کا بھی، اور اکثر روایات میں شملہ لٹکانے سے متعلق "بين كتفيه" کے الفاظ آئے ہیں۔

بعض روایات میں ایک شملے کا سامنے اور دوسرے کا پیچھے کی طرف لٹکانے کا ذکر ہے، اور ایک ضعیف روایت میں دائیں طرف لٹکانے کا بھی ذکر ہے، لیکن عمرو بن حریث کی روایت اس سلسلے میں زیادہ صحیح ہے، اس لیے کندھوں کے درمیان پیچھے کی طرف لٹکانا نسبتاً افضل ہے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شملہ کی لمبائی کی کیا مقدار تھی؟ روایات میں تین طرح کے الفاظ ہیں: ایک ذراع، ایک بالشت اور چار انگلیوں کے بقدر، ان میں راجح ذراع والی روایت ہے، البتہ شملہ اس قدر لمبا نہیں ہونا چاہیے کہ آدھی پشت سے تجاوز کر جائے، شملہ کی لمبائی اگر نصف پشت سے بڑھ جائے تو وہ اسبال کے تحت داخل ہونے کی وجہ سے ممنوع ہے۔(۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطَبَ النَّاسَ وَعَلَيْهِ عِصَابَةٌ دَسْمَاءُ.(۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ایک مرتبہ) لوگوں کو خطبہ دیا، اس وقت

---

(۱) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحدیث: ۱۷۳۶۔

(۲) مصنف ابن ابی شیبۃ، کتاب اللباس والزینۃ، باب فی العمائم السود ۱۷۸/۵، رقم الحدیث: ۲۴۹۴۶، الطبقات لابن سعد ۱۱۴/۵، شعب الایمان للبیہقی، باب فی الملابس والأوانی، فصل فی العمائم ۱۷۴/۵، رقم الحدیث: ۶۲۵۴، کشف الباری شرح صحیح البخاری (ص: ۱۶۹) کتاب اللباس۔

(۳) الصحیح للبخاری، المناقب، باب قول النبی ﷺ: اقبلوا من محسنهم...، رقم الحدیث: ۳۸۰۰۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر سیاہ پگڑی یا چکنی پٹی تھی۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** پچھلی حدیث کے الفاظ کے معنی: **اذا اعتم:** جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمامہ باندھتے، **سدل:** لٹکاتے، چھوڑ دیتے، **عصابة:** (عین کے نیچے زیر) پگڑی، پٹی، **دسماء:** کالی، تیل کی وجہ سے چکنی ہو جانا، عصابة دسماء کے دونوں معنی بیان کیے گئے ہیں۔ ۱۔کالی پگڑی۔ ۲۔چکنی پٹی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سر کے بالوں میں تیل زیادہ استعمال فرماتے تھے، اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سر پر ایک پٹی کی طرح کپڑا باندھ لیتے تھے، جو اس تیل کی وجہ سے چکنی ہو جاتی تھی۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی کا آخری خطبہ

شمائل کی یہ حدیث یہاں مختصر روایت کی گئی ہے، اس کی تفصیل صحیح بخاری میں ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں اپنی زندگی کا آخری خطبہ دیا تھا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ ارشاد نہیں فرمایا، اس وعظ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کی مدح وثناء فرمائی، اور ہر موقع پر ان کے ساتھ رعایت رکھنے کا حکم دیا، اور فرمایا کہ اگر تم لوگوں میں سے کسی کو امیر بنا دیا جائے تو وہ بھی حضرات انصار کا خاص خیال رکھے، ان کے ساتھ ایسا کوئی رویہ اختیار نہ کیا جائے، جس سے انہیں تکلیف ہو، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک میں شدید درد تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سر پر پٹی باندھ رکھی تھی۔(۱)

اس سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں حضرات انصار کا بہت مقام تھا، کیونکہ انہوں نے اسلام کی راہ میں بہت قربانیاں دی تھیں، اس سے ان کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔
- سر پر تیل لگانا اور اس پر کوئی کپڑا باندھنا مسنون عمل ہے۔

اس حدیث کے ایک راوی عبدالرحمن ابن الغسیل ہیں، جو حضرت حنظلہ رضی اللہ عنہ غسیل الملائکۃ کی اولاد میں سے ہیں، ان کو "غسیل الملائکۃ" (فرشتوں کا غسل دیا ہوا) اس لیے کہا جاتا ہے کہ جس وقت احد کی لڑائی کے لیے نفیر عام کا حکم دیا گیا تو اس وقت یہ جنابت کی حالت میں تھے، لوگ جوق در جوق نکل رہے تھے، یہ بھی نکل پڑے، اتنی فرصت نہ ملی کہ غسل کر سکیں، وہاں پہنچ کر شہید ہو گئے، شہید کو چونکہ غسل نہیں دیا جاتا، اس لیے ان کو بھی غسل نہیں دیا گیا، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا کہ ان کو فرشتے غسل دے رہے ہیں، اس وجہ سے ان کو غسیل الملائکۃ کہا جاتا ہے۔(۲)

---

(۱) فتح الباری ۱۵۴/۷، کتاب مناقب الانصار، باب قول النبی ﷺ اقبلوا من محسنهم... رقم الحدیث: ۳۸۰۰

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۰۹/۱

# بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ إِزَارِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تہ بند اور لنگی کا ذکر ہے

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تہبند اور لنگی

''ازار'' تہ بند اور لنگی کو کہا جاتا ہے، جس سے انسان اپنے بدن کا نچلا حصہ چھپاتا ہے، اور ''رداء'' اس چادر کو کہتے ہیں، جس سے جسم کا اوپر کا حصہ چھپایا جاتا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا معمول لنگی باندھنے کا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شلوار پہنی ہے یا نہیں؟ اس بارے میں اہل علم کے درمیان اختلاف ہے، البتہ یہ ثابت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شلوار کو خریدا ہے، اور پہننے کی ترغیب بھی دی ہے، کچھ حضرات درج ذیل روایات کی وجہ سے یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شلوار کو پہنا ہے:

❁ طبرانی نے ''معجم اوسط'' میں حضرت ابو ہریرہ ؓ سے ایک روایت نقل کی ہے، وہ فرماتے ہیں: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ بازار گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک کپڑا بیچنے والے کے پاس بیٹھے اور چار درہم میں ایک شلوار خریدی، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شلوار پہنیں گے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں! سفر میں بھی، حضر میں بھی، رات میں بھی اور دن کو بھی، کیونکہ مجھے جسم کو باپردہ رکھنے کا حکم دیا گیا ہے، لیکن اس روایت میں یونس بن زیاد ایک ضعیف راوی ہیں۔(۱)

❁ علامہ ابن قیم رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شلوار کو پہننے کے لیے ہی خریدا ہوگا، اس کے علاوہ متعدد احادیث میں یہ بات منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شلوار کو پہنا ہے اور صحابہ کرام بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اجازت سے شلوار پہنا کرتے تھے۔(۲)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چادر اور لنگی کا استعمال زیادہ کیا کرتے تھے، چادر کی لمبائی اور چوڑائی کتنی تھی؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ ابن الجوزی کہتے ہیں کہ حضرت عروہ بن زبیر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر کی لمبائی چار ہاتھ اور چوڑائی اڑھائی ہاتھ تھی۔(۳)

۲۔ ابن قیم نے واقدی سے نقل کیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چادر کی لمبائی چھ ہاتھ اور چوڑائی تین ہاتھ اور ایک بالشت تھی۔ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تہ بند اور لنگی کی لمبائی چار ہاتھ اور ایک بالشت تھی اور چوڑائی دو ہاتھ تھی یا دو ہاتھ اور ایک بالشت

---

(۱) معجم اوسط للطبرانی ۳۴۹/۶، رقم الحدیث: ۶۵۹۴، من اسمہ محمد، (شاملة)، فتح الباری ۳۳۵/۱۰، کتاب اللباس باب السراویل، رقم الحدیث: ۵۸۰۴

(۲) زاد المعاد لابن القیم ۱۳۹/۱، فصل فی ملابسہ ﷺ۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۱۰/۱ باب ماجاء فی صفة ازار رسول اللہ ﷺ

تھی۔(۱)

**عَنْ أَبِي بُرْدَةَ قَالَ: أَخْرَجَتْ إِلَيْنَا عَائِشَةُ كِسَاءً مُلَبَّدًا، وَإِزَارًا غَلِيظًا، فَقَالَتْ: قُبِضَ رُوحُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي هَذَيْنِ.(۲)**

ترجمہ: حضرت ابو بردہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) حضرت عائشہ نے ہمیں دکھانے کے لیے ایک پیوند لگی چادر اور ایک موٹی لنگی نکالی اور یہ فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک ان ہی دو کپڑوں میں قبض کی گئی۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔ اخرجت الینا: حضرت عائشہ نے ہمیں دکھلانے کے لیے نکالا، کساء: چادر، ملبدا: (میم پر پیش لام پر زبر، اور با پر زبر و تشدید) پیوند لگی چادر، یعنی ایسی چادر جس کے ساتھ دوسری چیز مضبوطی سے چپکائی گئی یعنی پیوند لگایا گیا، ازار: لنگی، تہبند، غلیظا: موٹی، قبض: (صیغہ مجہول) روح قبض کی گئی، وفات ہوئی۔

## وفات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر موجود کپڑوں کی کیفیت

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر اس دنیا سے رخصت ہوتے وقت دو معمولی سے کپڑے تھے، اوپر کی چادر پیوند لگی ہوئی تھی اور لنگی بھی موٹی تھی، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عجز وانکساری اور تواضع کا بلند مقام ثابت ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر چاہتے تو انتہائی عمدہ لباس بھی پہن سکتے تھے، جیسا کہ بعض مواقع پر کسی ضرورت کی وجہ سے پہنا بھی ہے، اور وفات کے وقت تو اسلام کے غلبہ کا زمانہ تھا، فتح مکہ کے بعد دوسرے حکمرانوں کی طرف سے ہدیے اور تحفے بھی آتے تھے، اس سب کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و تنگدستی اور سادگی کو اختیار فرمایا، تاکہ امت کو عملاً یہ پیغام دے دیں کہ دنیا کی زیب و زینت، اس کی چمک دمک اور اس کی ظاہری رعنائیوں پر مسلمان کی توجہ نہیں ہونی چاہیے، بلکہ اس کی فکر و نظر اور توجہ کا محور و مرکز آخرت کی زندگی ہونی چاہیے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں کثرت سے یہ دعا مانگا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ أَحْيِنِيْ مِسْكِيْنًا وَأَمِتْنِيْ مِسْكِيْنًا اے اللہ! مجھے زندگی اور موت دونوں میں مسکین ہی رکھنا، چنانچہ وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم پر ان دو معمولی چادروں کا ہونا اسی دعا کی قبولیت کا مظہر ہے۔(۳)
- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے حصول برکت کے لیے ان دو کپڑوں کو اپنے پاس محفوظ رکھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد

---

(۱) زاد المعاد ۱/۱۳۷، فصل فی ملابسہ صلی اللہ علیہ وسلم، المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۲۳۲)

(۲) الصحیح لمسلم، اللباس، رقم الحدیث: ۲۰۸۰، سنن الترمذی، اللباس، رقم الحدیث: ۱۷۳۳۔

(۳) شرح مسلم للنووی ۲/۱۹۳، کتاب اللباس، باب التواضع فی اللباس والاقتصار علی الغلیظ منہ، مرقاۃ المفاتیح ۸/۱۹۴، کتاب اللباس، رقم الحدیث: ۴۳۰۶۔

لوگوں کو یہ دکھایا بھی کرتیں، اسی طرح حضرت عائشہؓ کے پاس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک جبہ بھی تھا، جو طیلسی کپڑے سے بنا ہوا تھا، حضرت عائشہؓ کے بعد ان کی بہن حضرت اسماء کے پاس تھا، اسے پانی میں ڈالتے اور پھر وہ پانی بیمار کو پلاتے، تو اللہ تعالیٰ اس کی برکت سے اس بیمار کو شفا عطا فرما دیتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انبیاء، صلحاء اور نیک لوگوں کی تصویر کے علاوہ اور کوئی چیز حصول برکت کے لیے اپنے پاس رکھنا جائز ہے، البتہ اسے شرک کا ذریعہ نہ بنایا جائے۔(۱)

عَنِ الْأَشْعَثِ بْنِ سُلَيْمٍ قَالَ: سَمِعْتُ عَمَّتِي، تُحَدِّثُ عَنْ عَمِّهَا قَالَ: بَيْنَا أَنَا أَمْشِي بِالْمَدِينَةِ، إِذَا إِنْسَانٌ خَلْفِي يَقُولُ: ارْفَعْ إِزَارَكَ، فَإِنَّهُ أَتْقَى وَأَبْقَى فَإِذَا هُوَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: إِنَّمَا هِيَ بُرْدَةٌ مَلْحَاءُ قَالَ: أَمَا لَكَ فِيَّ أُسْوَةٌ؟ فَنَظَرْتُ فَإِذَا إِزَارُهُ إِلَى نِصْفِ سَاقَيْهِ.(۲)

ترجمہ: اشعث بن سلیم کہتے ہیں کہ میں نے اپنی پھوپھی رُہم بنت اسود سے سنا، اور وہ اپنے چچا عبید بن خالد محاربی سے روایت کرتی ہیں، عبید کہتے ہیں کہ میں (ایک مرتبہ) مدینہ منورہ میں چل رہا تھا، اچانک ایک انسان میرے پیچھے کہنے لگا: اپنی لنگی اوپر اٹھاؤ، یہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب اور کپڑے کو زیادہ عرصہ باقی رکھنے کا باعث ہے، میں کہنے والے کی طرف متوجہ ہوا تو دیکھا کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ: یہ ایک کالی معمولی سی چادر ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تیرے لیے میری ذات میں نمونہ نہیں؟ میں نے دیکھا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیوں کے نصف تک تھی۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْأَكْوَعِ، قَالَ: كَانَ عُثْمَانُ بْنُ عَفَّانَ يَأْتَزِرُ إِلَى أَنْصَافِ سَاقَيْهِ، وَقَالَ: هٰكَذَا كَانَتْ إِزْرَةُ صَاحِبِي، يَعْنِي النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت سلمہ بن اکوع کہتے ہیں کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اپنی پنڈلیوں کے نصف تک لنگی رکھتے تھے، اور فرماتے تھے کہ میرے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی کی ہیئت بھی اسی طرح تھی۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** سمعت عمتی: میں نے اپنی پھوپھی کو سنا، اس سے حضرت رہم بنت اسود بن خالد مراد ہیں، عن عمها: چچا سے عبید بن خالد محاربی مراد ہیں، فانه أتقى: لنگی اور شلوار کو ٹخنوں سے اوپر رکھنا تقوی اور پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے، بعض روایتوں میں یہ لفظ "انقی" ہے: زیادہ پاکیزگی کا باعث ہے، ہر قسم کی نجاست سے وہ کپڑا محفوظ رہے گا، و أبقى: وہ کپڑا

(۱) الصحیح لمسلم ۲/۲۵۷ کتاب اللباس والزینة، باب تحریم استعمال أوانی الذهب والفضة، رقم الحدیث: ۲۰۶۹، ط: بیروت، شرح المناوی علی حاشیة جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۲۱۱، المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة للبیجوری (ص: ۲۳۳)، مرقاة المفاتیح ۸/۲۰۲، کتاب اللباس، رقم الحدیث: ۴۳۲۵، زاد المعاد ۱/۱۴۰، فصل، ط: بیروت

(۲) مسند الطیالسی، رقم الحدیث: ۱۲۸۶۔

زیادہ عرصہ باقی رہے گا، اوپر رکھنے سے اس کے کنارے پھٹنے سے محفوظ رہیں گے، فالتفت: (صیغہ متکلم) میں نے متوجہ ہوکر دیکھا، بردۃ: (باء پر پیش اور را ساکن) چادر، ملحاء: (میم پر زبر اور لام ساکن) کالی چادر جس میں سفید دھاریاں ہوں، یہ بدو پہنتے تھے، یہ ایک سادہ سا لباس تھا، قابل فخر نہیں تھا، أسوۃ: نمونہ، ازرۃ: (ہمزے کے نیچے زیر) لنگی اور تہ بند باندھنے کی ہیئت اور کیفیت، کان یأتزر: لنگی باندھتے تھے، یعنی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: اس کے قائل حضرت سلمہ بن اکوع ہیں۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنا تہ بند اور لنگی نصف پنڈلی تک رکھتے

حضرت عبید بن خالد محاربی فرماتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ مدینہ منورہ میں چل رہا تھا، میری لنگی ٹخنوں سے نیچے تھی، پیچھے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آواز دے کر فرمایا کہ اپنی لنگی کو اوپر کرو، اور فرمایا فانہ اتقی وابقی، یعنی ٹخنوں سے اوپر شلوار اور لنگی رکھنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس سے انسان کے دل میں تکبر وغرور نہیں آتا، یہ چیز تقویٰ اور پرہیز گاری کے زیادہ قریب ہے، اور جب کپڑا ٹخنوں سے اوپر ہوگا تو وہ میل کچیل اور پھٹنے سے بھی محفوظ رہے گا، یوں وہ زیادہ عرصہ باقی رہے گا، مگر اس صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ ایک معمولی سی کالی چادر ہے، اس میں تکبر کے کیا معنیٰ، اگر یہ ٹخنوں سے نیچے رہے، تب بھی کوئی فرق نہیں پڑے گا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم یہ نہ دیکھو کہ کپڑا عمدہ ہے یا گھٹیا، تمہیں میرے حکم کی پیروی کرنی ہے، میری ذات اور عمل میں تمہارے لیے نمونہ ہے، لہٰذا تمہیں میرے حکم کی پیروی کرنی چاہیے، اس صحابی نے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی کی طرف دیکھا تو وہ نصف پنڈلی تک تھی۔

دوسری حدیث میں حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی لنگی نصف پنڈلی تک ہوتی تھی، اس لیے حضرت عثمان بھی اپنی شلوار اور تہ بند کو نصف پنڈلی تک رکھتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان مردوں پر لازم ہے کہ وہ اپنی شلوار، لنگی اور پتلون وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر رکھا کریں۔(۱)

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِعَضَلَةِ سَاقِي أَوْ سَاقِهِ، فَقَالَ: هٰذَا مَوْضِعُ الْإِزَارِ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَأَسْفَلُ، فَإِنْ أَبَيْتَ فَلَا حَقَّ لِلْإِزَارِ فِي الْكَعْبَيْنِ.(۲)

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میری پنڈلی کے یا اپنی پنڈلی کے گوشت کا حصہ پکڑا اور فرمایا: لنگی اور تہ بند رکھنے کی یہ جگہ ہے، اگر تو اس سے انکار کرے (یعنی اگر تمہیں اس پر قناعت نہ ہو) تو اس سے تھوڑا سا نیچے رکھ لو، اگر تو اس سے بھی انکار کرے (یعنی اس سے بھی نیچے کرنا چاہیں تو سن لو کہ ایسا کرنا جائز نہیں) کیونکہ لنگی کا ٹخنوں پر (رکھنے کا) کوئی حق نہیں۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۱۲، ۲۱۳
(۲) سنن الترمذی، اللباس، رقم الحدیث: ۱۷۸۴۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** عضلة: (عین پر زبر اور ضاد پر زبر اور سکون) پنڈلی کا جمع شدہ گوشت، پٹھا جس سے جسم میں حرکت ہوتی ہے، یہاں پہلے معنی ہی مراد ہیں، ساق: پنڈلی، موضع الازار: تہ بند اور لنگی رکھنے کی جگہ، فان ابیت: اگر آپ اس سے انکار کریں یعنی اگر آپ اس پر قناعت نہ کریں، مزید شلوار کو نیچے کرنا چاہیں، فأسفل: اصل عبارت یہ ہے فموضعه اسفل من العضلة۔ یعنی اس کی جگہ پنڈلی کے گوشت سے ذرا سا نیچے۔

## شلوار، لنگی اور تہ بند وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حذیفہ بن یمان کی پنڈلی یا اپنی پنڈلی کا گوشت پکڑ کر فرمایا کہ لنگی اور تہ بند رکھنے کی یہ جگہ ہے، اس سے مزید تھوڑا سا نیچے بھی رکھ سکتے ہیں، مگر ٹخنوں پر یا ٹخنوں سے نیچے شلوار وغیرہ کو رکھنے کا کوئی حق نہیں، اس حدیث کے علاوہ دیگر بہت سی احادیث میں بھی شلوار وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے رکھنے پر بڑی سختی سے منع کیا گیا ہے، فرمایا کہ ایسے شخص کے ٹخنے یعنی وہ شخص جہنم میں جائے گا، جس کی شلوار ٹخنوں سے نیچے ہو، اس مسئلہ کی مختلف صورتیں ہیں، جن کا حکم بھی الگ الگ ہے، اس لیے ان کی تفصیل یہ ہے:

- لنگی اور شلوار میں بہتر یہ ہے کہ وہ نصف پنڈلی تک ہو، اس سے ذرا نیچے بھی رکھ سکتے ہیں، ٹخنوں تک رکھنا جائز ہے، البتہ ٹخنے کھلے رہنے چاہئیں، کیونکہ ترمذی کی مذکورہ روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ٹخنوں پر لنگی اور شلوار کو رکھنے کا کوئی حق نہیں۔
- تکبر وغرور اور اپنی بڑائی جتانے کے لیے شلوار اور لنگی وغیرہ کو ٹخنوں سے نیچے لٹکانا ناجائز اور حرام ہے، اس پر احادیث میں جہنم کی وعید آئی ہے۔
- اگر کوئی شخص تکبر کی وجہ سے تہ بند، شلوار اور لنگی ٹخنوں سے نیچے نہیں لٹکاتا مگر غفلت، نادانی اور عدم اہتمام کی وجہ سے ایسا ہو جاتا ہے تو یہ مکروہ تنزیہی ہے، علامہ عینی، ملا علی قاری اور امام نووی رحمہم اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔
- قصد واختیار کے بغیر کسی وقت اگر لنگی اور تہ بند وغیرہ ٹخنوں سے نیچے لٹک جائیں تو اس میں بالاتفاق رخصت ہے، شرعاً اس میں کوئی گناہ نہیں۔(۱)
- شلوار وغیرہ کو ٹخنوں سے اوپر رکھنے کا حکم صرف مردوں کے لیے ہے، خواتین کے لیے بہتر یہی ہے کہ وہ اپنی شلوار کو مزید نیچے کر کے رکھیں، تاکہ ان کا ستر اچھی طرح ہو جائے۔(۲)

---

(۱) عمدة القاری ۲۹۵/۲۱، شرح مسلم للنووی ۱۹۴/۲، کتاب اللباس، باب تحریم جر الثوب، مرقاة المفاتیح ۲۳۸/۸، کتاب اللباس، الفصل الاول، الفتاوی الهندیة ۳۳۳/۵، کتاب الکراهیة، الباب التاسع فی اللبس مایکره من ذلک وما لا یکره۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل لملا علی قاری مع شرح المناوی ۲۱۵/۱۔

❁ یہ حکم صرف شلوار تک ہی خاص نہیں بلکہ کرتا، قمیص، آستینیں، اور پگڑی بھی اس حکم میں داخل ہیں، لہذا قمیص یا کرتے کو اس قدر لمبا رکھنا کہ عرف میں اسے معیوب سمجھا جاتا ہو، آستینیں زیادہ لمبی رکھنا کہ ان میں سارے ہاتھ چھپ جائیں یا پگڑی کے شملہ کو نصف کمر سے بھی لمبا کر کے رکھنا، یہ سب چیزیں ممنوع ہیں، ان سے بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي مِشْيَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چلنے کی کیفیت کا بیان ہے

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: مَا رَأَيْتُ شَيْئًا أَحْسَنَ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِي فِي وَجْهِهِ، وَمَا رَأَيْتُ أَحَدًا أَسْرَعَ فِي مِشْيَتِهِ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، كَأَنَّمَا الْأَرْضُ تُطْوَى لَهُ، إِنَّا لَنُجْهِدُ أَنْفُسَنَا، وَإِنَّهُ لَغَيْرُ مُكْتَرِثٍ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسی کوئی چیز نہیں دیکھی، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ حسین وجمیل ہو، (اس قدر چمک تھی کہ) گویا سورج نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے میں چل رہا ہے (یعنی چمک رہا ہے) اور میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ تیز رفتار کسی کو نہیں دیکھا، گویا کہ زمین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لپیٹ دی جاتی، بیشک ہم (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چلنے میں) اپنے آپ کو مشقت میں ڈال دیتے، جبکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کی کوئی پرواہ بھی نہ ہوتی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی وقار کے ساتھ اپنے معمول کے مطابق چل رہے ہوتے تھے)

عَنْ اِبْرَاهِيمَ بْنِ مُحَمَّدٍ مِنْ وُلْدِ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ عَلِيٌّ إِذَا وَصَفَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قَالَ: إِذَا مَشَى تَقَلَّعَ كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ فِي صَبَبٍ.(۳)

ابراہیم بن محمد جو حضرت علی کی اولاد میں سے ہیں، فرماتے ہیں کہ حضرت علی جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کے چلنے) کا ذکر فرماتے، تو یہ فرماتے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلتے، تو قوت سے پاؤں اٹھاتے، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ أَبِي طَالِبٍ رضی اللہ عنہ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم إِذَا مَشَى، تَكَفَّأَ تَكَفُّؤًا كَأَنَّمَا يَنْحَطُّ مِنْ صَبَبٍ.(۴)

---

(۱) سنن ابی داؤد ۶۰۷/۴، کتاب اللباس، باب فی قدر موضع الازار، رقم الحدیث: ۴۰۹۴، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۱۵/۱۔

(۲) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث: ۳۶۵۔

(۳) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث: ۳۶۴۲۔

(۴) سنن الترمذی، باب صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۶۳۷۔

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب چلتے، تو آگے کی طرف کچھ جھک کر چلتے (دیکھنے والے کو یوں لگتا) گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بلندی سے نیچے اتر رہے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ مشية: (میم کے نیچے زیر اور شین ساکن) چلنے کی کیفیت، چال، تجری فی وجهه: سورج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے میں چل رہا ہے، یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ مبارک سورج کی طرح چمکتا تھا، أسرع: زیادہ تیز رفتار، تطوی له: (صیغہ مجہول) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے زمین لپیٹ دی جاتی، لنجهد: یہ اجہاد سے ہے: ہم مشقت میں ڈال دیتے، اپنے آپ کو تھکا دیتے، غیر مکترث: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کوئی پرواہ نہ ہوتی یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی وقار اور سکون کے ساتھ معمول کے مطابق چل رہے ہوتے مگر ہم تھک جاتے، تقلع: قوت سے چلتے، کانما ینحط: گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اتر رہے ہوں، من صبب: (صاد اور با پر زبر) بلندی سے، ڈھلان سے، تکفأ: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے کو جھک کر چلتے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا حسن و جمال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلنے کی کیفیت

مذکورہ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حسن و جمال اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چلنے کی کیفیت کا ذکر ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انتہائی زیادہ حسین و جمیل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کوئی چیز خوبصورت نہیں تھی، چہرہ انور پر اس قدر چمک دمک تھی، گویا کہ سورج آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے پر چل رہا ہے، حدیث میں فرمایا: كَأَنَّ الشَّمْسَ تَجْرِيْ فِيْ وَجْهِهٖ، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے کو سمجھانے کے لیے سورج کے ساتھ تشبیہ دی ہے، ورنہ حقیقت تو یہ ہے کہ مشبہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ زیادہ حسین و جمیل ہے۔(۱)

چہرے کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا کہ چہرہ ہی حسن و جمال کا اصل مرکز ہوتا ہے، اور باقی جسم کا حسن انسان کے چہرے کے تابع ہوتا ہے، اگر کسی انسان کا چہرہ جاذب نظر، دلکش اور خوبصورت ہو، تو عرف میں بھی اسے ایک خوبصورت انسان شمار کیا جاتا ہے، ایک صحابی فرماتے ہیں کہ اگر آپ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف دیکھیں تو آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ چہرہ انور پر سورج طلوع ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چہرہ بلکہ پورا جسم ہی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نورانی تھا، ایک دعا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے جسم کے ہر عضو کے لیے ''نور'' کی دعا مانگی اور آخر میں یہ مانگا: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْنِيْ نُوْرًا (اے اللہ مجھے سارا ہی نور بنا دے)

اسی نور کا اثر تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا سایہ نہیں تھا، کیونکہ سایہ ایک طرح کی ظلمت اور تاریکی ہوتی ہے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو مجسمہ نور ہیں، چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بالوں کا بھی سایہ نہیں ہوتا، اس وقت مختلف مقامات پر ''موئے مبارک'' مشہور ہیں کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بال ہیں، اگر ان کا سایہ ہوتا ہے تو یہ اس بات کی دلیل ہے کہ یہ نبی کریم

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۱۷، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۲۲۸)

ﷺ کے بال نہیں ہیں، ایک حدیث میں حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا سایہ نہیں تھا، اور آپ ﷺ کی چمک اور آپ ﷺ کا نور سورج اور چراغ پر غالب کلی تھا۔(۱)

۲۔ نبی کریم ﷺ چلنے میں تیز رفتار تھے،، گویا کہ زمین کو آپ ﷺ کے قدموں کے نیچے سمیٹ دیا گیا ہو، اس انداز سے ہی چلنے کا آپ ﷺ کا معمول تھا، قصداً تیز نہیں چلتے تھے، صحابہ کرام فرماتے ہیں کہ ہم آپ ﷺ کے ساتھ چلنے میں اپنے آپ کو تھکا دیتے، مشقت میں ڈال دیتے، تب آپ ﷺ کے ساتھ چل سکتے، جبکہ آپ علیہ السلام کو اس کی کوئی پرواہ بھی نہیں تھی، یعنی آپ ﷺ اپنے معمول کے مطابق انتہائی وقار اور سکون کے ساتھ چل رہے ہوتے، اس سے معلوم ہوا کہ انسان کو ذرا تیز قدموں سے چلنا چاہیے۔(۲)

۳۔ نبی کریم ﷺ ذرا آگے کی طرف جھک کر عاجزانہ انداز سے چلا کرتے، گویا کہ آپ ﷺ بلندی سے نیچے کی طرف اتر رہے ہوں اور اپنے قدم زمین سے قوت کے ساتھ اٹھایا کرتے، زمین کے ساتھ رگڑ کر نہ چلتے، جس طرح کہ عورتیں چلتی ہیں، اس سے چلنے کا یہ ادب معلوم ہوا کہ انسان کو قدم اٹھا کر چلنا چاہیے، زمین کے ساتھ قدم گھسیٹ کر نہیں چلنا چاہیے۔(۳)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي تَقَنُّعِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب اس حدیث میں ہے جس میں نبی کریم ﷺ کے قناع یعنی سر پر کپڑا رکھنے کا ذکر ہے

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُكْثِرُ الْقِنَاعَ كَأَنَّ ثَوْبَهُ ثَوْبُ زَيَّاتٍ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ (سر پر تیل لگانے کے بعد) اکثر اپنے سر پر کپڑا رکھا کرتے تھے (چکناہٹ کی وجہ سے ایسا معلوم ہوتا) گویا کہ آپ ﷺ کا یہ کپڑا تیلی یعنی تیل فروش کا کپڑا ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی: تقنع: (تا اور قاف پر زبر اور نون پر پیش اور تشدید) سر پر کپڑا اوڑھنا، سر پر کپڑا رکھنا، القناع: (قاف کے نیچے زیر) وہ کپڑا جو سر پر تیل لگانے کے بعد رکھا جائے تا کہ ٹوپی، پگڑی اور دیگر کپڑے خراب نہ ہوں، ثوبہ: آپ ﷺ کا کپڑا، یہاں اس "ثوب" سے قناع ہی مراد ہے، زیات: (زا پر زبر اور یا پر زبر و تشدید) تیل بیچنے والا، تیل فروش، اسے "تیلی" بھی کہا جاتا ہے۔

---

(۱) الخصائص الکبری للسیوطی ۱/۱۱۶، باب الایة فی انه صلی الله علیه وسلم لم یکن یری له ظل، ط: رحمانیه، لاہور، الوفاء بتعریف فضائل المصطفی لابن الجوزی ۱/۳۰۱، کشاف القناع ۵/۳۱، کتاب الانصاف للمرداوی ۸/۴۳، کتاب النکاح، قسم خصائص النبی ﷺ، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۲۳۸)، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۱۷۔

(۲) مرقاة المفاتیح ۱۰/۴۷۱ کتاب الفضائل والشمائل، باب اسماء النبی ﷺ وصفاته، رقم الحدیث: ۵۷۹۱۔

(۳) مرقاة المفاتیح ۱۰/۴۷۴، رقم الحدیث: ۵۷۹۵۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قناع کپڑا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سر پر تیل لگاتے تو پگڑی کے نیچے سر پر ایک کپڑا ڈال لیتے، تاکہ تیل کی وجہ سے پگڑی اور کپڑے خراب نہ ہوں، اس کپڑے کو قناع کہا جاتا ہے، اس پر تیل کی بہت چکناہٹ آجاتی تھی، ایسا لگتا جیسا کہ تیل فروش یعنی تیلی کا کپڑا ہو، مگر اس کے باوجود یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ یہ کپڑا چکناہٹ کے باوجود میلا نہ ہوتا، نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جوں پڑتی اور نہ ہی کھٹمل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خون چوستا، بلکہ مناوی نے لکھا ہے کہ مکھی بھی کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑوں پر نہیں بیٹھی اور نہ ہی کبھی مچھر نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کاٹا ہے، یہ سب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔

اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ سر پر تیل لگایا جائے تو ایک کپڑا پگڑی وغیرہ کے نیچے رکھ لیا جائے، تاکہ تیل کی چکناہٹ سے پگڑی اور دیگر کپڑے خراب نہ ہوں، یہ حدیث اگرچہ باب ماجاء فی الترجل میں گذر چکی ہے، مگر امام ترمذیؒ اسے مستقل باب میں ذکر کرکے اس بات پر تنبیہ کرنا چاہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سر پر تیل لگانے کے بعد اہتمام سے قناع کپڑے کا استعمال فرمایا کرتے تھے۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي جِلْسَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث میں ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست اور بیٹھنے کی ہیئت کا بیان ہے

عَنْ قَيْلَةَ بِنْتِ مَخْرَمَةَ، أَنَّهَا رَأَتْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ وَهُوَ قَاعِدُ الْقُرْفُصَاءَ قَالَتْ: فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَخَشِّعَ فِي الْجِلْسَةِ أُرْعِدْتُ مِنَ الْفَرَقِ.(۲)

ترجمہ: حضرت قیلہ بنت مخرمہ سے روایت ہے کہ انہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد میں اس حالت میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکڑوں یعنی گوٹ مار کر بیٹھے تھے؛ فرماتی ہیں کہ جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو عاجزانہ نشست میں دیکھا تو میں خوف کی وجہ سے کانپنے لگی۔

**مشکل الفاظ کے معنی:**۔ جلسة: (جیم کے نیچے زیر اور لام ساکن) نشست، بیٹھنے کی ہیئت، القرفصاء: (قاف پر پیش، را ساکن اور فاء پر پیش) اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ اکڑوں بیٹھک یعنی سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر کے دونوں رانوں کو پیٹ سے ملانا، اور سہارے کے طور پر دونوں

---

(۱) الخصائص الکبری للسیوطی ۱۱۷/۱، باب فی انه ﷺ کان لا ینزل الذباب علیه ولا علی ثیابه، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۱۸/۱، المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۲۴۰)

(۲) سنن ابی داؤد، الادب، رقم الحدیث: ۴۸۴۷، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۸۱۵۔

ہاتھ یا کوئی کپڑا پنڈلیوں کے ارد گرد لپیٹ لیا جائے، اسے ''گوٹ مار کر بیٹھنا'' بھی کہا جاتا ہے، جمہور علماء کے نزدیک حدیث میں یہی معنی مراد ہیں۔

۲۔ بعض حضرات نے قرفصاء کے معنی یہ بیان کیے ہیں کہ: تشہد کی ہیئت اختیار کر کے دونوں گھٹنوں پر آگے کی طرف جھک کر اس طرح بیٹھا جائے کہ پیٹ رانوں سے مل جائے اور دونوں ہاتھ بغل میں ڈال لیے جائیں، المتخشع: گڑگڑانے والا، عاجزی دکھانے والا، خاکساری دکھانے والا، في الجلسة: نشست میں، أرعدت: (باب افعال سے ماضی مجہول) میں کپکپا گئی، میں لرز گئی، مجھے کپکپی آگئی، الفرق: (فاء اور را پر زبر) خوف، دہشت۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی اکڑوں بیٹھتے

حضرت قیلہ بنت مخرمہ رضی اللہ عنہا پہلی مرتبہ مدینہ منورہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں، آپ ﷺ اس وقت مسجد نبوی میں انتہائی عاجزانہ انداز سے تشریف فرما تھے، قرفصاء کے معنی سے متعلق تفصیل اوپر ''مشکل الفاظ کے معنی'' میں لکھ دی گئی ہے، بیٹھنے کا یہ انداز انسان کے عاجز اور متواضع ہونے کی عکاسی کرتا ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ کبھی کبھار اس طرح بیٹھا کرتے تھے، حضرت قیلہ نے نبی کریم ﷺ کو جب اس عاجزانہ نشست میں دیکھا تو وہ ڈر گئیں، اور بہت گھبرا گئیں، ڈرنے کی بظاہر وجہ یہ تھی کہ اس انداز سے آدمی اس وقت بیٹھتا ہے جب وہ خاص فکر اور گہری سوچ میں ہو، اور نبی کریم ﷺ کو کسی معمولی بات سے نہیں بلکہ اپنی امت کی بہت فکر رہتی تھی، اس لیے ان کو یہ خوف ہوا کہ کہیں امت پر کوئی عذاب تو نہیں آرہا، جس کی وجہ سے آپ ﷺ اکڑوں بیٹھے ہیں یعنی گوٹ مار کر بیٹھے ہیں۔(۱)

اس سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- نبی کریم ﷺ بہت زیادہ عاجز اور متواضع تھے۔
- متکبرانہ انداز سے بیٹھنے سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ اس سے اللہ جل جلالہ ناراض ہوتے ہیں۔
- کبھی کبھار نبی کریم ﷺ اکڑوں یعنی گوٹ مار کر بیٹھتے تھے۔

حضرت قیلہ کی یہ حدیث باب ماجاء فی لباس رسول اللہ ﷺ میں بھی گذر چکی ہے، اس بارے میں مزید تفصیل اس عنوان میں دیکھ لیجیے: ''نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حضرت قیلہ بنت مخرمہ کی حاضری''۔

عَنْ عَبَادِ بْنِ تَمِيمٍ، عَنْ عَمِّهِ، أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُسْتَلْقِيًا فِي الْمَسْجِدِ وَاضِعًا إِحْدَى رِجْلَيْهِ عَلَى الْأُخْرَى.(۲)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۵۱۸/۸، کتاب الاداب، باب الجلوس والنوم، رقم الحدیث: ۴۷۱۴، جمع الوسائل مع شرح المناوی ۲۲۰/۱۔

(۲) الصحیح لمسلم، اللباس، رقم الحدیث: ۲۱۰۰، سنن الترمذی، الادب، رقم الحدیث: ۲۷۶۶۔

ترجمہ: عباد بن تمیم اپنے چچا حضرت عبداللہ بن زید بن عاصم کعب انصاری سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد میں چت لیٹے ہوئے دیکھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنا ایک پاؤں دوسرے پاؤں کے اوپر رکھا ہوا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مستلقیا: چت لیٹنے والا، گدی کے بل لیٹنے والا، واضعا: رکھے ہوئے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر لیٹا کرتے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی مسجد میں اس طرح گدی کے بل لیٹتے کہ ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر رکھ لیتے، لہذا اس انداز سے انسان لیٹ سکتا ہے۔

مگر یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ سنن ترمذی، ابواب الاستیذان، باب ما جاء فی الکراھیة فی ذلک میں حضرت جابر کی حدیث میں اس طرح ٹانگ پر ٹانگ رکھ کر سونے سے منع کیا گیا ہے، ایسے ہی صحیح مسلم کی حضرت جابر کی روایت میں بھی اس انداز سے لیٹنے سے ممانعت کا حکم ہے، جبکہ عباد بن تمیم کی مذکوہ روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس انداز سے لیٹا کرتے تھے، بظاہر دونوں قسم کی احادیث میں تعارض ہے، اس تعارض کے ازالے کے لیے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ممانعت والی احادیث منسوخ ہیں۔

۲۔ بعض علماء نے ان دونوں قسم کی حدیثوں میں یوں تطبیق دی ہے کہ ٹانگ کو ٹانگ پر رکھ کر چت لیٹنا دو طرح کا ہوتا ہے:

- دونوں ٹانگیں پھیلی ہوئی ہوں، اور ایک ٹانگ دوسری ٹانگ پر رکھی ہوئی ہو، اس انداز سے لیٹنے میں کوئی حرج نہیں، کیونکہ ایسی صورت میں ستر نہیں کھلتا، لہذا عباد بن تمیم کی مذکورہ روایت میں جو یہ منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایک پاؤں کو دوسرے پاؤں پر رکھ کر چت لیٹے ہوئے تھے، اس سے یہی صورت مراد ہے۔
- دوسری صورت یہ ہے کہ چت لیٹ کر ایک ٹانگ کے گھٹنے کو کھڑا کر لیا جائے اور دوسری ٹانگ یا پاؤں کو اس کھڑے ہوئے گھٹنے پر رکھ لیا جائے، اس انداز سے سونا اس وقت ممنوع ہے، جب اس میں ستر کھلنے کا اندیشہ ہو مثلاً اس نے تنگ لنگی باندھ رکھی ہے، جس میں اس کا ستر کھل سکتا ہے، چنانچہ اس زمانے میں عام طور پر عرب میں لنگی باندھنے کا دستور تھا، لنگی باندھ کر اس طرح لیٹنے سے ستر کھل جانے کا قوی امکان ہے، اس لیے اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا، حضرت جابر کی ممانعت والی حدیث سے یہ صورت مراد ہے، لیکن اگر انسان نے شلوار پہنی ہو یا وہ تہ بند اور لنگی اس قدر لمبی ہو، جس میں ستر کھلنے کا امکان نہ ہو، تو پھر ایک ٹانگ کو دوسری ٹانگ پر اٹھا کر رکھ کر سونے میں کوئی حرج نہیں، بغیر کسی کراہت کے درست ہے۔(۱)

یہاں ایک اشکال یہ ہوتا ہے کہ عباد بن تمیم کی مذکورہ روایت میں تو چت لیٹنے کا ذکر ہے، بیٹھنے کا نہیں، جبکہ یہ باب نبی کریم

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۸/۵۱۶، کتاب الاداب، باب الجلوس والنوم، رقم الحدیث: ۴۷۱۰

صلی اللہ علیہ وسلم کی نشست اور بیٹھنے کی ہیئت سے متعلق ہے، بظاہر اس روایت کو اس باب سے مناسبت اور تعلق نہیں ہے، پھر امام ترمذی نے اس روایت کو اس باب کے تحت کیوں ذکر کیا ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

۱۔ باب میں جلسۃ یعنی بیٹھنے سے عام معنیٰ مراد ہیں خواہ بیٹھے ہوں یا لیٹے ہوں، یہ "جلسۃ" ضد ہے قیام کی، لہذا بیٹھنے کی جو بھی صورت ہوگی وہ اس لفظ میں داخل ہے، اور ویسے بھی انسان لیٹنے سے پہلے عموماً بیٹھتا ہے، اس لیے اس حدیث کو باب سے مناسبت ہے۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب عباد بن تمیم کی روایت سے مسجد میں چت لیٹنے کا جواز ثابت ہوتا ہے، تو اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں ہر کیفیت کے ساتھ بیٹھنا بطریق اولیٰ جائز ہے، یوں اس روایت کو باب سے مناسبت ہو جاتی ہے۔(۱)

عَنْ جَدِّهِ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا جَلَسَ فِي الْمَسْجِدِ احْتَبَى بِيَدَيْهِ صَلَوَاتُ اللهِ عَلَيْهِ.(۲)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب مسجد میں بیٹھتے تو اپنے دونوں ہاتھوں سے حبوہ بنا لیتے یعنی اکڑوں بیٹھتے یعنی دونوں رانوں کو کھڑا کر لیتے اور پنڈلیوں پر دونوں ہاتھوں سے حلقہ بنا لیتے، اللہ تعالیٰ کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رحمتیں نازل ہوں۔

احتباء کے معنیٰ: اکڑوں بیٹھنا: اسے "گوٹ مار کر بیٹھنا" بھی کہتے ہیں، یہ وہ نشست ہے، جس میں آدمی سرین کے بل بیٹھ کر گھٹنے کھڑے کر لیتا ہے، اور سہارا لینے کے لیے ان کے ارد گرد دونوں ہاتھ باندھ لیتا ہے، یا کمر اور گھٹنوں کے آس پاس پگڑی، رومال یا کوئی کپڑا باندھ لیتا ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مسجد میں بیٹھنے کے مختلف انداز

مختلف حالات اور اوقات کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مسجد میں بیٹھنے کے مختلف طریقے اور انداز ہوا کرتے تھے، جس کی تفصیل یہ ہے:

❁ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر اوقات مسجد میں احتباء کی حالت میں بیٹھا کرتے، یعنی اکڑوں بیٹھتے، یہ ایک عاجزانہ انداز ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھنے کی یہ ہیئت بہت پسند تھی، اہل عرب گوٹ مار کر بہت زیادہ بیٹھا کرتے تھے، گوٹ مار کر بیٹھنا ایک طرح سے عربوں کی دیواریں تھیں، چنانچہ اہل عرب کے ہاں یہ جملہ مشہور تھا الاِحْتِبَاءُ حِيطَانُ الْعَرَبِ (اکڑوں بیٹھنا عربوں کی دیواریں ہیں) عرب صحراؤں میں سفر کیا کرتے، وہاں اگر ٹیک لگا کر بیٹھنا چاہتے، تو گوٹ مار کر بیٹھ جاتے، کیونکہ وہاں دیواریں تو ہوتی نہ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۲۱/۱، المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۲۴۳)

(۲) سنن ابی داؤد، الأدب، رقم الحدیث: ۴۸۴۶۔

تھیں، جن سے یہ سہارا لیتے، بس احتباء کی حالت میں بیٹھ جاتے، یوں انہیں سہارا مل جاتا، اور اس انداز سے بیٹھ کر انہیں سکون اور جسمانی راحت بھی حاصل ہو جاتی تھی۔

یہ ذہن میں رہے کہ جب انسان نماز کے انتظار میں مسجد میں ہو یا جمعہ کا خطبہ سن رہا ہو تو اس وقت اکڑوں بیٹھنے سے حدیث میں منع کیا گیا ہے، کیونکہ اس انداز میں بیٹھنے سے عموماً نیند آ جاتی ہے، جس کی وجہ سے وضو بھی ٹوٹ سکتا ہے، اس لیے اس موقع پر اس انداز سے بیٹھنے سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں کبھی متربعاً یعنی چارزانو ہو کر بیٹھا کرتے، چنانچہ سنن ابی داؤد میں حضرت جابر بن سمرہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فجر کی نماز پڑھ کر اسی جگہ پر طلوع آفتاب تک چارزانو بیٹھا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں چارزانو ہو کر بھی بیٹھا جا سکتا ہے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی مسجد میں چت لیٹا کرتے، جس کی تفصیل اوپر گزر چکی ہے۔

۴۔ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشہد کی ہیئت کی طرح مسجد میں بیٹھا کرتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ موقع ومحل اور طبعی نشاط کے لحاظ سے انسان مسجد میں بیٹھنے کا کوئی بھی انداز اختیار کر سکتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے مذکورہ تمام طریقے ثابت ہیں۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي تُكَأَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ٹیک لگانے کا ذکر ہے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلَى وِسَادَةٍ عَلَى يَسَارِهِ.(۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا، جو تکیہ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب رکھا ہوا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ تکاۃ: (تا پر پیش، کاف اور ہمزے پر زبر ہے جیسے لمزہ ہے) وہ چیز جس سے ٹیک لگائی جائے، سہارا لیا جائے، یہ لفظ اصل میں "وکاۃ" واؤ کے ساتھ ہے، پھر اس واؤ کو تاء سے بدل دیا ہے۔ متکئا: ٹیک لگاتے ہوئے، وسادۃ: (واؤ کے نیچے زیر) تکیہ۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۲۲/۱، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۲۴۴)

(۲) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۷۷۱۔

# نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی تکیہ پر ٹیک لگاتے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی تکیہ پر ٹیک لگایا کرتے تھے، وہ تکیہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دائیں جانب رکھا ہوتا اور کبھی بائیں جانب، اس حدیث میں ''علی یسارہ'' کی قید اتفاقی ہے، بلکہ امام ترمذی نے اس باب کے آخر میں اس بات کی تصریح کی ہے کہ ''علی یسارہ'' کے لفظ میں اسحاق بن منصور، اسرائیل سے روایت کرنے میں منفرد ہے، مشہور روایات میں یہ لفظ نہیں ہے، تاہم اس تصریح سے اصل مسئلہ کے حکم میں کوئی فرق نہیں پڑتا، تکیہ پر ٹیک لگا کر بیٹھنا جائز ہے، خواہ وہ تکیہ دائیں جانب رکھا ہو یا بائیں جانب، دونوں طرح کا عمل آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ثابت ہے۔

شارحین حدیث نے ایک اعتراض ذکر کیا ہے کہ امام ترمذی نے یہاں پر یہ باب قائم کیا پھر اس کے بعد دوبارہ اسی مفہوم کا یہ باب قائم کیا: باب ماجاء فی اتکاء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، بظاہر ان دونوں ابواب میں تکرار ہے۔

ملا علی قاری اور مناوی فرماتے ہیں کہ ان دو بابوں میں تکرار نہیں ہے، بلکہ دونوں کے الگ الگ مقاصد ہیں، باب ماجاء فی تکأۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ انسانوں کے علاوہ دوسری چیزوں سے بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگایا کرتے تھے، اور اگلے باب سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی بیماری وغیرہ کی وجہ سے کبھی کسی انسان کا سہارا لیتے تھے، انسان کی عظمت اور اہمیت کی وجہ سے یہ بات بتانے کے لیے الگ سے عنوان قائم کیا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي بَكْرَةَ، قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَلَا أُحَدِّثُكُمْ بِأَكْبَرِ الْكَبَائِرِ؟ قَالُوا: بَلَى يَا رَسُولَ اللّٰهِ. قَالَ: الْإِشْرَاكُ بِاللّٰهِ، وَعُقُوقُ الْوَالِدَيْنِ. قَالَ: وَجَلَسَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ مُتَّكِئًا قَالَ: وَشَهَادَةُ الزُّورِ، أَوْ قَوْلُ الزُّورِ قَالَ: فَمَا زَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُهَا حَتَّى قُلْنَا: لَيْتَهُ سَكَتَ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوبکرہ نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم لوگوں کو کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑے گناہ نہ بتادوں؟ صحابہ نے عرض کیا: جی ہاں کیوں نہیں یا رسول اللہ (ضرور بتا دیجیے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک کرنا، والدین کی نافرمانی کرنا، راوی کہتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بیٹھ گئے حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگا کر تشریف فرما تھے، اور فرمانے لگے: جھوٹی گواہی دینا یا فرمایا کہ جھوٹی بات کرنا (یہ راوی کو شک ہے) حضرت ابوبکرہ کہتے ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جھوٹی گواہی کی بات کو بار بار دہراتے رہے، یہاں تک کہ ہم لوگ یہ تمنا کرنے لگے کہ کاش اب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش ہوجائیں۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۳۰/۱ باب ماجاء فی اتکاء رسول اللہ ﷺ۔

(۲) سنن الترمذی، البر، رقم الحدیث: ۱۹۰۲۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔ عقوق:** (عین اور قاف پر پیش) نافرمانی کرنا، بدسلوکی کرنا، واجب خدمت سرانجام نہ دینا، عرف میں استعمال کے لحاظ سے یہ لفظ عموماً والدین کی نافرمانی کے لیے استعمال ہوتا ہے، **اکبر الکبائر:** کبیرہ گناہوں میں سے سب سے بڑا گناہ، **متکئا:** تکیہ لگا کر، سہارا لے کر، **شهادة الزور:** جھوٹی گواہی، **لیته سکت:** کاش کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جائیں۔

## جھوٹی گواہی سمیت چند کبیرہ گناہ

**الکبائر:** کبیرۃ کی جمع ہے، اس کے لفظی معنیٰ ہیں: بڑے گناہ، **کبیرہ گناہ کی تعریف:** یہ وہ گناہ ہوتا ہے جس کی شریعت میں سختی کے ساتھ ممانعت ہو، اسے کرنے سے انسان دنیا میں سزا کا اور آخرت میں عذاب کا مستحق ہوتا ہے، اور جو توبہ کے بغیر معاف بھی نہ ہوتا ہو اور جس گناہ پر اس قدر سخت وعید نہ ہو تو وہ صغیرہ کہلاتا ہے، اس سے بھی بچنے کا اہتمام کرنا چاہیے، مگر یہ گناہ توبہ کے بغیر، محض نیکی کرنے سے بھی معاف ہو جاتا ہے۔

اس میں اختلاف ہے کہ کبیرہ گناہ کتنے ہیں؟ اس پر علماء نے مستقل کتابیں لکھی ہیں، چنانچہ علامہ ذہبی نے اس بارے میں ایک کتاب لکھی ہے، جس میں چار سو کبیرہ گناہ اس میں شمار کیے ہیں، حافظ ابن حجر نے بھی دو جلدوں میں ایک کتاب لکھی ہے جس میں انہوں نے نماز، روزہ، حج اور معاملات وغیرہ ہر باب کے کبیرہ گناہ الگ الگ لکھے ہیں، جن کا مجموعہ چار سو سرسٹھ ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے جمع الوسائل شرح شمائل میں چند مشہور کبیرہ گناہ لکھے ہیں جن کی تفصیل یہ ہے:

''ناحق قتل کرنا، زنا کرنا، لواطت یعنی اغلام بازی، شراب پینا، چوری کرنا، کسی پر تہمت لگانا، سچی گواہی چھپانا، جھوٹی گواہی دینا، جھوٹی قسم کھانا، کسی کا مال چھین لینا، شرعی عذر کے بغیر میدان جہاد سے بھاگنا، سودی معاملہ کرنا، یتیم کا مال کھانا، رشوت لینا، والدین وغیرہ کی نافرمانی کرنا، قطع رحمی کرنا، جھوٹی حدیث بیان کرنا، شرعی عذر کے بغیر رمضان کا روزہ توڑ دینا، ناپ تول میں کمی کرنا، فرض نماز کو اس کے وقت سے پہلے یا مؤخر کر کے پڑھنا، زکوٰۃ نہ دینا، مسلمان کو یا کسی کافر کو جس سے معاہدہ ہو، ناحق مارنا، کسی صحابی کی شان میں گستاخی کرنا، غیبت کرنا بالخصوص کسی عالم یا حافظ قرآن کی، کسی ظالم کو چغلی لگانا، دیوث پن یعنی اپنی بیوی اور بیٹی وغیرہ کے ساتھ کسی کے ناجائز تعلق کو گوارا کرنا، ناجائز تعلقات میں کسی مرد اور عورت کی مدد کرنا، قدرت کے باوجود نیکی کا حکم نہ دینا اور گناہوں سے نہ روکنا، فساد کی نیت سے جادو سیکھنا یا سکھانا، کسی پر جادو کرنا، بالغ ہونے کے بعد قرآن مجید پڑھ کر بھلا دینا، کسی مجبوری کے بغیر کسی جاندار کو جلانا، اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا، اللہ کے عذاب سے نہ ڈرنا، بیوی کا شوہر کی نافرمانی کرنا، مرد کی جنسی خواہش کو پورا کرنے سے بیوی کا بلاوجہ انکار کرنا، چغل خوری''۔(۱)

شمائل کی مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سب سے بڑے کبیرہ گناہ ذکر فرمائے ہیں، جن کی مختصر تشریح درج ذیل ہے:

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۲۴/۱

۱۔ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانا، اس کی ذات یا صفات میں سے کسی صفت میں کسی کو شریک بنانا مثلاً اللہ تعالیٰ کے علم میں، قدرت میں، تصرف میں، پیدا کرنے میں، بیماری سے شفا دینے میں... وغیرہ۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ "شرک باللہ" تمام کبیرہ گناہوں میں سب سے بڑا کبیرہ گناہ ہے، مگر مذکورہ حدیث میں تینوں گناہوں کو اکبرالکبائر کہا گیا ہے، کیونکہ باقی دو گناہوں کی بھی قباحت اور شناعت بہت زیادہ ہے، بقیہ کبیرہ گناہوں کے لحاظ سے ان دو کو بھی اکبرالکبائر کہا گیا ہے، نیز بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم موقع ومحل کی مناسبت سے سامعین کے حالات اور مزاج کو سامنے رکھ کر حکم ارشاد فرمایا کرتے، جس طرح افضل الاعمال کے سوال کے جواب میں ایک موقع پر نماز کو اس کے وقت میں پڑھنا ارشاد فرمایا، ایک اور موقع پر اسی سوال کے جواب میں جہاد، اور ایک اور موقع پر والدین کے ساتھ نیکی کرنا ارشاد فرمایا، اسی طرح یہاں جو تین گناہوں کو سب سے بڑا کبیرہ گناہ قرار دیا ہے، وہ بھی اسی اعتبار سے ہے کہ سامعین کے حالات اور موقع ومحل کی مناسبت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تین گناہوں کی قباحت کو انتہائی تاکید کے ساتھ بیان فرمایا۔

۲۔ والدین کے ساتھ بدسلوکی کرنا، اپنی گفتگو یا کسی عمل سے انہیں دکھ دینا، ان کی نافرمانی کرنا اور ان کی خدمت نہ کرنا جبکہ وہ اولاد کی خدمت کے محتاج بھی ہوں۔

انسان کا دنیا میں آنے کا ظاہری سبب چونکہ والدین ہیں، اسی وجہ سے قرآن مجید میں کئی مقامات پر اللہ کی عبادت کے ساتھ ہی: وبالوالدین احسانا فرمایا کہ والدین کے ساتھ نیکی کرو، ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، اور ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں الاشراک باللہ کے ساتھ "عقوق الوالدین" کو ذکر کر کے اس پر تنبیہ کرنا مقصود ہے کہ بسا اوقات ماں باپ یا ان میں سے کسی ایک کی نافرمانی انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہے۔(۱)

چنانچہ شعب الایمان میں امام بیہقی نے ایک روایت ذکر کی ہے، جس میں حضرت عبداللہ بن ابی اوفی فرماتے ہیں کہ ایک شخص وفات کے وقت کلمہ طیبہ پڑھنا چاہتا تھا، مگر وہ پڑھ نہیں سکتا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بتایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس تشریف لائے، اس نے عرض کیا کہ یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں زندگی میں کہتا رہا، مگر اب میں کہنے پر قادر نہیں ہو رہا، وجہ پوچھنے پر اس نے خود ہی بتایا کہ میں والدہ کا نافرمان ہوں، وہ مجھ سے ناراض ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ کیا وہ زندہ ہیں، بتایا گیا کہ وہ زندہ ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی والدہ کو بلایا، وہ جب حاضر ہو گئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ کیا یہ تیرا ہی بیٹا ہے؟ والدہ نے کہا: جی ہاں یہ میرا ہی بیٹا ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ بتاؤ کہ بھڑکتی آگ ہو، اگر تم اپنے بیٹے کے لیے سفارش نہ کرو تو اسے اس آگ میں ڈال دیا جائے گا، اس پر وہ کہنے لگی کہ پھر تو میں اپنے بیٹے کے لیے ضرور سفارش کروں گی، پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم اللہ تعالیٰ کو اور ہم سب کو اس بات پر گواہ بناؤ کہ تم اپنے بیٹے سے راضی ہو، اس نے کہا کہ میں اپنے بیٹے سے راضی ہوں، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص سے فرمایا کہ اب تم یہ کلمہ پڑھو: لا الہ الا اللہ، تو اس نے یہ کلمہ پڑھا پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۲۶/۱

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَنْقَذَہٗ مِنَ النَّارِ تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے اس شخص کو جہنم کی آگ سے بچالیا ہے۔(۱)

۳۔ جھوٹی گواہی دینا، یوں تو یہ گناہ سارے ہی انتہائی گھناؤنے ہیں لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''جھوٹی گواہی'' کے ذکر کے وقت خاص طور پر اپنی نشست بھی تبدیل فرمائی، تکیہ لگا کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھے تھے پھر سیدھے بیٹھ گئے اور یہ جملہ ''و شھادۃ الزورُ'' بار بار ارشاد فرماتے رہے، صحابہ تمنا کرنے لگے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تھکاوٹ ہو رہی ہے اور اس وجہ سے بھی کہ کہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے اس وقت کوئی سخت حکم نہ جاری ہو جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جھوٹی گواہی کے بارے میں یہ اہتمام اس لیے فرمایا کہ اللہ جل شانہ کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرانے اور والدین کی نافرمانی کرنے کو ہر مسلمان برا سمجھتا ہے، لیکن جھوٹی گواہی دینے میں بہت سے مسلمان غلطی کر جاتے ہیں، کیونکہ اس کے بہت سے اسباب ہوتے ہیں، چنانچہ جھوٹی گواہی عموماً حسد، بغض، دشمنی اور مال و دولت کی لالچ وغیرہ کی وجہ سے دی جاتی ہے، اس کا نقصان صرف ایک بندے تک ہی محدود نہیں ہوتا، بلکہ بیسیوں لوگ اس کی لپیٹ میں آجاتے ہیں، جبکہ شرک اور والدین کی نافرمانی کا نقصان صرف اس آدمی کی ذات تک محدود ہوتا ہے۔(۲)

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- ٹیک لگا کر تعلیم دینا اور ذکر کرنا جائز ہے۔
- تکیہ لگا کر بیٹھ کر پڑھانا مجلس کے آداب کے خلاف نہیں ہے۔
- وعظ و نصیحت کرنے والے کے لیے مناسب ہے کہ وہ اہم بات کو بار بار دہرائے، تا کہ اچھی طرح اس کی اہمیت سامعین کے ذہن میں آجائے، یہاں تک کہ سامعین کو اس خطیب پر رحم اور ترس آجائے۔(۳)

## حضرت ابوبکرہ یعنی نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ

حضرت نفیع بن حارث رضی اللہ عنہ فضلاء صحابہ میں سے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے طائف کے محاصرے کے وقت یہ اعلان کیا کہ جو شخص اس قلعے سے نیچے اتر کر آجائے تو وہ آزاد ہے، یہ صحابی صبح کے وقت اس قلعہ سے نیچے اتر آئے، اس لیے اس صحابی کو ابوبکرہ کہا جانے لگا، نام سے زیادہ اسی نسبت ''ابوبکرہ'' سے ہی مشہور ہو گئے، بعد میں انہوں نے بصرہ میں رہائش اختیار کر لی تھی، انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایات نقل کی ہیں، اور پھر ان سے ان کی اولاد نے احادیث روایت کی ہیں۔(۴)

---

(۱) شعب الایمان ۶/۱۹۷، فصل فی عقوق الوالدین، رقم الحدیث: ۷۸۹۲، ط: بیروت

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۲۵۔

(۳) المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۲۴۸)

(۴) الاصابۃ فی تمییز الصحابۃ ۶/۳۶۹، حرف النون، رقم الترجمۃ: ۸۸۱۶

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا. (۱)

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا آكُلُ مُتَّكِئًا. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو جحیفہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میں ٹیک لگا کر نہیں کھاتا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگا کر نہیں کھاتے تھے

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ٹیک لگا کر کھانا تناول نہیں فرماتے تھے، ان احادیث کا سبب دراصل اعرابی کا وہ واقعہ ہے جو سنن ابن ماجہ میں حضرت عبداللہ بن بسر سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ایک بکری ہدیہ دی گئی، اسے کھانے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دوزانو بیٹھے، ایک اعرابی نے عرض کیا: یہ کیسی عاجزانہ نشست ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے مجھے مہربان بندہ بنایا ہے، اس نے مجھے مغرور ومتکبر اور سرکش آدمی نہیں بنایا، اس لیے میں اس طرح بیٹھ کر کھا رہا ہوں۔ (۳)

ابن بطال فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نشست تواضع اور عاجزی کی وجہ سے اختیار فرمائی تھی، اور ابن بطال ہی نے امام زہری سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس جبرائیل امین کے ساتھ ایک ایسا فرشتہ آیا، جو اس سے پہلے کبھی نہیں آیا تھا، آکر کہنے لگا: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس بات کا اختیار دیا ہے کہ عبد (یعنی بندہ) ہو کر نبی ہوں یا فرشتہ ہو کر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت جبرائیل کی طرف مشورہ کی غرض سے دیکھا، انہوں نے اشارہ کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تواضع اختیار کریں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس فرشتے سے فرمایا کہ: میں بندہ ہو کر نبی بننا پسند کرتا ہوں، راوی کہتے ہیں کہ اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تکیہ لگا کر کھانا نہیں کھایا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹیک لگا کر کھانا کھاتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا گیا، لیکن ان کی یہ بات ان کے اپنے علم کی حد تک ہے ورنہ مصنف ابن ابی شیبہ میں مجاہد کا اثر ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک مرتبہ تکیہ لگا کر کھانا کھایا اور پھر اسے یہ کہہ کر چھوڑ دیا: اَللّٰهُمَّ إِنِّيْ عَبْدُكَ وَرَسُوْلُكَ اے اللہ! میں آپ کا بندہ اور رسول ہوں، اور عطاء بن یسار سے مرسلاً منقول ہے کہ ایک مرتبہ حضرت جبرائیل نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ٹیک لگا کر کھانا کھاتے ہوئے دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو انہوں نے منع کر دیا، اس کے بعد پھر کبھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ٹیک لگا کر کھانا تناول نہیں فرمایا۔ (۴)

---

(۱) سنن ابی داؤد، الأطعمة، رقم الحديث: ۳۷۶۹۔

(۲) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحديث: ۱۸۳۰۔

(۳) سنن ابن ماجة ۴۰۵/۴، كتاب الاطعمة، باب الأكل متكئا، رقم الحديث: ۳۲۶۳

(۴) فتح الباری ۶۷۵/۹، كتاب الاطعمة، باب الأكل متكئا، رقم الحديث: ۵۳۹۹ جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۲۸/۱، تحفة الاحوذی ۵۲۹/۵، كتاب الاطعمة، باب ما جاء فی كراهية الأكل متكئاً، رقم الحديث: ۱۸۳۰۔

# ٹیک لگا کر کھانا کھانے کا حکم

سنت یہ ہے کہ کھانا کھانے کے وقت قدرے جھک کر عاجزانہ انداز کے ساتھ مکمل توجہ سے بیٹھ کر کھانا کھایا جائے، ٹیک لگا کر کھانے سے اجتناب کیا جائے، کیونکہ اس سے منع کیا گیا ہے، میرک شاہ فرماتے ہیں کہ علماء فرماتے ہیں کہ کھانے کے وقت ٹیک لگانے کی عموماً چار صورتیں ہوسکتی ہیں:

- دائیں یا بائیں پہلو کو دیوار یا تکیہ وغیرہ پر سہارا لگا کر کھانا کھانا۔
- بائیں ہاتھ پر ٹیک لگا کر کھانا۔
- بغیر کسی عذر کے کسی گدے وغیرہ پر ٹیک لگا کر چار زانو ہو کر یعنی آلتی پالتی مار کر بیٹھنا۔
- اپنی کمر سے دیوار یا تکیہ وغیرہ پر ٹیک لگا کر کھانا۔

کھانے کے وقت بیٹھنے کی ان تمام صورتوں کو اہل علم نے ناپسندیدہ قرار دیا ہے، کیونکہ تکیہ لگا کر کھانا عموماً مغرور و متکبر اور غافل لوگوں کا طریقہ ہوتا ہے، اور ان لوگوں کا جو زیادہ کھانے کے خوگر ہوں، اور کراہت اس وجہ سے بھی ہے کہ ٹیک لگا کر کھانا کھانے سے انسان کا پیٹ بڑھ جاتا ہے، اور اس سے نظام ہضم بھی خراب اور کمزور ہو جاتا ہے۔

لیکن چونکہ صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت سے تکیہ لگا کر کھانے کا مطلقاً جواز منقول ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ نے حضرت ابن عباس، خالد بن ولید، عبیدہ سلمانی، محمد بن سیرین، عطاء بن یسار اور امام زہری سے مطلقاً جواز نقل کیا ہے، اس لیے اگر کوئی عذر اور مجبوری ہو کہ ٹیک لگائے بغیر کھانا مشکل ہو تو ایسی صورت میں ٹیک لگا کر کھانے میں کوئی حرج نہیں، بغیر کسی کراہت کے درست ہے، اور اگر تکیہ لگا کر کھانے کا منشا فخر و غرور ہو تو یہ ناجائز اور حرام ہے، اور اگر ٹیک لگا کر کھانا آرام و راحت اور زیادہ کھانے کی غرض سے ہو تو شرعاً یہ خلاف اولیٰ اور ناپسندیدہ ہے۔

بعض حضرات نے حدیث باب کے الفاظ "اما انا فلا آکل متکئا" سے اس بات پر استدلال کیا ہے کہ ٹیک لگا کر کھانے کی ممانعت کا حکم صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خاص ہے، چنانچہ شوافع میں سے ابو العباس بن القاص کی رائے یہ ہے کہ یہ حکم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کو کسی دلیل کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت قرار نہیں دیا جا سکتا، لہذا ٹیک لگا کر کھانا کھانے کی ممانعت کا حکم سب کے لیے ہے، اس حکم کے عام ہونے پر علامہ عینی نے طبرانی کے حوالے سے حضرت ابو الدرداء کی روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا تَأْكُلْ مُتَّكِئًا ٹیک لگا کر نہ کھاؤ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد ایک عام حکم بیان کر رہا ہے، جو سب کو شامل ہے، اس لیے ٹیک لگا کر کھانا یا لیٹ کر کھانا سب ہی کے لیے ممنوع ہے، البتہ عذر اور ضرورت کی صورتیں ممانعت کے

حکم سے بہرحال مستثنیٰ ہیں۔(۱)

اور جو چیزیں تفکہ کے طور پر کھائی جاتی ہیں نمکو، چنے، پستہ اور بادام وغیرہ انہیں ٹیک لگا کر یا لیٹ کر بھی کھایا جاسکتا ہے، حضرت علیؓ سے اس طرح کا ایک اثر منقول ہے۔(۲)

## کھانے کے لیے بیٹھنے کی مستحب صورتیں

کھانے کے وقت بیٹھنے کے مستحب اور مسنون طریقے یہ ہیں:

۱۔ مسنون یہ ہے کہ کھانا کھاتے وقت کھانے کی طرف قدرے جھک کر عاجزانہ انداز سے مکمل توجہ کے ساتھ بیٹھا جائے۔(۳)

۲۔ دوزانو ہو کر بیٹھنا جس طرح تشہد میں بیٹھا جاتا ہے۔(۴)

۳۔ "اقعاء" کی طرح بیٹھنا یعنی پنڈلی اور ران ملا کر دونوں زانو کھڑے کر لینا اور سرین پر بیٹھ جانا، حضرت انسؓ کی ایک روایت میں حضور اکرم ﷺ سے کھانے کے وقت بیٹھنے کی یہ کیفیت منقول ہے۔(۵)

۴۔ دونوں پاؤں پر اس طرح بیٹھے کہ سرین زمین پر نہ لگے، اسے اکڑوں بیٹھنا بھی کہا جاتا ہے، ابن قیم فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کھانے کے وقت گھٹنے کے بل بیٹھتے اور تواضع کی وجہ سے بائیں قدم کی اندر کی جانب کو دائیں قدم کی پشت پر رکھتے تھے۔(۶)

۵۔ دونوں گھٹنوں کو زمین پر ٹیک کر جھک کر کھانا۔(۷)

۶۔ دایاں گھٹنا کھڑا کرلے اور بائیں گھٹنے پر بیٹھ جائے۔(۸)

بیٹھنے کے مذکورہ طریقوں میں کھانے کا ادب واحترام اور عجز وانکساری کا اظہار ہے، اور ان میں کھانا بھی کم کھایا جاتا ہے، جو صحت کے لیے فائدہ مند بھی ہے، اس لیے کھانے کے لیے ان نشستوں میں سے کوئی نشست اختیار کرنی چاہیے، ٹیک لگا کر کھانے سے ہر ممکن احتراز کرنا چاہیے۔

---

(۱) فتح الباری ۶۷۵/۹، کتاب الاطعمة، باب الاكل متكئا، عمدة القاری ۴۳/۲۱، مرقاة المفاتيح ۸۸/۸ کتاب الاطعمة، الفصل الأول، رقم الحديث: ۴۱۶۸، جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۲۸/۱۔

(۲) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۲۴۹)۔

(۳) بذل المجهود ۵۴/۱۶ كتاب الاطعمة، باب الأكل متكئا، رقم الحديث: ۳۷۶۹، ط: بيروت۔

(۴) عمدة القاری ۴۴/۲۱، کتاب الاطعمة، باب الاكل متكئا۔

(۵) تكملة فتح الملهم ۴۷/۴، كتاب الاطعمة، باب استحباب تواضع الأكل، رقم الحديث: ۵۲۹۰

(۶) زاد المعاد لابن القيم ۲۰۳/۴، فصل فی الأكل بالأصابع الثلاث، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۲۴۹)

(۷) عمدة القاری ۴۴/۲۱

(۸) اشعة اللمعات فارسی ۴۸۷/۳، الفصل الاول۔

## حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ

شمائل کی مذکورہ دونوں حدیثوں کے راوی حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ ہیں، ان کا نام وھب بن عبداللہ بن مسلم بن جنادہ ہے، نبی کریم ﷺ کی زندگی کے آخر میں یہ خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، بہت سی احادیث آپ ﷺ سے محفوظ کیں، ان کے بچپن کے زمانے میں نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے، صحیح بخاری میں حضرت ابو جحیفہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو دیکھا، حضرت حسن بن علی شکل وصورت میں آپ ﷺ کے مشابہ تھے، اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے تیرہ اونٹنیاں ہمیں دینے کا حکم دیا، لیکن ابھی ہم نے وہ وصول نہیں کی تھیں کہ آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

پھر حضرت ابو جحیفہ رضی اللہ عنہ حضرت علیؓ کے ساتھ رہا کرتے، حضرت علی نے اپنے زمانہ خلافت میں انہیں کوفہ کی پولیس کا نگران مقرر کیا تھا، حضرت علیؓ ان کو "وھب الخیر" کہا کرتے، سن ۶۴ھ یا ۷۴ھ میں عراق میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلَى وِسَادَةٍ.(۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو ایک تکیہ پر ٹیک لگائے ہوئے دیکھا ہے۔

## "علی یسارہ" کے لفظ میں اسحاق بن منصور منفرد ہیں

اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب کے شروع میں ذکر کیا ہے، یہاں اسے دوبارہ ذکر کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ باب کی پہلی روایت میں "علی یسارہ" کے الفاظ غریب ہیں، انہیں اسرائیل سے صرف محمد بن اسحاق نے نقل کیا ہے، اسرائیل کے دیگر شاگرد مثلاً وکیع وغیرہ نے "علی یسارہ" کے الفاظ روایت نہیں کیے، چنانچہ امام ترمذی نے کتاب الاطعمۃ، باب ما جاء فی کراھیۃ الاکل متکئا میں بھی اس بات کو ذکر کیا ہے۔

## بَابُ مَا جَاءَ فِي اتِّكَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں رسول اللہ ﷺ کا (انسان پر) سہارا اور ٹیک لگانے کا ذکر ہے۔

امام ترمذی رحمہ اللہ اس باب کو دوبارہ ذکر کر کے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ضرورت کے موقع پر کسی انسان پر بھی سہارا اور ٹیک لگا لیتے تھے، جبکہ اس سے پچھلے باب سے یہ بتانا مقصود تھا کہ انسان کے علاوہ دوسری چیزوں مثلاً تکیہ اور دیوار

---

(۱) الاصابۃ ۶/۴۹۰، حرف الواو، رقم الترجمۃ: ۹۱۸۷، مرقاۃ المفاتیح ۸/۸۸، کتاب الاطعمۃ، الفصل الاول، رقم الحدیث: ۴۱۶۸

(۲) سنن ابی داؤد، اللباس، رقم الحدیث: ۴۱۴۳۔

وغیرہ سے کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹیک لگا لیتے تھے، اس لیے یہ اعتراض نہیں ہوسکتا کہ یہاں ان دو بابوں میں تکرار ہے۔

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ شَاكِيًا، فَخَرَجَ يَتَوَكَّأُ عَلَى أُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ، وَعَلَيْهِ ثَوْبٌ قِطْرِيٌّ، قَدْ تَوَشَّحَ بِهِ، فَصَلَّى بِهِمْ.(۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (مرض وفات میں) بیمار تھے، اپنے گھر سے باہر اس طرح تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ پر سہارا لگائے ہوئے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک پر ایک یمنی منقش چادر تھی، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اوڑھ رکھا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ شاکیا: بیمار، ناساز طبیعت، یتو کأعلی أسامة: حضرت اسامہ پر سہارا لگائے ہوئے، ثوب قطری: (قاف کے نیچے زیر اور طاء ساکن) اس کے دو ترجمے ہیں: ۱۔ یہ ایک یمنی مضبوط چادر تھی جو روئی سے بنائی جاتی تھی، منقش اور سرخ دھاری دار ہوتی۔ ۲۔ یہ ایک عمدہ لباس تھا، جو بحرین کے شہر قطر سے لایا جاتا تھا، اسی سے اس کو قطری کہا جاتا ہے، اصل میں تو یہ لفظ ''قطر'' قاف اور طاء پر زبر کے ساتھ ہے، مگر خلاف قیاس قاف کے نیچے زیر اور طاء کو ساکن کر کے پڑھا جانے لگا، قد توشح به: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس چادر کو لپیٹا، اوڑھا جس طرح کہ چادر کو کندھوں پر لپیٹا جاتا ہے، یا اضطباع کی طرح اسے لپیٹا تھا یعنی دایاں کندھا ننگا کر کے بائیں کندھے پر اس چادر کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈال رکھا تھا۔

## بیماری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا سہارا حضرت اسامہ پر

مرض وفات کے زمانے میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت اسامہ کے سہارے گھر سے باہر تشریف لائے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت ناساز تھی، اور جسم مبارک پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یمنی منقش چادر اوڑھ رکھی تھی، مسجد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام کو نماز پڑھائی، یہ حدیث شمائل میں باب ماجاء فی لباس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی گذر چکی ہے، مزید تفصیل اس عنوان کے تحت دیکھ لیجیے: ''نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''ثوب قطری'' زیب تن فرمایا''

عَنِ الْفَضْلِ بْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ الَّذِي تُوُفِّيَ فِيهِ، وَعَلَى رَأْسِهِ عِصَابَةٌ صَفْرَاءُ فَسَلَّمْتُ عَلَيْهِ، فَقَالَ: يَا فَضْلُ قُلْتُ: لَبَّيْكَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ: اشْدُدْ بِهَذِهِ الْعِصَابَةِ رَأْسِي قَالَ: فَفَعَلْتُ، ثُمَّ قَعَدَ فَوَضَعَ كَفَّهُ عَلَى مَنْكِبِي، ثُمَّ قَامَ فَدَخَلَ فِي الْمَسْجِدِ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت فضل بن عباس کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس بیماری میں جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک پر زرد پٹی تھی، میں نے سلام

(۱) صحیح ابن حبان، رقم الحدیث: ۲۳۳۵۔

کیا، حضور اقدس ﷺ نے سلام کے جواب کے بعد ارشاد فرمایا کہ "اے فضل! میں نے کہا: یارسول اللہ میں حاضر ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا: اس پٹی سے تم میرے سر کو خوب زور سے باندھ دو، فضل کہتے ہیں کہ میں نے یہ کام کر لیا، پھر نبی کریم ﷺ بیٹھ گئے، اور اپنی ہتھیلی میرے کندھے پر رکھی اور کھڑے ہوئے اور مسجد میں تشریف لے گئے، اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ عصابة:** (عین کے نیچے زیر) پٹی پگڑی، **صفراء:** زرد، پیلا، **لبیک:** میں حاضر ہوں، **اشدد:** تم زور سے باندھ دو، **وضع کفه:** اپنی ہتھیلی رکھی یعنی سہارا لیا، ٹیک لگائی، **علی منکبی:** میرے کندھے پر۔

## حضرت فضل کے کندھے پر ہتھیلی رکھ کر آپ ﷺ اٹھے

مذکورہ حدیث میں درج ذیل باتوں کا ذکر ہے:

- وفات سے قبل جب آپ ﷺ شدید بیمار ہوئے، اٹھنا بھی آپ ﷺ کے لیے دشوار ہو گیا تھا، اس موقع پر آپ ﷺ نے حضرت فضل بن عباس کے کندھے پر ہتھیلی رکھی، ان کے سہارے آپ ﷺ اٹھے، پھر مسجد نبوی میں تشریف لائے۔
- اس وقت نبی کریم ﷺ کے سر مبارک پر عصابۃ صفراء تھا، اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں۔ ۱۔ آپ ﷺ کے سر پر زرد پٹی تھی، جسے فضل بن عباس نے زور سے آپ ﷺ کے سر پر باندھا، تاکہ درد اور بوجھ کو سکون ہو۔ ۲۔ بعض نے اس کا ترجمہ کیا ہے: زرد پگڑی، جو فضل بن عباس نے سر پر مضبوطی سے باندھی، اس سے یہ استدلال کیا گیا ہے کہ پیلے رنگ کی پگڑی پہننا جائز ہے۔
- بیماری میں سر پر کپڑا باندھنا، تاکہ بیماری میں افاقہ ہو جائے، جائز ہے، توکل اور مقام نبوت اور مقام ولایت کے منافی نہیں۔ (۱)

## وفات سے پہلے نبی کریم ﷺ کا ایک اہم خطبہ

امام ترمذی رحمہ اللہ نے حدیث کے آخر میں فرمایا: "وفی الحدیث قصة" اس قصہ کی تفصیل یہ ہے:

حضرت فضل بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں مرض الوفات میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، آپ ﷺ اس وقت شدید بخار میں تھے، سر پر پٹی باندھ رکھی تھی، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ فضل! میرا ہاتھ پکڑ لو، میں نے آپ ﷺ کا ہاتھ پکڑا، یوں آپ ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھ کر فرمایا کہ لوگوں کو آواز دے کر بلا لو، میں نے

---

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۲۵۱) باب ما جاء في اتكاء رسول الله ﷺ۔

لوگوں کو جمع کر لیا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حمد وثناء کے بعد درج ذیل باتیں ارشاد فرمائیں:

۱۔ اے لوگو! میرا دنیا سے جانے کا وقت قریب آچکا ہے، لہٰذا جس کو میں نے پشت پر مارا ہو تو میری کمر یہ ہے، اسے چاہیے کہ وہ مجھ سے بدلہ لے لے، جس سے میں نے کبھی کوئی مال لیا اور واپس نہ دیا ہو تو وہ مجھ سے اپنا مال وصول کر لے، اپنا حق لینے میں کوئی شخص یہ مت سوچے کہ بدلہ لینے سے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں میری دشمنی، بغض اور کدورت پیدا ہو جائے گی، خوب سن لو کہ بغض رکھنا نہ تو میرا امزاج ہے اور نہ میرے مقام کے لیے موزوں اور مناسب ہے، مجھے وہ شخص زیادہ محبوب ہوگا، جو مجھ سے اپنا حق وصول کر لے یا مجھے معاف کر دے، تا کہ میں اللہ جل شانہ کے سامنے پوری بشاشت کے ساتھ جاؤں (کہ مجھ پر کسی کا کوئی حق نہ ہو) میں یہ اعلان ایک بار نہیں، بار بار کرتا رہوں گا (تا کہ میں ان حقوق سے سبکدوش ہو جاؤں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز پڑھائی، اور وہی مضمون دوبارہ دہرایا۔

۲۔ مزید یہ فرمایا کہ جس کے ذمے دوسرے کا کوئی حق ہو، وہ اسے ادا کر دے، اس کی وجہ سے دنیا کی ذلت ورسوائی کا خیال نہ کرے، کیونکہ دنیا کی ذلت اور رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت معمولی ہے، اس پر ایک صاحب اٹھے، اس نے عرض کیا کہ میرے تین درہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذمے ہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میں کسی مطالبہ کرنے والے کی تکذیب نہیں کرتا، نہ اس سے قسم لیتا ہوں لیکن یہ ضرور پوچھنا چاہتا ہوں کہ وہ تین درہم کیسے ہیں؟ اس صحابی نے بتایا کہ میں ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا تھا کہ ایک سائل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا کہ اسے تین درہم دے دو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل بن عباس سے فرمایا کہ اس کے تین درہم ادا کر دو، اس کے بعد ایک اور صاحب اٹھے، انہوں نے عرض کیا کہ میرے ذمے تین درہم بیت المال کے ہیں، میں نے وہ خیانت سے لیے تھے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ خیانت کیوں کی تھی؟ عرض کیا: میں اس وقت بہت محتاج تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت فضل سے فرمایا کہ ان سے یہ وصول کر لو۔

۳۔ اس کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اعلان فرمایا کہ جس کسی کو اپنی کسی حالت کا اندیشہ ہو وہ بھی دعا کرا لے، اس پر تین آدمی یکے بعد دیگرے اٹھے:

❁ ایک شخص نے عرض کیا: میں منافق ہوں، بہت سونے کا مریض ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ صِدْقًا وَاِيْمَانًا وَاَذْهِبْ عَنْهُ النَّوْمَ اِذَا اَرَادَ: اے اللہ! اسے سچائی عطا فرما، ایمان کامل نصیب فرما، اور جب یہ چاہے تو اس سے نیند دور فرما دے۔

❁ ایک اور شخص اٹھا اور عرض کیا: میں بہت جھوٹا ہوں، منافق ہوں، کوئی گناہ ایسا نہیں جو میں نے نہ کیا ہو، اس کی یہ بات سن کر حضرت عمر فاروق نے اسے تنبیہ کے طور پر فرمایا: اپنے گناہوں کو کیوں پھیلاتے پھر رہے ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر! چپ رہو، دنیا کی رسوائی آخرت کی رسوائی سے بہت ہلکی ہے، پھر اس صحابی کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ دعا دی: اَللّٰهُمَّ ارْزُقْهُ صِدْقًا وَ

اِیْمَانًا وَصَیِّرْ أَمْرَهُ إِلَى خَیْرٍ۔ اے اللہ! اسے سچائی اور ایمان کامل نصیب فرما، اور ان کے معاملات اور حالات کو بہتر فرما دے۔

ایک اور حدیث میں یہ بھی ہے: ایک اور شخص نے عرض کیا: میں ایک بزدل آدمی ہوں اور نیند کا مریض ہوں، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دعا دی، حضرت فضل فرماتے ہیں کہ اس دعا کی برکت سے یہ شخص بہت دلیر اور جری ہو گیا تھا، اور سوتا بھی کم تھا۔

۴۔ اسی دوران حضرت عمر نے مجمع سے کوئی بات کہی، جس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر میرے ساتھ ہیں، اور میں عمر کے ساتھ ہوں، اور میرے بعد حق عمر کے ساتھ ہوگا جہاں بھی وہ ہیں۔

۵۔ اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عائشہ کے گھر تشریف لے گئے، عورتوں کو وہاں جمع کیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردے میں ان سے یہی سارا اعلان فرمایا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے مجمع سے فرمایا تھا، ایک صحابیہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنی زبان سے عاجز ہوں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے بھی دعا فرمائی۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ انسان کو اپنے تمام معاملات صاف ستھرے رکھنے چاہئیں، خاص طور پر مالی معاملات، تاکہ آخرت میں ذلت و رسوائی کا سامنا نہ کرنا پڑے۔ نیز اس حدیث میں بعض صحابہؓ نے جو اپنے آپ کو منافق کہا ہے، یہ عجز و انکساری اور خوف خدا کی وجہ سے کہا ہے، ورنہ اصلا وہ منافق نہیں تھے، مگر وہ اپنے اعمال کو ہیچ سمجھ رہے تھے، اس لیے ان حضرات نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے لیے دعا کرائی۔

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ أَكْلِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے کی صفت اور طریقہ کا بیان ہے

عَنِ ابْنٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَلْعَقُ أَصَابِعَهُ ثَلَاثًا. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَرَوَى غَيْرُ مُحَمَّدِ بْنِ بَشَّارٍ هَذَا الْحَدِيثَ قَالَ: يَلْعَقُ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ.(۲)

حضرت کعب بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (کھانے کے بعد) اپنی انگلیاں تین مرتبہ چاٹ لیا کرتے تھے، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یہ محمد بن بشار کا طریق ہے، جبکہ دوسرے راویوں نے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تین انگلیاں (جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے) چاٹ لیتے تھے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَكَلَ طَعَامًا لَعِقَ أَصَابِعَهُ الثَّلَاثَ.(۳)

ترجمہ: حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھانا کھاتے تو اپنی تینوں انگلیوں کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

---

(۱) مجمع الزوائد ۹/۲۵، رقم الحدیث: ۱۴۲۵۲

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۸۰۲۔

(۳) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۸۰۳۔

عَنْ أَبِي جُحَيْفَةَ قَالَ: قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَمَّا أَنَا فَلَا آكُلُ مُتَّكِئًا.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوجحیفہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تو ٹیک لگا کر کھانا نہیں کھاتا۔

عَنِ ابْنٍ لِكَعْبِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ بِأَصَابِعِهِ الثَّلَاثِ وَيَلْعَقُهُنَّ.(۲)

ترجمہ: حضرت کعب بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (عموماً) اپنی تین انگلیوں سے کھانا تناول فرماتے تھے، اور (کھانے کے بعد) ان کو چاٹ لیا کرتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔ کان یلعق: (عین پر زبر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم چاٹ لیتے، أصابع: اصبع کی جمع ہے: انگلیاں، متکئا: ٹیک لگا کر، ویلعقھن: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے بعد انگلیاں چاٹ لیتے

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور معلوم ہوئے:

۱۔ ان احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب انسان کھانا کھائے تو اس کے بعد انگلیاں چاٹ لیا کرے، تاکہ کھانے کے تمام اجزاء اور ذرات پیٹ کے اندر چلے جائیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہی معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان تین انگلیوں کو جن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کھاتے، چاٹ لیا کرتے تھے، کھانے کے دوران انگلیاں نہ چاٹی جائیں، اس سے انسان کو کراہت محسوس ہوتی ہے۔

اس باب کی پہلی روایت: یعلق أصابعه ثلاثا، سے کیا مراد ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

❁ بعض حضرات اس حدیث کے ظاہری الفاظ کے اعتبار سے یہ فرماتے ہیں کہ تین مرتبہ انگلیاں چاٹنا مستحب ہے، اس طرح ان کی صحیح صفائی ہوجاتی ہے، مگر ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ حدیث سے تین مرتبہ چاٹنا مراد نہیں بلکہ تین انگلیوں کو چاٹنا مراد ہے، امام ترمذی نے بھی اس پر کلام کرتے ہوئے یہ فرمایا ہے کہ یہ محمد بن بشار کا طریق ہے جبکہ ان کے علاوہ دیگر تمام راویوں نے اس حدیث کو یوں روایت کیا ہے: یلعق اصابعه الثلاث یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تین انگلیوں کو چاٹ لیتے تھے، نیز اسی باب میں اس کے بعد حضرت کعب بن مالک ہی کی روایت ہے، جس میں تین انگلیوں کے چاٹنے کا ذکر ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کھانے کے بعد تین انگلیوں کو چاٹنا سنت ہے۔

❁ بعض شارحین فرماتے ہیں کہ باب کی پہلی حدیث میں ایک مستقل ادب بیان کیا گیا ہے کہ تین مرتبہ انگلیوں کو چاٹ لیا

---

(۱) الصحيح للبخاري، الاطعمة، رقم الحديث: ۵۳۹۸۔

(۲) الصحيح لمسلم، الأطعمة، رقم الحديث: ۲۰۳۲۔

جائے، اس سے پوری صفائی ہو جاتی ہے، اور تین انگلیوں کو چاٹنا یہ مستقل ایک ادب ہے، اور دونوں ادب ہی اپنی جگہ درست ہیں۔ (۱)

۲۔ کھانے میں نبی کریم ﷺ عموماً تین انگلیاں استعمال فرماتے تھے: انگوٹھا، شہادت کی انگلی اور درمیان کی بڑی انگلی اور جب کھانے سے فارغ ہو جاتے تو سب سے پہلے درمیان کی بڑی انگلی، پھر شہادت کی انگلی اور آخر میں انگوٹھے کو چاٹتے تھے، اس سے یہ بات معلوم ہوئی کہ تین انگلیوں سے کھانا مستحب ہے، علماء فرماتے ہیں کہ ایک اور دو انگلیوں سے کھانا تکبر کی علامت ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کھانے میں تین سے زیادہ انگلیاں استعمال کرنے میں ایک گونہ حرص وہوس اور لالچ کا شائبہ پایا جاتا ہے، کیونکہ عموماً تین انگلیوں سے انسان کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے، ہاں اگر کہیں اس قسم کا کھانا ہو کہ جسے تین انگلیوں سے نہ کھایا جا سکتا ہو، تب چوتھی اور پانچویں انگلی کو بھی بغیر کسی کراہت کے استعمال کیا جا سکتا ہے، نیز چمچ سے بھی کھانا کھانا جائز ہے۔

۳۔ یہ ذہن میں رہے کہ کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنا سنتِ رسول ہے؛ جو بلاشبہ ہر مسلمان کے لیے باعث اجر و خیر ہے، اسی جذبے سے سرشار ہو کر اس سنت پر عمل پیرا ہونا چاہیے، کسی بھی موقع پر نبی کریم ﷺ کی کسی بھی سنت کو حقیر اور ہلکا نہ سمجھا جائے، لیکن آج بہت سے نام نہاد مسلمان مغربی تہذیب سے متاثر ہو کر کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کو خلاف تہذیب اور ایک معیوب کام شمار کرتے ہیں، یہ انتہائی گندی ذہنیت اور گمراہ کن فکر کا شاخسانہ ہے، چنانچہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص اپنی طبیعت کی وجہ سے انگلیاں نہیں چاٹتا، سنت کی تحقیر اس کے پیش نظر نہیں، تب بھی اسے اپنی اصلاح کرنی چاہیے، اپنی طبیعت کو سنت کے ڈھانچے میں ڈھالنا چاہیے، لیکن اگر کوئی شخص سنت کی تحقیر کی بناء پر انگلیاں نہیں چاٹتا تو اس کے کفر کا اندیشہ ہے، اس لیے اس طرح کی فکر سے تہ دل سے توبہ کرنی چاہیے اور نبی کریم ﷺ کی سنتوں پر اہتمام سے عمل کرنا چاہیے۔ (۲)

۴۔ ٹیک لگا کر کھانے سے متعلق تفصیل ایک باب پہلے گذر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیں۔

## انگلیاں چاٹنے کی حکمتیں

کھانے کے بعد انگلیاں چاٹنے کی بہت سی حکمتیں ہیں، جن میں سے چند یہ ہیں:

۱۔ انگلیاں چاٹنے کے بعد رومال وغیرہ سے ہاتھ صاف کیے جائیں گے تو وہ زیادہ آلودہ، اور خراب نہیں ہوگا۔

۲۔ تا کہ کھانے کے تمام اجزاء اور ذرات پیٹ کے اندر پہنچ جائیں اور برکت حاصل ہو جائے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۳۲/۱۔

(۲) فتح الباری ۷۲۱/۹ کتاب الأطعمة، باب لعق الأصابع و مصها ...، رقم الحدیث: ۵۴۵۶، تکملة فتح الملهم ۲۲/۴، کتاب الاطعمة، باب استحباب لعق الاصابع، رقم الحدیث: ۵۲۵۳

کو معلوم نہیں کہ کھانے کے کون سے ذرے میں برکت ہے، اس لیے برکت کے حصول کے لیے کھانے کے بعد انگلیوں کو ضرور چاٹ لیا جائے۔

۳۔ انگلیاں چاٹنے کا حکم اس لیے ہے تاکہ طعام اور غذا کی تھوڑی سی مقدار کو بھی معمولی، ہلکا اور حقیر نہ سمجھا جائے، بلکہ اس کی بھی قدر کی جائے، اسے ضائع کرنا ایک طرح سے اس کی توہین ہے، اس سے بچا جائے۔

۴۔ انسان کوشش کرے کہ کھانے کے بعد اپنی انگلیاں خود ہی چاٹ لیا کرے، لیکن اگر خود چاٹ نہ سکے تو دوسروں کو انگلیاں چٹانے میں اس بات کا خیال رہے کہ جس کو انگلیاں چٹائی جارہی ہیں، وہ کراہت اور گھن محسوس نہ کرتا ہو جیسے فرمانبردار بیوی، خادم اور اولاد وغیرہ۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: أُتِيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِتَمْرٍ فَرَأَيْتُهُ يَأْكُلُ وَهُوَ مُقْعٍ مِنَ الْجُوعِ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس کھجور لائی گئی، میں نے آپ ﷺ کو اس حال میں کھاتے ہوئے دیکھا کہ بھوک کی وجہ سے آپ ﷺ اکڑوں بیٹھ کر کسی چیز پر سہارا لگائے ہوئے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔** أتي رسول الله: رسول اللہ ﷺ کے پاس لائی گئی، مقع: یہ اقعاء سے ہے: اکڑوں بیٹھک یعنی دونوں پاؤں پر بیٹھا جائے اور سرین زمین پر نہ ہو، من الجوع: بھوک کی وجہ سے۔

## "عذر" کی وجہ سے ٹیک لگا کر کھانے کا ثبوت

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ پر بھوک کی وجہ سے اس قدر ضعف ہوگیا تھا کہ آپ ﷺ کھانے کے وقت اپنے سہارے سے نہیں بیٹھ سکے، بلکہ آپ ﷺ اکڑوں بیٹھے اور کمر کو دیوار وغیرہ پر سہارا دیا، ٹیک لگا کر کھانے کا آپ ﷺ کا معمول نہیں تھا، عذر کی وجہ سے آپ ﷺ نے ایسا کیا، اس سے معلوم ہوا کہ اگر انسان کو شرعی عذر ہو، ایسا کوئی مسئلہ ہو جس کی وجہ سے وہ بیٹھ کر نہ کھا سکے، ٹیک لگانا ضروری ہو، تو ایسی صورت میں ٹیک لگا کر کھانا تناول کرنا بغیر کسی کراہت کے جائز ہے۔(۳)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ خُبْزِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث میں ہے جن میں نبی کریم ﷺ کی روٹی کا بیان ہے

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: مَا شَبِعَ آلُ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتَّى قُبِضَ

---

(۱) فتح الباری ۹/۷۲۱، کتاب الاطعمة، باب لعق الاصابع، رقم الحديث: ۵۴۵۴۔

(۲) الصحيح لمسلم، رقم الحديث: ۲۰۴۴، سنن أبي داؤد، رقم الحديث: ۳۷۷۱۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۳۶۔

رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ.(۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کے اہل وعیال نے مسلسل دو دن کبھی جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی۔

عَنْ أَبِی أُمَامَۃَ الْبَاهِلِیِّ یَقُولُ: مَا كَانَ یَفْضُلُ عَنْ أَهْلِ بَیْتِ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خُبْزُ الشَّعِیرِ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ باہلی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے اہل خانہ سے کبھی جو کی روٹی (دستر خوان پر) نہ بچتی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ما شبع: آپ ﷺ سیر نہیں ہوئے، پیٹ بھر کر نہیں کھانا، خبز الشعیر: جو کی روٹی، یومین متتابعین: مسلسل دو دن، ما کان یفضل: بچتی نہ تھی، ضرورت سے زائد نہ ہوتی بلکہ اس سے وہ سیراب ہی نہ ہوتے۔

## آل محمد ﷺ نے کبھی مسلسل دو دن جو کی روٹی سے پیٹ نہیں بھرا

ان احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل وعیال نے کبھی مسلسل دو دن جو کی روٹی سے پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا، اور بخاری کی روایت میں ہے کہ تین دن مسلسل گندم کی روٹی سے آپ ﷺ نے پیٹ بھر کر نہیں کھایا، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی وفات ہوگئی، دستر خوان پر جو کی روٹی کا ذرہ بھی نہیں بچتا تھا، اس قدر تنگ حالات سے آپ ﷺ دو چار رہتے تھے، ہاں روٹی کے علاوہ کھجوروں سے ممکن ہے کہ آپ ﷺ اپنا گذر اوقات کر لیتے ہوں۔

لیکن یہاں پر ایک اشکال ہوتا ہے کہ ان روایات سے تو معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے اہل وعیال نے پیٹ بھر کر جو یا گندم کی روٹی مسلسل تین دن نہیں کھائی، جبکہ دیگر روایات سے یہ ثابت ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو پورے سال کا خرچہ اور غذائی اشیاء دے دیا کرتے تھے، بظاہر ان دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے؟ شارحین نے اس تعارض کے حل میں مختلف جواب ذکر کیے ہیں:

۱۔ اس حدیث میں لفظ "آل" زائد ہے، اس سے نبی کریم ﷺ کی ذات مراد ہے، آپ ﷺ نے اپنی ذات کے لیے کبھی کوئی چیز ذخیرہ نہیں کی، چنانچہ اس باب کے آخر میں اسی مضمون کی روایت حضرت عائشہ سے منقول ہے کہ آپ ﷺ نے کبھی جو کی روٹی سے مسلسل دو دن پیٹ نہیں بھرا، ہاں اہل وعیال کو سال بھر کا نفقہ ایک ساتھ عنایت فرما دیتے تھے۔

۲۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی ازواج مطہرات کو سال کا خرچہ اور غذائی اشیاء دے تو دیتے تھے، مگر جب کوئی سائل آتا تو اس کی ضرورت کے پیش نظر آپ ﷺ اور ازواج مطہرات وہ چیزیں ان کو دے دیتے، اس لیے وہ اشیاء

---

(۱) سنن الترمذی، الزھد، رقم الحدیث: ۲۳۵۸، الصحیح لمسلم، الزھد، رقم الحدیث: ۲۹۷۰۔

(۲) سنن الترمذی، الزھد، رقم الحدیث: ۲۳۶۰۔

آپ ﷺ کی ازواج کے پاس ذخیرہ نہ ہوتیں، اور ''آل'' سے نبی کریم ﷺ کے اہل وعیال مراد ہیں، وہ لوگ مراد نہیں، جن پر صدقہ حرام ہوتا ہے۔(۱)

۳۔　نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل وعیال جو اور گندم کی روٹی سے تو زیادہ دن سیر ہو کر نہ کھا سکتے، اتنی وہ مہیا ہی نہ ہوتی، البتہ کھجوریں عموماً دستیاب ہوتیں، ازواج مطہرات کو کھجوریں وافر مقدار میں کھانے کے لیے دے دی جاتیں، انہیں وہ غذا کے طور پر کھایا کرتی تھیں، چنانچہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ بسا اوقات کئی مہینے اس طرح گذر جاتے کہ ہم آگ تک نہیں جلاتے تھے، ہماری غذا کھجور اور پانی یا دودھ ہوتا تھا۔(۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَبِيتُ اللَّيَالِيَ الْمُتَتَابِعَةَ طَاوِيًا هُوَ وَأَهْلُهُ، لَا يَجِدُونَ عِشَاءً، وَكَانَ أَكْثَرُ خُبْزِهِمْ خُبْزَ الشَّعِيرِ.(۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل وعیال مسلسل کئی راتیں بھوک کی حالت میں گزار دیتے تھے، وہ شام کا کھانا بھی نہ پاتے تھے، اور زیادہ تر ان کی روٹی جو کی ہوتی تھی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ المتتابعة: مسلسل، پے درپے، طاویا: بھوکا، بھوک کی حالت میں، لا یجدون: وہ لوگ نہ پاتے، عشاء: (عین پر زبر) شام کا کھانا۔

## نبی کریم ﷺ اپنی تنگدستی کو صحابہ سے مخفی رکھتے

نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل وعیال پر کئی دن فقر وفاقہ اور تنگدستی کی وجہ سے اس طرح گزر جاتے کہ شام کا کھانا انہیں میسر نہ آتا، عموماً ان کی روٹی جو کے آٹے سے ہوتی، مگر اس سب کے باوجود نبی کریم ﷺ اپنی یہ حالت کسی صحابی کے سامنے ظاہر نہ فرماتے، بلکہ مخفی رکھتے، اگر صحابہ کو آپ ﷺ کی یہ حالت معلوم ہو جاتی تو صحابہ میں بعض تو صاحب ثروت اور مالدار تھے، وہ کبھی آپ ﷺ پر اس طرح کی حالت نہ آنے دیتے، اور غیر مالدار صحابہ بھی اپنی کسمپرسی کے باوجود حضور اکرم ﷺ کی یہ حالت برداشت نہ کرتے، اپنی سی جد وجہد کر کے آپ ﷺ کی اس مشکل میں مدد فرماتے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر خدانخواستہ انسان پر کوئی مشکل پیش آجائے، معاشی لحاظ سے حالات سازگار نہ رہیں، تو اس حالت کو ہر کس وناکس کے سامنے بیان نہ کرے، اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع کرے، وہ ہر مشکل کو حل کرنے والا ہے، ہاں اسباب

---

(۱)　جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۳۷/۱۔

(۲)　السنن الکبری للبیہقی ۷۵/۷، کتاب النکاح، باب ما أمره الله تعالى من اختيار الاخرة، رقم الحدیث: ۱۳۳۱۲، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۳۷/۱۔

(۳)　سنن الترمذی، الزهد، رقم الحدیث: ۲۳۶۱۔

کی حد تک ان مشکل حالات سے نکلنے کے لیے کسی مخلص دوست سے مشورہ ضرور کیا جائے، اور کسب معاش کی کوئی جائز صورت اختیار کی جائے، تاکہ اس مشکل سے خلاصی ہو جائے۔(۱)

عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ، أَنَّهُ قِيلَ لَهُ: أَكَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ؟ - يَعْنِي الْحُوَّارَى - فَقَالَ سَهْلٌ: مَا رَأَى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّقِيَّ حَتَّى لَقِيَ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ، فَقِيلَ لَهُ: هَلْ كَانَتْ لَكُمْ مَنَاخِلُ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: مَا كَانَتْ لَنَا مَنَاخِلُ. قِيلَ: كَيْفَ كُنْتُمْ تَصْنَعُونَ بِالشَّعِيرِ؟ قَالَ: كُنَّا نَنْفُخُهُ فَيَطِيرُ مِنْهُ مَا طَارَ ثُمَّ نَعْجِنُهُ.(۲)

ترجمہ: حضرت سہل بن سعد سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدے کی روٹی بھی کھائی ہے؟ حضرت سہل نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدہ تو دیکھا بھی نہیں، (کھانا تو دور کی بات ہے) یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ سے جا ملے، پھر ان سے پوچھا گیا: کیا عہد رسالت میں آپ لوگوں کے پاس چھلنیاں تھیں؟ انہوں نے فرمایا: ہمارے پاس چھلنیاں نہیں تھیں، پوچھا گیا: آپ لوگ جو کے آٹے کے ساتھ کیا کرتے تھے؟ (یعنی اسے چھلکے سے کس طرح صاف کرتے تھے) فرمایا: (اسے پیسنے کے بعد) ہم اس میں پھونک مار دیتے تھے، چھلکے کے جو ذرے اس میں اڑنے والے ہوتے، وہ اڑ جاتے، پھر ہم اسے گوندھ لیتے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔ نقی: میدہ، چھلکے اور تنکوں سے صاف آٹا، حواری: (حاء پر پیش، واؤ پر تشدید اور زبر، آخر میں الف مقصورہ): میدہ، سفید آٹا، ہر وہ کھانا جو سفید کیا گیا ہو، نشاستہ، مناخل: منخل: (میم پر پیش، نون ساکن اور خاء پر پیش اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں) کی جمع ہے: چھلنیاں، کیف کنتم تصنعون: تم کیا کرتے تھے، ننفخه: ہم اس میں پھونک مار دیتے، ماطار: جو چیز کہ اڑ سکتی یعنی بھوسہ، تنکے اور چھلکا، نعجنه: (نون پر زبر، عین ساکن اور جیم کے نیچے زیر) ہم اس آٹے کو گوندھ لیتے۔

## نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے میدے کو دیکھا تک نہیں

اس حدیث میں حضرت سہل بن سعد نے سوال کے جواب میں فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میدے کی بنی روٹی کو کھانا تو دور کی بات ہے، میدے کے آٹے کو دیکھا تک نہیں، اس زمانے میں چھلنیاں بھی نہیں ہوتی تھیں، جو کی روٹی سے تنکے اور چھان کو پھونک مار کر اڑا دیا جاتا پھر اسے گوندھ لیا جاتا، یوں اس سے روٹی بنا کر کھائی جاتی، بعض کی رائے یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کے بعد تو میدے کو نہیں دیکھا لیکن غالب امکان یہ ہے کہ نبی بننے سے پہلے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے شام کی طرف دو مرتبہ تجارتی سفر کیا تو اس وقت میدے کو دیکھا ہوگا، کیونکہ شام میں اس وقت بھی میدے کی روٹی کا استعمال بہت تھا، مگر نبی بننے کے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۳۷/۱، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۲۶۱)

(۲) سنن الترمذی، الزهد، رقم الحدیث: ۲۳۶۱۔

بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میدے کو دیکھا بھی نہیں۔(۱)

اس حدیث کی روشنی میں درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- اپنی غذا میں جو کی روٹی بھی شامل کرنی چاہیے، اس سے انسان کا معدہ اور بلڈ پریشر اور شوگر وغیرہ صحیح رہتے ہیں۔
- میدے کی روٹی اور اس سے بنی ہوئی چیزیں گو کہ انہیں کھانا جائز ہے، مگر عموماً اس سے معدے کی بیماریاں لگ جاتی ہیں، اگر ایسی صورتحال ہو تو پھر اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔
- آٹے کو چھان کر استعمال کرنا جائز ہے، مگر چھان سمیت اگر اسے گوندھا جائے اور اس کی روٹی کھائی جائے، تو یہ صحت کے لیے زیادہ مفید ہے، بلکہ شوگر کے مریضوں کو تو چھان کی روٹی کھانے کی تاکید کی جاتی ہے، اس سے بعض لوگوں کا شوگر کنٹرول رہتا ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: مَا أَكَلَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ وَلَا فِي سُكُرُّجَةٍ، وَلَا خُبِزَ لَهُ مُرَقَّقٌ قَالَ: فَقُلْتُ لِقَتَادَةَ: فَعَلَامَ كَانُوا يَأْكُلُونَ؟ قَالَ: عَلَى هٰذِهِ السُّفَرِ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوکی یا میز پر کھانا نہیں کھایا، اور نہ چھوٹی طشتری یا رکابی میں کھایا، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چپاتی (میدے کی روٹی) پکائی گئی، یونس راوی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قتادہ سے پوچھا: آخر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کس چیز پر رکھ کر کھانا تناول فرماتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: انہی چمڑے کے دسترخوانوں پر۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** خوان: (خاء پر پیش اور زیر) اس سے وہ چوکی اور میز مراد ہے، جو کھانے کے لیے استعمال ہوا کرتے تھے، لغات میں اس کا ترجمہ مطلق دسترخوان کیا جاتا ہے، علامہ عینی فرماتے ہیں کہ ''خوان'' تانبے کا ایک بڑا طباق ہوتا تھا، اس کے نیچے تپائی کی طرح پائے ہوتے تھے، اسے کم از کم دو بندے اٹھاتے تھے، اس پر متکبر اور عیش وعشرت والے لوگ کھانا رکھ کر کھایا کرتے تھے، (۳) سکرجة: (سین، کاف اور را پر پیش وتشدید اور جیم پر زبر کے ساتھ) یہ فارسی زبان کا لفظ ہے، اس کے معنی ہیں: طشتری، چھوٹی رکابی، چٹنی وغیرہ ڈالنے کا چھوٹا پیالہ، چھوٹی پلیٹ، اس کی جمع سکارج ہے، خبز: (صیغہ مجہول) روٹی پکائی گئی، مرقق: (میم پر پیش، را پر زبر اور قاف پر زبر وتشدید): پتلی اور بڑی چپاتی یعنی میدے کی روٹی، اس کی جمع مراقیق ہے، علی ما: کس چیز پر، سفر: (سین پر پیش اور فاء پر زبر کے ساتھ) یہ جمع ہے، اس کا واحد سفرة ہے، اور ''سفر'' دراصل اس کھانے کو کہتے ہیں،

---

(۱) مرقاة المفاتیح ۹۱/۸، کتاب الاطعمة، الفصل الاول، رقم الحدیث: ۴۱۷۱، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۴۰/۱

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۳۳۶۴۔

(۳) عمدة القاری ۳۵/۲۱، کتاب الاطعمة، باب الخبز المرقق۔

جو مسافر اپنے ساتھ کسی چمڑے میں لپیٹ کر لے جاتا تھا، پھر اس کا استعمال مطلق دستر خوان اور چمڑے کے دستر خوان پر ہونے لگا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دستر خوان پر کھانا کھاتے

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے اور کھانے کے وقت جس انداز اور کیفیت پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھتے تھے، اس کا ذکر ہے، جس کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی ''خوان'' پر کھانا رکھ کر نہیں کھایا، خوان کے معنی دستر خوان کے ہیں، مگر یہاں حدیث میں خوان سے وہ چوکی اور میز مراد ہے، جس پر کھانا رکھ کر کھایا جاتا تھا، تاکہ کھانے کے وقت جھکنا نہ پڑے، اس طرح بیٹھ کر عموماً وہ لوگ کھانا کھاتے ہیں، جو مالدار، عیش پسند، متکبر اور غیر اسلامی تہذیب کے خوگر ہوں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی اس انداز سے کھانا تناول نہیں فرمایا۔

۲۔ ''سکرجۃ'' سے وہ چھوٹی پیالی، رکابی اور طشتری مراد ہے جس میں چٹنی، اچار، سلاد اور مربہ وغیرہ ڈال کر دستر خوان پر رکھا جاتا ہے، اور کھانے کے ساتھ انہیں اس لیے استعمال کیا جاتا ہے، تاکہ کھانا زیادہ مقدار میں کھایا جاسکے، اور جو کھایا جائے تو وہ آسانی سے ہضم ہو جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دستر خوان پر اس طرح کی کسی رکابی اور طشتری کو استعمال نہ فرماتے تھے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ عموماً اجتماعی حالت میں کھانا تناول فرمایا کرتے تھے، اس لیے چھوٹے برتنوں کی ضرورت نہیں پڑتی تھی، بڑے برتن میں سب ایک ساتھ کھاتے تھے، چنانچہ عربوں کا اب بھی عموماً کھانے کا یہی طریقہ ہے، دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ چھوٹی طشتریاں اور چھوٹے پیالے عموماً اچار وغیرہ کے لیے استعمال کیے جاتے ہیں، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں اول تو عسرت اور تنگی زیادہ تھی اور ثانیاً وہاں خوراک کی کثرت کا اہتمام نہیں تھا اور اچار، چٹنی وغیرہ کا بندوبست وہ لوگ کرتے ہیں، جو زیادہ کھانے کے شوقین اور عادی ہوتے ہیں تاکہ وہ کھانا جلدی سے ہضم ہو جائے۔

اس سے یہ مت سمجھا جائے کہ کھانے کے ساتھ سلاد اور چٹنی وغیرہ کا استعمال سنت کے خلاف ہے، کیونکہ خلاف سنت اس عمل کو کہا جاتا ہے، جو سنن مؤکدہ (جنہیں سنن ہدی بھی کہا جاتا ہے) کے ترک پر مشتمل ہو یعنی وہ افعال جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے طور پر کیے ہیں اور ان پر مواظبت اور پابندی سے عمل کیا ہے، ان کو چھوڑ کر دوسرا کوئی طریقہ اختیار کیا جائے، ایسا عمل خلاف سنت کہلاتا ہے، دستر خوان پر چٹنی اور سلاد وغیرہ کا استعمال سنن عادیہ میں سے ہے، ایک مباح کام ہے، عبادت نہیں، لہٰذا اگر کوئی انسان طبعی ضرورت کے تحت سلاد وغیرہ کو رکابی میں ڈال کر کھاتا ہے تو یہ بغیر کسی کراہت کے جائز ہے، اور خلاف سنت بھی نہیں ہے۔

۳۔ ولا خبز له مرقق ''اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چپاتی پکائی گئی'' مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میدے کی روٹی یعنی چپاتی نہیں پکائی گئی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کھائی بھی نہیں، اس حدیث سے پہلے حضرت سہل کی روایت میں گذر چکا ہے

کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا چپاتی کھانا تو دور کی بات ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو نبوت کے بعد میدے کو دیکھا تک نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیٹ بھر کر کھانے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان چیزوں کا اہتمام نہیں تھا۔

۴۔ علی ما کانوا یاکلون؟ ''وہ کس چیز پر کھاتے تھے'' اس میں ما کانوا یاکلون کی ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

- یہ ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔
- یہ ضمیر صرف صحابہ کی طرف لوٹ رہی ہے، سائل کا مقصد اس سے صحابہ کرام کے بارے میں معلوم کرنا تھا، کیونکہ وہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر بڑے اہتمام سے عمل کرتے تھے، گویا صحابہ کرام کے بارے میں سوال درحقیقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں سوال کرنا تھا۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کھانے میں نہایت سادگی، اور بندگی کی شان ہوتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ کبھی میز، چوکی اور ٹیبل پر کھانا کھایا، نہ چھوٹی طشتری اور رکابی میں تناول فرمایا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے چپاتی، مرغن کھانے اور پرتکلف ڈشیں تیار کی گئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہایت عاجزی کے ساتھ زمین پر دسترخوان بچھا کر کھانا تناول فرمایا کرتے تھے، کھانے کا یہی طریقہ مسنون ہے۔

## میز کرسی پر کھانا خلاف سنت نہیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہی تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر دسترخوان بچھا کر اس پر کھانا تناول فرماتے، لہذا حتی الامکان ایک مسلمان کو کھانے کا یہی طریقہ اختیار کرنا چاہیے، لیکن موجودہ دور میں ہوٹلوں اور گھروں میں یہ عام رواج ہو گیا ہے کہ میز کرسی پر کھانا کھایا جاتا ہے، جبکہ شمائل کی مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ''خوان'' پر کھانا رکھ کر نہیں کھایا، کیا میز اور ٹیبل پر کھانا ''خلاف سنت'' ہے؟

یہ ذہن میں رہے کہ میز اور ٹیبل پر کھانا شرعاً جائز ہے، ممنوع نہیں، نیز ٹیبل وغیرہ پر کھانا ''خلاف سنت'' بھی نہیں، کیونکہ خلاف سنت اس عمل کو کہا جاتا ہے جس کے چھوڑنے پر شریعت میں مذمت اور نکیر منقول ہو، اس بات کی مزید تفصیل یہ ہے کہ ''سنن'' کی دو قسمیں ہیں:

- سنن موکدہ: جنہیں سنن ہدی بھی کہا جاتا ہے، ان سے وہ امور اور افعال مراد ہیں، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے طور پر سرانجام دیا ہے، ان پر پابندی اور مواظبت بھی فرمائی ہے، ایسے افعال پر عمل کرنا ''عبادت'' ہے، ان کو چھوڑ کر اگر کوئی

---

(۱) فتح الباری ۶۶۵/۹ کتاب الاطعمة، باب الخبز المرقق، رقم الحدیث: ۵۳۸۶، مرقاة المفاتیح ۱۱/۸ کتاب الاطعمة، جمع الوسائل ۲۴۲/۱

دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے تو وہ ''خلاف سنت'' ہوگا۔

سنن غیر مؤکدہ: اگر یہ عبادات سے متعلق ہوں تو نفل کہلاتی ہیں، اور عادات سے متعلق ہوں تو ''سنن عادیہ'' یا ''سنن زوائد'' کہلاتی ہیں، یعنی وہ افعال جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عبادت کے طور پر نہیں بلکہ عادۃً کیے ہیں، اس طرح کی سنتوں پر عمل کیا جائے تو باعث اجر وثواب اور فضیلت ضرور ہے، لیکن اگر ان پر عمل نہ کیا جائے تو شرعاً اس میں کوئی کراہت اور ملامت بھی نہیں، لہذا ان سنتوں کے بجائے اگر اور کوئی جائز طریقہ اختیار کرلیا جائے تو وہ خلاف سنت نہیں کہلائے گا، اور دستر خوان بچھا کر کھانا حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی سنن عادیہ میں سے ہے۔(۱)

اس لیے اگرچہ یہی طریقہ یعنی دستر خوان بچھا کر زمین پر بیٹھ کر کھانا سنت کے قریب، افضل اور باعث برکت وسعادت ہے، اور عام حالات میں بلا حاجت اس کو ترک نہیں کرنا چاہیے، لیکن اگر کسی وجہ سے اس طریقہ کو چھوڑ کر کوئی دوسرا جائز طریقہ اختیار کرلیا جائے تو اس کو بھی ناجائز یا مکروہ نہیں کہا جائے گا، چنانچہ میز کرسی پر کھانے کا جو طریقہ اب رائج ہے، یہ بھی مکروہ اور خلاف سنت نہیں۔

شمائل کی مذکورہ حدیث میں یہ جو فرمایا کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی خوان (زمین سے اونچی چوکی یا تپائی وغیرہ) پر کھانا نہیں کھایا''، شارحین حدیث نے اس کی تین وجہیں ذکر کی ہیں:

۱۔ اصلی وجہ تو یہی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے کئی مصلحتوں اور حکمتوں کے پیش نظر زہد وقناعت اور سادگی والی زندگی کو اختیار فرمایا تھا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوان پر کھانا نہیں کھایا۔(۲)

۲۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ ''خوان'' (زمین سے اونچی تپائی وغیرہ) استعمال کرنے کا منشا بسا اوقات تکبر ہوتا ہے، تاکہ کھانا اونچا کرلیا جائے اور بار بار سر کو زیادہ جھکانا نہ پڑے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کے وقت بھی عاجزانہ نشست اختیار فرماتے تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں اس کے استعمال سے گریز فرمایا۔(۳)

۳۔ اس زمانے میں اہل عرب میں ''خوان'' کے استعمال کا رواج ہی نہیں تھا، وہاں یہ آسانی سے ملتا بھی نہیں تھا، عجمی لوگ اسے استعمال کرتے تھے، اسے پیتل وغیرہ سے بنایا جاتا تھا، اور بہت بھاری ہوتا تھا، جسے کم از کم دو آدمی مل کر اٹھاتے تھے، عرب علاقے میں چونکہ اس کا استعمال عام نہیں تھا، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے استعمال نہیں فرمایا۔(۴)

لیکن مذکورہ حدیث کی وجہ سے یہ نہیں کہا جاسکتا کہ ''چونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خوان استعمال نہیں فرمایا، اس لیے اب میز

---

(۱) رد المحتار ۱/۳۱۰، مطلب فی السنة وتعریفها، البحر الرائق ۱/۲۹

(۲) شرح صحیح البخاری لابن بطال ۹/۴۶۸، فتح الباری ۱۱/۳۳۷، کتاب الرقاق، باب فضل الفقر، رقم الحدیث: ۶۴۵۰

(۳) تحفة الاحوذی ۵/۴۹۴ کتاب الأطعمة، باب ما جاء علی ما کان یأکل رسول الله ﷺ، رقم الحدیث: ۱۷۸۹

(۴) تفسیر قرطبی ۵/۳۴۵، عمدة القاری ۲۱/۳۵، کتاب الاطعمة، باب الخبز المرقق، فتح الباری ۹/۶۶۳، کتاب الاطعمة، باب الخبز المرقق، رقم الحدیث: ۵۳۸۶

ٹیبل پر کھانا کھانا ناجائز یا خلاف سنت ہے" کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا کسی چیز کو استعمال نہ کرنا، اس کے حرام یا مکروہ ہونے کی دلیل نہیں، بشرطیکہ ممانعت کی کوئی شرعی دلیل موجود نہ ہو، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے میں چھوٹی رکابیاں استعمال نہیں فرمائیں یا چپاتی تناول نہیں فرمائی، مگر رکابیوں یا چپاتی کے استعمال کو ممنوع یا خلاف سنت نہیں کہا جاسکتا، لہذا اگر کسی وجہ سے کھانے کے لیے زمین پر دستر خوان بچھانے کے بجائے کھانا میز یا ٹیبل پر رکھ کر کھالیا جائے تو یہ نہ تو ممنوع ہے نہ مکروہ، اور اسے خلاف سنت بھی نہیں کہہ سکتے، اس پر دو دلیلیں:

❁ مذکورہ حدیث کے راوی حضرت انس رضی اللہ عنہ سے اس "خوان" کا استعمال ثابت ہے، چنانچہ سنن ابن ماجہ، باب الرقاق میں روایت ہے:

"حضرت قتادہ فرماتے ہیں کہ ہم حضرت انس رضی اللہ عنہ کے پاس آتے تھے (اسحاق کی روایت میں ہے: اور ان کا روٹیاں پکانے والا کھڑا ہوتا تھا، اور دارمی کی روایت میں ہے: اور ان کا "خوان" رکھا ہوا ہوتا تھا) حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک دن فرمایا: کھاؤ، مجھے نہیں معلوم کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی باریک چپاتی اپنی آنکھ سے دیکھی ہو یا سالم بھنی ہوئی بکری دیکھی ہو، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ سے جا ملے"۔(۱)

اس حدیث سے خود حضرت انس رضی اللہ عنہ سے "خوان" کا اور ان چیزوں یعنی باریک چپاتی اور سالم بھنی ہوئی بکری کا استعمال ثابت ہو رہا ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زندگی بھر میں کبھی استعمال نہیں فرمائیں۔

❁ مشہور تابعی حضرت ابوالشعثاء جابر بن زید رحمہ اللہ سے بھی "خوان" کا استعمال ثابت ہے، چنانچہ مصنف ابن ابی شیبہ میں روایت ہے:

"سلام بن مسکین کہتے ہیں کہ میں حضرت جابر بن زید کے پاس گیا اور وہ درخت کی لکڑیوں سے بنے ہوئے "خوان" پر کھا رہے تھے۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا "خوان" کو استعمال نہ کرنا، اس کے ممنوع یا مکروہ ہونے کی دلیل نہیں ہے ورنہ حضرت انس رضی اللہ عنہ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر و حضر کے خادم اور ساتھ رہنے والے تھے، اور حضرت جابر بن زید رحمہ اللہ ہرگز اس کو استعمال نہ فرماتے۔

یہاں اس بات کی وضاحت بھی مناسب ہے کہ میز یا ٹیبل پر کھانے کے بارے میں عام طور سے یہ کہا جاتا ہے کہ یہ غیروں کا طریقہ ہے، اور اس میں کفار اور فساق و فجار کے ساتھ مشابہت پائی جاتی ہے، لیکن یہ بات اس وقت تو درست تھی جب کھانے کے لیے میز وغیرہ کا استعمال، یہود و نصاریٰ کے ساتھ مخصوص تھا، یہی وجہ ہے کہ ہمارے اکابر کے فتاویٰ میں میز وغیرہ پر

(۱) سنن ابن ماجة (ص:۲۳۹) ط: قدیمی کتب خانہ کراچی

(۲) مصنف ابن ابی شیبة ۴۳۵/۱۲، ط: ادارۃ القرآن کراچی

کھانے کو تشبہ کی وجہ سے ممنوع لکھا ہے، لیکن اب ہمارے زمانے میں اس کا رواج مسلمانوں میں بھی اس قدر عام ہو گیا ہے کہ اب یہ کسی قوم یا مذہب کے ساتھ مخصوص نہیں رہا، اس لیے اب اس تشبہ کی وجہ سے بھی ممنوع نہیں کہہ سکتے، بالخصوص جبکہ میز وغیرہ کے استعمال میں غیروں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنا مقصود بھی نہ ہو۔

لہذا اگر کسی وجہ سے میز یا ٹیبل وغیرہ پر کھانا پڑے اور تکبر و تفاخر اور بڑائی مقصود نہ ہو بلکہ محض کھانے کے انتظام میں سہولت کی نیت سے اسے استعمال کیا جائے، تو اس کو گناہ یا خلاف سنت نہیں کہا جا سکتا اور نہ ہی میز وغیرہ پر کھانے والے کو تنقید کا نشانہ بنایا جا سکتا ہے۔(۱)

عَنْ مَسْرُوقٍ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عَائِشَةَ، فَدَعَتْ لِي بِطَعَامٍ وَقَالَتْ: مَا أَشْبَعُ مِنْ طَعَامٍ فَأَشَاءُ أَنْ أَبْكِيَ إِلَّا بَكَيْتُ. قَالَ: قُلْتُ لِمَ؟ قَالَتْ: أَذْكُرُ الْحَالَ الَّتِي فَارَقَ عَلَيْهَا رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا، وَاللَّهِ مَا شَبِعَ مِنْ خُبْزٍ وَلَحْمٍ مَرَّتَيْنِ فِي يَوْمٍ.(۲)

ترجمہ: مسروق کہتے ہیں کہ میں حضرت عائشہؓ کے پاس داخل ہوا تو انہوں نے میرے لیے کھانا منگوایا اور فرمانے لگیں: میں کسی کھانے سے سیر نہیں ہوتی کہ پھر میں رونا چاہوں تو رونے لگتی ہوں، مسروق کہتے ہیں: میں نے پوچھا: ایسا کیوں؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: مجھے وہ حالت یاد آتی ہے جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو چھوڑا ہے، اللہ کی قسم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن میں دو مرتبہ پیٹ بھر کر روٹی اور گوشت نہیں کھایا۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا شَبِعَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ يَوْمَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ حَتَّى قُبِضَ.(۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایسا کبھی نہیں ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی سے دو دن مسلسل پیٹ بھرا ہو (چہ جائیکہ گندم کی روٹی سے پیٹ بھرا ہو) یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: مَا أَكَلَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى خِوَانٍ، وَلَا أَكَلَ خُبْزًا مُرَقَّقًا، حَتَّى مَاتَ.(۴)

حضرت انسؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے چوکی، میز یا اونچی تپائی پر کھانا نہیں کھایا اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چپاتی (یعنی میدے کی روٹی) کھائی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ دعت لي بطعام: حضرت عائشہ نے میرے لیے کھانا منگایا یعنی خادم کو کھانا لانے کا حکم دیا، فأشاء ان ابکی: کہ میں رونا چاہتی، الحال التي فارق علیها: وہ حالت جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے جدا ہوئے یعنی تشریف لے گئے۔

---

(۱) فتوی دار الافتاء جامعہ دار العلوم کراچی، نمبر ۷۶/۱۵۷۴، محرم ۱۴۳۵ھ

(۲) سنن الترمذی، الزهد، رقم الحديث: ۲۳۵۷۔

(۳) الصحیح لمسلم، الزهد، رقم الحديث: ۲۹۷۰، سنن الترمذی، الزهد، رقم الحديث: ۲۳۵۸۔

(۴) سنن الترمذی، الزهد، رقم الحديث: ۲۳۶۴۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت کی معیشت کا حکم

ان احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت کی معیشت اور تنگدستی کو بیان کیا گیا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دو روز مسلسل جو کی روٹی پیٹ بھر کر نہیں کھائی، اور نہ ہی گوشت اور روٹی کو دن میں دو مرتبہ تناول فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہی معمول تھا کہ اگر ایک دن پیٹ بھر کر کھایا تو دوسرے دن بھوکے رہتے، اور یہ اس وجہ سے تھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خوشحالی کی زندگی پر فقر و فاقہ اور تنگدستی کی زندگی کو ترجیح دی تھی، اور جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دنیا بھر کے خزانوں کی پیش کش ہوئی کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم چاہیں تو مکہ کے پہاڑوں کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سونے میں تبدیل کر دیا جائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس کے بجائے فقر اور تنگدستی کا راستہ اختیار کیا، اور فرمایا کہ میں تو بس یہ چاہتا ہوں کہ ایک دن پیٹ بھر کر کھاؤں اور ایک دن بھوکا رہوں، تاکہ جس دن پیٹ بھر لوں، اس دن شکر ادا کروں، اور جس دن بھوکا رہوں، اس دن صبر کروں۔

حضرت عائشہؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد ایک دن مسروق سے فرمانے لگیں کہ اب جب میں سیر ہو کر کھانا کھاتی ہوں، تو میرا دل رونے لگتا ہے، حضرت مسروق نے اس کی وجہ پوچھی تو فرمانے لگیں:

اذکر الحال التی فارق علیہا.... حضرت عائشہ کی اس بات کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

- مجھے تنگدستی کا وہ دور یاد آجاتا ہے جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے، اس وقت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور اہل بیت کو پیٹ بھر کر کھانا دستیاب ہی نہیں ہوتا تھا، اب اللہ کے فضل سے پیٹ بھر کر کھانا میسر ہوتا ہے۔
- بعض نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ کو جب پیٹ بھر کر کھانا ملتا تو اس وقت انہیں افسوس ہوتا، رونے لگتیں کہ ہم سے تنگدستی کا وہ بلند مقام چھن گیا، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں ہم فائز تھے، اور صبر و شکر کی صفات سے مزین تھے، اب نعمتوں کی فراوانی ہے، ہر وقت پیٹ بھر کر کھانا دستیاب ہو جاتا ہے، اس لیے مجھے وہ عہد ماضی یاد آجاتا ہے، جس کی وجہ سے بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ إِدَامِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سالن کا بیان ہے

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نِعْمَ الإِدَامُ الْخَلُّ. (۲)

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے (ایک دن) فرمایا: بہترین سالن سرکہ ہے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۴۳، ۲۴۴۔

(۲) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۴۱۔

عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِيرٍ يَقُولُ: أَلَسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ؟ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهُ.(۱)

حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ کیا تم کھانے پینے کی نعمتوں میں اس طرح نہیں ہو جو تم چاہتے ہو؟ حالانکہ میں نے تمہارے نبی ﷺ کو اس حالت میں دیکھا ہے کہ آپ ﷺ ردی کھجور کو بھی اتنی مقدار میں نہ پاتے کہ جس سے آپ ﷺ اپنے پیٹ کو بھر لیتے۔

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: نِعْمَ الْإِدَامُ أَوِ الْأُدْمُ: الْخَلُّ.(۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: بہترین سالن سرکہ ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔** ادام: (ہمزے کے نیچے زیر) ہر وہ چیز جس سے روٹی کھائی جا سکے، سالن۔ خل: (خاء پر زبر) سرکہ، ماشئتم: جو نعمتیں کہ تم چاہتے ہو، دقل: (دال اور قاف پر زبر) ردی کھجور، نعم الادام: بہترین سالن، مایملأ بطنه: جس سے آپ ﷺ اپنے پیٹ کو بھر لیتے۔

## سرکہ بہترین سالن ہے

مذکورہ احادیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ سرکہ بھی ایک بہترین سالن ہے، اس کے بہت سے فوائد ہیں، بغیر کسی مشقت کے انسان اس سے روٹی کھا سکتا ہے، انسانی جسم سے زہریلے اثرات کو ختم کرتا ہے، بلغم اور فاسد رطوبتوں کو ختم کرتا ہے، کھانے کو ہضم کرتا ہے، پیٹ کے کیڑوں کو مار دیتا ہے، اس سے بھوک بھی اچھی لگتی ہے، احادیث میں اس کے بہت فضائل منقول ہیں، گذشتہ انبیاء بھی اسے سالن کے طور پر استعمال کرتے تھے، لیکن چونکہ یہ سرد مزاج ہوتا ہے، اس لیے بعض لوگوں کے لیے یہ موافق نہیں ہوتا، لہذا جس کے موافق نہ آئے تو اسے اس سے پرہیز کرنا چاہیے۔

۲۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ تابعین یا صحابہ سے حضور ﷺ کی وفات کے بعد احساس دلانے کے لیے فرما رہے ہیں کہ آج تم لوگ ہر طرح کی کھانے پینے کی نعمتوں سے لطف اندوز ہو رہے ہو، جس چیز کی تمہیں خواہش ہو، اسے تم لوگ تناول کر لیتے ہو، جبکہ میں نے نبی کریم ﷺ کا وہ زمانہ دیکھا ہے کہ آپ ﷺ کے پاس ردی کھجور بھی اتنی نہیں ہوتی تھی، جس سے آپ ﷺ پیٹ بھر سکیں، اس سے دراصل امت کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ کھانے کی جو چیز بھی مل جائے، اسے کھا لیا جائے، اپنے آپ کو عیش و عشرت کی زندگی کا عادی نہیں بنانا چاہیے۔

---

(۱) الصحیح لمسلم، الزھد، رقم الحدیث: ۲۹۷۷، سنن الترمذی، الزھد، رقم الحدیث: ۲۳۷۲۔

(۲) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۴۰۔

یہاں حدیث میں حضرت نعمان نے اپنے سامعین سے اس انداز سے کہا: رأیت نبیکم، اس میں "تمہارے نبی" کا اسلوب اختیار کیا، حالانکہ نبی (میرے نبی) یا "النبی" بھی کہہ سکتے تھے، اس سے صرف ترغیب دنیا مقصود ہے کہ جب تمہارے نبی نے اس قدر فقر وفاقہ سے زندگی گذاری ہے تو تمہیں بھی اس نبی کی اتباع کرنی چاہیے۔

مالک بن نویرہ نے اس انداز سے حضرت خالد بن ولید کے سامنے کہا: کان صاحبکم یقول کذا فقال: صاحبنا و لیس صاحبکم: تمہارے صاحب یعنی نبی ایسا کہتا تھا، حضرت خالد نے فرمایا: ہمارا صاحب یعنی نبی، وہ تمہارا نبی نہیں ہے، اس حرکت پر حضرت خالد بن ولید نے اسے قتل کر دیا، کیونکہ ان کو اطلاع بھی ملی تھی کہ وہ مرتد ہو گیا ہے، اور اس نے صریح کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ (۱)

۳۔ امام خطابی فرماتے ہیں کہ سرکہ سے متعلق مذکورہ احادیث سے درحقیقت امت کو دنیا سے بے رغبتی اور قناعت کی ترغیب دی جا رہی ہے کہ جب حالات اور وسائل میں گنجائش نہ ہو تو اس دوران کھانے کی جو چیز بھی میسر آجائے تو اس پر صبر اور قناعت اختیار کرنی چاہیے، اپنے نفس کو لذیذ اور عمدہ کھانوں کا ہر وقت عادی نہیں بنانا چاہیے، اس سے انسان کی ذہنی زندگی متاثر اور بدن طرح طرح کی بیماریوں سے دوچار ہو جاتا ہے، اس لیے ہر موقع پر اور خاص طور پر کھانے پینے میں میانہ روی اور اعتدال کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے، اسی میں عافیت اور سکون ہے، اور یہی اسلامی تعلیمات کا تقاضا ہے۔ (۲)

عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ، فَأُتِيَ بِلَحْمِ دَجَاجٍ فَتَنَحَّى رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَقَالَ: مَا لَكَ؟ فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُهَا تَأْكُلُ شَيْئًا نَتِنًا، فَحَلَفْتُ أَنْ لاَ آكُلَهَا قَالَ: ادْنُ فَإِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ لَحْمَ دَجَاجٍ. (۳)

ترجمہ: زہدم بن مضرب جرمی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابو موسیٰ اشعری کے پاس بیٹھے تھے، اتنے میں مرغی کا گوشت لایا گیا، لوگوں میں سے ایک شخص الگ ہو گیا، ابو موسیٰ اشعری نے اس سے فرمایا: آپ کو کیا ہوا؟ (کہ آپ کھانے سے دور ہو گئے) اس نے عرض کیا: میں نے مرغی کو گندگی کھاتے ہوئے دیکھا ہے، تو میں نے قسم کھالی کہ میں مرغی نہیں کھاؤں گا، حضرت ابو موسیٰ اشعری نے فرمایا: قریب آجاؤ (اور کھاؤ) میں نے نبی کریم ﷺ کو مرغ کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

عَنْ زَهْدَمٍ الْجَرْمِيِّ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ قَالَ: فَقُدِّمَ طَعَامُهُ وَقُدِّمَ فِي طَعَامِهِ لَحْمُ دَجَاجٍ وَفِي الْقَوْمِ رَجُلٌ مِنْ بَنِي تَيْمِ اللَّهِ أَحْمَرُ كَأَنَّهُ مَوْلًى قَالَ: فَلَمْ يَدْنُ فَقَالَ لَهُ أَبُو مُوسَى: ادْنُ، فَإِنِّي قَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۴۶
(۲) الکوکب الدری ۳/۲۲ ابواب الاطعمۃ، باب ماجاء فی الخل۔
(۳) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۲۷۔

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ مِنْهُ، فَقَالَ: إِنِّي رَأَيْتُهُ يَأْكُلُ شَيْئًا فَقَذِرْتُهُ، فَحَلَفْتُ أَنْ لَا أَطْعَمَهُ أَبَدًا. (۱)

ترجمہ: زہدم بن مضرب جرمی فرماتے ہیں کہ ہم حضرت ابوموسیٰ اشعری کے پاس تھے، کہتے ہیں: ان کے پاس ان کا کھانا لایا گیا، جس میں مرغ کا گوشت بھی تھا، لوگوں میں قبیلہ بنوتیم اللہ کا ایک سرخ رنگ کا آدمی تھا، گویا کہ وہ آزاد کردہ غلام تھا، راوی کہتے ہیں: وہ شخص کھانے کے قریب نہ آیا، حضرت ابوموسیٰ اشعری نے فرمایا: قریب ہو جاؤ، کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے، اس شخص نے عرض کیا: میں نے مرغی کو (گندی) چیز کھاتے ہوئے دیکھا ہے، جس کی وجہ سے مجھے اس سے گھن آتی ہے، لہذا میں نے قسم کھالی کہ میں آئندہ اسے کبھی بھی نہیں کھاؤں گا۔

مشکل الفاظ کے معنی :۔ دجاج: (دال پر زبر، زیر اور پیش تینوں طرح پڑھ سکتے ہیں) یہ لفظ جمع ہے، اس کا واحد دجاجۃ ہے، یہ لفظ مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، دجاجۃ میں ''تاء'' تانیث کے لیے نہیں ہے بلکہ مفرد کے لیے ہے، اس لیے اس کی طرف مذکر ضمیر لوٹا سکتے ہیں، تنحی: الگ ہو گیا، دور ہو گیا، ہٹ گیا، شیئا نتنا: (نون پر زبر، تاء کے نیچے زیر اور سکون دونوں پڑھ سکتے ہیں) گندی اور بدبودار چیز، متعفن چیز، ادن: دنا یدنو سے صیغہ امر: قریب آجاؤ، کأنہ مولی: گویا کہ وہ آزاد کردہ غلام ہے، فقذرتہ: میں اس سے گھن کرتا ہوں، مجھے اس سے گھن آتی ہے۔

## مرغ کا گوشت حلال ہے

مذکورہ احادیث سے یہ حکم ثابت ہو رہا ہے کہ مرغ خواہ وہ دیسی ہو یا فارمی، حلال ہے، اس کا گوشت کھایا جاسکتا ہے، اگر مرغی تھوڑا بہت گندگی کھالے تو اس سے اس کا گوشت حرام نہیں ہو جاتا، حدیث میں اس شخص نے مرغی کا گوشت نہ کھانے کی وجہ یہ بتائی کہ وہ گندگی کھاتی ہے، میں نے اس کا گوشت نہ کھانے کی قسم کھالی، حضرت ابوموسیٰ اشعری نے اسے فرمایا کہ یہ حلال ہے، قریب آکر اسے کھالو، اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دینا، کیونکہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو مرغ کا گوشت کھاتے ہوئے دیکھا ہے، یہ ذہن میں رہے کہ مذکورہ دونوں حدیثوں میں ایک ہی شخص کے واقعہ کا بیان ہے، اور اس ''رجل'' سے بعض کے نزدیک زہدم ہی مراد ہے۔(۲)

عَنْ إِبْرَاهِيمَ بْنِ عُمَرَ بْنِ سَفِينَةَ عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ، قَالَ: أَكَلْتُ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَآلِهِ وَسَلَّمَ لَحْمَ حُبَارَى۔(۳)

ابراہیم اپنے باپ عمر بن سفینہ سے اور یہ ابراہیم کے دادا سفینہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت سفینہؓ فرماتے ہیں کہ

(۱) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحديث: ۱۸۲۷۔
(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۴۸/۱
(۳) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحديث: ۱۸۳۰۔

میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ سرخاب کا گوشت کھایا ہے۔

## سرخاب کا گوشت حلال ہے

حباری: (حاء پر پیش اور با پر زبر) سرخاب کو کہتے ہیں، یہ ایک جنگلی پرندہ ہے، جس کا رنگ مٹیالہ، گردن بڑی، چونچ قدرے طویل اور پاؤں لمبے ہوتے ہیں، اس کی اڑان بہت تیز ہوتی ہے اور اس کا گوشت انتہائی لذیذ اور صحت کے لیے بہت مفید ہوتا ہے، مصری لوگ اس پرندے کو "الجرج" کہتے ہیں۔(۱) اور یہ سنگلاخ علاقوں میں پایا جاتا ہے، اس کے پر اکھاڑ لینے سے یا گر جانے سے اس کی خوبصورتی کم ہوجاتی ہے، اس صدمہ اور غم کی وجہ سے یہ مرجاتا ہے، بعض کہتے ہیں کہ اس کے پیٹ میں ایک قیمتی موتی ہوتا ہے، اگر وہ خارج ہوجائے تو وہ اپنے تمام پروں کو اکھاڑ دیتا ہے، اور پھر یہی اس کی ہلاکت کا سبب بن جاتا ہے۔(۲)

## حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ

حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام ہیں، ان کی کنیت "ابو عبد الرحمن" ہے، بعض کے نزدیک ان کا نام "مہران" ہے، اور ان کو "سفینہ" اس لیے کہا جاتا ہے کہ ایک مرتبہ دوران سفر انہوں نے بہت زیادہ سامان اٹھایا تھا، جس طرح کہ ایک کشتی بہت سامان اٹھالیتی ہے، اس وجہ سے پھر یہ "سفینہ" کے نام سے ہی مشہور ہوگئے، رسول اللہ ﷺ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔(۳)

عَنْ أَبِي أَسِيدٍ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهِ ؛ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ. (۴)

ترجمہ: حضرت ابو اسید کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیتون کا تیل (سالن وغیرہ میں) کھایا کرو اور اس کے تیل سے بدن پر مالش کیا کرو، اس لیے کہ یہ ایک بابرکت درخت کا تیل ہے۔

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ : قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : كُلُوا الزَّيْتَ وَادَّهِنُوا بِهِ ؛ فَإِنَّهُ مِنْ شَجَرَةٍ مُبَارَكَةٍ. (۵)

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: زیتون کا تیل (روٹی کے ساتھ) کھاؤ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۴۹/۱
(۲) حیات الحیوان اردو ۶۶۲/۱ الحباری، ط: ادارہ اسلامیات لاہور
(۳) تقریب التہذیب ۲۱۷/۱، رقم الترجمۃ: ۲۵۳۲، ط: بیروت
(۴) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۲۷۔
(۵) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۵۲۔

اور اس سے بدن کی مالش کیا کرو، اس لیے کہ وہ ایک مبارک درخت سے حاصل ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ الزیت: زیتون کا تیل، دیگر تیلوں کے لیے بھی یہ لفظ استعمال ہوتا ہے، کبھی اضافت کے ساتھ اور کبھی بغیر اضافت کے، مثلاً یوں کہا جاتا ہے: زیت الغاز: مٹی کا تیل، ادھنوا بہ: زیتون کے تیل سے بدن کی مالش کیا کرو۔

## زیتون کا آئل استعمال کرنے کی ترغیب

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کئی مقامات پر زیتون کا ذکر کیا، سورۂ نور میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شجرة مبارکة زیتونة، اس سے بھی زیتون اور اس کے درخت کا مبارک، نافع اور مفید ہونا ثابت ہوتا ہے، مذکورہ احادیث میں بھی زیتون کے تیل کی برکات کا ذکر ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے کھانے اور بدن پر مالش کے طور پر استعمال کرنے کی ترغیب دی ہے، کیونکہ یہ مبارک درخت یعنی زیتون سے حاصل ہوتا ہے، اس کے بہت سے فوائد اور خصوصیات ہیں، اس کو چراغ میں روشنی کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے، اور اس کی روشنی نہایت نفیس، عمدہ اور صاف شفاف ہوتی ہے، اسے سالن کے طور پر بھی کھایا جاتا ہے، زیتون کا پھل بھی کھایا جاتا ہے، اور روغن زیتون ایسا آئل ہے جس کے نکالنے کے لیے کسی مشین وغیرہ کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ہر شخص اس کے پھل سے بڑی آسانی سے خود ہی تیل نکال سکتا ہے۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ زیتون کے درخت کو "مبارک" اس وجہ سے کہا ہے کہ اس کی اکثر پیداوار ملک شام میں ہوتی ہے، جس میں اللہ جل شانہ نے اہل دنیا کے لیے بڑی برکتیں رکھی ہیں، یہ علاقہ قدرتی نہروں، پھلوں کی فراوانی اور انبیاء کی جگہ اور مدفن ہونے کے لحاظ سے ممتاز ہے، اس لیے اسے بابرکت قرار دیا گیا ہے، چونکہ زیتون کا درخت بابرکت ہے، اس لیے اس کے پھل اور تیل کو بھی مبارک بنا دیا گیا ہے، یہ تیل کئی بیماریوں کے لیے مفید ہوتا ہے، چنانچہ طبرانی نے حضرت عقبہ بن عامر سے روایت نقل کی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم اس مبارک درخت کو لازم پکڑو، اس کے ذریعہ علاج کرو، کیونکہ یہ بواسیر کو بھی صحیح کر دیتا ہے، اور ابونعیم نے حضرت ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: روغن زیتون کھایا کرو اور اس کی مالش بھی کیا کرو، کیونکہ اس میں ستر بیماریوں کی شفا ہے، ان میں سے ایک جذام کی بیماری ہے۔(۱)

قَالَ أَبُو عِيسَى: وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ كَانَ يَضْطَرِبُ فِي هَذَا الْحَدِيثِ فَرُبَّمَا أَسْنَدَهُ، وَرُبَّمَا أَرْسَلَهُ. حَدَّثَنَا عَبْدُ الرَّزَّاقِ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنْ زَيْدِ بْنِ أَسْلَمَ عَنْ أَبِيهِ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْوَهُ، وَلَمْ يَذْكُرْ فِيهِ "عَنْ عُمَرَ"۔

امام ترمذیؒ اس عبارت میں یہ بتا رہے ہیں کہ مذکورہ حدیثوں میں سے دوسری حدیث میں اضطراب فی السند ہے، کیونکہ عبدالرزاق اس روایت کو کبھی مرفوعاً ذکر کرتے ہیں، جس طرح کہ اوپر اس روایت کو حضرت عمر فاروق کی سند سے مرفوعاً ذکر کیا ہے، اور کبھی مرسلاً ذکر کرتے ہیں جیسے عن معمر، عن زید بن اسلم عن ابیہ، عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم، اس میں "عن عمر" کے الفاظ نہیں ہیں۔

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۸/۱۲۶ کتاب الاطعمة، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۴۲۲۱

مگر منذری امام ترمذی کا یہ کلام نقل کر کے فرماتے ہیں کہ حاکم نے اس روایت کو نقل کر کے فرمایا ہے کہ یہ روایت امام بخاری اور امام مسلم کی شرائط کے مطابق صحیح ہے، جس سے معلوم ہوا کہ اس روایت سے استدلال کیا جاسکتا ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الدُّبَّاءُ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ، أَوْ دُعِيَ لَهُ فَجَعَلْتُ أَتَتَبَّعُهُ فَأَضَعُهُ بَيْنَ يَدَيْهِ لِمَا أَعْلَمُ أَنَّهُ يُحِبُّهُ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کو کدو پسند تھا، (ایک مرتبہ) نبی کریم ﷺ کے پاس کھانا لایا گیا یا آپ ﷺ کی کھانے کی دعوت کی گئی (جس میں کدو تھا) میں اس کدو کو (شوربے سے) تلاش کرنے لگا اور اسے آپ ﷺ کے سامنے کر دیتا، اس لیے کہ میں جانتا تھا کہ نبی کریم ﷺ کو کدو پسند ہے۔

عَنْ حَكِيمِ بْنِ جَابِرٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَأَيْتُ عِنْدَهُ دُبَّاءً يُقَطَّعُ فَقُلْتُ: مَا هٰذَا؟ قَالَ: نُكَثِّرُ بِهِ طَعَامَنَا(۳). قَالَ أَبُو عِيسَى: وَجَابِرٌ هُوَ جَابِرُ بْنُ طَارِقٍ وَيُقَالُ: ابْنُ أَبِي طَارِقٍ، وَهُوَ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا نَعْرِفُ لَهُ إِلَّا هٰذَا الْحَدِيثَ الْوَاحِدَ۔

ترجمہ: حضرت جابر بن طارق کہتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، میں نے آپ ﷺ کے پاس کدو دیکھا، جس کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے جا رہے تھے، میں نے پوچھا: یہ کیا ہے (یعنی اس کا کیا بنے گا؟) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ہم اس کے ذریعہ اپنے کھانے (یعنی سالن) کو بڑھاتے ہیں (یعنی گوشت میں کدو بھی ڈالیں گے تاکہ سالن بڑھ جائے) امام ترمذی فرماتے ہیں، یہ صحابی رسول ہیں، ان سے یہی ایک روایت منقول ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** **یعجبه:** یہ اعجاب سے ہے، نبی کریم ﷺ کو پسند تھا، اچھا لگتا تھا، **الدباء:** (دال پر پیش اور با پر زبر و تشدید) کدو، لوکی خواہ گول ہو یا لمبا، یہ لفظ جمع ہے، اس کا واحد دباءہ ہے، بعض کے نزدیک حدیث میں اس سے صرف "گول کدو" مراد ہے، **دعی له:** (صیغہ مجہول) کھانے کے لیے نبی کریم ﷺ کو بلایا گیا، آپ ﷺ کی کھانے کی دعوت کی گئی، "لہ" میں "ہ" ضمیر "طعام" کی طرف لوٹ رہی ہے، **اتتبعه:** (صیغہ متکلم) میں کدو کو تلاش کرنے لگا، **أضعه بین یدیه:** میں اس کدو کو آپ ﷺ کے سامنے رکھ دیتا، سامنے کر دیتا، **یقطع:** یہ تقطیع سے ہے: کدو کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے کیے جا رہے تھے، کدو کو کاٹا جا رہا تھا، **نکثر به:** (یہ تکثیر سے ہے) ہم کدو کے ذریعہ اضافہ کر رہے ہیں، بڑھا رہے ہیں، **طعامنا:** اپنا طعام یعنی سالن۔

(۱) تحفة الاحوذی ۵/۵۹۹، ابواب الاطعمة، باب ماجاء فی اکل الزیت، رقم الحدیث: ۱۸۵۱
(۲) سنن ابی داؤد، الأطعمة، رقم الحدیث: ۳۷۸۲۔
(۳) سنن ابن ماجة، الأطعمة، رقم الحدیث: ۳۳۰۴۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کدو پسند تھا

ان احادیث سے کدو کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بڑے شوق اور رغبت سے تناول فرمایا کرتے تھے، اس کی تاثیر ٹھنڈی ہے جبکہ عرب کی آب وہوا اور اہل عرب کے مزاج عموماً گرم ہوتے ہیں، اس کے کھانے سے طبیعت میں اعتدال پیدا ہوجاتا ہے، نیز یہ جلدی پک جاتا ہے، اس کا کھانا بھی آسان ہے، اس کا ذائقہ مزیدار اور لذیذ ہوتا ہے، اور اعضا کو توانائی فراہم کرتا ہے، ان خصوصیات کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے پسند فرماتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ کدو کی بیل نے میرے بھائی حضرت یونس علیہ السلام پر اس وقت سایہ کیا تھا، جب انہیں مچھلی نے سمندر کے کنارے پر تنہا تپتی ہوئی دھوپ میں چھوڑ دیا تھا، چونکہ یہ سبزی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھی، اس لیے صحابہ کرام بھی اسے بہت پسند کرتے تھے، حضرت انس کدو کو خطاب کر کے کہا کرتے کہ اے سبزی، تجھ سے مجھے بہت پیار ہے، کیونکہ میرے نبی صلی اللہ علیہ وسلم تجھے پسند فرماتے تھے، اس کا سالن جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آتا تو اس میں سے کدو تلاش کر کے بڑی چاہت سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھاتے تھے اور شمائل کی مذکورہ ایک حدیث میں حضرت انس سالن کے شوربے سے کدو تلاش کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کردیتے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے آسانی سے کھاسکیں، اس لیے اہل اسلام کو بھی اس سبزی کے ساتھ محبت رکھنی چاہیے، یہی کمال ایمان کا تقاضا ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: إِنَّ خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِطَعَامٍ صَنَعَهُ، قَالَ أَنَسٌ: فَذَهَبْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى ذَلِكَ الطَّعَامِ، فَقَرَّبَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُبْزًا مِنْ شَعِيرٍ، وَمَرَقًا فِيهِ دُبَّاءٌ وَقَدِيدٌ، قَالَ أَنَسٌ: فَرَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَتَبَّعُ الدُّبَّاءَ حَوَالَي الْقَصْعَةِ، فَلَمْ أَزَلْ أُحِبُّ الدُّبَّاءَ مِنْ يَوْمِئِذٍ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک درزی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی (ایک مرتبہ) کھانے کی دعوت کی، جو اس نے بنایا تھا، فرماتے ہیں: میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس کھانے پر گیا، اس درزی نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو کی روٹی اور شوربا پیش کیا، جس میں کدو اور گوشت تھا، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پلیٹ کی تمام جانبوں میں کدو کو تلاش کرتے ہوئے دیکھا، پھر میں بھی اس دن سے کدو کو پسند کرتا ہوں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** خیاط: درزی، صنعه: جس کھانے کو اس نے بنایا، مرقا: (میم اور را پر زبر) شوربا، قدید: گوشت

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۵۴/۱

(۲) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۵۱۔

کے بڑے ٹکڑے، جنہیں نمک لگا کر دھوپ میں خشک کیا جائے، یتتبع: تلاش کرتے ہوئے، حوالی: (لام پر زبر اور یا ساکن) تمام جانبیں، پلیٹ کے چاروں طرف، صحفة: وہ پلیٹ جس میں پانچ آدمی سیراب ہو کر کھا سکیں۔

## ایک درزی کے ہاں نبی کریم ﷺ کی دعوت

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کی ایک درزی نے کھانے کی دعوت کی، جسے آپ ﷺ نے قبول فرمالیا، آپ ﷺ تشریف لے گئے اور آپ ﷺ کے ساتھ حضرت انسؓ بھی تھے، وہ بھی با قاعدہ مدعو تھے یا نبی کریم ﷺ کے خادم ہونے کی حیثیت سے گئے، اس میں بھی کوئی حرج نہیں جبکہ داعی اس پر خوش ہو۔

۲۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس درزی کے نام سے تو میں مطلع نہ ہو سکا، البتہ ایک روایت میں ہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے آزاد کردہ غلام تھے، انہوں نے آپ ﷺ کی دعوت کی۔

۳۔ اس سے نبی کریم ﷺ کی عاجزی اور تواضع ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ ایک ادنیٰ صحابی کی دعوت بھی قبول کر کے اس کے گھر تشریف لے جاتے تھے، نیز اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ درزی کا پیشہ گھٹیا نہیں ہے۔

۴۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ گوشت پر نمک لگا کر اسے دھوپ میں خشک کرنا اور پھر اسے کھانا جائز ہے، چنانچہ ایک اور حدیث میں ہے کہ ایک مرتبہ دوران سفر ایک شخص نے بکری ذبح کی، نبی کریم ﷺ نے اسے فرمایا کہ اس گوشت پر نمک لگا کر اسے دھوپ میں خشک کرلو، اس نے ایسا کرلیا، پھر وہ یہ گوشت نبی کریم ﷺ کو مدینہ پہنچنے تک کھلاتے رہے۔

۵۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو پلیٹ کی تمام جانبوں میں کدو تلاش کرتے ہوئے دیکھا۔

اس سے معلوم ہوا کہ پلیٹ یا پیالے میں ہاتھ گھما کر کھانے کی ممانعت اس وقت ہے، جب کھانا ایک قسم کا ہو، لیکن اگر اس میں مختلف چیزیں ہوں، تو پھر ہاتھ ادھر ادھر گھمانے میں کوئی حرج نہیں، اور یہاں اس پلیٹ میں تین چیزیں تھیں: شوربا، کدو اور گوشت، آپ ﷺ گوشت چھوڑ کر اپنی پسند کے مطابق لوکی تلاش کر کے تناول فرما رہے تھے، ایسی صورت میں پلیٹ میں ہاتھ گھمایا جا سکتا ہے، بشرطیکہ ساتھ کھانے والے ساتھی کو اس میں ناگواری نہ ہو، اور نبی کریم ﷺ کے ساتھ کھانے والے صحابہ کرام چونکہ آپ ﷺ کے ہاتھ گھمانے کو ناگوار نہیں سمجھتے تھے، بلکہ وہ تو اس کو اپنے لیے بجا طور پر برکت اور سعادت کا ذریعہ سمجھتے تھے، یہ تو ان کی نظر میں انتہائی معمولی بات تھی، حضور اکرم ﷺ کے ساتھ ان کے عشق ومحبت کا یہ عالم تھا کہ آپ ﷺ کی تھوک اور ناک کی رینٹ سے بھی وہ برکت حاصل کرتے، انہیں اپنے چہرے اور جسم پر مل لیتے، بعض نے اپنے عشق کو یوں تسکین دی کہ سرکار دو عالم ﷺ کا پیشاب پی گئے اور بعضوں کی محبت اس انتہاء کو پہنچ گئی کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ کا خون تک پی لیا... جن لوگوں کے آپ ﷺ کے ساتھ عشق ومحبت کے یہ کرشمے ہوں، وہ آپ ﷺ کے پلیٹ میں ہاتھ ادھر ادھر گھمانے کو کیسے ناگوار

سمجھ سکتے ہیں۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْحَلْوَاءَ وَالْعَسَلَ. (۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میٹھی چیز اور شہد کو پسند فرماتے تھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھی چیز اور شہد بہت پسند تھا

''حلواء'' مد کے ساتھ اور مد کے بغیر دونوں طرح یہ لفظ پڑھا جا سکتا ہے، اس سے ہر وہ چیز مراد ہے جو میٹھی ہو، خواہ وہ سو جی سے بنا ہوا حلوی ہو یا اور کوئی میٹھی چیز، سب ہی پر ''حلواء'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے، بعض حضرات نے اس حلواء سے معروف حلوی مراد لیا ہے، جو ہمارے معاشرے میں پکایا اور کھایا جاتا ہے، لیث بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ سب سے پہلے حضرت عثمان نے حلوی بنوا کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند کر کے فرمایا کہ: اسے کھاؤ، اہل فارس اسے ''خبیص'' کہتے ہیں۔(۳)

یہ حلوی انہوں نے آٹے، شہد اور گھی سے تیار کیا تھا، بعض کہتے ہیں کہ یہ حلوی کھجور اور گھی سے یا کھجور اور دودھ سے بنایا گیا تھا۔(۴) علامہ ابو منصور ثعالبی نے ''فقہ اللغۃ'' میں لکھا ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جس حلوے کو پسند کرتے تھے وہ کھجور کو دودھ میں گوندھ کر بنایا جاتا تھا۔

حدیث میں حلواء کے بعد ''عسل'' یعنی شہد کا ذکر کیا، جبکہ شہد بھی مٹھاس کی وجہ سے ''حلواء'' میں داخل ہے، اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ شہد کو دوسری تمام میٹھی چیزوں پر فوقیت اور برتری حاصل ہے، کیونکہ احادیث میں اس کی بہت فضیلت بیان کی گئی ہے۔

امام خطابی فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا میٹھی چیز کو پسند کرنا طبعی خواہش کی وجہ سے نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر و بیشتر میٹھی چیز کھانا پسند فرماتے ہوں بلکہ ''یحب الحلواء'' کا مطلب یہ ہے کہ جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے دسترخوان پر میٹھی چیز آ جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بھی بڑے شوق و ذوق سے تناول فرماتے، جس سے یہ معلوم ہوتا کہ یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند ہے، اس سے معلوم ہوا کہ مختلف قسم کے عمدہ، لذیذ اور شیریں کھانے بنانا اور انہیں کھانا جائز ہے، اور شرعاً یہ زہد و تقویٰ اور پرہیزگاری کے منافی نہیں ہے

---

(۱) فتح الباری ۶۵۵/۹، کتاب الاطعمة، باب من تتبع حوالی القصعة مع صاحبه، رقم الحدیث: ۵۳۷۹.

(۲) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۳۳۔

(۳) شعب الایمان للبیہقی ۹۸/۵، باب فی المطاعم والمشارب، رقم الحدیث: ۵۹۳۲

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۵۷/۱، المواھب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۲۸۱)

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہ حدیث یہاں مختصراً ذکر کی ہے، اس کی تفصیل صحیح مسلم میں موجود ہے، اس میں وہ واقعہ ہے جس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے شہد کا استعمال حرام کرلیا تھا، پھر اس موقع پر اللہ جل شانہ نے سورہ تحریم نازل فرمائی۔(۱)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّهَا قَرَّبَتْ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَنْبًا مَشْوِيًّا فَأَكَلَ مِنْهُ ، ثُمَّ قَامَ إِلَى الصَّلَاةِ وَمَا تَوَضَّأَ.(۲)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ انہوں نے پہلو کا بھنا ہوا گوشت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے تناول فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے اٹھے اور وضو نہیں کیا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: أَكَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شِوَاءً فِي الْمَسْجِدِ.(۳)

حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ ہم نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھنا ہوا گوشت مسجد میں کھایا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔قربت: ام سلمہ نے قریب کیا، خدمت اقدس میں پیش کیا، جنبا مشویا: بھنا ہوا پہلو کا گوشت، شواء: بھنا ہوا گوشت، روسٹ کیا ہوا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھنا ہوا گوشت کھایا

مذکورہ احادیث سے تین امر ثابت ہوتے ہیں:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھنا ہوا پہلو کا گوشت تناول فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ روسٹ کیا ہوا گوشت، خواہ وہ بکرے کا ہو یا کسی بھی حلال جانور اور پرندے کا، اس کا کھانا جائز ہے، صحابہ کرام بھی اس طرح کا گوشت کھایا کرتے تھے۔
- جب کوئی شخص وضو کے بعد آگ پر پکی ہوئی کوئی چیز کھالے تو اس سے اس کا وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھنا ہوا گوشت کھانے کے بعد وضو نہیں کیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کے لیے تشریف لے گئے، یہی جمہور ائمہ اور علماء کا موقف ہے، مگر بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، جمہور نے ان احادیث سے متعلق دو باتیں ذکر کی ہیں:

۱۔ یہ حکم ابتداء میں تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا۔

۲۔ ان احادیث سے کھانے کے بعد کلی کرنا مراد ہے، وضو مراد نہیں، اور اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ کھانے کے بعد کلی کرنا

---

(۱) عمدۃ القاری ۲۱/۲۱، کتاب الاطعمۃ، باب الحلواء والعسل، صحیح مسلم ۱/۴۷۹، کتاب الطلاق، باب وجوب الکفارۃ علی من حرم امرأتہ، تکملۃ فتح الملہم ۱/۱۲۴، رقم الحدیث: ۳۶۵۸

(۲) سنن الترمذی، الأطعمۃ، رقم الحدیث: ۱۸۳۰۔

(۳) سنن ابن ماجۃ، الأطعمۃ، رقم الحدیث: ۳۳۱۱۔

مسنون ہے۔

❁ نیز اس سے معلوم ہوا کہ مسجد میں کھانا تناول کرنا جائز ہے گو کہ بہتر نہیں، مگر اس کا اہتمام رہے کہ اس عمل کی وجہ سے مسجد خراب اور آلودہ نہ ہو، نبی کریم ﷺ نے مسجد میں بیٹھ کر کھانا کھایا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ مسجد کا یہ واقعہ اعتکاف کے زمانے کا ہو، نبی کریم ﷺ ہر سال اعتکاف بیٹھا کرتے تھے، ایسی صورت میں مسجد میں کھانا پینا جائز ہوتا ہے۔(۱)

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: ضِفْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ فَأُتِيَ بِجَنْبٍ مَشْوِيٍّ، ثُمَّ أَخَذَ الشَّفْرَةَ فَجَعَلَ يَحُزُّ، فَحَزَّ لِي بِهَا مِنْهُ قَالَ: فَجَاءَ بِلَالٌ يُؤْذِنُهُ بِالصَّلَاةِ فَأَلْقَى الشَّفْرَةَ فَقَالَ: مَا لَهُ تَرِبَتْ يَدَاهُ؟ قَالَ: وَكَانَ شَارِبُهُ قَدْ وَفَى، فَقَالَ لَهُ: أَقُصُّهُ لَكَ عَلَى سِوَاكٍ أَوْ قُصَّهُ عَلَى سِوَاكٍ.(۲)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات نبی کریم ﷺ کے ہاں مہمان ہوا، کھانے میں ایک بھنا ہوا پہلو لایا گیا، پھر آپ ﷺ نے چھری لی، اور اس کے ذریعہ اس پہلو سے میرے لیے کاٹنے لگے، حضرت مغیرہ فرماتے ہیں، اسی دوران حضرت بلال نبی کریم ﷺ کو نماز کی اطلاع دینے کے لیے آگئے، آپ ﷺ نے چھری پھینکی اور ارشاد فرمایا: بلال کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں، اسے کیا ہوا کہ ایسے موقع پر نماز کی اطلاع دینے کے لیے آگیا، (ابھی تو نماز کا بہت وقت باقی ہے)، حضرت مغیرہ فرماتے ہیں: اور ان کی (یعنی مغیرہ کی یا بلال کی) مونچھ بہت بڑھ گئی تھی، اس پر نبی کریم ﷺ نے انہیں فرمایا: (لاؤ) میں تمہاری مونچھیں مسواک پر رکھ کر کتر دیتا ہوں یا یہ فرمایا کہ تم خود یہ مونچھیں مسواک پر رکھ کر کتر دو۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔ ضفت: (صیغہ واحد متکلم) میں مہمان ہوا، الشفرة: (شین پر زبر اور فا ساکن) چوڑی چھری، چپٹی چھری، یحز: کاٹنے لگے، بها منه: اس پہلو سے چھری کے ذریعہ، اس میں ''ها'' ضمیر شفرۃ کی طرف اور ''منہ'' کی ضمیر جنب کی طرف لوٹ رہی ہے، یؤذنه: آپ ﷺ کو حضرت بلال اطلاع دینے لگے، ألقی: آپ ﷺ نے پھینک دی، ماله: بلال کو کیا ہوا کہ اس وقت اطلاع دینے آگئے، تربت یداہ: بلال کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں، یہ جملہ یہاں زجر اور تنبیہ کے لیے استعمال ہوا ہے، مقصد یہ تھا کہ ان کو ایسے وقت میں کہ جب سب بڑے شوق سے کھانے میں مشغول ہیں، نماز کی خبر نہیں کرنی چاہیے تھی، جبکہ نماز کا وقت ابھی بہت باقی بھی ہے، شاربه: اس میں ''ہ'' ضمیر کے لوٹنے میں دو احتمال ہیں: ۱۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ بڑے وثوق سے یہ فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر حضرت مغیرہ بن شعبہ کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی حضرت مغیرہ کی مونچھ۔ ۲۔ علامہ مناوی اور ان کی اتباع میں علامہ بیجوری فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر حضرت بلال کی طرف لوٹ رہی ہے، قد وفی: وہ مونچھ بڑھ گئی، لمبی ہوگئی، أقصه لک: (صیغہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۵۸
(۲) سنن ابی داؤد، الطهارة، رقم الحدیث: ۱۸۸۔

واحد متکلم) میں تمہاری مونچھیں کتر دیتا ہوں، قصہ لک: (صیغہ امر) تم خود ہی اپنی مونچھیں کتر دو۔(۱)

## کھانے کے وقت چھری سے گوشت کاٹ سکتے ہیں

مذکورہ حدیث سے چند امور ثابت ہوتے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ضفت مع رسول اللہ ﷺ، (حضرت مغیرہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ مہمان ہوا) اس کے مطلب میں شارحین حدیث کے تین قول ہیں:

- حدیث میں لفظ ''مع'' زائد ہے، معنی یہ ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کا مہمان ہوا، اور نبی کریم ﷺ نے ان کی میزبانی کرتے ہوئے گوشت کاٹ کاٹ کر کھلایا، چنانچہ ابوداؤد کی روایت میں اس معنی کی تائید ہوتی ہے، اس میں لفظ ''مع'' نہیں ہے۔
- بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنا مہمان بنایا، مگر یہ مفہوم درست نہیں، حدیث کے الفاظ سے اس معنی کی تائید نہیں ہوتی۔
- حضرت مغیرہ نبی کریم ﷺ کے مہمان تھے، اور پھر نبی کریم ﷺ اور حضرت مغیرہ، کسی تیسرے شخص کے مہمان ہوئے، جیسا کہ عام عرف ہے کہ جب کسی بڑے کی دعوت کی جائے تو خادم بھی دعوت میں ساتھ شریک ہوتے ہیں، روایات میں ''مع'' کا لفظ اس معنی کی تائید کرتا ہے، اس صورت میں نبی کریم ﷺ کا بھنا ہوا گوشت کاٹ کاٹ کر حضرت مغیرہ کو کھلانا ان کی دلجوئی اور تالیف قلب کے لیے تھا، اس مفہوم کو سامنے رکھ کر ابوداؤد اور ترمذی کی دونوں روایتوں میں کوئی اختلاف باقی نہیں رہتا کہ حضرت مغیرہ اصلاً نبی کریم ﷺ کے مہمان تھے اور نبی کریم ﷺ کی اس وقت مہمانوں سمیت کسی تیسرے شخص کے ہاں دعوت تھی۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ کا کہنا ہے کہ قاضی اسماعیل فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی یہ دعوت حضرت ضباعہ بنت الزبیرؓ کے گھر میں تھی، آپ ﷺ وہاں حضرت مغیرہ کے ساتھ تشریف لے گئے تھے۔

۲۔ مذکورہ حدیث سے یہ حکم معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے وقت اگر پکا ہوا یا بھنا ہوا گوشت سخت معلوم ہو، اسے کسی وجہ سے نوچ کر بھی نہ کھایا جاسکتا ہو، تو ضرورت کی وجہ سے اسے چھری چاقو سے کاٹ کر کھانا یا ہاتھ سے توڑنا جائز ہے، جیسا کہ نبی کریم ﷺ چھری سے کاٹ کر وہ گوشت حضرت مغیرہ کو دے رہے تھے اور حضرت مغیرہ اسے تناول کر رہے تھے۔

مگر سنن ابی داؤد میں حضرت عائشہ کی ایک روایت ہے کہ جس میں چھری سے کاٹ کر گوشت کھانے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''گوشت کو چھری سے کاٹ کاٹ کر نہ کھایا کرو، یہ عجمی لوگوں کا طریقہ ہے، بلکہ اسے دانتوں سے

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۶۰/۱۔

نوچ کر کھایا کرو، کیونکہ اس طرح وہ زیادہ لذیذ اور خوشگوار ہو جاتا ہے"۔(۱)

اس حدیث میں گوشت کو چھری کے ساتھ کاٹ کر کھانے کو عجمیوں کا طریقہ بتایا گیا ہے، یوں تو عرب کے لوگ اپنے علاوہ دنیا کے سارے لوگوں کو عجمی (یعنی گونگا) کہا کرتے ہیں، لیکن اس حدیث میں عجمیوں سے خاص طور پر اہل فارس یعنی ایران کے لوگ مراد ہیں، وہ لوگ تکبر و غرور کی وجہ سے گوشت کو چھری سے کاٹ کر کھاتے تھے، اور دانتوں سے نوچ کر کھانے کو برا اور خلاف تہذیب سمجھتے تھے، آپ ﷺ نے ان کے ساتھ مشابہت سے بچنے کی خاطر ایسے موقع پر چھری سے گوشت کاٹ کر کھانے سے منع فرمایا۔

یہاں شمائل کی اس روایت اور سنن ابی داؤد کی حضرت عائشہ کی مذکورہ روایت میں تعارض ہو رہا ہے، شمائل کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ کھانے کے وقت چھری سے گوشت کو کاٹ کر کھایا جا سکتا ہے، جبکہ ابوداؤد کی روایت میں نبی کریم ﷺ نے واضح انداز میں منع فرما دیا ہے، اس تعارض کے حل میں علماء حدیث نے دو باتیں ذکر کی ہیں:

- علماء نقد نے ابوداؤد کی روایت پر کلام کیا ہے، اور یہ کہا ہے کہ یہ روایت سند کے لحاظ سے قوی نہیں ہے، جبکہ شمائل کی مذکورہ روایت ہر اعتبار سے صحیح ہے، اس لیے اسی کو اختیار کیا جائے گا، لہذا کھانے کے وقت اگر ضرورت ہو تو بھنے ہوئے یا پکے ہوئے گوشت کو چھری سے کاٹا جا سکتا ہے۔
- بعض کو حضرات نے ان متعارض روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ پکانے کے بعد اگر گوشت صحیح طرح گلا ہوا اور نرم ہو تو اس چھری کے بجائے دانتوں سے نوچ کر ہی کھانا چاہیے، اور اگر گوشت پکانے اور بھننے کے باوجود سخت ہو، دانتوں سے نوچ کر اسے کھانا ممکن نہ ہو تو پھر چھری کا استعمال بغیر کسی کراہت کے درست ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ سنن ابی داؤد کی روایت میں ممانعت کا حکم، نہی تنزیہی پر محمول ہے، لہذا چھری کا استعمال ایسے موقع پر گو کہ حرام نہیں، جائز ہے، لیکن چونکہ عموماً چھری سے کاٹ کر کھانے کا طریقہ یہود و نصاری، فساق و فجار، دنیا دار اور مغربی دنیا کا شعار بن چکا ہے، اس لیے مشابہت سے بچنے کے لیے حتی الامکان اس طریقہ سے احتراز کرنا چاہیے، البتہ اگر کبھی اس کی شدید ضرورت پیش آ جائے تو اس انداز سے چھری سے گوشت کاٹ کر کھانا جائز ہے۔

۳۔ حضرت بلال کھانے کے دوران نماز کی اطلاع دینے کے لیے آ گئے تو حضور اکرم ﷺ نے زجر، تنبیہ اور ملامت کے طور پر فرمایا کہ اس کے دونوں ہاتھ خاک آلود ہوں، اس وقت یہ اطلاع نہ دیتا، تھوڑی انتظار کر لیتا، کیونکہ ابھی نماز کا وقت بہت باقی تھا، نیز ایسے موقع پر میزبان کا دل بھی ٹوٹ جاتا ہے کہ کھانا چھوڑ کر آدمی چلا جائے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے حضرت بلال کو تنبیہ فرمائی، اس سے دو امر معلوم ہوئے:

- اذان کے بعد بھی نماز کی یاد دہانی اور اطلاع دی جا سکتی ہے۔

---

(۱) بذل المجہود ۱۶/ ۵۹ کتاب الاطعمة، باب فی اکل اللحم، رقم الحدیث: ۳۷۷۸

اگر کھانے کا شدید تقاضا ہو اور نماز کے وقت میں گنجائش ہو تو پہلے کھانا کھالینا چاہیے، تا کہ پھر مکمل یکسوئی کے ساتھ نماز ادا کی جاسکے۔

۴۔ وکان شاربہ قدوفی، اس میں یہ بات قابل غور ہے کہ شاربہٗ کی ''ہ'' ضمیر کا مرجع کیا ہے؟ اس میں شارحین حدیث کے تین قول ہیں:

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ راجح یہ ہے کہ یہ ضمیر حضرت مغیرہ کی طرف لوٹ رہی ہے، معنی یہ ہیں کہ ان کی مونچھیں بڑھی ہوئی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میں ان کے نیچے مسواک رکھ کر کتر دیتا ہوں یا تم خود ہی مسواک پر رکھ کر کتر دو۔

اقصہ... اوقصہ، یہ حضرت مغیرہ یا ان سے نیچے کسی راوی کو شک ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صیغہ متکلم ارشاد فرمایا، یا صیغہ امر فرمایا۔(۱)

علامہ مناوی اور بیجوری فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر حضرت بلال کی طرف لوٹ رہی ہے، ان کی مونچھیں لمبی تھیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کترنے کا حکم دیا۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ یہ ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہو، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت مغیرہ سے فرمایا کہ میں اپنی مونچھیں مسواک پر رکھ کر کترتا ہوں تمہارے لیے، تا کہ تم ان سے برکت حاصل کرو، لیکن یہ مفہوم مراد لینا ابوداؤد کی روایت کے خلاف ہے، اس میں حضرت مغیرہ کی مونچھوں کی تصریح ہے، وہ بڑھی ہوئی تھیں، جنہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کاٹ دیا۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ بڑا آدمی بھی چھوٹے کی مونچھیں کاٹ سکتا ہے۔

## مونچھیں مونڈنا یا قینچی سے کترنا دونوں طریقے مسنون ہیں

احادیث میں مونچھیں تراشنے کے بارے میں مختلف الفاظ منقول ہیں، شمائل کی مذکورہ روایت اور دیگر بعض روایات میں قص الشارب کے الفاظ ہیں کہ مونچھیں تراشی جائیں اور حضرت عبداللہ بن عمر کی حدیث میں أحفوا الشوارب، بعض روایات میں انھکوا الشوارب اور صحیح مسلم کی روایت میں جزوا الشوارب کے الفاظ ہیں، ''الاحفاء'' کے معنی ہیں: بالوں کو جڑ سے اکھاڑنا، ''نھک''

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۳۶/۸، کتاب الاطعمۃ، الفصل الثالث، رقم الحدیث: ۴۲۳۶، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۵۸/۱، المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۲۸۴)

(۲) بذل المجہود ۷۴/۲، کتاب الطھارۃ، باب فی ترک الوضوء مما مست النار، رقم الحدیث: ۱۸۸، مرقاۃ المفاتیح ۱۳۶/۸، کتاب الاطعمۃ، الفصل الثالث، رقم الحدیث: ۴۲۳۶

کے معنی ہیں، خوب مبالغہ کے ساتھ بالوں کو صاف کرنا اور "جز" کاٹنے اور کترنے کو کہتے ہیں۔

ان مختلف الفاظ کی وجہ سے ائمہ کرام میں اختلاف ہے کہ مونچھیں کاٹنے کا مسنون طریقہ کیا ہے، حلق کرانا ہے یا قینچی سے کترنا، یا یہ کہ دونوں طریقے ہی مسنون ہیں۔

امام مالک اور امام نووی رحمہم اللہ "قص الشارب" کی وجہ سے یہ فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ مونچھیں قینچی وغیرہ سے اس قدر باریک تراشی جائیں کہ کھال نظر آنے لگے اور ہونٹ کا کنارہ ظاہر ہو جائے، جڑ سے نہ اکھیڑی جائیں، ان کے نزدیک مونچھوں کا حلق کرانا مسنون نہیں بلکہ امام مالک رحمہ اللہ نے اسے بدعت اور مثلہ قرار دیا ہے اور احفوا الشوارب کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ مونچھیں اس قدر تراشی جائیں کہ ہونٹوں کا کنارہ ظاہر ہو جائے، انہیں بلیڈ یا استرے سے صاف کرنا مراد نہیں۔

جبکہ جمہور علماء کے نزدیک مونچھیں تراشی جائیں یا بلیڈ اور استرے وغیرہ سے انہیں صاف کیا جائے، دونوں صورتیں احادیث سے ثابت ہیں، لہذا ان میں سے جو صورت بھی اختیار کی جائے، اس سے سنت ادا ہو جاتی ہے، صحابہ کرام سے بھی دونوں طریقے منقول ہیں، چنانچہ امام طحاوی نے صحابہ کرام کی ایک جماعت سے مونچھوں کا جڑ سے صاف کرنا نقل کیا ہے، جن میں حضرت ابو سعید خدری، ابو اُسید بن ثابت انصاری، رافع بن خدیج، سہل بن سعد، عبداللہ بن عمر، جابر بن عبداللہ، سلمہ بن اکوع، ابو رافع اور حضرت ابو ہریرہ شامل ہیں۔

امام شوکانی فرماتے ہیں کہ امام نووی نے "احفاء" کے جو معنی بیان کیے ہیں کہ "مونچھیں اس طرح تراشی جائیں کہ ہونٹ کے کنارے ظاہر ہو جائیں" یہ معنی کسی بھی لغت کی کتاب سے ثابت نہیں، بلکہ صحاح، قاموس اور کشاف وغیرہ میں احفاء کے معنی استیصال ہی کے لکھے ہیں کہ جڑ سے بالوں کو صاف کر دیا جائے، اس کی تائید حضرت عبداللہ بن عباس کی روایت سے ہوتی ہے، وہ فرماتے ہیں: إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم كَانَ يُحْفِي شَارِبَهُ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھیں جڑ سے صاف کرتے تھے) اور جن روایات میں "قص" کے الفاظ ہیں، وہ "احفاء" کی روایات کے منافی نہیں، کیونکہ "قص" کبھی تو اس مبالغہ کے ساتھ ہوتا ہے کہ وہ احفاء میں داخل ہو جاتا ہے، اور کبھی صرف مونچھیں تراشی جاتی ہیں، اور "احفاء" والی روایت میں صرف ایک ہی جہت متعین ہے کہ مونچھیں استرے وغیرہ سے صاف کی جائیں، یہی وجہ ہے کہ طبری فرماتے ہیں کہ انسان کو اختیار ہے، چاہے تو وہ مونچھیں تراشے یا انہیں استرے وغیرہ سے صاف کر لے، ہر صورت میں سنت ادا ہو جاتی ہے، احناف کے نزدیک تراشنے کے بجائے جڑ سے مونچھوں کو صاف کرنا افضل ہے۔(۱)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲،۶۱/۱ اوجز المسالک، کتاب اللباس، باب ما جاء فی السنة فی الفطرة ۲۳۱/۱۴، فتح الباری ۴۲۵/۱۰ کتاب اللباس، باب قص الشارب، رقم الحدیث: ۵۸۸۸، زاد المعاد لابن القیم ۱۷۸/۱، فصل فی هدیه صلی الله علیه وسلم فی قص الشارب، تحفة الاحوذی ۴۲/۸، کتاب الاداب، باب ما جاء فی قص الشارب، رقم الحدیث: ۲۷۶۰، فتح الملهم ۲۰۳/۲، کتاب الطهارة، باب خصال الفطرة۔ خصائل نبوی (ص:۱۷۵)

# چھری کانٹے اور چمچ سے کھانے کا حکم

چھری کانٹے اور چمچ سے کھانا سنت سے اگرچہ ثابت نہیں ہے، مگر شرعاً ان سے کھانا جائز ضرور ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہاتھ سے کھانا تناول فرمایا کرتے تھے، اور آخر میں انگلیاں چاٹ لیتے تھے، ایک مسلمان کو اسی سنت پر عمل پیرا رہنا چاہیے، لیکن اگر کھانا اس قسم کا ہو کہ جسے چمچ کے بغیر نہ کھایا جاسکتا ہو تو پھر چمچ کا استعمال بغیر کسی کراہت کے درست ہے جیسے کسٹرڈ اور کھیر وغیرہ، لیکن چھری کانٹے میں اس قسم کی کوئی ضرورت نہیں ہوتی، ان کے استعمال کے بغیر بھی کھانا کھایا جاسکتا ہے، اور شمائل کی مذکورہ حدیث میں بھی چھری کے ذریعہ گوشت کاٹنے کا تو ذکر ہے مگر چھری سے کھانے کا نہیں، اس لیے چھری کانٹے کا استعمال بہر حال پسندیدہ نہیں، تاہم اگر ان کے ساتھ کھانے کی واقعی شدید ضرورت ہو تو پھر انہیں بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: أُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِلَحْمٍ فَرُفِعَ إِلَيْهِ الذِّرَاعُ وَكَانَتْ تُعْجِبُهُ فَنَهَسَ مِنْهَا.(۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں گوشت لایا گیا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت دیا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند تھا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے دانتوں سے نوچ کر کھایا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أتی النبی صلی اللہ علیہ وسلم: (صیغہ مجہول) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لایا گیا، الذراع: (ذال کے نیچے زیر) ہر جانور کا ہاتھ، چنانچہ گائے اور بکرے کا ذراع پنڈلی سے اوپر کا حصہ ہوتا ہے، اونٹ کا اور دوسرے کھر والے جانوروں کا ہاتھ پنڈلی کے پتلے حصے کے اوپر سے شروع ہوتا ہے، جوہری کہتے ہیں کہ لفظ ''ذراع'' عربی میں مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے، لہذا کانت تعجبہ میں ''ہ'' ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور کانت تعجبہ میں ضمیر مؤنث ذراع کی طرف لوٹ رہی ہے، تعجبہ: اعجاب سے ہے، معنی یہ ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند تھا، نھس: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دانتوں کے کنارہ سے گوشت کو نوچ کر کھایا، منھا: ذراع میں سے۔

# نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند تھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت میں سے دستی کا گوشت پسند تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دانتوں کے کنارے سے نوچ کر کھایا کرتے تھے، چھری سے نہیں کاٹتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت کئی وجوہ سے پسند تھا: ❁ یہ جلدی پک جاتا ہے۔ ❁ زیادہ لذیذ اور خوشگوار ہوتا ہے۔ ❁ معدہ پر بوجھ نہیں ہوتا بلکہ جلد ہی ہضم ہو جاتا ہے۔ ❁ یہ گوشت نجاست کی جگہوں مثلاً آنت وغیرہ سے

---

(۱) جدید فقہی مسائل ۱/۱۸۰، خوراک و پوشاک۔ کھانے پینے کی حلال اور حرام چیزیں (ص:۸۸)

(۲) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحدیث:۱۸۳۸۔

دور ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو گوشت نوچ کر کھایا جا سکتا ہو، اسے دانتوں سے نوچ کر ہی کھانے کا معمول بنانا چاہیے، یہی مسنون طریقہ ہے۔(۱)

**عَنِ ابْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ قَالَ: وَسُمَّ فِي الذِّرَاعِ، وَكَانَ يُرَى أَنَّ الْيَهُودَ سَمُّوهُ.(۲)**

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند تھا، ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ دستی کے گوشت میں ہی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا گیا، اور ابن مسعود کا خیال یہ تھا کہ یہود نے (باہمی مشورے سے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا تھا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** سم: (صیغہ مجہول) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا گیا، وکان یری: لفظ یری کو دو طرح سے پڑھا جا سکتا ہے۔ ا۔ یہ اراءۃ سے صیغہ مجہول ہے۔ ۲۔ اگر اسے معروف پڑھا جائے تو پھر مجرد سے ہوگا یعنی رأی یری سے، دونوں صورتوں میں معنی ایک ہی ہیں: ابن مسعود کا خیال اور گمان تھا، ابن مسعود سمجھتے تھے، سموہ: یہود نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا۔

## ایک یہودی عورت نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دستی کے گوشت میں زہر دیا

”خیبر“ فتح کرنے کے بعد چند روز تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر ہی میں قیام فرمایا، اس دوران یہود نے مشورہ کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو زہر دیا جائے، اسی وجہ سے ابن مسعودؓ نے اس حدیث میں زہر کی نسبت یہود کی طرف کی، سلام بن مشکم یہودی کی بیوی زینب بنت حارث کو پتہ چلا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند ہے، اس نے دعوت کا اہتمام کیا، جس میں اس نے دستی کے گوشت میں خوب زہر ملا دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور چند صحابہ کرام دعوت میں آئے تو اس عورت نے دستی کا گوشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے رکھ دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا لقمہ چبایا، ابھی نگلا نہیں تھا یا تھوڑا سا نگل لیا تھا کہ پھر اسے تھوک دیا، مگر ساتھ میں بیٹھے دوسرے ایک صحابی حضرت بشر بن براء نے لقمہ پورا نگل لیا تھا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا کہ اس گوشت نے مجھے اطلاع دی ہے کہ اس میں زہر ملایا گیا ہے، ساتھ ہی اس کی تصدیق میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نے بھی آ کر زہر کی اطلاع دے دی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ سے فرمایا کہ رک جاؤ، اسے مت کھاؤ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زہر کے اثر کو ختم کرنے کے لیے اس وقت کندھے کے اوپر والے حصے میں حجامہ کرایا، اس وقت تو اس زہر نے نقصان نہیں پہنچایا، مگر پھر ہر سال اس موسم میں اس کا اثر محسوس ہوتا تھا، وفات کے وقت بھی اس زہر کا شدید اثر تھا، اس

(۱) شرح الطیبی ۱۵۹/۸، کتاب الاطعمة، الفصل الثانی، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۶۲/۱

(۲) سنن أبی داود، الاطعمة، رقم الحدیث: ۳۷۸۱۔

لیے بعض علماء فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یوں آپ ﷺ کو شہادت کے اعلیٰ مرتبہ سے بھی سرفراز فرمایا۔

اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے زینب بنت حارث کو بلا کر سازش کا سبب دریافت کیا تو اعتراف جرم کے بعد اس نے دو سبب بتائے۔

۱۔ زہر اس لیے ملایا تھا کہ میرا خیال تھا کہ آپ ﷺ اگر واقعی برحق نبی ہیں تو اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مطلع کردے گا اور آپ ﷺ کی اس سے حفاظت فرمائے گا، اور اگر آپ ﷺ سچے نبی نہیں ہیں، تو لوگوں کو آپ ﷺ سے نجات مل جائے گی۔

۲۔ واقدی نے زہری کی سند سے روایت ذکر کی ہے، جس میں اس خاتون نے یہ بھی وجہ بتائی کہ: آپ ﷺ نے میرے باپ حارث کو، میرے چچا یسار کو، میرے شوہر سلام بن مشکم کو اور میرے بھائی زبیر کو قتل کیا، اس وجہ سے میں نے آپ ﷺ کو زہر کھلانے کی کوشش کی۔

حضور اقدس ﷺ اپنی ذات کے لیے کبھی کسی سے انتقام نہیں لیتے تھے، اس لیے آپ ﷺ نے زینب سے کچھ نہیں کہا، اپنا حق آپ ﷺ نے اسے معاف کردیا، اس خاتون نے آپ ﷺ کا یہ معجزہ دیکھ کر اسلام قبول کرلیا تھا، لیکن بعد میں جب اس زہر کے اثر سے حضرت بشر بن براء انتقال کر گئے، تو ان کے وارثوں نے قصاص کا مطالبہ کیا، تو پھر اس عورت کو بشر بن براء کے وارثوں کے حوالہ کردیا گیا، انہوں نے زینب کو قصاص میں قتل کردیا تھا۔(۱)

عَنْ أَبِي عُبَيْدٍ قَالَ: طَبَخْتُ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قِدْرًا، وَقَدْ كَانَ يُعْجِبُهُ الذِّرَاعُ، فَنَاوَلْتُهُ الذِّرَاعَ، ثُمَّ قَالَ: نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ، فَنَاوَلْتُهُ ثُمَّ قَالَ: نَاوِلْنِي الذِّرَاعَ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، وَكَمْ لِلشَّاةِ مِنْ ذِرَاعٍ فَقَالَ: وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ سَكَتَّ لَنَاوَلْتَنِي الذِّرَاعَ مَا دَعَوْتُ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابو عبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کے لیے ہانڈی پکائی، نبی کریم ﷺ کو دستی کا گوشت پسند تھا، اس لیے میں نے نبی کریم ﷺ کو دستی کا گوشت پیش کیا، (اسے کھانے کے بعد) پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: مجھے دستی کا گوشت دو، میں نے آپ ﷺ کو (دوسری بار) دستی کا گوشت دے دیا، (اسے بھی آپ ﷺ نے تناول فرمالیا) پھر فرمایا: مجھے دستی کا گوشت دے دو، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک بکری کی کتنی دستیاں ہوتی ہیں (مطلب یہ تھا کہ ایک بکری کی تو دو ہی دستیاں ہوتی ہیں، جو آپ ﷺ نے تناول فرمالی ہیں) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری جان ہے: اگر تو خاموش رہتا تو میں جب تک تم سے دستی کا گوشت مانگتا رہتا تو تم مجھے (اس دیگچی سے) دستیاں نکال کر دیتے رہتے۔

---

(۱) فتح الباری ۷/۶۳۳ کتاب المغازی، باب الشاة التی سمت للنبی ﷺ بخیبر، رقم الحدیث: ۴۲۴۹، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۶۳۔

(۲) الأحاد والمثانی من ذکر أبی عبید مولی رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۴۷۲۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** قدر: (قاف کے نیچے زیر اور دال ساکن) ہانڈی، دیگ، دیگچی، ناولنی: (صیغہ امر) مجھے دے دو، کم للشاۃ من ذراع؟: ایک بکری کی کتنی دستیاں ہوتی ہیں، مطلب یہ ہے کہ ایک بکری کی دو ہی دستیاں ہوتی ہیں، جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں تناول فرمالیا، مادعوت: جب تک میں تم سے مانگتا رہتا۔

## دستی کے گوشت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک معجزہ

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت ابوعبید رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، ہانڈی سے دونوں دستیاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلا دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر ان سے تیسری مرتبہ دستی کا گوشت طلب فرمایا تو صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! ایک بکری میں دو ہی دستیاں ہوتی ہیں، جو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلا دی ہیں، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر تم خاموش رہتے، آگے سے نہ بولتے، تو جب تک میں تم سے دستیاں مانگتا رہتا، تو تم دیگچی سے دستیاں نکالتے رہتے، یعنی معجزہ کے طور پر ان میں اضافہ ہوتا رہتا، مگر تمہارے بولنے سے یہ برکت ختم ہوگئی۔

معجزہ کا ظہور پھر کیوں نہ ہوا؟ علماء نے اس کے دو سبب لکھے ہیں:

۱۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: معجزات، کرامات اور اس قسم کے خرق عادت امور اس وقت پیش آتے ہیں، جب وہ نبی اور بزرگ اللہ تعالیٰ کی طرف مکمل متوجہ ہوتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اس وقت فناء کی ایک خاص کیفیت طاری تھی، اس صحابی کے بولنے سے وہ مخصوص حالت ختم ہوگئی، اس لیے پھر اس معجزہ کا ظہور نہیں ہوا۔

۲۔ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ معجزہ کا ظہور حقیقت میں اللہ جل شانہ کی طرف سے ایک خاص انعام ہوتا ہے، اگر یہ صحابی پورے ادب اور اطاعت کے ساتھ دستی کا گوشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیتے رہتے، کوئی سوال اور اعتراض نہ کرتے تو یہ انعام جاری رہتا، مگر ان کے بولنے اور سوال کرنے کی وجہ سے انعام کا یہ سلسلہ ختم ہوگیا۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا كَانَتِ الذِّرَاعُ أَحَبَّ اللَّحْمِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلٰكِنَّهُ كَانَ لَا يَجِدُ اللَّحْمَ إِلَّا غِبًّا، وَكَانَ يَعْجَلُ إِلَيْهَا لِأَنَّهَا أَعْجَلُهَا نُضْجًا.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت (اس طرح) پسند نہیں تھا (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اسی کے کھانے کی فکر میں رہتے) بلکہ بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گوشت کبھی کبھی ملا کرتا تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دستی کے گوشت کی طرف جلدی کرتے کیونکہ دستی کا گوشت (اپنی لطافت و نزاکت کی وجہ سے) بہت جلد پک جاتا ہے۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۶۵/۱

(۲) جامع الترمذی، کتاب الأطعمة، باب ما جاء فی أی اللحم کان احب الی رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث:۱۸۳۸

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَعْفَرٍ يَقُولُ : سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ : إِنَّ أَطْيَبَ اللَّحْمِ لَحْمُ الظَّهْرِ. (۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: پیٹھ کا گوشت بہترین گوشت ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔ غبا: (غین کے نیچے زیر اور با کی تشدید کے ساتھ) کبھی کبھار، یعجل الیھا: (جیم پر زبر) ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دستی کے گوشت کی طرف جلدی کرتے۔ اعجلھا نضجا: تمام گوشتوں میں دستی کا گوشت جلدی پک جاتا ہے، نضجا: (نون پر زبر اور پیش دونوں پڑھ سکتے ہیں اور ضاد ساکن) پکنا، تیار ہوجانا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند ہونے کی ایک وجہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت پسند ہونے کی مختلف وجہیں ہیں، جن کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے، مذکورہ حدیث میں حضرت عائشہ اس وہم کو دور کررہی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دستی کے گوشت کو پسند فرمانا، اس وجہ سے نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیا کی لذتوں میں رغبت رکھتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ہر وقت گویا اسی طرف متوجہ رہتا، کیونکہ یہ تو نبی کی شان کے ہرگز مناسب نہیں، بلکہ واقعہ یہ ہے کہ گوشت کبھی کبھار آتا، جس کی وجہ سے اسے کھانے کا طبیعت میں شوق پیدا ہوجاتا تھا، پسندیدہ ہونے کی وجہ صرف یہ نہیں کہ وہ لذیذ ہوتا بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دستی کا گوشت اس وجہ سے بھی پسند تھا کہ وہ جلدی پک جاتا ہے، جسے کھا کر آدمی جلدی سے فارغ ہوکر ذکر وفکر اور اللہ جل شانہ کی عبادت میں مشغول ہوجاتا ہے۔(۲)

شمائل کی مذکورہ دوسری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ کے گوشت کو بہترین گوشت قرار دیا ہے، یہ حدیث دستی گوشت والی حدیث کے معارض نہیں ہے، کیونکہ دونوں طرح کے گوشتوں کے پسندیدہ ہونے کی وجہیں مختلف ہیں، پیٹھ کا گوشت اس لیے بہترین ہے کہ وہ طاقتور، صاف ستھرا اور چکنا ہوتا ہے، اور دستی گوشت کے پسندیدہ اور عمدہ ہونے کی وجہیں پہلے گذر چکی ہیں، لہذا ایسا ہوسکتا ہے کہ دو چیزیں مختلف وجوہات کی بناء پر پسندیدہ اور عمدہ ہوں، اس لیے دونوں روایات میں کوئی منافات اور تعارض نہیں ہے۔(۳)

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: نِعْمَ الْإِدَامُ الْخَلُّ. (۴)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سرکہ بہترین سالن ہے۔

(۱) سنن ابن ماجة، الأطعمة، رقم الحديث: ۳۳۰۸۔
(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۶۶/۱، الکوکب الدری ۲۲/۳، ابواب الاطعمة، باب ما جاء أي اللحم كان احب الی رسول الله ﷺ۔ المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۲۹۰)۔
(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۶۷/۱، خصائل نبوی علی الشمائل (ص: ۱۸۱)
(۴) سنن الترمذی، الاطعمة، رقم الحديث: ۱۸۴۱۔

عَنْ أُمِّ هَانِئٍ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: أَعِنْدَكِ شَيْءٌ؟ فَقُلْتُ: لاَ، إِلَّا خُبْزٌ يَابِسٌ وَخَلٌّ، فَقَالَ: هَاتِي، مَا أَقْفَرَ بَيْتٌ مِنْ أُدْمٍ فِيهِ خَلٌّ. (۱)

ترجمہ: حضرت ام ہانی بنت ابی طالب سے روایت ہے، آپ فرماتی ہیں کہ (فتح مکہ کے دن) نبی کریم ﷺ میرے ہاں (گھر میں) تشریف لائے، اور پوچھا کہ: کیا تمہارے پاس کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا: اور تو کچھ نہیں مگر سوکھی روٹی کے چند ٹکڑے اور سرکہ موجود ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لے آؤ، وہ گھر سالن سے خالی نہیں، جس میں سرکہ ہو۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ خبز یابس: خشک روٹی، سوکھی روٹی کے ٹکڑے، ھاتی: (صیغہ امر) لے آؤ، جیسے قرآن میں ہے: ھاتوا برھانکم یہ اسم فعل نہیں، اگر یہ اسم فعل ہوتا تو ھاتی کے آخر میں ''یا'' نہ ہوتی، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ اسم فعل ہے، ما أقفر: خالی نہیں، أدم: ادام کی جمع ہے: سالن اور کبھی ادم کا لفظ مفرد بھی استعمال ہوتا ہے، اس وقت اس کا دال ساکن ہوگا۔ (۲)

## نبی کریم ﷺ نے خشک روٹی اور سرکہ تناول فرمایا

حضرت امام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فتح مکہ کے دن نبی کریم ﷺ میرے گھر تشریف لائے، اور فرمایا کہ کھانے کی کوئی چیز ہے؟ میں نے عرض کیا: اور تو کچھ نہیں مگر خشک روٹی کے ٹکڑے اور سرکہ ہے، سنن بیہقی میں ابن عباس کی روایت میں ہے کہ ام ہانی نے عرض کیا کہ حضور ﷺ! سوکھی روٹی ہے، جسے آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے شرم محسوس ہوتی ہے۔

نبی کریم ﷺ نے فرمایا: یہی لے آؤ، چنانچہ آپ ﷺ نے روٹی کے خشک ٹکڑے سرکہ سے بھگو کر تناول فرمائے، اور فرمایا کہ: ام ہانی جس گھر میں سرکہ ہو، وہ سالن سے خالی نہیں، کیونکہ سرکہ ایک بہترین سالن ہے۔ (۳)

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ حضرت ام ہانی نے اس انداز سے کیوں جواب دیا، انہیں اس موقع پر یوں جواب دینا چاہیے تھا: بَلٰی عِنْدِیْ خُبْزٌ وَخَلٌّ (ہاں کیوں نہیں، میرے پاس روٹی اور سرکہ موجود ہے) اس انداز سے جواب نہ دینے کی کیا وجہ ہے؟

شارحین حدیث نے اس کا جواب یہ دیا کہ حضرت ام ہانی نے آپ ﷺ کی عظمت شان کی وجہ سے یہ جواب دینا مناسب نہ سمجھا، انہیں اچھا نہ لگا کہ اس قدر محترم ومکرم اور معزز مہمان کی خدمت میں روٹی کے خشک ٹکڑے اور سرکہ پیش کیا جائے، مگر آپ ﷺ سمجھ گئے کہ محض ادب کی وجہ سے ام ہانی اس انداز سے جواب نہیں دے رہیں اور ان چیزوں کو گویا معمولی سمجھ رہی ہیں، اس لیے آپ ﷺ نے انہیں فرمایا کہ یہی میرے پاس لے آؤ، چنانچہ آپ ﷺ نے وہ ٹکڑے سرکہ کے ساتھ تناول

---

(۱) سنن الترمذی، الاطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۴۲۔

(۲) فتح الباری ۶۹۴/۹، کتاب الاطعمة، باب الأدم، رقم الحدیث: ۵۴۳۰

(۳) شعب الایمان للبیهقی ۱۰۱/۵ باب فی المطاعم والمشارب، زیت الزیتون والخل، رقم الحدیث: ۵۹۴۵، ط: بیروت

فرمائے اور فرمایا کہ جس گھر میں سرکہ ہو، وہ سالن سے خالی نہیں۔

اس سے اندازہ لگایئے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی کس قدر سادہ زندگی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں کھانا پینا صرف ضرورت اور مجبوری کا درجہ رکھتا تھا، ضرورت کے وقت جو چیز جیسے میسر آتی، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرما لیتے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھانے کو زندگی کا مقصد نہیں بنایا تھا، زندگی کا مقصد دین کی نشر و اشاعت، ذکر و فکر اور انسانیت کو اللہ تعالیٰ اور اس کے احکام سے روشناس کرانا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم روکھی سوکھی پر گزارہ کر کے اپنے مقدس مشن میں مشغول رہا کرتے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عجز و انکساری اور تواضع کا عظیم شاہکار ہے۔

مذکورہ حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- سرکہ ہو یا کھانے کی اور کوئی چیز، اسے معمولی اور حقارت کی نظر سے نہیں دیکھنا چاہیے۔
- ضرورت کے وقت بے تکلف دوست، پڑوسی یا رشتہ دار سے کھانے کی چیز مانگی جاسکتی ہے، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ام ہانی سے کھانے کی چیز طلب کی تھی۔ (۱)

## ما اقفر بیت... کی ترکیب نحوی مع اشکال وجواب

ما أقفر بيت من ادم، فيه خل کی ترکیب نحوی یہ ہے: "ما" برائے نفی، "اقفر" فعل، "بیت" موصوف "من ادم" جار مجرور ما اقفر سے متعلق ہے، "فیہ" خبر مقدم اور "خل" مبتدا موخر ہے، یہ جملہ ہو کر بیت کی صفت بنے گا، موصوف صفت مل کر "اقفر" کا فاعل، فعل اپنے فاعل وغیرہ سے مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

اس ترکیب پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ موصوف یعنی "بیت" اور صفت یعنی "فیہ خل" کے درمیان اجنبی یعنی من ادم کا فصل ہے، موصوف صفت کے درمیان اجنبی کا فصل نحوی قواعد کی رو سے درست نہیں ہے؟ اس اشکال کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ بعض نے یہ کہا کہ "بیت" موصوف ہے "من البیوت" محذوف ہے جو "بیت" کی صفت ہے، پھر یہ موصوف صفت مل کر ذوالحال ہوا، اور "فیہ خل" اس سے حال ہے اور ذوالحال حال کے درمیان فصل جائز ہوتا ہے۔

۲۔ شرح المفتاح میں ہے کہ موصوف صفت کے درمیان فصل جائز ہے۔

۳۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ موصوف صفت کی ترکیب درست ہے، اور "من ادم" بظاہر موصوف صفت کے درمیان فاصل تو ہے لیکن یہ اجنبی نہیں ہے، کیونکہ "اقفر" فعل ان تمام پر عمل کر رہا ہے، اس اعتبار سے ان میں ربط، اتصال اور قرب

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۲۷/۷، کتاب الاطعمة، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۴۲۲۲، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۶۸/۱، المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۲۹۳)

پایا جاتا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي مُوسَى الأَشْعَرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی فضیلت ہے تمام کھانوں پر۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: فَضْلُ عَائِشَةَ عَلَى النِّسَاءِ كَفَضْلِ الثَّرِيدِ عَلَى سَائِرِ الطَّعَامِ.(۳)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: عائشہ کی فضیلت تمام عورتوں پر ایسی ہے جیسے ثرید کی تمام کھانوں پر فضیلت ہے۔

## حضرت عائشہؓ کی فضیلت

مذکورہ احادیث میں دو امور کا بیان ہے:

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت ہے، گوشت یا کسی بھی سالن کے شوربے میں روٹی کے ٹکڑے کرکے ڈال دیئے جاتے ہیں، پھر اسے اچھی طرح بھگو کر کھایا جاتا ہے، اس کے کھانے میں وقت بھی زیادہ نہیں لگتا، اور اسے کھانا آسان ہوتا ہے، اور جلدی ہضم بھی ہوتا ہے۔

۞ اس میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی فضیلت بیان کی گئی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عائشہؓ کو دوسری خواتین پر یوں فضیلت حاصل ہے جیسے ثرید کو تمام کھانوں پر فضیلت حاصل ہے۔

فضل عائشة على النساء سے کیا مراد ہے؟ اس میں چار قول ہیں:

۱۔ علی النساء میں نساء سے دنیا کی عورتیں مراد ہیں، معنیٰ یہ ہیں کہ حضرت عائشہ کو پوری دنیا کی خواتین پر فضیلت حاصل ہے۔ ۲۔ اہل جنت کی عورتوں پر ان کو فضیلت حاصل ہے۔ ۳۔ حضرت عائشہؓ اپنے زمانے کی خواتین پر فائق ہیں۔ ۴۔ اس امت کی عورتوں سے افضل ہیں۔

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۱۲۷/۸، كتاب الاطعمة، رقم الحديث: ۴۲۲۲، شرح الطيبی ۱۲۲/۸، كتاب الاطعمة الفصل الثانی، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۶۸/۱

(۲) سنن الترمذی، الاطعمة، رقم الحديث: ۱۸۳۵۔

(۳) سنن الترمذی، رقم الحديث: ۳۸۸۱۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مختلف احادیث میں پانچ خواتین حضرت عائشہؓ، حضرت مریم، حضرت خدیجہ، حضرت فاطمہ اور حضرت آسیہ کی فضیلت بیان کی گئی ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ان مذکورہ خواتین میں سے کس کو زیادہ فضیلت حاصل ہے، اس بارے میں شارحین حدیث کے دو نقطہ نظر ہیں:

۱۔ مذکورہ خواتین میں سے ہر ایک کا شرف وفضل، ان کے اپنے اپنے زمانے کے اعتبار سے ہے، پوری دنیا کی عورتوں کے اعتبار سے نہیں ہے۔

لیکن یہ نقطہ نظر ان روایات پر صادق نہیں آتا، جن میں خیر نساء أهل الجنة کہا گیا ہے، کہ اہل جنت کی عورتوں سے بہتر ہیں، کیونکہ یہ فضیلت عام ہے، اس میں کسی خاص زمانے کا کوئی تعلق نہیں ہے۔

۲۔ سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ مذکورہ خواتین میں سے ہر ایک کسی خاص شرف وفضل کے اعتبار سے دیگر تمام عورتوں سے ممتاز ہے، چنانچہ:

❁ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا خصوصی شرف علمی کمال اور دینی بصیرت ہے، جو علمی مقام ان کو حاصل تھا، وہ نہ حضرت خدیجہ کو حاصل تھا اور نہ ہی حضرت فاطمہ کو حاصل ہوا، بیسیوں روایات ان سے منقول ہیں، بڑے بڑے جلیل القدر صحابہ کرامؓ مشکل اور پیچیدہ مسائل میں ان کی طرف رجوع کرتے، آپ کو مقام محبوبیت حاصل تھا، کئی بار ایسا ہوا کہ حضور اکرم ﷺ پر اس وقت وحی نازل ہوئی، جب آپ ﷺ حضرت عائشہ کے بستر پر تشریف فرما تھے اور کئی بار جبرائیلؑ نے ان کو سلام کیا۔

❁ حضرت خدیجہؓ اس اعتبار سے دیگر تمام عورتوں پر فائق ہیں کہ وہ حضور اکرم ﷺ کی پہلی بیوی اور آپ ﷺ پر سب سے پہلے ایمان لانے والوں میں سے ہیں، مشکل، انتہائی کٹھن اور دشوار حالات میں آپ ﷺ کو حوصلہ اور سہارا دیا، جان ومال اور ہر ممکن طریقے سے آپ ﷺ کا تعاون اور دفاع کیا، اور آپ ﷺ کو خوش رکھنے کی ہر طرح سے کوشش کی۔

❁ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ کا جگر گوشہ اور جنتی عورتوں کی سردار ہیں، اگرچہ بعض روایات میں حضرت مریم اور دیگر عورتوں کا بھی ذکر ہے کہ وہ بھی جنتی عورتوں کی سردار ہوں گی، لیکن زیادہ تر روایات میں حضرت فاطمہ کا ہی ذکر ہے، حضرت فاطمہ آپ ﷺ کی تمام صاحبزادیوں میں سب سے افضل ہیں، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: فاطمہ میرا لخت جگر ہے، جس نے اسے ناراض کیا، اس نے گویا مجھے ناراض کیا، یہ ایسی خصوصیات ہیں جو کسی اور خاتون کو حاصل نہیں ہیں۔

❁ حضرت مریم علیہ السلام کا یہ خاص اعزاز ہے کہ ان کے بطن سے اللہ تعالیٰ نے خلاف عادت، کسی انسان کے چھوئے بغیر حضرت عیسیٰ علیہ السلام جیسا جلیل القدر پیغمبر پیدا کیا، انہیں مسجد اقصیٰ کی خدمت کے لیے قبول کیا، ان کے کمرے میں بے موسمی پھل ان کی کرامت کی وجہ سے موجود ہوتے، سردی کے پھل گرمی کے موسم میں اور گرمی کے پھل سردی کے موسم میں، صحیح حدیث میں ہے کہ پیدائش کے وقت ہر بچہ کو شیطان چھوتا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر حضرت مریم اور حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں کو شیطان کے چھونے سے محفوظ رکھا، یہ ان کی دیگر عورتوں کے مقابلے میں نمایاں خصوصیات اور فضائل ہیں۔

❁ حضرت آسیہ (فرعون کی بیوی) کا یہ اعزاز ہے کہ انہوں نے فرعون جیسے ظالم کی بیوی ہونے کے باوجود راہِ حق اختیار کیا، اور پھر اس پر ہر طرح کی آزمائش برداشت کر کے ثابت قدم رہیں، ناز ونعمت اور خوشحال زندگی کے مقابلے میں حق کی خاطر طرح طرح کی مشقتیں برداشت کیں، یہاں تک کہ بڑے اطمینان کے ساتھ شہداء کے زمرے میں داخل ہوگئیں، حضرت موسیٰ علیہ السلام کا صندوق جب فرعون کے دربار میں لایا گیا تو حضرت آسیہ نے فرعون کو رائے دی کہ اس بچے کو قتل نہ کریں بلکہ ہمیں اس کی پرورش کرنی چاہیے، اور کہا کہ: "قرة عين لي ولك" ہوسکتا ہے کہ یہ بچہ میری اور آپ کی آنکھوں کی ٹھنڈک بن جائے، فرعون نے کہا: لک، لا، لی، یہ بچہ تیری آنکھوں کی ٹھنڈک ہوگا، میری آنکھوں کی ٹھنڈک نہیں ہوگا، یہ بات حضرت آسیہ کے فہم وفراست کی دلیل ہے۔

اس تفصیل سے معلوم ہوگیا کہ مذکورہ خواتین میں سے ہر خاتون کو کچھ نہ کچھ خاص امتیاز اور خصوصیات حاصل ہیں جو دیگر عورتوں کو حاصل نہیں، لہٰذا اگر کسی حدیث میں ان میں سے کسی ایک خاتون کی کسی فضیلت کا بیان ہو تو اس سے دوسری خواتین کی فضیلت کی نفی ثابت نہیں ہوتی، بس موقع اور محل کے اعتبار سے کسی ایک خاتون کی فضیلت کو بیان کر دیا جاتا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، أَنَّهُ رَأَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ مِنْ أَكْلِ ثَوْرِ أَقِطٍ، ثُمَّ رَآهُ أَكَلَ مِنْ كَتِفِ شَاةٍ، ثُمَّ صَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پنیر کا ٹکڑا کھانے کے بعد وضو کرتے ہوئے دیکھا، پھر انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکری کا شانہ کھایا، پھر نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:** ثور: ٹکڑا، أقط: (ہمزے پر زبر اور قاف کے نیچے زیر) پنیر، کتف: (کاف پر زبر اور تا کے نیچے زیر) شانہ، کندھا۔

## آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پنیر کا ٹکڑا اور شانہ کا گوشت سالن کے طور پر کھایا

مذکورہ حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پنیر کا ٹکڑا اور بکری کا شانہ سالن کے طور پر تناول فرمایا، اسی وجہ سے امام ترمذی نے اس باب کے

(۱) تفسیر عثمانی سورہ آل عمران آیت نمبر: ۳۵، سورۃ قصص آیت نمبر: ۹، فتح الباری ۵۵۲/۶، کتاب احادیث الانبیاء، باب قول الله: و ضرب الله مثلا للذين امنوا امرأة فرعون، ۱۳۱/۷، کتاب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم، باب مناقب فاطمة، باب مناقب عائشة، تکملة فتح الملهم ۱۴۰/۵، کتاب الفضائل باب فضائل خديجة، جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۲۹/۱۔

(۲) سنن الترمذی، الطهارة، رقم الحديث: ۷۹۔

تحت اس حدیث کو ذکر کیا ہے۔

۲۔ ابتداء اسلام میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوٹوٹ جاتا تھا، بعد میں یہ حکم منسوخ ہوگیا، ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جس وقت پنیر کھانے کے بعد وضوفرمایا، یہ اس زمانے کا واقعہ ہو جس میں آگ سے پکی ہوئی چیز کھانے سے وضوٹوٹ جاتا تھا، یا یہ کہ نبی کریم ﷺ نے کسی اور وجہ سے وضوفرمایا ہو، مثلاً آپ ﷺ کا وضوکسی اور وجہ سے ٹوٹ گیا ہو یا وضو کے باوجود حصول ثواب کے لیے وضوفرمارہے ہوں، یا یہ کہ اس سے شرعی وضومرادنہیں، بلکہ اس سے وضولغوی یعنی صرف کلی کرنا مراد ہے، لیکن حضرت ابوہریرہؓ کے اندازِ کلام سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ شروع میں آگ سے پکی ہوئی چیز کے کھانے سے وضوٹوٹ جاتا تھا، اس لیے پنیر کھانے کے بعد آپ ﷺ نے وضوفرمایا، بعد میں یہ حکم ختم ہوگیا، اس لیے پھر آپ ﷺ نے بکری کا گوشت کھانے کے بعد وضونہیں فرمایا۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: أَوْلَمَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى صَفِيَّةَ بِتَمْرٍ وَسَوِيقٍ. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے حضرت صفیہ کا ولیمہ کھجور اور ستو سے فرمایا تھا۔

## حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا حضرت ہارون کی اولاد میں سے ہیں، اور بنی نضیر کے سردار حیی بن اخطب کی صاحبزادی ہیں، پہلے ان کا نکاح سلام بن مشکم نامی ایک یہودی سے ہوا، اس کے انتقال کے بعد کنانہ بن ابی الحقیق کے عقد نکاح میں آئیں، جب خیبر کا قلعہ قموص فتح ہوا تو حضرت صفیہ بھی دیگر قیدیوں کے ساتھ قید ہو کر آئیں، کنانہ کو بدعہدی کی وجہ سے غزوہ خیبر میں قتل کر دیا گیا تھا، حضرت صفیہ کی ان دونوں شوہروں سے کوئی اولاد نہیں تھی، حضرت دحیہ کلبی نے آکر حضور اکرم ﷺ سے ایک باندی طلب کی، تو آپ ﷺ نے حضرت صفیہ ان کے حوالہ کر دی، لیکن صحابہ نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ حضرت صفیہ سردار کی بیٹی ہیں، اور حسن وجمال کے اعتبار سے بھی ممتاز ہیں، اس لیے آپ ﷺ ان کو اپنے پاس رکھیں، چنانچہ حضور اکرم ﷺ نے حضرت دحیہ کو ان کے بدلے میں سات باندیاں دیں اور حضرت صفیہ کو آزاد کر کے ان سے نکاح کر لیا۔

خیبر سے واپسی پر مقام صہباء پر آپ ﷺ پہنچے تو حضرت صفیہ ایام سے پاک ہوئیں، اس مقام پر آپ ﷺ نے ان کے ساتھ شب زفاف گذاری اور تین دن وہاں قیام فرمایا، سادہ سا ولیمہ کیا، چمڑے کا دسترخوان بچھا کر کھجور، پنیر اور گھی سے بنا ہوا ''حیس'' نامی حلوا صحابہ کو کھلایا۔

ابن اسحاق نے اپنی سیرت میں نقل کیا ہے کہ حضرت صفیہ نے فتح خیبر سے قبل خواب دیکھا تھا کہ چاند میری گود میں آگیا

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۷۲/۱۔

(۲) سنن الترمذی، النکاح، رقم الحدیث: ۱۰۹۵۔

ہے، جب یہ خواب اپنے شوہر کنانہ سے یا اپنی ماں یا والد صاحب کو سنایا تو اس پر انہیں طمانچہ مارا گیا، اور یہ کہا کہ تم مدینہ کے بادشاہ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمنا کرتی ہو، اس طمانچہ کا نشان حضرت صفیہ کے چہرے پر تھا، نکاح کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نشان سے متعلق پوچھا تو انہوں نے یہ قصہ سنایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مرض الوفات میں مبتلیٰ تھے، تو تمام ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہوئیں، حضرت صفیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف دیکھ کر کہا: وَاللّٰہِ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ لَوَدِدْتُ اَنَّ الَّذِیْ بِکَ بِیْ (اے اللہ کے نبی! بخدا میں چاہتی ہوں کہ جو تکلیف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہے، یہ مجھے ہوتی) اس جملے پر باقی ازواج نے ان کی طرف گھور کر دیکھا، یہ منظر دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وَاللّٰہِ اِنَّھَا لَصَادِقَۃٌ (اللہ کی قسم: واقعی یہ سچ کہہ رہی ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مطلب یہ تھا کہ یہ جملہ انہوں نے کسی تصنع کی وجہ سے نہیں کہا بلکہ سچ کہا اور دل سے کہا ہے۔

حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ۵۰ ہجری یا ۵۲ ہجری میں حضرت معاویہؓ کے دورِ خلافت میں ہوا۔(۱)

عَنْ سَلْمَی، أَنَّ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ، وَابْنَ عَبَّاسٍ، وَابْنَ جَعْفَرٍ أَتَوْهَا فَقَالُوا لَهَا: اصْنَعِي لَنَا طَعَامًا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحْسِنُ أَكْلَهُ. فَقَالَتْ: يَا بُنَيَّ لَا تَشْتَهِيهِ الْيَوْمَ قَالَ: بَلَى اصْنَعِيهِ لَنَا. قَالَ: فَقَامَتْ فَأَخَذَتْ مِنْ شَعِيرٍ فَطَحَنَتْهُ، ثُمَّ جَعَلَتْهُ فِي قِدْرٍ، وَصَبَّتْ عَلَيْهِ شَيْئًا مِنْ زَيْتٍ وَدَقَّتِ الْفُلْفُلَ وَالتَّوَابِلَ فَقَرَّبَتْهُ إِلَيْهِمْ، فَقَالَتْ: هَذَا مِمَّا كَانَ يُعْجِبُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُحْسِنُ أَكْلَهُ.

ترجمہ: حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت حسن بن علی، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت عبداللہ بن جعفر ان کے پاس تشریف لائے، انہوں نے حضرت سلمٰی سے عرض کیا: ہمارے لیے ایسا کھانا بنا دیجیے، جو کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کھانے کو رغبت سے کھاتے تھے، سلمٰی نے کہا: میرے پیارے بچو! اب تم اس کھانے کو پسند نہیں کرو گے، انہوں نے کہا: کیوں نہیں (ضرور پسند آئے گا) آپ اس کو ہمارے لیے ضرور بنا دیجیے، فرماتے ہیں: پھر وہ اٹھیں، انہوں نے کچھ جو لیے، اور ان کو پیسا، پھر ان کو ایک ہانڈی میں ڈالا، اور اس پر ذرا سا زیتون کا تیل ڈالا، اور انہوں نے مرچ اور مسالے پیسے (اور ہانڈی میں ڈالے) اور پھر اس کھانے کو ان حضرات کے قریب کر دیا، اور فرمایا: یہ کھانا ان کھانوں میں سے ہے، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو رغبت سے کھاتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔ اصنعی لنا: ہمارے لیے بنا دیجیے، کان یعجب: اس لفظ کو دو طرح پڑھا گیا ہے: ۱۔ یہ باب افعال سے مضارع معلوم کا صیغہ ہو، یعجب کی ضمیر "ھو" طعام کی طرف لوٹ رہی ہے، اور "رسول اللہ" کا لفظ مفعول ہے: ترجمہ: وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند تھا۔ ۲۔ یہ مجرد سے باب سمع سے ہو، "رسول اللہ" اس کا فاعل ہوگا اور صلہ کی ضمیر مفعول محذوف ہوگی، ترجمہ یہ ہوگا:

(۱) سیر أعلام النبلاء ۲/۲۹۲، صفیة أم المؤمنین، رقم الترجمة: ۱۲۲، ط: بیروت، سیرة ابن ھشام ۳/۳۵۰

وہ کھانا جو رسول اللہ ﷺ کو اچھا لگتا تھا، پسند تھا، یحسن اکله: فعل میں ضمیر فاعل ہے، جو رسول اللہ ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے، اور ''اکلہ'' مفعول بہ ہے: وہ کھانا جسے کھانے کی آپ ﷺ کو رغبت ہوتی، آپ ﷺ اس کو کھانا پسند کرتے۔ یا بنی: اے میرے پیارے بچے، عبارت کے اسلوب کے لحاظ سے حضرت سلمی کو جمع کا لفظ استعمال کرنا چاہیے تھا، مگر شفقت کی وجہ سے تصغیر کا لفظ استعمال کیا، اس نداء سے فرداً فرداً ہر شخص مراد ہے، یا ان تین حضرات میں سے جو متکلم تھا، اسے خطاب کرتے ہوئے مفرد کا لفظ انہوں نے استعمال کیا ہے، لاتشتهيه: تم اس کھانے کو پسند نہیں کروگے، یہاں بھی ایک سے خطاب ہے، جو ان میں سے متکلم تھا، یا یہ کہ ان تینوں کو ایک شخص کے درجہ میں رکھا گیا، کیونکہ تینوں کا مطالبہ ایک ہی تھا، اس لیے حضرت سلمی نے مفرد کا صیغہ استعمال کیا، طحنته: حضرت سلمٰی نے جو کو پیسا، صبت عليه: اس آٹے پر ڈالا، دقت: اس نے پیسا، الفلفل: (دونوں فاء پر پیش اور پہلا لام ساکن) مرچ، التوابل: تابل کی جمع ہے: مسالے، فقربته: حضرت سلمٰی نے اس کھانے کو قریب کیا۔

## حضرت سلمٰی سے نبی کریم ﷺ کا پسندیدہ کھانا بنانے کی درخواست

ایک مرتبہ حضرت حسن بن علی، حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عبداللہ بن جعفرؓ نے نبی کریم ﷺ کی خادمہ حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا سے درخواست کی کہ آپ ہمارے لیے اسی طرح کا کھانا بنائیں، جس طرح آپ حضور ﷺ کے لیے کھانا بناتی تھیں، اور جو رسول اللہ ﷺ کو مرغوب اور پسند تھا، انہوں نے فرمایا کہ پیارے بچو وہ تو فقر و فاقہ اور تنگدستی کا زمانہ تھا، اس وقت کا کھانا اب تم کھانا پسند نہیں کروگے، انہوں نے اصرار کیا تو پھر انہوں نے اس طرح کا کھانا بنایا کہ تھوڑے سے جو پیسے، اس کا آٹا ایک ہانڈی میں ڈالا، اس آٹے پر تھوڑا سا زیتون کا تیل، اور کچھ مرچ مسالے ڈالے، اور آگ پر پکا کر ان کے سامنے پیش کر دیا، اور فرمایا کہ یہ کھانا ان کھانوں میں سے ہے، جو رسول اللہ ﷺ کو پسند تھا اور آپ ﷺ اسے رغبت سے تناول فرمایا کرتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ انسان پر تنگدستی کے بعد خوشحالی آجائے، معاشی تنگی کے بعد وسعت و کشادگی ہو جائے تو عمدہ اور لذیذ کھانے میں کوئی حرج نہیں، تاکہ اس سے انسان کی صحت درست رہے، اور اللہ جل شانہ کی خوب عبادت اور دین کی خدمت کی جاسکے۔(۱)

## حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا

حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا حضرت ابورافع رضی اللہ عنہ کی بیوی اور نبی کریم ﷺ کی آزاد کردہ ہیں، حضرت ابراہیم بن محمد ﷺ کی پیدائش کے وقت حضرت سلمٰی ان کی خدمتگار اور دایہ تھیں، نبی کریم ﷺ کا کھانا پکایا کرتیں اور شب و روز خدمت

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۷۴۔

کرتی تھیں، ان کو صفیہ بنت عبدالمطلب کی آزادہ کردہ بھی کہا جاتا ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلمٰی رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر حضرت ابو رافعؓ کی شکایت کی کہ انہوں نے مجھے بہت مارا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابو رافعؓ سے پوچھا تو انہوں نے وجہ بتائی کہ سلمٰی رضی اللہ عنہا مجھے ایذاء پہنچاتی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سلمٰیؓ سے پوچھا تو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں انہیں کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی، یہ بغیر وضو کے نماز پڑھ رہے تھے، میں نے ان کو بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا ہے کہ ہوا نکلنے سے وضو ٹوٹ جاتا ہے، اس پر انہوں نے مجھے مارنا شروع کر دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرانے لگے اور حضرت ابو رافعؓ سے فرمایا کہ: یَا أَبَا رَافِعٍ، لَمْ تَأْمُرْكَ إِلَّا بِخَيْرٍ ابو رافع! سلمٰی تمہیں اچھی بات ہی کہہ رہی تھیں۔(۱)

**عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: أَتَانَا النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَنْزِلِنَا فَذَبَحْنَا لَهُ شَاةً، فَقَالَ: كَأَنَّهُمْ عَلِمُوا أَنَّا نُحِبُّ اللَّحْمَ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.**

حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر تشریف لائے، تو ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکری ذبح کی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے (ان کے دل کو خوش کرنے کے لیے) فرمایا: گویا کہ ان کو معلوم ہے کہ ہم گوشت کو پسند کرتے ہیں، اور حدیث میں ایک واقعہ ہے۔

## غزوۂ خندق کے موقع پر حضرت جابر کی طرف سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت

امام ترمذی رحمہ اللہ نے شمائل میں مذکورہ حدیث مختصراً ذکر کی ہے، صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں اس کا تفصیلی واقعہ ہے، اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک معجزے کا بھی ظہور ہوا ہے، چنانچہ کتب حدیث میں غزوہ خندق کے بیان میں یہ واقعہ منقول ہے۔

اس واقعہ کا حاصل یہ ہے کہ حضرت جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ غزوہ خندق کے موقع پر میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پر بھوک کا شدید اثر محسوس کیا، گھر میں جا کر پوچھا کہ کھانے کا کچھ ہے؟ اہلیہ نے بتایا کہ ایک بکری کا بچہ ہے اور تھیلے میں تھوڑے سے جو ہیں، میں نے بکری کے بچے کو ذبح کیا، اور بیوی نے جو پیس کر آٹا گوندھا، گوشت ہانڈی میں پکنے کے لیے آگ پر رکھ کر میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے چپکے سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! تھوڑا سا کھانا موجود ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور کچھ دوست تشریف لے چلیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر خوش ہو گئے اور تمام اہل خندق کو جو تقریباً ایک ہزار آدمی تھے، اعلان فرما دیا کہ جابر کے ہاں سب کی دعوت ہے، لہذا سب چلو، اور مجھ سے ارشاد فرمایا کہ جب تک میں گھر میں نہ پہنچ جاؤں، ہانڈی کو چولہے سے مت اتارنا اور نہ ہی روٹی پکانا، چنانچہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت جابر کے گھر تشریف لے گئے تو آٹے اور دیگچی پر دم کیا، جس کی وجہ سے اتنی برکت ہوئی کہ اس دیگچی سے برابر سالن نکلتا رہا اور آٹے سے برابر روٹیاں پکتی رہیں، حضرت جابر فرماتے ہیں: خدا کی قسم! ایک ہزار آدمی

(۱) الاصابة في تمييز الصحابة ۸/۱۸۷، كتاب النساء، حرف السين، رقم الترجمة: (۱۱۳۳۱)۔

کھانے سے فارغ ہو گئے اور سالن دیگچی میں جوں کا توں جوش مارتا رہا، اور آٹا بھی بچ گیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت جابر کی بیوی سے مخاطب ہو کر فرمایا: كُلِي هٰذِهٖ وَأَهْدِيْ فَإِنَّ النَّاسَ أَصَابَتْهُمُ الْمَجَاعَةُ یہ کھانا تم خود بھی کھاؤ اور پڑوس مین بھی لوگوں کو ہدیہ بھیج دو، کیونکہ لوگوں کو بھوک لاحق ہے۔(۱)

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معجزہ ثابت ہوتا ہے کہ تھوڑا سا کھانا ایک ہزار سے زیادہ بندوں کے لیے کافی ہو گیا، اس طرح کھانا زیادہ ہونے کے معجزات بے شمار دفعہ پیش آئے ہیں۔

- اپنے استاذ اور رہنما کی دعوت کرنا مسنون ہے۔
- اگر ممکن ہو سکے تو میزبان کو اس طرح کا کھانا بنانا چاہیے جو مہمان کو پسند ہو۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ جو فرمایا کہ جابر اور اس کے اہل خانہ کو گویا معلوم تھا کہ ہم گوشت کو پسند کرتے ہیں، اس کا یہ مطلب نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گوشت کو ہر چیز سے زیادہ پسند کرتے تھے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ حضرت جابر اور ان کے اہل خانہ کی طیب خاطر اور ان کو خوش کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے۔(۲)

اتانا النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی منزلنا، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بظاہر دعوت کا یہ واقعہ غزوہ خندق کا ہے، جیسا کہ صحیحین میں تفصیل سے منقول ہے، مگر اس پر شمائل کی اس حدیث کے لحاظ سے اشکال یہ ہوتا ہے کہ اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد بکری کو ذبح کیا گیا ہے، جبکہ بخاری کی روایت میں ہے کہ انہوں نے بکری کو پہلے ذبح کیا اور پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے کے لیے گھر پر بلایا، بظاہر ان دونوں باتوں میں تعارض ہے؟

اس کے چار جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ ملا علی قاری نے ایک تاویل یہ کی ہے کہ شمائل کی اس حدیث میں اتانا سے أراد أن یأتینا مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنے کا ارادہ کیا تو ہم نے مہمانی کے لیے بکری ذبح کی۔

۲۔ یا یہ کہ حضرت جابر نے ایک بکری تو پہلے ذبح کی تھی، اور دوسری بکری کو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد ذبح کیا۔

۳۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کسی ضرورت کے لیے پہلے حضرت جابر کے گھر تشریف لے گئے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس آ گئے، اس کے بعد حضرت جابر پھر اپنے گھر لوٹ گئے اور کھانے کا اہتمام کیا۔

۴۔ مناوی فرماتے ہیں کہ شمائل کی اس حدیث میں غزوۂ خندق کے علاوہ کسی اور دعوت کا ذکر ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کے بعد بکری کو ذبح کیا گیا ہے، جبکہ خندق کے واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے سے پہلے حضرت جابرؓ نے بکری کو ذبح کر دیا

---

(۱) الصحیح للبخاری کتاب المغازی، باب غزوة الخندق، رقم الحدیث: ۴۱۰۲۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۷۴/۱، المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۲۹۹)

تھا، اس لیے یہ دو الگ الگ واقعات ہیں۔

ان توجیہات کو سامنے رکھا جائے تو پھر یہ تعارض ختم ہو جاتا ہے۔(۱)

**عَنْ جَابِرٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا مَعَهُ فَدَخَلَ عَلَى امْرَأَةٍ مِنَ الأَنْصَارِ، فَذَبَحَتْ لَهُ شَاةً فَأَكَلَ مِنْهَا، وَأَتَتْهُ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ، فَأَكَلَ مِنْهُ، ثُمَّ تَوَضَّأَ لِلظُّهْرِ وَصَلَّى، ثُمَّ انْصَرَفَ، فَأَتَتْهُ بِعُلَالَةٍ مِنْ عُلَالَةِ الشَّاةِ، فَأَكَلَ ثُمَّ صَلَّى الْعَصْرَ وَلَمْ يَتَوَضَّأْ.(۲)**

ترجمہ: حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (گھر سے) نکلے، میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھا، ایک انصاری عورت کے مکان پر تشریف لے گئے، اس خاتون نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکری ذبح کی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کچھ تناول فرمایا، پھر وہ خاتون تازہ کھجوروں کی ایک ٹرے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے بھی کچھ تناول فرمایا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کے لیے وضو کیا اور نماز ادا کی، پھر (نماز کے بعد) آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے، تو اس خاتون نے بکری کا باقی ماندہ گوشت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عصر کی نماز پڑھی اور وضو نہیں کیا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** قناع: (قاف کے نیچے زیر) بڑی پلیٹ، ٹرے اور طباق جس پر کھانا ڈال کر کھایا جاتا ہے، اور یہ اس زمانے میں کھجور کے پتوں سے بنائی جاتی تھی، رطب: (را پر پیش، طا پر زبر) تازہ پختہ کھجور، العلالة: (عین پر پیش) ہر چیز کا بقیہ حصہ، وہ چیز جس سے دل بہلایا جائے، اتته بعلالة: وہ خاتون نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کا باقی ماندہ گوشت لائیں۔

## ایک انصاری خاتون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے بکری ذبح کی

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس انصاری خاتون کا نام عمرہ بنت حزام یا حزم ہے۔(۳)

۲۔ انصاری خاتون نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ضیافت کے لیے بکری کو کسی اور سے یا خود ہی ذبح کیا، اس سے معلوم ہوا کہ عورت بھی جانور ذبح کر سکتی ہے، جبکہ وہ ذبح کو درست طریقے سے کرنے پر قادر ہو۔

۳۔ آگ پر پکی ہوئی چیز کھانے کے بعد وضو کرنا ضروری نہیں ہے، یہاں ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہ ہو، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ظہر کی نماز کے لیے وضو کیا۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۷۵/۱

(۲) سنن الترمذی، الطهارة، رقم الحدیث: ۸۰۔

(۳) الاصابة فی تمییز الصاحبة، کتاب النساء ۲۴۴/۸، حرف العین، رقم الترجمة: ۱۱۵۰۰

۴۔ ظہر کی نماز کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے باقی ماندہ بکری کا گوشت تناول فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ ایک دن میں دو مرتبہ گوشت کھایا جا سکتا ہے، اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: مَا شَبِعَ مِنْ لَحْمٍ فِيْ يَوْمٍ مَرَّتَيْنِ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن میں دو مرتبہ پیٹ بھر کر کھانا نہیں کھایا) جبکہ مذکورہ حدیث سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دن میں دو مرتبہ گوشت تناول فرمایا ہے؟ اس اشکال کے تین جواب دیئے گئے ہیں:

- حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے علم کے لحاظ سے یہ بات کی ہے، علی الاطلاق نہیں فرمایا۔
- حضرت عائشہؓ کے ارشاد کا مقصد یہ ہے کہ عموماً ایسا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دن میں دو مرتبہ گوشت نہیں کھایا، لیکن کبھی کھایا بھی ہے۔
- حضرت عائشہؓ نے "شبع"، یعنی سیراب ہونے کی نفی کی ہے، کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سیراب ہو کر دن میں دو مرتبہ گوشت نہیں کھایا، لہذا ایسا ہو سکتا ہے کہ دن میں دو مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے گوشت کھایا ہو مگر سیر ہو کر نہ کھایا ہو، اس لیے شمائل کی مذکورہ حدیث اور حضرت عائشہ کی روایت میں تعارض نہیں ہے۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے بعض صحابہؓ کے ساتھ اس انصاری خاتون کے ہاں تشریف لے گئے، پردے میں رہ کر یہ کھانا وہاں کھایا گیا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لے آئے، اس سے معلوم ہوا کہ دعوت وغیرہ ہر قسم کی تقریبات میں ایک مسلمان کو غیر محرم خواتین کے ساتھ اختلاط سے بچنا چاہیے۔(۱)

عَنْ أُمِّ الْمُنْذِرِ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَهُ عَلِيٌّ، وَلَنَا دَوَالٍ مُعَلَّقَةٌ، قَالَتْ: فَجَعَلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ وَعَلِيٌّ مَعَهُ يَأْكُلُ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: مَهْ يَا عَلِيُّ، فَإِنَّكَ نَاقِهٌ، قَالَتْ: فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ، قَالَتْ: فَجَعَلْتُ لَهُمْ سِلْقًا وَشَعِيرًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ: مِنْ هَذَا فَأَصِبْ فَإِنَّ هَذَا أَوْفَقُ لَكَ.(۲)

ترجمہ: حضرت ام منذر کہتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے، اور حضرت علیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، ہمارے پاس کچی کھجور کے خوشے لٹکے ہوئے تھے، فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں سے کھجور کھانی شروع فرمادی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت علیؓ بھی کھانے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: علیؓ! تم رک جاؤ (یعنی کھجور مت کھاؤ) کیونکہ تم (بیماری سے ابھی ابھی صحت یاب ہوئے ہو، اس لیے) کمزور ہو، فرماتی ہیں کہ حضرت علیؓ بیٹھ گئے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرماتے رہے، ام منذر کہتی ہیں کہ پھر میں نے ان کے لیے چقندر اور جو بنائے، تو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ سے فرمایا: تم اس میں سے لے لو (یعنی کھاؤ) کیونکہ یہ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۷۶/۱، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۳۰۰)

(۲) سنن أبي داؤد، الطب، رقم الحديث: ۳۸۵۵۔

تمہارے لیے زیادہ موافق ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔ دوال:** دالیۃ کی جمع ہے، کچی کھجور کے خوشے، جنہیں پکانے کے لیے گھر میں لٹکا دیا جائے، **معلقۃ:** لٹکائے ہوئے، **مہ:** (میم پر زبر اور ہا ساکن) اسم فعل ہے، اس کے معنی ہیں: رک جاؤ، **ناقہ:** یہ باب سمع سے اسم فاعل کا صیغہ ہے: وہ ضعف اور کمزوری جو بیماری سے صحت یاب ہونے کے بعد ہوتی ہے یعنی تم کمزور ہو، **سلقا:** (سین کے نیچے زیر اور لام ساکن) چقندر، ایک قسم کی سبزی جس کے پتے لمبے اور جڑ گہری ہوتی ہے، اسے پکا کر کھایا جاتا ہے، اس سے جوس بھی بنتا ہے، اور سلاد کے طور پر بھی اسے کھایا جاتا ہے، **فأصب:** (ہمزے پر زبر اور صاد کے نیچے زیر کے ساتھ) اصابۃ سے صیغہ امر ہے: تم لے لو، **أوفق:** (صیغہ اسم تفضیل) زیادہ موافق، زیادہ مناسب۔

## حضرت ام المنذر رضی اللہ عنہا

حضرت ام المنذر کا نام: سلمیٰ بنت قیس انصاریہ نجاریہ ہے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد کی طرف سے خالہ ہیں، انہوں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھ پر بیعت کی، بیت المقدس اور بیت اللہ دونوں کی طرف رخ کر کے انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، بیعت کے موقع پر دیگر خواتین کے ساتھ ان کو بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ”اپنے شوہر کے ساتھ دھوکہ نہ کرنا“ اس کا مطلب انہوں نے پوچھا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تم شوہر کا مال اس کی اجازت کے بغیر لے کر کسی اور کو ہدیہ کر دو تو یہ شوہر کے ساتھ غش اور دھوکہ ہے، اس سے خاص طور پر اجتناب کرنا۔(۱)

## بیماری میں مضر اشیاء سے پرہیز کرنے کا حکم

اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ جب کوئی شخص بیمار ہو یا بیماری سے صحت کے بعد طبیعت میں نقاہت اور کمزوری ہو تو اسے ایسی تمام اشیاء سے پرہیز کرنا چاہیے، جو اس کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہیں، پرہیز نہ کرنا خلاف سنت عمل ہے، لہذا اسے ایسی چیز کھانی چاہیے، جو صحت کے لیے فائدہ مند ہو، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ حدیث میں حضرت علیؓ کو نیم پختہ کھجور کھانے سے اس لیے منع کیا تھا کہ یہ ذرا ثقیل اور طاقتور ہوتی ہے، کمزور معدہ اسے آسانی سے ہضم نہیں کر پاتا، اور حضرت علیؓ ابھی ابھی بیماری سے شفایاب ہوئے تھے، ان کی طبیعت میں ابھی کافی ضعف اور کمزوری تھی، اس بات کا خطرہ تھا کہ اگر انہوں نے یہ کھجوریں کھالیں تو کہیں دوبارہ بیمار نہ ہو جائیں، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے منع فرما دیا، کیونکہ اصل چیز پرہیز ہے، پرہیز کے بغیر انسان کسی بیماری سے نجات نہیں پا سکتا، چنانچہ عرب کا ایک مشہور طبیب حارث بن کلدہ کا یہ جملہ مشہور ہے: اَلْحِمْيَةُ رَأْسُ الدَّوَاءِ، وَالْمِعْدَةُ بَيْتُ الدَّاءِ، وَعَوِّدُوْا كُلَّ جَسَدٍ مَا اعْتَادَ (پرہیز اصل دوا ہے، معدہ بیماری کا گھر اور مرکز ہے، لہذا ہر جسم کو اس چیز کا ہی عادی بناؤ جس کا وہ

---

(۱) الاصابۃ ۲۵۳۹/۴، رقم الترجمۃ: ۱۱۳۱۵، ط: بیروت۔

عادی ہو یعنی جو اس کے لیے مناسب اور موافق ہو) اور جب ام منذر نے چقندر اور جو تیار کر دیے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں کھانے کا حکم دیا کہ یہ چیز تم کھالو، یہ خفیف اور ہلکی غذا ہے، یہ تمہارے لیے زیادہ موزوں اور مناسب ہے۔

بیماری میں پرہیز کا ثبوت قرآن مجید کی اس آیت: وان کنتم مرضی او علی سفر... سے بھی ہوتا ہے، کہ اگر تم بیمار ہو یا مسافر ہو، بیماری میں پانی کا استعمال نقصان دہ ہو یا سفر میں مثلاً پانی میسر نہ ہو تو تیمم کیا جا سکتا ہے، اسلام نے یہ آسانی اس لیے دی ہے، تاکہ انسان اپنی صحت کا خیال رکھے اور ہر ایسی چیز سے پرہیز کرے، جو صحت کے لیے نقصان دہ ہو سکتی ہے۔(۱)

البتہ بیماری کے دوران اگر مریض کھانے پینے کی کسی ایسی چیز کا مطالبہ کر دے، جو اس کے لیے اس وقت درست نہیں، تو بھی اس کا مطالبہ پورا کرنا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک دفعہ ایک مریض کی عیادت کے لیے تشریف لے گئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ تم کیا چاہتے ہو؟ اس نے عرض کیا: گندم کی روٹی کھانا چاہتا ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اس کا مطالبہ پورا کرو، جب مریض کوئی چیز مانگے تو اسے کھلا دیا کرو، طبی لحاظ سے بھی اس وقت مریض کا مطالبہ پورا کرنا مفید ہوتا ہے، زیادہ نہیں تو اسے تھوڑی سی وہ چیز کھلا دی جائے، جس کا وہ مطالبہ کر رہا ہے۔

فَجَلَسَ عَلِيٌّ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ، حضرت علی بیٹھ گئے، تازہ کھجور نہیں کھائی، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو کر ہی اس گچھے سے رطب کھجور تناول فرمانے لگے، اس سے معلوم ہوا کہ کھڑے ہو کر کھانا بھی جائز ہے اگرچہ افضل اور مسنون طریقہ بیٹھ کر کھانا ہی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہی تھا۔

فجعلت لهم سلقا و شعیرا، اس میں "ھم" سے کون مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۞ "ھم" ضمیر سے ما فوق الواحد مراد ہے، یعنی ایک سے زیادہ، معنی یہ ہیں: میں نے ان مہمانوں کے لیے چقندر اور جو بنائے، اس صورت میں "ھم" ضمیر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت علی مراد ہیں۔

۞ بعض کہتے ہیں کہ ان دو حضرات کے ساتھ کوئی تیسرا شخص بھی تھا، اس لیے "ھم" ضمیر استعمال کی گئی ہے، تاہم اس ضمیر سے مراد حضرت علیؓ ہی ہیں کیونکہ وہی بیمار تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں رطب کھانے سے منع کیا تھا۔

بعض نسخوں میں "لہ" ضمیر مفرد ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی اصل اور متبوع ہیں، اگرچہ یہ کھانا، حضرت علی کے لیے تیار کیا گیا تھا۔(۲)

اس حدیث میں آپ نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علیؓ کو کمزوری کی وجہ سے رطب کھجور کھانے سے منع فرمایا، اور بعد میں انہیں چقندر اور جو کے آٹے کا ایک ملیدہ تیار کر کے کھانے کو دیا گیا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی چیز کے لیے اسباب اختیار کرنا توکل کے منافی نہیں، بعض لوگ اسے توکل کے خلاف سمجھتے ہیں، اور جب انہیں بیماری میں پرہیز کا کہا جاتا ہے تو

---

(۱) بذل المجهود ۱۶/۱۰۰، کتاب الطب، باب فی الحمیة، رقم الحدیث: ۳۸۵۶

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۷۸، المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۲۰۲)

کہتے ہیں کہ کچھ نہیں ہوتا، اللہ مالک ہے، اس میں کوئی شک نہیں کہ اللہ جل شانہ ہی ہر چیز کے خالق و مالک ہیں، مگر اسی اللہ نے اسباب اختیار کرنے اور بیماری میں پرہیز کرنے کا حکم دیا ہے، اس لیے لوگوں کی یہ بات درست نہیں۔

عَنْ عَائِشَةَ، أُمِّ الْمُؤْمِنِينَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِينِي فَيَقُولُ: أَعِنْدَكِ غَدَاءٌ؟ فَأَقُولُ: لاَ. قَالَتْ: فَيَقُولُ: إِنِّي صَائِمٌ. قَالَتْ: فَأَتَانِي يَوْمًا، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّهُ أُهْدِيَتْ لَنَا هَدِيَّةٌ قَالَ: وَمَا هِيَ؟ قُلْتُ: حَيْسٌ قَالَ: أَمَا إِنِّي أَصْبَحْتُ صَائِمًا، قَالَتْ: ثُمَّ أَكَلَ۔

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (کبھی صبح کے وقت) میرے پاس تشریف لاتے تو دریافت فرماتے: کیا تمہارے پاس کچھ کھانا ہے؟ میں عرض کرتی کہ: نہیں، تو آپ ﷺ فرماتے: پھر تو میں روزے کا ارادہ کر لیتا ہوں، فرماتی ہیں: ایک دن نبی کریم ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ: ہمارے لیے کچھ ہدیہ آیا ہے، نبی کریم ﷺ نے دریافت فرمایا کہ کیا چیز ہے؟ میں نے عرض کیا: حیس کھانا آیا ہے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں نے صبح سے روزے کا ارادہ کر رکھا تھا، فرماتی ہیں: پھر نبی کریم ﷺ نے (روزہ توڑ کر) اس میں سے کھایا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** غداء: ناشتہ، دوپہر کا کھانا، کھانا، اهديت: (صیغہ مجہول) ہدیہ دیا گیا، حیس: (حاء پر زبر اور یا ساکن) وہ کھانا جو کھجور، گھی اور پنیر سے تیار کیا جاتا ہے، اور کبھی پنیر کی جگہ آٹا یا روٹی کے ذرے اس میں شامل کیے جاتے ہیں، ایک عربی شاعر کہتا ہے: وَإِذَا تَكُونُ كَرِيهَةٌ أُدْعَى لَهَا، وَإِذَا يُحَاسُ الْحَيْسُ يُدْعَى جُنْدُبُ (یعنی جب مصیبت اور لڑائی کا وقت آتا ہے تو مجھے بلایا جاتا ہے، اور جب حیس تیار کیا جائے تو اس کے لیے جندب کو بلایا جاتا ہے) یہ اس شخص کے بارے میں ضرب المثل ہے، جسے مصیبت میں یاد اور خوشحالی میں فراموش کر دیا جاتا ہے۔

## نفلی روزے کی نیت رات سے کرنا ضروری نہیں

اس حدیث کی روشنی میں چند مسائل ثابت ہوتے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۞ بہتر یہی ہے کہ نفلی روزے کی نیت رات سے کی جائے، اور صبح کے وقت بھی آدھے دن سے پہلے تک نیت کی جا سکتی ہے بشرطیکہ اس سے پہلے کوئی عمل روزے کے منافی نہ کیا ہو، چنانچہ مذکورہ حدیث میں حضرت عائشہؓ نے صبح کے وقت جب آپ ﷺ کو بتایا کہ کھانے کا کچھ نہیں تو پھر آپ ﷺ نے اس وقت نفلی روزے کی نیت کر لی۔

یہ حنفیہ اور شافعیہ کا مذہب ہے، جبکہ امام مالک کا موقف یہ ہے کہ نفل روزے کی نیت بھی رات سے کرنا ضروری ہے، اختلاف سے بچنے کے لیے بہتر یہی ہے کہ نفلی روزے کی بھی رات سے ہی نیت کی جائے، البتہ اگر کسی وجہ سے رات سے نیت نہ کی ہو تو اس حدیث کی رو سے دوپہر سے پہلے بھی نیت کی جا سکتی ہے۔

۞ نفل روزہ یا نفلی نماز شروع کرنے کے بعد اسے پورا کرنا ضروری ہو جاتا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَا تُبْطِلُوْا اَعْمَالَكُمْ، اپنے اعمال کو باطل مت کرو، لہٰذا شرعی عذر کے بغیر اسے توڑنا جائز نہیں، لیکن اس حدیث کے دوسرے جزء سے چونکہ نفلی روزے کا توڑنا معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حیس کھانا تناول فرما کر نفلی روزے کو توڑ دیا، اس لیے دونوں باتوں پر یوں عمل کیا جائے گا کہ نفل روزہ رکھنے کے بعد اگر کوئی ضرورت اور مجبوری درپیش ہو تو اس حدیث کی رو سے روزے کو توڑنے کی گنجائش ہے، اور ضرورت کے بغیر توڑنا جائز نہیں۔

۞ اگر کسی وجہ سے نفلی روزہ توڑ دیا جائے تو احناف کے نزدیک بعد میں کسی وقت اس کی قضا کرنا ضروری ہے، چنانچہ ترمذی میں حضرت عائشہؓ کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے نفلی روزہ توڑ کر کھانا کھا لیا تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو فرمایا: اِقْضِيَا يَوْمًا آخَرَ مَكَانَهُ (تم دونوں اس روزے کی جگہ ایک دن کی قضا کر لینا) اس سے معلوم ہوا کہ نفل روزہ توڑ دیا جائے تو بعد میں اس کی قضاء واجب ہوتی ہے۔

اَمَا اِنِّي اَصْبَحْتُ صَائِمًا (میں نے روزہ رکھنے کا ارادہ کر رکھا تھا) بعض علماء نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے روزہ رکھنے کا پختہ ارادہ نہیں کیا تھا، البتہ صرف ارادہ تھا کہ میں آج روزہ رکھ لوں گا۔(۱)

عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخَذَ كِسْرَةً مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ فَوَضَعَ عَلَيْهَا تَمْرَةً وَقَالَ: هٰذِهِ إِدَامُ هٰذِهِ وَأَكَلَ.(۲)

ترجمہ: حضرت یوسف بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ میں نے (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی کا ایک ٹکڑا لیا، اس پر ایک کھجور رکھی اور پھر فرمایا: یہ کھجور اس ٹکڑے کا سالن ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے تناول فرما لیا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** **کسرة:** (کاف کے نیچے زیر اور سین ساکن) ٹکڑا، **وضع علیھا:** اس ٹکڑے پر رکھا، **ھذہ ادام ھذہ:** أی ھذہ التمرۃ ادام ھذہ الکسرۃ، یہ کھجور اس ٹکڑے کا سالن ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کو سالن کے طور پر بھی استعمال فرمایا

اس حدیث سے متعلق تین باتیں پیش نظر رہیں:

۱۔ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھجور کے علاوہ اور کوئی سالن کی چیز اس وقت موجود نہیں تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھجور کو ہی جو کی روٹی کے ساتھ سالن کے طور پر تناول فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت کے وقت ایسی چیز سے بھی روٹی کھائی

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۸۰، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۳۰۴)

(۲) سنن ابی داؤد، الأیمان والنذور، رقم الحدیث:۳۲۵۹۔

جاسکتی ہے، جو چیز سالن کے طور پر متعارف نہ ہو، نیز اس سے یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ دنیا کی زندگی میں کھانے پینے کو مقصد حیات قرار نہ دیا جائے، بھوک کے وقت کھانے کی جو چیز جس طرح بھی دستیاب ہو جائے، اسے کھا لینا چاہیے، اس سے اعراض کرنا یا اس پر نقطہ چینی کرنا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ نہیں ہے۔

۲۔ فقہاء کرام نے اس حدیث کی روشنی میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص یہ قسم کھالے کہ میں ادام یعنی سالن نہیں کھاؤں گا، پھر وہ کھجور یا ایسی چیز سے روٹی کھالے، جو عرف میں سالن نہ ہو، تو اس سے احناف کے نزدیک اس کی قسم نہیں ٹوٹے گی، وہ حانث نہیں ہوگا، جبکہ امام شافعی رحمہ اللہ اس حدیث سے استدلال کر کے یہ فرماتے ہیں کہ یہ بندہ حانث ہو جائے گا، حنفیہ یہ کہتے ہیں کہ حدیث میں "کھجور" کو مجازاً سالن کہا گیا ہے، چونکہ کھجور حقیقت میں عرف عام میں سالن شمار نہیں ہوتی، اس لیے وہ حانث نہیں ہوگا، لہٰذا قسم کے بعد وہ شخص ایسی چیز کھانے سے حانث ہوگا، جسے عرف عام میں سالن شمار کیا جاتا ہے۔(۱)

۳۔ علامہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کی روٹی کے ساتھ کھجور کو تناول فرمایا، جو کی تاثیر ٹھنڈی جبکہ کھجور کا اثر گرم ہوتا ہے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم غذائی اشیاء میں ان کی تاثیر کا لحاظ کیا کرتے تھے، دو ایسی چیزوں کو ملا کر نہ کھاتے جو دونوں ہی تاثیر میں گرم یا ٹھنڈی ہوتیں، یا دونوں ہی قبض کرنے والی یا پیٹ کو جاری کرنے والی ہوتیں، آج ہمارے معاشرے میں طرح طرح کی جان لیوا بیماریاں وبا کی طرح پھیلی ہوئی ہیں، اس کی ایک سب سے بڑی وجہ کھانے میں بے احتیاطی ہے، ہر طرح کی غذاء کو ہر وقت بڑے شوق سے کھا لیا جاتا ہے، یہ نہیں دیکھا جاتا کہ اس غذاء کی تاثیر کیا ہے، اس سے خون میں مزید حدت اور حرارت پیدا ہوتی ہے یا حد سے زیادہ اس میں ٹھنڈک کے اثرات ہیں، اسی وجہ سے آج بلڈ پریشر اور شوگر کی بیماریاں بہت عام ہوگئی ہیں، اپنی صحت کو درست رکھنا، اس کو مضر اشیاء سے بچا کر رکھنے کا ہمیں حکم دیا گیا ہے، اس لیے غذائی اشیاء میں ہر قدم پر احتیاط کی جائے تاکہ حتی الامکان بیماری سے حفاظت اور امن رہے۔(۲)

## حضرت یوسف بن عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہم

اس حدیث کے راوی حضرت یوسف نے بچپن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، اس لیے امام بخاری فرماتے ہیں کہ یہ صحابی ہیں، اور یہی قول صحیح ہے، پیدائش کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ان کو لایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اپنی گود میں بٹھایا اور ان کا نام یوسف رکھا، ان کے سر پر ہاتھ پھیرا، یہ حضرت عبداللہ بن سلام کے بیٹے ہیں، حضرت یوسف بن یعقوب کے سلسلہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۸۱/۱۔ بذل المجهود ۸۷/۱۶، کتاب الأطعمة، باب فی التمر، رقم الحدیث: ۳۸۳۰۔

(۲) زاد المعاد ۲۲۳/۴، فصل فی هدیه صلی الله علیه وسلم فی حفظ الصحة، ۲۸۸/۴، فصل فی ذکر شیء من الادویة والاغذیة، المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص:۳۰۵)

نسب میں سے ہیں۔

کہا جاتا ہے کہ انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے صرف تین احادیث روایت کی ہیں، خلیفہ بن خیاط کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کے زمانہ خلافت میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُعْجِبُهُ الثُّفْلُ قَالَ عَبْدُ اللهِ: يَعْنِي مَا بَقِيَ مِنَ الطَّعَامِ.

حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہانڈی، پلیٹ اور پیالہ کا بچا ہوا کھانا پسند تھا۔

امام ترمذی کے شیخ عبداللہ بن عبدالرحمن فرماتے ہیں کہ ثفل سے مراد ہے: ما بقی من الطعام یعنی کھانے سے بچی ہوئی چیز، باقی ماندہ۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہانڈی اور پلیٹ میں بچا ہوا کھانا پسند تھا

ثفل: (ثاء پر پیش اور فا ساکن) تلچھٹ، پھوک، یہاں حدیث میں اس لفظ سے ہانڈی، پلیٹ اور پیالہ میں بچا ہوا کھانا مراد ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بہت پسند تھا، صاحب نہایہ کے نزدیک ثفل سے ثرید مراد ہے، مگر اکثر حضرات نے اس حدیث میں پہلے معنی کو ترجیح دی ہے، اس حدیث سے دو فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور انکساری ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہانڈی اور پلیٹ میں جو کھانا بچ جاتا، اسے بڑے شوق سے تناول فرمالیا کرتے۔(۲)
- اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ کھانے کے برتن کو اچھی طرح صاف کرنا چاہیے، تھوڑا سا اس میں بچا دینا ہمارے معاشرے کی ایک قبیح رسم ہے، اسے ترک کرنا چاہیے، یہ طریقہ سراسر سنت کے خلاف ہے، یہ بچا ہوا کھانا عموماً پھر کوئی بھی نہیں کھاتا، یوں وہ ضائع ہو جاتا ہے، اس طرح کرنے میں اللہ جل شانہ کی بہت سی نعمتوں کا ضیاع ہو جاتا ہے، اس لیے سنت کے مطابق اس برتن کو اچھی طرح صاف کرنا چاہیے، یہی طریقہ ایک مسلمان کے لیے باعث برکت اور نجات کا ذریعہ ہے، اللہ تعالیٰ اس پر ہم سب کو عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔آمین۔

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ وُضُوءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ الطَّعَامِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں کھانے کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وضو کا ذکر ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنَ الْخَلَاءِ فَقُرِّبَ إِلَيْهِ الطَّعَامُ فَقَالُوا: أَلَا نَأْتِيكَ

---

(۱) الاصابة ۵۴۳/۶، الياء بعدها الواو، رقم الترجمة: ۹۳۹۶، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۸۰/۱

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۸۱/۱، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۳۰۶)

بِوَضُوءٍ؟ قَالَ: إِنَّمَا أُمِرْتُ بِالْوُضُوءِ إِذَا قُمْتُ إِلَى الصَّلَاةِ.(۱)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیت الخلاء سے نکلے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانا پیش کیا گیا، تو بعض صحابہؓ نے عرض کیا: کیا ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے وضو کا پانی نہ لائیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے تو وضو کرنے کا حکم (وجوبی طور پر) اس وقت دیا گیا ہے جب میں نماز (پڑھنے) کے لیے کھڑے ہونے کا ارادہ کروں۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ الْغَائِطِ فَأُتِيَ بِطَعَامٍ، فَقِيلَ لَهُ: أَلَا تَتَوَضَّأُ؟ فَقَالَ: أَأُصَلِّي فَأَتَوَضَّأُ.(۲)

حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قضاء حاجت کی جگہ سے تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وضو نہیں کریں گے؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا (اس وقت) میں نے نماز پڑھنی ہے کہ میں وضو کروں؟

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ الا نأتیک بوضوء: اس میں ''وَضوء'' واؤ پر زبر کے ساتھ ہے جس کے معنیٰ ہیں: وضو کا پانی، الوضوء: (واؤ پر پیش کے ساتھ) اس سے شرعی وضو مراد ہے جو نماز سے پہلے کیا جاتا ہے، الغائط: اس کے اصل معنیٰ ''نشیبی جگہ'' کے ہیں، جہاں جا کر انسان چھپ کر قضاء حاجت کرتا ہے، پھر یہ لفظ قضاء حاجت کی جگہ اور قضاء حاجت کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا، یہاں حدیث میں اس سے ''قضاء حاجت کی جگہ'' کے معنیٰ مراد ہیں، اصلی فأتوضأ: اس میں ہمزہ استفہام محذوف ہے: کیا میں نے اس وقت نماز پڑھنی ہے کہ میں وضو کروں، کیونکہ وضو تو نماز کے لیے ضروری ہوتا ہے، کھانے کے لیے نہیں۔

## کھانے سے پہلے وضو کرنا یا ہاتھ منہ دھونا ضروری نہیں

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ قضاء حاجت سے فارغ ہو کر تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کھانا پیش کیا گیا، بعض صحابہ نے عرض کیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ہم وضو کا پانی لائیں؟ ان کے سوال کے انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سمجھ گئے کہ ان کی نظر میں کھانے سے پہلے شرعی وضو یعنی نماز والا وضو ضروری ہے، چنانچہ ایک روایت میں منقول ہے کہ وہ اسے ضروری سمجھتے تھے، ان کے اس عقیدے کو ختم کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے تاکیدی الفاظ کے ساتھ انہیں جواب دیا کہ مجھے وضو کرنے کا حکم اس وقت دیا گیا ہے، جب میں نماز پڑھنے کا ارادہ کروں، شروع میں خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر نماز کے لیے وضو کرنے کا حکم دیا گیا تھا، جب یہ حکم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر مشکل ہوا تو پھر یہ حکم منسوخ ہو گیا اور مسواک کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا، اس

(۱) سنن ابی داؤد، الأطعمة، رقم الحدیث: ۳۷۶۰۔

(۲) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۴۸۔

سے معلوم ہوا کہ انسان پر وضو کرنا اس وقت ضروری ہوتا ہے جب وہ نماز پڑھنے کا ارادہ کرے، حدیث میں صرف نماز کے ذکر پر اکتفاء فرمایا ہے کیونکہ اس کا وقوع زیادہ ہے، ورنہ دیگر کئی موقعوں پر بھی شرعی وضو کرنا واجب ہوتا ہے، مثلاً بیت اللہ کا طواف کرنا، قرآن مجید کو چھونا اور سجدہ تلاوت کرنا۔

اس جواب سے کھانے سے پہلے وضو کے وجوب کی نفی کرنا مقصود ہے، ورنہ اگر کوئی شخص کھانے سے پہلے ثواب کی خاطر پورا وضو کر لے یا صرف ہاتھ منہ دھولے تو یہ اس حدیث کے منافی نہیں، وہ ایسا کر سکتا ہے۔

حدیث میں وضو سے نماز والا وضو مراد ہے جسے ''شرعی وضو'' کہا جاتا ہے۔(۱)

اور یہ بھی ممکن ہے کہ صحابہؓ کے سوال کا منشا شرعی وضو نہ ہو بلکہ اس سے صرف ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہو، اور کھانے سے پہلے ہاتھوں کا دھونا چونکہ سنن اور آداب میں سے ہے، فرض یا واجب نہیں ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بیان جواز کے پیش نظر اس کو ترک فرمایا، اس صورت میں حدیث کا حاصل یہ ہوگا کہ کھانے سے پہلے کا وضو، جس کا تم لوگ مجھ سے سوال کر رہے ہو، یہ شرعاً ضروری نہیں ہے، لہٰذا اگر میں اسے ترک کر دوں تو کوئی حرج نہیں، البتہ وضو اس وقت لازم ہوتا ہے، جب انسان نماز پڑھنے کا، یا ایسا کام کرنے کا ارادہ کرے، جو وضو کے بغیر درست نہیں ہوتا۔(۲)

عَنْ سَلْمَانَ قَالَ: قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ: اِنَّ بَرَكَةَ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ بَعْدَهُ، فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَخْبَرْتُهُ بِمَا قَرَأْتُ فِي التَّوْرَاةِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: بَرَكَةُ الطَّعَامِ الْوُضُوءُ قَبْلَهُ وَالْوُضُوءُ بَعْدَهُ.(۳)

ترجمہ: حضرت سلمان فارسیؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ میں نے (اسلام قبول کرنے سے پہلے) تورات میں پڑھا ہے کہ وہ کھانا بابرکت ہوتا ہے جس کے بعد وضو کیا جائے، پھر (اسلام قبول کرنے کے بعد) میں نے (ایک دن) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اس کا ذکر کیا، اور میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ سارا کچھ بتایا، جو میں نے تورات میں پڑھا تھا، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جس کھانے سے پہلے اور بعد دونوں میں وضو ہو، وہ کھانا برکت والا ہوتا ہے۔

## کھانے سے پہلے اور بعد میں ہاتھ دھونا اور کلی کرنا باعث برکت ہے

حضرت سلمان فارسی نے اسلام قبول کرنے کے بعد حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک دن عرض کیا کہ میں نے اسلام

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۱۸/۸، کتاب الاطعمۃ، الفصل الثانی رقم الحدیث: ۴۲۰۹، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۸۲/۱

(۲) الکوکب الدری ۲۵/۳، ابواب الاطعمۃ، باب فی ترک الوضوء قبل الطعام۔

(۳) سنن الترمذی، الأطعمۃ، رقم الحدیث: ۱۸۴۷، سنن أبی داود، الأطعمۃ، رقم الحدیث: ۳۷۶۱۔

قبول کرنے سے پہلے تورات میں پڑھا تھا کہ کھانے میں برکت کا ذریعہ اس کے بعد ہاتھ دھونا اور کلی کرنا ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر اضافہ کرتے ہوئے فرمایا کہ کھانے سے پہلے اور بعد دونوں موقع پر وضو کرنا برکت کا ذریعہ ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں دو احتمال ہیں:

۱۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد تورات میں تحریف کی طرف اشارہ ہو کہ اصل حکم تورات میں بھی یہی تھا کہ کھانے سے پہلے اور بعد دونوں موقع پر وضو کرنا چاہیے، لیکن بعد میں لوگوں نے اس میں اپنی طرف سے کمی بیشی اور تحریف کر ڈالی اور صرف کھانے کے بعد ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کو برقرار رکھا۔

۲۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے تورات کے حکم کو برقرار رکھ کر اس میں کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے کا اضافہ کیا ہو، کھانے کے احترام اور تعظیم کی وجہ سے، گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد سے سابقہ حکم کی تکمیل کی طرف اشارہ ہے۔

یہاں دو باتیں پیش نظر رہیں:

- اس حدیث میں ''وضو'' سے ''وضوشرعی'' یعنی وہ وضو مراد نہیں جو نماز کے لیے کیا جاتا ہے، بلکہ اس سے صرف ہاتھ دھونا اور کلی کرنا مراد ہے، جسے اصطلاح میں ''وضوءلغوی'' کہا جاتا ہے۔
- ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عمرؓ کو بڑی سختی سے تورات کا مطالعہ کرنے سے منع فرمایا ہے، یہ حدیث حضرت سلمان کی اس حدیث کے معارض نہیں ہے، اس لیے کہ اس میں حضرت سلمان نے اسلام قبول کرنے سے پہلے تورات پڑھنے کا ذکر کیا ہے، اسلام کے بعد تورات پڑھنے کا اس میں ذکر نہیں۔

بعض حضرات نے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے اور کلی کرنے کی یہ حکمت بیان کی ہے کہ اس کے بعد کھانا زیادہ خوشگوار اور پر لطف ہوتا ہے، کیونکہ ہاتھوں میں کام وغیرہ کی وجہ سے کچھ نہ کچھ گرد وغبار اور میل کچیل ضرور جمع ہو جاتی ہے، اور معدہ خالی ہونے کی وجہ سے منہ میں بھی تعفن اور بدبوسی پیدا ہو جاتی ہے، جو کلی کرنے سے زائل ہو جاتی ہے، اس لیے کھانے سے پہلے ہاتھ دھونا اور کلی کرنا بہر حال باعث نظافت ہے اور کھانے کے بعد اس لیے ہاتھ دھونے چاہئیں کہ عموماً ہاتھوں میں کچھ چکنائی رہ جاتی ہے، جس سے بسا اوقات بدبو پیدا ہو جاتی ہے، اور بعض دفعہ اس پر کیڑے آجاتے ہیں، جو ایذاء رسانی کا سبب بنتے ہیں، امام ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ حضرت ابوہریرہؓ سے روایت نقل کی ہے: جو شخص رات کو اس حالت میں سو جائے کہ اس کے ہاتھ میں کھانے کی چکنائی اور بو ہو اور پھر اس کی وجہ سے اسے کوئی تکلیف پہنچ جائے (مثلاً کسی کیڑے نے کاٹ دیا) تو وہ بس اپنے آپ کو ہی ملامت کرے۔(۱)

برکۃ الطعام الوضوء قبلہ والوضوء بعدہ: کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے اور کلی کرنے سے کھانے میں برکت کے یہ معنیٰ ہیں کہ اس کھانے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے اضافہ اور زیادتی ہو جاتی ہے، تھوڑا کھانا بہت سے لوگوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے یا

(۱) سنن ابی داؤد ۵۱۴/۳، کتاب الاطعمۃ باب فی غسل الید من الطعام، رقم الحدیث: ۳۸۵۲

اس سے آدمی جلدی سیراب ہو جاتا ہے، اور کھانے کے بعد ہاتھ دھونے سے برکت حاصل ہونے سے یہ مراد ہے کہ اس کے ثمرات اور فوائد بڑھ جاتے ہیں، اس سے طبیعت میں سکون اور اطمینان حاصل ہوتا ہے، عبادات، اخلاق حسنہ اور نیک اعمال میں تقویت کا ذریعہ بنتا ہے۔

فذکرت ذلک .... واخبرتہ ... ان دو جملوں سے یا تو ایک ہی مفہوم مراد ہے، اس صورت میں ان کے درمیان عطف تفسیری ہوگا، یا ان دونوں کا مفہوم الگ الگ ہے، اس تشریح کے لحاظ سے ''ذکرت'' کے معنی ہوں گے: سألت اور أخبرتہ میں ''واؤ'' حالیہ ہے، اور یہ جملہ حالیہ ہوگا، معنی یہ ہوں گے: میں نے حضور اکرم ﷺ سے پوچھا کہ کیا کھانے کے بعد ہاتھ دھونا اور کلی کرنا کھانے میں برکت کا ذریعہ ہے، اس حال میں کہ میں نے آپ ﷺ کو بتایا کہ میں نے (اسلام سے پہلے) تورات میں ایسا ہی پڑھا تھا (کیا یہ صحیح ہے؟) تو پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا۔۔۔(۱)

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ سنت یہ ہے کہ کھانے سے پہلے ہاتھ دھونے میں بچوں کے ہاتھ پہلے دھوئے جائیں، کیونکہ بچوں کے ہاتھ زیادہ گندے ہوتے ہیں، اس کے بعد بڑے حضرات ہاتھ دھوئیں، مگر کھانے کے بعد ادب کا تقاضا یہ ہے کہ پہلے بڑوں کو ہاتھ دھونے کا موقع دیا جائے، اس کے بعد بچے ہاتھ دھوئیں، اور میزبان کھانے سے پہلے اپنے ہاتھ سب لوگوں سے پہلے دھولے اور کھانے کے بعد سب سے آخر میں وہ دھوئے۔(۲)

## کھانے کے بعد ہاتھ تولیہ سے صاف کرنا

سنت طریقہ یہ ہے کہ کھانے سے پہلے جب ہاتھ دھوئے جائیں تو انہیں تولیہ یا کسی بھی چیز سے پونچھا نہ جائے، اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پہلے انگلیوں کو چاٹ لیا جائے، اس کے بعد ہاتھ دھو کر تولیہ وغیرہ سے صاف کر لیے جائیں، صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کوئی کھانا کھائے تو اپنے ہاتھ تولیہ وغیرہ سے صاف نہ کرے، یہاں تک کہ انہیں چاٹ لے، پھر انہیں صاف کر لے۔(۳)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۸/۱۱۷، کتاب الاطعمۃ، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۴۲۰۸، شرح الطیبی ۸/۱۵۷، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۸۴۔

(۲) المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۳۰۹)

(۳) فتح الباری ۹/۷۲۰، کتاب الاطعمۃ، باب لعق الاصابع ومصها قبل أن تمسح بالمندیل، رقم الحدیث: ۵۴۵۶۔

## بَابُ مَا جَاءَ فِي قَوْلِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْلَ الطَّعَامِ وَبَعْدَ مَا يَفْرُغُ مِنْهُ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں ان کلمات اور اذکار کا ذکر ہے، جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے پہلے اور کھانے سے فارغ ہونے کے بعد پڑھا کرتے تھے۔

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ قَالَ: كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، فَقُرِّبَ إِلَيْهِ طَعَامٌ، فَلَمْ أَرَ طَعَامًا كَانَ أَعْظَمَ بَرَكَةً مِنْهُ، أَوَّلَ مَا أَكَلْنَا، وَلَا أَقَلَّ بَرَكَةً فِي آخِرِهِ، فَقُلْنَا: يَا رَسُولَ اللَّهِ، كَيْفَ هَذَا؟ قَالَ: إِنَّا ذَكَرْنَا اسْمَ اللَّهِ حِينَ أَكَلْنَا، ثُمَّ قَعَدَ مَنْ أَكَلَ وَلَمْ يُسَمِّ اللَّهَ تَعَالَى فَأَكَلَ مَعَهُ الشَّيْطَانُ.

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا لایا گیا، (کھانے کے دوران میں نے محسوس کیا کہ) میں نے اس کھانے کی ابتداء میں جو بہت زیادہ برکت دیکھی، جب ہم نے کھانا شروع کیا تھا، ایسی برکت میں نے کسی اور کھانے میں نہیں دیکھی، اور اس کھانے کے آخر میں جو میں نے بے برکتی دیکھی، ایسی بے برکتی بھی کسی اور کھانے میں نہیں دیکھی، ہم نے (حیرت سے) عرض کیا یا رسول اللہ! ایسا کیسے ہو گیا (کہ شروع میں اس قدر برکت اور آخرت میں اسی قدر بے برکتی، آخر اس کا سبب کیا ہے؟) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: درحقیقت کھانے کے شروع میں ہم نے اللہ کا نام لیا تھا، (جس کی وجہ سے وہ بابرکت ہو گیا تھا) لیکن بعد میں (دسترخوان پر) ایک ایسا شخص آ کر بیٹھ گیا، جس نے کھانا تو کھایا مگر اس نے اللہ کا نام نہیں لیا، لہٰذا اس کے ساتھ شیطان نے بھی کھانا کھایا (یوں کھانے کے آخر میں بے برکتی پیدا ہو گئی)

## کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ پڑھنا باعث برکت ہے

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہی ایک دسترخوان پر کھانا کھا رہے تھے، ہم نے اس میں بہت برکت دیکھی، ایسی برکت کسی اور کھانے میں ہم نے کبھی نہ دیکھی تھی، مگر کھانے کے آخر میں کھانے میں بہت زیادہ بے برکتی ہو گئی، اس پر ہمیں بہت تعجب ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کی وجہ ہم نے دریافت کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا کہ بعد میں دسترخوان پر کھانے میں ایک ایسا آدمی شریک ہو گیا تھا، جس نے بسم اللہ نہیں پڑھی تھی، اس کے ساتھ شیطان بھی کھانے لگا، جس کی وجہ سے کھانے کے آخر میں بے برکتی پیدا ہو گئی۔

اس حدیث سے درج ذیل چند آداب ثابت ہوتے ہیں:

۞ کھانے اور پینے سے پہلے اللہ کا نام لینا سنت ہے، اس موقع پر صرف ''بسم اللہ'' پڑھنے سے بھی یہ سنت ادا ہو جاتی ہے، لیکن کمال کا درجہ اور افضل یہ ہے کہ ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' پوری پڑھنی چاہیے، اور بلند آواز سے بسم اللہ پڑھنی چاہیے تاکہ اوروں کو

بھی یاد آجائے۔

❁ اگر کوئی شخص کھانے کے شروع میں بسم اللہ کے بجائے ''لا الہ الا اللہ'' یا ''الحمد للہ'' یا ''سبحان اللہ'' یا ''اشھد ان لا الہ الا اللہ'' پڑھ لے تو اس سے بھی سنت پر عمل ہو جائے گا۔

❁ دسترخوان پر جب کھانے والے سب حضرات موجود ہوں، تو اگر ایک بندہ بھی بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھ لے، تو یہ سب کی طرف سے کافی شمار ہوگی، ہر آدمی الگ الگ نہ بھی پڑھے تو کوئی حرج نہیں، لیکن جو شخص بعد میں کھانے میں شامل ہو تو اسے مستقل طور پر بسم اللہ پڑھنی چاہیے، ورنہ اس کھانے میں بے برکتی پیدا ہو جائے گی، مذکورہ حدیث میں آپ نے دیکھا کہ ایک شخص بعد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر کھانے میں شامل ہوا، مگر اس نے بسم اللہ نہیں پڑھی تو اس کھانے میں بے برکتی پیدا ہوگئی، حالانکہ کھانے کی ابتداء میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور سب حاضرین نے بسم اللہ پڑھی تھی، اس کے باوجود اس میں بے برکتی ہوگئی اور شیطان بھی اس میں شریک ہوگیا، اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کھانے پینے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا اور اللہ جل شانہ کا نام لینا کس قدر اہمیت کا حامل ہے، اس لیے پورے اہتمام اور یاددہانی سے بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔

❁ اگر انسان کھانے پینے سے پہلے بسم اللہ نہ پڑھے تو اس میں شیطان شریک ہو جاتا ہے، جمہور علماء کے نزدیک اس سے حقیقی معنی مراد ہیں کہ شیطان حقیقۃً اس میں شامل ہو جاتا ہے، جس کی وجہ سے اس کھانے میں بے برکتی پیدا ہو جاتی ہے۔

❁ اگر آدمی بے وضو اور ناپاکی کی حالت میں ہو یا عورت حیض ونفاس کے ایام میں ہو، یہ سب لوگ بھی کھانے سے پہلے ذکر کی نیت سے بسم اللہ پڑھ سکتے ہیں۔

❁ حافظ ابن حجر فرماتے ہیں کہ جن چیزوں کا کھانا پینا شریعت کی رو سے مکروہ یا حرام ہے، ان کے کھانے اور پینے کے وقت بسم اللہ پڑھنا جائز نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شخص شراب پیتے وقت بسم اللہ پڑھے گا تو بعض علماء فرماتے ہیں کہ وہ کافر ہو جائے گا۔

ثم قعد من اکل ولم یسم اللہ تعالیٰ، اس کا مطلب یہ ہے کہ بعد میں کھانے میں شامل ہونے والا شخص ابتداء میں بسم اللہ کے وقت موجود نہیں تھا، اور پھر اس نے خود بھی بسم اللہ نہیں پڑھی، بعض شارحین نے اس کا مطلب یہ لکھا ہے کہ یہ شخص اس وقت دسترخوان پر آیا، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، مگر علامہ میرک فرماتے ہیں کہ یہ مطلب درست معلوم نہیں ہوتا، کیونکہ یہ مفہوم ظاہر حدیث کے خلاف ہے، ثم قعد میں لفظ ''ثم'' سے آنے میں تاخیر تو ثابت ہو رہی ہے مگر اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ پہلے والے حضرات کھانے سے فارغ ہو چکے تھے، حضرت ابو ایوب انصاری رضی اللہ عنہ نے ایک ہی کھانے کا ذکر کیا کہ جس کی ابتداء میں بہت زیادہ برکت تھی اور آخر میں اسی قدر بے برکتی آگئی تھی، اس لیے یہ کہنا کہ یہ بندہ اس وقت آیا جب پہلے والے حضرات کھانے سے فارغ ہو گئے تھے، درست نہیں ہے۔(۱)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۸۶/۱ المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۳۱۱)

## حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ

ان کا نام خالد بن زید انصاری خزرجی ہے، ابوایوب ان کی کنیت ہے، اس کنیت سے آپ زیادہ مشہور ہیں؛ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے گئے تو انصار نے قرعہ ڈالا، قرعہ حضرت ابوایوب انصاری کے حق میں نکلا، نیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی بھی وہیں جا کر رکی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوایوب انصاری کے ہاں قیام فرمایا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا مکان بنالیا تھا۔

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ بدر واحد اور دیگر تمام غزوات میں پیش پیش رہے، خوارج کے مسئلہ میں آپ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے، قسطنطنیہ کی لڑائی میں حضرت ابوایوب انصاری، یزید بن معاویہ کے ساتھ تھے، وہاں یہ بیمار ہوگئے، بیمار پرسی کے وقت یہ خواہش ظاہر کی کہ اگر میں مرجاؤں اور تم لوگ دشمن کے خلاف صفیں بنا رہے ہو تو مجھے اپنے قدموں کے نیچے زمین پر دفن کر دینا، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا، قسطنطنیہ کی دیوار کے قریب ان کی قبر آج بھی موجود ہے، لوگ وہاں بکثرت حاضر ہوتے رہتے ہیں، ان کی وفات ۵۱ ہجری میں ہوئی۔ (۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أَكَلَ أَحَدُكُمْ فَنَسِيَ أَنْ يَذْكُرَ اللهَ تَعَالَى عَلَى طَعَامِهِ فَلْيَقُلْ: بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص کھانا کھانے لگے اور (شروع میں) اپنے کھانے پر اللہ کا نام لینا بھول جائے (اور کھانے کے درمیان یاد آئے) تو اسے چاہیے کہ وہ یہ کہے: بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ (میں اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، کھانے کے شروع میں بھی اور آخر میں بھی یعنی تمام حالات میں)

## کھانے کے درمیان میں بسم اللہ اولہ وآخرہ پڑھنے کا حکم

اگر کوئی شخص کھانے کی ابتداء میں بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو کھانے کے درمیان یا آخر میں جب یاد آجائے تو یہ کلمات پڑھے: بِسْمِ اللهِ أَوَّلَهُ وَآخِرَهُ میں کھانے کے شروع اور آخر میں اللہ کا نام لے کر کھاتا ہوں، ان کلمات میں اول اور آخر کا ذکر ہے، وسط یعنی درمیان کا نہیں، اس بارے میں شارحین حدیث کے دو نقطہ نظر ہیں:

- "اوّل وآخر" کے الفاظ سے "عموم" مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ میں کھانے کے تمام اوقات میں اللہ کا نام لیتا ہوں، جیسے

---

(۱) الاصابة فی تمييز الصحابة ۱۹۹/۲، حرف الخاء، رقم الترجمة: ۲۱۶۸

(۲) سنن ابی داؤد، الأطعمة، رقم الحديث: ۳۷۶۷۔

قرآن مجید میں اللہ جل شانہ نے ارشاد فرمایا: وَلَهُمْ رِزْقُهُمْ فِيهَا بُكْرَةً وَّعَشِيًّا، اہل جنت کے لیے صبح وشام رزق ہوگا، تو کیا درمیان کے حصے میں رزق نہیں دیا جائے گا؟ اس سے محاورے کے لحاظ سے عموم مراد ہے، یعنی تمام اوقات میں ان کے لیے رزق ہوگا، اسی طرح یہاں بھی اوّل وآخر سے عموم احوال مراد ہے۔

بعض نے یہ توجیہہ کی ہے کہ ان کلمات میں ''اولا'' سے نصف اول اور ''آخرہ'' سے نصف ثانی مراد ہے، اس صورت میں ''وسط'' کی کوئی بات بھی نہیں ہوگی، ان میں تمام احوال شامل ہو گئے ہیں۔

''بسم اللہ'' پڑھ کر جب کھانا شروع کیا جائے تو اس میں شیطان شریک نہیں ہوتا، اس کھانے میں اللہ کی طرف سے برکت نازل ہوتی ہے، ایسی صورت میں تھوڑا کھانا بھی بہت سے لوگوں کے لیے کافی ہو جاتا ہے، اور اگر بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کیا جائے تو شیطان بھی اس میں شریک ہو جاتا ہے، اور اس کھانے میں برکت نازل نہیں ہوتی، جیسا کہ اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔(۱)

عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي سَلَمَةَ، أَنَّهُ دَخَلَ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدَهُ طَعَامٌ فَقَالَ: اُدْنُ يَا بُنَيَّ، فَسَمِّ اللّٰهَ تَعَالَى، وَكُلْ بِيَمِينِكَ، وَكُلْ مِمَّا يَلِيكَ.(۲)

ترجمہ: حضرت عمرو بن سلمہ سے روایت ہے کہ وہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھانا لگا ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے میرے چھوٹے بیٹے! قریب ہو جاؤ، اللہ کا نام لو، اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ اور اپنے قریب سے کھاؤ۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ادن: دنا یدنو سے صیغہ امر: تم قریب ہو جاؤ، یابنی: ابن کی تصغیر: اے میرے چھوٹے بیٹے، سم اللہ: تسمیۃ سے صیغہ امر ہے: تم اللہ کا نام لو، بسم اللہ پڑھو، مما یلیک: اس کھانے سے جو تمہارے قریب ہو۔

## دائیں ہاتھ سے اور اپنے سامنے سے کھانے کا حکم

مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین چیزوں کا حکم دیا:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلا حکم حضرت عمرو بن سلمہ کو یہ دیا کہ کھانے کے شروع میں بسم اللہ پڑھا کرو، اس کی تفصیل پچھلی حدیث میں گذر چکی ہے۔

۲۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دائیں ہاتھ سے کھانا واجب ہے، کیونکہ بعض روایات میں بائیں ہاتھ سے کھانے پر وعیدیں آئی ہیں، مثلاً:

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۸۷، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۳۱۲)

(۲) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحديث:۱۸۵۸۔

۞ صحیح مسلم میں حضرت سلمہ بن اکوع کی حدیث ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک آدمی کو دیکھا، جو بائیں ہاتھ سے کھا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے فرمایا: اپنے دائیں ہاتھ سے کھاؤ، اس نے (تکبر کی وجہ سے) کہا کہ میں اس کی طاقت نہیں رکھتا، وہ محض تکبر کی وجہ سے دائیں ہاتھ سے نہیں کھا رہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تجھے کبھی طاقت نہ ہو، اس کا اثر تھا کہ ساری زندگی وہ شخص اپنا دایاں ہاتھ منہ کی طرف نہ اٹھا سکا۔

۞ مسند احمد میں حضرت عائشہؓ سے منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص بائیں ہاتھ سے کھائے تو شیطان بھی اس کے ساتھ کھاتا ہے۔

۞ طبرانی نے یہ روایت نقل کی ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن سبیعہ اسلمیہ کو بائیں ہاتھ سے کھانا کھاتے دیکھا تو اس کے لیے بددعا فرمائی، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بعد میں طاعون میں مبتلی ہو کر مر گئیں۔

لیکن جمہور علماء کے نزدیک دائیں ہاتھ سے کھانا کھانے کا حکم وجوب کے طور پر نہیں ہے بلکہ یہ حکم سنت اور استحباب کے طور پر ہے، حضرات شافعیہ کا مشہور مذہب بھی یہی ہے، چنانچہ امام غزالی اور امام نووی رحمہما اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے۔

وعید کی مذکورہ روایات کے بارے میں جمہور علماء کا موقف یہ ہے کہ یہ زجر اور تنبیہ پر محمول ہیں۔

یہ ذہن میں رہے کہ دائیں ہاتھ سے کھانے کی یہ سنت اس وقت ہے جب کوئی عذر نہ ہو، لیکن اگر عذر کی وجہ سے دائیں ہاتھ سے کھانا ممکن نہ ہو مثلاً دائیں ہاتھ میں زخم وغیرہ ہو تو ایسی صورت میں بائیں ہاتھ سے کھایا جا سکتا ہے، اس میں کوئی کراہت بھی نہ ہوگی، آج ہمارے معاشرے میں بائیں ہاتھ سے کھانے پینے کا عام سا رواج بنتا جا رہا ہے، اس لیے اس طریقے سے احتراز کرنا چاہیے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کھانے کو اپنے سامنے اور قریب سے کھایا جائے، پلیٹ میں ہاتھ ادھر ادھر نہ گھمایا جائے، جمہور علماء کے نزدیک یہ حکم مستحب ہے، لیکن یہ اس صورت میں ہے جب کھانا ایک ہی قسم کا ہو، اور اگر دسترخوان پر مختلف قسم کے کھانے اور ڈشیں ہوں تو بغیر کسی کراہت کے ہاتھ ادھر ادھر بڑھایا جا سکتا ہے، اس میں کوئی حرج نہیں۔(۱)

**عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا فَرَغَ مِنْ طَعَامِهِ قَالَ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِينَ.(۲)**

ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے کھانے سے فارغ ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

---

(۱) عمدة القاری ۲۸/۲۱، کتاب الاطعمة، باب التسمية على الطعام والأكل باليمين، فتح الباری ۶۵۱/۹، مرقاة المفاتيح ۸۳/۸ ابواب الاطعمة، الفصل الاول، رقم الحديث: ۴۱۵۹، شرح مسلم للنووی ۱۷۱/۲، کتاب الاطعمة، باب اداب الطعام والشراب، تكملة فتح الملهم ۶/۴، كتاب الأطعمة، باب اداب الطعام والشراب، رقم الحديث: ۵۲۲۷۔

(۲) سنن أبي داود، رقم الحديث: ۳۸۵۰۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ: تمام تعریفیں اس اللہ جل شانہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں کھانا کھلایا، اور پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا رُفِعَتِ الْمَائِدَةُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ يَقُولُ: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ حَمْدًا كَثِيْرًا طَيِّبًا مُبَارَكًا فِيْهِ غَيْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًى عَنْهُ رَبَّنَا.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوامامہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سے جب دسترخوان اٹھایا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ غَیْرَ مُوَدَّعٍ وَلَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا (تمام تعریف اللہ جل شانہ کے لیے خاص ہے، ایسی تعریف جو بہت ہی زیادہ ہو، پاکیزہ ہو اور بابرکت ہو، اس تعریف (یا طعام) کو نہ تو چھوڑا جاسکتا ہے، اور نہ اس سے استغناء اور بے نیازی اختیار کی جاسکتی ہے اے ہمارے پروردگار (ہمارے شکر کو قبول فرمالے)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أطعمنا: اللہ جل شانہ نے ہمیں کھلایا، المائدة: دسترخوان، ہر وہ چیز جس پر کھانا رکھ کر کھایا جائے، کھانا، حمدا کثیرا: بہت زیادہ تعریف جس کی کوئی انتہا نہ ہو، طیبا: ایسی تعریف جو نام ونمود اور ریاکاری سے پاک ہو، اور ہر ایسے وصف سے پاک ہو، جو اللہ جل شانہ کی شان کے مناسب نہ ہو، مبارکا فیه: (صیغہ اسم مفعول) فیہ کی ضمیر ''حمد'' کی طرف لوٹ رہی ہے: اس تعریف میں برکت دی گئی ہو، غیر مودع: لفظ ''مودع'' کو دو طرح پڑھا جاسکتا ہے۔ ا۔ تودیع سے اسم مفعول کا صیغہ ہو، اس کا تلفظ یہی راجح ہے، اس کی ''ھو'' ضمیر کے مرجع میں تین قول ہیں: ۞ یہ ضمیر لفظ اللہ کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ۞ یہ ضمیر ''حمد'' کی طرف راجع ہے۔ ۞ یہ ضمیر لفظ ''طعام'' کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: اللہ جل شانہ کو یا اس کی حمد وثناء کو یا اس کھانے کو چھوڑا نہیں جاسکتا، ۲۔ یہ بھی ممکن ہے کہ لفظ ''مودع'' دال کی زیر یعنی اسم فاعل کا صیغہ ہو اور قائل سے حال ہو، ترجمہ: اس حال میں کہ میں اللہ تعالیٰ یا اس کی تعریف یا کھانے کو چھوڑنے والا نہیں ہوں، و لا مستغنی عنه: استغناء سے صیغہ اسم مفعول ہے، عنہ کی ضمیر میں بھی وہی تین احتمال ہیں کہ یہ لفظ اللہ یا حمد یا طعام کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: اور نہ تو اللہ تعالیٰ یا اس کی تعریف یا کھانے سے استغناء اور بے نیازی اختیار کی جاسکتی ہے، یہ ذہن میں رہے کہ اس لفظ کو صیغہ اسم فاعل کے طور پر نہیں پڑھا جاسکتا۔(۲)

## کھانے کے بعد کی دو مسنون دعائیں

یوں تو مختلف احادیث میں کھانے کے بعد مختلف الفاظ سے بہت سی دعائیں منقول ہیں، مگر شمائل کی مذکورہ احادیث میں کھانے کے بعد کی صرف دو دعاؤں کا ذکر ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے سے فارغ ہوتے تو اللہ کا شکر بجالاتے ہوئے دعائیں پڑھا کرتے، جن میں سے دو دعائیں یہ ہیں:

(۱) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۳۸۴۹۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/ ۲۹۱

❁ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَ سَقَانَا وَ جَعَلَنَا مُسْلِمِیْنَ۔

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھانا کھلایا، پانی پلایا اور ہمیں مسلمان بنایا۔

❁ اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ حَمْدًا کَثِیْرًا طَیِّبًا مُبَارَکًا فِیْہِ غَیْرَ مُوَدَّعٍ وَ لَا مُسْتَغْنًی عَنْہُ رَبَّنَا۔ ہر قسم کی تعریف اللہ جل شانہ کے لیے ہے، ایسی تعریف جو بہت ہو، پاکیزہ ہو اور بابرکت ہو، اس (اللہ یا طعام یا تعریف) کو نہ تو چھوڑا جا سکتا ہے، اور نہ اس سے استغناء اور بے نیازی اختیار کی جا سکتی ہے اے ہمارے پروردگار (ہمارے شکر کو قبول فرمالے)

## ”غیر مودع ولا مستغنی عنہ ربنا“ کی ترکیب نحوی

”غیر...“ پر دو طرح کا اعراب پڑھا گیا ہے:

❁ یہ منصوب ہے اور لفظ ”اللہ“ یا ”الحمد“ یا ”الطعام“ سے حال واقع ہے۔

❁ یہ خبر ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے، اور اس کا مبتدا محذوف ہے اور وہ ”ھو“ ہے، لفظ ”ربنا“ کو تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے: ۱۔ یہ مرفوع ہے اور ”ھو“ یا ”أنت“ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔ ۲۔ ربنا مبتدا مؤخر ہے اور مرفوع ہے، اور ”غیر مودع“ یہ خبر مقدم ہے۔ ۳۔ لفظ ”ربنا“ مجرور ہے، اور یہ لفظ اللہ سے بدل ہے۔ (۱)

عَنْ عَائِشَۃَ، قَالَتْ: کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَأْکُلُ الطَّعَامَ فِی سِتَّۃٍ مِنْ أَصْحَابِہِ، فَجَاءَ أَعْرَابِیٌّ، فَأَکَلَہُ بِلُقْمَتَیْنِ، فَقَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: لَوْ سَمَّی لَکَفَاکُمْ. (۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنے چھ صحابہ کے ساتھ کھانا کھا رہے تھے، اتنے میں ایک بدو آیا، اس نے دو لقموں میں ہی وہ (سارا کھانا) کھا لیا (یعنی ہڑپ کر لیا) اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: اگر یہ بسم اللہ پڑھ کر کھانا کھاتا تو یہ کھانا سب کے لیے کافی ہو جاتا۔

## ”بسم اللہ“ کے بغیر کھانے میں بے برکتی

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اس حدیث سے یہ حکم مزید تاکید کے ساتھ ثابت ہوتا ہے کہ کھانے کو اللہ کے نام کے ساتھ یعنی بسم اللہ پڑھ کر کھایا جائے، اگر بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کیا گیا تو اس میں بے برکتی پیدا ہو جاتی ہے، جیسے مذکورہ حدیث میں اس بدو نے بسم اللہ پڑھے بغیر کھانا شروع کر دیا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس میں بے برکتی پیدا ہو گئی، کیونکہ اس کے ساتھ شیطان شریک ہو گیا تھا،

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۹۱

(۲) سنن الترمذی، الأطعمۃ، رقم الحدیث: ۱۸۵۱۔

اگر یہ بسم اللہ پڑھ لیتا تو یہ کھانا سب کے لیے بڑی آسانی سے کافی ہو جاتا۔

۲۔ اس حدیث میں جن چھ صحابہ کا تذکرہ ہے، ممکن ہے کہ یہ واقعہ وہی ہو، جو اس باب کی پہلی حدیث حضرت ابوایوب انصاری والی روایت میں بیان کیا گیا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ دونوں واقعات الگ الگ ہوں، حدیث کے اسلوب سے ایسا ہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ الگ واقعہ ہے۔

۳۔ اس روایت کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے ان چھ صحابہ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھانا کھاتے ہوئے دیکھا ہے، اس میں چند احتمال ہیں:

- یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ واقعہ اس زمانے کا ہے جس میں ابھی حجاب کا حکم نازل نہیں ہوا تھا۔
- یا یہ کہ حضرت عائشہؓ نے پردے میں ان کو دیکھا تھا۔
- یا یہ روایت مرسل صحابی ہے، یعنی حضرت عائشہؓ نے براہ راست تو یہ منظر نہیں دیکھا، کسی اور صحابی سے روایت کیا ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تفصیل حضرت عائشہؓ کو بتائی ہو، اور پھر اسے حضرت عائشہؓ روایت کر رہی ہیں۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللهَ لَيَرْضَى عَنِ الْعَبْدِ أَنْ يَأْكُلَ الْأَكْلَةَ، أَوْ يَشْرَبَ الشَّرْبَةَ فَيَحْمَدَهُ عَلَيْهَا.(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ یقینی بات ہے کہ اللہ تعالیٰ بندے کی اس بات سے راضی اور خوش ہوتا ہے کہ (جب) وہ ایک لقمہ کھائے (یا جب وہ سیر ہو کر کھالے) یا ایک گھونٹ پانی پیئے اور پھر وہ اس پر اللہ جل شانہ کا شکر ادا کرے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔ أن یاکل: أي بسبب ان یاکل یا وقت أن یاکل، ترجمہ: کھانے کی وجہ سے، یا کھانے کے وقت، **الاکلۃ:** (ہمزے کے پیش اور کاف کے سکون کے ساتھ) اس کے معنی ہیں: لقمہ (اور ہمزے کی زبر کے ساتھ) ایک دفعہ سیراب ہو کر کھانا، اس حدیث میں ہمزے کی زبر کے ساتھ پڑھنا زیادہ بہتر ہے، تا کہ الشربۃ کے ساتھ اعراب کے اعتبار سے موافق ہو جائے، کیونکہ الشربۃ صرف زبر کے ساتھ ہی اس معنی میں استعمال ہوتا ہے، ہمزے کے پیش کے ساتھ اس کا استعمال اس معنی میں نہیں ہے، الشربۃ (شین پر زبر اور را کے سکون کے ساتھ) ایک گھونٹ پانی، ایک دفعہ پیا جانے والا پانی، ایک دفعہ کا پینا۔ **فیحمدہ علیہا:** "ہ" ضمیر لفظ اللہ کی طرف اور "علیہا" کی ضمیر الاکلۃ کی طرف راجع ہے، یحمد کی دال پر دو طرح کا اعراب پڑھا جا سکتا ہے: ❁ اس پر زبر ہو، اس صورت میں اس کا عطف یأکل پر ہوگا، ❁ اس پر پیش ہو، یہ جملہ "ھو" مبتداء محذوف کی خبر ہے۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۹۲/۱، المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص:۳۱۸)

(۲) سنن الترمذی، الأطعمۃ، رقم الحدیث:۱۸۱۷۔

## کھانے کے بعد ضرور اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کیا جائے

کھانے پینے کے بعد اللہ جل جلالہ کی حمد وثناء اور اس کا شکر ادا کرنا ایک مستحب اور مسنون عمل ہے، یہ درحقیقت اس چیز کی یاددہانی ہے کہ ایک انسان جب کھانا کھا چکے، تو ایک لحہ ذرا یہ تو سوچے کہ اللہ تعالیٰ نے میرے لیے اس کھانے کا انتظام کس عجیب و غریب طریقے سے کیا ہے، اس گندم، چاول دالیں اور سبزیوں.... کی فصل نہ جانے کس علاقے میں ہوئی، اسے کس نے کاشت کیا، کس نے اسے کاٹا، صاف کیا، اور مارکیٹ میں کتنے ہاتھوں کی محنت نے اسے پہنچایا، پھر یہ کہاں کہاں کا سفر کر کے میرے گھر میں پہنچی، اسے پکانے پر کتنی محنت صرف ہوئی، ابن عربی نے بعض علماء کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ "ایک لقمہ جسے انسان منہ میں ڈالتا ہے، وہ تین سو ساٹھ فرشتوں کے ہاتھوں سے ہو کر آتا ہے" ذرا غور تو کریں کہ ایک لقمہ جو منہ کی طرف اٹھایا جاتا ہے، بظاہر تو وہ ایک چھوٹا سا لقمہ ہے، لیکن اس کو تیار کرنے میں نہ جانے کتنے انسانوں نے اس کی محنت اور مشقت اٹھائی، یوں وہ کئی ہاتھوں سے ہو کر اس انسان کی غذائی تسکین کا ذریعہ بنا، یہ سب کچھ اللہ جل جلالہ کی قدرت کے کرشمے ہیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر کھانے کے بعد اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کرنے کا حکم دیا ہے۔(۱)

## کھانے سے متعلق چند آداب کا ثبوت

اس باب کی احادیث اور اس سلسلہ میں ذکر کردہ دوسری روایات سے درج ذیل چند آداب ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ کھانے اور پینے سے پہلے بسم اللہ الرحمن الرحیم پڑھنا یا ایسے کلمات سے کھانے کا آغاز کرنا مسنون ہے، جو کلمات اللہ جل شانہ کی عظمت و کبریائی اور بڑائی کے معنیٰ پر مشتمل ہوں۔

۲۔ ہر محترم کام دائیں ہاتھ سے کرنا، اور کھانا پینا بھی دائیں ہاتھ سے ہی کرنا چاہیے، اگر مجبوری ہو تو پھر بائیں ہاتھ سے بھی کھایا جاسکتا ہے۔

۳۔ اور اپنے سامنے سے ہی کھانا چاہیے جبکہ کھانا ایک ہی قسم کا ہو، لیکن اگر دسترخوان پر مختلف انواع واقسام کے کھانے اور ڈشیں ہوں، تو پھر اپنے سامنے سے ہی کھانا ضروری نہیں، ایسی صورت میں ہاتھ ادھر ادھر بھی گھمایا جاسکتا ہے۔

۴۔ اللہ جل شانہ کا نام لے کر کھایا اور پیا جائے تو اس میں برکت پیدا ہو جاتی ہے۔

۵۔ ان کاموں سے اجتناب ضروری ہے، جن سے شیطان خوش ہوتا ہے، اور جن کے ساتھ ایک مسلمان، کافروں کے مشابہ ہو جائے۔

۶۔ دوران طعام نیکی کا حکم دینا اور برائی سے روکنا جائز ہے۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۹۳/۱، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۳۱۶)

۷۔ کھانے پینے کے آداب اور مسنون اعمال سکھانا مستحب عمل ہے۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي قَدَحِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے (پانی کے) پیالہ کا بیان ہے

عَنْ ثَابِتٍ قَالَ: أَخْرَجَ إِلَيْنَا أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ قَدَحَ خَشَبٍ، غَلِيظًا، مُضَبَّبًا بِحَدِيدٍ، فَقَالَ: يَا ثَابِتُ: هٰذَا قَدَحُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۲)

ترجمہ: حضرت ثابت کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ نے ہمارے پاس لکڑی کا ایک موٹا سا پیالہ لایا، جس پر لوہا چڑھایا گیا تھا، اور فرمانے لگے: اے ثابت! یہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا پیالہ ہے۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَقَدْ سَقَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِهٰذَا الْقَدَحِ الشَّرَابَ كُلَّهُ: الْمَاءَ وَالنَّبِيذَ وَالْعَسَلَ وَاللَّبَنَ.(۳)

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پیالہ سے پینے کی تمام اقسام: پانی، نبیذ، شہد اور دودھ پلایا ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:** ۔ قدح: (قاف اور دال پر زبر) پیالہ، وہ چیز جس سے پانی پیا جائے، قدح خشب: لکڑی کا پیالہ، غلیظا: موٹا، مضببا بحدید: (میم پر پیش، ضاد پر زبر، پہلی باء پر زبر و تشدید) تضبیب سے صیغہ اسم مفعول: اس پیالے پر لوہا چڑھایا گیا تھا، الشراب: (شین پر زبر) پینے کی چیز، مشروب، نبیذ: انگور یا کھجور یا کشمش پانی میں بھگو دی جائے اور جب اس کا اثر اچھی طرح اس میں آجائے، تو وہ پانی نبیذ کہلاتا ہے، اگر زیادہ دیر اسے رکھا جائے، تو پھر اس میں نشہ پیدا ہو جاتا ہے، اسے پینا شرعاً حرام ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پانی کے پیالے

ابن القیم فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چار پیالے تھے:

۞ ایک پیالہ جس کو "ریان" اور "مغنی" کہا جاتا تھا۔ ۞ عمدہ لکڑی کا ایک موٹا پیالہ، جس پر لوہا چڑھایا گیا تھا، یا اس پر چاندی کے پترے لگائے گئے تھے، ۞ ایک شیشہ کا پیالہ تھا، یہ تین طرح کے پیالے پانی اور دیگر مشروبات کے لیے استعمال

---

(۱) فتح الباری ۶۵۳/۹ کتاب الأطعمة، باب التسمية على الطعام، والاكل باليمين، رقم الحديث: ۵۳۷۶

(۲) الصحيح للبخاري، الأشربة، رقم الحديث: ۵۶۳۸۔

(۳) الصحيح لمسلم، الأشربة، رقم الحديث: ۲۰۰۸، ۲۰۰۶۔

ہوتے تھے، ﷺ ایک لکڑی کا بڑا پیالہ تھا، جسے رات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چارپائی کے نیچے رکھ لیتے تھے، تاکہ ضرورت کے وقت اس میں پیشاب کیا جاسکے۔(۱)

مذکورہ احادیث میں لکڑی کے پیالے کا ذکر ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پانی، شہد، نبیذ اور دودھ پیا کرتے تھے، پھر یہ پیالہ حضرت نضر بن حارث رضی اللہ عنہما کی میراث سے آٹھ لاکھ درہم میں فروخت ہوا تھا، امام بخاریؒ نے اس پیالے کو بصرہ میں دیکھا، اور اس سے پانی بھی پیا ہے، مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نیک لوگوں کی مبارک چیزیں اپنے پاس سنبھال کر رکھی جاسکتی ہیں، لیکن ان میں شرط یہ ہے کہ ان کو شرک اور بدعت کا ذریعہ نہ بننے دیا جائے۔

۲۔ اس مبارک چیز کو بیچا اور خریدا جاسکتا ہے اور اسے ہدیہ بھی کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ نبیذ کا استعمال جائز ہے، جب کہ اس میں نشہ نہ پیدا ہو، اگر اس میں نشہ پیدا ہو جائے تو پھر اس کا استعمال حرام ہو جاتا ہے۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک پیالے سے پانی پیا جاسکتا ہے۔(۲)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي فَاكِهَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پھلوں کا ذکر ہے

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْكُلُ الْقِثَّاءَ بِالرُّطَبِ.(۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن جعفرؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھیرے یا ککڑی کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** فاکھۃ: مزیدار پھل، خواہ وہ تازہ ہو یا خشک، جیسے انجیر، تربوز، کشمش، تازہ پختہ کھجور، چھوارے اور انار وغیرہ، قثاء: (قاف کے نیچے زیر اور ثاء پر زبر و تشدید) کھیرا، ککڑی۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ککڑی یا کھیرے کو کبھی کھجور کے ساتھ ملا کر کھاتے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی یا کھجور کو تازہ پختہ کھجور کے ساتھ ملا کر تناول فرمایا کرتے تھے، اور ایک اور روایت میں ککڑی یا کھیرے کو نمک کے ساتھ کھانے کا بھی ذکر ہے، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی یا کھیرے کو نمک کے ساتھ تناول

(۱) زادالمعاد لابن القیم ۱/۱۳۲، فصل فی ذکر سلاحه وأثاثه صلی اللہ علیہ وسلم۔

(۲) فتح الباری ۱۰/۱۲۳ کتاب الاشربة، باب الشرب من قدح النبی ﷺ وانیته، رقم الحدیث:۵۶۳۸

(۳) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحدیث:۱۸۴۵۔

فرما لیتے اور کبھی تازہ پختہ کھجور کے ساتھ، اس طرح کا کھانا صحت کے لیے انتہائی مفید ہوتا ہے، طبیعت میں اعتدال پیدا کرتا ہے، کیونکہ ککڑی، کھیرے اور نمک کا اثر ٹھنڈا جبکہ کھجور کا اثر گرم ہوتا ہے، ان دونوں کو ملا کر کھانے سے اعتدال پیدا ہو جاتا ہے، جسم کو فرحت، سکون اور اطمینان دیتا ہے، اور اس سے کمزور جسم موٹا ہو جاتا ہے، چنانچہ سنن ابی داؤد اور سنن ابن ماجہ میں حضرت عائشہؓ کی روایت ہے، وہ فرماتی ہیں کہ میں جسمانی طور پر کمزور تھی، میری ماں نے چاہا کہ مجھے ایسی کوئی چیز کھلائیں، جس سے میں موٹی ہو جاؤں تاکہ وہ میری رخصتی حضور اکرم ﷺ کے ہاں کر دیں، چنانچہ میں نے اس مقصد کے لیے ککڑی کو پختہ تازہ کھجور کے ساتھ کھایا تو میں موٹی ہوگئی، اور بالکل صحت مند ہوگئی۔

سنن طبرانی میں حضرت عبداللہ بن جعفر سے ہی روایت ہے، جس میں ان کو ملا کر کھانے کی کیفیت بیان کی گئی ہے، وہ یہ کہ حضور اقدس ﷺ دائیں ہاتھ میں ککڑی یا کھیرا پکڑتے اور بائیں ہاتھ میں تازہ پختہ کھجور ہوتی، پہلے آپ ﷺ دائیں ہاتھ سے ککڑی کھاتے، پھر بائیں ہاتھ سے وہ کھجور دائیں ہاتھ میں لے لیتے اور اس سے پکڑ کر کھاتے، لہذا شمائل کی مذکورہ حدیث کی بنیاد پر یہ کہنا کہ نبی کریم ﷺ نے بائیں ہاتھ سے کھجور کھائی ہے، کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔(۱)

## کئی طرح کے پھل اور کھانوں کا جواز

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک ہی وقت میں دو یا اس سے زیادہ پھل یا کھانے کھانا، مختلف قسم کی ڈشیں تیار کر کے کھانا، اور اپنی گنجائش کے مطابق کھانے پینے میں وسعت وفراخی اختیار کرنا جائز ہے، اس میں سب علماء کا اتفاق ہے، البتہ جن حضرات نے منع کیا ہے، اس سے ان کا مقصد یہ نہیں کہ شرعاً اس طرح کے کھانے ممنوع ہیں بلکہ اس سے دو صورتیں مراد ہیں: ❀ یا تو وہ صورت مراد ہے کہ جب مختلف قسم کے کھانوں اور ڈشوں کا معمول بنا لیا جائے، عمدہ اور لذیذ کھانوں کی غرض دینی مصلحت نہ ہو بلکہ محض عیش وعشرت اور نام ونمود مقصود ہو، ❀ یا ان حضرات نے علاجاً منع کیا، تاکہ نفس کو مشقت اور مجاہدے کا عادی بنایا جا سکے، جیسا کہ بزرگان دین کا معمول رہا ہے۔(۲)

علامہ قرطبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ کھانے کی اشیاء کی تاثیر اور ان کے خواص کو پیش نظر رکھنا چاہیے، جس طرح کہ حدیث میں ککڑی یا کھیرے اور کھجور کی تاثیر کو سامنے رکھ کر ملا کر کھانے کا ذکر آیا ہے، لہذا طبی نقطہ نظر سے کھانے کی اشیاء کی تاثیر کو سامنے رکھ کر انہیں استعمال کیا جا سکتا ہے۔(۳)

---

(۱) فتح الباری ۷۱۵/۹، کتاب الاطعمة، باب جمع اللونين بمرة، رقم الحديث: ۵۴۴۹، عمدة القاری ۶۶/۲۱، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۹۵/۱، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۳۲۳)

(۲) شرح مسلم للنووی ۱۸۰/۲، کتاب الاطعمة، باب أكل القثاء بالرطب، تكملة فتح الملهم ۴۶/۴۔ رقم الحديث: ۵۲۸۹

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۹۶/۱، تحفة الاحوذی ۵۹۰/۵ کتاب الاطعمة، باب ما جاء فی أكل القثاء بالرطب، رقم الحديث: ۱۸۴۴۔

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْكُلُ الْبِطِّيخَ بِالرُّطَبِ.(۱)

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تربوز یا خربوزہ کو تازہ پختہ کھجور کے ساتھ تناول فرماتے تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ بَيْنَ الْخِرْبِزِ وَالرُّطَبِ.

حضرت انس بن مالکؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو خربوزہ اور تازہ پختہ کھجور کو جمع کر کے کھاتے ہوئے دیکھا ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَلَ الْبِطِّيخَ بِالرُّطَبِ.

حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تازہ پختہ کھجوروں کے ساتھ ملا کر تناول فرماتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** البطیخ: (باء اور طاء کے نیچے زیر اور طاء پر تشدید) تربوز، خربوزہ، رطب: (را پر پیش اور طاء پر زبر) تازہ پختہ کھجور، الخربز: (خاء کے نیچے زیر، را ساکن اور با کے نیچے زیر کے ساتھ) خربوزہ، جو زرد ہوتا ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تربوز اور خربوزہ کو تازہ کھجور کے ساتھ تناول فرماتے

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت عائشہؓ کی روایت سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تربوز کو تازہ پختہ کھجور کے ساتھ ملا کر کھایا کرتے تھے، اس طرح ملا کر کھانے سے غذا میں اعتدال پیدا ہو جاتا ہے، کیونکہ کھجور کا ذائقہ گرم جبکہ تربوز کا اثر ٹھنڈا ہوتا ہے، ان میں سے ہر ایک دوسرے کے اثر کو ختم کر دیتا ہے، جس سے طبیعت میں اعتدال اور مزاج میں یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے، ویسے بھی طبی نقطہ نظر سے گرم اور سرد تاثیر والی اشیاء کو ملا کر کھانا صحت کے لیے انتہائی مفید ہوتا ہے، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے یوں کھاتے کہ دائیں ہاتھ میں تازہ کھجور ہوتی اور بائیں ہاتھ میں تربوز، پھر انہیں ملا کر تناول فرماتے، پہلے ایک کھجور منہ میں رکھ لیتے، پھر دائیں ہاتھ سے تربوز کا ایک ٹکڑا تناول فرماتے۔(۲) اور ملا کر کھانے کی یہ صورت بھی ہو سکتی ہے کہ انہیں ایک ساتھ منہ میں رکھ کر کھا لیا جائے۔(۳)

۲۔ بعض حضرات نے بطیخ سے خربوزہ مراد لیا ہے کہ سرزمین عرب اور حجاز میں تربوز کی بنسبت خربوزہ زیادہ پایا جاتا تھا۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی تازہ پختہ کھجور کے ساتھ تربوز اور کبھی خربوزہ ملا کر تناول فرمایا کرتے، تربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھانے کی وجہ نمبر ا میں گذر چکی ہے اور خربوز کو کھجور کے ساتھ ملا کر کھانے کے شارحین نے تین سبب ذکر کیے

---

(۱) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۴۴۔

(۲) فتح الباری ۷۱۵/۹، کتاب الاطعمة، باب جمع اللونین بمرة۔ رقم الحدیث: ۵۴۴۹

(۳) أشعة اللمعات ۴۹۲/۳ کتاب الاطعمة، الفصل الاول۔

ہیں:

✿ عموماً خربوزہ پھیکا ہوتا ہے، اس میں مٹھاس پیدا کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھجور کے ساتھ کھاتے تھے، تاکہ اس کا پھیکا پن ختم ہوجائے۔

✿ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حدیث میں خربوزہ سے کچا خربوزہ مراد ہے، اس کی تاثیر ٹھنڈی ہوتی ہے، کھجور کے ساتھ ملا کر اسے کھانا مفید ہوتا ہے۔(۱)

✿ یہ بھی ممکن ہے کہ حدیث میں پکا ہوا خربوزہ مراد ہو، اسے بھی کھجور کے ساتھ ملا کر کھانا صحت کے لیے فائدہ مند ہوتا ہے، پختہ خربوزہ کی تاثیر اگرچہ گرم ہوتی ہے اور کھجور کی بھی گرم، مگر بسا اوقات نسبتاً دو گرم تاثیر والی چیزیں بھی مفید ہوتی ہیں۔

لہٰذا سنت پر عمل کرنے کی نیت سے تازہ پختہ کھجور کے ساتھ کبھی تربوز کو اور کبھی خربوزے کو ملا کر کھالیا جائے تو یہ بہتر ہے، کیونکہ لغوی معنیٰ کے لحاظ سے لفظ بطیخ تربوز اور خربوز دونوں کو شامل ہے، اس طرح دونوں طرح کی حدیثوں پر عمل ہوجائے گا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ النَّاسُ إِذَا رَأَوْا أَوَّلَ الثَّمَرِ جَاءُوا بِهِ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَإِذَا أَخَذَهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي ثِمَارِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَفِي مُدِّنَا، اَللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ، وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ بِهِ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهِ مَعَهُ قَالَ: ثُمَّ يَدْعُو أَصْغَرَ وَلِيدٍ يَرَاهُ، فَيُعْطِيهِ ذَلِكَ الثَّمَرَ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ لوگ جب موسم کا پہلا پھل دیکھتے تو اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں پیش کرتے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اسے لیتے اور یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِي ثِمَارِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي مَدِينَتِنَا، وَبَارِكْ لَنَا فِي صَاعِنَا وَفِي مُدِّنَا، اَللّٰهُمَّ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ عَبْدُكَ وَخَلِيلُكَ وَنَبِيُّكَ، وَإِنِّي عَبْدُكَ وَنَبِيُّكَ، وَإِنَّهُ دَعَاكَ لِمَكَّةَ، وَإِنِّي أَدْعُوكَ لِلْمَدِينَةِ بِمِثْلِ مَا دَعَاكَ بِهِ لِمَكَّةَ وَمِثْلِهِ مَعَهُ (ترجمہ: اے اللہ! ہمارے لیے ہمارے پھلوں میں برکت پیدا فرما، ہمارے لیے ہمارے شہر میں برکت فرما اور ہمارے لیے ہمارے صاع اور ہمارے مد میں برکت پیدا فرمادے، اے اللہ! یہ یقینی بات ہے کہ ابراہیم تیرے بندے، تیرے دوست اور تیرے نبی تھے، اور میں بھی تیرا بندہ اور تیرا نبی ہوں، انہوں نے تجھ سے مکہ کے لیے دعا کی تھی، میں تجھ سے مدینہ کے لیے وہی کچھ مانگتا ہوں جو انہوں نے مکہ کے لیے مانگا تھا، بلکہ اس سے دوگنا مانگتا ہوں، راوی کہتے ہیں: پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جس چھوٹے بچے کو دیکھتے، اسے بلاتے اور وہ پھل اسے (کھانے کے لیے) دے دیتے۔)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۹۷

(۲) سنن الترمذی، الدعوات، رقم الحدیث: ۱۴۵۱۔

# صاع، مد اور رطل: پیمائش کے آلے

صاع: غلہ ناپنے کا ایک پیمانہ ہے جو اہل حجاز کے حساب سے ۴ مد یعنی ۴ پونڈ یعنی گیارہ سو بیس درہم کے وزن کے بقدر ہوتا ہے، اور اہل عراق کے حساب سے آٹھ رطل کے برابر یا دو سیر چودہ چھٹانک چار تولہ کے برابر، مد: (میم پر پیش اور دال پر تشدید) ایک قدیم پیمانہ ہے، فقہاء کا اس کے وزن میں اختلاف ہے، اہل حجاز کے نزدیک یہ ایک رطل اور تہائی رطل ہے، اہل عراق اور احناف اس کو دو رطل کے بقدر مانتے ہیں اور رطل: ایک وزن یا پیمانہ ہے جو ۶۴ تولہ ڈیڑھ ماشہ ہے، اس کے گرام ہیں: ۳۹۸ گرام اور ۴۳ ملی گرام، رطل مختلف ملکوں میں مختلف وزن اور مقدار کا ہوتا ہے، مصری رطل بارہ اوقیہ کے برابر ہے اور ایک اوقیہ: بارہ درہم کے برابر ہے، اور ایک درہم: تین ماشہ اور ایک رتی سے قدرے زائد یعنی ۳ گرام اور ۶۲ ملی گرام ہے۔(۱)

**مشکل الفاظ کے معنی:** اول الثمر: موسم کا پہلا پھل، اسے "باکورۃ" بھی کہا جاتا ہے، خلیلک: آپ کا گہرا دوست، جو ہر چیز میں آپ کا ہی محتاج ہے اور جو صرف آپ ہی سے محبت کرتا ہے، و مثلہ معہ: اور اس کے ساتھ اس چیز کا دوگنا، جو حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مکہ کے لیے مانگا ہے، اصغر ولید: چھوٹا بچہ۔

# موسم کا پہلا پھل دیکھنے کی ایک مسنون دعا

موسم کا پہلا پھل جب کھانے کے قابل ہو جاتا تو صحابہ کرام اسے نبی کریم ﷺ کے پاس لے آتے، آپ ﷺ اسے لیکر حدیث میں مذکورہ یہ دعا پڑھتے: اللھم بارک لنا فی ثمارنا... و مثلہ معہ تک، اس دعا میں نبی کریم ﷺ نے پھلوں میں برکت کی دعا کی اور یہ کہ ہمارے لیے مدینہ منورہ، اس کے صاع اور مد میں برکت عطا فرما، چنانچہ اس دعا کی برکت کا ہی نتیجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مدینہ منورہ کو ظاہری اعتبار سے بھی خوب وسعت عطا فرمائی ہے، اس شہر کا رقبہ چاروں طرف سے کئی میلوں تک پھیلا ہوا ہے، مسجد نبوی میں بھی کئی بار توسیع ہوئی، اور مدینہ منورہ میں رہنے والوں کی تعداد میں بھی بہت اضافہ فرمایا، چنانچہ حضرت فاروق اعظم کے زمانے میں ایک دفعہ صرف جنگی گھوڑوں کو شمار کیا گیا، تو ان کی تعداد چالیس ہزار تھی، یہ تو اس دور کی بات ہے اور اب تو اس سے کہیں زیادہ مدینہ منورہ کے باشندوں میں اضافہ ہو چکا ہے، اور مسلسل اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے، یہ سب نبی کریم ﷺ کی دعا کی قبولیت کی برکات ہیں۔

وبارک لنا فی صاعنا و مدنا، مدینہ کے صاع اور مد میں برکت عطا فرما، اس سے کیا مراد ہے؟ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ مدینہ کے صاع اور مد میں برکت: دینی اور دنیاوی دونوں اعتبار سے ہے، دینی لحاظ سے برکت یہ ہے کہ شریعت نے زکوٰۃ، صدقۂ فطر اور کفارے کے وجوب میں مدینہ کے صاع اور مد کا اعتبار کیا ہے، اور اسی کو لازم قرار دیا ہے، اور دنیاوی اعتبار سے برکت

---

(۱) القاموس الوحید عربی سے اردو، ص: ۹۵۱، ۱۵۳۲، ۶۳۲، ط: ادارہ اسلامیات لاہور

اس طرح ہے کہ مدینہ منورہ کا ایک صاع اور ایک مد غلہ کئی سارے بندوں کے لیے کافی ہوجاتا ہے، جبکہ مدینہ کے علاوہ دوسرے شہروں کے صاع اور مد میں یہ بات نہیں، اور جو شخص ان پیمانوں کو اپنے کاروبار میں استعمال کرتا ہے تو اس کے مال و دولت میں اضافہ، کاروبار اور تجارت میں خوب ترقی ہوتی ہے، یہی وجہ ہے کہ پھر پوری دنیا سے اور خاص طور پر عالم اسلام سے ہر قسم کی چیز ہر موسم میں وافر مقدار میں حرمین شریفین میں دستیاب ہوتی ہے۔(۱)

وانہ دعاک بمکۃ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے تجھ سے مکہ مکرمہ کے لیے جن چیزوں کی دعا کی، جس کا ذکر اس آیت میں ہے: فَاجْعَلْ أَفْئِدَةً مِنَ النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَارْزُقْهُمْ مِنَ الثَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ يَشْكُرُونَ (بعض لوگوں کا دل اس طرح کر دیجئے کہ وہ ان کی طرف مائل ہوں اور ان کو میووں سے روزی دے، شاید وہ شکر کریں) (سورہ ابراہیم، آیت نمبر: ۳۷) میں بھی تجھ سے مدینہ کے لیے ان تمام چیزوں کا سوال کرتا ہوں، بلکہ اس سے دوگنی چیزیں مانگتا ہوں، تاکہ مدینہ کے شہر میں خوب برکتیں رونما ہوں، اس دعا سے مدینہ منورہ کا حرم مراد نہیں، جس طرح کہ مکہ مکرمہ کا حرم ہے، جس کے مخصوص احکام ہیں، جن کی خلاف ورزی پر صدقہ یا دم واجب ہوتا ہے۔

فیعطیہ ذلک الثمر وہ پھل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی ولید یعنی کسی چھوٹے بچہ کو دے دیتے، خواہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کا ہوتا یا کسی اور خاندان سے اس کا تعلق ہوتا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ اخلاق کا ایک کرشمہ اور نمونہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے خود تناول نہ فرماتے اور نہ ہی کسی اور بڑے شخص کو دیتے بلکہ شفقت کی وجہ سے چھوٹے بچہ کو دیتے، اس لیے کہ چھوٹا بچہ ایسے موقع پر پھل کا زیادہ خواہش مند ہوتا ہے۔(۲)

اس بات پر سب کا اتفاق ہے کہ مکہ ومدینہ تمام روئے زمین سے افضل ہیں، مگر اس میں پھر اختلاف ہے کہ مکہ ومدینہ میں سے کون سا شہر افضل ہے، ائمہ ثلاثہ کے نزدیک مکہ مکرمہ افضل ہے، اور امام مالک کے نزدیک مدینہ منورہ افضل ہے، جبکہ اس میں سب ہی کا اتفاق ہے کہ روضۂ رسول کی زمین کا وہ حصہ جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک کے ساتھ لگا ہوا ہے، وہ آسمان وزمین بلکہ عرش اور کرسی سے بھی افضل ہے۔(۳)

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- سنت یہ ہے کہ موسم کا پھل کسی نیک آدمی کے پاس لایا جائے، تاکہ وہ یہ مسنون دعا پڑھے اور پھر وہ پھل کسی بچہ کو دے دیا جائے۔
- اپنے شہر اور گاؤں کی پیمائش کے آلات میں برکت کی دعا کا اہتمام کرنا چاہیے۔

---

(۱) شرح مسلم النووی ۱/۴۴۲، کتاب الحج، باب فضل المدینۃ، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۲۹۹

(۲) تحفۃ الاحوذی ۹/۳۸۹، کتاب الدعوات، باب مایقول اذا رأی الباکورۃ من الثمر، رقم الحدیث: ۳۴۵۴

(۳) المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۳۲۶)

پابندی سے اپنی پیداوار کا عشر اور آمدن کی زکوٰۃ ادا کی جائے۔

## نکسیر کا خون بند کرنے کا ایک وظیفہ

علامہ بیجوری فرماتے ہیں کہ لفظ "مکہ" کی ایک یہ خصوصیت ہے کہ جس شخص کو نکسیر ہو تو اس کی پیشانی پر یہ لکھا جائے: مَكَّةُ وَسْطُ الْبِلَادِ، وَاللّٰهُ رَؤُوفٌ بِالْعِبَادِ (مکہ تمام شہروں کے وسط میں واقع ہے، اور اللہ اپنے بندوں کے ساتھ بہت مہربان ہے) تو اس سے نکسیر کا خون ان شاء اللہ بند ہو جائے گا۔(۱)

عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ، قَالَتْ: بَعَثَنِي مُعَاذُ بْنُ عَفْرَاءَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَعَلَيْهِ أَجْرٍ مِنْ قِثَّاءٍ زُغْبٍ، وَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ الْقِثَّاءَ، فَأَتَيْتُهُ بِهِ وَعِنْدَهُ حِلْيَةٌ قَدْ قَدِمَتْ عَلَيْهِ مِنَ الْبَحْرَيْنِ، فَمَلَأَ يَدَهُ مِنْهَا فَأَعْطَانِيهِ.

ترجمہ: حضرت ربیع بنت معوذ بن عفراء فرماتی ہیں کہ مجھے میرے چچا معاذ بن عفراء نے تازہ کھجوروں کا ایک طبق ٹرے کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھیجا، جس پر چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیاں بھی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ککڑی کو پسند فرماتے تھے، چنانچہ میں وہ طبق لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ زیورات تھے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے آئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک ہاتھ بھرا اور وہ مجھے عطا فرمایا۔

عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ، قَالَتْ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَأَجْرٍ زُغْبٍ، فَأَعْطَانِي مِلْءَ كَفِّهِ حُلِيًّا أَوْ قَالَتْ: ذَهَبًا.

ترجمہ: حضرت ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں کہ میں تازہ پختہ کھجوروں اور چھوٹی چھوٹی روئیں دار ککڑیوں کا ایک طبق لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی ہتھیلی بھر کر زیور یا فرمایا کہ سونا، عنایت فرمایا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** قناع: (قاف کے نیچے زیر) بڑی پلیٹ، ٹرے، طبق، جس پر کھجوریں اور پھل کھایا جاتا تھا، اور اس زمانے میں یہ طباق ٹوکری، کھجور کے پتوں سے بنائی جاتی تھی، رطب: (را پر پیش اور طا پر زبر) تازہ پختہ کھجور، أجر: (ہمزے پر زبر، جیم ساکن، را پر زیر اور تنوین کے ساتھ) جرو: (جیم کے نیچے زیر اور را ساکن) کی جمع ہے، اور "أجر" اصل میں "أجرو" ہے أفلس کی طرح پھر اس "واؤ" کو یاء سے بدل دیا، اور یاء کی مناسبت سے اس سے پہلے زیر دے دی اور پھر قاضی والے قانون سے اس کی تعلیل کر کے واؤ کو حذف کر دیا، تو "أجر" ہو گیا، ترجمہ: ابتداء میں نکلا ہوا چھوٹا پھل، خواہ وہ کوئی بھی پھل ہو، یہاں اس سے چھوٹی ککڑی مراد ہے، کیونکہ اس کے بعد "من القثاء" ہے یہ "من" برائے بیان ہے، زغب: (زا پر پیش اور غین ساکن)

(۱) للمواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۳۲۶)

أزغب کی جمع ہے: روئیں دار، چھوٹے بالوں کی طرح باریک باریک ذرے اور روئیاں جو ککڑی کے اوپر ہوتی ہیں۔ فأتيته به: "به" کی ضمیر "قناع" کی طرف لوٹ رہی ہے: میں اس طباق کو لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوئی، حلية: (حا کے نیچے زیر اور لام ساکن) زیور، ملأيده منها: "منها" کی ضمیر "حلية" کی طرف لوٹ رہی ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا ایک ہاتھ زیور سے بھرا، ملأ كفه: (میم کے نیچے زیر، لام ساکن اور ہمزے پر زبر) اپنی ہتھیلی بھر کر یعنی اپنا ایک ہاتھ بھر کر۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے حضرت معاذ بن عفراء کی طرف سے ہدیہ

مذکورہ احادیث میں ہے کہ حضرت ربیع بنت معوذ کو ان کے چچا حضرت معاذ بن عفراء نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ کے ساتھ بھیجا، جس میں تازہ پختہ کھجوریں اور روئیں دار ککڑیاں تھیں، یہ چیز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھی، صحت کے لیے بھی یہ بہت مفید ہے، اس ہدیہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہو گئے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بحرین سے خراج اور ٹیکس کے زیورات آئے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان میں سے ایک ہاتھ بھر کر حضرت ربیع کو ہدیہ کے طور پر دے دیا، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کمال تواضع اور عمدہ اخلاق ثابت ہوتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاتون کے مزاج کو سامنے رکھ کر اس کی دلجوئی کے لیے زیورات عنایت فرمائے، اس سے معلوم ہوا کہ ہدیہ لانے والے شخص کو اگر کچھ دے دیا جائے تو یہ بھی باعث اجر وثواب ہے، اس حدیث سے اس کا مستحب ہونا ثابت ہو رہا ہے۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شَرَابِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کی چیزوں کا بیان ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ أَحَبَّ الشَّرَابِ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْحُلْوُ الْبَارِدُ.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے کی چیزوں میں میٹھا اور ٹھنڈا مشروب بہت پسند تھا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو میٹھا اور ٹھنڈا مشروب پسند تھا

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میٹھا اور ٹھنڈا مشروب بہت پسند تھا، کیونکہ یہ جسمانی حرارت کو دور کر کے دل کو سکون اور صحت کو تازگی فراہم کرتا ہے، گرم موسم میں جب انسان ٹھنڈا پانی پیتا ہے تو دل کی گہرائیوں سے اللہ جل جلالہ کی حمد وثناء اور شکر ادا ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں یوں تو کھانے کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، کھانے کے وقت جو بھی کھانے کی چیز دستیاب

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۳۰۲

(۲) سنن الترمذی، الأشربة، رقم الحدیث: ۱۸۹۷۔

ہوتی، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرمالیتے، مگر میٹھے اور ٹھنڈے پانی کا خاص اہتمام تھا، چنانچہ مدینہ منورہ سے کئی میل کے فاصلے پر ''سقیا'' نامی ایک چشمہ تھا، وہاں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میٹھا پانی لایا جاتا تھا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت داؤد علیہ السلام کی ایک دعا نقل کی ہے، اس میں بھی ٹھنڈے پانی کا خاص طور پر ذکر ہے، وہ دعا یہ ہے: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ حُبَّكَ أَحَبَّ إِلَيَّ مِنْ نَفْسِيْ وَأَهْلِيْ وَمِنَ الْمَاءِ الْبَارِدِ۔ (اے اللہ! مجھے اپنی ایسی محبت عطا فرما، جو مجھے اپنی جان، اہل وعیال اور ٹھنڈے پانی سے بھی زیادہ محبوب ہو۔)

حدیث میں ''الحلو البارد'' (میٹھی اور ٹھنڈی چیز) سے صرف پانی ہی مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے عموم مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر میٹھا اور ٹھنڈا مشروب بہت پسند تھا، خواہ وہ میٹھا پانی ہو یا دودھ، نبیذ ہو یا شہد وغیرہ کا شربت، اس وضاحت سے مذکورہ حدیث اور ان حدیثوں کے درمیان مطابقت اور یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے، جن میں سے ایک میں یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پینے کی چیزوں میں دودھ سب سے زیادہ پسند تھا، اور ایک اور حدیث میں شہد کا ذکر ہے کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت پسند تھا، عموم مراد لینے کی صورت میں ان روایات میں جو بظاہر تعارض معلوم ہوتا ہے، یہ ختم ہو جاتا ہے۔(۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: دَخَلْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَا وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ عَلَى مَيْمُوْنَةَ، فَجَاءَتْنَا بِإِنَاءٍ مِنْ لَبَنٍ، فَشَرِبَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عَلَى يَمِيْنِهِ وَخَالِدٌ عَلَى شِمَالِهِ، فَقَالَ لِي: الشَّرْبَةُ لَكَ، فَإِنْ شِئْتَ آثَرْتَ بِهَا خَالِدًا، فَقُلْتُ: مَا كُنْتُ لِأُوْثِرَ عَلَى سُؤْرِكَ أَحَدًا، ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ أَطْعَمَهُ اللّٰهُ طَعَامًا، فَلْيَقُلْ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ، وَمَنْ سَقَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ لَبَنًا، فَلْيَقُلِ: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ. ثُمَّ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَيْسَ شَيْءٌ يُجْزِئُ مَكَانَ الطَّعَامِ وَالشَّرَابِ غَيْرُ اللَّبَنِ.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ میں اور خالد بن ولید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ہاں گئے (ام المؤمنین حضرت میمونہ ان دونوں حضرات کی خالہ تھیں) وہ ایک برتن میں دودھ لے کر ہمارے پاس آئیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پیا، میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب اور خالد بن ولید آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب بیٹھے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے فرمایا: پینے کا حق تو تمہارا ہے (کیونکہ تم میری جانب بیٹھے ہو) لیکن اگر تم چاہو تو (بڑے کے احترام کی وجہ سے) اس حق میں خالد کو اپنے اوپر مقدم کر سکتے ہو (ترجیح دے سکتے ہو) میں نے عرض کیا: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھوٹے پر اپنے سے کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو اللہ تعالیٰ کوئی چیز کھلائیں تو اسے یہ دعا پڑھنی چاہیے: اَللّٰهُمَّ بَارِكْ لَنَا فِيْهِ وَأَطْعِمْنَا خَيْرًا مِنْهُ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۳۰۲۔
(۲) سنن ابن ماجة، الأشربة، رقم الحديث: ۳۴۲۶۔

اے اللہ! اس میں ہمارے لیے برکت پیدا فرما، اور ہمیں اس سے بہتر کھلا اور جس شخص کو اللہ تعالیٰ دودھ پلائیں تو اسے چاہیے کہ وہ یہ دعا پڑھے: اَللّٰھُمَّ بَارِکْ لَنَا فِیْہِ وَزِدْنَا مِنْہُ لے اللہ! اس میں ہمارے لیے برکت پیدا فرما اور ہمارے لیے اس میں اضافہ فرما، ابن عباس فرماتے ہیں کہ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: دودھ کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہیں، جو کھانے اور پینے دونوں کے لیے کافی ہو۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ الشربة لک: (شین پر زبر اور را ساکن) پینے کا حق تمہارا ہے کیونکہ تم دائیں جانب بیٹھے ہو، فان شئت: اگر تم چاہو، اثرت بها: تم اس شربہ میں ترجیح دے سکتے ہو، مقدم کر سکتے ہو، لأوثر: (صیغہ واحد متکلم) تاکہ میں ترجیح دوں، یہ فعل حالت نصب میں ہے، جس طرح قرآن مجید کی اس آیت وما کان اللہ لیعذبھم میں لیعذبھم حالت نصب میں ہے۔ علی سؤرک: (سین پر پیش اور ہمزہ ساکن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھوٹے پر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بچے ہوئے پانی پر، وزدنا منه: اور ہمارے لیے اس دودھ میں اضافہ فرما، واطعمنا: اطعام سے صیغہ امر: تو ہم کو کھلا دے، یجزی: (یاء پر پیش، جیم ساکن، زاء کے نیچے زیر اور ہمزہ پر پیش) کافی ہے، مکان الطعام والشراب: کھانے اور پینے کی جگہ، جو ان کے قائم مقام ہو۔

## کھانے اور دودھ پینے کی دعائیں

مذکورہ حدیث میں بعض اہم امور کا بیان ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا، حضرت عبداللہ بن عباس اور حضرت خالد بن ولید ان دونوں حضرات کی خالہ تھیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ یہ اپنی خالہ کے گھر آئے، انہوں نے ان کی دودھ سے ضیافت کی، اس سے معلوم ہوا کہ کبھی کبھی اپنی خالہ کے گھر بھی جانا چاہیے۔

۲۔ حضرت میمونہ جو دودھ لائی تھیں، اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور بائیں جانب حضرت خالد بن ولید تشریف فرما تھے، سنت کے مطابق باقی ماندہ دودھ کا پیالہ دائیں طرف بیٹھے آدمی کو دینا چاہیے، کیونکہ دائیں جانب والا شخص اس فرشتہ کے قریب ہوتا ہے، جو فرشتہ انسان کی دائیں جانب پر مامور ہوتا ہے، اور یہ فرشتہ، بائیں جانب والے فرشتہ پر حاکم ہوتا ہے، اس لحاظ سے دودھ پینے کا حق حضرت عبداللہ بن عباسؓ کا تھا، کیونکہ یہ دائیں جانب بیٹھے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابن عباسؓ سے یہی فرمایا اور ساتھ ہی ترغیب بھی دے دی کہ تم چاہو تو خالد بن ولید کو اس پینے میں اپنے سے مقدم کر سکتے ہو، اس سے دراصل ابن عباسؓ کو یہ تعلیم دینا مقصود تھا کہ تم چھوٹے ہو، خالد بن ولید تم سے بڑے ہیں، اپنی قوم کے سردار ہیں اور ابھی ابھی وہ دائرہ اسلام میں داخل ہوئے ہیں، بڑے کے ادب کو ملحوظ رکھ کر اگر تم اپنا پینے کا حق ان پر قربان کر دو تو اس سے یہ خوش ہو جائیں گے، یہ صرف ترغیب کی حد تک بات تھی، حکم نہیں تھا، لیکن اس سب کے باوجود ابن عباسؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جھوٹے پر کسی کو مقدم نہیں کر سکتا، کسی کو ترجیح نہیں دے سکتا، ان کے عشق اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کے ساتھ سچی محبت نے یہ گوارا نہ کیا کہ پینے کا اپنا حق کسی اور کو دے دیں، چنانچہ انہوں نے پہلے خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مبارک جھوٹا پیا۔

اس واقعہ میں آپ نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دائیں طرف بیٹھے حضرت ابن عباسؓ سے حضرت خالد کو پہلے پانی پلانے کی اجازت طلب کی، مگر انہوں نے یہ سعادت خود ہی حاصل کی، کبھی ایسا بھی ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب اعرابی بیٹھے تھے، بائیں جانب حضرت صدیق اکبرؓ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اعرابی سے کوئی اجازت نہیں لی، بلکہ پہلے اپنا جھوٹا اس اعرابی کو پلایا پھر حضرت صدیقؓ نے پیا، ایسا کیوں؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مزاج شناس تھے، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلے پر مطمئن رہتے، اللہ نے جوان کو مقام صدیق عطا فرمایا تھا، اس میں کوئی فرق نہ آتا، اس کے برعکس شمائل کی مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت خالدؓ کی دلجوئی کے لیے ابن عباس سے اجازت طلب کی تھی، اجازت نہ دینے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ذرا بھی ناگواری محسوس نہیں کی۔

اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عباسؓ ہی کی ایک روایت ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ابدأوا بالأکبر پانی پلانے میں بڑے سے آغاز کرو، اس حدیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت خالدؓ کو پہلے پانی پلایا جاتا، کیونکہ وہ ابن عباسؓ سے بڑے تھے؟ شارحین فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دائیں جانب کوئی بھی نہ بیٹھا ہو بلکہ سارے لوگ یا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھے ہوں تو اس وقت پلانے کا آغاز بڑی عمر والے شخص سے کرنا چاہیے، لیکن اگر دائیں جانب لوگ بیٹھے ہوں تو پھر پلانے کا آغاز دائیں جانب بیٹھے شخص سے کیا جائے گا، بھلے وہاں جو شخص بھی بیٹھا ہو۔

۳۔ اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی شخص کسی بڑے عالم کی مجلس میں کسی اہم مقام پر بیٹھا ہو، یا صف اوّل میں کھڑا ہو، یا بیت اللہ کے قریب بیٹھا ہو، یا ریاض الجنہ میں کسی خاص مقام پر بیٹھا ہو، اتنے میں اس سے زیادہ فضیلت والا کوئی آدمی آجائے، تو وہ وہیں بیٹھ جائے، جہاں اسے آسانی سے جگہ دستیاب ہو جائے، اس بیٹھے شخص کو زبردستی اس جگہ سے اٹھانا جائز نہیں ہے، البتہ اگر وہ اپنی خوشی سے اپنا یہ حق کسی کو دے دے، تو ایسا وہ کر سکتا ہے۔

۴۔ فلیقل: اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ یہ دعا کب پڑھی جائے گی؟ اس میں دو قول ہیں: ۞ کھانے کے شروع میں یہ دعا پڑھی جائے، چنانچہ امام ترمذی نے ابواب الدعوات میں اسی موقع پر پڑھنے کا ذکر کیا ہے۔ ۞ کھانے کے بعد اگر پڑھے تو پہلے دوسری مسنون دعا پڑھے مثلاً: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَجَعَلَنَا مُسْلِمِيْنَ پڑھے، اس کے بعد یہ دعا پڑھے: اَللّٰهُمَّ بَارِکْ لَنَا فِيْهِ وَاَطْعِمْنَا خَيْرًا مِّنْهُ۔

۵۔ ''دودھ'' اللہ جل شانہ کی ایک عظیم نعمت ہے، یہ پانی اور غذا دونوں کا فائدہ دیتا ہے، دودھ کے علاوہ ایسی کوئی چیز نہیں، جو کھانے اور پینے دونوں کا بدل بن سکے، اس لیے خاص طور پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ پینے کے بعد اس دعا کی تعلیم دی: اَللّٰهُمَّ

بَارِکْ لَنَا فِیْهِ وَزِدْنَا مِنْهُ (اے اللہ! ہمارے لیے اس دودھ میں برکت پیدا فرما، اور اس میں ہمارے لیے اضافہ فرما)

۶۔ ان دونوں دعاؤں میں لنا، اطعنا اور زدنا میں جمع کے الفاظ ہیں، اس سے تمام مسلمان یا تمام کھانے والے مراد ہیں، چونکہ یہ الفاظ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلے ہیں، اس لیے انہی الفاظ کے ساتھ ہی یہ دعا مانگنی چاہیے، اگر چہ دعا مانگنے والا ایک ہی شخص ہو، اور خواہ وہ عورت ہو، تب بھی ان الفاظ سے ہی دعا کی جائے۔(۱)

## امام ترمذی کا حدیث عائشہؓ پر کلام

قَالَ أَبُو عِيسَى: هٰكَذَا رَوَى سُفْيَانُ بْنُ عُيَيْنَةَ هٰذَا الْحَدِيثَ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ. وَرَوَاهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ الْمُبَارَكِ، وَعَبْدُ الرَّزَّاقِ، وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنْ مَعْمَرٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا وَلَمْ يَذْكُرُوا فِيهِ عَنْ عُرْوَةَ، عَنْ عَائِشَةَ. وَهٰكَذَا رَوَى يُونُسُ وَغَيْرُ وَاحِدٍ، عَنِ الزُّهْرِيِّ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرْسَلًا. قَالَ أَبُو عِيسَى: إِنَّمَا أَسْنَدَهُ ابْنُ عُيَيْنَةَ مِنْ بَيْنِ النَّاسِ.

اس عبارت سے یہ بتانا چاہتے ہیں کہ امام زہری نے اس حدیث کو دو طرح سے نقل کیا ہے:

- ایک طریق موصول اور متصل ہے یعنی: عن معمر عن الزهری، عن عروة، عن عائشة اس میں کوئی راوی حذف نہیں، یہ سفیان بن عیینہ کا طریق کہلاتا ہے۔
- عبداللہ بن مبارک، عبدالرزاق اور دوسرے راویوں نے اس حدیث کو عن معمر عن الزهری، عن النبی صلی اللہ علیه وسلم مرسلاً ذکر کیا ہے، اس میں عن عروة عن عائشة کا ذکر نہیں ہے۔

امام ترمذی نے ابواب الاشربة، باب ما جاء أي الشراب كان أحب الى رسول اللہ صلى اللہ عليه وسلم میں اس حدیث پر کلام کرتے ہوئے یہ لکھا ہے: "والصحيح ما روى الزهري عن النبي صلى اللہ عليه وسلم مرسلا"۔ امام ترمذی کے نزدیک امام زہری کی وہ روایت جو بذریعہ ارسال ہم تک پہنچی ہے، وہ صحیح ہے، مرسل روایت کو انہوں نے ترجیح دی ہے، اس کی وجہ یہ بیان کی ہے کہ اس روایت کو اکثر راویوں نے امام زہری سے مرسلاً ہی روایت کیا ہے، اس لیے یہی صحیح ہے، صرف سفیان بن عیینہ نے اس روایت کو مسنداً اور موصولاً روایت کیا ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کی یہ تحقیق محل نظر ہے:

۱۔ سفیان بن عیینہ ایک ثقہ راوی اور تابعی ہیں، جب وہ اس حدیث کو عن معمر، عن الزهری، عن عروة، عن عائشة مرفوعاً روایت کر رہے ہیں تو یقیناً اس روایت کی سند صحیح ہوگی اور جس طریق میں ثقہ راوی زیادہ ہوں تو وہ سنداً اور متن دونوں اعتبار سے مقبول ہوتی ہے۔

---

(۱) جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوي ۳۰۳/۱، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۳۳۲)

۲۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ مرسل روایت جمہور کے نزدیک حجت ہے، اور فضائل اعمال میں سب کے نزدیک معتبر ہوتی ہے، لیکن اس کے باوجود ابن ہمام کی تصریح کے مطابق "مسند روایت" کے مقابلے میں مرسل کا اعتبار نہیں ہوتا، اگرچہ اکثر راویوں نے اس روایت کو مرسلاً ہی ذکر کیا ہو۔

۳۔ نیز امام احمد نے اپنی مسند میں اور حاکم نے مستدرک میں اس روایت کو مسنداً حضرت عائشہ کے طریق سے روایت کیا ہے۔(۱)

اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ اس روایت کا مسند طریق ہی راجح ہے۔

## امام ترمذی کا حدیث ابن عباس پر کلام

**قَالَ أَبُو عِيسَى : وَمَيْمُونَةُ بِنْتُ الْحَارِثِ، زَوْجُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، هِيَ خَالَةُ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيدِ، وَخَالَةُ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَخَالَةُ يَزِيدَ بْنِ الأَصَمِّ. وَاخْتَلَفَ النَّاسُ فِي رِوَايَةِ هَذَا الْحَدِيثِ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدِ بْنِ جُدْعَانَ، فَرَوَى بَعْضُهُمْ عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، عَنْ عُمَرَ بْنِ أَبِي حَرْمَلَةَ، وَرَوَى شُعْبَةُ، عَنْ عَلِيِّ بْنِ زَيْدٍ، فَقَالَ: عَنْ عَمْرِو بْنِ حَرْمَلَةَ، وَالصَّحِيحُ عُمَرُ بْنُ أَبِي حَرْمَلَةَ.**

اس عبارت میں دو باتوں کا ذکر ہے:

- زوجہ مطہرہ حضرت میمونہ بنت الحارث رضی اللہ عنہا: حضرت عبداللہ بن عباس، حضرت خالد بن ولید اور حضرت یزید بن اصم رضی اللہ عنہم کی خالہ ہیں۔
- علی بن زید بن جدعان کے شیخ کا نام دو طرح سے نقل کیا گیا ہے: ۱۔ عن عمرو بن حرملة یعنی لفظ عمر کو "واؤ" کے ساتھ، اور باپ کے نام میں لفظ "ابی" کے بغیر۔ امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: والصحیح عن عمر بن ابی حرملة، یعنی لفظ عمر "واؤ" کے بغیر اور "ابی حرملة" کی نسبت کے ساتھ صحیح ہے۔(۲)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۷۵/۸، کتاب الاطعمة باب الاشربة، رقم الحدیث: ۴۲۸۲، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۳۰۳/۱۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۳۰۵/۱

# بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ شُرْبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پینے کے انداز کا بیان ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَرِبَ مِنْ زَمْزَمَ وَهُوَ قَائِمٌ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آب زمزم کھڑے ہو کر پیا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** الشرب: (شین پر پیش) پینا، صفۃ الشرب: پینے کا طرز اور انداز، زمزم: مکہ مکرمہ میں بیت اللہ کے قریب بابرکت کنواں، جس کا پانی غذائیت سے بھرپور اور میٹھا ہے، جسے حجاج کرام اور سب ہی لوگ بڑے ادب سے پیتے ہیں، اور دور رہنے والے اس کا پانی اپنے وطن اور گھر بھی لے جاتے ہیں، زمزم: اس کے معنی ہیں: بہت زیادہ پانی۔

## آب زمزم پینے کا مسنون طریقہ

آب زمزم کھڑے ہو کر پیا جائے یا بیٹھ کر، اس کے متعلق علماء کرام کے تین قول ہیں:

۱۔ بعض کے نزدیک عام پانی کی طرح آب زمزم بھی بیٹھ کر پینا ہی افضل ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر جو آب زمزم نوش فرمایا، وہ یا تو بیانِ جواز کے لیے تھا، یا لوگوں کے رش، ہجوم اور ازدحام کی وجہ سے کھڑے ہو کر پیا، یا اس وقت اس جگہ پر کیچڑ سا تھا، جس کی وجہ سے بیٹھا نہیں جا سکتا تھا، اس عذر اور مجبوری کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر پیا تھا۔(۲)

۲۔ بعض حضرات نے کھڑے ہو کر پینے اور بیٹھ کر پینے میں اختیار دیا ہے، ان کے نزدیک دونوں طریقے برابر ہیں، کوئی ایک، دوسرے سے افضل نہیں۔

۳۔ اکثر علماء نے آب زمزم کو کھڑے ہو کر پینا مستحب اور افضل قرار دیا ہے، عام پانی تو کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا گیا ہے، مگر آب زمزم ممانعت کے حکم میں داخل نہیں، اس لیے آب زمزم کو کھڑے ہو کر پیا جائے۔(۳)

چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حجۃ الوداع کے موقع پر کھڑے ہو کر آب زمزم نوش فرمایا، جس کا ذکر شمائل کی مذکورہ حدیث میں ہے۔(۴)

---

(۱) سنن الترمذی، الأشربة، رقم الحدیث: ۱۸۸۳۔

(۲) خصائل نبوی علی شمائل ترمذی (ص:۲۱۲) باب ما جاء فی صفة شرب رسول اللہ ﷺ۔

(۳) ردالمحتار ۹۵/۱، کتاب الطہارۃ، مطلب فی مباحث الشرب قائما، خصائل نبوی (ص:۲۱۲)

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۳۰۷/۱

# آب زمزم پینے کے آداب

آب زمزم پینے کے چند آداب یہ ہیں:

۞ قبلہ رخ ہوکر پیا جائے۔ ۞ تین سانس میں آب زمزم کو پیا جائے اور ہر دفعہ کے شروع میں بسم اللہ اور آخر میں الحمدللہ کہا جائے۔ ۞ ہو سکے تو خوب پیٹ بھر کر پیا جائے۔

زمزم پینے سے پہلے جو دعا کی جائے، وہ قبول ہوتی ہے، کئی علماء نے اس موقع پر اپنی دعا کی قبولیت کا ذکر کیا ہے۔(۱) اس لیے مکمل ادب واحترام کے ساتھ، یہ پانی پینے سے پہلے اپنے لیے دعا مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔

عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ، عَنْ أَبِيهِ، عَنْ جَدِّهِ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَشْرَبُ قَائِمًا وَقَاعِدًا. (۲)

ترجمہ: حضرت عمرو بن شعیب اپنے باپ شعیب سے اور شعیب اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کرتے ہیں، فرماتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو کھڑے ہوکر اور بیٹھ کر دونوں حالتوں میں پانی پیتے ہوئے دیکھا۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: سَقَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ زَمْزَمَ فَشَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو زمزم کا پانی پلایا، آپ ﷺ نے کھڑے ہونے کی حالت میں ہی وہ پانی پیا۔

## کھڑے ہوکر پانی پینے کا مسئلہ

کھڑے ہوکر پانی پینے کے بارے میں روایات مختلف ہیں، بعض روایات میں بڑی سختی اور تاکید کے ساتھ کھڑے ہوکر پانی پینے سے منع کیا گیا ہے، جبکہ دیگر بعض روایات سے اس کا جواز معلوم ہوتا ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے سنن ترمذی، ابواب الاشربۃ میں دونوں طرح کی روایات ذکر فرمائی ہیں، باب ما جاء فی النھی عن الشرب قائماً میں ان روایات کو ذکر فرمایا، جن سے کھڑے ہوکر پانی پینے کی ممانعت معلوم ہوتی ہے اور باب ما جاء فی الرخصۃ فی الشرب قائماً میں ایسی روایات ذکر کی ہیں، جن سے جواز ثابت ہوتا ہے، اس کے علاوہ دوسری کتب حدیث میں بھی دونوں قسم کی روایات موجود ہیں، بظاہر ان روایات میں تعارض ہے، حضرات محدثین نے اس تعارض کو ختم کرنے کے لیے تین طریقے ذکر کیے ہیں: نسخ، ترجیح اور تطبیق، جس کی تفصیل یہ

(۱) فتح القدیر ۳۹۸/۲، کتاب الحج، فصل فی ماء زمزم، معارف السنن ۴۲۷/۶، کتاب الحج۔
(۲) سنن الترمذی، الاشربۃ، رقم الحدیث: ۱۸۸۴۔

ہے:

۱۔ بعض حضرات کے نزدیک: احادیث نہی، جواز کی احادیث سے منسوخ ہیں، یعنی پہلے کھڑے ہو کر پینے کی ممانعت تھی، مگر بعد میں یہ ممانعت منسوخ ہو گئی۔

۲۔ ابو بکر اثرم نے جواز والی احادیث کو ممانعت والی احادیث پر راجح قرار دیا ہے، کیونکہ احادیث جواز، احادیث نہی کے مقابلے میں زیادہ قوی اور مضبوط ہیں۔

۳۔ اکثر حضرات نے دونوں قسم کی احادیث میں تطبیق دی ہے، یہ تطبیق دو طرح سے دی گئی ہے:

❁ امام طحاوی فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینا چونکہ طبی لحاظ سے صحت کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے، اس لیے کھڑے ہو کر پینے سے منع کیا گیا ہے، چنانچہ ابن قیم فرماتے ہیں کہ کھڑے ہو کر پانی پینے کے بہت نقصانات ہیں: آدمی اس طرح پانی پینے سے سیراب نہیں ہوتا؛ معدہ پر بوجھ پڑتا ہے، یکدم معدہ کی حرارت اس طرح پینے سے ختم ہو جاتی ہے، اور پانی پورے جسم میں فوراً سرایت کر جاتا ہے، یہ ساری چیزیں صحت کے لیے بہت نقصان دہ ہوتی ہیں۔(۱)

لہذا کھڑے ہو کر پانی پینے کی ممانعت والی احادیث ضرر طبی کے اعتبار سے ہیں، اور احادیث جواز شرعی اجازت پر محمول ہیں۔(۲)

❁ ائمہ اربعہ اور جمہور علماء کے نزدیک احادیث نہی سے: نہی تنزیہی مراد ہے، یعنی کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، تاہم دوسری احادیث کی وجہ سے اس کا جواز بھی ہے اور کراہت تنزیہی بھی اس وقت ہے، جب بیٹھ کر پینا ممکن ہو، لیکن اگر کسی مقام پر بیٹھ کر پانی پینا ناممکن ہو یا انتہائی مشکل ہو، تو پھر کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ بھی نہیں ہوگا۔

یہ تمام اختلاف کھڑے ہو کر پانی پینے کے جواز اور عدم جواز کے بارے میں ہے، باقی اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ بیٹھ کر پانی پینا افضل ہے، اور حضور اکرم ﷺ کا عام معمول بھی بیٹھ کر ہی پانی پینے کا تھا، اگرچہ امت کی تعلیم و تبلیغ اور جواز کو بیان کرنے کے لیے آپ ﷺ نے کبھی کبھار کھڑے ہو کر بھی پیا ہے، جیسے آپ ﷺ نے سوار ہو کر طواف کیا ہے، جبکہ پیدل چل کر طواف کرنا افضل ہے۔

اس سے یہ شبہ بھی ختم ہو جاتا ہے کہ جب کھڑے ہو کر پانی پینا مکروہ تنزیہی ہے، تو پھر آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر پانی کیسے پیا، کیونکہ آپ ﷺ تو مکروہ تنزیہی کا بھی ارتکاب نہیں فرماتے تھے، اس کا جواب یہی ہے کہ آپ ﷺ نے یہ عمل، جواز کو بیان کرنے کے لیے کیا ہے، اور جو عمل امت کو سکھانے کے لیے کیا جائے، وہ مکروہ نہیں ہوتا، بلکہ اسے کر کے دکھانا ایک نبی کی شرعی ذمہ داری ہوتی ہے، اس لیے یہ کہنا کہ آپ ﷺ نے مکروہ تنزیہی والا عمل کیا ہے، درست نہیں ہے۔

---

(۱) زاد المعاد ۲۲۹/۴، فصل فی هدیة ﷺ فی هیئة الجلوس للأکل، فصل۔ ط: بیروت.

(۲) رد المحتار ۹۶/۱، کتاب الطهارة، مطلب فی مباحث الشرب قائما۔

صحیح مسلم میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ''تم میں سے کوئی کھڑے ہو کر ہرگز پانی نہ پیے فَمَنْ نَسِيَ فَلْيَسْتَقِيْ اور جو بھولے سے کھڑے ہو کر پی لے تو اسے قے کر لینی چاہیے''۔ مگر اس حدیث سے قے کرنے کا حکم وجوبی نہیں بلکہ استحبابی ہے کہ ایسے شخص کے لیے بہتر ہے کہ وہ قے کر لے، خواہ اس نے بھولے سے کھڑے ہو کر پیا ہو یا جان بوجھ کر ایسا کیا ہو، اور اگر کوئی قے نہ کرے تو شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، یہ کلام زجر کے طور پر ہے، تاکہ اس عمل کی قباحت امت کے سامنے واضح ہو جائے۔(۱)

عَنِ النَّزَّالِ بْنِ سَبْرَةَ قَالَ: أُتِيَ عَلِيٌّ بِكُوزٍ مِنْ مَاءٍ، وَهُوَ فِي الرَّحْبَةِ، فَأَخَذَ مِنْهُ كَفًّا، فَغَسَلَ يَدَيْهِ، وَمَضْمَضَ، وَاسْتَنْشَقَ، وَمَسَحَ وَجْهَهُ وَذِرَاعَيْهِ وَرَأْسَهُ، ثُمَّ شَرِبَ وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ قَالَ: هٰذَا وُضُوْءُ مَنْ لَمْ يُحْدِثْ، هٰكَذَا رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَلَ.(۲)

ترجمہ: نزال بن سبرہ کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس ایک کوزہ پانی لایا گیا، جبکہ وہ کوفہ کی ایک بلند اور کشادہ جگہ پر تشریف فرما تھے، انہوں نے ایک چلو پانی لیا، اپنے دونوں ہاتھ دھوئے، کلی کی اور ناک میں پانی ڈالا، اور اپنے چہرے، دونوں ہاتھوں اور اپنے سر پر مسح کیا، پھر کھڑے ہو کر وضو کے بچے ہوئے پانی میں سے پیا پھر فرمایا: یہ اس شخص کا وضو ہے، جس کا وضو نہ ٹوٹا ہو (یعنی جو پہلے سے باوضو ہو) میں نے نبی کریم ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ رحبة: ۱۔ (را اور حا پر زبر اور حاء پر سکون بھی پڑھ سکتے ہیں) کوفہ کی مسجد کے قریب ایک بلند اور کشادہ جگہ، جہاں بیٹھ کر حضرت علی رضی اللہ عنہ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے، ۲۔ مسجد کے اندر ہی ایک بلند جگہ، جہاں حضرت علیؓ لوگوں کو وعظ و نصیحت کیا کرتے تھے۔ فأخذ منه كفا: منہ کی ضمیر ''الماء'' کی طرف لوٹ رہی ہے: اس پانی سے ایک چلو لیا، استنشق: ناک میں پانی ڈالا، و مسح وجهه و ذراعيه: اور اپنے چہرے اور دونوں ہاتھوں کا مسح کیا یعنی غسل خفیف کیا، معمولی سا دھویا، دھونے میں خوب مبالغہ نہیں کیا، ثم شرب منه وهو قائم: اس میں ''منہ'' کی ضمیر ''ماء'' کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی پھر وضو کے بچے ہوئے پانی میں سے پیا جبکہ آپ ﷺ کھڑے تھے، من لم يحدث: یہ احداث سے ہے: وہ شخص جس کا وضو نہ ٹوٹے یعنی جو پہلے سے باوضو ہو۔

---

(۱) عمدة القاري ۱۹۳/۲۱، كتاب الاشربة، باب الشرب قائما، فتح الباري ۱۰۱/۱۰، كتاب الاشربة، باب الشرب قائما، رقم الحديث: ۵۶۱۵، تكملة فتح الملهم ۹/۴-۱۲، كتاب الاطعمة، باب كراهية الشرب قائما

(۲) سنن ابي داؤد، الأشربة، رقم الحديث: ۳۷۱۸۔

## وضو کا بچا ہوا پانی کھڑے ہو کر پینا مستحب ہے

حضرت علیؓ نے کوفہ کے مقام رحبہ، جہاں وہ لوگوں کے مقدمات کا فیصلہ کیا کرتے، لوگوں کو وعظ ونصیحت کرتے، وہاں کوزے سے وضو کیا، اور پھر لوٹے میں بچے ہوئے پانی کو کھڑے ہو کر پیا، اور یہ فرمایا کہ نبی کریم ﷺ اسی طرح کیا کرتے تھے، اس سے استدلال کر کے ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ وضو کے بعد کھڑے ہو کر پانی پینا مستحب ہے، اور علامہ شامیؒ نے اس موقع پر پانی کھڑے ہو کر پینے کو بعض بزرگوں سے بہت سی بیماریوں کا علاج قرار دیا ہے۔

ومسح وجهه وذراعيه، اس مسح سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو احتمال ہیں:

۱۔ چہرے اور ہاتھوں پر حقیقتاً مسح مراد ہے کہ چہرے اور ہاتھوں کو پانی سے گیلا کیا ہے، اس صورت میں وضو سے نماز والا وضو مراد نہیں ہوگا، بلکہ اس سے لغوی معنی مراد ہوں گے، یعنی ان اعضاء کو اس نے صاف کر لیا، یہی وجہ ہے کہ اس روایت میں پاؤں دھونے کا ذکر نہیں۔

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہاں شرعی وضو ہی مراد ہے، اور "مسح" سے غسل خفیف یعنی ہلکے انداز سے دھونا مراد ہے جس میں زیادہ اہتمام نہ کیا گیا ہو، اس مفہوم کی تائید ان روایات سے بھی ہوتی ہے، جن میں چہرے اور ہاتھوں کے ساتھ پاؤں کے دھونے کا بھی ذکر ہے۔

اس صورت میں حدیث میں گویا تجدید وضو کا ذکر ہے کہ حضرت علیؓ کا وضو تھا، مگر پھر بھی لوگوں کی تعلیم کے لیے انہوں نے تجدید وضو کیا اور پھر باقی ماندہ پانی کھڑے ہو کر پیا، ملا علی قاری رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ ہوسکتا ہے کہ مقام رحبہ میں حضرت علیؓ نے متعدد بار وضو کیا ہو، کبھی مکمل وضو کیا اور کبھی شرعی وضو نہیں کیا، اس لیے دونوں قسم کی روایات میں تعارض نہیں۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الإِنَاءِ ثَلَاثًا إِذَا شَرِبَ، وَيَقُولُ: هُوَ أَمْرَأُ وَأَرْوَى.(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ پانی پیتے وقت برتن میں تین سانس لیتے تھے، اور یہ فرماتے تھے کہ اس طرح پینا زیادہ خوشگوار اور خوب سیراب کرنے والا ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا شَرِبَ تَنَفَّسَ مَرَّتَيْنِ.(۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب پانی پیتے تو دو مرتبہ سانس لیتے تھے۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۳۰۹/۱

(۲) سنن الترمذی، الأشربة، رقم الحدیث: ۱۸۸۵۔

(۳) سنن الترمذی، الأشربة، رقم الحدیث: ۱۸۸۷۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** یتنفس: سانس لیتے، أمرأ: زیادہ خوشگوار و بہتر، زیادہ مرغوب، زیادہ مزے دار، أروی: زیادہ سیراب کرنے والا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً تین سانس میں پانی نوش فرماتے

مذکورہ احادیث میں پانی اور مشروب پینے کا مسنون طریقہ بیان کیا گیا ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پانی پیتے وقت عام معمول تین سانس میں پینے کا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سانس برتن کے اندر نہیں بلکہ برتن کو منہ مبارک سے ہٹاتے تو الحمدللہ سے اللہ کا شکر بجالاتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی روایت میں یہ منقول نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی صرف ایک ہی سانس میں پانی پیا ہو، اس لیے ایک ہی سانس میں یکبارگی پانی اور کوئی مشروب پینا گو کہ جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں، بلکہ ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ ایک ہی سانس میں شیطان پانی پیتا ہے، اور طبی لحاظ سے بھی ایک سانس میں پانی پینا بہت نقصان دہ ہے، اس سے اعصاب میں ضعف، معدہ اور جگر کی مختلف بیماریاں پیدا ہوجاتی ہیں، لہذا حتی الامکان اس انداز سے پانی پینے سے احتراز کرنا چاہیے۔

۲۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی دو سانس میں بھی پانی پی لیا کرتے تھے، اس بارے میں دو باتیں پیش نظر رہیں:

❁ پانی پینے کا مسنون طریقہ یہی ہے کہ اسے تین سانس میں پیا جائے اور ہر مرتبہ برتن کو منہ سے الگ کیا جائے، تاہم دو سانس میں بھی پانی پینا جائز ہے، مگر اس طرح پینے کا عام معمول نہیں بنانا چاہیے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس روایت میں یہ امکان ہے کہ راوی نے تیسرے سانس کا ذکر نہ کیا ہو، اس لیے اس حدیث سے یہ استدلال کرنا کہ دو سانسوں میں پانی پینا سنت ہے، یہ استدلال تام نہیں ہے۔(۱)

**عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي عَمْرَةَ، عَنْ جَدَّتِهِ كَبْشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَشَرِبَ مِنْ قِرْبَةٍ مُعَلَّقَةٍ قَائِمًا، فَقُمْتُ إِلَى فِيهَا فَقَطَعْتُهُ.(۲)**

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابی عمرہ اپنی دادی حضرت کبشہ بنت ثابت سے روایت کرتے ہیں کہ وہ فرماتی ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے ہاں تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے کھڑے ہی لٹکے ہوئے مشکیزہ کے منہ سے پانی پیا، پھر میں مشکیزہ کے منہ کے پاس جا کر کھڑی ہوئی اور اس حصے کو کاٹ لیا (جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہونٹ مبارک لگے تھے)

---

(۱) فتح الباری ۱۰/۱۱۵، کتاب الاشربۃ، باب الشرب بنفسین او ثلاثۃ، رقم الحدیث: ۵۶۳۱

(۲) سنن الترمذی، الاشربۃ، رقم الحدیث: ۱۸۹۳۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَى أُمِّ سُلَيْمٍ، وَقِرْبَةٌ مُعَلَّقَةٌ، فَشَرِبَ مِنْ فَمِ الْقِرْبَةِ، وَهُوَ قَائِمٌ، فَقَامَتْ أُمُّ سُلَيْمٍ إِلَى رَأْسِ الْقِرْبَةِ، فَقَطَعَتْهَا.(۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری والدہ ام سلیم کے گھر تشریف لائے، وہاں ایک مشکیزہ لٹکا ہوا تھا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کھڑے ہو کر ہی مشکیزہ کے منہ سے پانی نوش فرمایا، ام سلیم پھر مشکیزے کے منہ کے پاس گئیں اور مشکیزے کے منہ کے حصے کو کاٹ لیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ قربة: (قاف کے نیچے زیر اور را ساکن) مشکیزہ، معلقة: (صیغہ اسم مفعول) لٹکا ہوا، فقطعته: اس مشکیزے کے منہ کو میں نے کاٹ لیا، دوسری روایت میں ہے: فقطعها: ام سلیم نے مشکیزے کے منہ کے حصے کو کاٹ لیا، اس میں "ھا" ضمیر "رأس" کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی مشکیزے کا سرا، اس کا منہ، اس ضمیر کو مؤنث یا تو مضاف الیہ یعنی رأس القربۃ میں القربۃ کی وجہ سے لایا گیا یا رأس القربۃ سے قطعۃ القربہ مراد ہے، اس وجہ سے اس ضمیر کو مؤنث لایا گیا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مشکیزے کے منہ سے کھڑے ہو کر پانی پیا

مذکورہ احادیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کبھار مشکیزے کے منہ سے براہ راست کھڑے ہو کر بھی پانی نوش فرمایا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت کی وجہ سے مشکیزے سے براہ راست کھڑے ہو کر پانی پیا جا سکتا ہے، مگر اسے معمول بنا لینا درست نہیں۔

۲۔ حضرت کبشہ بنت ثابت اور حضرت ام سلیم دونوں صحابیات نے مشکیزے کا وہ حصہ، جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پانی پیا تھا، کاٹ لیا تھا، امام نووی رحمہ اللہ نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں:

- یہ کاٹنا یا تو ادب واحترام کی وجہ سے تھا تاکہ اسے اور کوئی استعمال نہ کرے اور اس پر کسی اور کا منہ نہ لگے۔
- یا انہوں نے برکت اور شفا حاصل کرنے کے لیے اسے کاٹ کر اپنے پاس رکھ لیا، تاکہ اس کے ذریعہ خیر و برکت اور شفا حاصل کی جائے۔(۲)

اس سے معلوم ہوا کہ حضرات انبیاء علیہم السلام اور امت کے نیک لوگوں کے تبرکات لینا اور انہیں اپنے پاس رکھنا شرعاً جائز ہے، بشرطیکہ ان کے بارے میں کوئی غلط عقیدہ نہ بنا لیا جائے اور انہیں ناجائز مقاصد اور اسلام کے خلاف کاموں کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

---

(۱) مسند الامام احمد، رقم الحدیث: ۲۷۱۱۵۔

(۲) مرقاۃ المفاتیح ۸/۱۶۲۷، کتاب الأشربۃ، باب الاشربۃ، الفصل الثانی، رقم الحدیث: ۴۲۸۱

## احادیث میں تعارض اور اس کا حل

ان احادیث سے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ مشکیزے کے منہ سے پانی پیا جا سکتا ہے، جبکہ ترمذی ابواب الاشربۃ میں حضرت ابوسعید خدری کی اور صحیح بخاری میں حضرت انس کی روایت میں مشک کے منہ سے پانی پینے سے منع کیا گیا ہے، دونوں طرح کی روایات میں بظاہر تعارض ہے، اس تعارض کے ازالے کے لیے شارحین حدیث نے مختلف جوابات دیئے ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ جن احادیث میں مشک کے منہ سے پانی پینے سے منع کیا گیا ہے، اس سے وہ بڑی مشک مراد ہے، جس کا منہ زیادہ بڑا اور کھلا ہوتا ہے، جس میں اس بات کا قوی امکان ہے کہ اس سے پانی پینے سے پانی نیچے گر کر ضائع ہو جائے گا، یا انسان ضرورت سے زیادہ پانی پی جائے گا، اگر مشکیزے کے اندر کوئی کیڑا ہوا، تو وہ بھی پیٹ میں جا سکتا ہے، ان اسباب کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے مشک کے منہ سے پانی پینے سے منع کیا ہے، اور نبی کریم ﷺ نے جس مشک سے پانی پیا تھا، اس کا منہ تنگ تھا، جس میں مذکورہ مفاسد اور نقصانات کا خطرہ نہیں تھا۔

۲۔ شارح ترمذی علامہ ابن العربی نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ نبی کریم ﷺ نے جنگی ضرورت یا وقت کی تنگی یا برتن موجود نہ ہونے کی وجہ سے مشکیزے کے منہ سے پیا ہو، گویا آپ ﷺ نے کسی ضرورت کی وجہ سے اس طرح کیا، جبکہ ممانعت والی احادیث کا تعلق عام حالات سے ہے کہ نبی کریم ﷺ کا عام معمول مشکیزے کے منہ سے براہ راست پانی پینے کا نہیں تھا۔

۳۔ ممانعت کا تعلق دوام اور عادت سے ہے کہ اس طرح مشک کے منہ سے منہ لگا کر پینے کی عادت نہیں بنانی چاہیے، اس میں دیگر خرابیوں کے علاوہ مشک کے منہ میں رفتہ رفتہ بدبو پیدا ہونے لگتی ہے، اور نبی کریم ﷺ کا عمل بیان جواز کے لیے تھا۔

۴۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس بات پر سب ہی کا اتفاق ہے کہ ممانعت کا یہ حکم مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ہے، حرمت کے درجہ میں نہیں، اور آپ ﷺ کا عمل بیان جواز کے لیے تھا، اور ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک چیز شرعاً جائز تو ہو، مگر اس کا کرنا پسندیدہ نہ ہو، ان دونوں باتوں میں کوئی تعارض نہیں۔(۱)

۵۔ ابوبکر اثرمؒ فرماتے ہیں کہ رخصت کی احادیث، ممانعت والی احادیث کے لیے ناسخ ہیں، گویا ممانعت منسوخ ہو چکی ہے۔(۲)

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۱۷۳/۲، کتاب الاشربۃ، باب آداب الطعام۔

(۲) فتح الباری ۱۱۱/۱۰، کتاب الاشربۃ، باب الشرب من فم السقاء، رقم الحدیث: ۵۶۲۸، شرح الطیبی ۱۸۶/۸، مرقاۃ المفاتیح ۹۳/۸، مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: معارف ترمذی ۱۸۲/۱، ابواب الاشربۃ، باب ماجاء فی اختناث الأسقیۃ۔

## حضرت کبشہ بنت ثابت رضی اللہ عنہا

ملا علی قاری، علامہ بیجوری اور حافظ ابن حجر رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کبشہ سے کبشہ بنت ثابت بن منذر انصاریہ مراد ہیں، جو حضرت حسان کی بہن ہیں اور صحابیات میں سے ہیں، جبکہ علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی راویہ کبشہ بنت کعب بن مالک انصاری ہیں، مگر حافظ ابن حجر نے تہذیب میں یہ تصریح کی ہے کہ مذکورہ حدیث کی راویہ کبشہ بنت ثابت ہیں، اور سور الهرة کی بحث میں حضرت ابوقتادہ کی روایت میں جو کبشہ ہیں، ان سے کبشہ بنت کعب بن مالک انصاری مراد ہیں، جو عبداللہ بن ابی قتادہ کی بیوی ہیں۔(۱)

عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا، وَزَعَمَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم كَانَ يَتَنَفَّسُ فِي الْإِنَاءِ ثَلَاثًا۔(۲)

ثمامہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ برتن سے تین سانس میں پانی پیتے تھے، اور کہتے تھے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی برتن سے تین سانس میں پانی پیا کرتے تھے۔

اس حدیث کے بارے میں تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ بِنْتِ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ، عَنْ أَبِيهَا، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَشْرَبُ قَائِمًا۔(۳)

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کی بیٹی حضرت عائشہ اپنے والد سے روایت کرتی ہیں، وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (کبھی کبھار) کھڑے ہو کر بھی پانی پیتے تھے۔

یہ ذہن میں رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بیٹھ کر پانی پینے کا تھا، مگر کسی مجبوری اور ضرورت کی وجہ سے کبھی کھڑے ہو کر بھی پی لیتے تھے، اس بارے میں تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

## بَابُ مَا جَاءَ فِي تَعَطُّرِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو لگانے کا ذکر ہے

عَنْ مُوسَى بْنِ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كَانَ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُكَّةٌ يَتَطَيَّبُ مِنْهَا۔(۴)

---

(۱) الاصابة فی تمیز الصحابة ۸/۲۹۳، کتاب النساء، حرف الکاف، رقم: ۱۱۶۶۷، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱/۳۱۲

(۲) سنن ابن ماجة، الاشربة، رقم الحدیث: ۱۴۲۳۔

(۳) أشار الیه الترمذی فی الأشربة بعد حدیث: ۱۸۸۳۔

(۴) سنن ابی داؤد، کتاب الترجل، باب فی استحباب الطیب، رقم الحدیث: ۴۱۶۲۔

حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس عطردان یا خوشبو تھی، جس میں سے یا اس خوشبو کو آپ ﷺ استعمال فرماتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** **تعطر:** (تا اور عین پر زبر، طا پر پیش اور تشدید) عطر لگانا، عطر استعمال کرنا، **یتطیب:** آپ ﷺ خوشبو لگاتے، استعمال فرماتے، **سکۃ:** (سین پر پیش، کاف پر زبر و تشدید) اس کے دو معنی بیان کیے گئے ہیں:

۞ بعض علماء فرماتے ہیں کہ سکہ کے معنی: عطردان اور خوشبو کے ڈبہ کے ہیں، جس میں خوشبو رکھی جاتی ہے، اس صورت میں یتطیب منھا کا ترجمہ یوں ہوگا: نبی کریم ﷺ خوشبو کے ڈبہ میں سے خوشبو لگایا کرتے تھے۔

۞ صاحب قاموس فرماتے ہیں کہ "سکہ" ایک خوشبو ہے، جو چند مخصوص چیزوں سے تیار کی جاتی ہے، اس صورت میں یتطیب منھا کے معنی ہوں گے: آپ ﷺ اس خوشبو میں سے کچھ لگاتے یعنی صرف ایک ہی بار نہیں بلکہ مختلف اوقات میں کئی بار آپ ﷺ اس میں سے کچھ لگاتے تھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے خوشبو استعمال فرماتے

اللہ جل جلالہ نے نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک میں یہ شان رکھی تھی کہ اس سے خود بخود خوشبو مہکتی تھی، اگرچہ آپ ﷺ نے خوشبو استعمال نہ فرمائی ہو، چنانچہ حضرت انس ؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایسی کوئی خوشبو نہیں سونگھی، جو نبی کریم ﷺ کی خوشبو سے زیادہ عمدہ اور اچھی ہو، بہت سی روایات میں اس کا تذکرہ موجود ہے۔(۱)

نبی کریم ﷺ کے پسینہ میں بہت خوشبو تھی، صحابہ اور صحابیات اسے خوشبو کے طور پر استعمال کرتے تھے، صحیح مسلم میں روایت ہے، حضرت ام سلیم فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ سونے کی حالت میں نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک سے پسینہ نکل رہا تھا، ام سلیم اسے ایک شیشی میں ڈالنے لگیں، اسی میں نبی کریم ﷺ کی آنکھ کھل گئی، آپ ﷺ نے دریافت فرمایا: ام سلیم! تم یہ کیا کر رہی ہو؟ انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ: یہ آپ ﷺ کا پسینہ ہے، اسے ہم اپنی خوشبو میں ملائیں گے، کیونکہ یہ سب سے عمدہ خوشبو ہے۔(۲)

طبرانی کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک پر دم کیا اور پھر اسے حضرت عقبہ کی کمر اور پیٹ پر پھیرا، جس سے اس قدر خوشبو مہکتی تھی کہ ان کی چار بیویوں میں سے ہر بیوی بہت زیادہ خوشبو لگاتی، تا کہ ان کی خوشبو کے برابر ہو جائے، مگر پھر بھی حضرت عقبہ کی خوشبو غالب ہی رہتی، حالانکہ حضرت عقبہ مزید کوئی خوشبو نہ لگاتے، یہ سب نبی کریم ﷺ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب طیب عرق النبی صلی اللہ علیہ وسلم والتبرک بہ، رقم الحدیث: ۲۳۳۱

کے ہاتھ کی برکت تھی۔(۱)

سنن بیہقی وغیرہ میں روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جس گلی اور راستے سے گذرتے، تو وہ خوشبو سے مہک جاتا تھا، آپ ﷺ کے بعد گذرنے والے لوگ یہ پہچان لیتے کہ اس راستے سے ابھی ابھی نبی کریم ﷺ تشریف لے گئے۔(۲)

اس کے باوجود نبی کریم ﷺ بکثرت خوشبو کا استعمال فرماتے، اور خوشبو آپ ﷺ کو بہت پسند بھی تھی، کیونکہ اس سے طبیعت میں تازگی اور نکھار پیدا ہوتا ہے، یوں ایک انسان نئے جذبے اور نشاط کے ساتھ دینی امور اور اللہ جل شانہ کی عبادت اچھے طریقے سے کرسکتا ہے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک ''سکہ'' تھا، یعنی خوشبو کا ڈبہ، عطردان یا خوشبو تھی، اس سے آپ ﷺ خوشبو لگایا کرتے تھے، اس سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ایک مسلمان کو سنت کی نیت سے خوشبو کا استعمال کرنا چاہیے، تاکہ اس کے جسم کی بدبو سے کسی اور کو تکلیف نہ پہنچے۔
- خوشبو کو کسی ڈبے اور عطردان میں رکھا جاسکتا ہے، اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں۔

عَنْ ثُمَامَةَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: كَانَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ، لَا يَرُدُّ الطِّيبَ، وَقَالَ أَنَسٌ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ لَا يَرُدُّ الطِّيبَ.(۳)

حضرت ثمامہ بن عبداللہ کہتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کبھی خوشبو کو رد نہیں کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ نبی کریم ﷺ بھی کبھی خوشبو کو رد نہیں فرماتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: ثَلَاثٌ لَا تُرَدُّ: الْوَسَائِدُ، وَالدُّهْنُ، وَالطِّيبُ وَاللَّبَنُ.(۴)

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین چیزوں کو رد کرنا مناسب نہیں: تکیہ، تیل، خوشبو اور دودھ۔

## خوشبو سمیت چند چیزوں کا ہدیہ رد نہیں کرنا چاہیے

نبی کریم ﷺ کو جب کوئی خوشبو پیش کی جاتی، تو آپ ﷺ اسے قبول فرمالیتے تھے، رد نہ فرماتے، دوسری حدیث

---

(۱) المعجم الاوسط للطبرانی ۱/۷۷، رقم الحدیث: ۹۸

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲، اخلاق النبی وآدابہ ۲/۲۵، رقم الحدیث: ۲۳۵، باب ذکر محبتہ للطیب وتطیبہ ط: بیروت

(۳) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۷۹۱۔

(۴) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۷۹۲۔

میں نبی کریم ﷺ نے تکیہ، تیل، دودھ اور خوشبو کا ذکر فرمایا کہ اگر یہ چیزیں پیش کی جائیں تو انہیں قبول کر لینا چاہیے، اس پیش کرنے کی دو صورتیں ہیں:

❁ ایک شخص کسی کے ہاں مہمان ہو اور میزبان اسے استعمال کے لیے تکیہ دے، خوشبو، دودھ اور تیل پیش کرے تو اسے ضرور قبول کر لینا چاہیے، بتکلف قبول نہ کرنا مناسب نہیں ہے، بلکہ اسے تکبر کی علامت قرار دیا ہے۔

❁ مہمان کے علاوہ بھی اگر کوئی شخص کسی کو یہ چیزیں ہدیہ کے طور پر دے، تو سنت یہ ہے کہ اسے قبول کر لیا جائے، ایک تو اس وجہ سے کہ عموماً خوشبو وغیرہ کا ہدیہ دینے والے پر بوجھ نہیں ہوتا، یہ چیزیں زیادہ مہنگی نہیں ہوتیں، لہذا ایسی خوشبو جیسے عود ہندی اور شمامہ وغیرہ جو زیادہ قیمتی ہوں، وہ اس حکم میں داخل نہیں، ان کا ہدیہ رد کیا جا سکتا ہے، دوسرا اس لیے کہ نبی کریم ﷺ خوشبو کو بہت پسند فرماتے اور بکثرت اسے استعمال بھی فرماتے، لہذا اگر کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو اور کوئی شرعی مانع بھی نہ ہو تو اس قسم کی چیزیں ہدیہ میں قبول کر لینی چاہئیں، تاکہ ہدیہ دینے والے کا دل خوش ہو جائے، اس کی دل آزاری نہ ہو۔(۱)

علامہ بیجوری فرماتے ہیں کہ مذکورہ احادیث میں جو خوشبو اور دودھ وغیرہ کا ذکر کیا گیا ہے، ان سے ایسی چیزیں مراد ہیں، جن کا ہدیہ دینے والے پر کوئی بوجھ نہ ہو، لہذا ان کے حکم میں ہر وہ چیز داخل ہے، جس کا کوئی بوجھ نہ ہو، مثلاً کوئی میٹھی چیز اور ضرورت مند کا کھانا، امام سیوطی نے ایسی سات چیزیں ذکر کی ہیں جن کا ہدیہ رد نہیں کرنا چاہیے، اور ان دو شعروں میں انہیں ذکر کیا ہے:

عَنِ الْمُصْطَفٰی سَبْعٌ یُسَنُّ قَبُوْلُهَا ۔۔۔ اِذَا مَا بِهَا قَدْ اَتْحَفَ الْمَرْءَ خِلَّانٌ

فَحَلْوٰی وَاَلْبَانٌ وَدُهْنٌ وَسَادَةٌ ۔۔۔ وَرِزْقٌ لِمُحْتَاجٍ وَطِیْبٌ وَرَیْحَانٌ(۲)

ترجمہ: ۱۔ نبی کریم ﷺ سے سات چیزیں ایسی منقول ہیں، جن کا ہدیہ قبول کرنا مسنون ہے، جب دوست کسی آدمی کو وہ ہدیہ میں دے دیں۔

۲۔ میٹھی چیز، دودھ، تیل، تکیہ، ضرورت مند کا راشن، خوشبو، اور ہر خوشبو دار گھاس، پودا، یا ناز بو۔

ثلث لا ترد.... حدیث میں تین کا لفظ ہے، جبکہ اس کی تفصیل میں نبی کریم ﷺ نے چار چیزیں ذکر فرمائی ہیں، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ان تین چیزوں کی تفصیل میں کتابی نسخوں میں اختلاف ہے، بعض میں: تکیہ، خوشبو اور دودھ ہے، بعض میں: تکیہ، تیل اور خوشبو ہے، ہوسکتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اولاً تین کا ذکر کیا اور پھر ضمناً ایک اور چیز کا بھی ذکر فرما دیا ہو، اور یہ ممکن ہے کہ ''دھن'' سے خوشبو دار تیل مراد ہو، اس بات کو کبھی دھن سے ذکر دیا گیا ہے، اور کبھی خوشبو سے، اور مذکورہ حدیث میں دھن اور طیب دونوں مذکور ہیں، اس میں لفظ طیب اس ''دھن'' کی تفسیر اور بیان ہے،

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۴

(۲) منتهى السول على وسائل الوصول للشيخ عبدالله بن سعيد اللحجي ۱/۳۵۸، ط: دار المنهاج، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۳۵۳)

اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ خود امام ترمذی نے یہ روایت ابواب الاداب میں ذکر کی ہے، اس میں یہ تین چیزیں ہیں: تکیہ، تیل اور دودھ، خوشبو کا اس روایت میں ذکر نہیں ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: طِيبُ الرِّجَالِ مَا ظَهَرَ رِيحُهُ وَخَفِيَ لَوْنُهُ، وَطِيبُ النِّسَاءِ مَا ظَهَرَ لَوْنُهُ وَخَفِيَ رِيحُهُ. (۲)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: مردوں کی خوشبو وہ ہے جس کی خوشبو ظاہر یعنی تیز ہو اور اس کا رنگ پوشیدہ یعنی ہلکا ہو، اور عورتوں کی خوشبو وہ ہے، جس کا رنگ ظاہر ہو (یعنی غالب ہو) اور اس کی خوشبو پوشیدہ ہو (یعنی ہلکی اور کم ہو)

## مرد و عورت کی خوشبو میں فرق

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مردوں کو ایسی خوشبو اور عطر استعمال کرنا چاہیے جس کی مہک تیز ہو، جس کا اثر دوسروں تک بھی پہنچ جائے، رنگ اس کا بالکل ہی نہ ہو یا ہلکا ہو جیسے گلاب، عنبر، عود، شامہ اور پرفیوم وغیرہ اور عورتوں کی خوشبو ایسی ہو، جس کا رنگ کپڑوں پر ظاہر ہو جائے، مگر اس کی خوشبو انتہائی معمولی ہو، جو اس کی ذات تک ہی محدود ہو، یا زیادہ سے زیادہ اس کے شوہر تک پہنچ جائے جب وہ قریب ہو۔

یہ ذہن میں رہے کہ عورت کے لیے خوشبو لگانے کا جواز صرف گھر کے اندر تک ہے، خوشبو لگا کر گھر سے باہر جانا عورت کے لیے جائز نہیں ہے، ایسی عورت کو حدیث میں "زانیہ" کہا گیا ہے، اس لیے عورت کے لیے تیز خوشبو لگانا ہرگز جائز نہیں، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ نبی کریم ﷺ نے خواتین کی عفت و عصمت اور پاکدامنی کو محفوظ رکھنے کے لیے کیسے اصول اور عمدہ نصائح ارشاد فرمائی ہیں، مگر افسوس کہ آج کی بہت سی مسلم خواتین اس حکم پر عمل نہیں کر رہیں، وہ شرعی پردے کے بغیر میک سے آراستہ ہو کر گھر سے باہر نکلتی ہیں، اسے برا بھی نہیں سمجھا جاتا، غیر مسلم قوموں اور فاسق لوگوں کے جو طور طریقے، جو ڈیزائن اور فیشن اس کے سامنے آتے ہیں، اندھا دھند انہیں اختیار کر لیا جاتا ہے، یہ نہیں سوچا جاتا کہ شرعی لحاظ سے اس طرح کا لباس اور خوشبو وغیرہ میرے لیے جائز ہے یا نہیں؟ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی اصلاح کی توفیق عطا فرمائے۔

لہذا مرد حضرات کو جمعہ، عیدین، احرام پہننے سے پہلے احرام کی چادروں میں، علم و ذکر کی محفلوں اور تلاوت قرآن کے

(۱) جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوي ۲/۲، تحفة الأحوذي ۷۹/۸، كتاب الآداب، باب ما جاء في كراهية رد الطيب، رقم الحديث: ۲۷۹۰

(۲) سنن الترمذي، الأدب، رقم الحديث: ۲۷۸۸۔

وقت غرض ہر اجتماع کے موقع پر خوشبو کا اہتمام کرنا چاہیے۔(۱)

عَنْ أَبِي عُثْمَانَ النَّهْدِيِّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِذَا أُعْطِيَ أَحَدُكُمُ الرَّيْحَانَ فَلَا يَرُدَّهُ، فَإِنَّهُ خَرَجَ مِنَ الْجَنَّةِ.(۲)

ترجمہ: ابوعثمان عبدالرحمن نہدی تابعی کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم میں سے جس شخص کو ریحان یعنی کوئی خوشبو دی جائے تو وہ اسے رد نہ کرے (بلکہ قبول کر لے) اس لیے کہ وہ (یعنی اس کی اصل) جنت سے نکلی ہے۔

## دنیا کی خوشبو کی اصل جنت سے ہے

اس حدیث سے دو باتیں ثابت ہوتی ہیں:

۱۔ ریحان کے معنی: ہر خوشبودار پودا یا ناز بو کے ہیں، مراد اس سے خوشبو ہے، مطلب یہ ہے کہ جب کسی کو ہدیہ میں خوشبو دی جائے تو وہ اسے رد نہ کرے، قبول کر لے، یہی مسنون طریقہ ہے، جس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

۲۔ دنیا کی خوشبو کی اصل اور اس کا بیج جنت سے آیا ہے، عین خوشبو کا جنت سے آنا مراد نہیں، دنیا کی خوشبوئیں جنت کی خوشبوؤں کا نمونہ ہیں، اللہ جل شانہ نے جنت کی خوشبوؤں کی نقل دنیا میں اس لیے پیدا فرمائی ہے، تاکہ مسلمان اپنے نیک اعمال کے ذریعہ جنت کو حاصل کرنے کی کوشش کریں، یہ خوشبو ان کو جنت کی خوشبو یاد دلائے، یوں وہ زیادہ ذوق وشوق اور جذبے سے آخرت کی کوشش کریں گے، ورنہ دنیا کی خوشبوؤں کو جنت کی خوشبوؤں سے کیا نسبت، جنت کی خوشبو کی مہک اس قدر تیز ہوگی کہ پانچ سو سال کی مسافت کے فاصلے سے وہ محسوس ہوگی، اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے فضل وکرم سے اس کا اہل بنا دے۔(۳)

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ: عُرِضْتُ بَيْنَ يَدَيْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، فَأَلْقَى جَرِيرٌ رِدَاءَهُ وَمَشَى فِي إِزَارٍ، فَقَالَ لَهُ: خُذْ رِدَاءَكَ. فَقَالَ عُمَرُ لِلْقَوْمِ: مَا رَأَيْتُ رَجُلًا أَحْسَنَ صُورَةً مِنْ جَرِيرٍ إِلَّا مَا بَلَغَنَا مِنْ صُورَةِ يُوسُفَ عَلَيْهِ السَّلَامُ.

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ بجلی فرماتے ہیں کہ مجھے حضرت عمر کے سامنے (جہاد کی اہلیت دیکھنے کے لیے) پیش کیا گیا، چنانچہ حضرت جریر نے اپنی چادر اتار دی اور تہ بند میں چلنے لگے، حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا: چادر لے لو (تمہارا معائنہ ہو گیا) پھر قوم یعنی لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں نے ایسا کوئی آدمی نہیں دیکھا، جس کی شکل و

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۵/۲

(۲) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۷۹۲۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۶/۲

صورت جریر سے زیادہ خوبصورت ہو، سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت کے، جس کی تفصیل ہم تک پہنچی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عرضت: (متکلم مجہول) مجھے پیش کیا گیا تا کہ یہ دیکھا جا سکے کہ میں جہاد کر سکتا ہوں یا نہیں، القی جریر: جریر نے اتار دی، قیاس کا تقاضا یہ تھا کہ یہ عبارت یوں ہوتی: فالقیت ردائی و مشیت فی الازار (میں نے اپنی چادر اتار دی اور تہ بند میں چلنے لگا) یہ اسلوب کس وجہ سے تبدیل کیا گیا؟ اس میں دو احتمال ہیں: ا۔ یہ متکلم کے صیغہ سے غائب کی طرف التفات ہے، یہ حسن کلام کے لیے حضرت جریر نے ایسا کیا، ۲۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ یہ کلام جریر بن عبداللہ کا نہ ہو بلکہ حدیث کے راوی قیس بن ابی حازم کا ہو، جو انہوں نے غائب کے صیغوں کے ساتھ اس مفہوم کو بیان کیا، الا ما بلغنا من صورة یوسف :سوائے حضرت یوسف علیہ السلام کی صورت کے، جس کی تفصیل ہم تک پہنچی، رداء: وہ چادر جو جسم کے اوپر والے حصے پر ناف سے اوپر اوپر اوڑھی جائے، ازار: وہ چادر جو ناف سے گھٹنے تک اوڑھی جائے، تہ بند۔(۱)

## جریر بن عبداللہ کو حضرت عمر کے سامنے معائنہ کے لیے پیش کیا گیا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ اپنے دور خلافت میں جب مجاہدین کو جہاد کے لیے روانہ کرتے تو پہلے نئے بندوں کو چیک کرتے، اپنے سامنے انہیں چلا کر معائنہ کیا کرتے کہ ان میں جہاد کی طاقت اور صلاحیت ہے یا نہیں، اسی غرض سے ایک مرتبہ حضرت جریر بن عبداللہ کو لشکر کے ذمہ دار نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے سامنے معائنہ کے لیے پیش کیا، تا کہ وہ انہیں دیکھ کر فیصلہ کر سکیں کہ یہ جہاد کے لیے موزوں ہیں یا نہیں، حضرت جریر نے اپنی چادر اتار کر لنگی پہن لی، اس میں چل کر دکھایا تو حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے ان سے فرمایا کہ اپنی چادر لے لو، تمہارا معائنہ ہو گیا ہے، اور پھر لوگوں سے فرمایا کہ میں نے جریر سے زیادہ کسی کو خوبصورت نہیں دیکھا، سوائے حضرت یوسف کے جوان کے بارے میں ہم تک پہنچا۔

یہاں چند باتیں قابل غور ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

ا۔ حضرت جریر بن عبداللہ گھوڑے پر ثابت قدمی کے ساتھ نہیں بیٹھ سکتے تھے، نبی کریم ﷺ نے اپنی وفات سے تقریباً چالیس دن پہلے ان کے سینہ پر اپنا دست مبارک مارا، جس کی برکت سے پھر وہ ثابت قدم ہو کر بیٹھ جاتے تھے، سوال یہ ہے کہ پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے انہیں کیوں چیک کیا، ان کا امتحان کیوں لیا گیا؟ اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

- یہ معائنہ پیدل چلنے کا تھا، گھوڑے پر سوار ہونے کا نہیں تھا۔
- اور یہ بھی ممکن ہے کہ حضرت جریر حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد کہیں دور چلے گئے ہوں پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے دور میں واپس آئے ہوں، اس لیے انہیں جہاد کے لیے چیک کیا گیا۔(۲)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۸/۲

(۲) المواھب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص:۳۵۸) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۸/۲

۲۔ الاما بلغنا عن صورۃ یوسف سے حضرت عمرؓ نے صرف حضرت یوسف کا استثناء کیا حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا ذکر نہیں کیا، حالانکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال تو حضرت یوسف سے بھی زیادہ تھا، اس کی وجہ یہ ہے کہ جب حضرت یوسف کا استثناء کیا تو اس سے خود بخود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی استثناء ہو گیا، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حسن و جمال حضرت یوسف سے کہیں زیادہ تھا، نیز علامہ قرطبی، حضرت شاہ ولی اللہؒ اور دیگر شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا حسن اللہ تعالی نے لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کیا، تاکہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ کر سکیں، کیونکہ اگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا پورا حسن لوگوں کے سامنے ظاہر کر دیا جاتا تو پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھنا اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے استفادہ ان کے لیے بہت مشکل ہو جاتا۔

۳۔ احادیث میں حضرت دحیہ کے حسن کا بھی ذکر آتا ہے، علماء فرماتے ہیں کہ حضرت دحیہ کا صرف چہرہ خوبصورت تھا، جبکہ حضرت جریر بن عبداللہ کا چہرہ اور پورا جسم خوبصورت تھا، چنانچہ حضرت عمرؓ نے حضرت جریر کا جسم دیکھ کر ہی یہ فرمایا: مارأیت رجلا احسن صورۃ من جریر۔

۴۔ ایک اہم اشکال یہاں پر یہ ہوتا ہے کہ اس حدیث کو باب ما جاء فی تعطر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بظاہر کوئی مناسبت نہیں ہے، پھر امام ترمذی نے اس حدیث کو اس باب کے تحت کیوں ذکر کیا؟ اس اشکال کے تین جواب دیے گئے ہیں:

۞ میرک کہتے ہیں کہ ایسا لگتا ہے کہ کسی کاتب نے غلطی سے اس حدیث کو اس باب کے تحت ذکر کر دیا ہے۔

۞ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس باب میں یوں اضافہ کیا جائے: وَحُسْنِ صُوْرَةِ الْأَصْحَابِ وَعَرْضِهِمْ عَلَى ابْنِ الْخَطَّابِ، اب باب میں تین چیزوں کا ذکر آ گیا ہے: ایک حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خوشبو لگانے کا ذکر، دوسرا صحابہ کرام کے حسن و جمال کا بیان اور تیسرا صحابہ کو ابن الخطاب کے سامنے معائنہ کے لیے پیش کرنا۔

اس تفصیل کو سامنے رکھا جائے تو پھر اس حدیث کو باب سے مناسبت قائم ہو جاتی ہے۔

۞ ابن حجر فرماتے ہیں کہ خوبصورتی کو خوشبو لازم ہوتی ہے، جو شخص جس درجہ کا حسین و جمیل ہوتا ہے، اسی اعتبار سے عموماً وہ خوشبو کا بھی استعمال کرتا ہے، یوں اس کے جسم اور لباس دونوں سے خوشبو مہکتی رہتی ہے، حضرت جریر اور صحابہ کرامؓ بھی اتباع سنت کی وجہ سے خوشبو کا استعمال فرماتے تھے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بکثرت خوشبو کا استعمال فرمایا کرتے تھے، یوں اس حدیث کو اس باب سے مناسبت ہو جاتی ہے۔(۱)

## بَابُ كَيْفَ كَانَ كَلَامُ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کرنے کی کیفیت کا بیان ہے

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا كَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هٰذَا، وَلٰكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۸/۲ المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص:۳۵۹)

بَيِّنٍ فَصْلٍ، يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ.(۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تیز تیز اور مسلسل بات نہیں کرتے تھے، جس طرح تم لوگ جلدی جلدی اور پے در پے بولتے ہو، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صاف صاف اس انداز سے گفتگو فرماتے کہ ہر مضمون دوسرے سے ظاہر، واضح اور الگ ہوتا تھا، اس کلام کو ہر وہ شخص یاد کر لیتا تھا، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھا ہوتا۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعِيدُ الْكَلِمَةَ ثَلَاثًا لِتُعْقَلَ عَنْهُ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک فرماتے ہیں کہ (بسا اوقات) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کلام کو تین بار دہراتے تھے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بات کو (اچھی طرح) سمجھا جا سکے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** یسرد: جلدی جلدی اور مسلسل گفتگو کرنا، عربی زبان میں اشہر حرم کے مہینوں کے بارے میں یوں کہا جاتا ہے: ثَلَاثَةٌ سَرْدٌ وَ وَاحِدٌ فَرْدٌ یعنی تین ماہ مسلسل ہیں یعنی ذیقعدہ، ذی الحجہ اور محرم اور ایک مہینہ الگ ہے یعنی رجب، سرد کم هذا: اصل عبارت یوں ہے: کسرد کم هذا: جیسا کہ تم لوگ تیز تیز اور پے در پے بولتے ہو، کلام بین: (با پر زبر، یا پر تشدید اور زیر) صاف اور واضح کلام، فصل: (فا پر زبر اور صاد ساکن) ہر بات دوسری بات سے الگ ہوتی، ہر مضمون دوسرے سے ممتاز ہوتا تھا، یعید الکلمة: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کلام کو دہراتے، لتعقل عنه: (صیغہ واحدہ غائبہ مجہول): تاکہ اس کلمہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے (اچھی طرح) سمجھا جا سکے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو کا انداز

ان احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو اور بات چیت کرنے کے انداز کا ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی اور مسلسل نہ بولتے، کیونکہ اس انداز سے لوگوں کو بات سمجھنے میں مشکل ہوتی ہے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر ٹھہر کر بولا کرتے تھے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم واضح اور صاف گفتگو فرماتے، ہر جملہ سننے والے کو اچھی طرح سمجھ آ جاتا، اگر کوئی اسے یاد کرنا چاہتا، یا لکھنا چاہتا تو وہ اسے بڑی آسانی سے یاد کر سکتا تھا اور چاہتا تو اسے لکھ بھی سکتا تھا۔

۳۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ہی بات کو تین تین بار دہراتے، تاکہ سامعین کو اچھی طرح سمجھ آ جائے، عموماً کلام کا دہرانا اس وقت ہوتا، جب سننے والوں کی تعداد زیادہ ہوتی یا وہ کلام اتنا مشکل ہوتا کہ ایک بار سننے سے وہ بات سمجھ میں نہ آ سکتی، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تین بار دہراتے یا وہ بات بہت اہم ہوتی، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بار بار دہراتے، تاکہ سننے والوں کے دلوں میں

(۱) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث: ۳۶۴۳۔

(۲) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث: ۳۶۴۴۔

اس کی اہمیت آجائے، ہر وقت ہر طرح کے کلام کو دہرانے کا معمول نہیں تھا، کیونکہ ایک معمولی بات کو دہرانے سے بعض اوقات آدمی اکتا جاتا ہے، اور یہ بات عربی فصاحت و بلاغت کے بھی خلاف ہے۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ جب انسان کلام کرے تو ان آداب کا خیال رکھے، ٹھہر ٹھہر کر بولے، واضح اور صاف صاف بات کرے، مشکل نہیں بلکہ آسان جملے استعمال کرے، اور ضرورت پڑے تو ایک بات کو دہرا بھی لے، تاکہ جو پیغام وہ لوگوں کو دینا چاہتا ہے، وہ سننے اور لکھنے پڑھنے والوں کے سامنے خوب اجاگر اور واضح ہو جائے، اور اسے سمجھنے میں کسی بھی قسم کی کوئی دشواری اور مشکل پیش نہ آئے۔

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: سَأَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ، وَكَانَ وَصَّافًا، فَقُلْتُ: صِفْ لِي مَنْطِقَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَوَاصِلَ الأَحْزَانِ، دَائِمَ الْفِكْرَةِ، لَيْسَتْ لَهُ رَاحَةٌ، طَوِيلَ السَّكْتِ، لاَ يَتَكَلَّمُ فِي غَيْرِ حَاجَةٍ، يَفْتَتِحُ الْكَلاَمَ وَيَخْتِمُهُ بِأَشْدَاقِهِ، وَيَتَكَلَّمُ بِجَوَامِعِ الْكَلِمِ، كَلاَمُهُ فَصْلٌ، لاَ فُضُولَ وَلاَ تَقْصِيرَ، لَيْسَ بِالْجَافِي وَلاَ الْمُهِينِ، يُعَظِّمُ النِّعْمَةَ وَإِنْ دَقَّتْ، لاَ يَذُمُّ مِنْهَا شَيْئًا، غَيْرَ أَنَّهُ لَمْ يَكُنْ يَذُمُّ ذَوَاقًا وَلاَ يَمْدَحُهُ،

ترجمہ: حضرت حسن بن علی فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف کو خوب اچھی طرح کثرت سے بیان فرماتے تھے، عرض کیا کہ آپ، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو (اور خاموش رہنے) کی کیفیت مجھ سے بیان فرما دیجئے؟ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (آخرت کے) مسلسل غموں میں مشغول رہتے تھے، ہر وقت (اللہ جل شانہ کی ذات وصفات اور امت کی فلاح کے لیے) غور و فکر اور سوچ میں رہتے تھے، ان امور میں متفکر رہنے کی وجہ سے کسی وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت نہیں ہوتی تھی، اکثر اوقات آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے تھے، ضرورت کے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو نہ فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو کا آغاز اور اختتام اپنی باچھوں سے کرتے (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری گفتگو ابتداء سے انتہا تک منہ بھر کر ہوتی تھی، صرف ہونٹ کے کنارے سے گفتگو نہ فرماتے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم جامع الفاظ کے ساتھ کلام فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام ایک دوسرے سے جدا اور ممتاز ہوتا تھا، نہ تو وہ ضرورت سے زائد ہوتا اور نہ مقصد کے بیان میں کوتاہ ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو سخت مزاج تھے اور نہ کسی کو رسوا کرتے تھے، اللہ تعالیٰ کی نعمت کو (قولاً وعملاً) بڑا سمجھتے تھے، خواہ وہ کتنی ہی تھوڑی اور چھوٹی ہو، کسی بھی نعمت کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مذمت نہ فرماتے، البتہ کھانے پینے کی چیزوں کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ مذمت فرماتے اور نہ ان کی تعریف فرماتے (کہ اس سے حرص کا شبہ ہوتا ہے)۔

---

(۱) فتح الباری ۶/۷۱۷، کتاب المناقب، باب صفة النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۶۷، مرقاة المفاتیح ۱۰/۲۹۳ کتاب الفضائل، باب فی أخلاقه، رقم الحدیث: ۵۸۲۸، تحفة الاحوذی ۱۰/۱۱۸، کتاب المناقب، باب فی کلام النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۳۶۳۹

وَلَا تُغْضِبُهُ الدُّنْيَا، وَلَا مَا كَانَ لَهَا، فَإِذَا تُعُدِّيَ الْحَقُّ، لَمْ يَقُمْ لِغَضَبِهِ شَيْءٌ حَتَّى يَنْتَصِرَ لَهُ، وَلَا يَغْضَبُ لِنَفْسِهِ، وَلَا يَنْتَصِرُ لَهَا، إِذَا أَشَارَ أَشَارَ بِكَفِّهِ كُلِّهَا، وَإِذَا تَعَجَّبَ قَلَبَهَا، وَإِذَا تَحَدَّثَ اتَّصَلَ بِهَا، وَضَرَبَ بِرَاحَتِهِ الْيُمْنَى بَطْنَ إِبْهَامِهِ الْيُسْرَى، وَإِذَا غَضِبَ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ، وَإِذَا فَرِحَ غَضَّ طَرْفَهُ، جُلُّ ضَحِكِهِ التَّبَسُّمُ، يَفْتَرُّ عَنْ مِثْلِ حَبِّ الْغَمَامِ.

ترجمہ: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ تو دنیا غصہ دلاتی اور نہ وہ چیز، جو دنیا کی ہو (یعنی مال و دولت، منصب اور شہرت) مگر جب کوئی شخص کسی دینی امر اور حق بات سے تجاوز کرتا، تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کے سامنے کوئی چیز نہیں ٹھہر سکتی تھی یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا انتقام نہ لے لیں، اپنی ذات کے لیے نہ کسی پر غصہ ہوتے اور نہ ہی بدلہ لیتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی وجہ سے کسی جانب اشارہ فرماتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے، اور جب کسی امر پر تعجب فرماتے تو اپنی ہتھیلی کو پلٹ لیتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو ہتھیلی کی حرکت سے ملی ہوتی، اور کبھی دائیں ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصے پر مارتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے ناراض ہوتے تو اس سے منہ پھیر لیتے اور اس سے خوب بے رخی فرماتے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوش ہوتے تو (حیا کی وجہ سے) اپنی آنکھ کو بند فرمالیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اکثر ہنسی مسکرانا ہی ہوتا، ہنسنے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت اولے کی طرح سفید اور چمکدار ظاہر ہوتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔ متواصل: لگاتار، مسلسل، احزان: حزن کی جمع ہے: غموم، پریشانیاں، أشداق: شدق کی جمع ہے: باچھیں، ہونٹوں کے کنارے، جوامع: جامعة کی جمع ہے: ایسا کلام جو بہت سے معنی کو شامل ہو، الکلم: (کاف پر زبر اور لام کے نیچے زیر) کلمة کی جمع ہے، اور جوامع الکلم سے ایسا کلام مراد ہے، جس کے الفاظ کم ہوں، مگر ان کے معانی اور مطالب بہت وسیع اور زیادہ ہوں، فصل: (فا پر زبر اور صاد ساکن) حق و باطل کے درمیان فرق کرنے والا کلام، جدا جدا بات، جو ایک دوسرے سے ممتاز ہو، فضول: ضرورت سے زائد کلام، تقصیر: مطلب کو بیان کرنے میں کوتاہ اور ناقص گفتگو، جافی: سخت مزاج، اکھڑ مزاج، بے رحم، سنگدل، المهين: اس لفظ کو دو طرح پڑھا جا سکتا ہے: ا۔ باب افعال سے صیغہ اسم فاعل ہو، اس صورت میں اس کی میم پر پیش ہوگا: تذلیل کرنے والا، رسوا کرنے والا، ۲۔ المهين (میم پر زبر کے ساتھ) مهانة سے صفت مشبہ کا صیغہ ہے، اس صورت میں اس کی یہ میم اصلی ہوگی، اس کے معنی ہیں: ذلیل و حقیر، یعظم: نعمت کو بڑا سمجھتے تھے، وان دقت: اگرچہ وہ نعمت معمولی اور چھوٹی ہو، ذواقا: یہ اسم مفعول کے معنی میں ہے: کھانے پینے کی کوئی بھی چیز، ولا ما کان لها: اور نہ وہ چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غصہ دلاتی، جو دنیا کی ہو، تعدی الحق: (صیغہ مجہول) حق سے تجاوز کیا جائے یعنی اگر کوئی شخص حق بات سے تجاوز کرے، لم یقم لغضبه شيء: کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے غصہ کی تاب نہ لا سکتی، حتی ینتصر: یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتقام لے لیں، بدلہ لے لیں، قلبها: اپنی ہتھیلی کو پلٹ دیتے یعنی ہتھیلی کے اندرونی حصہ کو آسمان کی طرف اور بیرونی حصے کو نیچے کی طرف کر دیتے، اتصل بها: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام

ہتھیلی کی حرکت کے ساتھ متصل رہتا، أعوض: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعراض کرتے یعنی غصہ کے مقتضی پر عمل نہ کرتے بلکہ اس سے درگذر فرماتے، أشاح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اعراض میں مبالغہ کرتے، غض طرفه: اپنی نگاہ نیچے کر لیتے، سر نہ اٹھاتے، حریصانہ نظر سے نہ دیکھتے، جل: (جیم پر پیش اور لام پر تشدید) اکثر، جل ضحكه: (ضاد پر زبر، حا اور کاف کے نیچے زیر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی کا اکثر حصہ یعنی عموماً، يفتو: یہ لفظ افترار سے ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے، حب الغمام: بادل کا دانہ یعنی اولے، موتی۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کرنے، خاموش رہنے کی کیفیت اور دیگر اوصاف

اس حدیث میں حضرت حسن بن علی کے ماموں حضرت ہند بن ابی ہالہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کرنے کا انداز، خاموش رہنے کی کیفیت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دیگر چند اوصاف کو ذکر کیا ہے، جن کی تفصیل بالترتیب درج ذیل ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات، آخرت میں پیش آنے والے امور اور امت کی فلاح و بہبود کے لیے اکثر غمگین رہتے تھے، کسی دنیوی مقصد کی وجہ سے پریشان نہیں ہوتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دل ہر وقت اللہ جل جلالہ کی یاد میں مستغرق رہتا، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر ایک سے خندہ پیشانی سے ملتے، جو غمزدہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا غم سنتے اور اسے تسلی دیتے، چنانچہ عربی زبان میں عارف باللہ کے بارے میں کہا جاتا ہے: إِنَّ الْعَارِفَ هَشٌّ بَشٌّ اللہ کی معرفت رکھنے والا شخص ہنس مکھ ہوتا ہے، اس کے چہرے پر بشاشت ہوتی ہے، یعنی اس کا چہرہ کھلا ہوا ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کے ہاں جو مقام قرب حاصل تھا، اس کی لاج رکھتے ہوئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمہ وقت ایسے اعمال میں مشغول رہتے، جن سے اللہ جل شانہ کا مزید قرب حاصل ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت اس فکر اور سوچ میں بھی رہتے، کہ یہ دین لوگوں میں کس طرح پھیلے، کفر وضلالت کے اندھیروں میں ڈگمگاتی ہوئی انسانیت کو کیسے راہ راست پر لایا جائے، کفر کا راستہ روک کر اسلام کا دفاع کس طور پر کیا جائے، یہ وہ افکار ہیں جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر سوچتے رہتے، تاکہ ان کا حل تلاش کیا جائے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر خاموش رہتے، ضرورت کے بغیر گفتگو نہ فرماتے، قرآن میں فرمایا: وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوٰى (وہ اپنی خواہش سے نہیں بولتے) ضرورت کے بغیر بولنے سے وقت بھی ضائع ہوتا ہے، اور منہ سے ایسی کوئی بات نکل جاتی ہے جو شرعی لحاظ سے درست نہیں ہوتی، ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے، اسے چاہیے کہ وہ اچھی بات کیا کرے، ورنہ خاموش رہے، اور فرمایا: آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ وہ لایعنی چیزوں کو ترک کردے۔

۳۔ يفتتح الكلام ويختمه باشداقه (او باسم الله تعالى) یہاں دو طرح کے الفاظ منقول ہیں:

❁ بعض نسخوں میں باشداقہ ہے، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری گفتگو شروع سے آخر تک منہ بھر کر ہوتی تھی،

صرف ہونٹ کے کنارے سے گفتگو نہ فرماتے، جس طرح عموماً متکبر لوگوں کی گفتگو کا انداز ہوتا ہے، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم منہ پھاڑ پھاڑ کر کلام فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام معتدل ہوتا، اس میں افراط اور تفریط نہیں ہوتا تھا۔

۞ بعض نسخوں میں باسم اللہ تعالیٰ ہے، یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے کلام کا آغاز اللہ کے نام سے کیا کرتے یعنی بسم اللہ سے شروع فرماتے، اسی طرح اپنی گفتگو کو اللہ کے نام سے ہی ختم فرماتے یعنی الحمدللہ سے ختم فرماتے، اس آیت پر عمل کرتے ہوئے: وَاٰخِرُ دَعْوَاهُمْ اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جامع کلام فرماتے تھے، یعنی ایسا کلام جس کے الفاظ تھوڑے ہوتے، مگر ان کے معانی بہت زیادہ ہوتے، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اِنَّمَا الْاَعْمَالُ بِالنِّيَّاتِ اور فرمایا: مِنْ حُسْنِ اِسْلَامِ الْمَرْءِ تَرْكُهٗ مَا لَا يَعْنِيْهِ اور فرمایا: مَنْ صَمَتَ نَجَا۔

۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام بالکل واضح اور صاف ہوتا، خلط ملط اور گول مول نہ ہوتا، اس موقع کے لحاظ سے جتنی گفتگو کی ضرورت ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنا کلام ہی ارشاد فرماتے، وہ کلام نہ تو ضرورت سے زائد ہوتا کہ جسے سن کر انسان اکتا جائے، اور نہ بہت مختصر ہوتا کہ جس سے مطلب ہی واضح نہ ہو، بلکہ ضرورت کے عین مطابق ہوتا۔

۶۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انتہائی ملنسار اور نرم مزاج تھے، سخت مزاج، تند خو اور سخت دل نہیں تھے، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللّٰهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ۔ (ترجمہ: سو خدا ہی کی رحمت کے سبب آپ ان کے ساتھ نرم رہے اور اگر آپ تند خو سخت مزاج ہوتے تو یہ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے)

۷۔ ولا المھین اس کے دو مطلب ہیں: ا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کو ذلیل و رسوا اور شرمندہ نہیں کرتے تھے، تاکہ اس کی دل آزاری نہ ہو، اس میں ان لوگوں کے لیے درس عبرت ہے جو کسی شعبہ میں سرپرست ہیں، والدین ہیں، اساتذہ اور شیوخ ہیں، کسی ادارے یا ملک کے کسی اہم منصب پر فائز ہیں، ان کو اپنے ماتحتوں کے ساتھ ایسا کوئی رویہ اختیار نہیں کرنا چاہیے، جس سے ان کی دل شکنی ہو، اور نہ ہی ان کو کسی بات پر ذلیل و رسوا اور شرمندہ کیا جائے، پیار و محبت اور حکمت کے ساتھ ان کی اصلاح کی کوشش کی جائے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات میں انتہائی عظیم تھے، حقیر اور گھٹیا نہیں تھے، بلکہ انتہائی باوقار اور محترم و مکرم تھے، سادگی کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس قدر رعب اور دبدبہ تھا کہ بڑے بڑے سرکش اور ظالم و جابر لوگوں کی گردنیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے سرنگوں ہوتیں، ان کے جسموں پر کپکپی طاری ہو جاتی۔

۸۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کی ہر نعمت کو بہت بڑا سمجھتے تھے، ان کی قدر کرتے، زبان سے ان کا شکر ادا کرتے اور عمل سے ان کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہ کرتے، وہ نعمت خواہ کتنی ہی معمولی اور چھوٹی ہوتی، اسے اللہ کا بہت بڑا فضل سمجھتے، کسی بھی نعمت کی مذمت اور برائی نہ کرتے۔

۹۔ کھانے پینے کی کسی چیز کی مذمت نہ فرماتے، نہ دل سے اللہ کا شکر بجالاتے، اور کسی کھانے یا پینے کی چیز کی زیادہ تعریف

بھی نہ فرماتے، کیونکہ کسی چیز کے زیادہ تذکرے اور تعریف سے یہ تاثر ثابت ہوتا ہے کہ یہ بندہ اس چیز کو گویا زیادہ پسند کرتا ہے، اس کا حریص ہے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کھانے پینے کی کسی چیز سے کوئی خاص دلچسپی نہیں تھی، ہاں اسے اللہ کی نعمت ضرور سمجھتے، اس کا شکر کرتے، مگر اس کے دلدادہ نہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام تر توجہ اللہ جل شانہ کی عبادت اور یادِ الٰہی تھی، البتہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی رغبت کے اظہار کے لیے یا کسی صحابی یا صحابیہ کے دل کو خوش کرنے کے لیے کبھی کبھی خاص چیزوں کی تعریف بھی فرمائی ہے۔

۱۰۔ دنیا اور اس کی چیزوں کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی غصہ نہ ہوتے، ان کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی پرواہ نہیں تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری توجہ یادِ الٰہی، دین کی سربلندی اور آخرت کی طرف تھی۔

۱۱۔ اگر کوئی شخص کسی دینی امر اور حق بات سے تجاوز کرتا، تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سخت غصہ آتا، ایسی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ اس وقت تک ٹھنڈا نہ ہوتا، جب تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے انتقام نہ لے لیتے، یعنی جب تک اس مجرم کو سزا نہ ہو جاتی، اپنی ذات کے لیے کبھی غصہ نہ ہوتے، اگر کوئی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ظلم و زیادتی کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے درگذر فرما دیتے، اس سے کوئی انتقام اور بدلہ نہ لیتے۔

۱۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی انسان وغیرہ کی طرف اشارہ کرتے تو پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے، صرف انگلی سے اشارہ نہ فرماتے، اس کی دو وجہیں لکھی ہیں:

- انگلیوں سے اشارہ کرنا تواضع کے خلاف ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورے ہاتھ سے اشارہ فرماتے۔
- بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت مبارکہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم انگلی سے توحید کا اشارہ فرماتے تھے، اس لیے غیر اللہ کی طرف انگلی سے اشارہ نہ کرتے تھے۔

۱۳۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی معاملہ میں تعجب کرتے تو ہاتھ کو پلٹ لیتے یعنی ہاتھ کے اندرونی حصے کو اوپر کی طرف کر لیتے، تاکہ حاضرین کو اس تعجب کا پتہ چل جائے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو کبھی گفتگو کے ساتھ ہاتھوں سے اشارہ بھی فرماتے، تاکہ سننے والوں کو وہ بات اچھی طرح سمجھ آ جائے، اور کبھی کسی اہم کلام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم دائیں ہتھیلی کو بائیں انگوٹھے کے اندرونی حصے پر مارتے، یہ سب اس لیے ہوتا تاکہ اس کلام کی اہمیت لوگوں کے سامنے واضح ہو جائے۔

۱۴۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی سے ناراض ہوتے، تو اس سے اعراض کر لیتے، اور پوری طرح بے رخی فرماتے، مگر اس کے باوجود غصہ کے مقتضی پر عمل نہ فرماتے، بلکہ اس شخص کو معاف فرما دیتے، اور اس سے درگذر کر لیتے۔

۱۵۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے، تو اپنی آنکھیں جھکا لیتے، بند کر لیتے، حریصانہ نظروں سے کسی کی طرف نہیں دیکھتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مسکراتے، اور جب ہنستے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دانت مبارک اولوں کی طرح سفید دکھائی دیتے، حضرت عبداللہ بن عمر فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب خوش ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا،

خوشی کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن وجمال میں مزید اضافہ ہو جاتا۔(۱)

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے تمام مسلمانوں کو ان اوصاف پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

## بَابُ مَا جَاءَ فِي ضَحِكِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہنسنے کی کیفیت کا ذکر ہے

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: كَانَ فِي سَاقَيْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمُوشَةٌ، وَكَانَ لَا يَضْحَكُ إِلَّا تَبَسُّمًا، فَكُنْتُ إِذَا نَظَرْتُ إِلَيْهِ، قُلْتُ: أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ، وَلَيْسَ بِأَكْحَلَ.(۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں پنڈلیاں پتلی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم (عموماً) ہنستے نہیں تھے بلکہ مسکراتے تھے، اور جب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف دیکھتا تو (دل ہی دل میں) کہتا کہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں میں سرمہ لگا رکھا ہے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں میں سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا (بلکہ فطری طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرمگیں تھیں)

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** ساقی: اصل میں ساقین ہے، اضافت کی وجہ سے اس کا نون گر گیا ہے: دونوں پنڈلیاں، **حموشة:** (خاء اور میم پر پیش) پتلی، باریک، اکحل العینین: یعنی ھو مکحل العینین پورے جملہ کا ترجمہ یہ ہے: میں سوچتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں میں سرمہ لگایا ہوا ہے، ولیس باکحل: حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا۔

### آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں سرمگیں اور پنڈلیاں پتلی تھیں

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تین اوصاف کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پنڈلیاں باریک اور پتلی تھیں، مگر جسم کے دوسرے اعضاء کے مناسب تھیں، ایسا نہیں تھا کہ دوسرے اعضاء سے یہ میل نہ کھاتی ہوں، یہ انسان کے چاک وچوبند، حسین وجمیل اور مستعد ہونے کی علامت ہوتی ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً صرف ہونٹوں سے مسکرایا کرتے تھے، منہ کھول کر ہنسنے کا معمول نہیں تھا، کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس بھی لیتے تھے، جیسا کہ آگے ایک حدیث میں اس کا ذکر آرہا ہے، بعض علماء فرماتے ہیں کہ آخرت سے متعلق خوش کرنے والی بات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے تھے اور دنیا کی خوشی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف مسکراتے تھے۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۵/۲، المواھب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص:۳۶۵)

(۲) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث:۳۶۴۸۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں فطری طور پر سرگیں تھیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھنے سے ایسا معلوم ہوتا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آنکھوں میں سرمہ ڈالا ہے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سرمہ نہیں لگایا ہوتا تھا، یہ تمام اوصاف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن و جمال کے شاہکار ہیں، انسانی دنیا میں ایسے شخص کو انتہائی حسین وجمیل شمار کیا جاتا ہے۔

وکنت اذا نظرت الیہ قلت۔ ان تین افعال کو جس طرح متکلم کے طور پر پڑھنا درست ہے، اسی طرح انہیں خطاب کا صیغہ بنا کر بھی پڑھا جا سکتا ہے، اس سے حدیث کے معنی اور مفہوم میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ بْنِ جَزْءٍ، أَنَّهُ قَالَ: مَارَأَيْتُ أَحَدًا أَكْثَرَ تَبَسُّمًا مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث بن جزء کہتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ مسکرانے والا کسی کو نہیں دیکھا۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ: مَا كَانَ ضَحِكُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا تَبَسُّمًا.(۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن حارث کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا بس مسکرانا ہی تھا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** تبسم: (تا اور با پر زبر، سین پر تشدید اور پیش) وہ مسکراہٹ جس میں کوئی آواز نہ ہو، ضحک: (ضاد کے نیچے زیر وزبر اور حاء ساکن اور اس کے نیچے زیر بھی پڑھ سکتے ہیں) ایسا ہنسنا جس میں خوشی کی وجہ سے دانت ظاہر ہو جائیں، اور اگر ڈاڑھیں ظاہر ہو جائیں، تو اسے ''قہقہہ'' کہا جاتا ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اکثر مسکراتے

مذکورہ احادیث کی روشنی میں دو باتیں پیش نظر رہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بس مسکرانا ہی تھی، جو بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراہٹ کے پھول نچھاور فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہنستے نہیں تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ہنسنا بس مسکراہٹ ہی تھی، البتہ کبھی کبھار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس انداز سے ہنسنا بھی ثابت ہے، جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھیں بھی ظاہر ہو جاتی تھیں۔

۲۔ پچھلے باب کی آخری حدیث میں تھا: مُتَوَاصِلَ الْأَحْزَانِ کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پے در پے غموں میں رہتے تھے، اور یہاں اس حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکثر تبسم فرمایا کرتے تھے، ان دونوں میں کوئی تعارض نہیں، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دل ہی دل میں

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۴۷۴، کتاب الفضائل، باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم: ۵۷۹۶، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للمناوی ۲/۱۸۔

(۲) سنن الترمذی، للمناقب، رقم الحدیث: ۳۶۴۵۔

(۳) سنن الترمذی، للمناقب، رقم الحدیث: ۳۶۴۶۔

طبعی طور پر طرح طرح کے غموں میں ہوتے، مگر پھر بھی صحابہ کرامؓ اور اپنے اہل خانہ سے خندہ پیشانی سے ملتے، مسکراہٹ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وہ خصوصیت تھی کہ جسے دیکھ کر ہر قسم کا غم انسان بھول جاتا تھا، اس سے یہ ادب معلوم ہوتا ہے کہ انسان پر جو بھی پریشانی اور خدانخواستہ براوقت آجائے، تب بھی چہرے کو خوش رکھنا چاہیے، لوگوں سے خندہ پیشانی سے ہی ملنے کا اہتمام کیا جائے، یہی تواضع کا اعلیٰ درجہ اور سنت نبوی ہے۔ اللہ جل شانہ ہمیں اپنے فضل ورحمت سے اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔(۱)

عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَعْلَمُ أَوَّلَ رَجُلٍ، يَدْخُلُ الْجَنَّةَ وَآخِرَ رَجُلٍ، يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ، يُؤْتَى بِالرَّجُلِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، فَيُقَالُ: اعْرِضُوا عَلَيْهِ صِغَارَ ذُنُوبِهِ وَتُخَبَّأُ عَنْهُ كِبَارُهَا، فَيُقَالُ لَهُ: عَمِلْتَ يَوْمَ كَذَا، كَذَا وَكَذَا، وَهُوَ مُقِرٌّ لَا يُنْكِرُ، وَهُوَ مُشْفِقٌ مِنْ كِبَارِهَا فَيُقَالُ: أَعْطُوهُ مَكَانَ كُلِّ سَيِّئَةٍ عَمِلَهَا حَسَنَةً، فَيَقُولُ: إِنَّ لِي ذُنُوبًا مَا أَرَاهَا هَهُنَا. قَالَ أَبُو ذَرٍّ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: یقیناً میں اس شخص کو خوب جانتا ہوں، جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوگا اور اس سے بھی واقف ہوں، جسے سب سے آخر میں دوزخ سے نکالا جائے گا، قیامت کے دن ایک شخص کو (اللہ تعالیٰ کے سامنے) لایا جائے گا تو کہا جائے گا (یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے): اس پر اس کے چھوٹے چھوٹے گناہوں کو پیش کرو اور (فی الحال) اس کے بڑے بڑے گناہوں کو پوشیدہ رکھا جائے، پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو نے فلاں دن ایسے ایسے گناہ کیے ہیں، وہ ہر گناہ کا اقرار کرے گا، انکار نہیں کرے گا، اس وقت وہ (دل ہی دل میں) اپنے بڑے بڑے گناہوں کے اظہار سے ڈر رہا ہوگا (کہ صغیرہ کی اتنی باز پرس ہے تو کبیرہ گناہوں میں کیا گزرے گا) پھر کہا جائے گا (یعنی اللہ کی طرف سے یہ حکم ہوگا) کہ اس کو ہر اس برائی کے بدلہ ایک ایک نیکی دے دو، جو برائی کہ اس نے کی ہے، (یہ فیصلہ سن کر) پھر وہ شخص خود بولے گا کہ میرے تو اور بھی بہت سے گناہ ہیں، جنہیں میں یہاں نہیں دیکھ رہا، حضرت ابوذر غفاری فرماتے ہیں کہ (اس ارشاد کے بعد) میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔

مشکل الفاظ کے معنی: یؤتی بالرجل: (فعل مجہول) آدمی کو لایا جائے گا، حاضر کیا جائے گا، فیقال: پھر کہا جائے گا، یعنی اللہ تعالیٰ فرشتوں سے فرمائیں گے، اعرضوا: باب ضرب سے صیغہ امر جمع ہے: تم پیش کرو، صغار: صغیرۃ کی جمع ہے: چھوٹے چھوٹے، ذنوب: ذنب کی جمع ہے: گناہ، تخبا: خبأ سے صیغہ مجہول مؤنث: چھپائے جائیں، کبار: کبیرۃ کی جمع ہے: بڑے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۹، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۳۷۳)
(۲) الصحيح لمسلم، الأيمان، رقم الحديث: ۱۹۰، سنن الترمذی، صفة جهنم، رقم الحديث: ۲۵۹۹۔

بڑے، کذا و کذا: ایسے اور ایسے گناہ، ما أراها ھھنا: میں ان کو یہاں یعنی نامہ اعمال میں یا پیش کرنے کی جگہ میں ان گناہوں کو نہیں دیکھ رہا، بدت نواجذہ: بدو سے صیغہ واحد مؤنث اور نواجذ جمع ہے ناجذ کی: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہنسنے کا ذکر

اس حدیث میں ہے: انی لأعلم أول رجل یدخل الجنة، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کسی راوی کو وہم ہوا ہے جس کی وجہ سے اس نے ''اول رجل'' ذکر کر دیا ہے، ورنہ صحیح نسخوں میں ''اخر رجل'' ہے، یہی لفظ درست ہے، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں اسی طرح ہے، اس صورت میں اٰخِرُ رَجُلٍ یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اور اٰخِرُ رَجُلٍ یَخْرُجُ مِنَ النَّارِ ان دونوں کا مصداق ایک ہی شخص ہوگا، کہ ایک شخص کو دوزخ سے سب سے آخر میں نکال کر سب سے آخر میں جنت میں داخل کیا جائے گا۔

لیکن اگر شمائل کے نسخہ کو سامنے رکھا جائے کہ جس میں اول رجل یدخل الجنة کے الفاظ ہیں، اس سے کون مراد ہے؟ شارحین کے اس میں دو قول ہیں:

- حدیث میں ''اول رجل یدخل الجنة'' سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت کے دن سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔
- یہ بھی ہوسکتا ہے کہ ''اول رجل'' سے ایک گنہگار مسلمان مراد ہو، جسے دوزخ سے نکال کر سب سے پہلے جنت میں داخل کیا جائے گا۔

واخر رجل یخرج من النار کہ وہ شخص جسے دوزخ سے سب سے آخر میں نکال کر سب سے آخر میں جنت میں داخل کیا جائے گا، اس سے وہ شخص مراد ہے جس کا ذکر حضرت عبداللہ بن مسعود کی روایت میں ہے، امام ترمذی نے اس حدیث کو دو حدیثوں کے بعد یہاں شمائل میں ذکر کیا ہے، اور یوتی بالرجل یوم القیامة سے کون مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

- ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: یہ اول رجل یدخل الجنة کا بیان ہے، یعنی گنہگار لوگوں میں سب سے پہلے اس شخص کو جنت میں داخل کیا جائے گا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔
- مناوی فرماتے ہیں کہ یوتی بالرجل ایک نیا کلام ہے، اس کا پہلے جملوں کے ساتھ کوئی تعلق نہیں، اس میں ایک اور شخص کی حالت کا ذکر ہے۔

شمائل کی مذکورہ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ایک شخص کو اللہ جل شانہ کے سامنے حساب کے لیے لایا جائے گا، فرشتوں کو حکم ہوگا کہ اس کے پہلے چھوٹے چھوٹے گناہ پیش کریں، اور کبیرہ گناہوں کو ابھی مخفی رکھا جائے، وہ ہر گناہ کا اقرار کرے گا، انکار نہیں، مگر دل ہی دل میں ڈر رہا ہوگا کہ جب صغیرہ گناہوں کی اتنی سخت باز پرس ہے تو کبیرہ گناہوں کا کیا ہوگا، ان میں تو مزید سختی ہوگی، مگر اللہ تعالیٰ اچانک حکم دیں گے کہ اسے ہر برائی کے بدلہ ایک ایک نیکی دے دو، اس وجہ سے کہ دنیا میں اس نے سچی توبہ کی تھی یا اس کی

نیکیاں زیادہ ہوگئیں یا یہ کہ دنیا میں اس نے بڑی آزمائش والی زندگی گذاری، غرض کسی بھی وجہ سے اللہ جل شانہ اس کے ساتھ اپنے فضل کا معاملہ فرمائیں گے، جب وہ یہ نوازشات دیکھے گا تو پہلے وہ گناہ جن کے حساب سے وہ ڈر رہا تھا، خود ہی ان کو ظاہر کر دے گا اور یوں کہے گا کہ میرے تو اور بھی بہت سے گناہ ہیں، جنہیں میں اپنے نامہ اعمال میں نہیں دیکھ رہا یا اس فہرست میں نہیں دیکھ رہا، جس کو اللہ جل شانہ کے سامنے پیش کیا جا رہا ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ اس کی یہ بات سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اتنے ہنسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں، اس انداز سے ہنسنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول نہیں تھا، مگر کبھی کبھار ایسا ہوتا تھا، ہنسی اس بات پر تھی کہ پہلے یہ شخص جن گناہوں کے اظہار سے ڈر رہا تھا، اب جب اس نے اللہ میاں کی نوازشات دیکھیں تو ان گناہوں کو اب یہ خود ہی بیان کر رہا ہے، تاکہ ان کے بدلہ بھی نیکیاں حاصل ہو جائیں۔(۱)

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- خوشی کی خبر پر اس انداز سے ہنسنا کہ انسان کی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں، جائز ہے، مگر ہر وقت اس کو معمول نہیں بنانا چاہیے، کیونکہ زیادہ ہنسنے سے انسان کا دل مردہ ہو جاتا ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول بھی تبسم اور مسکرانے کا تھا، اسی سنت پر اہتمام سے عمل کرنا چاہیے۔
- کوئی گناہ سرزد ہو جائے تو فوراً اللہ جل جلالہ سے تہ دل سے توبہ کی جائے، گناہ پر ہی ڈٹے رہنا یا اس پر اصرار کرنا درست نہیں۔
- یہ فکر ہر وقت مستحضر رہے کہ میں اس دنیا میں جو کچھ بھی کر رہا ہوں یا بول رہا ہوں، اس کا میں نے اللہ کی عدالت میں ایک دن ضرور حساب دینا ہے، اس دن اگر رسوائی ہوگئی تو اس کے ازالے کی بھی کوئی صورت نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل واحسان سے ہمارے دل کی یہ کیفیت بنا دے، تاکہ ہم اس کی نافرمانی سے بچ سکیں، اللہ تعالیٰ ہمیں توفیق عطا فرمائے آمین یا رب العالمین۔

عَنْ جَرِيرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ: مَا حَجَبَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْذُ أَسْلَمْتُ وَلَا رَآنِي إِلَّا ضَحِكَ.(۲)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ جب سے میں مسلمان ہوا ہوں، اس وقت سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنے پاس حاضر ہونے سے (کسی بھی وقت) نہیں روکا، اور جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے دیکھتے تو ہنستے تھے۔

عَنْ جَرِيرٍ قَالَ: مَا حَجَبَنِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا رَآنِي مُنْذُ أَسْلَمْتُ إِلَّا تَبَسَّمَ.(۳)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے مسلمان ہونے کے بعد کسی بھی وقت مجھے حاضری سے نہیں روکا، اور جب بھی مجھے دیکھتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسکراتے تھے۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۰، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۳۷۵)

(۲) الصحيح للبخاری، کتاب مناقب الانصار، باب ذکر جریر بن عبداللہ البجلی، رقم الحدیث:۳۸۲۲

(۳) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث:۳۸۲۲۔

## حضرت جریر کو دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تبسم فرماتے

مذکورہ احادیث میں حضرت جریر بن عبداللہ نے اپنی دو خصوصیتیں بیان کی ہیں، جو انہیں دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل تھیں اور یہ ان خصوصیات میں ممتاز حیثیت رکھتے تھے:

۱۔ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے اسلام قبول کیا ہے، اس وقت سے انہیں ہر وقت دربار نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آنے کی اجازت تھی، فرماتے ہیں کہ جب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آنے کی اجازت طلب کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اگر مردوں میں ہی تشریف فرما ہوتے تو مجھے فوراً بلا لیتے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج مطہرات کے پاس ہوتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پردہ کرا کر مجھے اپنے پاس اندر بلا لیتے، یا خود ہی میرے پاس تشریف لے آتے۔

حضرت جریر نے اسلام کب قبول کیا؟ اس میں دو قول ہیں:

- بعض کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے چالیس دن پہلے حضرت جریر نے اسلام قبول کیا۔
- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ راجح قول یہ ہے کہ انہوں نے عام الوفود یعنی سن ۹ ہجری میں اسلام قبول کیا۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب حضرت جریر کو دیکھتے تو ضرور مسکراتے، مذکورہ دو حدیثوں میں سے اگرچہ پہلی حدیث میں "ضحک" کے الفاظ ہیں، مگر اس سے تبسم ہی مراد ہے، چنانچہ دوسری حدیث میں اس کی تصریح ہے، تبسم فرمانا اس بات کی علامت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے محبت فرماتے تھے، اس سے یہ معلوم ہوا کہ جب انسان کسی سے ملاقات کرے یا دیکھے تو خندہ پیشانی اور مسکرا کر ملاقات کیا کرے، اس سے دوسرے انسان کا دل خوش ہوتا ہے، جو بلاشبہ بہت بڑی نیکی ہے، اس کے برعکس ملاقات کے وقت اگر انسان کا منہ بنا ہو، پیشانی پر تیور ہوں، تو اس سے دوسروں کو اذیت ہوتی ہے، اس لیے خندہ پیشانی سے اور مسکرا کر دوسروں سے ملنا چاہیے۔

شکل و صورت میں حضرت جریر انتہائی خوبصورت تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ ان کو "یوسف هذه الامة" "اس امت کا یوسف" کہا کرتے تھے، قادسیہ کی فتح میں ان کا بڑا اہم کردار تھا، بعد میں انہوں نے "قرقیسیا" میں رہائش اختیار کر لی تھی، پھر وہیں پر ۵۱ ہجری میں ان کی وفات ہوئی۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ: إِنِّي لَأَعْرِفُ آخِرَ أَهْلِ النَّارِ خُرُوْجًا، رَجُلٌ يَخْرُجُ مِنْهَا زَحْفًا، فَيُقَالُ لَهُ: انْطَلِقْ فَادْخُلِ الْجَنَّةَ قَالَ: فَيَذْهَبُ لِيَدْخُلَ الْجَنَّةَ، فَيَجِدُ النَّاسَ قَدْ أَخَذُوا

---

(۱) فتح الباری ۱۷۶/۷، کتاب مناقب الانصار، باب ذکر جریر بن عبداللہ البجلی، رقم الحدیث: ۳۸۲۲، الکوکب الدری ۴/۳۳۵، الاصابۃ ۱/۵۸۱، حرف الجیم۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: معارف ترمذی ۴/۵۵۰، باب مناقب جریر بن عبداللہ البجلی۔

الْمَنَازِلَ، فَيَرْجِعُ فَيَقُولُ: يَارَبِّ، قَدْ أَخَذَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ، فَيُقَالُ لَهُ: أَتَذْكُرُ الزَّمَانَ الَّذِي كُنْتَ فِيهِ، فَيَقُولُ: نَعَمْ قَالَ: فَيُقَالُ لَهُ: تَمَنَّ قَالَ: فَيَتَمَنَّى، فَيُقَالُ لَهُ: فَإِنَّ لَكَ الَّذِي تَمَنَّيْتَ وَعَشَرَةَ أَضْعَافِ الدُّنْيَا، قَالَ: فَيَقُولُ: تَسْخَرُ بِي وَأَنْتَ الْمَلِكُ، قَالَ: فَلَقَدْ رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ حَتَّى بَدَتْ نَوَاجِذُهُ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں (وحی کے ذریعہ) اس شخص کو اچھی طرح جانتا ہوں، جو سب سے آخر میں جہنم سے نکلے گا، وہ ایک مرد ہوگا، جو جہنم سے گھسٹتا ہوا نکلے گا، (عذاب کی سختی جھیلنے کی وجہ سے وہ پیدل چلنے پر بھی قادر نہ ہوگا) اس سے کہا جائے گا کہ جنت کی طرف جا اور اس میں داخل ہو جا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: چنانچہ وہ جائے گا تا کہ جنت میں داخل ہو، لیکن وہ لوگوں کو اس حال میں پائے گا کہ انہوں نے جنت کے تمام گھر لے لیے ہیں، پھر وہ لوٹے گا اور عرض کرے گا: اے میرے پروردگار: لوگوں نے تو سب گھر لے لیے ہیں (یعنی ہر ایک نے قبضہ کرلیا ہے، کوئی جگہ خالی نہیں ہے) اس سے کہا جائے گا: کیا تجھے وہ وقت یاد ہے جس میں تو تھا؟ (یعنی عذاب دوزخ میں یا اس سے دنیا کے گھر مراد ہیں) وہ کہے گا: جی ہاں (یاد ہے) پھر اس سے کہا جائے گا کہ تو تمنا اور آرزو کر، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پھر وہ آرزو کرے گا، تو اس سے کہا جائے گا: بیشک تیرے لیے وہ سب کچھ ہے، جس کی تو نے تمنا کی ہے، اور دنیا کا دس گنا (بھی) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ (تعجب سے) کہے گا: یا اللہ کیا آپ میرا مذاق اڑا رہے ہیں جبکہ آپ تو (بادشاہوں کے) بادشاہ ہیں، ابن مسعودؓ کہتے ہیں کہ (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جب اس کی تمسخر کی بات سنی تو) میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہنستے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھیں ظاہر ہونے لگیں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** زحفا: زمین پر گھسٹتا ہوا، زحف کے اصل معنی ہیں: سرین کے بل گھسٹ کر چلنا، **قد اخذوا المنازل:** لوگوں نے جنت کے سب گھر لے لیے ہیں، ان پر انہوں نے قبضہ کرلیا ہے، کوئی جگہ خالی نہیں، **اضعاف:** ضعف کی جمع ہے: کئی گنا، **عشرۃ اضعاف الدنیا:** دنیا کا دس گنا، **أتسخر بی:** کیا آپ میرے ساتھ مذاق کر رہے ہیں، تمسخر کر رہے ہیں۔

## دوزخ سے نکلنے والے آخری شخص کی بات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہنسی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو وحی کے ذریعہ یہ معلوم ہوا کہ قیامت کے دن ایک گنہگار مؤمن کو جہنم سے نکالنے کا حکم ہوگا، شارحین فرماتے ہیں کہ اس شخص کا نام جہینہ ہے یا ھناد جہنی ہے، یہ جہنم سے گھسٹ کر نکلے گا، وہ یا تو دوزخ کے عذاب کی وجہ سے چلنے پر قادر نہیں ہوگا، یا عذاب کے فرشتوں سے اپنے آپ کو چھپانے کے لیے وہ ایسا کرے گا، پھر اللہ کی طرف سے اسے حکم ہوگا کہ تم جنت

(۱) سنن الترمذی، صفۃ جھنم، رقم الحدیث: ۲۵۹۵۔

میں داخل ہو جاؤ، وہ جائے گا مگر جنت میں اسے کوئی خالی جگہ نہیں ملے گی، واپس آ کر اللہ جل شانہ کو یہ صورتحال بتائے گا، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے کہ تمہیں وہ وقت یاد ہے، جس میں تم پہلے تھے؟ یعنی دنیا اور اس کے مکان یاد ہیں، وہ عرض کرے گا: جی ہاں یاد ہیں، اللہ تعالیٰ اس سے فرمائیں گے تم جو چاہتے ہو آرزو کرو، چنانچہ وہ اپنی تمنائیں بیان کرے گا، دربار الٰہی سے حکم ہوگا: اچھا تم کو تمہاری تمنائیں اور خواہشات بھی ہم نے دے دیں اور تمام دنیا سے دس گنا زیادہ بھی عطا کر دیا، وہ عرض کرے گا کہ یا اللہ آپ بادشاہوں کے بادشاہ ہو کر مجھ سے تمسخر اور مذاق فرمارہے ہیں، جنت میں تو ذرا سی جگہ بھی خالی نہیں ہے، اور آپ مجھے تمام دنیا سے دس گنا زائد عطا فرمارہے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی یہ بات سن کر اس قدر ہنسے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک یعنی ڈاڑھیں نظر آنے لگیں۔

أتذكر الزمان الذي كنت فيه (کیا تمہیں وہ وقت یاد ہے جس میں تم تھے) اس سے کون سا وقت اور جگہ مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

- اس سے دوزخ کا عذاب مراد ہے، جس میں وہ انتہائی سختی سے دوچار تھا۔(۱)
- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے دنیا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ تم نے جنت کو دنیا کی طرح تنگ سمجھ لیا ہے، دنیا میں جب کوئی جگہ لوگوں سے بھر جائے، مزید وہاں گنجائش نہ ہو تو زبردستی یا کسی اور طریقہ سے پہلے لوگوں کی جگہ تنگ کر کے نئے لوگوں کو جگہ دی جاتی ہے، آخرت میں ایسا نہیں ہوگا، جنت اس قدر وسیع ہے، جس کا تمہیں اندازہ بھی نہیں۔(۲)

أتسخر بي وأنت الملك کیا آپ میرے ساتھ ٹھٹھا، تمسخر اور مذاق کر رہے ہیں، اس تحریہ سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ ابوبکر کہتے ہیں کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی طرف سے تحریہ کی نفی کرنا مقصود ہے، معنی یہ ہیں کہ مجھے یقین ہے کہ آپ میرے ساتھ تمسخر اور مزاح نہیں کر رہے، کیونکہ آپ رب العالمین ہیں، اور جو نعمتیں آپ نے مجھے عطا فرمائی ہیں، وہ بھی حق ہیں، بس تعجب اس بات پر ہے کہ آپ نے مجھے اتنا کچھ عطا کیا ہے، جبکہ میں تو اس کا اہل نہیں ہوں، أتسخر میں ہمزہ استفہام برائے نفی ہے۔

۲۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس جملے سے تحریہ کے حقیقی معنیٰ مراد نہیں بلکہ یہ جملہ اس سے فرط مسرت اور زیادہ خوشی کی وجہ سے زبان سے نکلے گا، خوشی کی وجہ سے وہ اپنی زبان پر قابو نہیں رکھ سکے گا، جیسا کہ حدیث میں ایک بزرگ کا یہ جملہ منقول ہے کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے زیادہ محبت کی وجہ سے یوں کہہ دیا: أَنْتَ عَبْدِيْ وَأَنَا رَبُّكَ (تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا رب ہوں)(۳)

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِكَ، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس وجہ سے ہنسے؟ اس کی دو وجہیں ہیں: ۱۔ اس شخص

---

(۱) الكوكب الدرى ۳۲۴/۳ ابواب صفة جهنم عن رسول الله ﷺ، باب ما جاء أن للنار نفسين۔

(۲) فتح البارى ۵۴۲/۱۱ كتاب الرقاق، باب صفة الجنة والنار، رقم الحديث: ۶۵۷۱

(۳) شرح مسلم للنووى ۱۰۵/۲، كتاب الايمان، باب اثبات الشفاعة واخراج الموحدين من النار، رقم الحديث: ۳۰۸

نے جب اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس قدر نوازشات دیکھیں تو ہکا بکا رہ گیا، فرط مسرت میں حیران ہوکر کہنے لگا: أتسخر بی، نبی کریم ﷺ اس کی اس جرأت پر ہنس پڑے کہ ابھی تک تو یہ عذاب میں تھا اور اب وہ اللہ کے سامنے یہ بات کر رہا ہے۔ ۲۔ نبی کریم ﷺ اس وجہ سے ہنسے کہ اللہ کی رحمت اس کے غضب پر غالب آگئی کہ سارے ایمان والوں کو دوزخ سے نکال دیا۔(۱)

اس حدیث سے ثابت ہونے والے چند فوائد:

- مسلمان دنیا سے توبہ کے بغیر چلا جائے، وفات سے پہلے وہ اپنے گناہوں کی توبہ نہ کر سکے تو اللہ جل شانہ کا بیان کردہ ضابطہ یہ ہے کہ ایسے شخص کو کچھ عرصہ عذاب دوزخ سے دوچار ہونا پڑے گا، پھر نبی کریم ﷺ کی سفارش سے اللہ جل جلالہ محض اپنے فضل وکرم سے اسے دوزخ سے نکال کر جنت میں داخل کر دیں گے۔
- اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، ان کا عمل سے بھی شکر ادا کیا جائے کہ ان کو اللہ کی نافرمانی میں استعمال نہ کیا جائے اور زبان سے بھی اللہ کی حمد وثناء کی جائے۔
- نبی کریم ﷺ کا عام معمول تبسم فرمانے کا تھا، مگر کبھی کبھار کسی اہم بات پر آپ ﷺ اس انداز سے بھی ہنستے تھے کہ آپ ﷺ کے دانت مبارک نظر آجاتے۔

عَنْ عَلِيِّ بْنِ رَبِيعَةَ قَالَ: شَهِدْتُ عَلِيًّا، أُتِيَ بِدَابَّةٍ لِيَرْكَبَهَا، فَلَمَّا وَضَعَ رِجْلَهُ فِي الرِّكَابِ، قَالَ: بِسْمِ اللَّهِ، فَلَمَّا اسْتَوَى عَلَى ظَهْرِهَا، قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ، ثُمَّ قَالَ: سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا هَذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُونَ [الزخرف: ]. ثُمَّ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ ثَلَاثًا، وَاللَّهُ أَكْبَرُ ثَلَاثًا، سُبْحَانَكَ إِنِّي ظَلَمْتُ نَفْسِي، فَاغْفِرْ لِي فَإِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ إِلَّا أَنْتَ، ثُمَّ ضَحِكَ. فَقُلْتُ لَهُ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ يَا أَمِيرَ الْمُؤْمِنِينَ؟ قَالَ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَنَعَ كَمَا صَنَعْتُ ثُمَّ ضَحِكَ فَقُلْتُ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِكْتَ يَا رَسُولَ اللَّهِ؟ قَالَ: إِنَّ رَبَّكَ لَيَعْجَبُ مِنْ عَبْدِهِ إِذَا قَالَ: رَبِّ اغْفِرْ لِي ذُنُوبِي، إِنَّهُ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوبَ غَيْرُكَ.(۲)

ترجمہ: حضرت علی بن ربیعہ کہتے ہیں کہ میں حضرت علیؓ کے پاس (ایک مرتبہ ان کے زمانہ خلافت میں) موجود تھا کہ ان کے پاس ایک سواری لائی گئی، تاکہ وہ اس پر سوار ہوں، جب حضرت علیؓ نے اپنا پاؤں زین میں لگے ہوئے لوہے کے حلقہ میں رکھا تو بسم اللہ کہا، پھر جب اس کی پشت پر بیٹھ گئے تو الحمد للہ کہا پھر یہ آیت پڑھی: سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ (ترجمہ: پاک ہے وہ ذات جس نے اس سواری کو ہمارے لیے مسخر کر دیا، ہم تو اسے قابو میں کرنے کی طاقت نہیں رکھتے تھے، اور ضرور ہمیں اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے) پھر تین مرتبہ الحمد للہ، تین مرتبہ اللہ اکبر کہا پھر یہ دعا پڑھی: سُبْحَانَكَ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۳۸۲)

(۲) سنن الترمذی، الدعوات، رقم الحدیث: ۳۴۴۳، سنن ابی داؤد، الجهاد، رقم الحدیث: ۲۶۰۲۔

اِلَّا اَنْتَ۔ (ترجمہ: تیری ذات پاک ہے، میں نے ہی اپنی جان پر ظلم کیا، لہذا تو مجھے معاف کر دے، کیونکہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا) پھر حضرت علی ہنسنے لگے، میں نے پوچھا: اے امیر المؤمنین آپ کیوں ہنس رہے ہیں؟ انہوں نے فرمایا: میں نے رسول اللہ ﷺ کو اسی طرح کرتے ہوئے دیکھا تھا جیسے میں نے کیا، پھر آپ ﷺ ہنسے، میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپ ﷺ کس وجہ سے مسکرائے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: بیشک تیرا رب اپنے بندے کی اس بات سے خوش ہوتا ہے جب وہ یہ کہتا ہے: اے میرے پروردگار: میرے گناہوں کو بخش دے، وہ بندہ جانتا ہے کہ میرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو معاف نہیں کر سکتا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** شهدت عليا: میں حضرت علی کے پاس حاضر اور موجود تھا، رکاب: (را کے نیچے زیر) زین میں لگا ہوا لوہے کا حلقہ، کڑا جس میں پاؤں رکھا جاتا ہے، لما استوى على ظهرها: جب اس سواری کی پشت پر سیدھے بیٹھ گئے، مقرنين: (باب افعال سے صیغہ اسم فاعل) قابو پانے والے، کنٹرول کرنے والے، ليعجب: (جیم پر زبر) اللہ تعالیٰ خوش ہوتے ہیں، يعلم انه: یہ جملہ قال کی ضمیر سے حال ہے۔

## نبی کریم ﷺ کا سواری پر بیٹھ کر مسکرانا

ایک مرتبہ حضرت علیؓ اپنے زمانہ خلافت میں سواری پر بیٹھ کر مسکرائے، تو ان کے پاس موجود حضرت علی بن ربیعہؒ نے اس کی وجہ پوچھی تو انہوں نے فرمایا کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے سواری پر بیٹھ کر اسی طرح کیا، جس طرح کہ میں نے کیا اور پھر نبی کریم ﷺ مسکرائے تو میں نے اس مسکرانے کی وجہ پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب بندہ یہ دعا مانگتا ہے فَاغْفِرْ لِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ (اے اللہ میرے گناہ بخش دے، کیونکہ تیرے علاوہ اور کوئی گناہوں کو بخش نہیں سکتا) تو اس دعا سے اللہ جل جلالہ بہت خوش ہوتے ہیں کہ میرے بندے کو یہ معلوم ہے کہ میرے علاوہ اس کے گناہوں کو اور کوئی بخش نہیں سکتا، نبی کریم ﷺ اللہ جل شانہ کے خوش ہونے پر مسکرائے۔(۱)

اس سے درج ذیل امور معلوم ہوئے:

- سواری پر بیٹھ کر مسنون دعائیں پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔
- سنت کی نیت سے اس موقع پر مسکرائے، کیونکہ نبی کریم ﷺ مسکرائے تھے۔
- تہ دل سے اللہ سے گڑگڑا کر اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۵، باب ما جاء في ضحك رسول الله ﷺ۔

## سواری اور گاڑی وغیرہ پر سوار ہونے کی چند دعائیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی سواری پر سوار ہوتے تو مندرجہ ذیل دعائیں مانگتے تھے:

۱۔ ایک پاؤں جب رکاب یعنی لوہے کے کڑے میں رکھتے تو بسم اللہ پڑھتے، اس لیے جب انسان کسی سواری، کار، بس، جہاز اور ریل گاڑی وغیرہ پر پاؤں رکھے تو بسم اللہ پڑھ لیا کرے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سواری پر بیٹھ جاتے تو اس نعمت کا شکرادا کرنے کے لیے الحمدللہ پڑھتے، لہذا سیٹ پر بیٹھ کر الحمدللہ پڑھنا چاہیے۔

۳۔ پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھتے: سُبْحٰنَ الَّذِيْ سَخَّـرَ لَنَا هٰذَا وَمَا كُنَّا لَهٗ مُقْرِنِيْنَ وَاِنَّا اِلٰى رَبِّنَا لَمُنْقَلِبُوْنَ، پھر تین مرتبہ الحمدللہ، تین مرتبہ اللہ اکبر اور یہ دعا مانگتے: سُبْحَانَکَ اِنِّيْ ظَلَمْتُ نَفْسِيْ فَاغْفِرْلِيْ فَاِنَّهٗ لَا يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اَنْتَ۔

لہذا اہتمام مسلمانوں کو سوار ہوتے وقت ان دعاؤں کے مانگنے کا اہتمام کرنا چاہیے، ایک تو اس لیے تاکہ اللہ تعالیٰ کی اس نعمت کا شکرادا ہو، اور دوسرا اس لیے کہ یہ سواریاں ایک طرح سے انسان کی ہلاکت کا ذریعہ ہیں، ان پر بیٹھ کر انسان کو آخرت اور اپنی موت کو یاد کرنے کے گناہوں کی معافی مانگنی چاہیے، اور اللہ کی نافرمانی سے بچنا چاہیے۔

عَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: قَالَ سَعْدٌ: لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ضَحِکَ يَوْمَ الْخَنْدَقِ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ. قَالَ: قُلْتُ: كَيْفَ كَانَ؟ قَالَ: كَانَ رَجُلٌ مَعَهٗ تُرْسٌ، وَكَانَ سَعْدٌ رَامِيًا، وَكَانَ يَقُوْلُ كَذَا وَكَذَا بِالتُّرْسِ يُغَطِّي جَبْهَتَهٗ، فَنَزَعَ لَهٗ سَعْدٌ بِسَهْمٍ، فَلَمَّا رَفَعَ رَأْسَهٗ رَمَاهُ فَلَمْ يُخْطِئْ هٰذِهٖ مِنْهُ - يَعْنِي جَبْهَتَهٗ - وَانْقَلَبَ الرَّجُلُ، وَشَالَ بِرِجْلِهٖ: فَضَحِکَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى بَدَتْ نَوَاجِذُهٗ. قَالَ: قُلْتُ: مِنْ أَيِّ شَيْءٍ ضَحِکَ؟ قَالَ: مِنْ فِعْلِهٖ بِالرَّجُلِ۔(۱)

ترجمہ: حضرت عامر بن سعد کہتے ہیں کہ میرے والد سعدؓ نے فرمایا: میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو غزوہ خندق کے دن ہنستے ہوئے دیکھا، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھیں ظاہر ہوگئیں، عامرؓ کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہنسی کس بات پر تھی؟ انہوں نے فرمایا: ایک کافر کے ساتھ ڈھال تھی اور سعدؓ (گوکہ) تیرانداز تھے، لیکن وہ کافر (اپنے آپ کو بچانے کے لیے) اپنی ڈھال کو ادھر ادھر کر لیتا تھا، وہ اپنی پیشانی کو (تیر سے بچانے کے لیے ڈھال سے) ڈھانپ لیتا تھا، چنانچہ سعدؓ نے (ایک مرتبہ) اس کے لیے تیر نکالا، (اور موقع کے انتظار میں رہے) جب اس کافر نے اپنا سر (ڈھال سے اوپر) اٹھایا، تو سعد نے اس کافر کو تیر مارا، اس تیر نے اس آدمی سے یعنی اس کی پیشانی سے غلطی نہیں کی (یعنی وہ تیر اس کی پیشانی پر لگا) اور (فوراً) وہ الٹ گیا (یعنی الٹا گر گیا) اور اس نے اپنا

(۱) مسند البزار، رقم الحدیث: ۱۱۳۱۔

پاؤں اوپر اٹھالیا، اس پر رسول اللہ ﷺ ہنسے، یہاں تک کہ آپ ﷺ کے دانت ظاہر ہو گئے، عامر کہتے ہیں کہ میں نے سعد سے پوچھا: نبی کریم ﷺ کس وجہ سے ہنسے تھے؟ انہوں نے بتایا: اس آدمی کے ساتھ سعد کے کرنے سے (یعنی سعد نے موقع پا کر اسے اس انداز سے جو تیر مارا کہ وہ موقع پر ہی الٹا گر کر مر گیا، اس پر نبی کریم ﷺ ہنسے)۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** ترس: (تا پر پیش اور را ساکن) ڈھال، رامیا: تیر انداز، وکان سعد رامیا، یہ کس کا کلام ہے؟ اس میں دو قول ہیں: ۱۔ اگر یہ سعد کا کلام ہو تو پھر یہ متکلم سے غائب کی طرف التفات ہے، اصل عبارت یوں ہوگی: وکنت رمیت، ۲۔ اور اگر یہ کلام حضرت عامر کا ہو تو پھر کوئی التفات نہیں، کان یقول کذا وکذا: اس میں یقول کے معنیٰ ہیں: یفعل، ترجمہ: وہ کافر ایسا اور ایسا کرتا یعنی وہ اس ڈھال کو ادھر ادھر دائیں بائیں کر لیتا، تا کہ وہ تیر کا نشانہ نہ بنے، یغطی: وہ ڈھانپ رہا تھا: جبھته: اپنی پیشانی کو، فلم یخطی: اس نے خطا نہیں کی یعنی تیر اپنے نشانے پر لگا، منہ یعنی جبھته: منہ کی ضمیر رجل کی طرف لوٹ رہی ہے، اس آدمی سے یعنی اس کی پیشانی سے، انقلب: وہ الٹ گیا، یعنی وہ الٹا گر گیا، شال برجلہ: اس نے اپنے پاؤں اوپر اٹھا لیے، یعنی اس کی ٹانگیں اوپر کو اٹھ گئیں، من فعلہ بالرجل: اس میں "ہ" ضمیر سعد کی طرف لوٹ رہی ہے: یعنی اس آدمی کے ساتھ سعد کے کرنے سے یعنی سعد کے تیر مارنے سے، جب وہ مرا، تو اس پر نبی کریم ﷺ ہنسے۔

## حضرت سعد کی تیر اندازی پر نبی کریم ﷺ کا ہنسنا

غزوہ خندق کے دن حضرت سعد بن ابی وقاص ایک کافر کو تیر مارنے لگتے تو وہ ایک ڈھال سے اپنے سر کو ڈھانپ لیتا، کبھی ڈھال کو اپنے بچاؤ کے لیے دائیں طرف کرتا اور کبھی بائیں طرف، حضرت سعد نے دیکھا کہ اس کافر کو آسانی سے تیر نہیں مارا جاسکتا، انہوں نے یہ تدبیر سوچی کہ اپنا تیر ترکش سے نکالا اور اسے کمان میں ڈال کر تیار پوزیشن میں کر لیا کہ جیسے ہی موقع ملے گا تو فوراً اسے تیر مار دیا جائے گا، حضرت سعد ایک ماہر تیر انداز تھے، اور اسلام میں سب سے پہلے انہوں نے ہی تیر چلایا، چنانچہ ایک مرتبہ اس کافر نے اپنا سر ذرا اوپر کیا تو حضرت سعدؓ نے فوراً ہی اسے تیر مار دیا، یہ تیر ایسا نشانے پر لگا کہ اسے ڈھیر کر دیا، وہ الٹا سرین کے بل گر کر مر گیا، اور اس کی ٹانگ بھی اوپر کو اٹھ گئی، حضرت سعدؓ کی یہ ہوشیاری دیکھ کر نبی کریم ﷺ خوش ہو کر ہنسے، جس سے آپ ﷺ کے دانت مبارک بھی ظاہر ہو گئے۔

حضرت عامرؒ نے اپنے والد حضرت سعدؓ سے نبی کریم ﷺ کے ہنسنے کی وجہ پوچھی؟ اس میں دو احتمال ہیں ایک وجہ تو حضرت سعد کا اس کافر کو تیر مارنا ہے، اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس کافر نے گر کر اپنی ٹانگ اوپر اٹھائی جس سے اس کا ستر بھی ظاہر ہو گیا تھا، حضرت سعدؓ نے خود ہی بتایا کہ میں نے جو اس کافر کو نہایت پھرتی سے تیر مارا تھا، اس سے نبی کریم ﷺ ہنسے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ ٹانگ اوپر اٹھانے کے منظر سے آپ ﷺ نہیں ہنسے، کیونکہ یہ چیز نبی کریم ﷺ کے اخلاق حسنہ سے ناممکن ہے کہ

اس وجہ سے اس پر آپ ﷺ ہنسے ہوں۔

وکان الرجل یقول کذا وکذا بالترس یغطی وجھہ شارحین نے اس عبارت کے دو مطلب بیان کیے ہیں:

۱۔ جمہور علماء کے نزدیک "یقول" کے معنی: "یفعل" ہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ کافر اپنی ڈھال کو بچاؤ کے لیے کبھی ادھر کرتا کبھی ادھر کرتا، تاکہ وہ تیر کی زد میں نہ آئے، اپنی پیشانی کو چھپالیتا تھا، مگر حضرت سعدؓ نے پھر بھی اسے مہارت کے ساتھ شکار کرلیا، اس صورت میں ترکیبی لحاظ سے "بالترس" کا تعلق یقول کے ساتھ ہے۔

۲۔ مناوی کہتے ہیں کہ یقول اپنے اصل معنی میں ہے اور بالترس کا تعلق بعد والے فعل "یغطی" کے ساتھ ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ کافر نبی کریم ﷺ کی شان میں نازیبا الفاظ کہتا تھا، جسے ذکر کرنا حضرت سعد نے مناسب نہیں سمجھا، تیر سے بچنے کے لیے وہ کافر اپنی پیشانی کو ڈھال سے چھپا رہا تھا۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ مِزَاحِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے مزاح اور دل لگی کا بیان ہے

### مزاح کی حقیقت

مزاح کی حقیقت یہ ہے کہ انسان ایسی گفتگو یا کوئی ایسا کام کرے، جس سے دوسرے کا دل خوش ہو، اس میں جھوٹ کی آمیزش نہ ہو، اور انداز بھی ذلیل ورسوا کرنے کا نہ ہو، اپنی بڑائی اور دوسرے کی تحقیر کا عنصر شامل نہ ہو، اور یہ ہنسی مزاح ہر وقت نہ ہو بلکہ کبھی کبھار ہو، کیونکہ زیادہ ہنسی مذاق سے دل سخت اور وقار مجروح ہو جاتا ہے، لہذا شرعی دائرے میں رہتے ہوئے اس انداز سے دل لگی اور مزاح کیا جائے تو یہ مسنون اور مستحب ہے، لیکن اگر مزاح ایسا ہو، جس سے دوسرے کا دل خوش ہونے کے بجائے رنجیدہ ہو، اس سے وہ اپنی خفت اور توہین محسوس کر رہا ہو، اور ہر وقت ہنسی مزاح ہی کا ماحول ہو، اس میں دوسرے کی تحقیر اور ایذاء کا پہلو ہو، اور اس سے دل میں محبت والفت پیدا ہونے کے بجائے بغض وعداوت کے جذبات پیدا ہو رہے ہوں، تو یہ مزاح جائز نہیں ہے، کیونکہ اس طرح کے طنزیہ مزاح سے آپس میں دشمنیاں اور عداوتیں ہی پیدا ہوتی ہیں، قرب کے بجائے دوریاں پیدا ہوتی ہیں، اس میں خوش طبعی اور دل لگی کا کوئی عنصر کارفرما نہیں ہوتا، حالانکہ مزاح کرنے کا مقصود تو آپس میں پیار ومحبت کی فضا بنانا ہوتا ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ جامع ترمذی ابواب البر والصلہ میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت ہے، جس میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: لا تمار اخاک ولا تمازحہ (تم اپنے بھائی سے جھگڑا نہ کرو اور نہ اس سے مزاح کرو) اس روایت میں مزاح کرنے سے منع کیا گیا ہے، مگر اس سے مطلقاً مزاح کرنے سے منع کرنا مقصود نہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ خود بھی مزاح فرمایا کرتے

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۷، المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص:۳۸۷)

تھے، چنانچہ امام ترمذی نے اس باب میں یہ روایات ذکر کی ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مزاح کا صراحۃً ذکر ہے، ممانعت کا حکم اس مزاح سے متعلق ہے، جس سے دوسرے آدمی کی دل آزاری ہو، اسے تکلیف ہو، یا یہ کہ ہر وقت ہی، مزاح کا ایک ماحول قائم کرلیا جائے جس کی وجہ سے آدمی کا رعب اور وقار ہی ختم ہو جاتا ہے، ایسا مزاح جو یادِ الٰہی اور اللہ کے احکام پر عمل کرنے سے دور کردے، اس طرح کا مزاح ممنوع ہے، لیکن اگر مزاح میں ان تمام باتوں کا لحاظ کیا جائے جن کا اوپر ذکر کیا گیا ہے، تو اس طرح کی ہنسی مزاح سنت اور مستحب ہے، اس پر بھی ایک مسلمان کو ان شاء اللہ اجر وثواب ملے گا، امام شافعی رحمہ اللہ نے کیا خوب فرمایا:

أَفِدْ طَبْعَکَ الْمَکْدُوْدَ بِالْجِدِّ رَاحَةً بِجِدٍّ وَ عَلِّلْهُ بِشَیْءٍ مِنَ الْمَزْحِ
وَلٰکِنْ إِذَا أَعْطَیْتَهُ الْمَزْحَ فَلْیَکُنْ عَلٰی قَدْرِ مَا یُعْطَی الطَّعَامُ مِنَ الْمِلْحِ

(ترجمہ: تم محنت ومشقت کی وجہ سے اپنی چکنا چور طبیعت کو کسی راحت کا فائدہ پہنچایا کرو، اور ہنسی مزاح سے اس کا دل بہلایا کرو، لیکن جب تم اس طبیعت کو مزاح دو یعنی جب تم مزاح کرو، تو وہ مزاح صرف اس قدر ہو جس طرح کہ کھانے کی چیزوں میں نمک کی مقدار ہوتی ہے۔)(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِکٍ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: يَا ذَا الأُذُنَيْنِ. قَالَ مَحْمُودٌ: قَالَ أَبُو أُسَامَةَ: يَعْنِي يُمَازِحُهُ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کو (ایک مرتبہ) یا ذا الاذنین (اے دو کانوں والے) فرمایا: محمود راوی کہتے ہیں کہ ابو اسامہ کہتے ہیں: یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان سے مزاح فرمارہے تھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چھوٹے بچوں سے ہنسی مزاح

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کبھی کبھار اپنے صحابہ رضی اللہ عنہم کے ساتھ دل لگی اور ہنسی مزاح فرمایا کرتے تھے، اور تبسم فرمانے کا بھی معمول تھا، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ جل شانہ نے قدرتی طور پر ایسا رعب اور دبدبہ عطا فرمایا تھا کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں سے دل لگی اور مزاح نہ فرماتے تو شاید لوگ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے صحیح طرح استفادہ نہ کرسکتے اور ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس لیے مزاح فرماتے تھے، تاکہ امت کے افراد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس سنت کی بھی پیروی کریں، اور آپس میں لوگ شرعی حدود میں رہتے ہوئے کبھی کبھار دل لگی اور ہنسی مزاح کرلیا کریں، اگر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماتھے پر تیوری چڑھاتے، ترش رو رہتے، کبھی خندہ پیشانی سے نہ ملتے بلکہ ہر وقت سنجیدہ ہی رہتے تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اتباع میں ساری امت بھی اسی طرح کرتی، ظاہر ہے کہ اس انداز سے زندگی گذارنا انتہائی مشکل تھی، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہنس مکھ رہتے، تاکہ عام لوگ بھی اس سنت کی پیروی کریں، بلکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۹، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۳۹۰)
(۲) سنن الترمذی، ابواب البر والصلة، رقم الحدیث: ۱۹۹۳۔

فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ مزاح کیا کرتے، اور فرماتے تھے کہ اللہ جل شانہ قیامت کے دن اس مزاح پر کوئی مؤاخذہ نہیں فرمائیں گے، جس میں جھوٹ شامل نہ ہو۔

اسی طرح نبی کریم ﷺ چھوٹے بچوں سے بھی دل لگی اور ہنسی مزاح فرمایا کرتے تھے، چند واقعات کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ حضرت انس بن مالک ؓ نبی کریم ﷺ کے خادم خاص تھے، ان کی عمر دس سال تھی، آپ ﷺ نے ایک مرتبہ ان سے فرمایا: یاذاالاذنین اے دو کانوں والے، عموماً انسان چھوٹے بچوں کو پیار کی وجہ سے اس طرح کے الفاظ سے پکار لیتا ہے، نبی کریم ﷺ نے بھی یہ جملہ خوش طبعی اور مزاح کے طور پر ارشاد فرمایا اور ساتھ ہی حضرت انس ؓ کی تعریف بھی فرمادی کہ وہ گویا بہت ذہین وفطین اور سمجھدار بچے ہیں، جو بات ان سے کہی جاتی ہے، اسے وہ خوب اچھی طرح سنتے اور سمجھتے ہیں، اور پھر اس پر عمل پیرا ہو جاتے ہیں۔

۲۔ حضرت محمود بن ربیع رضی اللہ عنہ کی عمر پانچ سال تھی، آپ ﷺ نے ان کے چہرے پر کلی کا پانی ڈالا، یہ جب بڑے ہو گئے تو انہیں یہ واقعہ یاد تھا، اسی وجہ سے انہیں صحابہ میں شمار کیا گیا۔

۳۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے حضرت ام سلمہ کی چھوٹی بیٹی کے چہرے پر پانی کا چھڑکاؤ کیا، اس کی برکت سے ان کے چہرے پر ایک خاص قسم کی رونق رہتی تھی، بڑھاپے کی وجہ سے بھی اس بشاشت اور تروتازگی میں کوئی فرق نہیں پڑا تھا۔

۴۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس کے بعد حضرت انس بن مالک ؓ کی روایت ذکر کی ہے، جس میں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہم سے مل جل کر رہتے تھے، اور میرے چھوٹے بھائی سے فرماتے: اے ابوعمیر! نغیر یعنی بلبل نے کیا کیا، اس کی مزید تفصیل آگے آرہی ہے۔

ان تمام روایات سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ چھوٹے بچوں کے ساتھ پیار ومحبت کے لیے ہنسی مزاح اور دل لگی کرنا سنت ہے، یہ مقام نبوت اور ولایت کے خلاف نہیں ہے، اس سے انسان کے وقار اور مرتبہ میں کمی نہیں، بلکہ اضافہ ہوتا ہے، اس لیے شرعی دائرے میں رہتے ہوئے اس سنت پر بھی عمل کرنا چاہیے۔(۱)

**عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: إِنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيُخَالِطُنَا حَتَّى يَقُولَ لِأَخٍ لِي صَغِيرٍ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ، مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟ قَالَ أَبُو عِيسَى: وَفِقْهُ هَذَا الْحَدِيثِ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُمَازِحُ وَفِيهِ أَنَّهُ كَنَّى غُلَامًا صَغِيرًا، فَقَالَ لَهُ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ. وَفِيهِ أَنَّهُ لَا بَأْسَ أَنْ يُعْطَى الصَّبِيُّ الطَّيْرَ لِيَلْعَبَ بِهِ. وَإِنَّمَا قَالَ لَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ، مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟ لِأَنَّهُ كَانَ لَهُ نُغَيْرٌ يَلْعَبُ بِهِ فَمَاتَ، فَحَزِنَ الْغُلَامُ عَلَيْهِ فَمَازَحَهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: يَا أَبَا عُمَيْرٍ، مَا فَعَلَ النُّغَيْرُ؟.(۲)**

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۹

(۲) سنن الترمذی، البر، رقم الحدیث: ۱۹۹۰۔

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ بیشک نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ مل جل کر رہتے تھے یعنی مزاح فرماتے تھے، چنانچہ میرے (ماں شریک) چھوٹے بھائی سے آپ ﷺ فرماتے: اے ابوعمیر! نغیر یعنی بلبل نے کیا کیا (یعنی وہ کدھر چلی گئی)۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ مزاح فرمایا کرتے تھے، اور اس حدیث میں ہے کہ آپ ﷺ نے ایک چھوٹے بچے کی کنیت رکھی، اسے یا اباعمیر فرمایا، اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اس میں شرعاً کوئی حرج نہیں کہ بچے کو کوئی پرندہ دے دیا جائے، تاکہ وہ اس سے کھیلے، نبی کریم ﷺ نے اس سے فرمایا: یا ابا عمیر ما فعل النغیر اس لیے کہ اس کے پاس ایک بلبل تھی، جس سے وہ کھیلتا تھا، پھر وہ پرندہ مر گیا تو اس سے وہ بچہ پریشان ہو گیا، تو نبی کریم ﷺ نے اس سے مزاح کرتے ہوئے فرمایا: یا ابا عمیر ما فعل النغیر (اے ابوعمیر! بلبل نے کیا کیا یعنی وہ کدھر چلی گئی)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لیخالطنا: نبی کریم ﷺ ہم سے مل جل کر رہتے یعنی آپ ﷺ ہم سے مزاح کرتے، نغیر: (نون پر پیش اور غین پر زبر) بلبل، سرخ چونچ والی چڑیا، چڑیا کا منا سا بچہ، کنی: کنیت رکھی، فقه هذا الحديث: اس حدیث کے فوائد، اس حدیث سے ثابت ہونے والے مسائل۔

## حدیث نغیر سے ثابت ہونے والے چند مسائل

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہمارے ساتھ گھل مل جاتے، دل لگی اور مزاح بھی فرماتے، حضرت انس کے ایک ماں شریک چھوٹے بھائی تھے، جن کے نام کے بارے میں بعض حضرات کا خیال یہ ہے کہ ان کی کنیت یعنی ابوعمیر ہی ان کا نام تھا، الگ سے دوسرا کوئی نام نہیں تھا، لیکن بعض روایات میں ان کا نام حفص، بعض میں عبداللہ اور بعض میں کبشہ بن ابوطلحہ بن زید بن سہل انصاری منقول ہے، ابوعمیر کے پاس ایک بلبل تھی، جس سے وہ کھیلا کرتے تھے، اتفاقاً وہ مر گئی، جس سے انہیں دکھ ہوا تو ان کی دلجوئی اور تسلی کے لیے نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اے ابوعمیر! نغیر یعنی بلبل کا کیا حال ہے، حالانکہ آپ ﷺ کو معلوم تھا کہ وہ مر چکی ہے، پھر بھی آپ ﷺ نے ان کی تسلی کے لیے یہ کلام فرمایا۔

اس حدیث سے علماء کرام نے بہت سے مسائل ثابت کیے ہیں، مشہور شافعی عالم ابوالعباس احمد بن ابی احمد طبری نے جو ''ابن القاص'' کے نام سے مشہور ہیں، انہوں نے اس پر ایک مستقل رسالہ لکھا ہے، جس میں انہوں نے اس حدیث سے ثابت ہونے والے مسائل کو ذکر کیا ہے، ان میں سے چند مسائل درج ذیل ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ چھوٹے بچوں کے ساتھ مزاح فرمایا کرتے تھے۔

۲۔ اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اس بچے کی کنیت ''ابوعمیر'' رکھی، جبکہ صحیحین کی روایت سے معلوم

ہوتا ہے کہ ان کی کنیت پہلے سے تھی، مگر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی کنیت کو برقرار رکھا، تو اس سے معلوم ہوا کہ چھوٹے بچے کی بھی کنیت رکھی جاسکتی ہے۔

۳۔ چھوٹے بچہ کو کھیلنے کے لیے پرندہ دیا جاسکتا ہے۔

۴۔ پرندے کو گھر میں پنجرے وغیرہ میں رکھنا جائز ہے، مگر شرط یہ ہے کہ ان کی دیکھ بھال صحیح طریقے سے کی جائے، ان کی غذا اور پانی کا اہتمام کیا جائے، جو شخص ان کی غذا کا بندوبست نہ کر سکے، اس کے لیے پرندوں کو گھر میں پابند کرنا جائز نہیں ہے۔

۴۔ وہ بچہ اس بلبل کے مرنے سے افسردہ اور غمگین ہو گیا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے یا ابا عمیر ما فعل النغیر کہہ کر تسلی دی، اس سے معلوم ہوا کہ اگر بچہ کو کسی جائز بات پر دکھ ہوا ہو تو اسے تسلی دی جاسکتی ہے۔

۵۔ مدینہ منورہ میں شکار کرنا جائز ہے اور اس کی وجہ سے انسان پر کچھ بھی واجب نہیں ہوتا، جبکہ حرم مکہ میں شکار کرنے سے انسان پر جزاء واجب ہو جاتی ہے۔

۶۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ معلوم تھا کہ ابو عمیر کی بلبل مر چکی ہے، مگر پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے پوچھا کہ ابو عمیر! بلبل کا کیا حال ہے؟ اس سے معلوم ہوا کہ اگر ایک بات انسان کو معلوم ہو، تو کسی مصلحت اور ضرورت کی وجہ سے اسے متعلقہ شخص سے دوبارہ پوچھا جاسکتا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالُوا: يَارَسُولَ اللهِ إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا، قَالَ: إِنِّي لاَ أَقُولُ إِلاَّ حَقًّا. (۲)

حضرت ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہم سے ہنسی مزاح بھی فرماتے ہیں؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں (میں کبھی مزاح بھی کر لیتا ہوں) مگر میں (مزاح میں بھی) حق بات ہی کہتا ہوں (کبھی غلط بات نہیں کرتا)۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلاً اسْتَحْمَلَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: إِنِّي حَامِلُكَ عَلَى وَلَدِ نَاقَةٍ فَقَالَ: يَارَسُولَ اللهِ، مَا أَصْنَعُ بِوَلَدِ النَّاقَةِ؟ فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَهَلْ تَلِدُ الإِبِلَ إِلاَّ النُّوقُ. (۳)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کا کوئی جانور طلب کیا، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں تجھے اونٹنی کے بچہ پر سوار کروں گا، اس شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اونٹنی کے بچہ سے کیا کروں گا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا اونٹوں کو اونٹنیاں نہیں جنتیں (یعنی ہر اونٹ کسی اونٹنی کا بچہ ہی

---

(۱) فتح الباری ۱۰/۷۱۲، کتاب الادب، باب الکنیة للصبی، رقم الحدیث: ۶۲۰۳، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۳۱

(۲) سنن الترمذی، البر، رقم الحدیث: ۱۹۹۱۔

(۳) سنن الترمذی، البر، رقم الحدیث: ۱۹۹۲۔

ہوتا ہے)۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ مزاح: (میم پر پیش کے ساتھ) ہنسی مذاق، دل لگی، اور میم کے نیچے زیر ہو تو پھر یہ باب مفاعلہ کی مصدر ہوگا۔ تداعبنا: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم سے دل لگی اور مزاح کرتے ہیں، استحمل: سواری طلب کی، سواری کے جانور کی درخواست کی، انی حاملک: میں تمہیں سوار کروں گا، ما اصنع: میں کیا کروں گا، ابل: اونٹ خواہ وہ چھوٹے ہوں یا بڑے ہوں، النوق: ناقة کی جمع ہے: اونٹنیاں، هل تلد الابل الا النوق: اونٹوں کو نہیں جنتیں مگر اونٹنیاں ہی یعنی ہر اونٹ کو اونٹنی ہی جنتی ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مزاح بھی حقیقت پر مشتمل ہوتا

صحابہ کرامؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا: کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی ہم سے ہنسی مذاق اور دل لگی کرتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ہاں میں بھی مزاح کرتا ہوں، مگر اس مزاح میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں، خلاف واقعہ کوئی بات نہیں کرتا، صحابہ کرامؓ نے یہ سوال کس وجہ سے کیا؟ اس سوال کا منشا اور داعیہ کیا پیش آیا تھا؟ شارحین حدیث نے اس کی تین وجہیں ذکر کی ہیں:

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک حدیث میں صحابہ کرامؓ کو ہنسی مزاح کرنے سے منع فرمایا تھا، پھر جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے ساتھ ہنسی مذاق کی، تو انہوں نے بات کو سمجھنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اس بارے میں مذکورہ سوال پوچھا۔

۲۔ یا سوال اس وجہ سے کیا کہ ہنسی مزاح میں چونکہ عموماً غلط باتیں شامل ہو جاتی ہیں، اس لیے صحابہ کرامؓ کو تعجب ہوا، اور پوچھا کہ کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی مزاح فرماتے ہیں؟

۳۔ یا سوال کا مقصد اور منشا یہ تھا کہ صحابہ کرامؓ سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ جل شانہ اور تمام لوگوں کے ہاں معزز و مکرم اور محترم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عظیم مرتبہ اور شرف وفضیلت حاصل ہے تو کیا دل لگی اور مزاح آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے، اس میں مسلمان اقتداء نہیں کر سکتے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب دیا کہ ہاں میں ہنسی مزاح کرتا ہوں مگر شرعی دائرے میں رہتے ہوئے، اس میں کوئی بات خلاف واقعہ اور جھوٹی بات نہیں ہوتی، خوش طبعی میں بھی حق بات ہی کہتا ہوں، اس میں کسی کا استہزاء، تحقیر اور ایذاء رسانی کا کوئی پہلو نہیں ہوتا، اور وہ مزاح حد اعتدال سے متجاوز بھی نہیں ہوتی، ان شرائط کا لحاظ کر کے اگر مزاح کیا جائے تو اس میں کوئی حرج نہیں، جائز ہے، ممانعت اس صورت میں ہے جب اس میں شرعی حدود کا لحاظ نہ رکھا جائے، اس میں ناجائز اور نامناسب چیزیں شامل ہو جائیں، تاہم شرعی حدود میں رہتے ہوئے بھی ہنسی مزاح کو اپنی عادت نہیں بنانا چاہیے، کیونکہ اس کی وجہ سے دبدبہ، وقار اور انسان کی شخصیت مجروح ہو جاتی ہے، ہاں کبھی کبھار کرنے میں کوئی قباحت اور حرج نہیں۔

وهل تلد الابل الا النوق نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحابی سے فرمایا کہ میں تمہیں سواری کے لیے اونٹنی کا بچہ دوں گا، اس صحابی نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: میں اس بچہ سے کیا کروں گا، وہ تو سواری کے قابل نہیں ہوتا، تب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ جملہ ارشاد

فرمایا: وھل تلد الابل الا النوق اس جملہ میں ہنسی مزاح اور خوش طبعی بھی ہے اور حقیقت بھی، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مراد یہ تھی کہ جو اونٹ بھی سواری کے قابل ہوتا ہے، وہ بہر حال کسی اونٹنی کا بچہ ہی ہوتا ہے، خواہ وہ کتنا ہی بڑا ہو گیا ہو، اگر تم اس کلام پر تھوڑا سا بھی غور وفکر کرتے، تو اس کی حقیقت تک پہنچ جاتے اور تمہیں اس پر حیرت نہ ہوتی۔

اس تفصیل سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- مزاح بھی حقیقت پر مشتمل ہو، اس میں کوئی بات جھوٹی اور خلاف واقعہ نہ ہو۔
- زیادہ مزاح پسندیدہ نہیں۔
- جب تک انسان کلام کو سمجھے نہیں، اس وقت تک اس کا جواب نہیں دینا چاہیے۔
- کسی انسان سے کوئی بات کی جائے تو اسے اس میں خوب غور وفکر کر کے سمجھنا چاہیے، پھر اس کا جواب دے، بات کو سمجھے بغیر فوراً ہی اس کا جواب دے دینا درست نہیں ہے۔ (۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلاً مِنْ أَهْلِ الْبَادِيَةِ كَانَ اسْمُهُ زَاهِرًا، وَكَانَ يُهْدِي إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَدِيَّةً مِنَ الْبَادِيَةِ، فَيُجَهِّزُهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ زَاهِرًا بَادِيَتُنَا، وَنَحْنُ حَاضِرُوهُ، وَكَانَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّهُ، وَكَانَ رَجُلاً دَمِيمًا، فَأَتَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا، وَهُوَ يَبِيعُ مَتَاعَهُ، فَاحْتَضَنَهُ مِنْ خَلْفِهِ وَهُوَ لاَ يُبْصِرُهُ، فَقَالَ: مَنْ هَذَا؟ أَرْسِلْنِي، فَالْتَفَتَ فَعَرَفَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَجَعَلَ لاَ يَأْلُو مَا أَلْصَقَ ظَهْرَهُ بِصَدْرِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ عَرَفَهُ، فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ يَشْتَرِي هَذَا الْعَبْدَ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِذًا وَاللهِ تَجِدُنِي كَاسِدًا، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَكِنْ عِنْدَ اللهِ لَسْتَ بِكَاسِدٍ، أَوْ قَالَ: أَنْتَ عِنْدَ اللهِ غَالٍ. (۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ جنگل کے رہنے والوں میں سے ایک شخص کا نام زاہر بن حرام تھا، وہ (جب حاضر خدمت ہوتے تو) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے جنگل کی چیزوں (یعنی سبزی اور پھلوں) میں سے کوئی نہ کوئی چیز ہدیہ لاتے تھے، اور وہ جب مدینہ منورہ سے واپس جانے کا ارادہ کرتے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں ضرورت کا سامان عطا فرماتے تھے، (ایک مرتبہ) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: زاہر ہمارا جنگل ہیں اور ہم اس کا شہر ہیں، (یعنی وہ ہماری دیہاتی ضرورتیں اور ہم اس کی شہری ضرورتیں پوری کرتے ہیں)۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم زاہر سے محبت فرماتے تھے اور وہ کچھ بدشکل بھی تھے، ایک دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۳۴/۲، ۳۵، مرقاۃ المفاتیح ۱۰۷/۹، کتاب الاداب، باب المزاح، رقم الحدیث: ۴۸۸۵، المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۳۹۴)

(۲) مسند أبی یعلی، رقم الحدیث: ۳۴۵۶۔

تشریف لائے، اس وقت وہ اپنا سامان بیچ رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو پیچھے سے اپنے سینہ سے لگا لیا، وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ نہیں رہے تھے، وہ کہنے لگے: ارے یہ کون ہے؟ مجھے چھوڑو، پھر وہ متوجہ ہوئے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچان لیا، تو پھر وہ بہت اہتمام سے اپنی پشت کو پیچھے کی طرف کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ مبارک سے ملنے لگے (تا کہ زیادہ سے زیادہ انوار و برکات حاصل ہو سکیں) پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمانے لگے: اس غلام کو کون خریدتا ہے؟ زاہر نے عرض کیا: یا رسول اللہ! پھر تو اللہ کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کھوٹا (یعنی نہ بکنے والا یا کم قیمت پر بکنے والا) پائیں گے (یعنی مجھ جیسے بدشکل کو کون خریدے گا) اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مگر تم اللہ کے نزدیک کھوٹے نہیں ہو، یا یوں فرمایا: مگر تم اللہ کے ہاں زیادہ قیمتی ہو۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:** بادیۃ: جنگل، صحراء، دیہات، اهل البادیۃ: جنگل کے رہنے والے، یجهزه: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم زاہر کو شہر سے ضرورت کا سامان خورد و نوش عطا فرماتے، ان زاهرا بادیتنا: بیشک زاہر ہمارا جنگل ہیں، یعنی یہ جنگل اور دیہات سے ہمارے لیے چیزیں لاتے ہیں، وہاں کی سبزیاں، ترکاریاں اور پھل وغیرہ ہدیہ میں لاتے ہیں، و نحن حاضروه: اور ہم اس کا شہر ہیں یعنی ہم اس کی شہری ضروریات پوری کرتے ہیں یعنی واپسی میں ہم اسے شہر سے کھانے پینے کی ضروری اشیاء مہیا کرتے ہیں، دمیما: بدشکل، وہ شخص جس کی شکل وصورت اچھی نہ ہو، احتضنه: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ہاتھ زاہر کے بغلوں میں داخل کر کے اسے اپنے سینہ سے لگا لیا، من خلفه: زاہر کے پیچھے سے، و لا یبصره: اور وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نہیں دیکھ رہا تھا، فالتفت: پھر وہ متوجہ ہوا یعنی انہوں نے آنکھ کے کنارے سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ لیا، لا یألو: کوتاہی نہ کرتے، ما الصق: یہ "ما" مصدریہ ہے اور الصاق کے معنیٰ: ملانے کے ہیں، لا یألو ما الصق ظهره: اپنی پشت کو ملانے میں کوتاہی نہ کرتے یعنی بہت اہتمام سے اپنی کمر ملانے لگے، بصدر النبی صلی اللہ علیہ وسلم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے، اذاً: پھر تو، تب تو، کاسدا: کھوٹا یعنی نہ بکنے والا مال، جس کی مارکیٹ میں کوئی طلب نہ ہو، یا کم قیمت پر فروخت ہونے والا مال، غال: مہنگا، قیمتی، زیادہ قیمت والا، من یشتری هذا العبد سے مراد ہے: مثل هذا العبد: اس غلام کی طرح کون خریدے گا، کیونکہ یہ تو غلام نہیں تھے، بلکہ آزاد تھے۔

## زاہر بن حرام اشجعیؓ کے ساتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاح

حضرت زاہر بن حرام اشجعی رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، غزوہ بدر میں بھی شامل تھے، یہ مدینہ منورہ سے دور ایک جنگل اور دیہات میں رہتے تھے، وقتاً فوقتاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے لیے خدمت اقدس میں حاضر ہوتے رہتے، جب بھی آتے، تو گاؤں کی سبزیاں اور پھل وغیرہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تحفہ میں لاتے تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے بہت محبت فرماتے تھے، وہ ظاہری اعتبار سے اگر چہ بدشکل تھے، مگر سیرت و کردار کے لحاظ سے انتہائی بلند مقام پر فائز تھے، اور یہ حقیقت ہے کہ انسان کی اصل عظمت و برتری اس کے باطنی اخلاق اور عمدہ کردار سے ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ بھی انسان کے دل کو دیکھتے ہیں، اس

کی شکل وصورت اور مال واولاد کو نہیں دیکھتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ زاہر ہمارا جنگل ہیں، اور ہم اس کا شہر ہیں، یعنی وہ ہماری دیہاتی ضرورتیں پوری کرتے ہیں اور ہم اس کی شہری ضرورت پوری کرتے ہیں۔

حضرت زاہر گاؤں سے کچھ چیزیں فروخت کرنے کے لیے لاتے تھے، اسی طرح وہ ایک مرتبہ بازار میں اپنا سامان بیچ رہے تھے، ان کے سامنے شہد اور دودھ کے مشکیزے تھے، اتنے میں وہاں پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چپکے سے حضرت زاہر کو پیچھے سے پکڑا، اپنے ہاتھ ان کے بغلوں سے نیچے ڈال کر انہیں اپنے سینہ سے لگالیا، اور اپنے ہاتھ ان کی آنکھوں پر رکھ لیے، شروع میں انہیں یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ مزاح کرنے والا کون شخص ہے، وہ کہنے لگے: ارے مجھے کس نے پکڑا ہے؟ مجھے چھوڑ دو، پھر جب انہوں نے آنکھ کے کنارے سے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو سے یہ سمجھ لیا کہ مزاحاً دبانے والے اور آنکھوں پر ہاتھ رکھنے والے سرکار دوعالم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں، تب وہ اپنی کمر کو پیچھے کر کے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کے ساتھ ملنے لگے، تاکہ زیادہ سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات حاصل ہوسکیں۔

انہیں پیچھے سے پکڑ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مزاحاً فرمایا: اس غلام کو کوئی خریدے گا، حالانکہ حضرت زاہر غلام نہ تھے، وہ آزاد تھے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد بطور فرض اور مثال کے تھا، حضرت زاہر نے عرض کیا: یارسول اللہ! پھر تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے کھوٹا پائیں گے، میں تو ایک بدشکل انسان ہوں، مجھے کون خریدے گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اللہ کے ہاں کھوٹے اور کم قیمت نہیں ہو، بلکہ زیادہ قیمتی ہو، اللہ کے ہاں باطنی سیرت سے فضیلت اور بلند مقام حاصل ہوتا ہے، اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زاہر سے دومرتبہ مزاح اور ہنسی مذاق کیا ہے:

- پہلی مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت زاہر کو پیچھے سے پکڑ کر دبوچا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بغلوں سے ہاتھ ڈال کر ان کی آنکھوں پر رکھ لیے۔
- پھر مزاحاً فرمایا کہ اس غلام کا خریدار کون ہے؟(۱)

حضرت زاہرؓ کے اس واقعہ سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ ہدیہ قبول کرنا اور پھر اس کا بدلہ دینا دونوں عمل ہی مسنون ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت زاہر کا ہدیہ قبول فرمالیتے، پھر جب وہ گاؤں واپس جانا چاہتے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم انہیں شہری سامان ہدیہ فرمایا کرتے۔

۲۔ چیز کو فروخت کرنے کے لیے بلند آواز سے اعلان کیا جاسکتا ہے۔

۳۔ مزاحاً ایک آزاد آدمی کو بھی غلام کہہ کر پکارا جاسکتا ہے۔

۴۔ اعلیٰ شخص اپنے سے کمتر بندے سے مزاح کرے، تو یہ جائز ہے۔

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۹/۱۱۰ کتاب الآداب، باب المزاح، رقم الحدیث: ۴۸۸۹

۵۔ انسان کی اصل فضیلت نیک اعمال اور تقویٰ سے ہوتی ہے، ظاہری شکل وصورت اللہ کے ہاں معیارِ فضیلت نہیں۔(۱)

عَنِ الْحَسَنِ قَالَ: أَتَتْ عَجُوزٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتْ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، ادْعُ اللّٰهَ أَنْ يُدْخِلَنِي الْجَنَّةَ، فَقَالَ: يَا أُمَّ فُلَانٍ، إِنَّ الْجَنَّةَ لَا تَدْخُلُهَا عَجُوزٌ، قَالَ: فَوَلَّتْ تَبْكِي، فَقَالَ: أَخْبِرُوهَا أَنَّهَا لَا تَدْخُلُهَا، وَهِيَ عَجُوزٌ، إِنَّ اللّٰهَ تَعَالَى يَقُولُ: {إِنَّا أَنْشَأْنَاهُنَّ إِنْشَاءً، فَجَعَلْنَاهُنَّ أَبْكَارًا، عُرُبًا أَتْرَابًا} [الواقعة: ].

ترجمہ: حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں ایک بوڑھی عورت آئی، عرض کیا کہ یا رسول اللہ: دعا فرمادیں کہ اللہ تعالیٰ مجھے جنت میں داخل فرمادیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: اے فلاں کی ماں: کوئی بوڑھی عورت جنت میں داخل نہیں ہوگی، راوی کہتے ہیں کہ وہ عورت روتے ہوئے پیٹھ پھیر کر واپس جانے لگی، پھر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اسے بتلا دو کہ وہ جنت میں بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگی (بلکہ جوان کنواری ہوکر جنت میں داخل ہوگی) بیشک اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ہم نے ان (جنت کی) عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے، ہم نے ان کو کنواریاں، محبوبائیں اور (شوہروں کی) ہم عمر بنایا ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** عجوز: بوڑھی عورت، جس کی عمر زیادہ ہو، فولت: اس بوڑھی خاتون نے جانے کے لیے پیٹھ پھیر لی، تبکی: روتے ہوئے، انشأناھن: ہم نے جنت کی عورتوں کو خاص طور پر بنایا ہے، ابکار: بکر کی جمع ہے: کنواری لڑکی، عربا: (عین اور را پر پیش) عروبۃ کی جمع ہے: وہ عورت جو اپنے شوہر کی عاشق اور اس کی من پسند محبوبہ ہو، اتراب: ترب (تاء کے نیچے زیر) کی جمع ہے: ہم عمر، جن کی عمر ایک ہی طرح ہو۔

## بڑھاپے کی حالت میں کوئی شخص جنت نہیں جائے گا

ایک مرتبہ ایک بوڑھی خاتون نبی کریم ﷺ کے پاس آکر درخواست کرنے لگی کہ یا رسول اللہ: میرے لیے دعا فرمادیں کہ اللہ جل شانہ مجھے جنت میں داخل فرمادیں، آپ ﷺ نے مزاحاً فرمایا کہ بڑھاپے کی حالت میں کوئی عورت جنت میں داخل نہیں ہوگی، یہ بات سن کر وہ خاتون پریشان ہوگئیں، روتے ہوئے واپس ہونے لگیں، تب نبی کریم ﷺ نے وضاحت فرمائی کہ جنت میں کوئی بوڑھا بڑھاپے کی حالت میں داخل نہیں ہوگا، ایک اور حدیث میں ہے کہ اہل جنت کی عمریں تیس یا تینتیس سال کی ہوں گی، نبی کریم ﷺ کا کلام مزاح بھی تھا اور ایک حقیقت کا اظہار بھی تھا کہ کوئی بوڑھا یا بوڑھی بڑھاپے کی حالت میں جنت میں داخل نہیں ہوں گے، اور دلیل میں آپ ﷺ نے سورہ واقعہ کی یہ آیت تلاوت فرمائی: انا انشأناھن انشاء افجعلناھن ابکارا، عربا اترابا۔

اس آیت سے اہل جنت کو ملنے والی بیویاں اور حور عین مراد ہیں، حوریں ولادت کے عام طریقے سے پیدا نہیں ہوں گی

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۳۶/۲

بلکہ اللہ تعالیٰ خاص طور پر انہیں جنت میں اپنی خاص قدرت سے بنائے گا، اور جو دنیاوی عورتیں ہوں گی، تو وہ بھی حوروں کے ساتھ ساتھ اہل جنت کو بیویوں کے طور پر ملیں گی، ان میں بوڑھی، کالی، بدشکل جس طرح کی بھی ہوں گی، سب کو اللہ تعالیٰ جنت میں جوانی اور حسن و جمال سے نواز دے گا، نہ کوئی بوڑھی، بوڑھی رہے گی، نہ کوئی بدشکل، بدشکل رہے گی بلکہ سب کنواریاں ہوں گی، چنانچہ جنت کی عورتیں اس طرح ہوں گی کہ ہر صحبت کے بعد وہ کنواری ہو جائیں گی، شوہر جب بھی ان کے پاس جنسی خواہش کی تکمیل کے لیے آئے گا، تو وہ انہیں کنواری ہی پائے گا۔

یہ بوڑھی خاتون کون تھیں؟ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ صفیہ بنت عبد المطلب تھیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی اور حضرت زبیر بن عوام کی والدہ تھیں۔(۱)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرعی دائرے میں رہتے ہوئے بوڑھے مرد اور عورت کے ساتھ ہنسی مذاق اور دل لگی کی جا سکتی ہے۔

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صِفَةِ كَلَامِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الشِّعْرِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں شعر کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کا ذکر ہے

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قِيلَ لَهَا: هَلْ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَمَثَّلُ بِشَيْءٍ مِنَ الشِّعْرِ؟ قَالَتْ: كَانَ يَتَمَثَّلُ بِشِعْرِ ابْنِ رَوَاحَةَ، وَيَتَمَثَّلُ بِقَوْلِهِ: (مِنْ أَشْعَارِ طَرَفَةَ بْنِ الْعَبْدِ - البحر الطويل) وَيَأْتِيكَ بِالْأَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ۔(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ان سے پوچھا گیا: کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کبھی کوئی شعر مثال اور نمونہ کے طور پر پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مثال کے طور پر کبھی عبد اللہ بن رواحہ کا کوئی شعر پڑھ لیتے تھے، (اور کبھی کسی اور شاعر کا بھی) اور کبھی (طرفہ شاعر کا) یہ مصرعہ بھی پڑھا کرتے اور فرماتے: و یاتیک بالاخبار من لم تزود (یعنی تیرے پاس کبھی وہ شخص بھی خبریں لے آتا ہے جس کو تو نے زادِ راہ یعنی توشہ اور معاوضہ نہیں دیا)

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** یتمثل بشیء من الشعر: آپ صلی اللہ علیہ وسلم مثال اور نمونہ کے طور پر کبھی کوئی شعر پڑھا کرتے، اس حدیث میں جو دوسرا لفظ یتمثل ہے، اس کی ضمیر فاعل شاعر کی طرف لوٹ رہی ہے، اور اس سے طرفہ شاعر مراد ہے، کیونکہ یہ اس کا

---

(۱) مرقاة المفاتيح ۱۰۸/۹، كتاب الاداب، باب المزاح، رقم الحديث: ۴۸۸۸، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۳۹/۲، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۴۰۱)

(۲) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحديث: ۲۸۵۲۔

شعر ہے، من لم تزود: وہ شخص جس کو تم نے زادراہ فراہم نہیں کیا یعنی اسے تم نے سفری خرچ اور کوئی معاوضہ نہیں دیا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی ابن رواحہ اور طرفہ بن عبد کے اشعار کو مثال کے طور پر پڑھا کرتے

شعر: اس کلام کو کہا جاتا ہے جو بالقصد ایک قافیہ، ایک ہی انداز اور وزن پر ذکر کیا جائے، اور جو کلام شعر کے ارادے سے نہ کہا جائے، اتفاقاً وہ ایک ہی قافیہ پر مشتمل ہو، اسے شعر نہیں کہا جاتا جیسے سورہ غاشیہ، نازعات اور سورہ الشمس وغیرہ، اور جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ کلام:

اَنَا النَّبِیُّ لَا کَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ (میں جھوٹا نبی نہیں ہوں، میں عبد المطلب کا بیٹا ہوں)

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شاعر نہیں تھے، قرآن مجید کی آیت میں بڑے واضح انداز سے اللہ جل شانہ نے ذکر فرمایا: وَمَا عَلَّمْنَاهُ الشِّعْرَ وَمَا یَنْبَغِیْ لَهٗ (ہم نے ان کو یعنی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعری کا علم نہیں سکھایا، اور شاعری کا علم ان کی شان کے مناسب بھی نہیں ہے) اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض کلام میں جو شعر کی طرح وزن اور یکسانیت پائی جاتی ہے، یہ شعر کے قصد اور ارادے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں فرمایا، اس لیے اسے اصطلاح میں شعر اور اس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شاعر نہیں کہا جا سکتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گو کہ شاعر نہ تھے، مگر اچھے مفہوم کے اشعار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت پسند فرماتے تھے، حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ سے اشعار سننے کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھوایا کرتے، اپنے کلام میں حضرت عبداللہ بن رواحہ اور طرفہ بن عبد کے بعض اشعار کو مثال اور استشہاد کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔(۱)

چنانچہ مذکورہ روایت میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: ویتمثل ویقول: وَیَأْتِیْکَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ۔

اس میں یتمثل فعل کی ضمیر شاعر کی طرف لوٹ رہی ہے، اور اس سے ایک کافر شاعر طرفہ بن عبد مراد ہے، اس کی تصریح خود حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے منقول ہے، جسے امام احمد رحمہ اللہ نے مسند احمد میں نقل کیا ہے(۲)

طرفہ بن عبد کا اگرچہ اس حدیث میں صراحۃ ذکر نہیں ہے، مگر کبھی ضمیر کو عربی میں ایک ایسے شخص کی طرف بھی لوٹا دیا جاتا ہے، جو اس کلام میں مذکور نہیں ہوتا، مگر لوگوں کے ہاں وہ مشہور ہوتا ہے، طرفہ کا یہ پورا قصیدہ زمانہ جاہلیت میں بیت اللہ پر لٹکایا گیا تھا، اس کا ذکر ''السبع المعلقات'' میں موجود ہے، پورا شعر یوں ہے:

سَتُبْدِیْ لَکَ الْاَیَّامُ مَا کُنْتَ جَاهِلًا وَ یَأْتِیْکَ بِالْاَخْبَارِ مَنْ لَمْ تُزَوِّدِ

ترجمہ: زمانہ کے شب و روز عنقریب تمہارے سامنے ایسی چیزیں ظاہر کر دیں گے جن سے تو ناواقف تھا، اور تیرے پاس کبھی وہ شخص بھی خبریں لائے گا، جس کو تو نے توشہ نہیں دیا ہوگا (یعنی جس کو تو نے معاوضہ نہیں دیا ہوگا)۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۴۱

(۲) مسند احمد ۱۰/۷ مسند عائشہ رقم الحدیث: ۲۴۷۵۱، ط: بیروت

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں کہ "من لم تزود" سے نبی کریم ﷺ اپنی ذات مراد لے رہے تھے کہ وحی کی باتیں نبی کریم ﷺ لوگوں کو بغیر کسی معاوضہ اور اجرت کے بتاتے تھے، جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے تمام رسولوں سے متعلق ارشاد فرمایا: مَآ اَسْئَلُكُمْ عَلَيْهِ مِنْ اَجْرٍ، اِنْ اَجْرِيَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ (میں اس پر تم سے کوئی اجرت نہیں مانگتا، میرا اجر تو اللہ جل جلالہ کے ذمہ ہے)(۱)

اس حدیث میں دو شاعروں کا ذکر ہے، ا۔ حضرت عبداللہ بن رواحہ رضی اللہ عنہ یہ مشہور صحابی ہیں، ہجرت سے پہلے ہی مسلمان ہو گئے تھے، اور پھر نبی کریم ﷺ کے سامنے ہی مقابلہ کرتے ہوئے جام شہادت نوش کر لیا۔ ۲۔ طرفہ بن عبد، عرب کا ایک مشہور شاعر تھا، اس نے اسلام کا زمانہ نہیں پایا۔

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- جو شعر علم و حکمت اور وعظ و نصیحت کے معنیٰ پر مشتمل ہو، اسے کہنا، پڑھنا اور دوسروں سے سننا جائز ہے۔
- کسی کافر کے صحیح شعر کو بھی مثال اور استشہاد کے طور پر پیش کیا جا سکتا ہے، طرفہ بن عبد ایک کافر شاعر گزرا تھا، مگر اس کے بعض اشعار بڑے حکیمانہ تھے، اس لیے کبھی کبھار نبی کریم ﷺ ان کے اشعار کو مثال کے طور پر پڑھا کرتے تھے۔
- علم و حکمت، زہد و تقویٰ اور منصب کے لحاظ سے جو شخص بڑا ہو، وہ بھی اپنے سے چھوٹے شخص کے اشعار اور کلام کو مثال اور استدلال میں پیش کر سکتا ہے، جس طرح کہ نبی کریم ﷺ حضرت عبداللہ بن رواحہ اور دوسرے شعراء کے بعض اشعار کو استشہاد کے طور پر پیش فرماتے تھے۔

## اشعار کہنے اور پڑھنے کا حکم

نبی کریم ﷺ نے ایک حدیث میں ارشاد فرمایا کہ شعر کا حکم کلام کی طرح ہے، اچھا شعر اچھے کلام کی طرح ہے اور برا شعر برے کلام کی طرح ہے، حضرت عائشہؓ سے منقول ہے، وہ فرماتی ہیں کہ اشعار دو طرح کے ہوتے ہیں اچھے اور برے، اچھے اشعار کو لے لو اور برے اشعار کو ترک کر دو، اور ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بعض اشعار حکمت کے معنیٰ پر مشتمل ہوتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ایسا شعر جو وعظ و نصیحت، علم و معرفت، اللہ تعالیٰ کی قدرت، عظمت و بڑائی پر مشتمل ہو، اس میں نبی کریم ﷺ، انبیاء کرام، صحابہ کرام اور اولیاء کرام کے فضائل و مناقب ہوں، دین اسلام کے دفاع اور مسلمان مجاہدین کو جوش دلائے، جس سے ایمان کو تازگی اور سرور ملے، اس طرح کے اشعار کہنا، سننا اور پڑھنا جائز ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ مسلمان شعراء اور کافر شاعروں کے حکمت پر مشتمل اشعار کو بھی کبھار پڑھا اور سنا کرتے تھے، کیونکہ ان سے دلوں کو تازگی، نیا ولولہ اور امنگوں کو جلا ملتی ہے، اور جائز اشعار میں بھی اس قدر انہاک نہ ہو کہ جس سے نمازیں قضا ہو جائیں، اور ضروری کاموں میں حرج پیدا ہونا شروع ہو جائے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۴۲/۲

اور ایسا شعر جو ناجائز اور کفریہ معنیٰ پر مشتمل ہو، اس میں گناہ کی باتیں، یا کسی معین عورت کے اوصاف کا بیان ہو یا جس میں بہتان اور الزام تراشی ہو، یا اس سے بلا وجہ کسی کے خلاف بھڑکایا جا رہا ہو، اس طرح کے اشعار کہنا، سننا اور پڑھنا جائز نہیں ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ أَصْدَقَ كَلِمَةٍ قَالَهَا الشَّاعِرُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ: [من أشعار لبيد بن ربيعة العامري – البحر الطويل] أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلُ، وَكَادَ أُمَيَّةُ بْنُ أَبِي الصَّلْتِ أَنْ يُسْلِمَ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے زیادہ سچا کلمہ یعنی شعر جو کسی شاعر نے کہا ہے، وہ لبید شاعر کا یہ قول ہے: اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهُ بَاطِلُ (خوب سمجھ لو کہ اللہ جل جلالہ کے علاوہ ہر چیز باطل ہے یعنی فنا ہونے والی ہے) اور امیہ بن صلت قریب تھا کہ اسلام لے آئے۔

## لبید بن ربیعہ شاعر کا ایک سچا شعر

لبید بن ربیعہ بن مالک عامری رضی اللہ عنہ عرب کے مشہور شاعر ہیں، انہوں نے اسلام قبول کر لیا تھا، ان کی عمر بڑی لمبی تھی، ایک سو بیس، ایک سو تیس اور ایک سو چالیس کی مختلف روایات ہیں، نوے سال زمانہ کفر میں اور باقی عمر اسلام میں گزاری، انہوں نے اپنی طویل عمری کی شکایت اپنے ایک مشہور شعر میں یوں کی ہے:

وَلَقَدْ سَئِمْتُ مِنَ الْحَيَاةِ وَ طُولِهَا وَ سُؤَالِ هٰذَا النَّاسِ: كَيْفَ لَبِيدُ

ترجمہ: خدا کی قسم میں لمبی عمر اور لوگوں کے اس سوال سے اکتا چکا ہوں کہ لبید کی حالت کیسی ہے۔

اسلام قبول کرنے کے بعد انہوں نے شعر کہنا چھوڑ دیا تھا، کوفہ میں رہائش اختیار کر لی تھی، ایک مرتبہ حضرت عمر نے زمانہ اسلام میں شعر کہنے سے متعلق پوچھا تو فرمانے لگے: اللہ تعالیٰ نے سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران شعر کے نعم البدل کے طور پر مجھے عطا کر دی ہیں، اس لیے اب مجھے شعر کہنے کی ضرورت ہی نہیں۔

کہا جاتا ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد حضرت لبید نے صرف یہ ایک شعر کہا ہے:

مَا عَاقَبَ الْمَرْءَ الْكَرِيمَ كَنَفْسِهٖ وَالْمَرْءُ يُصْلِحُهُ الْجَلِيسُ الصَّالِحُ

ترجمہ: شریف آدمی کو اس کی اپنی ذات سے زیادہ کوئی ملامت نہیں کرتا اور ہر شخص کی اصلاح اس کا نیک اور اچھا دوست ہی کرتا ہے۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۴/۲۲۲، کتاب الشعر، رقم الحدیث: ۵۸۳۹

(۲) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۸۵۳۔

یا یہ شعر کہا ہے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ اِذْ لَمْ يَاْتِنِيْ اَجَلِيْ حَتّٰى كَسَانِيْ مِنَ الْاِسْلَامِ سِرْبَالًا

ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ جل شانہ کے لیے ہیں، جس نے میری موت سے پہلے مجھے اسلام کا لباس پہنایا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث میں حضرت لبید کے شعر کے مصرعہ کو اصدق کلمۃ سب سے زیادہ سچا کلمہ یعنی سچا شعر فرمایا ہے، کیونکہ یہ کتاب اللہ کی اس آیت: کل من علیھا فان اور اس آیت: كُلُّ شَيْءٍ هَالِكٌ اِلَّا وَجْهَهٗ کے موافق ہے، یہ ان کے قصیدہ کا ایک مصرعہ ہے، اس قصیدے کے چند اشعار یہ ہیں:

اَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللّٰهَ بَاطِلٌ وَ كُلُّ نَعِيْمٍ لَا مُحَالَةَ زَائِلُ

ترجمہ: آگاہ رہو! اللہ کے سوا ہر چیز فانی ہے، اور دنیا کی ہر نعمت یقیناً ختم ہوجانی والی ہے۔

اِذَا الْمَرْءُ اَسْرٰى لَيْلَةً ظَنَّ اَنَّهٗ قَضٰى عَمَلًا وَالْمَرْءُ مَا عَاشَ اٰمِلُ

ترجمہ: جب آدمی ایک رات کا سفر طے کر لیتا ہے، تو یہ سمجھنے لگتا ہے کہ اس نے اپنا کام نمٹا لیا ہے، حالانکہ ہر شخص پوری زندگی امیدوں میں ہوتا ہے۔

حَبَائِلُهٗ مَبْثُوْثَةٌ بِسَبِيْلِهٖ وَ يَفْنٰى اِذَا مَا اَخْطَاَتْهُ الْحَبَائِلُ

ترجمہ: اس کی امیدوں کے جال راستہ میں ہر طرف منتشر اور پھیلے ہوئے ہیں، جب اسے وہ اہداف حاصل نہ ہوں تو فنا اور ہلاکت کا شکار ہوجاتا ہے۔

فَقُوْلَا لَهٗ اِنْ كَانَ يَقْسِمُ اَمْرَهٗ اَلَمَّا يَعِظْكَ الدَّهْرُ؟ اُمُّكَ هَابِلُ

ترجمہ: آپ ان سے کہہ دیں اگرچہ اس نے اپنا کام تقسیم کر رکھا ہے کہ تیری ماں محروم ہو، کیا تو نے زمانے سے اب تک عبرت حاصل نہیں کی۔

فَاِنْ اَنْتَ لَمْ تُصَدِّقْكَ نَفْسُكَ فَانْتَسِبْ لَعَلَّكَ تَهْدِيْكَ الْقُرُوْنُ الْاَوَائِلُ

ترجمہ: اگر تیری ذات تیری تصدیق نہ کرے تو پھر تو اپنا نسب بیان کر، شاید کہ پچھلے لوگ تجھے کوئی راستہ بتا ہی دیں۔

وَ كُلُّ امْرِئٍ يَوْمًا سَيَعْلَمُ سَعْيَهٗ اِذَا كُشِفَتْ عِنْدَ الْاِلٰهِ الْمَحَاصِلُ

ترجمہ: اور ہر شخص کی محنت عنقریب اس دن ظاہر ہوجائے گی، جب اللہ جل جلالہ کے سامنے اس کے کئے کے نتائج سامنے آئیں گے۔

یہ قصیدہ حضرت لبید نے اسلام قبول کرنے سے پہلے کہا تھا۔(۱)

وکاد امیة... امیہ بن ابی الصلت بھی ایک مشہور عربی شاعر تھا، اس کے اشعار صحیح حقائق پر مشتمل ہوتے تھے، قیامت کا

(۱) الشعر والشعراء لابن قتیبة (ص: ۱۲۴) تکملة فتح الملهم ۴/۲۲۳، کتاب الشعر، رقم الحدیث: ۵۸۴۲

بھی قائل تھا، مگر اسلام قبول نہ کرسکا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد جب طائف کا محاصرہ کیا ہوا تھا، ان دنوں اس شاعر کی کفر پر ہی وفات ہوئی۔(۱)

عَنْ جُنْدُبِ بْنِ سُفْيَانَ الْبَجَلِيِّ قَالَ: أَصَابَ حَجَرٌ أُصْبُعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَمِيَتْ، فَقَالَ: هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيْتِ، وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ.(۲)

ترجمہ: حضرت جندب بن عبداللہ بجلی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ایک پتھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی (پاؤں کی) انگلی میں لگ گیا تھا، جس کی وجہ سے وہ خون آلود ہوگئی، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو ایک انگلی ہے، جو خون آلود ہے، اللہ کے راستے میں تمہیں تکلیف کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ أصاب حجر: ایک پتھر لگ گیا، دمیت: وہ انگلی خون آلود ہوگئی، ما لقیت: جو کچھ تمہیں تکلیف پہنچی، تمہیں جو تکلیف کا سامنا کرنا پڑا۔

## پاؤں کی زخمی انگلی سے ایک شعر سے خطاب

مذکورہ حدیث سے متعلق دو باتیں پیش نظر رہیں:

۱۔ اس میں شارحین حدیث کا اختلاف ہے کہ مذکورہ شعر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے ارشاد فرمایا ہے یا کسی اور شاعر کا مثال کے طور پر ذکر کیا ہے، طبری کہتے ہیں کہ یہ ولید بن ولید کا شعر ہے اور ابن ابی الدنیا نے اپنی کتاب ''محاسبة النفس'' میں اس شعر کی نسبت حضرت عبداللہ بن رواحہ کی طرف کی ہے، فرماتے ہیں کہ غزوہ موتہ میں حضرت جعفر بن ابی طالب کی شہادت کے بعد جب حضرت عبداللہ بن رواحہ نے لشکر کی کمان سنبھالی، تو دشمنوں کے ساتھ لڑتے لڑتے حضرت عبداللہ کی انگلی زخمی ہوگئی، اس پر انہوں نے یہ شعر کہے ہیں:

هَلْ أَنْتِ إِلَّا إِصْبَعٌ دَمِيْتِ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ مَا لَقِيْتِ

تو ایک انگلی ہے جو خون آلود ہوگئی ہے اللہ کے راستہ میں تمہیں تکلیف پہنچی ہے۔

يَا نَفْسُ إِنْ لَا تُقْتَلِيْ تَمُوْتِيْ هٰذِيْ حِيَاضُ الْمَوْتِ قَدْ صَلِيْتِ

اے میرے نفس: اگر تجھے قتل نہ کیا گیا، تو بھی تو نے مر ہی جانا ہے، یہ موت کے تالاب ہیں، جن میں تو داخل ہو چکا ہے۔

وَ مَا تَمَنَّيْتِ فَقَدْ لَقِيْتِ إِنْ تَفْعَلِيْ فِعْلَهُمَا فَقَدْ هُدِيْتِ

(۱) جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوي ۲/۴۳، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۴۰۷)

(۲) سنن الترمذي، التفسير، رقم الحديث: ۳۳۴۲۔

جو تیری آرزو تھی اسے تو نے پالیا ہے، اگر تو صحیح طرح کارکردگی دکھائے گا تو تیری رہنمائی کی جائے گی۔

۲۔ غزوہ احد کے موقع پر حفاظتی نقطہ نظر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک غار میں تشریف لے گئے، پاؤں پھسلنے سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پاؤں کی انگلی زخمی ہوگئی، جس سے خون بہنے لگا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ شعر پڑھا۔(۱)

یہ ذہن میں رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی مختلف موقعوں پر زخمی ہوئی ہے، ایک حدیث میں غار کا ذکر ہے، ایک میں ہجرت سے پہلے اور بعض روایات میں بعض غزوات کا ذکر ہے، متعدد بار ایسا ہوا ہے، اس لیے ان روایات میں تعارض نہیں ہے۔(۲)

**عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ: قَالَ لَهُ رَجُلٌ: أَفَرَرْتُمْ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ ﷺ يَا أَبَا عُمَارَةَ؟ فَقَالَ: لَا وَاللّٰهِ مَا وَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ ﷺ، وَلٰكِنْ وَلَّى سَرَعَانُ النَّاسِ تَلَقَّتْهُمْ هَوَازِنُ بِالنَّبْلِ وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ عَلٰى بَغْلَتِهِ، وَأَبُو سُفْيَانَ بْنُ الْحَارِثِ بْنِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ آخِذٌ بِلِجَامِهَا، وَرَسُولُ اللّٰهِ ﷺ يَقُولُ: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ.(۳)**

ترجمہ: حضرت براء بن عازب فرماتے ہیں کہ ان سے ایک شخص نے پوچھا: اے ابوعمارہ کیا تم سب لوگ جنگ حنین میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا کہ نہیں، اللہ کی قسم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری، مگر لشکر میں سے بعض جلد بازوں نے (جن میں سے اکثر قبیلہ بنی سلیم اور مکہ کے نومسلم نوجوان تھے)، پیٹھ پھیر لی تھی (وجہ یہ تھی کہ) قبیلہ ہوازن نے تیروں سے ان کا استقبال کیا تھا، جبکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے خچر پر سوار تھے، اور ابوسفیان بن حارث بن عبدالمطلب نے اس کی لگام پکڑی ہوئی تھی، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ فرما رہے تھے: أَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، أَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ (ترجمہ: قطعی بات ہے کہ میں نبی ہوں، یہ جھوٹ نہیں، اور میں عبدالمطلب کا بیٹا یعنی پوتا ہوں)۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** **افررتم:** ہمزہ برائے استفہام ہے، کیا تم لوگ بھاگ گئے تھے، **ما ولی:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹھ نہیں پھیری، **سرعان:** (سین پر زبر اور راء پر زبر اور سکون دونوں طرح منقول ہے) سریع کی جمع ہے: تیز رفتار، جلد باز، **تلقتهم هوازن:** قبیلہ ہوازن نے ان کا استقبال کیا، **النبل:** (نون پر زبر اور باساکن) تیر، اس کی جمع انبال اور نبال ہے، **بغلة:** خچر کی مؤنث، یہ سفید تھی، جسے مقوقس نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ہدیہ میں دی تھی، اس کو "دلدل" کہا جاتا ہے، حضرت معاویہؓ

---

(۱) فتح الباری ۱۰/۶۶۲ کتاب الادب، باب ما یجوز من الشعر، رقم الحدیث: ۶۱۴۶، تکملة فتح الملهم ۳/۲۰۴، کتاب الجهاد باب مالقی النبی صلی اللہ علیہ وسلم من أذی المشرکین، رقم الحدیث: ۴۶۱۸، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۴۰۸)

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۴۳، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۴۰۱)

(۳) سنن الترمذی، الجهاد، رقم الحدیث: ۱۶۸۸۔

کے زمانے میں اس کی موت ہوئی تھی، اخذ بلجامها: اس خچرہ کی رسی کو پکڑے ہوئے تھے۔

## غزوہ حنین پر ایک نظر

مذکورہ حدیث کی تشریح سے پہلے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ غزوہ حنین پر ایک طائرانہ نظر ڈال لی جائے، تا کہ حدیث کا مفہوم اچھی طرح واضح ہو جائے:

"حنین" مکہ مکرمہ اور طائف کے درمیان ایک وادی کا نام ہے، یہاں عرب کے دو مشہور قبیلے آباد تھے، ہوازن اور ثقیف، ہوازن تیر اندازی میں مشہور تھا جبکہ ثقیف اپنی شرافت میں معروف اور ضرب المثل تھا۔

رسول اللہ ﷺ نے جب مکہ مکرمہ فتح کر لیا تو ان دو قبیلوں نے باہمی مشورہ کیا کہ فتح مکہ کے بعد اب ان کی باری ہے، قبل اس کے کہ مسلمان ہم پر حملہ کریں، ہمیں پیش قدمی کر کے ان پر حملہ کر دینا چاہیے، بعض تجربہ کار بوڑھوں نے ان کو اس حملے سے منع کیا، مگر ان کی بات کو بعض جوشیلے نوجوانوں نے نہ مانا اور یہ کہنے لگے: "مسلمانوں کو اب تک تجربہ کار جنگجوؤں سے سابقہ نہیں پڑا، اس لیے وہ غالب ہوتے جا رہے ہیں، اب ہم ان کو سبق سکھائیں گے" چنانچہ دونوں قبیلوں نے بیس ہزار افراد پر مشتمل ایک لشکر جرار تیار کر لیا، اور مالک بن عوف کی زیر نگرانی یہ لشکر مسلمانوں پر حملہ کرنے کے لیے چل پڑا، عورتوں اور بچوں کو بھی اپنے ساتھ لے لیا، تا کہ ان کو چھوڑ کر کوئی بھاگ نہ سکے اور ان کی حفاظت کے لیے اپنی جان دے دے۔

لشکر کی قیادت اگرچہ قبیلہ ہوازن کا سردار مالک بن عوف کر رہا تھا، لیکن قبیلہ جشم کا سردار درید بن صمہ کو بھی مشیر کی حیثیت سے لشکر میں رکھا گیا، تا کہ جنگی امور میں اس کی مہارت سے فائدہ اٹھایا جا سکے، درید بن صمہ مشہور شاعر اور جنگی امور میں غیر معمولی صلاحیت کا مالک تھا، اس وقت اس کی عمر سو سال سے زیادہ ہو چکی تھی، لوگوں نے اسے اٹھا کر میدان جنگ میں پہنچا دیا، درید نے دریافت کیا کہ یہ کونسا مقام ہے؟ لوگوں نے کہا: اوطاس، درید نے کہا: ہاں یہ مقام جنگ کے لیے بہت موزوں ہے، کیونکہ یہاں کی زمین نہ تو زیادہ سخت ہے اور نہ اس قدر نرم کہ پاؤں دھنس جائیں، پھر اس نے پوچھا کہ یہ بچوں کے رونے کی آواز کیسی آ رہی ہے؟ لوگوں نے بتایا کہ بچے اور عورتیں ساتھ آئے ہیں، تا کہ ہر شخص بہادری سے لڑے اور کوئی بھاگ کر نہ جائے، اس پر درید بولا: جنگ میں صرف نیزہ اور تلوار کام آتے ہیں، اگر جنگ میں فتح ہوئی تو اہل وعیال ساتھ لانے کا کوئی فائدہ نہیں، اور اگر شکست ہوئی تو بچوں اور عورتوں کی وجہ سے اور بھی ذلت ہوگی، اس لیے میرا مشورہ یہ ہے کہ اہل وعیال کو لشکر کے پیچھے رکھا جائے، لیکن مالک بن عوف نے جوانی کے جوش میں درید کی یہ رائے بالکل پسند نہیں کی، اور کہنے لگا کہ بڑھاپے کی وجہ سے اس کی عقل بے کار ہو چکی ہے۔

ادھر مکہ میں رسول اللہ ﷺ کو جب اس جنگی جنون کا پتہ چلا تو آپ ﷺ نے تحقیق حال کے لیے عبداللہ بن ابی حدرد کو بھیجا، وہ وہاں گئے، دو دن ہوازن کے لشکر میں رہنے کے بعد واپس آ کر آپ ﷺ کو تفصیلی صورت حال سے آگاہ کیا۔

حضور اقدس ﷺ نے بھی مقابلہ کے لیے جنگ کی تیاریاں شروع کر دیں، صفوان بن امیہ جس نے ابھی تک اسلام

قبول نہیں کیا تھا، اس سے سوزرہیں ساز وسامان کے ساتھ عاریت میں لے لیں۔

ہفتہ کے دن، ٦ شوال، ٨ ہجری بارہ ہزار آدمیوں کا لشکر لے کر مکہ مکرمہ سے حنین کی طرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم روانہ ہوئے، اس لشکر میں مہاجرین، انصار، اور مکہ کے نومسلم حضرات شریک تھے، کچھ کافر بھی ساتھ چل پڑے مال غنیمت کی لالچ میں اور جنگ کا تماشا دیکھنے کے لیے، یہ اسلامی غزوات کا پہلا لشکر تھا، جو اتنی تعداد اور اس جاہ وجلال کے ساتھ حنین کی طرف بڑھ رہا تھا، بعض صحابہ کی زبان سے یہ الفاظ نکلے: "لَنْ نُغْلَبَ الْيَوْمَ مِنْ قِلَّةٍ" "آج ہم قلت کی وجہ سے مغلوب نہ ہوں گے" اس جملہ میں ایک گونا فخر اور گھمنڈ تھا، اس لیے اللہ جل جلالہ کو یہ بات پسند نہ آئی، اسی کی طرف قرآن مجید کی اس آیت میں اشارہ ہے: وَيَوْمَ حُنَيْنٍ إِذْ أَعْجَبَتْكُمْ كَثْرَتُكُمْ فَلَمْ تُغْنِ عَنْكُمْ شَيْئًا۔ (ترجمہ: اور حنین کے دن بھی جبکہ تم کو اپنے مجمع کی کثرت سے غرہ ہو گیا تھا، پھر وہ کثرت تمہارے کچھ کارآمد نہ ہوئی)۔

مسلمانوں کے لشکر کو حنین تک پہنچنے کے لیے ایک نہایت تنگ گھاٹی سے گذرنا پڑتا تھا، مالک بن عوف نے اپنے لشکر کو ان پہاڑوں میں مخصوص جگہوں میں بٹھا رکھا تھا، جیسے ہی مسلمان صبح کے وقت وہاں سے گذرنے لگے تو ہوازن اور ثقیف کے بیس ہزار نوجوانوں نے مل کر تلواروں اور تیروں سے مسلمان فوج پر زبردست حملہ کر دیا، اس ناگہانی حملہ سے لشکر اسلام منتشر اور تتر بتر ہو گیا۔

صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ مسلمانوں کے ابتدائی حملہ میں کفار کو شکست ہوگئی تھی، اور وہ پیچھے بھاگ پڑے، مسلمانوں نے یہ سمجھا کہ فتح ہوگئی ہے، مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا، ادھر پہاڑوں میں چھپے کافروں نے چاروں طرف سے حملہ کر دیا، اس حملے سے مسلمانوں کا لشکر ادھر ادھر منتشر ہو گیا، افراتفری کا ماحول برپا ہو گیا، صرف چند مخصوص صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے، جن میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت فضل بن عباس، حضرت اسامہ بن زید اور حضرت سفیان بن حارث وغیرہ شامل تھے، حضرت ابوسفیان نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سواری کی لگام پکڑی ہوئی تھی، گھمسان کی جنگ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سواری سے اترے اور جلال نبوت کے لہجے میں فرمایا: اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ، حضرت عباس بلند آواز تھے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو حکم دیا کہ مہاجرین وانصار کو آواز دو، انہوں نے بلند آواز سے یہ نعرہ لگایا: يَا مَعْشَرَ الْأَنْصَارِ، يَا أَصْحَابَ السَّمُرَةِ۔ اے انصار کی جماعت، اے صلح حدیبیہ میں کیکر کے درخت کے نیچے بیعت کرنے والو، ادھر آؤ، یہ نعرہ جوں ہی صحابہ نے سنا، دیوانہ وار لبیک کہتے ہوئے یوں لوٹے، جیسے اونٹنی اپنے بچہ کی طرف لوٹتی ہے۔

سب صحابہؓ دوبارہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گرد جمع ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حملہ کا حکم دیا اور میدان جنگ گرم ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹی ہاتھ میں پکڑ کر کفار کی طرف پھینکی اور فرمایا: شَاهَتِ الْوُجُوْهُ، شَاهَتِ الْوُجُوْهُ (برا ہو، ان چہروں کا) چنانچہ اس دعا کا اثر تھا کہ کفار میں سے کوئی بھی ایسا نہیں بچا جس کی آنکھ میں یہ مٹی نہ پہنچی ہو، دشمن کے قدم اکھڑ گئے، ان کے ستر آدمی مارے گئے، بہت سوں کو گرفتار کر لیا گیا، اور کچھ طائف اور اوطاس کی طرف بھاگ گئے، طائف کی طرف بھاگنے والوں میں مالک بن عوف بھی تھا، اور درید بن صمہ اوطاس کی طرف جانے والوں میں شامل تھا، اس طرح اللہ جل شانہ نے اس جنگ میں بھی مسلمانوں کو فتح و

کامرانی عطا فرمائی۔(۱)

## کیا غزوہ حنین میں سب صحابہ بھاگ گئے تھے

قبیلہ قیس کے ایک شخص نے حضرت براء بن عازب سے پوچھا کہ کیا تم لوگ جنگ حنین میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چھوڑ کر بھاگ گئے تھے؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، ہم سب نہیں بھاگے تھے بلکہ بعض نومسلم اور قبیلہ بنی سلیم کے بعض جلد باز اس موقع پر بھاگ گئے تھے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پشت نہیں پھیری، شمائل کی مذکورہ حدیث میں افررتم (کیا تم لوگ بھاگ گئے تھے؟) جمع کا صیغہ ہے، قرآن مجید کی اس آیت: ثم ولیتم مدبرین اور بعض دوسری روایات میں بھی جمع کے الفاظ ہیں، ان روایتوں کے الفاظ سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ سائل پیچھے ہٹنے والوں میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو شامل سمجھ رہا ہے، اس لیے حضرت براء نے بتایا کہ اور بعض لوگ تو ادھر ادھر منتشر ہوئے، اور بھاگنا پایا گیا، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس میں شامل نہیں تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدمی سے دشمنوں کے سامنے ثابت قدم رہے، اور بعض صحابہؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اس موقع پر کتنے صحابہ کرامؓ تھے؟ اس بارے میں منقول روایات کے مجموعہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے لشکر کی تین جماعتیں تھیں:

۱۔ ایک جماعت مقدمۃ الجیش کے طور پر آگے تھی، اس میں قبیلہ بنی سلیم کے لوگ تھے، اس کا جھنڈا حضرت خالد بن ولیدؓ کے ہاتھ میں تھا، یہ جماعت لشکر کا اگلا حصہ تھا، اس کے ساتھ یہ واقعہ پیش آیا کہ جب یہ دشوار گذار گھاٹیوں سے گذرے تو ان کا دشمن سے مقابلہ ہوا، ان کے ہاتھوں ابتداء میں دشمن کو شکست ہوئی، اس سے مسلمانوں کو ہمت ہوئی، یہ آگے بڑھنے لگے، اور دشمن بھاگنے لگا، مسلمانوں نے اسے فتح سمجھ کر مال غنیمت جمع کرنا شروع کر دیا، دشمن نے اس موقع کو غنیمت جانا، پہاڑ میں چھپے جنگجوؤں نے مسلمان فوج پر تلوار اور تیروں سے یکبارگی حملہ کر دیا، اس اچانک حملے سے مسلمان فوج کے پاؤں اکھڑ گئے، قبیلہ بنی سلیم اور بعض نو مسلم بھاگ پڑے، اس کا اثر دیگر صحابہ پر پڑا اور وہ ادھر ادھر منتشر ہو گئے، صحابہ کرامؓ بھاگے نہیں تھے، صرف افراتفری کی کیفیت تھی اور وہ تتر بتر ہو گئے تھے، جب حضرت عباسؓ نے آواز دی کہ ادھر آؤ، تو فوراً تمام صحابہؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد جمع ہو گئے، اور دوسری بات یہ کہی جاسکتی ہے کہ میدان جنگ سے بھاگنا جب ہوتا ہے جب فوج کا سپہ سالار بھاگے، اور یہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے راہ فرار اختیار نہیں کیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ثابت قدمی سے میدان میں ہی رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل شانہ کی مدد و نصرت پر مکمل یقین تھا، ایسے میں پھر صحابہ کرامؓ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو میدان میں چھوڑ کر کیسے بھاگ سکتے تھے۔

۲۔ مسلمانوں کی دوسری جماعت اپنی جگہ پر ہی ثابت رہی، مگر ان کی جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ سے دور تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) الکامل لابن اثیر ۱۷۷/۲، زاد المعاد ۴۶۶/۳، تاریخ طبری ۲۴۶/۲، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للمناوی ۴۸/۲، المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۴۱۲)

نے اپنا راستہ تبدیل کر کے دائیں جانب کا راستہ اختیار کر لیا تھا، ایسے میں فوری طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں پہنچا جا سکتا تھا۔

۳۔ صحابہ کرام کی تیسری جماعت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہی، اس میں حضرت ابوبکر، حضرت عمر، حضرت علی، حضرت عباس، حضرت ابوسفیان بن حارث، حضرت فضل بن عباس اور حضرت اسامہ بن زید وغیرہ شامل تھے۔

اس تیسری جماعت میں صحابہ کی تعداد کتنی تھی جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ثابت قدم رہے، ان کی تعداد کے بارے میں مختلف روایات ہیں، حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت میں سو تعداد ہے، حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اسی تعداد ہے، حضرت عباسؓ نے دس بتائی ہے، اور بعض روایات میں چار کا ذکر ہے، بظاہر ان روایات کی تعداد میں تعارض ہے۔

مگر حقیقت یہ ہے کہ یہ روایات مختلف اوقات کے اعتبار سے ہیں، جنگی ماحول میں انسان پر مختلف حالات آتے ہیں، افراتفری کے ماحول میں جب لوگ ادھر ادھر منتقل ہو رہے تھے تو ایک وقت ایسا آیا کہ اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سو صحابہ کرامؓ تھے، پھر ایک وقت میں اسی اور پھر دس، اس کے بعد صرف وہ چار شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہ گئے، جو خچر کی رسی اور رکاب تھامے ہوئے تھے، حتی کہ جب خچر بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی منشا کے موافق آگے نہ بڑھ سکا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس خچر سے نیچے اتر گئے، اکیلے ہی آگے بڑھنے لگے، ہاتھ میں کنکریوں یا مٹی کی مٹھی لے کر شَاهَتِ الْوُجُوْهُ، شَاهَتِ الْوُجُوْهُ کہہ کر دشمن کی طرف پھینکی، یہ وہ وقت تھا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اور کوئی صحابیؓ نہیں تھا، اس وقت سب صحابہ پیچھے رہ گئے تھے، ہاشمی خون خوب جوش میں تھا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کلام پڑھتے ہوئے آگے بڑھ رہے تھے: اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ، چنانچہ صحیح بخاری کی روایت میں اسی وقت کا ذکر ہے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تن تنہا بڑے جوش و جذبے سے آگے بڑھ رہے تھے، یہ مراد نہیں کہ سب صحابہ کرامؓ بھاگ گئے تھے، بلکہ مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پیدل چل کر دشمن کی طرف جو پیش قدمی فرما رہے تھے، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکیلے تھے، اس میں اور کوئی صحابیؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہ تھا، اس وقت صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پیچھے رہ گئے تھے۔(۱)

## انا ابن عبد المطلب کہنے کی وجہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ہم وزن کلام: اَنَا النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، اَنَا ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ شعر کے قصد سے نہیں کہا گیا، بلکہ اتفاقی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے یہ مقفی کلام صادر ہوا ہے، اس لیے یہ شعر نہیں، اور بعض حضرات فرماتے ہیں کہ یہ کسی شاعر کا کلام ہے، اس میں الفاظ یوں تھے: اَنْتَ النَّبِيُّ لَا كَذِبْ، اَنْتَ ابْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبْ، اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تصرف کر کے ''انت'' کے بجائے ''انا'' ضمیر لگا دی اور فرمایا: انا النبی لا کذب، انا ابن عبد المطلب، اس میں اس طرف اشارہ ہے کہ نبوت اور جھوٹ دونوں

(۱) فتح الباری ۳۸/۸ کتاب المغازی، باب قول اللہ تعالی: و یوم حنین اذ اعجبتکم کثرتکم... رقم الحدیث: ۴۳۱۵، تکملة فتح الملهم ۱۵۹/۳، کتاب الجهاد والسیر، باب غزوة حنین رقم الحدیث: ۴۳۷۸

جمع نہیں ہو سکتے، میں چونکہ اللہ کا نبی ہوں، جھوٹا نہیں ہو سکتا کہ میدان سے بھاگ جاؤں، مجھے اللہ جل جلالہ کی مدد و نصرت کا مکمل یقین ہے۔

اس شعر میں نبی کریم ﷺ نے اپنے آپ کو والد کے بجائے اپنے دادا عبد المطلب کی طرف کیوں منسوب کیا؟ اس کی مختلف وجہیں بیان کی گئی ہیں:

❁ حضرت عبد المطلب کی شجاعت، جرأت، شرافت اور عظمت و بزرگی سارے عرب میں مسلم تھی، جبکہ آپ ﷺ کے والد گرامی عین جوانی میں ہی وفات پا گئے تھے، ان کی شہرت نہیں تھی، اس لیے آپ ﷺ نے دادا کی طرف نسبت فرمائی۔

❁ لوگوں میں یہ بات مشہور تھی کہ حضرت عبد المطلب کی اولاد میں آخری نبی ظاہر ہوں گے، جو مخلوق خدا کو راہِ راست دکھائیں گے، وہ راہنما اور ہادی ہوں گے، اس لیے نبی کریم ﷺ نے عبد المطلب کی طرف نسبت کر کے ان لوگوں کو یہ مشہور بات یاد دلائی، یہ وقت گویا اس بات کی تصدیق کا ہے۔

اس روایت سے یہ معلوم ہوا کہ انسان کسی اچھے مقصد کی وجہ سے اپنے والد کے بجائے اپنے دادا کی طرف نسبت کر سکتا ہے، فخر و غرور یا کسی ناجائز مقصد کی وجہ سے اپنے نسب میں تبدیلی جائز نہیں ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ مَكَّةَ فِي عُمْرَةِ الْقَضَاءِ، وَابْنُ رَوَاحَةَ يَمْشِي بَيْنَ يَدَيْهِ، وَهُوَ يَقُولُ: [من أشعار عبد الله بن رواحة - البحر الرجز] خَلُّوا بَنِي الْكُفَّارِ عَنْ سَبِيلِهِ، الْيَوْمَ نَضْرِبْكُمْ عَلَى تَنْزِيلِهِ ضَرْبًا، يُزِيلُ الْهَامَ عَنْ مَقِيلِهِ، وَيُذْهِلُ الْخَلِيلَ عَنْ خَلِيلِهِ، فَقَالَ لَهُ عُمَرُ: يَا ابْنَ رَوَاحَةَ، بَيْنَ يَدَيْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي حَرَمِ اللهِ تَقُولُ الشِّعْرَ، فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: خَلِّ عَنْهُ يَا عُمَرُ، فَلَهِيَ أَسْرَعُ فِيهِمْ مِنْ نَضْحِ النَّبْلِ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ عمرہ کی قضا کرنے کے لیے مکہ مکرمہ داخل ہوئے، تو عبد اللہ بن رواحہ رسول اللہ ﷺ کے آگے آگے چل رہے تھے اور یہ اشعار پڑھ رہے تھے: خلوا بنی الکفار... الخ اے کفار کی اولاد! آپ ﷺ کا راستہ خالی چھوڑ دو، آج حضور اقدس ﷺ کے مکہ مکرمہ آنے سے روکنے پر ہم تمہیں ایسی ماریں گے، جو کھوپڑیوں کو ان کی جگہ سے جدا کر دے گی، اور دوست کو اس کے دوست سے غافل کر دے گی، حضرت عمرؓ نے ان سے فرمایا: اے ابن رواحہ: رسول اللہ ﷺ کے سامنے اور حرم مکی میں تم شعر پڑھ رہے ہو؟ (یہ بات سن کر) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: عمر! ابن رواحہ کو چھوڑ دو (اسے شعر کہنے سے مت روکو) کیونکہ یہ اشعار کافروں پر تیر پھینکنے سے کہیں زیادہ جلد اثر کرتے ہیں۔

---

(۱) فتح الباری ۳۸/۸، کتاب المغازی، رقم الحدیث: ۴۳۱۵، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۴۸/۲

(۲) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۸۵۲۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** خلوا: تخلیہ سے صیغہ امر جمع ہے: خالی چھوڑ دو، بنی الکفار: حرف یاء اس سے پہلے ہے: اے کافروں کی اولاد، عن سبیلہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ، علی تنزیلہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مکہ مکرمہ آنے پر، ضربا: ایسی مار، یزیل: جو جدا کر دے گی، ہٹا دے گی، ھام: ھامۃ کی جمع ہے: کھوپڑی، دماغ، عن مقیلہ: اس کی جگہ یعنی گردن سے، یذھل: غافل کر دے گی، بھلا دے گی، فلھی اسرع فیھم: کیونکہ یہ اشعار کافروں پر بہت جلد اثر کرتے ہیں، من نضح النبل: تیر پھینکنے سے، تیر اندازی سے۔

## حضرت عبداللہ بن رواحہ کی کفار مکہ کو اشعار میں دھمکی

۶ ہجری میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کے ساتھ عمرہ کی ادائیگی کے لیے مکہ مکرمہ تشریف لائے، مگر کفار مکہ نے مکہ مکرمہ داخل نہ ہونے دیا، مقام حدیبیہ میں روک دیا، وہاں پر صلح کی شرائط لکھی گئیں، اس میں یہ معاہدہ بھی تھا کہ آئندہ سال حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں آکر عمرہ ادا کریں گے، اور تین دن قیام کر کے واپس چلے جائیں گے، چنانچہ معاہدہ کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ۷ ہجری میں عمرے کے لیے تشریف لائے، اور اس عمرے کی قضا کی، اسی لیے اسے عمرۃ القضاء کہا جاتا ہے، یہ احناف کا موقف ہے، اور یہ معاہدہ بھی تھا کہ مسلمان مکہ مکرمہ میں اپنے ساتھ ہتھیار نہیں لائیں گے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ذیقعدہ کا چاند دیکھنے کے بعد عمرے کی ادائیگی کا اعلان کر دیا، اور یہ بھی فرمایا کہ جو لوگ حدیبیہ میں شریک تھے، ان میں سے کوئی رہ نہ جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے احتیاطاً اسلحہ بھی ساتھ لے لیا تاکہ ضرورت کے وقت اسے استعمال کیا جاسکے، مکہ مکرمہ سے آٹھ میل کے فاصلے پر مقام "بطن یا جج" میں جنگ کا وہ اسلحہ رکھوا دیا، اور اس کی حفاظت کے لیے دو سو سواروں کا دستہ متعین کر دیا۔

پھر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نہ جانے عشق و محبت کے کن کن جذبات کے ساتھ لبیک کہتے ہوئے حرم مکہ میں داخل ہوئے ہوں گے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے حضرت عبداللہ بن رواحہ بڑے جذبے سے یہ اشعار پڑھتے جا رہے تھے: خلوا بنی الکفار... (اے کافروں کی اولاد! نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا راستہ خالی چھوڑ دو، کوئی مزاحمت نہ کرنا، اگر تم لوگوں نے پچھلے سال کی طرح اس سال بھی ہمیں بیت اللہ کے پاس آنے سے روکا تو ہم تمہارے سر اور کھوپڑیوں کو جسم سے جدا کر دیں گے، ایسی عبرتناک مار دیں گے کہ ہر شخص کو اپنی فکر پڑ جائے گی، ایک دوست اپنے دوست کو بھول جائے گا، یعنی بہت سخت گھمسان کی لڑائی ہوگی)

حضرت عمرؓ نے عبداللہ بن رواحہ کو یہ اشعار پڑھتے سنا تو کہا کہ اللہ جل شانہ کے رسول کے سامنے اور اللہ کے حرم میں تو شاعری کر رہا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر: ابن رواحہ کو یہ اشعار پڑھنے دو، یہ اشعار ان کافروں کے لیے تیروں سے بھی زیادہ تکلیف دہ اور اذیت ناک ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گویا وقتی مصلحت کے لحاظ سے فرمایا کہ یہ اشعار بھی زبان کا جہاد ہے، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ حضرت کعبؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں شعر کی مذمت بیان فرمائی ہے، اس پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مؤمن تلوار یعنی اسلحہ اور زبان دونوں سے جہاد کرتا ہے، اور زبان کا جہاد بھی گویا ایسا ہی ہے جیسے

تم تیر برسا رہے ہو، بلکہ بسا اوقات زبان سے نکلا ہوا جملہ، اسلحہ سے کہیں زیادہ سخت اور ناگوار محسوس ہوتا ہے، اور زبان کا زخم سالہا سال گزرنے سے بھی مندمل نہیں ہوتا جبکہ تلوار وتیر کا زخم علاج معالجہ سے درست ہو جاتا ہے، وعدے کے مطابق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین دن مکہ مکرمہ میں رہے اور پھر اپنے ساتھ آنے والے دو ہزار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ مدینہ منورہ روانہ ہو گئے۔

اس روایت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- اگر ایک مسلمان عمرے یا حج کا احرام باندھ کر نیت کر لے مگر پھر کسی وجہ سے وہ عمرہ یا حج ادا نہ کر سکے، کوئی رکاوٹ پیش آ جائے تو وہ دم ذبح کر کے حلال ہو جائے، اور پھر اس کی قضا کرنا اس پر لازم ہے، جیسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عمرے کی قضا کی ہے۔
- ایسے اشعار جو اللہ جل جلالہ کی عظمت و کبریائی اور اس کی قدرت کی نشانیوں پر مشتمل ہوں، جن میں اسلام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد وثناء اور دفاع کا ذکر ہو، اس طرح کے اشعار کہنا اور انہیں سننا جائز ہے، بلکہ بعض نے مستحب قرار دیا ہے۔(۱)
- اس روایت سے معلوم ہوا کہ عصر حاضر میں اسلام اور مسلمانوں کے خلاف جو پروپیگنڈے اور سازشیں چل رہی ہیں، ان کی تردید اور اسلام کی اصل تصویر سامنے لانے کے لیے جو مضامین، رسالے اور کتابیں وغیرہ لکھی جائیں تو یہ بھی قلمی جہاد ہے، اگر یہ اخلاص نیت سے کیا جائے تو اس پر بھی اجر وثواب ملے گا، ان شاء اللہ تعالیٰ۔

## امام ترمذی رحمہ اللہ کا ایک تسامح

امام ترمذی رحمہ اللہ نے عمرۃ القضاء والی مذکورہ روایت جامع ترمذی کے ابواب الاستیذان باب ما جاء فی انشاد الشعر میں بھی ذکر کی ہے، اس کے بعد فرماتے ہیں کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عمرۃ القضاء کے موقع پر جب مکہ مکرمہ میں داخل ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آگے کعب بن مالک چل رہے تھے، اس پر فرماتے ہیں: وَهٰذَا أَصَحُّ عِنْدَ بَعْضِ أَهْلِ الْحَدِيثِ لِأَنَّ عَبْدَ اللّٰهِ بْنَ رَوَاحَةَ قُتِلَ يَوْمَ مُؤْتَةَ وَاِنَّمَا كَانَتْ عُمْرَةُ الْقَضَاءِ بَعْدَ ذٰلِكَ۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ امام ترمذی رحمہ اللہ سے سہو ہوا ہے، کیونکہ عمرۃ القضاء کا سفر غزوہ موتہ سے پہلے واقع ہوا ہے، اس موقع پر حضرت عبد اللہ بن رواحہ موجود تھے، یہ سفر ذی قعدہ ۷ ہجری میں پیش آیا ہے، جبکہ غزوہ موتہ کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے جمادی الاولیٰ ۸ ہجری میں لشکر روانہ فرمایا ہے، اس میں پھر حضرت عبد اللہ بن رواحہ شہید ہو گئے تھے، اس لیے امام ترمذی کا یہ کہنا کہ غزوہ موتہ پہلے اور عمرۂ قضا بعد میں پیش آیا ہے، درست نہیں ہے۔(۲)

عَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ: جَالَسْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكْثَرَ مِنْ مِائَةِ مَرَّةٍ وَكَانَ أَصْحَابُهُ يَتَنَاشَدُونَ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۵۱/۲

(۲) فتح الباری ۶۳۸/۷، کتاب المغازی، باب عمرۃ القضاء، الکوکب الدری ۴۳۰/۳، تحفۃ الاحوذی ۱۱۳/۸

الشِّعْرَ وَيَتَذَاكَرُونَ أَشْيَاءَ مِنْ أَمْرِ الْجَاهِلِيَّةِ وَهُوَ سَاكِتٌ وَرُبَّمَا تَبَسَّمَ مَعَهُمْ.(۱)

ترجمہ: حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں سو سے زیادہ بار بیٹھا ہوں، جس میں حضرات صحابہؓ آپس میں ایک دوسرے کو اشعار سناتے اور زمانہ جاہلیت کی چیزوں کا تذکرہ کرتے تھے، آپ ﷺ (اس پر) خاموش رہتے، (ان کو منع نہ فرماتے) ہاں کبھی کبھی ان کے ساتھ مسکرا دیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اکثر من مائة مرة: سو مرتبہ سے زیادہ یعنی بے شمار بار، یہ الفاظ محاورے کے طور پر کثرت کے لیے استعمال ہوتے ہیں، یتناشدون الشعر: صحابہ کرام ایک دوسرے کو شعر سناتے، انشاد کہتے ہیں: دوسرے کسی شاعر کا شعر پڑھنا، یتذاکرون أشیاء: چیزوں یعنی قصے کہانیوں کا تذکرہ کرتے، پرانی یادیں تازہ کرتے، من امر الجاهلية: اسلام سے پہلے پیش آنے والے امور اور معاملات سے متعلق۔

## نبی کریم ﷺ کی مجلس میں دور جاہلیت کے اشعار کا تذکرہ

حضرت جابر بن سمرہ فرماتے ہیں کہ میں سو سے زیادہ مرتبہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا ہوں، اس سے بے شمار تعداد مراد ہے کہ بہت زیادہ میں خدمت نبوی میں حاضر ہوتا تھا، اس نشست میں کبھی کبھی صحابہ کرامؓ آپس میں ایک دوسرے کو اشعار سناتے اور زمانہ جاہلیت کی یادیں تازہ کرتے، مثلاً کوئی کہتا کہ زمانہ جاہلیت میں میرے بت نے مجھے بہت نفع دیا ہے، دوسروں نے پوچھا: وہ کیسے؟ کہنے لگا: میں نے وہ بت "حیس" (یعنی کھجور، پنیر یا ستو اور گھی سے بنایا ہوا کھانا) سے بنایا تھا، پھر جب قحط کا زمانہ آیا تو میں اسے روزانہ تھوڑا تھوڑا کر کے کھاتا رہا، ایک اور صحابی نے کہا کہ میں نے لومڑ کو دیکھا کہ وہ میرے بت پر چڑھ کر پیشاب کر رہا ہے، اس سے اس بت کی آنکھیں بند ہو گئیں، وہ نابینا ہو گیا، میں نے دل میں کہا کہ یہ کیسا خدا ہے، جس پر لومڑ پیشاب کر رہے ہیں، اور وہ نابینا ہو چکا ہے، اس وقت سے مجھے اس بات سے نفرت ہو گئی، اور میں نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اسلام قبول کر لیا۔

یہ سارا کچھ نبی کریم ﷺ بھی سن رہے ہوتے، مگر آپ ﷺ خاموش رہتے، اور کبھی کبھار صحابہ کی باتیں سن کر آپ ﷺ ان کے ساتھ مسکرا دیتے، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ کی مجلس میں صرف دین ہی دین کا تذکرہ نہ تھا، بلکہ صحابہ کی دلداری اور مجلس کے ماحول کو مزید دلکش اور پر وقار بنانے کے لیے اور باتوں کا بھی تذکرہ ہوتا، عہد ماضی کے واقعات کو عبرت کے طور پر ذکر کیا جاتا، انہیں سنا اور سنایا جاتا، تاکہ ان مختلف قسم کے تذکروں سے نبی کریم ﷺ کے ساتھ عشق و محبت میں مزید اضافہ ہو، مجلس میں ایک ہی بات کو بار بار دہرایا جائے، تو اس کا خاطر خواہ فائدہ نہیں ہوتا، اس سے لوگ تنگ ہو کر مجلس چھوڑ دیتے ہیں، اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

(۱) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۸۵۴۔

❁ گذشتہ واقعات کو عبرت کے لیے ذکر کیا جائے تو اس کی گنجائش ہے، مگر اس میں اتنا زیادہ مشغول ہونا کہ اس سے شرعی احکام کی ادائیگی میں حرج پیدا ہو جائے، یہ جائز نہیں۔

❁ مجلس میں اگر امیر کے سامنے لوگ اپنی گذشتہ باتیں کرنے لگیں، جن کے تذکرے میں دینی کوئی فائدہ پیش نظر ہو تو امیر بھی ان کے ساتھ وہ باتیں سن سکتا ہے۔(۱)

**عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: أَشْعَرُ كَلِمَةٍ تَكَلَّمَتْ بِهَا الْعَرَبُ كَلِمَةُ لَبِيدٍ: [من أشعار لبيد بن ربيعة العامري - البحر الطويل] أَلَا كُلُّ شَيْءٍ مَا خَلَا اللهَ بَاطِلٌ.**

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سب سے عمدہ اور اچھا شعر، جو کسی عرب شاعر نے کہا ہے وہ لبید شاعر کا یہ مقولہ ہے: اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَا خَلَا اللّٰہَ بَاطِلٌ (جان لو کہ اللہ جل شانہ کے علاوہ ہر چیز باطل یعنی فنا ہونے والی ہے)

فائدہ: یہ حدیث اس باب کے نمبر ۲ پر گذر چکی ہے۔

**عَنْ عَمْرِو بْنِ الشَّرِيدِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: كُنْتُ رِدْفَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَنْشَدْتُهُ مِائَةَ قَافِيَةٍ مِنْ قَوْلِ أُمَيَّةَ بْنِ أَبِي الصَّلْتِ الثَّقَفِيِّ، كُلَّمَا أَنْشَدْتُهُ بَيْتًا، قَالَ لِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هِيهْ حَتَّى أَنْشَدْتُهُ مِائَةً - يَعْنِي بَيْتًا - فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنْ كَادَ لَيُسْلِمُ.(۲)**

ترجمہ: حضرت شرید کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سواری پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، اس وقت میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو امیہ بن ابی صلت ثقفی کے سو شعر سنائے، میں جب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کوئی شعر سناتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: اور سناؤ، یہاں تک کہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امیہ کے سو شعر سنائے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: قریب تھا کہ وہ مسلمان ہو جاتا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ ردفا: (را کے نیچے زیر اور دال ساکن) سواری پر پیچھے بیٹھنے والا، فأنشدته مائة: چنانچہ میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سو شعر سنائے، هيه: یہ لفظ اصل میں ایہ ہے، پہلی ہاء ہمزے سے بدل کر آئی ہے، قاضی عیاض نے اس کا تلفظ یوں بتایا ہے: (پہلی ہاء کے نیچے زیر، یاء اور دوسری ہاء ساکن) جبکہ امام نووی نے آخری ہاء کے نیچے زیر ضبط کیا ہے، یہ اسم فعل ہے، اس کے معنی ہیں: زد: اضافہ کرو، اور سناؤ۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۵۲

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الشعر، رقم الحدیث: ۲۲۵۵۔

## حضرت شرید بن سوید ثقفی رضی اللہ عنہ

حضرت شرید بن سوید ثقفی رضی اللہ عنہ طائف میں رہتے تھے، بعض حضرات کے نزدیک ان کا اصل نام مالک یا عبدالملک ثقفی ہے، یہ صلح حدیبیہ میں بیعت رضوان میں شریک تھے۔(۱)

## ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امیہ کے سو شعر سنے

"امیہ بن ابی صلت" زمانہ جاہلیت کا ایک مشہور عربی شاعر تھا، اس نے آسمانی کتابوں کو پڑھا تھا، اسی وجہ سے وہ بت پرستی نہیں کرتا تھا، اللہ تعالیٰ کے وجود، اور قیامت کا قائل تھا، اس نے سب سے پہلے بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ لکھنا شروع کیا تھا اور پھر قریش کو اس نے یہ لکھنا سکھایا تھا، لوگوں کو بتاتا تھا کہ عنقریب آخری نبی آنے والا ہے، اور خود اس امید میں تھا کہ میں ہی وہ نبی ہوں گا، لیکن جب اسے پتہ چلا کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم آخری نبی تشریف لا چکے ہیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اسے حسد ہو گیا، جس کی وجہ سے اس نے اسلام قبول نہیں کیا، مگر اس کے اشعار وعظ ونصیحت اور حقائق پر مبنی ہوتے تھے، اس لیے ایک دفعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اٰمَنَ لِسَانُہٗ وَ کَفَرَ قَلْبُہٗ (اس کی زبان تو ایمان لے آئی ہے، لیکن اس کا دل کافر ہی ہے) چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امیہ کے اشعار سنا کرتے، مذکورہ حدیث میں حضرت شرید فرماتے ہیں کہ میں سواری پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے بیٹھا ہوا تھا، میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو امیہ کا ایک شعر سنایا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجھے فرماتے رہے: اور سناؤ، یہاں تک کہ میں نے امیہ کے سو اشعار سنا دیے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: امیہ کا اسلام لے آنا بہت قریب تھا، بعض علماء کے نزدیک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد اس شعر پر تھا:

لَکَ الْحَمْدُ وَالنَّعْمَاءُ وَالْفَضْلُ رَبَّنَا فَلَا شَیْئَ أَعْلٰی مِنْکَ وَأَمْجَدَا

ترجمہ: اے ہمارے پروردگار! آپ ہی کے لیے سب تعریفیں ہیں، اور آپ ہی کے لیے تمام نعمتیں ہیں، اور آپ ہی کا سب فضل واحسان ہے، نہ آپ سے زیادہ کوئی تعریف کے قابل ہے اور نہ آپ سے زیادہ کوئی بڑائی اور بزرگی والا ہے۔(۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ غیر مسلم کے مضامین، کتابیں، لٹریچر اور اشعار کو پڑھنا اور سننا جائز ہے، جب ان کے مفہوم اور معنی درست ہوں، حقائق اور معلومات پر مشتمل ہوں۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: کَانَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَضَعُ لِحَسَّانَ بْنِ ثَابِتٍ مِنْبَرًا فِي الْمَسْجِدِ، یَقُومُ عَلَیْہِ قَائِمًا، یُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ - أَوْ قَالَ: یُنَافِحُ عَنْ رَسُولِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ -

(۱) تکملة فتح الملهم ۳۹۰/۴، کتاب الطب، باب اجتناب المجذوم، رقم الحدیث: ۵۷۷۶۔

(۲) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۲۱۸) جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوی ۵۴/۲

وَيَقُولُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ : إِنَّ اللهَ يُؤَيِّدُ حَسَّانَ بِرُوحِ الْقُدُسِ مَا يُنَافِحُ أَوْ يُفَاخِرُ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت حسان کے لیے مسجد نبوی میں منبر رکھوایا کرتے تھے، جس پر وہ کھڑے ہوتے اور کفار کے مقابلے میں (اپنے اشعار کے ذریعہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری ثابت کرتے، (راوی کہتے ہیں) یا حضرت عائشہؓ نے یوں فرمایا: وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے (کفار کے اشعار اور ہجو کا اپنے اشعار کے ذریعہ) دفاع کرتے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے: یقینی بات ہے کہ اللہ جل جلالہ حسان بن ثابتؓ کی روح القدس یعنی جبرائیل امین کے ذریعہ مدد و نصرت کرتے رہتے ہیں، جب تک کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کفار کے مقابلے میں برتری ثابت کرتے رہتے، یا یوں فرمایا کہ: جب تک وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے دفاع اور مقابلہ کرنے میں مشغول رہتے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یضع لحسان: حسان بن ثابت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منبر رکھنے کا حکم دیتے، منبر رکھواتے، منبر: بلند مقام جس پر کھڑے ہوکر یا بیٹھ کر خطاب کیا جاسکے، یفاخر: اشعار کے ذریعہ کفار کے مقابلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برتری ثابت کرتے، اظہار فخر کرتے، فخریہ اشعار کہتے، ینافح: حضرت حسان اشعار کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے، یؤید: تائید کرتے ہیں، مدد و نصرت کرتے ہیں، روح القدس: قدس میں قاف پر پیش اور دال پر پیش اور سکون دونوں پڑھ سکتے ہیں، اس سے حضرت جبرائیل علیہ السلام مراد ہیں، ان کو ''روح'' اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ تمام انبیاء علیہم السلام کے پاس وحی الٰہی لے کر آتے، پھر وہ انبیاء لوگوں کی رہنمائی کرتے، جس کی وجہ سے دلوں کو ایک روحانی زندگی ملتی، جس طرح کہ روح انسانی جسم کی زندگی کی بنیاد ہوتا ہے، اور ''روح القدس'' میں روح کی اضافت قدس کی طرف کی ہے، اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ حضرت جبرائیل علیہ السلام فطری طور پر ہر عیب سے پاک ہیں، قدس کے معنی ہیں: پاک ہونا، ما یفاخر و ینافح: اس میں ''ما'' مادام کے معنی میں ہے یعنی جب تک وہ اشعار کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و برتری ثابت کرتے رہتے، یا جب تک وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے رہتے۔

## حضرت حسان اشعار کے ذریعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دفاع کرتے

حضرت حسان بن ثابت بن منذر انصاری رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے، انہوں نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی شاعرانہ صلاحیت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح، فضیلت و برتری اور اسلام اور اہل اسلام کے دفاع پر صرف کی، ابوعبیدۃ کہتے ہیں کہ حسان بن ثابتؓ کو دیگر تمام شعراء پر تین وجہ سے فضیلت حاصل ہے: ۱۔ زمانہ جاہلیت میں انصار کے شاعر تھے۔ ۲۔

(۱) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۸۴۹، سنن ابی داؤد، الأدب، رقم الحدیث: ۵۰۱۵۔

عہد رسالت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شاعر تھے۔ ۳۔ اور زمانہ اسلام میں پورے یمن کے شاعر تھے، جمہور کے نزدیک ایک سو بیس سال ان کی عمر تھی، ساٹھ سال زمانہ جاہلیت میں اور ساٹھ ہی سال اسلام میں گذارے ہیں۔ (۱)

شمائل کی مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات حضرت حسان کے لیے مسجد نبوی میں با قاعدہ منبر رکھواتے، جس پر کھڑے ہو کر وہ اشعار پڑھا کرتے، یہ اشعار نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد وثناء، فضیلت و برتری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفاع پر مشتمل ہوتے، ان میں کفار کے مقابلے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عظمت اور بلندی کو ثابت کیا جاتا، اسلام کی خوبیاں، اس کا عدل و انصاف اور مسلمانوں کی فضیلت ان میں بیان کی جاتی، یہ بھی کفار کے مقابلے میں ایک بہت بڑا جہاد تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حسان جب تک اس مفاخرت اور دفاع میں مشغول رہتے ہیں، اس وقت تک اللہ جل شانہ حضرت جبرائیل کے ذریعہ ان کی یوں تائید کرتے ہیں کہ ان کے ذہن میں اچھے مضامین اور خوبصورت اشعار کا القاء ہوتا رہتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے ایک مرتبہ جبرائیل امین نے ان کے دل میں ستر اشعار الہام کیے، جن کو انہوں نے پڑھ کر سنایا۔

ایک مرتبہ بنو تمیم کا ایک وفد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا، ان کے ساتھ ان کا شاعر: اقرع بن حابس بھی تھا، انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اشعار میں مقابلے اور مفاخرت کی دعوت دی، اور کہنے لگے: ہماری تعریف ایک زینت ہے اور ہماری مذمت ایک عیب اور برائی ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ تو اللہ کی صفت ہے کہ جب وہ کسی کی تعریف کرے تو یہ اس کے لیے باعث شرف وزینت ہے، اور جب کسی کی مذمت کرے تو یہ اس کے لیے عیب اور برائی ہوتی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: یہ سن لو کہ میں نہ تو اشعار کے لیے بھیجا گیا ہوں اور نہ فخر وغرور کرنے کے لیے، مگر تم چاہتے ہو تو یہ مقابلہ اور مشاعرہ بھی کرلو، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ثابت بن قیس کو حکم دیا کہ وہ مقابلہ پر تقریر کریں، چنانچہ انہوں نے خطاب کیا، اور دشمن کے خطاب پر غالب آگئے، اس کے بعد ان کا شاعر اقرع بن حابس اٹھا اور یہ شعر کہے:

أَتَيْنَاكَ كَيْمَا يَعْرِفُ النَّاسُ فَضْلَنَا ... إِذَا خَالَفُونَا عِنْدَ ذِكْرِ الْمَكَارِمِ

وَاِنَّا رُؤُوْسُ النَّاسِ فِيْ كُلِّ مَشْعَرٍ ... وَ اِنْ لَيْسَ فِيْ أَرْضِ الْحِجَازِ كَدَارِمِ

ترجمہ: ۱۔ ہم تمہارے پاس اس لیے آئے ہیں کہ لوگ ہمارے فضل وکمال کو جان لیں، جب وہ خوبیوں کے ذکر کے وقت ہماری مخالفت کرتے ہیں۔

۲۔ ہم ہی ہر اجتماع میں لوگوں کے سردار ہوتے ہیں، اور بنی دارم کی طرح سرزمین حجاز میں اور کوئی نہیں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے بعد حضرت حسان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ ان کا جواب دیں، چنانچہ وہ اٹھے اور اشعار کے ذریعہ یوں جواب دیا:

بَنِيْ دَارِمَ لَا تَفْخَرُوْا اِنَّ فَخْرَكُمْ ... يَعُوْدُ وَ بَالاً عِنْدَ ذِكْرِ الْمَكَارِمِ

(۱) الاصابة فی تمییز الصحابة ۵۵/۲، حرف الحاء۔

هَبَلْتُمْ عَلَيْنَا تَفْخَرُوْنَ وَأَنْتُمْ لَنَا خَوَلٌ مَا بَيْنَ قِنٍّ وَ خَادِمٍ

ترجمہ: ا۔اے دارم کی اولاد! تم فخر نہ کرو، تمہارا فخر وبال بن کر لوٹے گا محاسن کے ذکر کے وقت۔

۲۔تم ہم پر بلندی کا فخر کر رہے ہو، حالانکہ تم تو ہمارے غلام اور خدام ہو۔(۱)

دونوں مقابلوں میں مسلمانوں کو غلبہ اور برتری حاصل ہوئی، اس حقیقت کو دیکھ کر سب سے پہلے ان کے شاعر: اقرع بن حابس نے اسلام قبول کرلیا۔

ایک اور موقع پر حضرت حسان نے نبی کریم ﷺ کی تعریف میں یہ اشعار کہے ہیں:

هَجَوْتَ مُحَمَّدًا وَأَجَبْتُ عَنْهُ وَ عِنْدَ اللهِ فِيْ ذٰلِكَ الْجَزَاءُ

هَجَوْتَ مُطَهَّرًا بَرًّا حَنِيْفًا آمِيْنَ اللهِ شِيْمَتُهُ الْوَفَاءُ

أَتَهْجُوْهُ لَسْتَ لَهُ بِكُفْوٍ فَشَرُّ كُمَا لِخَيْرِكُمَا الْفِدَاءُ

فَاِنَّ أَبِيْ وَوَالِدَهُ وَعِرْضِيْ لِعِرْضِ مُحَمَّدٍ مِنْكُمْ وِقَاءُ

ترجمہ: ا۔تم نے محمد ﷺ کی ہجو اور برائی کی اور میں نے اس کا جواب دیا، اللہ تعالیٰ کے ہاں اس میں جزاء اور بدلہ ہے۔

۲۔تم نے ایسے شخص کی ہجو کی ہے، جو ہر لحاظ سے پاک، نیکوکار، یکسوئی سے عبادت کرنے والا اور اللہ کا امین ہے، جس کی فطرت اور خصلت میں وفا ہے۔

۳۔کیا تم اس رسول کی ہجو کرتے ہو، حالانکہ تم اس کے برابر کے نہیں، تمہارا شر تمہاری خیر کے لیے قربان ہو۔

۴۔یقیناً میرے آباء واجداد اور میری عزت وآبرو، محمد ﷺ کی عزت وآبرو کو تم سے بچانے کے لیے ہے۔(۲)

غرض یہ کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں عرب میں شعر وشاعری کا بڑا چرچا تھا، ہر شاعر اپنے حسب ونسب، اپنے خاندان کے فضل وکمال اور شرافت کو اشعار میں بیان کرتا، انسان تو کیا، جانوروں کے نسب اور ان کی جسمانی ساخت کو بڑے ادیبانہ انداز میں بیان کیا جاتا، اس کے لیے مشاعرے کی مجلسیں لگتیں، آپس میں مقابلے کیے جاتے، اور شعر کی زبان ان کے دلوں پر بڑا اثر کرتی، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مسلمان شاعر کے اشعار کفار کو تلوار وتیر کے زخم سے کہیں زیادہ سخت لگتے ہیں، اس کو آپ ﷺ نے زبان کا جہاد قرار دیا ہے، اس لیے نبی کریم ﷺ کبھی کبھار حضرت حسان ؓ سے مسجد نبوی میں شعر سنا کرتے، جس میں نبی کریم ﷺ، اسلام اور مسلمانوں کا دفاع اور ان کی عظمت وبرتری کا تذکرہ ہوتا، آپ ﷺ نے حضرت حسان کو شاعر اسلام قرار دیا ہے۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱/۵۷۔

(۲) الشمائل المحمدیۃ للترمذی، تعلیق واشراف: عزت عبید الدعاس (ص:۱۱۹)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شرعی حدود میں رہتے ہوئے مسجد میں اچھے اشعار کو پڑھا اور سنا جاسکتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ ان کا مفہوم درست ہو، شریعت کے خلاف امور پر مشتمل نہ ہوں۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي كَلَامِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي السَّمَرِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں رات کی قصہ گوئی سے متعلق رسول اللہ ﷺ کے کلام کا ذکر ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: حَدَّثَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَيْلَةٍ نِسَاءَهُ حَدِيثًا، فَقَالَتِ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ: كَأَنَّ الْحَدِيثَ حَدِيثُ خُرَافَةَ، فَقَالَ: أَتَدْرُونَ مَا خُرَافَةُ؟ إِنَّ خُرَافَةَ كَانَ رَجُلًا مِنْ عُذْرَةَ، أَسَرَتْهُ الْجِنُّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، فَمَكَثَ فِيهِمْ دَهْرًا، ثُمَّ رَدُّوهُ إِلَى الْإِنْسِ، فَكَانَ يُحَدِّثُ النَّاسَ بِمَا رَأَى فِيهِمْ مِنَ الْأَعَاجِيبِ، فَقَالَ النَّاسُ: حَدِيثُ خُرَافَةَ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک رات نبی کریم ﷺ نے اپنی خواتین یعنی ازواج مطہرات کو ایک قصہ سنایا، ان میں سے ایک عورت نے کہا: یہ قصہ (حیرت اور تعجب میں) گویا خرافہ جیسا قصہ ہے، (عرب میں خرافہ کے قصے ضرب المثل تھے) حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: جانتی بھی ہو خرافہ کا اصل قصہ کیا تھا؟ ''خرافہ'' قبیلہ عذرہ کا ایک آدمی تھا، زمانۂ جاہلیت میں اسے جنات نے قید کرلیا تھا (یعنی اسے پکڑ کر لے گئے تھے) وہ جنات کے پاس ایک طویل زمانے تک ٹھہرا رہا، پھر وہ اس کو انسانوں میں واپس چھوڑ گئے، پھر خرافہ لوگوں کے سامنے وہ حیرت انگیز چیزیں بیان کرتا، جو اس نے جنات میں دیکھی تھیں، اس کے بعد سے لوگ ہر تعجب میں ڈالنے والے قصہ کو ''حدیث خرافہ'' کہنے لگے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** سمر: (سین پر زبر اور میم پر سکون اور زبر دونوں پڑھ سکتے ہیں): رات کی گفتگو، رات کے قصے کہانیاں، اصل میں ''سمر'' چاند کی روشنی کو کہتے ہیں جس میں بیٹھ کر لوگ قصے کہانیاں سنتے اور سناتے تھے، پھر ان باتوں اور قصوں کو ہی سمر کہا جانے لگا، اور رات کے قصہ گو کو ''سمیر'' کہا جاتا ہے۔ **أسرته الجن:** خرافہ کو جنات نے قید کرلیا، یعنی اسے پکڑ کر اپنے ساتھ لے گئے، **فمکث فیھم:** خرافہ جنات میں رہے، **دھرا:** ایک طویل عرصہ، **ثم ردوہ:** پھر جنات اس کو واپس لوٹا گئے، واپس چھوڑ گئے، **الاعاجیب:** اعجوبۃ کی جمع ہے، حیرت انگیز چیزیں، تعجب میں ڈالنے والے قصے اور باتیں، **فقال الناس: حدیث خرافۃ:** اس کے بعد لوگ ہر تعجب میں ڈالنے والی بات کو ''حدیث خرافہ'' کہنے لگے۔ **أتدرون:** کیا تم جانتی ہو، یہاں پر نبی کریم ﷺ نے مذکر صیغہ استعمال فرمایا، حالانکہ آپ ﷺ کی گفتگو ازواج مطہرات سے ہو رہی تھی، اس لحاظ سے مؤنث صیغہ ہونا چاہیے تھا؟ اس کی دو وجہیں ہوسکتی ہیں: ۱۔ ازواج مطہرات گو کہ خواتین ہیں، مگر ان کی عقل چونکہ مردوں کی طرح کامل تھی، اس لیے مذکر صیغہ لایا

---

(۱) المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۴۱۵) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۵۶۔

گیا۔ ۲۔ یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس مجلس میں کچھ محرم مرد بھی ہوں، ان کے لحاظ سے آپ ﷺ نے مذکر لفظ استعمال فرمایا، اور بعض نسخوں میں تو أتدرین ہے، اس صورت میں کوئی اشکال نہیں۔ (۱)

## ''خرافہ'' قبیلہ عذرہ کا ایک شخص تھا

نبی کریم ﷺ کبھی رات کو اپنے اہل خانہ کے سامنے کوئی دلچسپ قصہ اور کہانی بیان فرمایا کرتے، ایک مرتبہ آپ ﷺ نے اپنی ازواج کے سامنے ایک قصہ بیان کیا تو ان میں سے ایک عورت نے کہا: یہ قصہ حیرت اور تعجب کے لحاظ سے بالکل خرافہ کے قصہ جیسا ہے، عرب میں خرافہ کے قصے ضرب المثل تھے، نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا: تم جانتی بھی ہو کہ خرافہ کا اصل قصہ کیا تھا؟ خرافہ یمن کے قبیلہ عذرہ کا ایک شخص تھا، زمانہ جاہلیت میں جنات اسے پکڑ کر لے گئے، ایک طویل عرصہ اسے انہوں نے اپنے پاس رکھا، اس دوران وہ ان میں انتہائی عجیب قسم کی چیزیں دیکھتا رہا، پھر جنات اسے انسانوں میں واپس چھوڑ گئے، اب یہ لوگوں کو وہاں کے قصے کہانیاں سناتا، جو انتہائی حیرت انگیز اور تعجب میں ڈالنے والے ہوتے، لوگ ان کی تکذیب کرتے، حالانکہ خرافہ جھوٹ نہیں بول رہا ہوتا تھا، وہ سچ ہی بتا رہا ہوتا، یہ قصے چونکہ عجیب وغریب قسم کے تھے، اس لیے پھر عرب میں جو بھی کوئی حیرت انگیز بات ہوتی یا کوئی واقعہ پیش آتا تو یوں کہہ دیا جاتا کہ یہ تو خرافہ کے قصہ کی طرح عجیب وغریب ہے، خرافہ کے قصے عرب میں ضرب المثل تھے۔

حضرت شیخ الحدیث رحمہ اللہ خصائل نبوی میں لکھتے ہیں: ممکن ہے کہ اس شخص کا نام کچھ اور ہو، اس کے قصوں کو لوگ جھوٹ اور من گھڑت سمجھتے تھے، اس لیے وہ شخص خرافہ سے مشہور ہوگیا۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ کسی نے بھی خرافہ کو صحابہ میں ذکر نہیں کیا، میں نے مفضل الضبی کی ''کتاب الامثال'' میں حضرت عائشہ کی ایک حدیث پڑھی، اس سے خرافہ کا صحابی ہونا معلوم ہوتا ہے، وہ حدیث یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ نے نبی کریم ﷺ سے خرافہ کا قصہ دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ خرافہ پر رحم فرمائے، وہ ایک نیک آدمی تھا، اس نے خود مجھے اپنا یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک رات وہ کسی ضرورت کی وجہ سے گھر سے باہر نکلا تو اس کو تین جنات ملے، انہوں نے اس کو قید کر لیا، پھر آپس میں وہ مشورہ کرنے لگے کہ اس کے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے؟ ایک جن نے کہا: اس کو معاف کردو، دوسرے نے کہا: اس کو قتل کردینا چاہیے، تیسرے نے کہا: ہم اس کو اپنا غلام بنالیں گے، اتنے میں وہاں سے ایک اور شخص گذرا... اس کے بعد ایک طویل قصہ ہے۔ (۲)

زمانہ اسلام سے پہلے جاہلی دور میں جنات کا بہت غلبہ تھا، وہ لوگوں کو بہت تنگ کرتے، ستاتے، اپنے ساتھ لے جاتے،

---

(۱) للمواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۴۲۳)
(۲) الاصابة ۲/۲۳۲؛ حرف الخاء، رقم الترجمة: ۲۲۴۲

ان سے باتیں کرتے، اور خواتین کے ساتھ جماع بھی کرتے، خرافہ کا قصہ بھی زمانہ جاہلیت میں پیش آیا تھا، مگر جب اسلام کا سورج طلوع ہوا تو جنات کا زور ٹوٹ گیا، اب وہ دنیا میں موجود ضرور ہیں، مگر اس طرح کا اب ان کا راج نہیں، جیسا کہ اسلام سے پہلے تھا۔

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ عشاء کی نماز کے بعد اپنے اہل وعیال کے ساتھ ان کی خوش طبعی کے لیے کوئی بات کی جاسکتی ہے جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ازواج کے ساتھ اس وقت میں گفتگو فرمایا کرتے تھے، اس وقت میں وہ کلام ممنوع ہے جو محض دنیا سے متعلق ہو، لایعنی، فضول اور بے مقصد گفتگو ہو، لیکن اگر کسی دینی مسئلے پر بات چیت ہو یا اسباق کا تکرار ومطالعہ ہو، یا کوئی وعظ ونصیحت کا بیان ہو تو وہ عشاء کے بعد بھی کیا جاسکتا ہے بشرطیکہ اس میں اس قدر مشغولیت نہ ہو کہ جس سے فجر کی جماعت رہ جائے یا یہ کہ نماز فجر ہی قضا ہو جائے۔

۲۔ تفریح طبع کے لیے زمانہ جاہلیت کے قصے اور کہانیوں کا بھی تذکرہ کیا جاسکتا ہے، تا کہ ان سے عبرت حاصل کر کے اسلام کی نعمت پر شکر ادا کیا جائے۔(۱)

## حَدِيثُ أُمِّ زَرْعٍ

ام زرع کی حدیث

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: جَلَسَتْ إِحْدَى عَشْرَةَ امْرَأَةً، فَتَعَاهَدْنَ، وَتَعَاقَدْنَ أَنْ لَا يَكْتُمْنَ مِنْ أَخْبَارِ أَزْوَاجِهِنَّ شَيْئًا،

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) گیارہ عورتیں (ایک جگہ پر) بیٹھیں، انہوں نے اس میں ایک معاہدہ اور عہد و پیمان کیا کہ اپنے شوہروں کی خبروں (یعنی ان کے احوال) میں سے کچھ بھی نہیں چھپائیں گی۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** تعاهدن: ان خواتین نے آپس میں معاہدہ کیا، تعاقدن: انہوں نے عہد و پیمان کیا، الا یکتمن: کہ وہ نہیں چھپائیں گی، اخبار: خبر کی جمع ہے، خبریں۔

## حدیث ام زرع کا پس منظر

اس حدیث کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ اپنے والد کے اس مال پر فخر کرنے لگیں، جو زمانہ جاہلیت میں ان کے پاس تھا، تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اُسکُتِي يَا عَائِشَةُ فَإِنِّي كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ (عائشہ: چپ ہو جا، میں بھی تیرے لیے ایسا ہی ہوں جیسا کہ ابو زرع ام زرع کے واسطے تھا) حضرت عائشہؓ نے دریافت کیا یا رسول اللہ: حدیث ام

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۵۸/۲

زرع اور ابوزرع کیا ہے؟ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ تفصیلی حدیث ارشاد فرمائی۔

زبیر بن بکار کی روایت میں ہے کہ یہ گیارہ عورتیں یمن کی ایک بستی میں رہتی تھیں، اور یمنی قبائل سے ان کا تعلق تھا، اور ہیثم کی روایت میں ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں تھیں، ان گیارہ عورتوں کے نام صحیح روایات سے ثابت نہیں، اگرچہ بعض روایات میں ان میں سے بعض کا نام منقول ہے، لہٰذا جس کا نام کسی حدیث میں منقول ہے، اس کو لکھ دیا ہے۔

ان کے شوہر اپنی اپنی ضروریات کے لیے کہیں گئے ہوئے تھے، یہ فارغ تھیں، تفریح طبع کے طور پر ان خواتین نے یہ گفتگو کی، اور یہ معاہدہ کیا کہ ہر عورت اپنے خاوند کا صحیح صحیح حال بیان کرے گی۔(۱)

حدیث ام زرع میں مشکل الفاظ بہت زیادہ ہیں، اس لیے کئی علماء نے اس حدیث کی مستقل شروح لکھی ہیں، چنانچہ امام بخاری رحمہ اللہ کے استاذ اسماعیل بن ابی اویس، ابوسعید نیشاپوری، ابن قتیبہ، زبیر بن بکار، قاضی عیاض، قاضی ابوبکر بن عربی، ابن فرحون اور مولانا فیض الحسن نے اس حدیث کی مستقل شروح لکھی ہیں۔(۲)

فَقَالَتِ الْأُولَى: زَوْجِي لَحْمُ جَمَلٍ، غَثٌّ، عَلَى رَأْسِ جَبَلٍ، وَعْرٍ، لَا سَهْلٌ، فَيُرْتَقَى، وَلَا سَمِينٌ، فَيُنْتَقَلُ.

پہلی عورت نے کہا: میرا شوہر کمزور اونٹ کا ایسا گوشت ہے، جو سخت دشوار گذار پہاڑ کی چوٹی پر رکھا ہو، (اس چوٹی کا) نہ راستہ آسان ہے کہ اس پر چڑھا جائے، اور نہ وہ گوشت ایسا موٹا تازہ ہے کہ اس سے گودا نکالا جائے (یا اس کو کھانے کے لیے اختیار کیا جائے)

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ غث: کمزور، لاغر، دبلا، اس پر اگر زیر پڑھیں تو یہ جمل کی صفت ہوگی یعنی کمزور اور لاغر اونٹ، اور اگر اس پر پیش پڑھا جائے تو یہ "لحم" کی صفت ہوگی معنیٰ ہوں گے: اونٹ کا کمزور گوشت، وعر: (واؤ پر زبر اور عین ساکن) سخت دشوار گذار، خوفناک جگہ، لا سهل: راستہ آسان نہیں، فيرتقى: (صیغہ مجہول) کہ اس پر چڑھا جائے، و لا سمين: موٹا نہیں، فينتقى: (صیغہ مجہول) اس کے دو ترجمے ہیں: ۱۔ کہ اس گوشت سے گودا اور مغز نکالا جائے، ۲۔ کہ اس کو کھانے کے لیے چنا اور پسند کیا جائے، بعض نسخوں میں فينتقل ہے: کہ اس گوشت کو منتقل کیا جائے۔ لا سهل و لا سمين کو ترکیبی لحاظ سے تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے: ۱۔ زبر: اس صورت میں یہ لانفی جنس کے لیے ہوگا۔ ۲۔ زیر: اس صورت میں یہ جمل کی صفت ہوگا، ۳۔ پیش: یہ لا اس صورت میں "لیس" کے معنیٰ میں ہوگا۔

## پہلی عورت کا شوہر متکبر اور بیکار ہے

پہلی عورت نے اپنے شوہر کی مذمت بیان کی ہے اور اس کی دو اخلاقی برائیوں کا ذکر کیا ہے:

(۱) فتح الباری ۳۱۹/۹، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرة مع الاهل، رقم الحدیث: ۵۱۸۹، ارشاد الساری ۳۶۴/۱۱

(۲) الابواب والتراجم ۷۳/۲

۞ وہ ایک ناکارہ اور بے کار آدمی ہے، جس سے کسی کو مالی اور جانی نفع نہیں پہنچ پاتا، اس کی مثال ایسی ہے جیسے دبلے اونٹ کا گوشت ہو، اول تو اونٹ کا گوشت بکرے کے گوشت کی طرح پسندیدہ اور قابل رغبت نہیں ہوتا، اور پھر وہ بھی ناکارہ اور لاغر اونٹ کا ہو تو اس کی طرف تو کسی کی رغبت نہیں ہوتی، مقصد یہ ہے کہ یہ بیکار محض ہے، اس سے خلق خدا کو کوئی فائدہ نہیں، اس کے بخل اور کنجوسی کو لاغر اونٹ کے گوشت کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔(۱)

۞ وہ اتنا متکبر اور سخت مزاج ہے کہ اس تک رسائی بھی مشکل ہے، جس طرح اس پہاڑ کی چوٹی پر چڑھنا مشکل ہے، اور تکلیف برداشت کر کے اس سے ملاقات کا کوئی فائدہ بھی نہیں، کیونکہ وہ بے فائدہ آدمی ہے، اس سے کسی بھی قسم کے نفع کی کوئی امید نہیں، کسی مرض کا علاج نہیں، وہ اپنی بیوی بچوں کو بھی کوئی فائدہ نہیں پہنچاتا، جس طرح پہاڑ پر چڑھنے کی تکلیف برداشت کرنے کا کوئی فائدہ نہیں، کیونکہ وہ گوشت بے کار ہے، ایک دبلے اور لاغر اونٹ کا گوشت ہے، گویا اس کی بداخلاقی اور متکبرانہ طبیعت کو پہاڑ کی چوٹی کے ساتھ تشبیہ دی گئی ہے۔(۲)

قَالَتِ الثَّانِيَةُ: زَوْجِي لاَ أَبُثُّ خَبَرَهُ، إِنِّي أَخَافُ أَنْ لاَ أَذَرَهُ، إِنْ أَذْكُرْهُ أَذْكُرْ عُجَرَهُ وَبُجَرَهُ.

ترجمہ: دوسری عورت نے کہا: میں اپنے شوہر کی خبر نہیں پھیلا سکتی، میں ڈرتی ہوں کہ اس کو چھوڑ نہ بیٹھوں (یا یہ ترجمہ: اگر میں نے شوہر کی خرابیوں کو بیان کرنا شروع کیا تو مجھے ڈر ہے کہ میں انہیں پورا نہ کر سکوں اور درمیان میں ہی انہیں چھوڑنا پڑے گا) اگر میں شوہر کی خبر ذکر کروں گی تو اس کے تمام ظاہری اور باطنی عیوب ذکر کروں گی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لا ابث: (صیغہ متکلم) میں پھیلا نہیں سکتی، میں ظاہر نہیں کر سکتی، لا أذرہ: اس کے دو ترجمے ہیں: ۱۔ میں اس شوہر کو چھوڑ نہ بیٹھوں، اس کو گنوا نہ دوں، اس صورت میں "ہ" ضمیر زوج کی طرف لوٹے گی، ۲۔ میں اس خبر کو طویل اور کثرت کی وجہ سے چھوڑ نہ دوں، اسے مکمل نہ کر سکوں کیونکہ اس کے عیوب بہت زیادہ ہیں، اس صورت میں "ہ" ضمیر خبر کی طرف راجع ہوگی، عجرہ: (عین پر پیش اور جیم پر زبر) یہ عُجْرَۃ کی جمع ہے، عجرۃ اس گرہ کو کہتے ہیں، جو رگ پر رگ چڑھ جانے کی وجہ سے گلے میں پیدا ہو جاتی ہے، بدن کا موٹا حصہ، اس سے اس کے شوہر کے ظاہری عیوب مراد ہیں، بجرہ: (با پر پیش اور جیم پر زبر) بجرۃ کی جمع ہے، یہ اس گرہ کو کہتے ہیں، جو پیٹ یا ناف کے اوپر پیدا ہو جاتی ہے، اس سے اس کے باطنی عیب مراد ہیں۔

## دوسری عورت کا شوہر سراپا عیب ہے

دوسری عورت کا نام عمرہ بنت عمرو تمیمی لکھا ہے، یہ بھی اپنے شوہر کی مذمت بیان کر رہی ہے، اس کلام سے اس کا مقصود یہ ہے کہ میرا شوہر سراپا عیب ہے، اس کے عیوب بیان کرنے کی میرے اندر ہمت نہیں، اندیشہ ہے کہ مجھے درمیان میں ہی ان کو چھوڑنا

(۱) تکملة فتح الملهم ۱۶۱/۵ كتاب فضائل الصحابة، باب ذكر حديث أم زرع، رقم الحديث: ۶۲۶۱۔
(۲) تکملة فتح الملهم ۱۶۱/۵، كتاب فضائل الصحابة

پڑے گا، کیونکہ اگر میں ان کو بیان کروں، تو سب ہی عیب بیان کرنے ہوں گے، خواہ وہ ظاہری عیب ہوں، یا باطنی عیب ہوں، اور بیان کرنے میں اس بات کا بھی خطرہ ہے کہ اگر میرے شوہر کو ان باتوں کا پتہ چل گیا، تو وہ مجھے طلاق نہ دے دے، جبکہ میں طلاق نہیں چاہتی، مجھے اپنے بچوں کی فکر ہے، بس میں اس سب کے باوجود اسی گھر میں گزارا کروں گی، اپنے غم اور پریشانیوں کو اللہ جل جلالہ کے سپرد کرتی ہوں۔

ان اخاف ان لا اذرہ اس سے کیا مراد ہے؟ اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

۱۔ میں اپنے شوہر کی کوئی بات ظاہر نہیں کرسکتی، کیونکہ اگر میں نے اس کے عیب بیان کیے، تو ایسا نہ ہو کہ میرا دل اس سے اچاٹ ہو جائے اور میں اس سے الگ ہو جاؤں یا یہ کہ میری ان باتوں کا اگر میرے شوہر کو پتہ چل گیا، تو خطرہ ہے کہ وہ مجھے طلاق دے دے گا، جبکہ میں طلاق نہیں چاہتی، اس صورت میں لا اذرہ میں ''لا'' زائد ہوگا۔

۲۔ میرے شوہر کی خرابیاں اتنی ہیں کہ اگر میں نے ان کو بیان کرنا شروع کیا تو مجھے ڈر ہے کہ میں ان کو پورا بیان نہ کرسکوں گی، انہیں درمیان میں ہی ادھورا چھوڑنا پڑے گا، کیونکہ اس کی کوئی ایک خرابی تو ہے نہیں، ان کی ایک طویل داستان ہے، اس صورت میں لا اذرہ میں ''لا'' زائد نہیں ہوگا، اور ''ہ'' ضمیر ''خبر'' کی طرف لوٹے گی۔(۱)

قَالَتِ الثَّالِثَةُ: زَوْجِي الْعَشَنَّقُ، إِنْ أَنْطِقْ أُطَلَّقْ، وَإِنْ أَسْكُتْ أُعَلَّقْ.

ترجمہ: تیسری عورت نے کہا: میرا شوہر لمبا تڑنگا، لم ڈھینگ (یعنی بے تکا لمبا) ہے، اگر میں بولوں تو مجھے طلاق دے دی جائے، اور اگر خاموش رہوں (کچھ بھی نہ مانگوں) تو لٹکا دی جاؤں (یعنی خود سے کوئی چیز وہ نہیں دیتا)

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** العشنق: (عین اور شین پر زبر، نون پر زبر اور تشدید) لم ڈھینگ یعنی حد سے زیادہ لمبا آدمی، بے ڈھنگا لمبا، اطلق: (تطلیق سے صیغہ مجہول) مجھے طلاق دے دی جائے، اعلق: (تعلیق سے صیغہ مجہول) مجھے لٹکا دیا جائے، یعنی میں ادھر لٹکی رہوں گی، وہ مانگنے کے بغیر کچھ نہیں دیتا۔

## تیسری عورت کا لمبا تڑنگا شوہر

تیسری عورت کا نام حبی بنت کعب یمانی ہے، اس نے بھی اپنے شوہر کی برائی کی ہے کہ میرا شوہر حد سے کہیں زیادہ لمبا ہے، لم ڈھینگ ہے، اس قسم کا آدمی عموماً بیوقوف ہوتا ہے، اور حد سے زیادہ لمبا ہونے کی وجہ سے بدنما بھی ہوتا ہے، کہنے کا مقصد یہ ہے کہ میرا شوہر بیوقوف و بدنما ہے اور بداخلاق بھی ہے اور بدخلق اس قدر ہے کہ میں اس کے سامنے کوئی بات نہیں کرسکتی، اگر میں زبان سے کچھ بولوں کہ مجھے یہ چیز دی جائے تو طلاق ملنے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے اور میں بچوں کی وجہ سے طلاق نہیں چاہتی، اگر چپ رہوں، کوئی بات نہ کروں تو خود سے اسے کسی بات کی پرواہ ہی نہیں ہے، بس میں یوں ہی ادھر درمیان میں لٹکی رہتی ہوں، نہ شوہر

(۱) فتح الباری ۲۳۲/۹، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرۃ مع الأھل، رقم الحدیث: ۵۱۸۹۔

والیوں میں شمار کہ شوہروں جیسی کوئی بات ہی نہیں، اور نہ ہی بغیر شوہر والیوں میں کہ کسی دوسری جگہ شادی کرسکوں، کیونکہ ظاہری طور پر میری نسبت اس کے ساتھ ہے۔(۱)

قَالَتِ الرَّابِعَةُ: زَوْجِي كَلَيْلِ تِهَامَةَ، لاَحَرٌّ وَلاَقُرٌّ، وَلاَمَخَافَةَ وَلاَسَآمَةَ.

ترجمہ: چوتھی عورت نے کہا: میرا شوہر تہامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے، نہ زیادہ گرم نہ بہت ٹھنڈا، نہ اس سے کسی قسم کا خوف وخطرہ ہے اور نہ اکتاہٹ۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔** **كليل تهامة:** تہامہ کی رات کی طرح معتدل مزاج ہے، **تهامه:** مکہ مکرمہ اور اس کے گردونواح کو کہتے ہیں، وہاں کی رات ہمیشہ معتدل رہتی ہے، خواہ دن میں کتنی ہی شدید گرمی ہو، **حر:** گرم، **قر:** ٹھنڈا، **سامة:** اکتاہٹ۔

## چوتھی کا شوہر معتدل مزاج

چوتھی عورت کا نام مہدد بنت ابی ہرومہ ہے، اس عورت نے اپنے شوہر کی تعریف کی ہے، کہ وہ انتہائی معتدل مزاج اور نرم خو ہے، نہ زیادہ چاپلوسی کرتا ہے اور نہ بیزار رہتا ہے، اس سے بات کرنے یا کسی چیز کا مطالبہ کرنے میں انسان کو کوئی خوف نہیں ہوتا اور نہ ہی اس سے اکتاہٹ محسوس ہوتی ہے، اس کے پاس بیٹھ کر دل کو تازگی اور قلب کو سرور حاصل ہوتا ہے، اس کا مزاج تہامہ کی رات کی طرح معتدل ہے، وہاں کی رات شدید گرم موسم میں بھی معتدل رہتی ہے، اس پر جتنے سخت حالات آجائیں، اس سے یہ متاثر اور مغلوب نہیں ہوتا، حسب سابق اس کا مزاج معتدل ہی رہتا ہے۔(۲)

قَالَتِ الْخَامِسَةُ: زَوْجِي إِنْ دَخَلَ فَهِدَ، وَإِنْ خَرَجَ أَسِدَ، وَلاَيَسْأَلُ عَمَّا عَهِدَ.

ترجمہ: پانچویں عورت نے کہا: میرا شوہر جب گھر میں آتا ہے تو چیتا بن جاتا ہے، اور جب باہر جاتا ہے تو شیر بن جاتا ہے، اور ان چیزوں کے بارے میں کچھ نہیں پوچھتا، جن کی اس نے ہمیں ذمہ داری سونپی ہے (یعنی گھریلو اخراجات کی چھان بین نہیں کرتا)

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔** **فهد:** (فاء پر زبر اور ہاء کے نیچے زیر) وہ چیتا بن جاتا ہے۔ **أسد:** (ہمزے پر زبر اور سین کے نیچے زیر) شیر بن جاتا ہے، **عما عهد:** ان چیزوں کے بارے میں جن کی اس نے ذمہ داری سونپی ہے یعنی جو اس نے گھر کا خرچہ دیا ہوتا ہے، اس کی چھان بین نہیں کرتا کہ اس کو تم لوگوں نے کہاں کہاں خرچ کیا ہے۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۱، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۴۲۸)۔

(۲) تكملة فتح الملهم ۵/۱۶۳، كتاب فضائل الصحابة، باب ذكر حديث أم زرع۔

# پانچویں کا شوہر گھر کے امور میں دخل اندازی نہ کرتا

اس عورت کا نام "کبشہ" ہے، اس نے اس کلام سے اپنے شوہر کی مذمت کی ہے یا تعریف، اس میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

- اگر اس سے مذمت مراد ہو تو مطلب یہ ہوگا کہ جب شوہر گھر میں آتا ہے تو گھر والوں سے کسی چیز میں کوئی تعلق نہیں رکھتا، چیتے کی طرح سویا رہتا ہے، چیتا زیادہ سونے میں مشہور ہے گھر سے باہر جاتا ہے تو لوگوں کی مصیبت آجاتی ہے، ان کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے، جیسے شیر کمزور جانوروں کے ساتھ معاملہ کرتا ہے، اور ہماری جن ضرورتوں کا اسے علم بھی ہو جاتا ہے، ان کے بارے میں بھی کوئی سوال نہیں کرتا اور گھر کے امور پر ذرا بھی توجہ نہیں دیتا۔
- صحیح یہ ہے کہ اس کلام سے وہ عورت اپنے شوہر کی تعریف کر رہی ہے، کہنا یہ چاہتی ہے کہ میرا شوہر اچھے اخلاق کا مالک ہے، گھر میں آکر چیتا بن جاتا ہے، یعنی چیتے کی طرح سو جاتا ہے، ہمارے عیوب نہیں نکالتا، ہماری باتوں میں دخل اندازی نہیں کرتا، لیکن جب گھر سے باہر نکلتا ہے تو شیر کی طرح بہادر ہوتا ہے، باہر لوگ اس سے ڈرتے ہیں، اور اگر گھر میں ہم سے کوئی کوتاہی ہو جائے اور اس کو معلوم بھی ہو تو اس کی چھان بین اور تحقیق نہیں کرتا، گھریلو اخراجات دینے کے بعد ان کے خرچ کی تفصیل کے بارے میں بالکل نہیں پوچھتا، اس سے اس کی وسیع ظرفی اور سخاوت ثابت ہوتی ہے۔(۱)

قَالَتِ السَّادِسَةُ: زَوْجِي إِنْ أَكَلَ لَفَّ، وَإِنْ شَرِبَ اشْتَفَّ، وَإِنِ اضْطَجَعَ الْتَفَّ، وَلَا يُولِجُ الْكَفَّ لِيَعْلَمَ الْبَثَّ.

ترجمہ: چھٹی عورت نے کہا: میرا شوہر اگر کھاتا ہے تو سب نمٹا دیتا ہے، اور جب پیتا ہے تو سب کچھ پی جاتا ہے، اور جب لیٹتا ہے تو (اکیلا ہی) کپڑے میں لپٹ جاتا ہے، اور (میرے کپڑوں میں) ہاتھ داخل نہیں کرتا، تاکہ وہ میری حالت اور شدید پریشانی کو جان سکے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** **لف:** (لام پر زبر اور فاء پر زبر و تشدید) سب لپیٹ لیتا ہے، ختم کر دیتا ہے، سب نمٹا دیتا ہے، **اشتف:** یہ اشتقاف باب افتعال سے ہے: وہ سب کچھ پی جاتا ہے، برتن میں جو کچھ ہو، وہ سب پی لیتا ہے، **ان اضطجع:** جب وہ لیٹتا ہے، **التف:** وہ لپٹ جاتا ہے، **لا یولج:** وہ داخل نہیں کرتا، **الکف:** ہتھیلی، ہاتھ، **البث:** حالت، شدید غم اور پریشانی، جس کو بتائے بغیر انسان نہ رہ سکے۔

---

(۱) فتح الباری ۹/۳۲۵، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرة مع الأھل۔

## چھٹی عورت کے شوہر کو بیوی بچوں اور ان کی ضروریات سے کوئی سروکار نہیں

اس عورت کا نام ہند تھا، اس عورت کے کلام کو بھی شوہر کی تعریف اور مذمت دونوں پر محمول کیا گیا ہے، مگر راجح یہ ہے کہ اس نے اپنے شوہر کی مذمت کی ہے۔

تعریف کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ جب میرا شوہر کھاتا ہے تو سب کچھ کھالیتا ہے، ان میں عیب نہیں نکالتا کہ یہ چیز کیسے بنائی ہے، بس جو بھی دال ساگ وغیرہ میسر ہو، اطمینان سے کھالیتا ہے، اور جب پیتا ہے تو ہر قسم کی چیز پی لیتا ہے، اس کے دسترخوان پر کھانے پینے کی مختلف انواع موجود رہتی ہیں، طرح طرح کے کھانے، پھل، میوہ جات اور دودھ وغیرہ سب ہی کچھ اس کے دسترخوان پر ہوتا ہے، سخی طبیعت کا مالک ہے، بخیل نہیں، سادہ طبیعت ہے، اور جس وقت وہ لیٹتا ہے تو چادر مین لپٹ کر اکیلے ہی لیٹ جاتا ہے، ہمیں تنگ اور پریشان نہیں کرتا، لڑائی جھگڑوں سے کوسوں دور رہتا ہے، دوسروں کے عیوب کی کھوج اور ٹوہ نہیں کرتا، ہماری کوتاہیوں کی جستجو میں نہیں لگتا، یہی خوشگوار زندگی کے اصول ہیں کہ انسان دوسروں کو برداشت اور ان کی غلطیوں کو حتی الامکان نظر انداز کرے۔

اور مذمت کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ کھاتا ہے تو سب کچھ خود ہی ہڑپ کر جاتا ہے، بیوی بچوں کا کوئی خیال نہیں رکھتا، اور پیتا ہے تو بھی اسی انداز میں کسی کی پرواہ کیے بغیر سب خود پی جاتا ہے، اور جب لیٹتا ہے تو اجنبیوں کی طرح اکیلا چادر میں لپٹ کر سو جاتا ہے، دل لگی اور صحبت کی طرف کوئی التفات نہیں کرتا، میرے ساتھ سونا تو در کنار، کبھی میرے بدن کو ہاتھ بھی نہیں لگاتا کہ میرے دکھ درد کی کوئی خبر لے یا میرے بدن کی گرمی سردی اور بیماری کا اسے کچھ پتہ چلے، غرض یہ کہ سب کچھ خود ہی کھا پی جاتا ہے، بیوی بچوں اور ان کی ضروریات سے کوئی سروکار اور غرض نہیں اور عربوں میں یہ بہت بڑا عیب شمار ہوتا ہے کہ ایک انسان صرف اپنی ہی فکر کرے اور بیوی کی طرف کوئی توجہ نہ کرے۔(۱)

قَالَتِ السَّابِعَةُ: زَوْجِي عَيَايَاءُ أَوْ غَيَايَاءُ، طَبَاقَاءُ، كُلُّ دَاءٍ لَهُ دَاءٌ، شَجَّكِ، أَوْ فَلَّكِ، أَوْ جَمَعَ كُلًّا لَكِ.

ترجمہ: ساتویں عورت نے کہا: میرا شوہر ہمبستری سے عاجز یعنی نامرد، یا یوں کہا: میرا شوہر گمراہ، اور اتنا بے وقوف ہے کہ بات بھی نہیں کر سکتا، (یا یہ کہ عورت کو سینے سے دبانے والا ہے) ہر عیب اس کے لیے عیب ہے (یعنی دنیا کی ہر بیماری اور عیب اس میں موجود ہے) اور (اخلاق ایسے کہ) تیرا سر پھوڑ دے یا تیرا جسم زخمی کر دے یا دونوں ہی کر گذرے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عیایاء: یہ عی سے ہے، یہ دراصل اس اونٹ کو کہتے ہیں جو جفتی پر قادر نہ ہو، اس لیے اس کے معنی عجز کے ہیں یعنی وہ شوہر جماع پر قدرت نہیں رکھتا، ہمبستری سے عاجز ہے، نامرد ہے، یا وہ گفتگو کرنے سے عاجز ہے، غیایاء: یہ غی سے

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۱۶۵/۵، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۳/۲۔

ہے، اس کے معنیٰ: گمراہی اور غلط رخ پر چلنے کے ہیں، طباقاء: اس کے مختلف معانی ہیں: ا۔احمق، بیوقوف، ۲۔وہ شخص جس کے ہونٹ بات کرتے وقت بند ہو جاتے ہوں۔ ۳۔وہ شخص جو جماع کے وقت اپنے سینہ یا پیٹ کو بیوی کے سینہ یا پیٹ سے ملائے، یہ صحبت کا غلط طریقہ ہے، یہ انداز عورت کو ناپسند ہوتا ہے کیونکہ اس طرح جماع کا اصل مقصد حاصل نہیں ہوتا، اس سے عورت کو تشفی بھی نہیں ہوتی، کل داء: ہر عیب اور بیماری، شجک: وہ تیرے سر کو پھوڑ دے، زخمی کر دے، فلک: فلّ کے معنیٰ ہیں: کند کرنا، دھار توڑنا، یہاں اس سے جسم کو زخمی کرنا مراد ہے۔

## ساتویں کا شوہر نامرد اور جلاد صفت ہے

اس عورت کا نام حبی بنت علقمہ ہے، یہ عورت اپنے شوہر کی مذمت بیان کر رہی ہے، کہ میرے شوہر میں بہت سے عیوب اور کوتاہیاں پائی جاتی ہیں، وہ صحبت سے عاجز اور نامرد ہے، گمراہ ہے، راہ راست پر نہیں، بہت بے وقوف ہے لوگوں کے سامنے بات تک نہیں کر سکتا، جماع کرنے کا صحیح طریقہ بھی اسے نہیں معلوم، غرض یہ کہ دنیا کی ہر بیماری اور ہر قسم کا عیب اس میں موجود ہے اور اس کے اخلاق ایسے ہیں کہ بیوی کے سر کو پھوڑ دیتا ہے، یا ہڈی کو توڑ کر جسم کو زخمی کر دیتا ہے، یا دونوں ہی کام کر لیتا ہے یعنی سر اور جسم دونوں کو زخموں سے چور چور کر دیتا ہے، اپنے اہل وعیال کے ساتھ اس کا انتہائی برا رویہ ہوتا ہے۔(۱)

قَالَتِ الثَّامِنَةُ: زَوْجِي الْمَسُّ مَسُّ أَرْنَبٍ، وَالرِّيحُ رِيحُ زَرْنَبٍ.

ترجمہ: آٹھویں عورت نے کہا: میرے شوہر کو چھونا ایسا ہے جیسے خرگوش کو چھونا اور اس کی خوشبو ایسی ہے جیسے خوشبودار پودے کی خوشبو ہو۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔مس ارنب: خرگوش کو چھونا، زَرنب: (زا اور نون پر زبر): ایک خوشبودار پودے کو کہتے ہیں، بعض نے اس کا ترجمہ زعفران سے کیا ہے۔

## آٹھویں کا شوہر خرگوش کی طرح نرم ونازک ہے

اس عوت کا نام ناشرہ یا یاسرہ بنت اوس ہے، یہ اپنے شوہر کی تعریف کر رہی ہے کہ وہ خرگوش کی طرح نرم ونازک ہے، نرم مزاج ہے، سخت طبیعت والا نہیں، اس کا جسم اس قدر نرم اور نازک ہے کہ اس کے ساتھ لپٹنے کو دل چاہتا ہے، ہر وقت خوشبو میں معطر رہتا ہے، صفائی اور ستھرائی کا بہت خیال رکھتا ہے، اس سے خوشبودار پودے کی طرح ہر وقت خوشبو مہکتی ہے، گویا ہر اچھی صفت اس میں موجود ہے اور اخلاق حسنہ سے آراستہ ہے، اہل وعیال کے ساتھ اس کا سلوک اور برتاؤ بہت اچھا ہے۔(۲)

---

(۱) للمواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۴۳۲)۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۶۵۔

قَالَتِ التَّاسِعَةُ: زَوْجِي رَفِيعُ الْعِمَادِ، طَوِيلُ النِّجَادِ، عَظِيمُ الرَّمَادِ، قَرِيبُ الْبَيْتِ مِنَ النَّادِ.

ترجمہ: نویں عورت نے کہا: میرا شوہر اونچے ستون والا، لمبے پر تلے والا، بہت زیادہ راکھ والا ہے، اس کا گھر مجلس کے قریب ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی: رفیع: اونچے، عماد: (عین کے نیچے زیر) ستون، اس کی جمع عُمُد ہے، رماد: (را کے نیچے زیر) راکھ، النجاد: (نون کے نیچے زیر) تلوار کا پر تلہ جس میں تلوار ڈال کر انسان اسے گلے میں لٹکا لیتا ہے، الناد: مجلس، مشورہ کی جگہ۔

## نویں عورت کا شوہر مہمان نواز اور ذی رائے ہے

اس عورت نے اپنے اس کلام میں شوہر کی بہت سی تعریفیں کی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ رفیع العماد: (بلند ستون والا) اس سے کیا مراد ہے؟ شارحین کے اس میں مختلف اقوال ہیں:

❁ اگر اس سے حقیقت میں بڑی عمارت مراد ہو تو پھر اس سے اس کی مالداری کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ بلند اور عالی شان عمارت اور کوٹھیاں صرف مالدار آدمی ہی تیار کر سکتا ہے۔

❁ بعض کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کا مکان اونچی جگہ پر بنا ہوا ہے، جیسا کہ عربوں کا یہ دستور تھا، تاکہ ضرورت مند اور مسافر حضرات دور سے اس مکان کو دیکھ لیں، اور اس شخص کے پاس پہنچ جائیں، تاکہ یہ ان کی خدمت اور خاطر مدارات کر سکے، اس سے اس کا سخی ہونا ثابت ہوتا ہے۔

❁ بعض علماء کے نزدیک اس جملے سے خاندانی شرافت اور فضیلت مراد ہے، کہ اس کا خاندان حسب ونسب کے لحاظ سے انتہائی بلند مقام اور اچھی شہرت کا حامل ہے۔

۲۔ عظیم الرماد: یہ بہت زیادہ راکھ والا ہے، یعنی بہت مہمان نواز ہے، ہر وقت اس کے گھر میں مہمانوں کا آنا جانا لگا رہتا ہے، جس کی وجہ سے ان کی ضیافت کے لیے چولہا جلتا رہتا ہے، یوں راکھ زیادہ ہو جاتی ہے، اس جملے سے اس کی سخاوت کی طرف اشارہ ہے۔

۳۔ طویل النجاد: تلوار کے لمبے پر تلے والا ہے، اس سے اس کے لمبے قد کی طرف اشارہ ہے، کیونکہ لمبا پر تلہ اس کا ہوتا ہے جس کا قد لمبا ہو، دراز قد بشرطیکہ وہ اعتدال کی حد سے زیادہ نہ ہو، مردوں میں اچھا شمار ہوتا ہے۔

۴۔ قریب البیت من الناد اس کا گھر مجلس کے قریب ہے، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

❁ اس کا گھر مجلس کی جگہ کے قریب ہے، کیونکہ وہ ایک دانا، سمجھدار، تجربہ کار اور عقلمند شخص ہے، مجلس کے قریب اس نے گھر اس لیے تعمیر کیا، تاکہ لوگ آسانی کے ساتھ اس سے استفادہ کر سکیں۔

❁ یہ شخص چونکہ بہت سخی ہے، اس نے اپنا گھر مجلس کی جگہ کے قریب اس لیے بنایا ہے، تاکہ آنے والے لوگوں کی وہ اچھی

طرح ضیافت، خدمت اور خاطر مدارات کر سکے۔(۱)

**قَالَتِ الْعَاشِرَةُ: زَوْجِي مَالِكٌ وَمَا مَالِكٌ، مَالِكٌ خَيْرٌ مِنْ ذَلِكِ، لَهُ إِبِلٌ كَثِيرَاتُ الْمَبَارِكِ، قَلِيلَاتُ الْمَسَارِحِ، إِذَا سَمِعْنَ صَوْتَ الْمِزْهَرِ، أَيْقَنَّ أَنَّهُنَّ هَوَالِكُ.**

ترجمہ: دسویں عورت نے کہا: میرا شوہر مالک ہے، بھلا مالک کی کیا تعریف کروں؟ مالک اس سے بہتر ہے، اس کے پاس اونٹ ہیں، جو اکثر اوقات باڑے کے اندر ہوتے ہیں، چراگاہوں میں چرنے کے لیے کم ہی جاتے ہیں، اور جب وہ اونٹ سارنگی اور باجہ کی آواز سنتے ہیں، تو یقین کر لیتے ہیں کہ وہ اب ذبح ہونے والے ہیں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔ المبارک:** مبرک کی جمع ہے، اونٹوں کے رہنے کی جگہ، باڑا، **کثیرات:** کثیرۃ کی جمع ہے: اکثر اوقات، **قلیلات:** قلیلۃ کی جمع ہے: بہت کم، **المسارح:** مسرح کی جمع ہے: چراگاہیں، جانوروں کے چرنے کی جگہیں، **اذا سمعن:** جب وہ اونٹ سنتے ہیں، **المزهر:** (میم کے نیچے زیر اور زا ساکن) سارنگی، باجہ، آلۂ طرب، **أيقن:** وہ اونٹ یقین کر لیتے ہیں، **الهوالك:** هالكة کی جمع ہے: ہلاک یعنی ذبح ہونے والے ہیں۔

## دسویں کے شوہر ''مالک'' ہر خوبی سے آراستہ ہیں

اس عورت کا نام کبشہ بنت مالک یا ارقم ہے، اس نے اپنے شوہر کی مخصوص انداز میں تعریف کی ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

❁ میرا شوہر مالک بہت سی خوبیوں کا مالک ہے، میں اس کی صفات بیان کرنے سے قاصر ہوں مالک خير من ذلك، مالک ان سابقہ تمام شوہروں سے جن کا تذکرہ پہلے ہوا ہے، بہتر ہے، یا جن عورتوں نے اپنے شوہروں کی تعریفات کی ہیں، مالک ان تمام سے بہتر ہے، یا میں جو تعریفیں اس کی آگے ذکر کر رہی ہوں، مالک ان سے کہیں زیادہ اچھا ہے۔

❁ مالک بہت سخی اور فیاض انسان ہے، اس نے بہت سے اونٹ مہمانوں کی ضیافت کے لیے رکھے ہیں، ان کو وہ اکثر اوقات گھر میں ہی پالتا ہے، ادھر ہی چارہ کھلاتا ہے، تاکہ جیسے ہی مہمانوں کی ضیافت میں ان کی ضرورت پڑے، تو فوراً ان کو ذبح کر دیا جائے، چراگاہ سے ان کی واپسی کا انتظار نہیں کرنا پڑے گا اور بہت کم ان کو وہ چراگاہ میں بھیجتا ہے۔

عربوں میں یہ دستور تھا کہ جب ان کے پاس مہمان آتے تو ساز باجہ، گانے، موسیقی اور شراب سے ان کا استقبال کیا جاتا، اور جب وہ اونٹ سارنگی اور باجہ کی آواز سن لیتے، تو سمجھ جاتے کہ اب ہمیں عنقریب مہمانوں کے اکرام میں ذبح کر دیا جائے گا۔(۲)

**قَالَتِ الْحَادِيَةَ عَشْرَةَ: زَوْجِي أَبُو زَرْعٍ، وَمَا أَبُو زَرْعٍ؟ أَنَاسَ مِنْ حُلِيٍّ أُذُنَيَّ، وَمَلَأَ مِنْ شَحْمٍ عَضُدَيَّ،**

(۱) فتح الباری ۳۳۰/۹، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرۃ مع الأهل۔
(۲) تکملۃ فتح الملہم ۱۶۸/۵، کتاب فضائل الصحابۃ، باب ذکر حدیث أم زرع۔

وَبَجَّحَنِي فَبَجِحَتْ إِلَيَّ نَفْسِي، وَجَدَنِي فِي أَهْلِ غُنَيْمَةٍ بِشِقٍّ، فَجَعَلَنِي فِي أَهْلِ صَهِيلٍ وَأَطِيطٍ وَدَائِسٍ وَمُنَقٍّ، فَعِنْدَهُ أَقُولُ فَلا أُقَبَّحُ، وَأَرْقُدُ فَأَتَصَبَّحُ، وَأَشْرَبُ فَأَتَقَمَّحُ۔

ترجمہ: گیارہویں عورت نے کہا: میرا شوہر ابوزرع ہے، اور ابوزرع کا کیا کہنا، (یعنی میں اس کی کیا تعریف کروں) اس نے زیورات سے میرے کانوں کو ہلا دیا (یعنی زیورات پہنائے) اور چربی سے میرے بازوؤں کو بھر دیا، اور اس نے میری (اس قدر) تعظیم کی کہ میرا نفس مجھے عظیم لگنے لگا (یا یہ ترجمہ: اس نے مجھے اس قدر خوش کیا کہ میں اپنے آپ کو بھلی اور اچھی لگنے لگی) اس نے مجھے ایک ایسے گھرانے میں پایا، جو بڑی تنگی کے ساتھ چند بکریوں پر گذر بسر کرتا، پھر وہ مجھے ایسے (خوشحال) گھرانے میں لایا، جو گھوڑوں کی ہنہناہٹ والا، اونٹوں کی آواز والا، بیل اور کسان والا تھا، (اس کے اتنے اچھے اخلاق ہیں کہ) میں اس کے پاس (کوئی بات) کہتی ہوں، تو مجھے برا نہیں کہا جاتا (یعنی میری کسی بات پر ناگواری کا اظہار نہیں کرتا) سوتی ہوں تو صبح تک سوتی رہتی ہوں، اور پیتی ہوں تو اطمینان سے خوب سیر ہو کر باقی پانی چھوڑ دیتی ہوں (کیونکہ وہ بہت زیادہ ہوتا ہے)

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ أناس: اس نے ہلا دیا، متحرک کر دیا، ان کو زیورات کے بوجھ سے جھکا دیا، حلي: (حا پر پیش، لام کے نیچے زیر اور یا پر تشدید) حلية کی جمع ہے: زیورات، وہ چیز جس سے زیب وزینت کی جائے، اذني: اذن کا تثنیہ ہے، یا ضمیر متکلم کی طرف اس کی اضافت ہے: میرے دونوں کان، ملأ: بھر دیا، شحم: (شین پر زبر اور حاء ساکن) چربی، عضدي: (عین پر زبر اور ضاد پر پیش) عضد کا تثنیہ ہے، یا ضمیر متکلم کی طرف اس کی اضافت ہے: میرے دونوں بازو، بجحني: باب تفعیل سے ہے: اس نے مجھے خوش کیا، اس نے میری تعظیم کی، بجحت: (باب فتح اور سمع سے) میرا نفس خوش ہو گیا، میں اپنے آپ کو اچھی اور بھلی لگنے لگی، اهل غنيمة: (غین پر پیش، نون پر زبر اور یا ساکن) غنم کی تصغیر ہے: تھوڑی بکریوں والے، شق: (شین پر زبر کے ساتھ) اس میں تین امکان ہیں: ۱۔ یہ جگہ کا نام ہے، ۲۔ دامن کوہ، پہاڑ کا دامن۔ ۳۔ اگر شق کے شین کے نیچے زیر پڑھا جائے تو اس کے معنیٰ مشقت، محنت اور تنگی کے ہیں، یہی معنیٰ یہاں مراد ہیں، صهيل: گھوڑے کی آواز، ہنہنانا، اطيط: اونٹ کی آواز، کجاوے کی لکڑیوں کے چرچرانے کی آواز، دائس: وہ بیل جو گندم کو گاہنے میں استعمال ہوتا کہ اس کے دانے اور بھوسہ الگ ہو جائے، منق: (میم پر پیش، نون پر زبر اور قاف کے نیچے تنوین اور تشدید، اصل میں منقی تھا، یا کو حذف کر دیا گیا) تنقیہ سے صیغہ اسم فاعل: گندم صاف کرنے والا یعنی کسان، فلا اقبح: تقبیح سے صیغہ مجہول: مجھے برا نہیں کہا جاتا، میری باتوں میں عیب نہیں نکالا جاتا، ارقد: میں سوتی ہوں، اتصبح: میں صبح کر دیتی ہوں، اتقمح: میں خوب سیر ہو کر پانی چھوڑ دیتی ہوں، اس کے زیادہ ہونے کی وجہ سے پانی بچا دیتی ہوں۔

## گیارہویں عورت: ابوزرع نے تو مجھے خوب ناز ونعمت میں رکھا ہے

گیارہویں عورت اپنے شوہر کی تعریف کر رہی ہے کہ میرا شوہر ابوزرع ہے، اور ابوزرع کا کیا کہنا، انتہائی اچھا انسان اور بے شمار خوبیوں کا مالک ہے، میں ایک غریب اور تنگدست گھرانے سے تعلق رکھتی تھی، جو بڑی تنگی اور مشقت کے ساتھ چند بکریوں پر گذر بسر کر رہا تھا، میری شادی ابوزرع سے ہوئی تو یہ مجھے ایک ایسے خوشحال گھرانے میں لایا، جہاں مال و دولت، گھوڑے، اونٹ، بیل، کاشتکار، کسان اور خدام وغیرہ کی خوب فراوانی ہے، کسی چیز کی کوئی کمی نہیں، میں جو چاہوں کروں، جو چیز بھی کھا پی لوں، جو بھی بات کروں، جب تک آرام کرتی رہوں، مجھ پر کسی طرح کی کوئی روک ٹوک نہیں، ابوزرع کو مجھ سے محبت کا ایسا تعلق اور لگاؤ ہے کہ وہ میری کسی بات پر کوئی گرفت نہیں کرتا، چنانچہ اس نے مجھے زیورات سے اس قدر آراستہ کیا کہ میرے کان حرکت کرنے لگے، زیورات کے بوجھ سے وہ جھک گئے، مجھے اتنا کھلاتا پلاتا ہے کہ میرے بازو چربی اور گوشت سے بھر گئے ہیں، جس کے معنی یہ ہیں کہ میرا پورا جسم موٹا اور صحت مند ہو گیا ہے، کیونکہ جس کے بازو گوشت سے پر ہوں تو اس کا جسم بھی فربہ ہوتا ہے، میں بول چال میں مکمل آزاد ہوں، میری کسی بات پر کوئی نقطہ چینی اور اعتراض نہیں کیا جاتا، کھانے پینے اور سوتے رہنے میں خود مختار ہوں، صبح جب چاہوں اٹھوں، ایسا نہیں کہ صبح سویرے سے ہی کاموں میں لگنا پڑے، ہر طرح کے خادم موجود ہیں، گھوڑے، اونٹ، بیل اور کسان ہیں، جو ہر طرح کے کام سرانجام دیتے ہیں، ان سے واضح ہو گیا کہ ابوزرع نے مجھے کس قدر بلند مقام اور اہمیت دے رکھی ہے، کہ مجھے اپنے اندر خود پسندی کا احساس ہونے لگا، اپنے متعلق اس کی تعریفیں سن سن کر میں خود اپنی نظروں میں بلند، اچھی اور بھلی معلوم ہونے لگی۔

اس عورت نے اپنے شوہر کا نام ذکر نہیں کیا بلکہ اس کی کنیت ابوزرع ذکر کی ہے، اس کی دو وجہیں ہیں: ۱۔ ان کے بہت زیادہ کھیت تھے۔ ۲۔ یا اس نے تفاؤلاً کنیت ذکر کی ہے اور مراد اس سے اس کی اولاد ہے، زرع کے معنی بچے کے ہیں، مطلب یہ ہے کہ ابوزرع کی اولاد بہت زیادہ ہوگی۔(۱)

أُمُّ أَبِي زَرْعٍ، فَمَا أُمُّ أَبِي زَرْعٍ، عُكُومُهَا رَدَاحٌ، وَبَيْتُهَا فَسَاحٌ۔

ترجمہ: ابوزرع کی ماں (میری خوش دامن) ابوزرع کی ماں کا کیا کہنا، اس کی بوریاں اور برتن بہت ہی بڑے ہیں (یعنی بھرے رہتے ہیں) اور اس کا گھر کشادہ ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عکوم: (عین پر پیش) عکم (عین کے نیچے زیر اور کاف ساکن) کی جمع ہے: بوریاں، بڑے بڑے برتن، جن میں کھانے کی چیزیں رکھی جاتی ہیں، رداح: (را پر زبر اور زیر) بہت بڑے بڑے پیالے، فساح: (فا پر زبر) کشادہ۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۶۶/۲۔

## ابوزرع کی ماں صاحب حیثیت خاتون

ابوزرع کی ماں کا گھر کشادہ ہے، کیونکہ ان کے مکان میں مہمان بہت زیادہ آتے ہیں، ان کے گھر میں بڑے بڑے برتن اور بوریاں کھانے پینے کی چیزوں سے بھری رہتی ہیں، کسی میں چاول، کسی میں غلے اور چاول وغیرہ رکھے جاتے ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس کا گھر ساز و سامان سے بھرا رہتا ہے، مال و دولت اور اشیاء کی فراوانی ہے، اس سے اس کا مالدار اور صاحب حیثیت ہونا ثابت ہوتا ہے، سخاوت اتنی ہے کہ بے دریغ مہمانوں پر خرچ کرتی ہے، عورتوں کے مزاج کی طرح ان میں بخل نہیں، یوں اللہ کی دی ہوئی نعمتوں سے خلق خدا کو فائدہ پہنچا رہی ہے۔(۱)

ابْنُ أَبِي زَرْعٍ، فَمَا ابْنُ أَبِي زَرْعٍ، مَضْجَعُهُ كَمَسَلِّ شَطْبَةٍ، وَتُشْبِعُهُ ذِرَاعُ الْجَفْرَةِ۔

ترجمہ: ابوزرع کا بیٹا، اور ابوزرع کے بیٹے کا کیا کہنا، اس کے سونے کی جگہ یا جسم میں اس کے سونے کا حصہ (یعنی پسلی، پہلو وغیرہ) کھجور کی اس سبز شاخ کی طرح (باریک) ہے، جس کے زائد پتے بالکل کاٹ دیئے گئے ہوں یا اس تلوار کی طرح (باریک) ہے جس کو نیام سے نکال دیا گیا ہو، اور بکری کے چھوٹے بچے کا ایک ہاتھ اس کو سیراب کر دیتا ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** **مضجعه:** اس کی خواب گاہ یعنی سونے کی جگہ یا جسم کا وہ حصہ یعنی پسلی اور پہلو وغیرہ، جو سوتے وقت فرش اور بستر کے ساتھ لگتا ہے، **مسل:** سل یسل سے مصدر میمی ہے: وہ شاخ جس کے زائد پتے کاٹ دیئے گئے ہوں یا وہ تلوار جسے نیام سے باہر نکال لیا گیا ہو، **شطبة:** (شین پر زبر اور طا ساکن) کھجور کی سبز شاخ، **یشبعه:** اس کو سیراب کر دیتا ہے، **ذراع:** ہاتھ، **الجفرة:** (جیم پر زبر اور فا ساکن) بکری کا بچہ جو چار ماہ کا ہو۔

## ابوزرع کا دبلا پتلا بیٹا

اس عبارت میں ابوزرع کے بیٹے کی تعریف میں دو چیزیں ذکر کی گئی ہیں:

❁ اس کا بیٹا دبلا پتلا اور چھریرے بدن والا ہے، اس کے سونے کی جگہ یا جسم کا وہ حصہ جو سوتے وقت بستر یا فرش پر لگتا ہے، جیسے پسلی اور پہلو وغیرہ، یہ انتہائی باریک ہے جیسے کھجور کی ایسی سبز شاخ جس سے زائد پتے کاٹ دیئے گئے ہوں، کھجور کی شاخ ایک تو ویسے ہی پتلی ہوتی ہے، پتے چھیلنے کے بعد مزید پتلی ہو جاتی ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ اس قدر دبلا پتلا ہے کہ اس کے سونے کی جگہ یا بدن میں سونے کا حصہ کھجور کی شاخ کی طرح باریک ہے یا اس تلوار کی طرح باریک ہے جسے نیام سے باہر نکال دیا جائے، اس سے معلوم ہوا کہ وہ ایک مجاہد اور جفاکش انسان ہے، جو اپنے سونے کے لیے لمبے چوڑے انتظامات نہیں کرتا، ذرا سی جگہ پر ہی لیٹ

---

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۴۳۸)۔

کر آرام کر لیتا ہے۔

۞ وہ کم کھاتا ہے، چنانچہ بکری کے چھوٹے بچہ کا ایک ہاتھ ہی اس کو سیراب کر دیتا ہے، یہ دونوں صفتیں یعنی چھریرے بدن والا ہونا اور کم کھانا عربوں کے ہاں نوجوانوں میں ان صفات کو بہت عمدہ خصلتوں میں شمار کیا جاتا ہے۔(۱)

بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ، فَمَا بِنْتُ أَبِي زَرْعٍ، طَوْعُ أَبِيهَا وَطَوْعُ أُمِّهَا، مِلْءُ كِسَائِهَا، وَغَيْظُ جَارَتِهَا۔

ترجمہ: ابوزرع کی بیٹی، بھلا اس کی کیا بات ہے، اپنی ماں کی تابعدار اور اپنے باپ کی فرمانبردار ہے، اپنی چادر کو بھرنے والی (یعنی موٹی تازی) ہے اور اپنی سوکن یا اپنی پڑوسن کو غصہ دلانے والی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ طوع: (طا پر زبر) تابعدار، فرمانبردار، ملء کسائھا: اپنی چادر کو بھرنے والی ہے یعنی وہ موٹی تازی اور صحت مند ہے، غیظ: غصہ دلانے والی، جارۃ: پڑوسن، سوکن۔

## ابوزرع کی فرمانبردار بیٹی

اس عبارت میں ابوزرع کی بیٹی کی تین خوبیاں بیان کی گئی ہیں:

۞ یہ اپنے والدین کی مکمل تابعدار اور فرمانبردار ہے، ہر جائز امر میں وہ ان کی اطاعت کرتی ہے، یہی انسان کی دنیا اور آخرت کی سعادت ہے۔

۞ وہ اپنی چادر کو بھرنے والی ہے، مطلب یہ ہے کہ وہ موٹی تازی صحت مند ہے، جب اپنی چادر کو اوڑھتی ہے تو اس میں کوئی خلا نہیں رہتا، چادر بھر جاتی ہے، جسم پر پوری طرح سیٹ ہو جاتی ہے، ایسی موٹی اور بھاری بھر کم عورت کو عرب پسند کرتے تھے۔

۞ اس کی آسودہ حالی، حسن و جمال اور ناز و نعمت والی زندگی دیکھ کر اس کی سوکن اور پڑوسن کو غصہ آتا ہے، وہ حسد کی آگ میں جلتی ہیں۔(۲)

جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ، فَمَا جَارِيَةُ أَبِي زَرْعٍ، لَا تَبُثُّ حَدِيثَنَا تَبْثِيثًا، وَلَا تُنَقِّثُ مِيرَتَنَا تَنْقِيثًا، وَلَا تَمْلَأُ بَيْتَنَا تَعْشِيشًا۔

ترجمہ: ابوزرع کی باندی، اس کے کیا ہی کہنے، وہ ہماری بات کو ادھر ادھر نہیں پھیلاتی، اور نہ ہماری کھانے پینے کی چیزوں کو منتقل کرتی ہے، اور نہ ہی ہمارے گھر کو خس و خاشاک اور کوڑے سے بھرتی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لاتبث: وہ نہیں پھیلاتی، لوگوں کے سامنے ظاہر نہیں کرتی، لاتنقث: یہ تنقیث سے ہے: وہ منتقل نہیں کرتی، میرتنا: ہمارا کھانا، ہماری کھانے پینے کی چیزیں، تعشیش: خس و خاشاک، کوڑا۔

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۵/۱۷۰، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر حدیث ام زرع۔

(۲) فتح الباري ۹/۳۳۹ کتاب النکاح، باب حسن المعاشرة مع الأهل۔

## ابوزرع کی امانتدار باندی

ابوزرع کی باندی راز دار، امانتدار اور ایک ذمہ دار خاتون ہے، وہ ہمارے ساتھ رہتی ہے، ہماری تمام باتیں سنتی رہتی ہے، مگر ان میں سے کوئی بات گھر سے باہر کسی کو نہیں بتاتی، راز دار ہے، اور ہماری کھانے پینے اور گھر کی دیگر چیزوں میں سے کوئی چیز کسی کو اجازت کے بغیر نہیں دیتی، ان میں کسی قسم کا تصرف اور خیانت نہیں کرتی، اور نہ ہی انہیں خراب یا ضائع کرتی ہے، یوں وہ امانتدار ہے، اور اسے اپنی ذمہ داری کا مکمل احساس تھا، گھر کے تمام کام اچھی طرح کرتی ہے، گھر کو صاف ستھرا رکھتی ہے، اس میں کچرا اور کوڑا نہیں جمع ہونے دیتی بلکہ آئینہ کی طرح اسے صاف رکھتی ہے، اس سے اس کا ایک ذمہ دار خاتون ہونا معلوم ہوا۔ (۱)

قَالَتْ : خَرَجَ أَبُو زَرْعٍ وَالأَوْطَابُ تُمْخَضُ، فَلَقِيَ امْرَأَةً مَعَهَا وَلَدَانِ لَهَا كَالْفَهْدَيْنِ يَلْعَبَانِ مِنْ تَحْتِ خَصْرِهَا بِرُمَّانَتَيْنِ، فَطَلَّقَنِي وَنَكَحَهَا۔

ترجمہ: ام زرع کہتی ہے، میرا شوہر ابوزرع (ایک دن صبح سویرے اس وقت) نکلا جب دودھ کے برتن بلوئے جا رہے تھے، اتنے میں اس کی ملاقات ایک ایسی عورت سے ہوگئی، جس کے ساتھ چیتے جیسے دو بچے تھے، جو اس کی کمر کے نیچے دواناروں سے کھیل رہے تھے، چنانچہ اس نے مجھے طلاق دی اور اس عورت کے ساتھ نکاح کرلیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اوطاب: وطب کی جمع ہے: دودھ کے اس برتن کو کہتے ہیں، جس میں دہی ڈال کر بلویا جاتا ہے اور پھر اس سے مکھن نکالا جاتا ہے، تمخض: (تا پر پیش، میم ساکن، خاء پر زبر، صیغہ مجہول) مکھن نکالنے کے لیے دودھ کو بلویا جاتا ہے، حرکت دی جاتی ہے، خصرها: (خاء پر زبر اور صاد ساکن) اس کی کمر، اس کا کولہا، رمانتین: رمانة کا تثنیہ ہے: دوانار۔

## ابوزرع نے بالآخر ''ام زرع'' کو طلاق دے دی

ام زرع کہتی ہے کہ ایک دن ابوزرع اس وقت گھر سے نکلا، جب دودھ کے برتن بلوئے جا رہے تھے، دودھ بلونے کا یہ عمل گاؤں دیہات میں عموماً صبح سویرے طلوع آفتاب سے پہلے ہوتا ہے، مطلب یہ ہے کہ ابوزرع صبح سویرے گھر سے نکلا، اتنے میں اس کی ملاقات ایک عورت سے ہوگئی، جو اسے پسند آگئی، اس کے ساتھ چیتے جیسے دو بچے تھے، چیتے کی طرح چھلانگیں لگا رہے تھے اور کھیل کود میں مشغول تھے، اور وہ دونوں اس عورت کی کمر کے نیچے دواناروں سے کھیل رہے تھے، کیونکہ اس کے سرین بڑے بڑے تھے جس کی وجہ سے کمر کے نیچے خلا پیدا ہوگیا، اس جگہ پر وہ دونوں بچے دواناروں سے کھیل رہے تھے، دواناروں سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

---

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۴۴)۔

۞ ان بچوں کے پاس حقیقت میں دو انار تھے، جن سے وہ کھیل رہے تھے۔

۞ یا ان اناروں سے پستان مراد نہیں، مطلب یہ ہے کہ وہ بچے اپنی والدہ کے دونوں پہلوؤں میں اس کے پستانوں سے کھیل رہے تھے۔(۱)

فَنَكَحْتُ بَعْدَهُ رَجُلاً سَرِيًّا، رَكِبَ شَرِيًّا، وَأَخَذَ خَطِّيًّا، وَأَرَاحَ عَلَيَّ نَعَمًا ثَرِيًّا، وَأَعْطَانِي مِنْ كُلِّ رَائِحَةٍ زَوْجًا، وَقَالَ: كُلِي أُمَّ زَرْعٍ، وَمِيرِي أَهْلَكِ، فَلَوْ جَمَعْتُ كُلَّ شَيءٍ أَعْطَانِيهِ، مَا بَلَغَ أَصْغَرَ آنِيَةِ أَبِي زَرْعٍ.

ترجمہ: اس کے بعد میں نے ایک شریف آدمی سے نکاح کر لیا، جو تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوتا تھا، اور ہاتھ میں مقام خط کا بنا ہوا نیزہ لیے رکھتا تھا، اس نے مجھے بہت ساری نعمتیں عطا کیں (یا یہ ترجمہ: اور وہ رات کے وقت میرے پاس بہت سے جانور لے آیا) اور ہر قسم کے جانوروں میں سے ایک ایک جوڑا مجھے دیا، اور کہنے لگا: ام زرع! تم بھی کھاؤ اور اپنے میکے والوں کو بھی خوب کھلاؤ، ام زرع کہتی ہے: لیکن اگر میں ان تمام چیزوں کو جمع کروں، جو دوسرے شوہر نے مجھے عطا کی ہیں، تو وہ ابوزرع کے چھوٹے برتن کے برابر بھی نہیں ہوسکتیں، (یعنی ابوزرع کی چھوٹی سے چھوٹی عطا کے برابر بھی نہیں ہوسکتیں)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ سری: (سین پر زیر) سردار اور شریف آدمی، شری: تیز رفتار گھوڑا، خطیا: (خاء پر زبر اور طاء پر زبر و تشدید) مقام خط کا بنا ہوا نیزہ، اراح علی: ۱۔ اس نے مجھے عطا کیں، ۲۔ شام کے وقت وہ لے آیا، نعما: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھ سکتے ہیں، ۱۔ (نون اور عین پر زبر) ہر قسم کے جانور اونٹ، گائے اور بکری وغیرہ اور اونٹ کے لیے یہ لفظ زیادہ استعمال ہوتا ہے، اس کی جمع انعام اور اناعیم ہے، ۲۔ نعما (نون کے نیچے زیر) نعمة کی جمع ہے: نعمتیں، طرح طرح کی نوازشات، ثری: (ثا پر زبر، را کے نیچے زیر): بہت زیادہ دولت مند، مالدار، اس کی جمع اثریاء ہے، کل رائحة: شام کے وقت کھیت سے واپس گھر لوٹنے والے، ہر قسم کے جانور اونٹ، گائے اور بکریاں وغیرہ، زوجا: ایک ایک جوڑا، میری اهلک: (صیغہ امر) اپنے میکے یعنی اپنے والدین کے لیے خوراک اور کھانا مہیا کرو، ان کی طرف کھانا بھیجو، انہیں خوب کھلاؤ پلاؤ، اصغر أنية: چھوٹا برتن۔

## دوسرے شوہر کا ابوزرع جیسے عظیم انسان سے کیا مقابلہ

ام زرع کہتی ہے کہ ابوزرع نے جب مجھے طلاق دے دی، اس کے بعد میں نے ایک انتہائی شریف اور سردار سے شادی کی، جو تیز رفتار گھوڑے پر سوار ہوتا اور اس کے ہاتھ میں مقام خط کا بنا ہوا نیزہ ہوتا، ''خط'' بحرین میں ایک جگہ کا نام ہے، وہاں عمدہ قسم کے نیزے بنتے تھے، گویا وہ ایک ماہر فوجی شہسوار تھا، اس نے مجھے ہر طرح کے جانوروں کا ایک ایک جوڑا دیا، مال و دولت سے خوب نوازا، اور واضح الفاظ میں کہا کہ تم بھی یہاں کھاؤ اور اپنے میکے والوں کو بھی کھانا کھلاؤ، ان تک پہنچاؤ، لیکن اس سب کے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/ ۷۰۔

باوجود اس کی ساری نوازشات کو میں جمع کر کے ابوزرع کی نعمتوں کے ساتھ موازنہ کروں، تو یہ ابوزرع کے چھوٹے برتن کے برابر بھی نہیں ہوسکتیں، اس کی نعمتوں کو ابوزرع کی نوازشات کے ساتھ کوئی نسبت نہیں ہوسکتی، یہ سب ابوزرع کی چھوٹی سے چھوٹی عطا کے برابر بھی نہیں ہوسکتیں، اس لیے میرے دوسرے شوہر کا پہلے شوہر ابوزرع سے موازنہ اور مقابلہ نہیں ہوسکتا، ابوزرع ایک عظیم انسان ہے۔(۱)

قَالَتْ عَائِشَةُ: فَقَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: كُنْتُ لَكِ كَأَبِي زَرْعٍ لِأُمِّ زَرْعٍ.

حضرت عائشہؓ کہتی ہیں کہ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں تمہارے لیے ایسا ہی ہوں جیسے ام زرع کے لیے ابوزرع تھا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابوزرع سے کہیں زیادہ حضرت عائشہؓ پر مہربان تھے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس حدیث کے آخر میں حضرت عائشہؓ سے فرمایا کہ میں الفت اور محبت کے اعتبار سے تمہارے لیے ایسا ہی ہوں، جیسے ابوزرع ام زرع کے لیے تھا، زبیر بن بکار اور طبرانی کی روایت کے آخر میں اتنا اضافہ بھی ہے: اِلَّا اَنَّهُ طَلَّقَهَا وَلَا أُطَلِّقُكِ یعنی ابوزرع نے تو ام زرع کو طلاق دے دی تھی مگر میں تمہیں طلاق نہیں دوں گا، اور طبرانی کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں ابوزرع کی کیا حقیقت، میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو میرے لیے اس سے بہت ہی زیادہ بڑھ کر مہربان ہیں۔

## حدیث ام زرع سے ثابت ہونے والے چند امور

- شوہر کو چاہیے کہ وہ اپنی بیوی اور بچوں کے ساتھ حسن سلوک کرے، ان کے ساتھ رہن سہن اور برتاؤ میں ناانصافی سے احتراز کرے۔
- اس سے حضرت عائشہؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ میں تمہارے لیے ایسا ہوں جیسے ام زرع کے لیے ابوزرع ہے۔
- اپنے اہل وعیال کے ساتھ عشاء کے بعد بھی خیر کی بات کرنا جائز ہے، ایسے ہی گذشتہ واقعات میں سے کوئی قصہ کہانی بھی بیان کیا جاسکتا ہے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے آپ کو ابوزرع کے ساتھ ہر لحاظ سے تشبیہ نہیں دی، بلکہ بعض امور یعنی الفت ومحبت کے اعتبار سے تشبیہ دی ہے، طلاق دینے اور جدائی اختیار کرنے میں تشبیہ دینا مقصود نہیں، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو طلاق

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۱۷۳/۵، کتاب فضائل الصحابة، باب ذکر حدیث ام زرع۔

نہیں دی۔

۞ حدیث ام زرع میں جن خواتین نے اپنے شوہروں کی برائی بیان کی ہے، اس کا تذکرہ غیبت کے دائرے میں نہیں آتا، کیونکہ کسی غیر معروف شخص کا حال بیان کرنا، جس کو لوگ پہچانتے نہ ہوں، یہ غیبت نہیں ہے۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي نَوْمِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں نبی کریم ﷺ کے سونے کی کیفیت وغیرہ کا بیان ہے

**عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَخَذَ مَضْجَعَهُ وَضَعَ كَفَّهُ الْيُمْنَى تَحْتَ خَدِّهِ الْأَيْمَنِ، وَقَالَ: رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ.**(۲)

ترجمہ: حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے سونے کی جگہ پر آرام فرمانے لگتے تو اپنی دائیں ہتھیلی یعنی دایاں ہاتھ اپنے دائیں رخسار کے نیچے رکھتے تھے، اور یہ دعا پڑھتے: رَبِّ قِنِي عَذَابَكَ يَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَكَ اے میرے پروردگار! مجھے اس دن اپنے عذاب سے بچا کر رکھنا، جس دن تو اپنے بندوں کو دوبارہ (قبروں سے) اٹھائے گا (یعنی قیامت کے دن میں)

**عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ: اللَّهُمَّ بِاسْمِكَ أَمُوتُ وَأَحْيَا، وَإِذَا اسْتَيْقَظَ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَإِلَيْهِ النُّشُورُ.**(۳)

ترجمہ: حضرت حذیفہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ جب اپنے بستر پر پناہ لیتے (یعنی بستر پر لیٹنے لگتے) تو یہ دعا پڑھتے: اَللّٰهُمَّ بِاسْمِكَ اَمُوْتُ وَاَحْيٰى (اے اللہ میں تیرے نام سے ہی مرتا یعنی سوتا ہوں اور تیرے ہی نام سے زندہ ہوں گا (یعنی سو کر اٹھوں گا)) اور جب آپ ﷺ بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے تھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ اَحْيَانَا بَعْدَ مَا أَمَاتَنَا وَاِلَيْهِ النُّشُوْرُ۔ (ترجمہ: تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں موت دینے کے بعد (یعنی سونے کے بعد) زندہ کیا (یعنی بیدار کیا)) اور اسی کی طرف ہی لوٹ کر جانا ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** **مضجعه:** (مصدر) آپ ﷺ کے سونے کی جگہ یعنی بستر پر آپ ﷺ تشریف لائے، **كفه اليمنى:** اپنی دائیں ہتھیلی، مراد اس سے پورا دایاں ہاتھ ہے، **خده الايمن:** (خا پر زبر اور دال پر تشدید) اپنے دائیں رخسار، **قني:**

---

(۱) حدیث ام زرع کے لیے دیکھیے: فتح الباری ۳۱۹/۹، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرة مع الاهل، رقم الحدیث: ۵۱۸۹، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۷۰-۷۳، المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۴۲۵-۴۴۳) خصائل نبوی شرح شمائل ترمذی (ص: ۲۶۵) باب ماجاء فی کلام رسول اللہ ﷺ فی السمر

(۲) سنن الترمذی، الدعوات، رقم الحدیث: ۳۳۹۶۔

(۳) سنن الترمذی، الدعوات، رقم الحدیث: ۳۴۱۳۔

تو مجھے بچا، تبعث: تو اٹھائے گا، زندہ کرے گا، احیانا: اس نے ہمیں زندگی بخشی یعنی بیدار کیا، بعد ما اماتنا: ہمیں مارنے کے بعد یعنی سونے کے بعد، النشور: لوٹنا، لوٹ کر جانا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سونے کی کیفیت اور چند دعائیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سونے لگتے تو اپنا دایاں ہاتھ دائیں رخسار کے نیچے رکھتے اور دائیں کروٹ پر سوتے، یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا، اس میں مصلحت یہ ہے کہ آدمی کا دل چونکہ سینہ کی بائیں طرف ہوتا ہے، دائیں کروٹ پر سونے سے وہ اوپر رہتا ہے، اس حالت میں اس کی نیند گہری نہیں ہوتی، بلکہ آدمی نیند میں ہونے کے باوجود چوکنا رہتا ہے، ضرورت کے وقت اسے جلدی جاگ آجاتی ہے، اس لیے دائیں کروٹ پر سونا ایک مسنون عمل ہے۔

مذکورہ احادیث میں سونے کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات میں سے صرف تین دعاؤں کا ذکر ہے:

۱۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم سونے لگتے تو یہ دعا پڑھا کرتے: رَبِّ قِنِیْ عَذَابَکَ یَوْمَ تَبْعَثُ عِبَادَکَ اَوْ تَجْمَعُ عِبَادَکَ (اے میرے پروردگار! مجھے اس دن کے عذاب سے بچا، جس دن تو اپنے بندوں کو (قبروں سے) اٹھائے گا، یا یوں فرمایا: جس دن تو اپنے بندوں کو جمع کرے گا) حصن حصین کی روایت میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تین مرتبہ یہ دعا مانگا کرتے تھے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سوتے وقت یہ دعا بھی مانگتے: اَللّٰھُمَّ بِاسْمِکَ اَمُوْتُ وَاَحْیٰ (اے اللہ! میں تیرے نام سے ہی مرتا یعنی سوتا ہوں اور زندہ ہوتا ہوں یعنی بیدار ہوتا ہوں)

۳۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَ مَا اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ (تمام تعریفیں اللہ جل جلالہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں موت دینے کے بعد (یعنی سونے کے بعد) زندہ کیا (یعنی بیدار کیا) اور اسی کی طرف قیامت کے دن لوٹ کر جانا ہے۔)(۱)

سوتے اور بیدار ہوتے وقت کی اس قسم کی دعاؤں سے بندہ کو یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ نیند ایک طرح سے موت ہے اور بیدار ہونا گویا قبر سے دوبارہ زندہ ہونا ہے، آج تم موت کے بعد دوبارہ دنیا میں زندہ ہو رہے ہو، تاکہ تم اس جہان میں نیک اعمال کر سکو، جن سے اللہ جل جلالہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشنودی حاصل ہوتی ہے، اور بالآخر تم نے ایک ایسی موت کا بھی ضرور سامنا کرنا ہے، جس کے بعد تم دوبارہ بیدار ہو کر دنیا میں نہیں آسکو گے، ہمیشہ کی نیند سو جاؤ گے، پھر قیامت کا دن جب آئے گا، اس وقت تمہیں قبر سے اٹھایا جائے گا، اور اللہ جل جلالہ کے سامنے حساب کتاب کے لیے تمہیں میدان حشر میں لایا جائے گا، لہذا اس دن کی ذلت سے بچنے کے لیے آج زندگی کے لمحات کو غنیمت جانیے اور اپنے شب و روز کو صرف اللہ جل جلالہ کی رضا میں ہی گذاریں، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۷۳

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ كُلَّ لَيْلَةٍ، جَمَعَ كَفَّيْهِ، فَنَفَثَ فِيهِمَا، وَقَرَأَ فِيهِمَا قُلْ هُوَ اللهُ أَحَدٌ، وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ، وَقُلْ أَعُوذُ بِرَبِّ النَّاسِ، ثُمَّ مَسَحَ بِهِمَا مَا اسْتَطَاعَ مِنْ جَسَدِهِ، يَبْدَأُ بِهِمَا رَأْسَهُ وَوَجْهَهُ وَمَا أَقْبَلَ مِنْ جَسَدِهِ، يَصْنَعُ ذَلِكَ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ.(۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ ہر رات جب اپنے بستر پر لیٹنے لگتے تو دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے پھر ان پر پھونک مارتے، اور ان میں یہ سورتیں پڑھتے: سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ ناس، پھر ان دونوں ہاتھوں کو جہاں تک ہوسکتا، اپنے جسم پر پھیر لیتے، پہلے آپ ﷺ اپنے سر اور چہرے پر دونوں ہاتھ پھیرتے اور پھر جسم کے اگلے حصہ پر، نبی کریم ﷺ تین مرتبہ یہ عمل فرماتے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ جمع كفيه: اپنی دونوں ہتھیلیوں کو جمع کرتے یعنی دونوں ہاتھوں کو دعا مانگنے کی طرح ملا لیتے، ما استطاع: جس قدر ہوسکتا، و ما اقبل من جسده: پھر جو آپ ﷺ کے جسم کا اگلا حصہ ہے، جسم کا اگلا حصہ، يصنع ذلک: نبی کریم ﷺ یہ عمل فرماتے یعنی ان سورتوں کو پڑھ کر دم کرتے اور پھر ہاتھوں کو جسم پر پھیر لیتے، یہ عمل تین مرتبہ کیا کرتے۔

## نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے چند سورتوں کی تلاوت فرمایا کرتے

نبی کریم ﷺ سونے سے پہلے جس طرح دیگر اذکار اور دعائیں پڑھا کرتے تھے، اسی طرح آپ ﷺ کا معمول تھا کہ آپ ﷺ سونے سے پہلے چند سورتیں بھی تلاوت فرمایا کرتے تھے، جن کی تفصیل مختلف احادیث میں ہے، اس کا حاصل یہ ہے:

۱۔ شمائل کی مذکورہ حدیث میں سورہ اخلاص، سورہ فلق اور سورہ ناس کا ذکر ہے، ان سورتوں کو پڑھ کر آپ ﷺ اپنے ہاتھوں پر پھونک مارتے، پھر انہیں اپنے جسم پر جہاں تک ممکن ہوتا، پھیر لیتے تھے، پہلے سر، پھر چہرہ اور جسم کے اگلے حصہ پر ہاتھ پھیر لیتے۔

حضرت عائشہؓ کی مذکورہ روایت سے بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ اپنے ہاتھوں پر دم تو پہلے کر لیتے تھے اور سورتیں بعد میں پڑھتے تھے، حالانکہ یہ مراد بالکل نہیں، اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ پہلے دم کرنے کا ارادہ فرماتے، پھر سورتیں پڑھتے اور اس کے بعد ہاتھوں پر پھونک مارتے، حدیث میں صرف نبی کریم ﷺ کے عمل کو بیان کرنا مقصود ہے، ترتیب پیش نظر نہیں۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کی آیات کی تلاوت کر کے یا اذکار و تسبیحات کے بعد ہاتھوں پر دم کرنا اور پھر انہیں جسم پر پھیرنا اور ملنا مسنون ہے۔

---

(۱) سنن الترمذی، الدعوات، رقم الحدیث: ۳۳۹۹۔

۲۔ سورہ ملک اور سورہ سجدہ کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پابندی سے تلاوت فرماتے تھے۔

۳۔ سورہ کافرون کی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم تلاوت فرماتے۔

۴۔ مسبحات یعنی وہ سورتیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پڑھتے جو سبّح، یسبّح، سبحان اور سبّح (صیغہ امر) سے شروع ہوتی ہیں، یہ کل سات سورتیں ہیں: سورہ اسراء، سورہ حدید، حشر، صف، جمعہ، تغابن اور سورہ سبّح اسم ربک الاعلیٰ۔

ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو مسلمان سوتے وقت قرآن مجید کی کوئی سورت پڑھ لے تو اللہ تعالیٰ اس کی حفاظت کے لیے ایک فرشتہ مقرر کردیتے ہیں، جو بیدار ہونے تک ہر موذی چیز سے اس کی وہ حفاظت کرتا رہتا ہے، یہ ذہن میں رہے کہ یہ فضیلت انسان کو اس وقت بھی حاصل ہوجاتی ہے، جب وہ چھوٹی سی بھی کوئی سورت تلاوت کرلے جیسے سورہ اخلاص اور سورۂ کوثر وغیرہ، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ : أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَامَ حَتَّى نَفَخَ ، وَكَانَ إِذَا نَامَ نَفَخَ، فَأَتَاهُ بِلَالٌ، فَآذَنَهُ بِالصَّلَاةِ، فَقَامَ وَصَلَّى وَلَمْ يَتَوَضَّأْ، وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (ایک مرتبہ) سوئے، اور خراٹے لینے لگے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب سوتے تو خراٹے لیتے تھے، اتنے میں حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز کی اطلاع دی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے) اور نماز پڑھائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو نہیں کیا، اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔** حتی نفخ: یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خراٹے لینے لگے۔ فاذنہ: یہ ایذان سے ہے: اتنے میں حضرت بلال نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی۔

## انبیاء کی نیند ناقضِ وضو نہیں ہوتی

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

❁ حضرات انبیاء علیہم السلام کی یہ خصوصیت ہے کہ نیند سے ان کا وضو نہیں ٹوٹتا، چنانچہ ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ میری آنکھیں تو سوتی ہیں، مگر میرا دل نہیں سوتا، وہ بیدار ہوتا ہے، یہی وجہ ہے کہ انبیاء کے خواب بھی وحی ہوتے ہیں، وہ شیطانی اثرات سے محفوظ ہوتے ہیں، چنانچہ مذکورہ حدیث میں بھی حضرت بلال رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو گہری نیند سے جگایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے اور آکر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو غالبا فجر کی نماز پڑھائی اور وضو نہیں فرمایا، اس حدیث میں گویا امت کے مقابلے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیت کا بیان ہے کہ امت کا وضو نیند سے ٹوٹ جاتا ہے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وضو نہیں ٹوٹتا، کیونکہ نیند میں بھی

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۲۹/۵، کتاب فضائل القرآن، رقم الحدیث: ۲۱۳۲، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۶۲/۲۔

آپ ﷺ کا قلب مبارک بیدار رہتا ہے، اگر بالفرض اس دوران آپ ﷺ کا وضوٹوٹ جائے، تو اس کا آپ ﷺ کو احساس ہوجاتا تھا۔

۞ نیند میں خراٹے لینا باعث عیب نہیں، نبی کریم ﷺ بھی خراٹے لیتے تھے، البتہ اس میں یہ اہتمام رہے کہ ان خراٹوں سے کسی کو ایذاء نہ پہنچے اور اس کی وجہ سے کسی کی نیند خراب نہ ہونے پائے۔

۞ اذان کے بعد بھی کسی مشغول انسان کو نماز کی یاددہانی کرائی جاسکتی ہے۔

۞ وفی الحدیث قصة، اس سے امام ترمذی رحمہ اللہ اس حدیث کی طرف اشارہ کر رہے ہیں، جس میں حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کا اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں سونے اور رات میں نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے کا ذکر ہے، امام ترمذی نے اسے اگلے باب میں حدیث نمبر ۵ میں تفصیلا ذکر کیا ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى فِرَاشِهِ قَالَ: الْحَمْدُ لِلَّهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا، وَسَقَانَا، وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ، وَلَا مُؤْوِيَ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس ؓ بن مالک فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب اپنے بستر پر پناہ لیتے یعنی سونے لگتے تو یہ دعا پڑھا کرتے تھے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ (ترجمہ: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے ہمیں کھلایا اور پلایا اور ہماری ضروریات کے لیے کافی ہوگیا (یعنی ضروریات کو پورا کیا) یا یہ ترجمہ: جس نے ہمیں (تکلیف دہ چیزوں کے شرور سے) بچایا اور جس نے ہمیں (رہنے کے لیے) ٹھکانا عطا فرمایا، اس لیے کہ کتنے ہی ایسے لوگ ہیں، جن کی کوئی کفایت کرنے والا نہیں اور نہ ہی کوئی ان کو ٹھکانا دینے والا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ اطعمنا: اس نے ہمیں کھلایا، سقانا: اس نے ہمیں پلایا، کفانا: وہ ہمیں کافی ہوا، اس نے ہماری کفایت کی یعنی ہماری ضروریات کو پورا کیا، یا اس نے ہمیں شرور وآفات سے بچایا، آوانا: اس نے ہمیں ٹھکانا دیا، لا کافی: ۱۔ کوئی بچانے والا نہیں۔ ۲۔ ہمیں کوئی کفایت کرنے والا نہیں، لا مووی: (صیغہ اسم فاعل) کوئی ٹھکانا دینے والا نہیں۔

## کھانے پینے کے بعد اور سونے کی ایک دعاء نبوی

مذکورہ حدیث میں ایک جامع قسم کی دعا کا ذکر ہے، نبی کریم ﷺ کھانے پینے کے بعد اور سونے کے وقت یہ دعا پڑھا کرتے تھے، اس میں اللہ جل جلالہ کی حمد وثنا اور اس کے شکر کا ذکر ہے، ایک مسلمان کو اس دعا کا ضرور اہتمام کرنا چاہیے، تاکہ اللہ

---

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۴۵۱) جمع الوسائل فى شرح الشمائل مع شرح المناوى ۲/۷۷

(۲) سنن ابی داؤد ۴/۴۷۲/رقم الحدیث: ۵۰۵۵/باب مایقال عند النوم/دار الکتاب العربی، بیروت۔

جل جلالہ نے ہمیں جو طرح طرح کی نعمتوں سے نواز رکھا ہے، ان کا شکر ادا کیا جائے، کیونکہ وہ اپنے فضل وکرم سے کھانے پینے کی مختلف چیزیں ہمیں کھلاتا اور پلاتا ہے، وہ ہماری تمام ضروریات کی کفایت کرتا ہے، ہماری تمام حاجتیں پورا کرتا ہے، شر ور و آفات اور دشمنوں سے ہماری حفاظت کرتا ہے، اور سر چھپانے کے لیے اس نے ہمیں ٹھکانا عطا فرمار کھا ہے، دنیا میں کتنے ہی لوگ ایسے ہیں، جن کی کوئی کفایت کرنے والا اور ٹھکانا دینے والا نہیں، یعنی بہت سے لوگ انتہائی تنگدستی، فقر و فاقہ اور بغیر کسی مکان کے کھلے آسمان تلے زندگی گذارنے پر مجبور ہیں، مگر اس نے ہمیں بہت سوں سے انتہائی اچھی حالت میں رکھا ہوا ہے، ہمارا خالق و مالک، کافی اور مووی، اللہ جل شانہ ہے، لہٰذا اس ذات کا شکر ادا کرنے کے لیے کھانے پینے کے بعد اور اچھی رہائش کی نعمت پر اور سوتے وقت اس دعا کا ضرور اہتمام کیا جائے: اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَكَفَانَا وَآوَانَا، فَكَمْ مِمَّنْ لَا كَافِيَ لَهُ وَلَا مُؤْوِيَ، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔(۱)

عَنْ أَبِي قَتَادَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا عَرَّسَ بِلَيْلٍ اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ، وَإِذَا عَرَّسَ قُبَيْلَ الصُّبْحِ نَصَبَ ذِرَاعَهُ، وَوَضَعَ رَأْسَهُ عَلَى كَفِّهِ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوقتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (دوران سفر) جب رات کے آخری حصے میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے تو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ کر آرام فرماتے، اور جب صبح سے تھوڑا پہلے کسی جگہ ٹھہرتے تو اپنی دائیں کہنی کو کھڑا کر لیتے اور (آرام کرنے کے لیے) اپنے سر کو اپنی ہتھیلی پر رکھ لیتے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ عرّس: یہ تعریس سے ہے: رات کے آخری حصے میں کسی جگہ پڑاؤ ڈالتے، آرام کے لیے کسی مکان پر ٹھہرتے، علی شقه الایمن: (شین کے نیچے زیر) اپنی دائیں کروٹ پر، اپنی دائیں جانب پر، نصب: کھڑا کر لیتے، ذراعه: اپنی کہنی کو، علی کفه: اپنی ہتھیلی پر۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سفر میں صبح سے پہلے سونے کی کیفیت

دوران سفر رات کے آخری حصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس طرح آرام فرماتے، اس حدیث میں دو طریقوں کا ذکر ہے:

۱۔ اگر صبح صادق سے پہلے رات کا وقت کافی ہوتا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم آرام فرماتے، تو اپنے معمول کے مطابق دائیں کروٹ پر لیٹتے، تاکہ اطمینان سے آرام کر لیا جائے۔

۲۔ اور جب فجر سے تھوڑا پہلے کسی جگہ آرام کے لیے اترتے تو اپنی کہنی کو کھڑا کر کے اپنے سر کو ہاتھ پر رکھ لیتے، یوں تھوڑی دیر کے لیے آرام فرماتے، بالکل لیٹ کر آرام نہ فرماتے، تاکہ گہری نیند نہ آئے، کیونکہ اس انداز سے آرام کرنے سے آدمی جلد ہی

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۷۷۔

(۲) مسند احمد، رقم الحدیث: ۲۲۶۳۳۔

بیدار ہوجاتا ہے، اور فجر کی نماز وقت میں ہی پڑھ لیتا ہے، وہ قضا نہیں ہوتی۔(۱)

اس سے معلوم ہوا کہ سفر اور حضر دونوں میں ایک مسلمان کو اپنے آرام وراحت، سونے اور بیدار ہونے کا اس طرح بندوبست اور ترتیب بنانی چاہیے کہ کوئی بھی نماز بالخصوص فجر کی نماز قضا نہ ہو، ہر نماز کو اس کے وقت میں ہی اطمینان سے ادا کرلیا جائے، مگر افسوس ہے ایسے بہت سے مسلمانوں پر، جو فجر کی نماز روزانہ ہی وقت پر نہیں پڑھتے اور پھر بعد میں اس کی قضا کرتے ہیں، کسی ایک دن غیر اختیاری طور پر اگر ایسا ہوجائے تو کوئی حرج نہیں، لیکن مستقل طور پر رات کو دیر سے سونا کہ جس کی وجہ سے فجر کی نماز قضا ہوجائے، ناجائز اور حرام ہے، بہت بڑا گناہ ہے، اس پر تہ دل سے توبہ واستغفار کرنا چاہیے، اور فجر کی نماز کو بھی دیگر نمازوں کی طرح اس کے وقت میں باجماعت ادا کرنا چاہیے۔

## بَابُ مَا جَاءَ فِي عِبَادَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کی عبادت کا ذکر ہے

عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ: صَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى انْتَفَخَتْ قَدَمَاهُ، فَقِيلَ لَهُ: أَتَتَكَلَّفُ هٰذَا، وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا.(۲)

ترجمہ: حضرت مغیرہ بن شعبہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ رات میں اس قدر لمبی نفل نماز پڑھتے کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں (لمبے قیام کی وجہ سے) سوج گئے، (یہ حال دیکھ کر) آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: کیا آپ ﷺ اس قدر مشقت برداشت کرتے ہیں؟ (کہ آپ ﷺ کے پاؤں بھی سوج گئے) حالانکہ اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے ہیں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرنے والا بندہ نہ بنوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي حَتَّى تَرِمَ قَدَمَاهُ قَالَ: فَقِيلَ لَهُ: أَتَفْعَلُ هٰذَا وَقَدْ جَاءَكَ أَنَّ اللهَ قَدْ غَفَرَ لَكَ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ؟ قَالَ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا.(۳)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (اس قدر کثرت سے نفل) نماز پڑھا کرتے کہ آپ ﷺ کے دونوں پاؤں سوج جاتے، راوی کہتے ہیں کہ آپ ﷺ سے عرض کیا گیا: کیا آپ ﷺ اتنی مشقت والا کام کرتے ہیں؟ حالانکہ اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کے اگلے پچھلے سب ہی گناہ معاف کردیئے ہیں،

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۷۸/۲۔

(۲) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۱۲۔

(۳) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۱۲۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا میں شکر گزار بندہ نہ ہوں۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ : كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُومُ يُصَلِّي، حَتَّى تَنْتَفِخَ قَدَمَاهُ، فَيُقَالُ لَهُ : يَا رَسُولَ اللهِ: تَفْعَلُ هَذَا، وَقَدْ غَفَرَ اللهُ لَكَ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَاتَأَخَّرَ؟ قَالَ: أَفَلَا أَكُونُ عَبْدًا شَكُورًا.

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (اس قدر طویل نفل) نماز پڑھا کرتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں سوج جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا جاتا: یا رسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ کرتے ہیں (یعنی اتنی طویل نماز پڑھتے ہیں) حالانکہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے پچھلے سب گناہ بخش دیئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے: کیا میں اللہ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** حتی انتفخت: یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دونوں پاؤں پر ورم آجاتا، وہ سوج جاتے، أتتکلف: ہمزہ برائے استفہام: کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشقت برداشت کرتے ہیں، ماتقدم من ذنبک: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اگلے تمام گناہ، وما تأخر: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پچھلے سارے گناہ، شکورا: شکر ادا کرنے والا، شکر گزار، حتی تورم: یہ ''ورم'' سے ''تعد'' کی طرح ہے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قدم مبارک سوج جاتے۔

## طویل قیام سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاؤں مبارک سوج جاتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نبی بننے سے پہلے بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتے تھے، ہر ماہ غار حرا میں تشریف لے جاتے، اللہ تعالیٰ کی قدرت اور اس کی مخلوقات میں غور وفکر کرتے اور نبوت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرائض وواجبات کے ساتھ نفلی عبادات بھی بہت زیادہ سرانجام دیتے تھے، رات کو نفلی نماز میں اس قدر طویل قیام فرماتے کہ اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں سوج جاتے، ان پر ورم آجاتا، امام ترمذی نے یہ تین احادیث ذکر کی ہیں، جن میں اس طرح کی عبادات کا ذکر ہے، صحابہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو سارے اگلے اور پچھلے گناہ معاف ہیں تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر مشقت کیوں برداشت کر رہے ہیں، پوچھنے والے کی بظاہر غرض یہ تھی کہ اس قدر عبادت میں مشقت اور مجاہدہ تو وہ شخص کرتا ہے جس کے گناہ زیادہ ہوں، گناہوں کی معافی کی امید سے وہ ہر وقت عبادات میں مشغول رہتا ہے، تاکہ وہ گناہوں سے پاک صاف ہوجائے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گناہوں سے معصوم ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گناہ صادر ہی نہیں ہوتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر مشقت برداشت کرنے کی کیا ضرورت ہے؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا کہ عبادت کی صرف یہی ایک غرض نہیں ہوتی، بلکہ اس کے مختلف اسباب ہوتے ہیں، جب اس اللہ نے میرے سارے گناہ اپنے فضل وکرم سے معاف فرمادیئے ہیں، اور مجھے منصب نبوت کے اعلیٰ مقام پر فائز کیا ہے، اپنی بے انتہا نعمتوں سے نوازا ہے، تو اس کا تقاضا ہے کہ میں اس ذات کا شکر ادا کرنے کے لیے زیادہ سے زیادہ عبادت کروں، اس میں خوب محنت ومشقت اور مجاہدہ برداشت کروں اور اس کا شکر گذار بندہ بنوں۔

''ربیع الابرار'' میں حضرت علیؓ کا ایک بہت ہی حکیمانہ قول منقول ہے:

**اِنَّ قَوْمًا عَبَدُوْا رَغْبَۃً فَتِلْکَ عِبَادَۃُ التُّجَّارِ، وَاِنَّ قَوْمًا عَبَدُوْا رَھْبَۃً فَتِلْکَ عِبَادَۃُ الْعَبِیْدِ، وَاِنَّ قَوْمًا عَبَدُوْا شُکْرًا فَتِلْکَ عِبَادَۃُ الْأَحْرَارِ(۱)**

اس کا حاصل یہ ہے کہ عبادت کرنے والے تین طرح کے لوگ ہوتے ہیں:

- کچھ لوگ عبادت اس غرض سے کرتے ہیں تاکہ انہیں نعمتیں، جنت اور اجر وثواب وغیرہ حاصل ہوجائے، یہ تاجروں کی عبادت ہے، اس عبادت سے خریداری مقصود ہے، اس دنیا میں عبادات کے ذریعہ گویا قیمت ادا کی جارہی ہے، آخرت میں اس کا بدلہ مل جائے گا۔
- بعض لوگ اللہ جل شانہ کے ڈر اور جہنم کے عذاب کے خوف سے عبادت کرتے ہیں، یہ گویا غلاموں کی عبادت ہے، جو سختی اور خوف کی وجہ سے عبادات کرتے ہیں، جیسے نوکروں کا دستور ہوتا ہے۔
- اور ایک وہ عبادت ہے جو کسی غرض اور خوف کے بغیر محض اللہ جل شانہ کی نعمتوں کی شکر کی ادائیگی کے لیے کی جاتی ہے، یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے، عبادت کا یہ مقام سب سے اعلیٰ ہے، اس عبادت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سرانجام دے رہے تھے۔

حضرت عائشہؓ سے بھی اس شکریہ کے بارے میں ایک تفصیلی روایت منقول ہے: حضرت عطاء فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ سے عرض کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی کوئی عجیب ترین بات بتائیں، انہوں نے فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کونسی بات ایسی تھی، جو عجیب ترین نہ تھی، پھر فرمایا کہ ایک رات کا واقعہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سونے کے لیے ایک مرتبہ میرے گھر تشریف لائے، میرے ساتھ بستر پر لیٹ گئے، کچھ دیر کے بعد مجھ سے فرمایا کہ مجھے چھوڑو! تاکہ میں اپنے پروردگار کی عبادت کروں، یہ فرما کر کھڑے ہوگئے، وضو کے بعد نماز پڑھنا شروع کردی اور رونا شروع کردیا، اتنا روئے کہ سینہ مبارک تک آنسو بہہ کر آنے لگے، اس کے بعد رکوع، سجدے اور سجدے سے اٹھ کر بھی خوب روتے رہے، صبح تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہی کیفیت رہی، اتنے میں حضرت بلال فجر کی نماز کے لیے بلانے کے لیے آگئے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں نے عرض کیا: یارسول اللہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس قدر کیوں روئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تو اللہ جل شانہ نے اگلے پچھلے سارے گناہ معاف کردیئے ہیں، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا میں اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بندہ نہ بنوں؟ اس کے بعد ارشاد فرمایا: میں ایسا کیوں کر نہ کرتا، جبکہ اللہ تعالیٰ نے آج مجھ پر سورہ آل عمران کا آخری رکوع نازل فرمایا ہے: ان فی خلق السموات والارض... الخ۔

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۳/۲۶۷، کتاب الصلاۃ، باب التحریض علی قیام اللیل، رقم الحدیث: ۱۲۲۰، ربیع الابرار ونصوص الاخبار فی المحاضرات لابی القاسم محمود بن عمر الزمخشری، ۲/۲۹۹ الباب السادس والعشرون: الدین وما یتعلق بہ، بیروت۔

۱۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں خوب اہتمام اور مجاہدہ کرنا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر قسم کے گناہوں سے پاک صاف ہونے کے باوجود، اس قدر زیادہ عبادت کرتے کہ طویل قیام کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک سوج جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ کی زیادہ عبادت سے کوئی تنگی اور اکتاہٹ نہیں ہوتی تھی، یوں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کی نعمتوں کے شکر ادا کرنے میں اپنے آپ کو تھکا دیتے، اس سے امت کو یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ وہ بھی اپنی ہمت اور طاقت کے بقدر اللہ جل شانہ کی خوب عبادت کیا کریں، مگر اعتدال کے ساتھ، اس میں افراط وتفریط نہ ہو، چنانچہ ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: خُذُوا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوا (تم ایسے اعمال کرو جن کی تمہاری اندر طاقت ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ اجر وثواب دینے سے نہیں اکتاتے، تم خود ہی عبادت سے تھک جاؤ گے)۔

۲۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفلی نماز یعنی نیک اعمال سے بھی اللہ کا شکر ادا ہوتا ہے، جس طرح کہ زبان سے شکر ادا کیا جاتا ہے۔(۱)

## کیا انبیاء سے گناہ سرزد ہوسکتا ہے

اس حدیث میں ہے: وقد غفر اللہ لک ما تقدم من ذنبک وما تأخر کہ اللہ جل شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سارے گناہ معاف فرمادیے ہیں، اس سے یہ شبہ ہوتا ہے کہ گناہ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرزد ہوئے ہیں مگر اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سب گناہ معاف فرمادیے ہیں، حالانکہ انبیاء علیہم السلام تو گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں، ان سے تو گناہ صادر ہی نہیں ہوتا۔

نیز قرآن مجید کی بہت سی آیات میں متعدد انبیاء سے متعلق ایسے واقعات مذکور ہیں، جن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان سے گناہ سرزد ہوا، اور اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان پر عتاب بھی ہوا اور بعض اوقات عتاب کے بغیر ہی ان سے درگذر کردیا گیا، مثلاً حضرت آدم علیہ السلام، حضرت موسیٰ علیہ السلام، حضرت نوح علیہ السلام، اور حضرت یونس علیہ السلام وغیرہ، اگر انبیاء گناہوں سے معصوم ہوتے ہیں تو پھر اس قسم کے واقعات کا کیا مطلب ہے؟

اس سوال کے مفسرین اور محدثین نے مختلف انداز سے جواب دیے ہیں، یہاں پر دو جواب ذکر کیے جاتے ہیں:

۱۔ سب سے آسان اور بہتر جواب یہ ہے کہ ہر شخص کے گناہ اس کے درجہ اور مقام کے مناسب ہوتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور انبیاء علیہم السلام کے درجہ اور مرتبہ کے لحاظ سے جو کوتاہیاں شمار کی گئیں، وہ ایسے امور ہیں، جو حقیقت میں گناہ نہیں، بلکہ عین طاعت ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بلند شان کے اعتبار سے ان کو گناہ شمار کیا گیا ہے، جس کو یوں تعبیر کیا گیا ہے، حَسَنَاتُ الْأَبْرَارِ سَيِّئَاتُ الْمُقَرَّبِينَ (نیک لوگوں کی خوبیاں، مقربین کے لیے گناہ بن جاتی ہیں) مثلاً ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کچھ کافر سرداروں سے گفتگو میں مشغول تھے، یہ توقع تھی کہ وہ اسلام قبول کرلیں گے، یہ بھی ایک نیک کام تھا، اس دوران ایک نابینا صحابی حضرت

(۱) فتح الباری ۱۹/۳، کتاب التهجد، باب قیام اللیل، رقم الحدیث: ۱۱۳۰

عبداللہ بن ام مکتوم حاضر ہوئے، انہوں نے کچھ بات کی، اس موقع کے لحاظ سے آپ ﷺ کو ان کا کلام کرنا گراں ہوا کہ ان کی یہ بات ابھی کوئی ضروری نہیں، کفار کو دعوت دینا اس وقت ضروری امر ہے، مگر اللہ جل شانہ کو آپ ﷺ کی یہ ادا پسند نہ آئی، اس پر آپ ﷺ کو سورہ عبس میں تنبیہ کی گئی، اسی طرح جنگ بدر میں نبی کریم ﷺ نے قیدیوں سے بعض اسباب کی وجہ سے فدیہ لینے کا فیصلہ فرمایا، فدیہ لے کر ان کو چھوڑ دیا گیا، یہ بھی ایک جائز فیصلہ تھا مگر اللہ تعالیٰ کی نظر میں فدیہ کے بجائے ان کو قتل کر دینا زیادہ پسند تھا، اس لیے آپ ﷺ کے اس فیصلہ پر قرآن مجید میں تنبیہ نازل ہوئی مگر اس فیصلہ کو برقرار رکھا گیا، اسے ختم نہیں کیا گیا۔

۲۔ حضرت مفتی محمد شفیع صاحب رحمہ اللہ لکھتے ہیں: "ایسے واقعات کا حاصل باتفاق امت یہ ہے کہ کسی غلط فہمی یا خطاء ونسیان کی وجہ سے ان کا صدور ہو جاتا ہے، کوئی پیغمبر جان بوجھ کر اللہ تعالیٰ کے کسی حکم کے خلاف عمل نہیں کرتا، غلطی اجتہادی ہوتی ہے یا خطاء ونسیان کے سبب، قابل معافی ہوتی ہے، جس کو اصطلاح شرع میں گناہ نہیں کہا جا سکتا، اور یہ سہو ونسیان کی غلطی ان سے ایسے کاموں میں نہیں ہو سکتی، جن کا تعلق تبلیغ وتعلیم اور تشریع سے ہو، بلکہ ان سے ذاتی افعال اور اعمال میں ایسا سہو ونسیان ہو سکتا ہے۔

مگر چونکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک انبیاء علیہم السلام کا مقام نہایت بلند ہے، اور بڑوں سے چھوٹی غلطی بھی ہو جائے تو بہت بڑی غلطی سمجھی جاتی ہے، اس لیے قرآن حکیم میں ایسے واقعات کو معصیت اور گناہ سے تعبیر کیا گیا ہے، اور اس پر عتاب بھی کیا گیا ہے، اگرچہ حقیقت کے اعتبار سے وہ گناہ ہی نہیں" (۱)

عَنِ الْأَسْوَدِ بْنِ يَزِيدَ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ؟ فَقَالَتْ: كَانَ يَنَامُ أَوَّلَ اللَّيْلِ ثُمَّ يَقُومُ، فَإِذَا كَانَ مِنَ السَّحَرِ أَوْتَرَ، ثُمَّ أَتَى فِرَاشَهُ، فَإِذَا كَانَ لَهُ حَاجَةٌ أَلَمَّ بِأَهْلِهِ، فَإِذَا سَمِعَ الْأَذَانَ وَثَبَ، فَإِنْ كَانَ جُنُبًا أَفَاضَ عَلَيْهِ مِنَ الْمَاءِ، وَإِلَّا تَوَضَّأَ وَخَرَجَ إِلَى الصَّلَاةِ. (۲)

ترجمہ: حضرت اسود بن یزید کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے حضور اقدس ﷺ کی رات کی نماز (یعنی تہجد اور وتر) کے بارے میں دریافت کیا (کہ آپ ﷺ کا کیا معمول تھا) انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ (عشاء کی نماز کے بعد) رات کے پہلے حصہ میں سوتے تھے، پھر آپ ﷺ اٹھتے تھے، اور تہجد پڑھتے رہتے) اور جب اخیر رات ہوتی تو آپ ﷺ نماز وتر پڑھتے پھر اپنے بستر پر تشریف لے آتے، پھر اگر آپ ﷺ کو (طبعی) ضرورت ہوتی تو اپنی بیوی کے قریب ہو جاتے (یعنی جماع کرتے) جب فجر کی اذان ہوتی تو آپ ﷺ فوراً اٹھتے، پھر اگر آپ ﷺ جنابت کی حالت میں ہوتے تو اپنے اوپر پانی بہاتے (یعنی غسل فرماتے) ورنہ وضو فرماتے اور نماز کے لیے تشریف لے جاتے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** السحر: (سین اور حا پر زبر) رات کا اخیر، فجر سے کچھ پہلے کا وقت، فراشہ: اپنے بستر پر، الم

---

(۱) معارف القرآن ۱/۱۹۵، مسئلہ عصمت انبیاء۔

(۲) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۸۔

**باهله:** یہ المام سے ہے: اپنی بیوی کے قریب ہوتے، یعنی ہمبستری کرتے، و ثب: آپ ﷺ فوراً چستی سے اٹھتے، **أفاض عليه من الماء:** اپنے اوپر پانی بہاتے یعنی غسل کرتے۔

## نبی کریم ﷺ تہجد کے بعد کچھ دیر آرام فرماتے

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۞ نبی کریم ﷺ رات کے آخری حصے میں نماز تہجد پڑھا کرتے، اللہ جل شانہ کی یاد میں کافی وقت صرف فرماتے اور آخر میں نماز وتر پڑھتے، پھر اہلیہ کے ساتھ لیٹ جاتے، اگر طبیعت چاہتی تو ہمبستری فرمالیتے، پھر آپ ﷺ آرام فرماتے، اذان فجر سن کر آپ ﷺ فوراً اٹھتے، اگر غسل کرنا ضروری ہوتا تو غسل فرمالیتے ورنہ وضو کر کے نماز پڑھانے کے لیے مسجد تشریف لے جاتے۔

۞ اطباء کے نزدیک بیوی کے ساتھ ہمبستری کرنے کا سب سے بہترین وقت اخیر شب ہے، کیونکہ یہ اعتدال کا وقت ہے، آرام کرنے کی وجہ سے طبیعت میں نشاط ہوتا ہے، اگر رات کے شروع میں جماع کیا جائے تو یہ صحت کے لیے نقصان دہ ہوتا ہے، کیونکہ اس وقت آدمی کا پیٹ عموماً بھرا ہوتا ہے، یہ سب طبی لحاظ سے فوائد کا بیان ہے، ورنہ شرعی لحاظ سے انسان کسی بھی وقت جماع کرسکتا ہے، نبی کریم ﷺ سے رات کے شروع اور دن کے مختلف اوقات میں بھی جماع کرنا ثابت ہے۔

۞ اگر آدمی پر غسل فرض ہوجائے تو جس قدر جلد ہوسکے، غسل کر لینا چاہیے، اس میں اتنی تاخیر کرنا کہ جس سے انسان کی نماز قضا ہوجائے، جائز نہیں ہے۔(۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ بَاتَ عِنْدَ مَيْمُونَةَ وَهِيَ خَالَتُهُ قَالَ : فَاضْطَجَعْتُ فِي عَرْضِ الْوِسَادَةِ ، وَاضْطَجَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي طُولِهَا ، فَنَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا انْتَصَفَ اللَّيْلُ أَوْ قَبْلَهُ بِقَلِيلٍ أَوْ بَعْدَهُ بِقَلِيلٍ ، فَاسْتَيْقَظَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ يَمْسَحُ النَّوْمَ عَنْ وَجْهِهِ ، ثُمَّ قَرَأَ الْعَشْرَ الآيَاتِ الْخَوَاتِيمَ مِنْ سُورَةِ آلِ عِمْرَانَ ، ثُمَّ قَامَ إِلَى شَنٍّ مُعَلَّقٍ فَتَوَضَّأَ مِنْهَا ، فَأَحْسَنَ الْوُضُوءَ ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي ، قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبَّاسٍ : فَقُمْتُ إِلَى جَنْبِهِ فَوَضَعَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ الْيُمْنَى عَلَى رَأْسِي ثُمَّ أَخَذَ بِأُذُنِي الْيُمْنَى فَفَتَلَهَا فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ ، ثُمَّ رَكْعَتَيْنِ - قَالَ مَعْنٌ : سِتَّ مَرَّاتٍ - ثُمَّ أَوْتَرَ ، ثُمَّ اضْطَجَعَ حَتَّى جَاءَهُ الْمُؤَذِّنُ فَقَامَ فَصَلَّى رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ ، ثُمَّ خَرَجَ فَصَلَّى الصُّبْحَ .(۲)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۸۲/۲

(۲) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۲۳۲۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے کریب راوی کو بتایا کہ انہوں نے (بچپن میں) اپنی خالہ حضرت میمونہ کے ہاں ایک رات گذاری، فرماتے ہیں کہ میں تکیہ کی چوڑائی پر سر رکھ کر لیٹ گیا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (اور ان کی اہلیہ) تکیہ کی لمبائی والے حصہ پر سر رکھ کر لیٹ گئے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم (اپنی اہلیہ سے تھوڑی دیر باتیں کرنے کے بعد) سو گئے یہاں تک کہ جب آدھی رات ہوگئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے اور اپنے چہرے پر ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار کو دور کرنے لگے، اور سورہ آل عمران کی آخری دس آیتیں تلاوت فرمائیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مشکیزہ کی طرف اٹھے جو لٹکا ہوا تھا، اس کے پانی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو کیا، اور اچھی طرح وضو کیا، پھر نماز پڑھنے کے لیے کھڑے ہوگئے۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں بھی وضو کر کے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں یعنی بائیں جانب کھڑا ہوگیا (مقتدی کی حیثیت سے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (اس وجہ سے کہ ایک مقتدی کو امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے) میرے سر پر اپنا دایاں ہاتھ رکھا، پھر میرا دایاں کان پکڑا اور اسے مروڑا، پھر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت نماز پڑھتے رہے، حدیث کے راوی معن کہتے ہیں کہ چھ مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو دو رکعت نماز پڑھی، (یوں یہ بارہ رکعات ہوگئیں) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے اور لیٹ گئے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے موذن آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اٹھے، اور مختصر قراءت کے ساتھ دو رکعت سنت پڑھیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لے گئے اور فجر کی نماز پڑھائی۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** بات: رات گذاری، انه اخبره: ابن عباس نے کریب کو بتایا، فی عرض الوسادة: (عین پر زبر اور را ساکن) تکیہ کی چوڑائی والی جانب پر، یمسح النوم عن وجهه: اپنے چہرے سے ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار دور کرنے لگے، شن: (شین پر زبر) مشکیزہ، معلق: لٹکایا ہوا، الی جنبه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پہلو میں یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بائیں جانب، ففتلها: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کان کو مروڑا، خواتیم: ختام کی جمع ہے: خاتمہ، آخری آیات۔

## حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رات کے معمولات دیکھے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ ایک مرتبہ اپنی خالہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے گھر گئے، وہاں رات گذاری تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمولات دیکھ سکیں، بعض کے بقول حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے ان کو اس مقصد کے لیے بھیجا تھا، رات کو عشاء کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی اہلیہ حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ کچھ دیر گفتگو کی پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لیٹ گئے، تکیہ کی لمبائی والے حصے پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا نے سر رکھا اور تکیہ کی چوڑائی پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے سر رکھا، یوں سب حضرات سو گئے، پھر جب آدھی رات ہوئی یا اس سے کچھ پہلے یا اس کے کچھ بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیدار ہوئے، آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر نیند کے آثار دور کرنے لگے، پھر آسمان کی طرف دیکھ کر سورہ آل عمران کا آخری رکوع تلاوت فرمایا، پھر مشکیزے سے وضو کر کے نماز تہجد پڑھنی شروع کر

دی۔

ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ میں آپ ﷺ کی بائیں جانب کھڑا ہو گیا، مسئلہ کی رو سے جب ایک ہی مقتدی ہو تو اسے امام کی دائیں جانب کھڑا ہونا چاہیے، اس لیے آپ ﷺ نے حضرت عباسؓ کے کان کو مروڑا اور انہیں گھما کر دائیں جانب کھڑا کر دیا، پھر آپ ﷺ نے دو دو رکعت کر کے بارہ رکعات پڑھیں پھر وتر پڑھ کر لیٹ گئے، پھر حضرت بلالؓ نے آپ ﷺ کو فجر کی اطلاع دی تو آپ ﷺ نے فجر کی دو سنتیں مختصر قرأت کے ساتھ پڑھیں پھر آپ ﷺ صبح کی نماز کے لیے مسجد تشریف لے گئے۔

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- امام ابو حنیفہؒ اس حدیث سے استدلال کر کے یہ فرماتے ہیں کہ تہجد کی بارہ رکعات ہیں۔
- اپنی بیوی کے ساتھ انسان ایک بستر اور تکیہ پر لیٹ سکتا ہے، نبی کریم ﷺ اپنی ازواج کے ساتھ ایک بستر پر سویا کرتے تھے۔
- نیند سے اٹھنے کے بعد آنکھوں پر ہاتھ پھیر کر نیند کے اثرات دور کرنا ایک مسنون عمل ہے اور پھر آسمان کی طرف دیکھ کر سورہ آل عمران کا آخری رکوع تلاوت کرنا چاہیے۔
- ایک مقتدی ہو تو اسے امام کی دائیں جانب کھڑے ہونا چاہیے۔
- ہمت کر کے تہجد کی نماز پڑھنے کا اہتمام کرنا چاہیے۔
- اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی بزرگ کے معمولات اس لیے معلوم کرنا، تا کہ ان کے مطابق ہم بھی شب و روز گذاریں، جائز ہے۔
- نفل نماز گھر میں پڑھنا بہتر ہے۔(۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ تہجد کی نماز (وتر سمیت کبھی) تیرہ رکعت پڑھا کرتے تھے۔

## دس رکعت تہجد کا ذکر

احادیث میں نبی کریم ﷺ سے تہجد کی مختلف رکعات نقل کی گئی ہیں، یہ مختلف اوقات اور حالات کے اعتبار سے ہیں،

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۸۳/۲

(۲) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۴۲۔

وقت میں گنجائش ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ رکعات پڑھ لیتے ورنہ کم پڑھ لیتے، تہجد کی رکعات میں کوئی خاص عدد متعین نہیں ہے کہ جس سے کم وبیش جائز نہ ہو، بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وقت میں گنجائش ہونے کے باوجود کم رکعتیں پڑھتے مگر ان میں طویل قیام فرماتے، عام معمول آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا آٹھ رکعت تہجد پڑھنے کا تھا، ابن عباس رضی اللہ عنہ کی اس حدیث میں دس رکعت تہجد اور تین رکعت وتر کا ذکر ہے، یوں یہ تیرہ رکعات ہو جاتی ہیں، بعض کے نزدیک، تیرہ میں فجر کی دو سنتیں بھی شامل ہیں تو پھر آٹھ رکعت تہجد، تین وتر اور دو رکعت فجر کی سنتیں ہوں گی۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ : أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ إِذَا لَمْ يُصَلِّ بِاللَّيْلِ مَنَعَهُ مِنْ ذٰلِكَ النَّوْمُ ، أَوْ غَلَبَتْهُ عَيْنَاهُ صَلَّى مِنَ النَّهَارِ ثِنْتَيْ عَشْرَةَ رَكْعَةً.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم جب رات میں تہجد کی نماز نہ پڑھ سکتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تہجد سے نیند روک دیتی تھی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غالب آجاتی تھیں تو دن میں (قضا کے طور پر) بارہ رکعات پڑھ لیا کرتے تھے۔

## تہجد کی قضا بارہ رکعتیں

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رات کو نیند کے غلبہ یا کسی اور وجہ سے اگر کبھی نماز تہجد نہ پڑھ سکتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوال سے پہلے بارہ رکعت نفل، تہجد کی قضا کی نیت سے پڑھ لیا کرتے تھے، اگر یہ کہا جائے کہ نماز تہجد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض تھی پھر تو اس کی قضا کرنا ظاہر ہے، اور اگر یہ نماز آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض نہ ہو، بلکہ نفل ہو، تو پھر اس کی قضا کرنا بیان فضیلت کے لیے ہے، چنانچہ صحیح مسلم میں حضرت عمر سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص رات کو اپنے وظائف اور معمولات پورے نہ کر سکے یا ان میں سے کچھ رہ جائیں تو اسے چاہیے کہ طلوع آفتاب کے بعد زوال سے پہلے تک اس دوران کسی وقت اسے پورا کر لے، یہ ایسا ہی ہے گویا کہ اس نے رات کو یہ معمولات ادا کر لیے۔

اس سے معلوم ہوا کہ اگر انسان سے کسی دن رات کو تہجد کی نماز رہ جائے، کسی وجہ سے وہ نہ پڑھ سکے، یا اور کوئی وظائف کے معمولات مکمل نہ کر سکے تو زوال سے پہلے انہیں پورا کر لینا چاہیے، انہیں چھوڑنا نہیں چاہیے کہ پھر انسان کا نفس اسی کا عادی بن جاتا ہے۔

۲۔ اس حدیث میں تہجد کی بارہ رکعات کا ذکر ہے، ملا علی قاری رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ اس طرح کی احادیث سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۸۷

(۲) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۴۴۔

استدلال کر کے یہ فرماتے ہیں کہ تہجد کی رکعات بارہ ہیں۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: إِذَا قَامَ أَحَدُكُمْ مِنَ اللَّيْلِ فَلْيَفْتَتِحْ صَلَاتَهُ بِرَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی رات کو تہجد کے لیے اٹھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی نماز (تہجد) کا آغاز دو مختصر رکعتوں سے کرے۔

## نمازِ تہجد کا آغاز دو مختصر رکعتوں سے کیا جائے

سنت یہ ہے کہ نمازِ تہجد کا آغاز دو مختصر رکعتوں سے کیا جائے، تا کہ شروع ہی سے لمبی رکعتوں سے تھکاوٹ نہ ہو جائے، بعض علماء کے نزدیک یہ دو رکعتیں تحیۃ الوضوء کی ہوتی تھیں، اسے مختصر پڑھنا بہتر ہوتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں مختصر پڑھا کرتے تھے، حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث میں آتا ہے کہ جب آدمی سوتا ہے تو شیطان اس کے سر کے پچھلے حصہ پر تین گرہیں لگاتا ہے، وہ اسے لوریاں دیتا ہے کہ ابھی تو رات بہت ہے لہذا تو سوتا رہ، جب آدمی اٹھ کر اللہ کا نام لیتا ہے تو ایک گرہ کھل جاتی ہے، اور جب وضو کرتا ہے تو دوسری گرہ کھل جاتی ہے، اور جب نماز پڑھتا ہے تو تیسری گرہ کھل جاتی ہے، پھر وہ نشیط اور چست ہو جاتا ہے۔

چونکہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ تیسری گرہ نماز پڑھنے سے کھلتی ہے، اس لیے دو رکعت مختصر پڑھنے کا حکم ہے، تا کہ وہ تیسری گرہ بھی کھل جائے، اور پھر ساری نماز شیطان کے اثر سے محفوظ ہونے کے بعد پڑھی جائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شیطان کے تسلط سے گو کہ محفوظ تھے مگر امت کی تعلیم کے لیے یہ دو رکعت مختصر انداز سے پڑھا کرتے تھے، تا کہ امت اس عمل کی اقتداء کرے۔(۳)

عَنْ زَيْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُهَنِيِّ، أَنَّهُ قَالَ: لَأَرْمُقَنَّ صَلَاةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَتَوَسَّدْتُ عَتَبَتَهُ، أَوْ فُسْطَاطَهُ فَصَلَّى رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ خَفِيفَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ طَوِيلَتَيْنِ، طَوِيلَتَيْنِ، طَوِيلَتَيْنِ، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ وَهُمَا دُونَ اللَّتَيْنِ قَبْلَهُمَا، ثُمَّ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۸۷/۲

(۲) الصحیح لمسلم، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۷۶۸۔

(۳) فتح الباری ۳۲/۳، کتاب التہجد، باب عقد الشیطان علی قافیۃ الرأس، رقم الحدیث: ۱۱۴۲

أَوْتَرَ فَذٰلِكَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ رَكْعَةً.(۱)

ترجمہ: حضرت زید بن خالد جہنی فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ میں نے ارادہ کیا کہ) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز کو آج میں ضرور غور سے دیکھوں گا، چنانچہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان کی، یا فرمایا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی چوکھٹ کو تکیہ بنالیا، (اور لیٹ گیا، تاکہ غور سے دیکھتا رہوں) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے دو مختصر رکعتیں پڑھیں، پھر دو رکعتیں لمبی لمبی یعنی بہت لمبی پڑھیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں، اور وہ ان سے پہلی والی دو رکعتوں سے مختصر تھیں پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اور وہ ان سے پہلی والی دو رکعتوں سے مختصر تھیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعتیں پڑھیں اور وہ ان سے پہلی والی دو رکعتوں سے مختصر تھیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وتر پڑھے، یہ سب تیرہ رکعتیں ہوئیں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** لارمقن: میں ضرور غور سے دیکھوں گا، توسدت: میں نے تکیہ بنالیا، عتبته: (عین اور تاء پر زبر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر کی چوکھٹ کو، او فسطاطه: (فا پر پیش اور سین ساکن) یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کو۔

## حضرت زید بن خالد نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز دیکھی

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ مدنی صحابی ہیں، ان کی کنیت ابوزرعہ یا ابوعبدالرحمن یا ابوطلحہ ہے، صلح حدیبیہ اور دیگر تمام غزوات میں شریک ہوتے رہے، فتح مکہ کے دن قبیلہ جہینہ کا جھنڈا ان کے پاس تھا، صحیحین وغیرہ میں ان کی احادیث روایت کی گئی ہیں، بعض کے نزدیک ۷۸ھ میں ان کی وفات ہوئی۔(۲)

حضرت زید بن خالد جہنی رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ بڑا اہتمام کیا، تاکہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز کا معائنہ کر سکیں، اس کے لیے وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر یا خیمہ کی چوکھٹ پر لیٹ گئے، یہاں کسی راوی کو شک ہوا کہ گھر کا لفظ تھا یا خیمہ کا، مگر ظاہر یہی ہے کہ یہ کسی سفر کا واقعہ ہے جس میں انہوں نے یہ اہتمام کیا، کیونکہ مدینہ منورہ کے قیام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول اپنی کسی اہلیہ کے ساتھ آرام کرنے کا تھا، ایسے میں حضرت زید کے لیے یہ ممکن نہیں تھا کہ وہ گھر کی چوکھٹ پر لیٹ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تہجد کی نماز کا معمول دیکھ سکیں، اس لیے حدیث میں کسی سفر کے خیمہ کا ذکر ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ازواج مطہرات میں سے کوئی نہیں تھیں، اس موقع پر انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خیمہ کی چوکھٹ پر رات گزاری اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رات کے معمولات دیکھے۔

---

(۱) الصحیح لمسلم ۳۰۶/۱، کتاب صلاۃ المسافرین رقم الحدیث: ۷۶۵۔

(۲) الاصابة فی تمییز الصحابة ۴۹۹/۲، حرف الزا المنقوطة، رقم الترجمة: ۲۹۰۲۔

۲۔ اس حدیث میں تیرہ رکعات کا ذکر ہے، جو حضرات وتر کی ایک رکعت کے قائل ہیں، ان کے نزدیک چھ مرتبہ دو دو رکعتیں نوافل اور ایک رکعت وتر کی ہے، اس میں شروع کی دو رکعتیں مختصر قرأت کے ساتھ ہوتیں اور اس کے بعد کی دو رکعتیں خوب طویل اور لمبی ہوتیں، اسی وجہ سے حدیث میں تین مرتبہ طویلتین کہا گیا ہے، اور احناف کے نزدیک چونکہ وتر کی تین رکعات ہیں، ان کے نزدیک کل پندرہ رکعتیں ہوں گی، حدیث میں شروع کی دو رکعتیں تحیۃ الوضو کی شمار نہیں کی گئیں، اس لیے تیرہ کا ذکر ہے، ان دو رکعتوں کو شمار کر کے پندرہ رکعتیں ہو جاتی ہیں۔(۱)

عَنْ أَبِي سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ، أَنَّهُ أَخْبَرَهُ أَنَّهُ سَأَلَ عَائِشَةَ، كَيْفَ كَانَتْ صَلَاةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي رَمَضَانَ؟ فَقَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَزِيدَ فِي رَمَضَانَ وَلَا فِي غَيْرِهِ عَلَى إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً، يُصَلِّي أَرْبَعًا لَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي أَرْبَعًا، لَا تَسْأَلْ عَنْ حُسْنِهِنَّ وَطُولِهِنَّ، ثُمَّ يُصَلِّي ثَلَاثًا، قَالَتْ عَائِشَةُ: قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، أَتَنَامُ قَبْلَ أَنْ تُوتِرَ؟ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ: إِنَّ عَيْنَيَّ تَنَامَانِ وَلَا يَنَامُ قَلْبِي.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کی راتوں میں تہجد کی کتنی رکعتیں پڑھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم رمضان اور غیر رمضان میں گیارہ رکعتوں سے زیادہ نہیں پڑھتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم (پہلے) چار رکعت پڑھتے تھے، ان کی عمدگی اور لمبا ہونے کے بارے میں مت پوچھ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم چار رکعت پڑھتے، ان کی بھی عمدگی اور لمبا ہونے کا حال مت پوچھ، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم تین رکعت (وتر) پڑھتے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے عرض کیا: یارسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم وتر پڑھنے سے پہلے سو جاتے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عائشہؓ! میری آنکھیں سوتی ہیں مگر میرا دل نہیں سوتا۔

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ إِحْدَى عَشْرَةَ رَكْعَةً يُوتِرُ مِنْهَا بِوَاحِدَةٍ، فَإِذَا فَرَغَ مِنْهَا اضْطَجَعَ عَلَى شِقِّهِ الْأَيْمَنِ.(۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم رات میں گیارہ رکعات پڑھا کرتے تھے، ان میں سے ایک رکعت کے ذریعہ (نماز کو) وتر بنا لیتے تھے، پھر جب وتر سے فارغ ہو جاتے تو اپنی دائیں کروٹ پر لیٹ جاتے۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي مِنَ اللَّيْلِ تِسْعَ رَكَعَاتٍ.(۴)

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۸۹/۲، ۹۰ المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية: ص: ۴۶۸
(۲) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحدیث: ۴۳۹۔
(۳) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحدیث: ۴۴۰۔
(۴) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحدیث: ۴۴۲۔

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے ہی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ (بسا اوقات) رات میں نو رکعات پڑھا کرتے تھے۔

## نبی کریم ﷺ کا عام معمول آٹھ رکعت تہجد کا تھا

۱۔ نبی کریم ﷺ کی تہجد کی کتنی رکعتیں ہوا کرتی تھیں؟ اس بارے میں مختلف روایات منقول ہیں، چنانچہ سنن ابی داؤد میں خود حضرت عائشہؓ نے حضرت عبداللہ بن ابی قیس کے سوال پر نبی کریم ﷺ کی رات کی نماز تہجد کی رکعات اس طرح گنوائی ہیں: چار نفل اور تین وتر، چھ اور تین وتر، آٹھ اور تین، دس اور تین، یوں یہ تیرہ رکعات ہو جاتی ہیں، حضرت ابن عباسؓ، اور زید بن خالد جہنی کی روایات میں بھی تیرہ رکعات کا ذکر کیا ہے، امام ترمذیؒ نے شمائل میں ہی بعض روایات میں تیرہ سے زیادہ کا بھی ذکر کیا ہے، اوپر حضرت عائشہؓ سے ہی ۹ رکعات یعنی چھ نفل اور تین وتر کا ذکر ہے، یوں بظاہر رکعات کی تعداد میں تعارض پایا جاتا ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہاں کوئی تعارض یا اضطراب نہیں، اس بارے میں سب سے صحیح روایت حضرت عائشہؓ کی مذکورہ گیارہ رکعات والی روایت ہے، جس میں چار اور چار یعنی آٹھ رکعات اور تین وتر کا ذکر ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ کا عام معمول آٹھ رکعت تہجد پڑھنے کا تھا، مگر مختلف حالات اور اوقات میں طبیعت میں نشاط اور مرض وغیرہ کے لحاظ سے اس تعداد میں کمی بیشی بھی ہوتی رہتی تھی، کم از کم چار رکعت نفل ہوتے تھے۔

۲۔ حضرت عائشہؓ کی اس روایت سے استدلال کر کے بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس سے نماز تراویح کی آٹھ رکعات مراد ہیں، مگر یہ بات درست نہیں، اس میں نماز تراویح کا نہیں، بلکہ رات کی نماز یعنی نماز تہجد کا ذکر ہے، واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ رمضان المبارک میں عبادات میں خوب زیادہ اہتمام فرمایا کرتے تھے، اس لیے حضرت ابوسلمہ بن عبدالرحمن کو خیال ہوا کہ شاید تہجد کی رکعات میں بھی آپ ﷺ اضافہ فرماتے ہوں گے، اس وجہ سے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے سوال کیا، حضرت عائشہؓ نے نفی فرما دی کہ نبی کریم ﷺ کا رمضان اور غیر رمضان میں عام معمول آٹھ رکعات تہجد پڑھنے کا تھا، اس پر آپ ﷺ اضافہ نہیں فرماتے تھے، ہاں یہ ہوتا تھا کہ کبھی آپ ﷺ رکعات کے قیام کو خوب لمبا فرمایا کرتے تھے، اس لیے یہ کہنا کہ اس حدیث میں آٹھ تراویح کا ذکر ہے، کسی بھی طرح درست نہیں، نماز تراویح بیس رکعات ہیں، جن کا ثبوت دیگر روایات سے ہے۔

أتنام قبل أن توتر، بعض صحابہؓ کو نبی کریم ﷺ نے سونے سے پہلے وتر پڑھنے کا حکم دیا تھا، جبکہ آپ ﷺ وتر سے پہلے سو جایا کرتے تھے، اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ وتر سے پہلے سو جاتے ہیں؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ میرا معاملہ الگ ہے، میری آنکھیں تو سوتی ہیں مگر میرا دل بیدار رہتا ہے، اس لیے میں وتر سے پہلے سو جاتا ہوں، لہذا اگر کسی کو اس بات کا خطرہ ہو کہ معلوم نہیں اس کی آنکھ رات کے آخری حصے میں کھلے گی یا نہیں؟ تو ایسے بندے کو سونے سے پہلے ہی نماز وتر پڑھ لینی چاہیے، اور اگر رات کے آخر میں بیدار ہونے کا معمول ہو تو پھر وتر کی نماز رات کے آخری حصے میں

پڑھنا بہتر ہے۔(۱)

۳۔ "ثم یصلی ثلاثا" اس سے استدلال کر کے احناف کہتے ہیں کہ وتر کی تین رکعتیں ایک سلام کے ساتھ ہیں، جس طرح کہ مغرب کی نماز ہے، جبکہ حنابلہ اور شافعیہ کے نزدیک وتر کی تین رکعتیں دو سلام کے ساتھ ہیں، یعنی دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیں گے اور پھر تیسری رکعت نئی تحریمہ کے ساتھ الگ پڑھی جائے گی، اور امام مالک کے نزدیک وتر کی ایک ہی رکعت ہے۔

یوتر منها بواحدة اس جملے کا مطلب یہ ہے کہ ایک رکعت کے ذریعہ اس نماز کو وتر بنا لیتے تھے، یعنی پہلے جو دو دو رکعتوں کی ترتیب چل رہی ہوتی تھی، اس میں آخری دو رکعتوں کے ساتھ مزید ایک رکعت ملا کر اسے وتر بنا لیا کرتے تھے، صرف ایک رکعت پڑھنا مراد نہیں کہ اس کی شریعت میں کوئی مثال نہیں، بلکہ اسے صلاۃ بتیراء یعنی دم بریدہ نماز کہا گیا ہے۔(۲)

عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ، أَنَّهُ صَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ اللَّيْلِ قَالَ: فَلَمَّا دَخَلَ فِي الصَّلَاةِ قَالَ: اللّٰهُ أَكْبَرُ ذُو الْمَلَكُوتِ وَالْجَبَرُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ قَالَ: ثُمَّ قَرَأَ الْبَقَرَةَ، ثُمَّ رَكَعَ رُكُوعَهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ وَكَانَ يَقُولُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْعَظِيمِ ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ فَكَانَ قِيَامُهُ نَحْوًا مِنْ رُكُوعِهِ، وَكَانَ يَقُولُ: لِرَبِّيَ الْحَمْدُ، لِرَبِّيَ الْحَمْدُ ثُمَّ سَجَدَ فَكَانَ سُجُودُهُ نَحْوًا مِنْ قِيَامِهِ، وَكَانَ يَقُولُ: سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى، سُبْحَانَ رَبِّيَ الْأَعْلَى ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَكَانَ مَا بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ نَحْوًا مِنَ السُّجُودِ، وَكَانَ يَقُولُ: رَبِّ اغْفِرْ لِي، رَبِّ اغْفِرْ لِي حَتَّى قَرَأَ الْبَقَرَةَ وَآلَ عِمْرَانَ وَالنِّسَاءَ وَالْمَائِدَةَ أَوِ الْأَنْعَامَ، شُعْبَةُ الَّذِي شَكَّ فِي الْمَائِدَةِ وَالْأَنْعَامِ۔(۳)

ترجمہ: حضرت حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ انہوں نے ایک رات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، فرماتے ہیں: جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز میں داخل ہو گئے یعنی نماز شروع فرما دی تو یہ پڑھا: اَللّٰهُ اَكْبَرُ ذُوْ الْمَلَكُوْتِ وَالْجَبَرُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ (اللہ بہت بڑا ہے، جو بڑی بادشاہت والا، بڑے غلبہ والا، بڑائی اور عظمت و بزرگی والا ہے) فرماتے ہیں: پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (سورہ فاتحہ پڑھ کر) سورہ بقرہ کی تلاوت فرمائی، پھر رکوع کیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ رکوع آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قیام جیسا (لمبا) تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع میں سبحان ربی العظیم، سبحان ربی العظیم، (میں اپنے عظمت والے پروردگار کی پاکی بیان کرتا ہوں) پڑھتے رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر رکوع سے اٹھایا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قومہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رکوع جیسا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لِرَبِّيَ الْحَمْدُ (میرے پروردگار کے لیے ہی تمام تعریفیں ہیں) پڑھتے رہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا سجدہ بھی

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/ ۹۰

(۲) اوجز المسالک ۲/ ۳۵۳، عدد رکعات الوتر و دلائل الثلاث۔

(۳) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۲۶۲۔

آپ ﷺ کے کھڑے ہونے کے برابر تھا، اور اس میں آپ ﷺ سبحان ربی الاعلیٰ، سبحان ربی الاعلیٰ (میں اپنے بلند و برتر پروردگار کی ہر قسم کے عیب سے پاکی بیان کرتا ہوں) پھر آپ ﷺ نے اپنا سر سجدہ سے اٹھایا (اور جلسہ میں بیٹھ گئے) چنانچہ آپ ﷺ کا دو سجدوں کے درمیان بیٹھنا بھی سجدوں کے برابر تھا، آپ ﷺ اس نشست میں رَبِّ اغْفِرْلِيْ، رَبِّ اغْفِرْلِيْ (اے میرے پروردگار میری مغفرت کر دے) مانگتے رہے) یہاں تک کہ آپ ﷺ نے اپنی اس نماز میں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء، سورہ مائدہ یا سورہ انعام یہ چاروں سورتیں پڑھیں، شعبہ راوی کو ان اخیر کی دو سورتوں میں شک ہو گیا کہ مائدہ اور انعام میں سے کونسی تھی۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ ملکوت:** (میم اور لام پر زبر) عظیم الشان سلطنت، یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی سلطنت کے لیے خاص ہے، **جبروت:** (جیم اور باء پر زبر) قدرت، طاقت، غالب، **کبریاء:** عظمت و بڑائی، **نحوا من قیامه:** آپ ﷺ کے قیام کے برابر۔

## تہجد کی چار رکعتوں میں تقریباً چھ پاروں کی تلاوت

اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے نماز تہجد کی چار رکعت خوب طویل پڑھیں، جن میں چار بڑی سورتیں سورہ بقرہ، سورہ آل عمران، سورہ نساء اور سورہ مائدہ یا انعام میں سے ایک سورت پڑھی، پہلی رکعت میں سورہ بقرہ سے پہلے اگرچہ فاتحہ کا اس حدیث میں ذکر نہیں، مگر وہ مراد ہے، اس بات کا چونکہ ہر مسلمان کو معلوم تھا، اس لیے راوی نے اسے ذکر نہیں کیا، لیکن مسلم وغیرہ کی روایت میں اس کی تصریح ہے کہ نبی کریم ﷺ نے سورہ بقرہ، سورہ آل عمران اور سورہ نساء تینوں سورتیں ایک ہی رکعت میں پڑھیں، بظاہر یوں دونوں روایتوں میں تعارض پایا جا رہا ہے۔

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ حضرت حذیفہ بن یمان نے دو مرتبہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی، ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے تین سورتیں یعنی سورہ بقرہ، آل عمران اور سورہ نساء ایک رکعت میں پڑھیں اور دوسری مرتبہ نبی کریم ﷺ نے تہجد کی چار رکعات میں چار بڑی سورتیں پڑھیں یعنی سورہ بقرہ، آل عمران، نساء اور سورہ مائدہ یا انعام، اس سے معلوم ہوا کہ اس بارے میں نبی کریم ﷺ کے مختلف معلومات تھے، کبھی ان سورتوں کو ایک رکعت میں جمع فرما لیتے تھے، اور کبھی انہیں الگ کر کے پڑھا کرتے، ان میں سے کوئی بھی عمل کیا جا سکتا ہے، اس لیے ان روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے۔

فکان رکوعه نحوا من قیامه (آپ ﷺ کا رکوع قیام جیسا ہی تھا) اس کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

- رکوع بھی اسی قدر لمبا تھا جتنا کہ قیام طویل تھا۔
- عام معمول سے رکوع ذرا طویل تھا، قیام کی طرح لمبا نہیں تھا۔

اَنَّهٗ صَلّٰی مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ مِنَ اللَّيْلِ، مسند احمد کی روایت میں ہے کہ یہ واقعہ رمضان المبارک کا ہے، مگر اس سے

نمازِ تراویح مراد نہیں، کیونکہ تراویح کی نماز دو دو رکعت کر کے پڑھنا مشروع ہے، چار رکعت ایک سلام سے درست نہیں، اس سے نمازِ تہجد ہی مراد ہے، اس میں حضرت حذیفہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جماعت میں یہ نوافل پڑھے، اس سے معلوم ہوا کہ باقاعدہ لوگوں کو دعوت دیے بغیر اگر کچھ لوگ نفل نماز کی جماعت کر لیں تو یہ جائز ہے، باقاعدہ لوگوں کو دعوت دے کر نفل نماز کی جماعت مشروع نہیں، نمازِ تراویح اس حکم سے مستثنیٰ ہے، اس کی جماعت مسنون ہے۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: قَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِآيَةٍ مِنَ الْقُرْآنِ لَيْلَةً.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات پوری نمازِ تہجد میں قرآن مجید کی صرف ایک ہی آیت بار بار پڑھتے رہے۔

## امت کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تہجد میں ایک ہی آیت کو بار بار پڑھنا

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تہجد کی پوری نماز میں حتی کہ رکوع اور سجود میں بھی سورہ مائدہ کی آیت نمبر:۱۱۸ بار بار پڑھتے رہے، وہ آیت یہ ہے: اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَاِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَاِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَاِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ (اے اللہ! اگر تو ان سب کو عذاب دینا چاہے تو یہ تیرے بندے ہیں اور اگر تو ان کو معاف کر دے تو آپ زبردست قدرت والے اور حکمت والے ہیں) اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ایک خاص کیفیت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل شانہ کی صفت عدل اور مغفرت میں غور فرما رہے تھے کہ قیامت کے دن ان دو صفتوں کا ظہور ہوگا۔

مسند احمد میں حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایک مرتبہ پوری رات ایک ہی آیت نمازِ تہجد میں پڑھتے رہے، یہی آیت یعنی ان تعذبہم فانہم عبادک و ان تغفر لہم فانک انت العزیز الحکیم، جب صبح ہوئی تو حضرت ابوذر غفاریؓ فرماتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہی آیت پڑھتے رہے، رکوع اسی سے اور سجدے بھی اسی سے کرتے رہے، یہاں تک کہ صبح ہو گئی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں نے اپنی امت کی شفاعت کی درخواست کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے وہ عطا فرما دی، اور یہ شفاعت ہر اس شخص کو حاصل ہوگی، جس نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی چیز کو شریک نہیں کیا ہوگا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مذکورہ آیت پڑھ کر آسمان کی طرف ہاتھ اٹھائے، اور کہا: اَللّٰهُمَّ اُمَّتِيْ اے میرے اللہ: میری امت کی طرف نظرِ رحمت فرما، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رونے لگے، اس پر اللہ تعالیٰ نے علم کے باوجود حضرت جبرائیل علیہ السلام کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا کہ پوچھیں کہ آخر آپ کیوں اس قدر رو رہے ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی مذکورہ بات بتلائی، جبرائیل امین نے اللہ تعالیٰ کو بتایا تو اللہ جل شانہ نے حضرت جبرائیلؑ سے فرمایا کہ جاؤ اور محمد

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۹۳/۲، ۹۴۔
(۲) سنن الترمذی، باب ما جاء فی قراءة اللیل، رقم الحدیث: ۴۴۷۔

صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ دو: اِنَّا سَنُرْضِيكَ فِي اُمَّتِكَ وَلَا نَسُوْءُكَ ہم عنقریب آپ کو اپنی امت کے بارے میں خوش کر دیں گے، آپ کو ناخوش نہ کریں گے۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ صحیح مسلم میں حضرت علی اور حضرت عبداللہ بن عباس کی روایات میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع اور سجود میں قرآن مجید پڑھنے سے منع فرمایا ہے، جبکہ شمائل اور مسند احمد کی مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تعذبھم ... والی آیت کو رکوع اور سجود میں پڑھا ہے بلکہ بار بار پڑھتے رہے، بظاہر قول و فعل میں تضاد معلوم ہو رہا ہے۔

شارحین حدیث نے اس کے دو جواب ذکر کئے ہیں:

۱۔ ہوسکتا ہے کہ جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رکوع و سجود میں یہ آیت پڑھی، بلکہ بار بار پڑھتے رہے، اس وقت تک ممانعت کا حکم نازل ہی نہ ہوا ہو، اس کے بعد یہ حکم نازل ہوا، جس میں رکوع اور سجود میں قرآنی آیت سے پڑھنے سے روک دیا گیا۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے عمل سے امت کو یہ بتایا کہ رکوع و سجود میں قرآن مجید کی تلاوت کرنا جائز ہے مگر پسندیدہ نہیں، اسے معمول نہ بنایا جائے، لہٰذا ممانعت کا یہ حکم "نہی تنزیہ" کے درجہ میں ہے، حرام کے درجہ میں نہیں۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ: صَلَّيْتُ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَزَلْ قَائِمًا حَتّٰى هَمَمْتُ بِأَمْرِ سَوْءٍ قِيْلَ لَهٗ: وَمَا هَمَمْتَ بِهٖ؟ قَالَ: هَمَمْتُ أَنْ أَقْعُدَ وَأَدَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے ایک رات حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسلسل قیام میں رہے (یعنی طویل قیام کیا) یہاں تک کہ میں نے ایک برے کام کا ارادہ کرلیا، آپ سے پوچھا گیا کہ آپ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کس کام کا ارادہ کرلیا تھا؟ ابن مسعودؓ نے فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ بیٹھ جاؤں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو (کھڑا) چھوڑ دوں۔

## طویل قیام کی وجہ سے ابن مسعودؓ کا اقتداء چھوڑنے کا خیال

ایک مرتبہ نماز تہجد میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس قدر طویل قیام فرمایا کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے تھکاوٹ کی وجہ سے یہ ارادہ کیا کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اکیلا چھوڑ دوں اور خود بیٹھ جاؤں۔

هَمَمْتُ اَنْ اَقْعُدَ وَاَدَعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، اس جملے کا کیا مطلب ہے؟ شارحین نے اس کے دو مطلب بیان کیے ہیں:

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۹۶/۲

(۲) الصحیح للبخاری ۱/۲۷۴، الصلاۃ، کتاب التہجد، باب طول القیام فی صلاۃ اللیل، رقم الحدیث: ۱۱۳۵۔

میں بیٹھ کر نماز پڑھنے لگوں اور نبی کریم ﷺ کو تنہا کھڑا چھوڑ دوں، آپ ﷺ اکیلے نماز پڑھتے رہیں۔

یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اقعد (میں بیٹھ جاؤں) کا مطلب یہ ہو کہ ان دو رکعتوں کے بعد میں حضور ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنا چھوڑ دوں، آپ ﷺ خود کھڑے ہو کر نماز پڑھتے رہیں، میں آپ ﷺ کے ساتھ شریک نہ ہوں، اس طرح کا ارادہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے کیا، اور اس ارادے کو برا اس لیے کہا ہے کہ اس میں ظاہراً بے ادبی کا پہلو ہے کہ نبی کریم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھنے سے نکلنے کا سوچا جا رہا ہے، اور دوسرے مطلب کے لحاظ سے اس میں نماز سے لاپرواہی بھی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو جب طویل قیام کی وجہ سے تھکاوٹ ہوگئی، تو ان کے دل میں اس طرح کا وسوسہ اور خیال آیا، لیکن پھر بھی اس خیال کے مطابق انہوں نے عمل نہیں کیا، وہ حضور اکرم ﷺ کے ساتھ بدستور اس بابرکت نماز میں شامل رہے۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي جَالِسًا فَيَقْرَأُ وَهُوَ جَالِسٌ، فَإِذَا بَقِيَ مِنْ قِرَاءَتِهِ قَدْرُ مَا يَكُونُ ثَلَاثِينَ أَوْ أَرْبَعِينَ آيَةً، قَامَ فَقَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ، ثُمَّ رَكَعَ وَسَجَدَ، ثُمَّ صَنَعَ فِي الرَّكْعَةِ الثَّانِيَةِ مِثْلَ ذٰلِكَ.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (زمانہ ضعف میں) نماز تہجد بیٹھ کر پڑھتے تو تلاوت بھی بیٹھ کر فرماتے تھے، پھر جب تیس یا چالیس آیتوں کے بقدر آپ ﷺ کی قراءت باقی رہ جاتی تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے اور کھڑے ہو کر قراءت فرماتے، پھر آپ ﷺ رکوع اور سجدہ کرتے، پھر دوسری رکعت میں بھی اسی طرح کرتے (یعنی دوسری رکعت بیٹھ کر پڑھتے پھر رکوع سے پہلے ہی کھڑے ہو جاتے)

## نفل نماز کو کچھ کھڑے ہو کر اور کچھ بیٹھ کر پڑھنے کا حکم

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ کمزوری اور ضعف کے زمانے میں نماز تہجد کبھی اس انداز سے پڑھا کرتے کہ اس کا آغاز بیٹھ کر فرماتے، پھر طویل تلاوت فرماتے، جب تلاوت کی تیس یا چالیس آیتیں باقی رہ جاتیں تو آپ ﷺ کھڑے ہو جاتے، اس تلاوت کو مکمل کر کے رکوع و سجود فرماتے، پھر دوسری رکعت بھی اسی طرح ادا فرماتے۔

اس سے استدلال کر کے چاروں امام فرماتے ہیں کہ نفل نماز میں ایسا کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص قیام پر قادر ہونے کے باوجود بیٹھ کر نفل پڑھنا شروع کرے، بعد میں کھڑے ہو کر پڑھنے لگے، اور پھر رکوع و سجود کرے تو یہ جائز ہے، اسی طرح اس کا الٹ بھی جائز ہے کہ جو شخص نفل نماز کھڑے ہو کر شروع کرے، بعد میں بیٹھ کر اسے پڑھنے لگے، اور بیٹھ کر ہی رکوع و سجود کرے، مگر یہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۹۷/۲، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۴۸۰)
(۲) سنن الترمذی، الصلاة، رقم الحدیث: ۳۷۴۔

جواز صرف نوافل میں ہے، فرضوں میں جو شخص کھڑے ہو کر نماز پڑھ سکتا ہو، اس پر فرض ہے کہ وہ کھڑے ہو کر ہی فرض پڑھے، اس کے لیے بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا جائز نہیں ہے۔(۱)

۲۔ نبی کریم ﷺ کی خصوصیات میں سے یہ بھی ہے کہ آپ ﷺ اگر بیٹھ کر نفل نماز پڑھتے تو یہ ایسا ہے جیسے آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر نوافل پڑھے ہوں، آپ ﷺ کو اس پر پورا اجر و ثواب ملتا ہے، جبکہ ایک مسلمان اگر بیٹھ کر نفل نماز پڑھے گا تو اسے اس نماز کا آدھا ثواب ملتا ہے۔(۲)

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ تَطَوُّعِهِ، فَقَالَتْ: كَانَ يُصَلِّي لَيْلًا طَوِيلًا قَائِمًا، وَلَيْلًا طَوِيلًا قَاعِدًا، فَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ قَائِمٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ قَائِمٌ، وَإِذَا قَرَأَ وَهُوَ جَالِسٌ رَكَعَ وَسَجَدَ وَهُوَ جَالِسٌ.(۳)

ترجمہ: عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے نبی کریم ﷺ کی رات کی نماز یعنی آپ ﷺ کے نوافل (کی کیفیت) کے بارے میں دریافت کیا؟ انہوں نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ رات کے ایک طویل حصہ تک کھڑے ہو کر نوافل پڑھتے اور رات کے ایک طویل حصہ تک بیٹھ کر نفل پڑھتے تھے، (یعنی کبھی کھڑے ہو کر تہجد پڑھتے اور کبھی بیٹھ کر) اور آپ ﷺ جب کھڑے ہو کر قرآن پڑھتے تو رکوع و سجود بھی آپ ﷺ کھڑے ہونے کی حالت میں ادا فرماتے، اور جب قرآن بیٹھ کر پڑھتے تو رکوع و سجود بھی آپ ﷺ بیٹھنے کی حالت میں ہی ادا فرمایا کرتے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز تہجد پڑھنے کی مختلف حالتیں

آپ ﷺ کی نماز تہجد کی رکعتیں جس طرح مختلف حالات اور اوقات کے لحاظ سے بدلتی رہتی تھیں، کوئی مخصوص تعداد حتمی طور پر متعین نہیں تھی، اسی طرح آپ ﷺ کی نماز تہجد پڑھنے کی بھی مختلف کیفیتیں اور حالتیں ہوتی تھیں، طبیعت میں جس قدر تازگی اور نشاط ہوتا، اسی طرح اس نماز کی ادائیگی کی کیفیتیں بھی بدلتی رہتی تھیں۔(۴)

اتنی بات ضرور ہے کہ آپ ﷺ عموماً انتہائی طویل قراءت فرمایا کرتے تھے، یہاں تین حالتوں کی تفصیل درج ذیل ہے:

---

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۴۸۰) شرح المناوى على هامش جمع الوسائل فى شرح الشمائل ۹۸/۲۔

(۲) فتح البارى ۷۴۹/۲ كتاب تقصير الصلاة، باب اذا صلى قاعدا ثم صح، رقم الحديث: ۱۱۱۹۔

(۳) سنن الترمذى، الصلاة، رقم الحديث: ۳۷۵۔

(۴) اوجز المسالك ۳۳۳/۲ صلاة النبى صلى الله عليه وسلم فى الوتر۔

رات کے طویل حصہ میں نوافل پڑھنے کا ایک مطلب یہ ہے کہ ایک ہی رات کے ایک طویل حصہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کچھ نماز کھڑے ہوکر پڑھتے اور ایک طویل حصہ میں ہی کچھ نماز بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے یعنی ایک ہی رات میں کچھ نماز تہجد کافی دیر کھڑے ہوکر اور کچھ نماز کافی دیر بیٹھ کر ادا فرمایا کرتے۔

کان یصلی لیلاً طویلا... کا دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس حدیث میں مختلف راتوں کے لحاظ سے اس نماز کی کیفیت بیان کی گئی ہے، معنی یہ ہیں کہ بعض راتوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ نماز کھڑے ہوکر پڑھا کرتے، اور بعض راتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم طویل نماز تہجد بیٹھ کر پڑھا کرتے تھے، اور جب کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تو رکوع وسجود بھی کھڑے ہونے کی حالت میں ادا فرماتے، یعنی قیام سے رکوع میں جاتے اور قیام سے ہی سجدے میں تشریف لے جاتے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھنا شروع فرماتے تو رکوع وسجود بھی بیٹھ کر ہی ادا فرماتے۔

دوسرے مطلب میں گذرا ہے کہ "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کھڑے ہوکر نماز پڑھتے تو رکوع وسجود بھی قیام کی حالت میں ادا فرماتے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز پڑھتے تو پھر رکوع وسجود بھی بیٹھ کر ہی پڑھا کرتے" اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ یہ مفہوم پچھلی حدیث کے مخالف ہے کیونکہ اس حدیث میں حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم طویل قراءت کے ساتھ بیٹھ کر نماز پڑھتے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت سے تیس یا چالیس آیتیں باقی ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوجاتے اور باقی قراءت کرکے قیام سے رکوع میں جاتے اور پھر سجدے میں جاتے، اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھ کر نماز تہجد پڑھتے، تو رکوع وسجود بیٹھ کر ادا نہ فرماتے بلکہ کھڑے ہوکر ادا فرماتے، جبکہ اس دوسرے مطلب میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بیٹھ کر نماز تہجد پڑھتے تو رکوع وسجود بھی بیٹھ کر ادا فرماتے، یوں ان دونوں حدیثوں میں بظاہر تعارض ہو رہا ہے۔

مگر واقعہ یہ ہے کہ دونوں حدیثوں میں کوئی تعارض نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد پڑھنے کی مختلف حالتیں ہیں، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس انداز سے نماز تہجد پڑھتے جس کا ذکر حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے اور کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس انداز سے تہجد پڑھتے، جس کا ذکر اس حدیث کے دوسرے مطلب میں بیان کیا گیا ہے، گویا حضرت عائشہؓ کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تیسری حالت کا بیان ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نماز تہجد طویل قراءت کے ساتھ پڑھتے، جب کچھ قراءت تیس یا چالیس آیتیں باقی ہوتیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہوجاتے اور بقیہ قراءت کے بعد قیام کی حالت میں ہی رکوع وسجود میں تشریف لے جاتے اور پھر اسی طرح دوسری رکعت میں پڑھا کرتے، گویا حدیث عائشہؓ میں تہجد پڑھنے کی تیسری حالت کا بیان ہے۔

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

نماز تہجد میں طویل قیام اور لمبی قراءت کرنا بہتر ہے۔

"عن تطوعہ" کے لفظ سے معلوم ہوتا ہے کہ تہجد کی نماز نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر فرض نہیں تھی، اگر فرض ہوتی تو پھر تطوع یعنی نفل کا لفظ استعمال نہ کیا جاتا۔

۞ قیام پر قدرت کے باوجود نفل نماز بیٹھ کر پڑھنا جائز ہے، اس پر اسے آدھا ثواب ملتا ہے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حکم سے مستثنیٰ ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پورا ثواب ملتا تھا، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔(۱)

عَنْ حَفْصَةَ، زَوْجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي فِي سُبْحَتِهِ قَاعِدًا، وَيَقْرَأُ بِالسُّورَةِ وَيُرَتِّلُهَا حَتَّى تَكُونَ أَطْوَلَ مِنْ أَطْوَلَ مِنْهَا.(۲)

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اہلیہ حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر نفل نماز پڑھتے اور قرآن مجید کی کسی سورت کی تلاوت فرماتے اور اس میں ترتیل فرماتے یعنی تمام الفاظ کو ٹھہر ٹھہر کر پڑھتے، یہاں تک کہ یہ سورت اپنے سے زیادہ لمبی سورت سے بھی زیادہ طویل ہو جاتی۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ سبحته: (سین پر پیش اور با ساکن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نفل نماز، اور نوافل کو "سبحة" اس لیے کہتے ہیں کہ اس میں تسبیحات ہوتی ہیں اور کبھی مطلق نماز کو بھی "سبحہ" کہا جاتا ہے خواہ نفل نماز ہو یا فرض نماز، یرتلها: اس سورت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ترتیل سے پڑھتے یعنی خوب ٹھہر ٹھہر کر ہر حرف کو اس کے مخرج سے ادا کر کے پڑھتے، اطول: (صیغہ اسم تفضیل) زیادہ لمبا۔ من أطول منها: اس سے زیادہ لمبی سورت سے بھی۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز میں ترتیل سے قراءت فرماتے

حضرت حفصہؓ کی یہ روایت یہاں مختصر ہے، امام ترمذی نے کتاب الصلاۃ میں پوری روایت ذکر کی ہے، حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو بیٹھ کر نفل نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، وفات سے ایک سال پہلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھ کر تہجد پڑھا کرتے تھے، اس میں قرآن مجید کی سورت کی ترتیل کے ساتھ قراءت کرتے یعنی خوب اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر تجوید کے ساتھ قراءت فرماتے کہ یہ سورت ایک طویل سورت سے بھی زیادہ لمبی ہو جاتی، مثلاً آپ صلی اللہ علیہ وسلم سورہ انفال ترتیل سے پڑھتے، اس میں بہت زیادہ وقت صرف ہو جاتا کہ یہ سورت، سورہ اعراف سے بھی زیادہ طویل ہو جاتی، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ بڑی سورت کی تلاوت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کس قدر دیر لگاتے ہوں گے، اسی طویل قیام کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں مبارک سوج جاتے تھے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس روایت سے معلوم ہوا کہ نماز میں بھی خوب اطمینان سے ٹھہر ٹھہر کر قرآن مجید کی تلاوت کرنی چاہیے۔(۳)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۹۸/۲، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۴۸۲)

(۲) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۳۷۳۔

(۳) تحفة الاحوذی ۳۸۶/۲، کتاب الصلاۃ، باب ما جاء فی الرجل یتطوع جالسا، رقم الحدیث: ۳۷۳، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۴۸۴)، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۹۹/۲

أَنَّ عَائِشَةَ، أَخْبَرَتْهُ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَمُتْ حَتَّى كَانَ أَكْثَرُ صَلَاتِهِ وَهُوَ جَالِسٌ.(۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات نہیں ہوئی، یہاں تک کہ آپ ﷺ کی اکثر نمازِ (تہجد) بیٹھ کر ہوتی تھی۔

## آخری عمر میں آپ ﷺ عموماً بیٹھ کر تہجد پڑھا کرتے

نبی کریم ﷺ آخری عمر میں ضعف اور نقاہت کی وجہ سے عموماً بیٹھ کر نماز تہجد پڑھا کرتے تھے، چونکہ طویل قراءت آپ ﷺ کا معمول تھا، ایسے میں کھڑے ہو کر پڑھنے میں مشکل پیش آتی تھی، اس لیے آپ ﷺ بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے، مگر ثواب آپ ﷺ کو پورا ہی ملتا تھا، یہ آپ ﷺ کی خصوصیت ہے، البتہ فرض نماز آپ ﷺ کھڑے ہو کر پڑھتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: صَلَّيْتُ مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ فِي بَيْتِهِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ فِي بَيْتِهِ.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ظہر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر کے بعد (مسجد میں) دو رکعتیں، اور مغرب کے بعد آپ ﷺ کے گھر میں دو رکعتیں اور عشاء کے بعد آپ ﷺ کے گھر میں دو رکعتیں پڑھیں۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، قَالَ: حَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي رَكْعَتَيْنِ حِينَ يَطْلُعُ الْفَجْرُ وَيُنَادِي الْمُنَادِي قَالَ أَيُّوبُ: وَأُرَاهُ قَالَ: خَفِيفَتَيْنِ.(۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ کہتے ہیں کہ مجھ سے (میری بہن ام المؤمنین) حضرت حفصہؓ نے بیان کیا کہ حضور اقدس ﷺ دو رکعتیں پڑھا کرتے تھے جب صبح صادق ہوتی اور مؤذن اذانِ (فجر) دیتا تھا، ایوب سختیانی کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ نافع نے روایت میں خفیفتین بھی کہا ہے، یعنی فجر کی سنتیں نبی کریم ﷺ مختصر قراءت کے ساتھ پڑھتے تھے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ: حَفِظْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ: رَكْعَتَيْنِ قَبْلَ الظُّهْرِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَهَا، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْمَغْرِبِ، وَرَكْعَتَيْنِ بَعْدَ الْعِشَاءِ قَالَ ابْنُ عُمَرَ: وَحَدَّثَتْنِي حَفْصَةُ بِرَكْعَتَي

---

(۱) صحیح ابن خزیمۃ، رقم الحدیث: ۱۲۳۹۔

(۲) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۲۵۔

(۳) مسند الامام احمد، رقم الحدیث: ۲۶۴۲۳۔

الْغَدَاةِ، وَلَمْ أَكُنْ أَرَاهُمَا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے آٹھ رکعتیں (سنت مؤکدہ) یاد کی ہیں: دو رکعتیں ظہر سے پہلے، دو ظہر کے بعد، دو رکعتیں مغرب کے بعد اور دو رکعتیں عشاء کے بعد، ابن عمرؓ فرماتے ہیں: مجھے میری بہن حفصہؓ نے صبح کی دو رکعتوں کی بھی خبر دی ہے اور میں نے ان دو رکعتوں کو نبی کریم ﷺ سے نہیں دیکھا تھا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ : سَأَلْتُ عَائِشَةَ ، عَنْ صَلَاةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ : كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ رَكْعَتَيْنِ وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَبَعْدَ الْمَغْرِبِ رَكْعَتَيْنِ، وَبَعْدَ الْعِشَاءِ رَكْعَتَيْنِ، وَقَبْلَ الْفَجْرِ ثِنْتَيْنِ.(۲)

ترجمہ: عبداللہ بن شقیقؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے حضور اقدس ﷺ کے نوافل (یعنی سنت مؤکدہ) کے بارے میں پوچھا تو انہوں نے فرمایا: نبی کریم ﷺ ظہر سے پہلے دو رکعتیں، ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو رکعتیں، عشاء کے بعد دو رکعتیں، اور فجر سے پہلے دو سنتیں پڑھتے تھے۔

## بارہ رکعات سنت مؤکدہ

احادیث میں بارہ رکعات سنت مؤکدہ منقول ہیں، ظہر سے پہلے چار رکعتیں، ظہر کے بعد دو رکعتیں، مغرب کے بعد دو، عشاء کے بعد دو اور فجر کے فرضوں سے پہلے دو رکعتیں ہیں، امام ترمذی نے شمائل کی مذکورہ احادیث میں ظہر سے پہلے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے دو رکعتیں ذکر کی ہیں، ان سے استدلال کر کے امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ظہر سے پہلے دو رکعتیں ہیں، احناف کے نزدیک ایک سلام سے ظہر سے پہلے چار رکعتیں ہیں، ان کا ذکر حضرت علیؓ، حضرت عائشہؓ اور حضرت ام حبیبہ کی روایات میں ہے، اور ان چار رکعات کی بہت فضیلت منقول ہے۔(۳)

ور کعتین بعد المغرب فی بیته، ور کعتین بعد العشاء فی بیته، اس سے یہ تو ثابت ہو رہا ہے کہ مغرب اور عشاء کے بعد کی دو سنتیں نبی کریم ﷺ اپنے گھر میں پڑھتے تھے، مگر ظہر سے پہلے اور بعد کی سنتیں آپ ﷺ گھر میں پڑھتے تھے یا مسجد میں، اس میں شارحین حدیث کے دو نقطہ نظر ہیں:

- بعض حضرات کے نزدیک حدیث میں "فی بیته" کا تعلق تینوں کے ساتھ ہے یعنی ظہر سے پہلے، ظہر کے بعد اور مغرب کے بعد کی سنتیں آپ ﷺ گھر میں پڑھتے تھے۔

---

(۱) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۳۳۔

(۲) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۳۶۔

(۳) اوجز المسالک ۱۳۸/۳، العمل فی جامع الصلاۃ۔

❁ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ صحیح یہ ہے کہ "في بيته" کا تعلق صرف مغرب کی سنتوں سے ہے، ظہر سے پہلے اور بعد کی سنتوں سے اس قید کا تعلق نہیں، وہ عموماً آپ ﷺ مسجد میں پڑھا کرتے تھے، کیونکہ اگر یہ قید سب کے ساتھ ہوتی تو پھر صرف اخیر میں قید ہوتی، حالانکہ ایسا نہیں، بلکہ عشاء کی سنتوں سے متعلق بھی في بيته ذکر کیا گیا ہے، اس کی تائید صحیح بخاری کی روایت سے بھی ہوتی ہے، جس میں تصریح ہے کہ مغرب اور عشاء کی سنتیں آپ ﷺ گھر میں پڑھا کرتے تھے۔

ولم اكن أراهما من النبي صلى الله عليه وسلم حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے فجر کی دو سنتیں نبی کریم ﷺ سے نہیں دیکھیں، شارحین نے اس کی تین توجیہات ذکر کی ہیں:

❁ دو سنتیں نبی کریم ﷺ چونکہ گھر میں پڑھتے تھے، اس لیے ابن عمرؓ آپ ﷺ کی فجر کی سنتیں نہ دیکھ سکے۔

❁ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے حضرت حفصہؓ کے بتانے سے پہلے یہ سنتیں آپ ﷺ سے نہیں دیکھی تھیں، جب انہوں نے ابن عمرؓ کو بتا دیا تو اس کے بعد یہ سنتیں دیکھنے کی نوبت آئی، چنانچہ بعض روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے فجر کی سنتوں کا مشاہدہ آپ ﷺ سے کیا ہے، احادیث میں ان کی بہت فضیلت منقول ہے، اس لیے ان سنتوں کو اہتمام سے پڑھنا چاہیے۔(۱)

❁ علامہ بیجوری نے شبراملسی سے نقل کیا ہے کہ جن روایتوں میں ابن عمرؓ نے فجر کی سنتیں آپ ﷺ سے دیکھنے کی نفی ذکر کی ہے، ان کا تعلق حالت اقامت سے ہے، کہ اس حالت میں وہ فجر کی سنتیں نہیں دیکھ سکتے تھے، کیونکہ نبی کریم ﷺ ان سنتوں کو گھر میں اپنی ازواج کے پاس پڑھا کرتے تھے، اور جن روایتوں میں ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے آپ ﷺ سے فجر کی سنتیں دیکھی ہیں، وہ سفر سے متعلق ہے کہ دوران سفر انہوں نے آپ ﷺ کو فجر کی سنتیں پڑھتے ہوئے دیکھا ہے۔(۲)

قال ايوب: أراه قال: خفيفتين: اس عبارت میں "ہ" اور "قال" کی ضمیر "نافع" کی طرف لوٹ رہی ہے، مطلب یہ ہے کہ ایوب راوی کہتے ہیں کہ میرا گمان یہ ہے کہ نافع نے خفیفتین کا لفظ بھی کہا ہے یعنی آپ ﷺ فجر کی سنتیں مختصر قرأت کے ساتھ پڑھا کرتے تھے۔(۳)

**عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ يَقُولُ: سَأَلْنَا عَلِيًّا، عَنْ صَلَاةِ رَسُولِ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّهَارِ، فَقَالَ: إِنَّكُمْ لَا تُطِيقُونَ ذَلِكَ قَالَ: فَقُلْنَا: مَنْ أَطَاقَ ذَلِكَ مِنَّا صَلَّى، فَقَالَ: كَانَ إِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَاهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هَاهُنَا عِنْدَ الْعَصْرِ صَلَّى رَكْعَتَيْنِ، وَإِذَا كَانَتِ الشَّمْسُ مِنْ هَهُنَا كَهَيْئَتِهَا مِنْ هَاهُنَا عِنْدَ الظُّهْرِ صَلَّى أَرْبَعًا، وَيُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا، وَبَعْدَهَا رَكْعَتَيْنِ، وَقَبْلَ الْعَصْرِ أَرْبَعًا، يَفْصِلُ بَيْنَ كُلِّ رَكْعَتَيْنِ بِالتَّسْلِيمِ**

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۰۰/۲

(۲) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۴۸۸)

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۹۹/۲، ۱۰۰۔

عَلَى الْمَلَائِكَةِ الْمُقَرَّبِينَ وَالنَّبِيِّينَ، وَمَنْ تَبِعَهُمْ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ وَالْمُسْلِمِينَ.(۱)

ترجمہ: حضرت عاصم بن ضمرہؒ کہتے ہیں کہ ہم نے حضرت علیؓ سے حضور اقدس ﷺ کے دن کے نوافل (کی کیفیت) کے بارے میں پوچھا، حضرت علیؓ نے فرمایا: تم لوگ اس کی طاقت کہاں رکھ سکتے ہو؟ عاصم کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا: ہم میں سے جو شخص اس کی طاقت رکھ سکتا ہوگا، تو وہ (یہ نوافل) پڑھ لے گا، اس پر حضرت علیؓ نے فرمایا: جب سورج صبح کے وقت یہاں پر ہو (مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جب سورج اتنا اوپر ہو) جیسا کہ سورج کی شکل ہوتی ہے، یہاں پر عصر کی نماز کے وقت (مغرب کی طرف اشارہ کر کے کہا کہ جب سورج غروب ہونے سے اتنا بلند ہو، جتنا کہ عصر کی نماز کے وقت ہوتا ہے) اس وقت حضور اقدس ﷺ دو رکعت (نماز اشراق) پڑھتے تھے، اور جب سورج یہاں پر ہو (مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہا) جیسا کہ سورج کی شکل ہوتی ہے یہاں پر (مغرب کی طرف اشارہ کر کے کہا) ظہر کی نماز کے وقت تو اس وقت آپ ﷺ چار رکعت (چاشت) پڑھتے تھے، اور ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت اور ظہر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، اور آپ ﷺ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے اور دو رکعتوں کے درمیان تشہد کے ذریعہ مقرب فرشتوں، انبیاء کرام اور ہر اس مسلمان اور ایمان والے پر سلام بھیجتے تھے، جس نے انبیاء کی پیروی کی ہے۔

## حضرت علیؓ سے حضور ﷺ کے دن کے نوافل سے متعلق سوال

ایک مرتبہ حضرت علیؓ سے ان کے شاگرد عاصم بن ضمرہ نے نبی کریم ﷺ کے دن کے نوافل کے بارے میں دریافت کیا؟ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ تم حضور اکرم ﷺ کی طرح خشوع وخضوع اور اہتمام سے کہاں یہ نوافل پڑھ سکتے ہو، اس سے دراصل حضرت علیؓ ان کو عمل پر تنبیہ فرمارہے تھے، انہوں نے عرض کیا: جس کے بس میں ہو، وہ یہ نمازیں پڑھ سکے گا، ورنہ اسے کم از کم علم ہو جائے گا، تاکہ وہ دوسروں کو بتا سکے اور خود عمل کرنے کی کوشش کرتا رہے، پھر حضرت علیؓ نے ان کے سامنے پانچ طرح کے نوافل ذکر کیے، جن میں کچھ سنت مؤکدہ بھی ہیں، ان کا حاصل یہ ہے:

۱۔ صبح کے وقت جب آفتاب یہاں پر ہو مشرق کی طرف اشارہ کر کے کہا، جس طرح کہ عصر کے وقت غروب سے پہلے یہاں پر ہوتا ہے مغرب کی طرف اشارہ کر کے کہا، یعنی صبح کے وقت جب سورج آسمان پر اتنا بلند ہو جائے، جتنا کہ عصر کی نماز کے وقت سورج بلند ہوتا ہے تو اس وقت آپ ﷺ دو رکعت نماز اشراق پڑھتے تھے۔

۲۔ اور جب مشرق کی طرف سورج اس قدر بلند ہو جاتا، جس قدر ظہر کی نماز کے وقت مغرب کی طرف ہوتا ہے، تو اس وقت آپ ﷺ چاشت کی چار رکعت پڑھا کرتے تھے۔

(۱) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۵۹۸،۴۲۷۔

اس سے استدلال کر کے شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نماز اشراق اور نماز چاشت دو الگ الگ نمازیں ہیں۔(۱)

۳۔ ظہر کے فرضوں سے پہلے چار رکعت ایک سلام سے پڑھتے تھے، یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

۴۔ ظہر کے بعد دو رکعت پڑھتے تھے، یہ بھی سنت مؤکدہ ہیں۔

۵۔ عصر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، یہ سنت مؤکدہ ہیں۔

بالتسلیم علی الملائکۃ ...، اس "تسلیم" سے یہاں کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

❁ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ تسلیم سے یہاں تشہد مراد ہے، اس سے نماز سے نکلنے والا سلام مراد نہیں ہے، اور تشہد کو تسلیم اس لیے کہا ہے کہ اس میں سلام کا ذکر ہے مثلاً: اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَ عَلٰی عِبَادِ اللّٰہِ الصَّالِحِیْنَ، ایک اور حدیث میں ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز پڑھتے، تو تشہد میں یہ پڑھتے: اَلسَّلَامُ عَلَی اللّٰہِ مِنْ عِبَادِہٖ، اَلسَّلَامُ عَلٰی جِبْرَئِیْلَ، اَلسَّلَامُ عَلٰی مِیْکَائِیْلَ، السلام علی فلان ...، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دو رکعت کے بعد تشہد میں بیٹھتے، جس میں مقرب فرشتوں، انبیاء کرام اور مخلص مسلمانوں پر سلام بھیجتے تھے۔

❁ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس "تسلیم" سے نماز والا سلام مراد ہے، معنی یہ ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عصر سے پہلے کے نوافل میں دو رکعت کے بعد سلام پھیر دیتے تھے۔

پہلے مفہوم کے لحاظ سے چار رکعتیں ایک سلام سے اور دوسرے مطلب کے لحاظ سے چار رکعتیں دو سلاموں سے پڑھنے کا حکم معلوم ہوتا ہے، اور واقعہ یہ ہے کہ عصر سے پہلے کے یہ نوافل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو رکعت اور چار رکعت دونوں طرح سے ثابت ہیں، لہٰذا عصر سے پہلے دو رکعت بھی پڑھ سکتے ہیں، اور چار رکعت بھی، اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ چار رکعتیں دو دو کر کے پڑھی جائیں، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔

ومن تبعھم من المؤمنین والمسلمین، اس میں ایمان اور اسلام دونوں کو ذکر کر کے اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ وہ ظاہری اور باطنی دونوں لحاظ سے مکمل اطاعت شعار ہیں۔(۲)

---

(۱) اوجز المسالک ۱۲۴/۳، صلاۃ الضحی۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۰۳/۲

# بَابُ صَلَاةِ الضُّحَی

یہ باب چاشت کی نماز کے بیان میں ہے

## ضحیٰ کی دو نمازیں

فقہاء اور محدثین کے نزدیک نماز اشراق اور نماز ضحیٰ یعنی چاشت کی نماز، یہ ایک ہی نماز ہے اگر طلوع آفتاب کے بیس منٹ کے بعد اسے پڑھا جائے تو یہ نماز اشراق ہے، اشراق کے معنی ہیں: طلوع آفتاب کے بعد صبح کا وہ وقت جس میں دھوپ زمین پر پھیل گئی ہو، اور اگر سورج طلوع ہونے کے ایک گھنٹہ بعد سے زوال سے پہلے کسی بھی وقت اسے پڑھا جائے تو یہ صلاۃ الضحیٰ یعنی چاشت کی نماز کہلاتی ہے۔

ضحیٰ کے معنی ہیں: دوپہر کا وقت جس میں سورج کی تپش سے زمین گرم ہو جاتی ہے، گویا فقہاء اور محدثین کے نزدیک صلاۃ الضحیٰ کو نماز اشراق بھی کہا جاتا ہے، اور حدیث میں صلاۃ الضحیٰ کو صلاۃ الاوابین بھی کہا گیا ہے یعنی اللہ کی طرف رجوع کرنے والوں کی نماز کہ وہ اس مصروف وقت میں اللہ کی طرف رجوع کرتے ہیں، اگرچہ عرف میں اب مغرب کے بعد کے چھ نوافل کے لیے صلاۃ الاوابین کا نام زیادہ مشہور ہو گیا ہے۔

حضرات محدثین، حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں: صَلَاةُ الْإِشْرَاقِ هِيَ صَلَاةُ الضُّحَی (نماز اشراق ہی چاشت کی نماز ہے)

لیکن حضرات صوفیاء کرام، علامہ سیوطی اور علی المتقی فرماتے ہیں کہ یہ دو الگ الگ نمازیں ہیں، ان کا استدلال گذشتہ باب کی آخری حدیث سے ہے، جس کے راوی حضرت عاصم بن ضمرہ ہیں، اور اس مفہوم کی دوسری روایات جنہیں امام نسائی وغیرہ نے ذکر کیا ہے، ان سے بھی یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ دو الگ نمازیں ہیں۔(۱)

اس نماز کے بارے میں بہت کثرت سے صحیح روایات منقول ہیں، پچیس سے زیادہ صحابہ کرامؓ نے اس نماز کے بارے میں روایات نقل کی ہیں، محمد بن جریر طبری کہتے ہیں کہ تواتر کی حد تک یہ روایات ہیں، اس لیے اس نماز کے ثبوت سے انکار کرنا کسی بھی طرح درست نہیں، جمہور کے نزدیک یہ نماز مستحب ہے، اس نماز کی بہت سی فضیلتیں ہیں، جن میں سے چند کا ذکر درج ذیل ہے:

۱۔ قاضی ابو بکر بن العربی فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ سے پہلے تمام انبیاء پر یہ نماز لازم تھی، حضرت داؤد علیہ السلام کے بارے میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: إِنَّا سَخَّرْنَا الْجِبَالَ مَعَهُ يُسَبِّحْنَ بِالْعَشِيِّ وَالْإِشْرَاقِ (ہم نے پہاڑوں کو حکم کر رکھا تھا کہ ان کے

---

(۱) اوجز المسالک ۱۲۴/۳، صلاۃ الضحی، معارف السنن ۲۶۶/۴ باب ما جاء فی صلاۃ الضحی، فتح الملہم ۲۳۳/۴، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب استحباب صلاۃ الضحی، رقم الحدیث: ۱۶۷۱۔

ساتھ شام اور صبح تسبیح کیا کریں) اللہ تعالیٰ نے اس امت سے اشراق کا وجوب ختم کر دیا اور عصر کی نماز کو برقرار رکھا، البتہ اس نماز کا استحباب اب بھی ہے۔(۱)

۲۔ حضرت ابوامامہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: وَاِبْرَاهِيمَ الَّذِي وَفَّى (اور ابراہیم نے احکام کی پوری بجا آوری کی) پھر آپ ﷺ نے ابوامامہ سے پوچھا کہ تم جانتے ہو کہ ''وفی'' کا مطلب کیا ہے؟ عرض کیا: اللہ اور اس کے رسول ہی بہتر جانتے ہیں، اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: وَفّٰى عَمَلَ يَوْمِهٖ بِاَرْبَعِ رَكَعَاتٍ فِيْ اَوَّلِ النَّهَارِ یعنی انہوں نے اپنے دن کے اعمال کی تکمیل اس طرح کر دی کہ شروع دن میں چار رکعات (نماز اشراق) پڑھ لیں یہ ''وفی'' کا ایک مطلب ہے، اس کی اور بھی تفسیریں کی گئی ہیں، اس سے بھی بہر حال نماز اشراق کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔(۲)

۳۔ اس نماز سے جسم کے تین سو ساٹھ جوڑوں کا صدقہ یعنی شکر ادا ہو جاتا ہے، اس کا ذکر حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ عنہ کی روایت میں ہے، جسے امام مسلم رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔(۳)

عَنْ مُعَاذَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَتْ: نَعَمْ، أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ وَيَزِيدُ مَاشَاءَ اللهُ عَزَّ وَجَلَّ.(۴)

ترجمہ: حضرت معاذہؒ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: کیا حضور اقدس ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں (کم از کم) چار رکعات پڑھتے تھے، اور اس سے زیادہ بھی، جس قدر اللہ جل شانہ چاہتے تھے، آپ ﷺ پڑھ لیتے تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي الضُّحَى سِتَّ رَكَعَاتٍ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ حضور اقدس ﷺ چاشت کی نماز کی چھ رکعات پڑھا کرتے تھے۔

عَنْ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ أَبِي لَيْلَى قَالَ: مَا أَخْبَرَنِي أَحَدٌ أَنَّهُ رَأَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى إِلَّا أُمُّ هَانِئٍ، فَإِنَّهَا حَدَّثَتْ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ بَيْتَهَا يَوْمَ فَتْحِ مَكَّةَ فَاغْتَسَلَ فَسَبَّحَ ثَمَانِيَ رَكَعَاتٍ، مَا رَأَيْتُهُ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ صَلَّى صَلَاةً قَطُّ أَخَفَّ مِنْهَا، غَيْرَ أَنَّهُ كَانَ يُتِمُّ الرُّكُوعَ وَالسُّجُودَ.(۵)

ترجمہ: عبدالرحمن بن ابی لیلیٰ کہتے ہیں کہ مجھے کسی ایسے شخص نے، جس نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا ہو یعنی کسی صحابیؓ

---

(۱) روح المعانی ۱۷۴/۱۲، سورہ ص، الکلام علی صلاۃ الضحی، معارف السنن ۲۲۹/۴، باب ماجاء فی صلاۃ الضحی۔

(۲) تفسیر ابن کثیر ۳۵/۶، سورہ النجم، آیت: ۳۷، ط: بیروت

(۳) الصحیح لمسلم، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب استحباب صلاۃ الضحی وان اقلھا رکعتان... رقم الحدیث: ۱۶۷۱

(۴) الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۷۱۹۔

(۵) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۷۴۔

نے یہ بات نہیں بتلائی کہ اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو چاشت کی نماز پڑھتے دیکھا ہے، سوائے ام ہانی کے، انہوں نے (مجھ سے) بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن ان کے گھر تشریف لائے، غسل کیا اور پھر آٹھ رکعت نفل پڑھے، میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ان آٹھ رکعات سے زیادہ مختصر کبھی کوئی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا، مگر (اس کے باوجود) آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع اور سجدے مکمل ادا فرما رہے تھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی چاشت کی نماز کی رکعتیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاشت کی نماز کی کتنی رکعات تھیں؟ اس بارے میں احادیث میں مختلف تعداد منقول ہے، دو، چار، چھ، آٹھ اور بارہ رکعات، چنانچہ شمائل کی مذکورہ احادیث میں سے حضرت عائشہؓ کی روایت میں چار، حضرت انسؓ کی روایت میں چھ اور حضرت ام ہانی کی روایت میں آٹھ رکعات کا ذکر ہے، یہ تعداد مختلف اوقات اور ایام کے لحاظ سے ہے، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دو، کبھی چار... اور کبھی بارہ رکعات پڑھ لیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا زیادہ تر معمول چار یا آٹھ رکعات کا تھا، فتح مکہ کے دن بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے آٹھ رکعات پڑھیں مگر اختصار کے ساتھ، لیکن رکوع اور سجود اپنے معمول کے مطابق اہتمام سے ادا کرتے رہے۔ (۱)

علامہ شبیر احمد عثمانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چاشت کی نماز کے تین درجات ہیں:

- اس کی کم از کم دو رکعتیں ہیں، ان کے پڑھنے سے انسان کے جسم کے تین سو ساٹھ جوڑوں کا صدقہ ادا ہوجاتا ہے، حضرت ابوذر غفاریؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: صبح ہوتے ہی تمہارے ہر جوڑ پر صدقہ لازم ہوجاتا ہے، سبحان اللہ کہنا صدقہ ہے، الحمد للہ کہنا صدقہ ہے، اور لا الہ الا اللہ کہنا صدقہ ہے، اور اللہ اکبر کہنا صدقہ ہے، اور ان سب کے بدلے میں چاشت کی دو رکعت پڑھ لینا کافی ہے۔
- چاشت کی چار رکعات پڑھنے سے یہ فضیلت حاصل ہوتی ہے کہ اللہ تعالی سارا دن اس بندے کے لیے کافی ہوجاتا ہے۔
- آٹھ رکعات اور بارہ رکعتیں، جب سورج اچھی طرح بلند ہوجائے تو اس وقت انہیں پڑھا جائے۔ (۲)

**عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَكَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحَى؟ قَالَتْ: لَا، إِلَّا أَنْ يَجِيءَ مِنْ غَيْبَتِهِ.** (۳)

---

(۱) شرح المناوی علی ھامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۱۰۵۔

(۲) فتح الملہم ۴/۲۳۳، کتاب صلاۃ المسافرین وقصرھا، باب استحباب صلاۃ الضحی، رقم الحدیث: ۱۶۷۱۔

(۳) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۱۲۹۲۔

ترجمہ: عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: کیا نبی کریم ﷺ چاشت کی نماز پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: (معمول کے طور پر تو) نہیں پڑھتے تھے مگر سفر سے جب لوٹتے تو ضرور پڑھتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ من غيبته: اپنے سفر سے۔

## حضرت عائشہؓ سے نماز چاشت سے متعلق مختلف روایتیں

نماز چاشت سے متعلق حضرت عائشہؓ سے مختلف روایات منقول ہیں، چنانچہ اس باب کی پہلی روایت جو حضرت معاذہ سے منقول ہے، اس میں حضرت عائشہؓ سے نماز چاشت کا مطلقاً اثبات ہے، اور عبداللہ بن شقیق کی مذکورہ روایت میں ہے کہ آپ ﷺ صرف سفر سے واپسی کے وقت نماز چاشت پڑھا کرتے تھے، اور صحیح بخاری و مسلم میں حضرت عروہ کی حضرت عائشہؓ سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: مَا رَأَيْتُهُ يُصَلِّي سُبْحَةَ الضُّحٰى قَطُّ (میں نے آپ ﷺ کو نماز چاشت پڑھتے ہوئے کبھی نہیں دیکھا) اس میں مطلقاً اس نماز کے دیکھنے کی وہ نفی فرمارہی ہیں، حالانکہ وہ خود بڑے اہتمام سے پڑھا کرتی تھیں، بلکہ ایک روایت میں وہ اس کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں کہ اگر میرے ماں باپ بھی قبروں سے اٹھ کر آجائیں، تب بھی میں نماز چاشت کو ترک نہیں کروں گی، ان کی خدمت کو مؤخر کردوں گی، تو پھر ان متعارض روایات سے کیا مراد ہے؟

شارحین حدیث نے اس تعارض کے حل میں مختلف توجیہات ذکر کی ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ امام بیہقی فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کی جن احادیث میں چاشت کی نماز کی نفی منقول ہے، اس سے دوام کی نفی مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ یہ نماز پابندی کے ساتھ اور ہمیشہ نہیں پڑھتے تھے، اور جن احادیث میں حضرت عائشہؓ سے چاشت کی نماز کا اثبات ہے، ان میں آپ ﷺ کا اکثر معمول مذکور ہے کہ اکثر اوقات آپ ﷺ چاشت کی نماز پڑھا کرتے تھے۔

۲۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ کا نبی کریم ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے نہ دیکھنا، اس بات کی دلیل نہیں بن سکتا کہ آپ ﷺ یہ نماز سرے سے پڑھتے ہی نہ تھے، کیونکہ چاشت کے وقت عموماً نبی کریم ﷺ مسجد میں ہوتے، یا کسی اور مقام پر تشریف لے جاتے، اس لیے حضرت عائشہؓ نے اس وقت آپ ﷺ کو چاشت کی نماز پڑھتے ہوئے نہیں دیکھا۔(۱)

۳۔ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میری نظر میں سب سے بہتر توجیہ یہ ہے کہ حضرت عروہ عن عائشہ کی روایت میں نماز اشراق کی نفی مراد ہے، یہ نماز نبی کریم ﷺ مسجد میں پڑھا کرتے تھے، جس کی وجہ سے حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کی یہ نماز نہیں دیکھی، اس لیے نفی فرمادی، اور عبداللہ بن شقیق عن عائشہ کی روایت میں نفی سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم

(۱) فتح الملہم ۲۲۶/۴، کتاب صلاۃ المسافرین، باب استحباب صلاۃ الضحی، رقم الحدیث: ۱۶۶۴

ﷺ یہ نماز مسجد میں معمول کے طور پر نہیں پڑھتے تھے البتہ جب سفر سے صبح کے وقت تشریف لاتے تو اس وقت چاشت کی نماز مسجد میں پڑھا کرتے تھے، اور معاذۃ عن عائشہ کی روایت، جس میں انہوں نے نبی کریم ﷺ کی چاشت کی نماز کا ذکر کیا ہے، اس سے مراد یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جب چاشت کے وقت گھر میں موجود ہوتے، تو گھر میں یہ نماز پڑھا کرتے، یوں حضرت عائشہؓ سے نماز چاشت سے متعلق متعارض روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي الضُّحٰى حَتّٰى نَقُولَ: لَا يَدَعُهَا، وَيَدَعُهَا حَتّٰى نَقُولَ: لَا يُصَلِّيهَا.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ چاشت کی نماز (کبھی تو اس قدر اہتمام سے) پڑھتے تھے کہ ہم کہتے تھے کہ آپ ﷺ اس نماز کو کبھی نہیں چھوڑیں گے اور (پھر کبھی) اسے (ایسا) چھوڑ دیتے کہ ہم یہ سمجھتے تھے کہ اب کبھی بھی آپ ﷺ یہ نماز نہیں پڑھیں گے۔

## نماز چاشت کے بارے میں نبی کریم ﷺ کا معمول

نبی کریم ﷺ کوئی بھی نفلی عمل پابندی سے نہیں کرتے تھے، تاکہ وہ عمل امت پر فرض نہ ہوجائے، یہی معمول آپ ﷺ کا چاشت کی نماز کے بارے میں بھی تھا، بسا اوقات اس قدر اہتمام فرماتے کہ صحابہ کہتے یا دل میں سوچتے کہ اب کبھی بھی آپ ﷺ یہ نماز ترک نہیں کریں گے، اور جب اس نماز کو ترک فرمادیتے تو ایسا لگتا تھا کہ آئندہ کبھی بھی آپ ﷺ یہ نماز نہیں پڑھیں گے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ پابندی اس لیے نہیں فرماتے تھے کہ کہیں یہ نماز امت پر لازم نہ ہو جائے، جس سے امت کے لوگ حرج اور تنگی میں مبتلا ہو جائیں گے، اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ نبی کریم ﷺ کو اپنی امت کے ساتھ کس قدر شفقت تھی، آپ ﷺ کی یہ کوشش ہوتی کہ میری امت پر کوئی ایسا حکم لازم نہ ہوجائے، جس کی ادائیگی میں ان کو دشواری پیش آئے۔

لیکن یہ ذہن میں رہے کہ یہ نبی کریم ﷺ کی خصوصیت تھی کہ آپ ﷺ کی پابندی اور التزام کی وجہ سے وہ نفلی کام فرض ہوجاتے تھے، امت کے لوگ اگر کوئی نفلی عمل اہتمام سے کریں تو وہ فرض نہیں ہوگا، اس لیے تمام مسلمانوں کو خوب اہتمام سے نفلی عبادات اور چاشت کی نماز پڑھنی چاہیے۔(۳)

عَنْ أَبِي أَيُّوبَ الْأَنْصَارِيِّ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُدْمِنُ أَرْبَعَ رَكَعَاتٍ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ،

---

(۱) اوجز المسالک ۱۳۲/۳ صلاۃ الضحی۔

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۴۷۷۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۱۰/۲، باب صلاۃ الضحی۔

فَقُلْتُ: يَارَسُولَ اللهِ: إِنَّكَ تُدْمِنُ هٰذِهِ الأَرْبَعَ لرَكَعَاتِ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَقَالَ: إِنَّ أَبْوَابَ السَّمَاءِ تُفْتَحُ عِنْدَ زَوَالِ الشَّمْسِ فَلاَتُرْتَجُ حَتّٰى يُصَلَّى الظُّهْرُ، فَأُحِبُّ أَنْ يَصْعَدَلِي فِي تِلْكَ السَّاعَةِ خَيْرٌ قُلْتُ: أَفِي كُلِّهِنَّ قِرَاءَةٌ؟ قَالَ: نَعَمْ. قُلْتُ: هَلْ فِيهِنَّ تَسْلِيمٌ فَاصِلٌ؟ قَالَ: لاَ.(۱)

ترجمہ: حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پابندی سے زوال کے وقت چار رکعات پڑھا کرتے تھے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم زوال کے وقت ان چار رکعتوں کی بڑی پابندی فرماتے ہیں؟ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیشک آسمان کے دروازے زوال آفتاب کے وقت کھول دیئے جاتے ہیں، انہیں بند نہیں کیا جاتا، یہاں تک کہ ظہر کی نماز پڑھ لی جائے، میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرا کوئی نیک عمل اس وقت میں آسمان پر پہنچ جائے، میں نے عرض کیا: کیا ان کی ہر رکعت میں قراءت ہے؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں (قراءت ہے) میں نے عرض کیا: کیا ان میں دو رکعت پر سلام ہے؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں (بلکہ ایک ہی سلام سے چار رکعتیں پڑھی جائیں)۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ السَّائِبِ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّي أَرْبَعًا بَعْدَ أَنْ تَزُولَ الشَّمْسُ قَبْلَ الظُّهْرِ وَقَالَ: إِنَّهَا سَاعَةٌ تُفْتَحُ فِيهَا أَبْوَابُ السَّمَاءِ، فَأُحِبُّ أَنْ يَصْعَدَ لِي فِيهَا عَمَلٌ صَالِحٌ.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سائب سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم زوال آفتاب کے بعد ظہر سے پہلے چار رکعات پڑھا کرتے تھے، اور فرماتے تھے: اس وقت میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ اس وقت میں میرا کوئی نیک عمل (اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں) پہنچ جائے۔

عَنْ عَاصِمِ بْنِ ضَمْرَةَ، عَنْ عَلِيٍّ، أَنَّهُ كَانَ يُصَلِّي قَبْلَ الظُّهْرِ أَرْبَعًا، وَذَكَرَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يُصَلِّيهَا عِنْدَ الزَّوَالِ وَيَمُدُّ فِيهَا.(۳)

ترجمہ: حضرت عاصم بن ضمرہ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ ظہر سے پہلے چار رکعت پڑھتے تھے، اور بتایا کرتے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بھی زوال کے وقت ان چار رکعات کو پڑھتے تھے، اور ان میں لمبی قراءت پڑھتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ یدمن: یہ "ادمان" سے ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پابندی فرماتے، اہتمام سے کرتے، فلاترتج: (صیغہ مجہول) آسمان کے دروازوں کو بند نہیں کیا جاتا، ان یصعد لی خیر: میرا کوئی نیک عمل آسمان پر چڑھ جائے یعنی پہنچ جائے، تسلیم فاصل: الگ کرنے والا سلام یعنی دو رکعت پر سلام، و یمد فیھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان چار رکعات میں لمبی قراءت پڑھتے تھے۔

(۱) سنن ابی داؤد، رقم الحدیث: ۱۲۷۰۔

(۲) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۷۸۔

(۳) سنن الترمذی، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۴۲۴۔

## زوال کے بعد چار رکعت نفل پڑھنے کی فضیلت

نبی کریم ﷺ زوال کے فوراً بعد چار رکعت نفل نماز پڑھا کرتے تھے، اس نماز کے لیے آپ ﷺ بڑا اہتمام فرماتے تھے، اس پابندی اور اہتمام کو دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ: آپ ﷺ ان چار رکعت کی بہت مواظبت اور پابندی فرماتے ہیں، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ زوال کے بعد آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، میں اس وقت یہ نماز اس لیے پڑھتا ہوں، تاکہ میرا یہ عمل آسمان پر پہنچ جائے، اور اللہ کے ہاں قبول ہو جائے۔

بہت سی احادیث میں زوال کے بعد ان چار رکعات کی فضیلت منقول ہے، اسی وجہ سے بعض حضرات اسے ''صلاۃ الزوال یعنی زوال کی نماز'' کے نام سے ذکر کرتے ہیں، ایک اور حدیث میں حضرت عائشہؓ سے آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت میں آسمان کے دروازے کھول دیئے جاتے ہیں، اور اللہ تعالیٰ اپنی مخلوقات کی طرف رحمت کی نظر سے دیکھتے ہیں، اور فرمایا کہ یہ ایسی اہم نماز ہے کہ اسے حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام بھی بڑے اہتمام اور پابندی سے پڑھتے تھے۔

ان چار رکعات سے کیا مراد ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

۱۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ان چار رکعات سے ظہر سے پہلے کی چار سنتیں مراد ہیں۔

۲۔ جبکہ بہت سے حضرات کے نزدیک ان سے چار نوافل مراد ہیں، جنہیں آپ ﷺ زوال کے بعد اہتمام سے پڑھتے تھے، ظہر سے پہلے کی چار سنتیں مراد نہیں، ان کی اپنی جگہ فضیلت ضرور ہے، مگر مذکورہ احادیث میں ان چار رکعات سے زوال کی چار رکعتیں مراد ہیں۔

هَلْ فِيْهِنَّ تَسْلِيْمٌ فَاصِلٌ قَالَ: لَا۔ دن کے نوافل میں چار رکعت کو ایک سلام سے پڑھنا بہتر ہے یا دو دو رکعت کر کے پڑھنا افضل ہے؟ اس میں دو نقطہ نظر ہیں:

❁ ائمہ ثلاثہ اس حدیث سے استدلال کر کے فرماتے ہیں کہ دن کے نوافل میں چار رکعات کو ایک سلام سے پڑھنا جائز ہے، مگر بہتر یہ ہے کہ نوافل خواہ رات کے ہوں یا دن کے، انہیں دو دو کر کے پڑھا جائے، کیونکہ سنن ابی داؤد وغیرہ میں حدیث ہے: صَلَاةُ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ مَثْنٰى مَثْنٰى (رات اور دن کی نفل نماز دو دو رکعت ہے) جبکہ امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک دن اور رات میں چار چار رکعت کر کے نفل پڑھنا بہتر ہے، اور امام محمد اور امام ابو یوسف کے نزدیک دن کے نوافل امام صاحب کی طرح چار رکعت کر کے پڑھنا بہتر ہے اور رات میں افضل یہ ہے کہ انہیں دو دو رکعت کر کے پڑھا جائے۔

نبی کریم ﷺ ان چار رکعات میں لمبی قراءت پڑھتے تھے، اس لیے بہتر یہ ہے کہ اس نماز میں طویل قراءت کی جائے۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ مذکورہ تین احادیث میں تو صلاۃ الضحی کا ذکر نہیں، بلکہ زوال کے بعد کی چار رکعات کا ذکر ہے تو پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے ان احادیث کو باب صلاۃ الضحی کے تحت کیوں ذکر کیا ہے؟ شارحین نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

- اس نماز کا وقت چونکہ چاشت کی نماز کے بعد ہے، کیونکہ زوال تک چاشت کا وقت ہوتا ہے اور زوال کے بعد ان چار رکعات کا وقت شروع ہو جاتا ہے، اس لیے امام ترمذی نے ضمناً ان تین احادیث کو بھی چاشت کی نماز کے باب میں ذکر کر دیا۔(۱)
- علامہ بیجوری فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں یہ تین احادیث ''باب العبادۃ'' میں مذکور ہیں، اصل ان کا مقام وہی باب ہے، کسی کاتب نے غلطی سے باب صلاۃ الضحی میں انہیں لکھ دیا ہے۔(۲)

## بَابُ صَلاةِ التَّطَوُّعِ فِي الْبَيْتِ

یہ باب اس حدیث کے بیان میں ہے جس میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا گھر میں نفل نماز پڑھنے کا ذکر ہے۔

**عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ: سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الصَّلَاةِ فِي بَيْتِي وَالصَّلَاةِ فِي الْمَسْجِدِ قَالَ: قَدْ تَرَى مَا أَقْرَبَ بَيْتِي مِنَ الْمَسْجِدِ، فَلَأَنْ أُصَلِّيَ فِي بَيْتِي أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ أُصَلِّيَ فِي الْمَسْجِدِ إِلَّا أَنْ تَكُونَ صَلَاةً مَكْتُوبَةً.(۳)**

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن سعدؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنے گھر اور مسجد میں (نفل) نماز پڑھنے کے بارے میں پوچھا؟ (کہ ان میں بہتر کیا ہے؟) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم دیکھتے ہو کہ میرا گھر کس قدر مسجد کے قریب ہے (لیکن اس کے باوجود) مجھے اپنے گھر میں (نفل) نماز پڑھنا، مسجد میں پڑھنے سے زیادہ پسند ہے الا یہ کہ فرض نماز ہو (تو وہ مسجد میں ہی پڑھتا ہوں)

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** ما اقرب: اسم تفضیل فعل تعجب ہے: کس قدر قریب ہے، کتنا قریب ہے، **لان اصلی فی بیتی:** میرا گھر میں نماز پڑھنا، احب الی: (اسم تفضیل) مجھے زیادہ پسند ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوافل عموماً گھر میں پڑھا کرتے

حضرت عبداللہ بن سعد نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ دریافت کیا کہ نوافل گھر میں پڑھنا بہتر ہے یا مسجد میں؟

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۱۲/۲۔
(۲) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۴۹۷)
(۳) شرح معانی الآثار ج:۱/ص:۳۳۹/رقم الحدیث:۱۹۹۴، باب التطوع فی المساجد

نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ فرائض کے علاوہ باقی نمازیں گھر میں پڑھنا مجھے زیادہ پسند ہے، تم جانتے ہو کہ میرا گھر مسجد سے کتنا قریب ہے، مگر اس کے باوجود نوافل یعنی فرائض کے علاوہ باقی نمازیں میں عموماً گھر میں پڑھتا ہوں اور مجھے یہی پسند ہے۔

نبی کریم ﷺ کے عمل اور آپ ﷺ کے بہت سے ارشادات سے معلوم ہوتا ہے کہ تطوع یعنی فرائض کے علاوہ سنن اور نوافل کو گھر میں پڑھنا افضل ہے، تا کہ نماز کی برکات سے گھر کے ماحول میں نورانیت پیدا ہو، گھر کے دیگر افراد اور بچے بھی یہ نماز سیکھیں، اور ان میں شوق پیدا ہو، یوں انسان کا یہ عمل ریاکاری اور نام ونمود سے بھی محفوظ رہتا ہے اور اس میں اخلاص پیدا ہوتا ہے، گھر میں اس کی وجہ سے فرشتوں کا نزول ہوتا ہے، اور شیطان دور ہو جاتا ہے، ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: نماز کا کچھ حصہ گھر میں ادا کیا کرو اور گھروں کو قبرستان مت بناؤ کہ جس طرح قبرستان میں نماز کا ماحول نہیں ہوتا، تم لوگ گھر میں ایسا ماحول نہ بناؤ، ایک اور حدیث میں فرمایا کہ سب سے افضل وہ نماز ہے، جسے گھر میں پڑھا جائے الا یہ کہ فرض نماز ہو، تو اسے مسجد میں باجماعت ادا کیا جائے، کیونکہ یہ شعائر اسلام میں سے ہے، اسی طرح زکوۃ، واجب صدقات اور فرض روزوں میں اظہار مقصود ہوتا ہے، تا کہ دوسرے لوگ بھی ان پر عمل کریں، البتہ فرائض کے ساتھ ساتھ ان نمازوں کو بھی مسجد میں پڑھنا افضل ہے: تحیۃ الوضوء، کعبہ کے طواف کی دو رکعتیں، نماز تراویح اور اسی طرح ہر وہ نماز، جو جماعت سے ادا کی جاتی ہے، جیسے سورج گرہن کی نماز وغیرہ کیونکہ ان نمازوں میں اظہار مقصود ہوتا ہے، اس لیے اس طرح کی نمازوں کو مسجد میں پڑھنا بہتر ہے۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي صَوْمِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث کے بارے میں ہے، جن میں رسول اللہ ﷺ کے روزوں کا بیان ہے۔

**عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيقٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، عَنْ صِيَامِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، قَالَتْ: كَانَ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ قَدْ صَامَ، وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ قَدْ أَفْطَرَ. قَالَتْ: وَمَا صَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَهْرًا كَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ إِلَّا رَمَضَانَ.(۲)**

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن شقیق کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے رسول اللہ ﷺ کے روزوں کے بارے میں پوچھا؟ انہوں نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ (کبھی اس قدر مسلسل) روزے رکھتے تھے کہ ہم کہتے کہ اب آپ ﷺ (ہمیشہ) روزے رکھیں گے، اور (کبھی مسلسل) آپ ﷺ افطار فرماتے تھے کہ ہمارا یہ خیال ہوتا کہ اب تو آپ ﷺ کبھی روزہ نہیں رکھیں گے، حضرت عائشہؓ نے فرمایا: اور نبی کریم ﷺ جب سے مدینہ منورہ تشریف لائے، رمضان کے علاوہ کسی مہینے کے تمام روزے نہیں رکھے۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للمناوی ۱۱۵/۲

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۷۶۸۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ سُئِلَ عَنْ صَوْمِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَ: كَانَ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ حَتَّى نَرَى أَنْ لَا يُرِيدُ أَنْ يُفْطِرَ مِنْهُ، وَيُفْطِرُ مِنْهُ حَتَّى نَرَى أَنْ لَا يُرِيدُ أَنْ يَصُومَ مِنْهُ شَيْئًا. وَكُنْتَ لَا تَشَاءُ أَنْ تَرَاهُ مِنَ اللَّيْلِ مُصَلِّيًا إِلَّا رَأَيْتَهُ مُصَلِّيًا، وَلَا نَائِمًا إِلَّا رَأَيْتَهُ نَائِمًا.

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے روزوں کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (بسا اوقات) کسی مہینے میں اس طرح مسلسل روزے رکھنا شروع فرماتے کہ ہم سمجھتے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس مہینے میں روزہ چھوڑنے کا ارادہ نہیں ہے، اور کسی مہینے میں ایسا مسلسل افطار فرماتے تھے، جس سے ہم یہ سمجھتے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینے میں کوئی روزہ نہیں رکھیں گے، اور آپ رات کے جس حصے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھنا چاہتے، دیکھ سکتے، اور جس حصے میں سوتا ہوا دیکھنا چاہتے، دیکھ سکتے، (یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے رات کے ہر حصے میں تہجد کی نماز پڑھی ہے)۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ حَتَّى نَقُولَ مَا يُرِيدُ أَنْ يُفْطِرَ مِنْهُ، وَيُفْطِرُ حَتَّى نَقُولَ مَا يُرِيدُ أَنْ يَصُومَ مِنْهُ، وَمَا صَامَ شَهْرًا كَامِلًا مُنْذُ قَدِمَ الْمَدِينَةَ إِلَّا رَمَضَانَ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (بسا اوقات) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (اس طرح مسلسل نفلی) روزہ رکھنا شروع فرماتے کہ ہم سوچتے تھے: اس مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارادہ کوئی روزہ چھوڑنے کا نہیں ہے، اور کسی مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ ہی نہ رکھتے، یہاں تک کہ ہم سوچنے لگتے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس ماہ میں روزہ رکھنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے، اور جب سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے ہیں رمضان کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی بھی ماہ کے تمام روزے نہیں رکھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نفلی روزوں کے معمولات

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم رمضان کے روزوں کے علاوہ نفلی روزوں کا بھی بہت اہتمام فرماتے تھے، حالات اور طبیعت کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے معمولات بدلتے رہتے تھے، مذکورہ احادیث میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفلی روزوں کا ذکر ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات اس قدر مسلسل اور متواتر نفلی روزے رکھنا شروع فرماتے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم یہ سمجھنے لگتے کہ اس مہینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزہ ترک نہیں فرمائیں گے، اور کسی ماہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نفلی روزے نہ رکھتے، جس سے صحابہ رضی اللہ عنہم کو یہ گمان ہوتا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس مہینہ میں بالکل روزے نہیں رکھیں گے، شارحین حدیث نے اس کی دو وجہیں لکھی ہیں:

(۱) الصحیح لمسلم، کتاب الصیام، باب صیام النبی ﷺ فی غیر رمضان، رقم الحدیث: ۱۷۴۔

۞ روزہ جس طرح ایمان اور روحانی ترقی کا ذریعہ ہوتا ہے، اسی طرح یہ جسمانی صحت کے لیے بھی بہت مفید ہوتا ہے، اسے دوا کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے، اور دوا میں آپ جانتے ہیں کہ اسے کبھی مسلسل استعمال کرنا مفید ہوتا ہے، اور کبھی وقفہ کے ساتھ، اور کبھی اسے ترک کر دیا جاتا ہے، مذکورہ احادیث میں اسی اصول کے تحت نبی کریم ﷺ وقتی ضروریات کے لحاظ سے بسا اوقات مسلسل روزے رکھتے تھے، اور کبھی مسلسل افطار فرماتے تھے، لیکن رمضان کے علاوہ کسی ماہ کے تمام روزے نہیں رکھے، اور ایسا بھی نہ ہوتا کہ پورے مہینے میں کسی بھی دن روزہ نہ رکھا ہو، ہر ماہ کچھ روزے بھی رکھا کرتے اور کچھ دن بغیر روزے کے گذرتے، اس سے آپ ﷺ نے امت کو اعتدال اور میانہ روزی کا درس دیا ہے۔

۞ نبی کریم ﷺ کے کچھ خصوصی معمولات تھے مثلاً پیر اور جمعرات کا روزہ، ایام بیض کے روزے یعنی اسلامی مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ کا روزہ، ذی الحجہ کے نو روزے وغیرہ، کبھی ایسا ہوتا کہ سفر یا کسی اور عارض کی وجہ سے آپ ﷺ وہ روزے نہ رکھ سکتے تو بعد میں اس کی تلافی فرماتے کہ اتنے ہی دن بعد میں ان روزوں کی قضا کر لیتے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی یہ خصوصی عادت تھی کہ جب آپ ﷺ کوئی نفلی عبادت شروع فرماتے، تو اس پر پابندی فرماتے، جس طرح اگر کبھی تہجد کی نماز آپ ﷺ سے رہ جاتی، تو چاشت کے وقت اسے پڑھ لیا کرتے، چنانچہ یہاں بھی آپ ﷺ کے جتنے روزے معمول کے رہ جاتے تو ان کو بعد میں رکھ لیتے، اس لیے آپ ﷺ کو لگاتار روزے رکھنے کی نوبت آجاتی تھی۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں رات کے نوافل میں نبی کریم ﷺ کی عادت کا ذکر ہے کہ آپ ﷺ کبھی انہیں رات کے پہلے حصے میں پڑھتے، کبھی آدھی رات میں اور کبھی رات کے آخری حصے میں، اس لیے جو شخص رات کے جس حصے میں آپ ﷺ کو نماز پڑھتے ہوئے یا سوتا ہوا دیکھنا چاہتا، تو دیکھ سکتا تھا لہٰذا اگر کوئی یہ چاہتا کہ میں رات کے پہلے حصے میں آپ ﷺ کو نماز پڑھتا ہوا دیکھوں تو کسی دن اسے یہ موقع بھی حاصل ہو جاتا اور اگر سوتا ہوا دیکھنا چاہتا تو کبھی وہ اس وقت آپ ﷺ کو سوتا ہوا بھی دیکھ لیتا، دراصل آپ ﷺ آخرت کے امور میں اس قدر متفکر رہتے کہ کبھی آپ ﷺ ایک ہی رات میں کئی بار اٹھ کر نماز پڑھتے، پھر سو جاتے پھر اٹھ کر نماز پڑھتے اور پھر سو جاتے، یوں رات کے مختلف اوقات میں آپ ﷺ نوافل پڑھا کرتے، تاکہ رات کے ہر حصہ میں اللہ جل شانہ کی عبادت نامۂ اعمال میں لکھی جائے۔(۱)

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ إِلَّا شَعْبَانَ وَرَمَضَانَ.(۲)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو شعبان اور رمضان کے علاوہ دو ماہ مسلسل روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمْ أَرَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْ صِيَامِهِ لِلَّهِ فِي شَعْبَانَ، كَانَ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۲۰، ۱۲۱، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۰۳)

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث:۷۳۶۔

يَصُومُ شَعْبَانَ إِلَّا قَلِيلاً بَلْ كَانَ يَصُومُهُ كُلَّهُ. (۱)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے حضور اقدس ﷺ کو (رمضان کے علاوہ) شعبان سے زیادہ کسی مہینے میں روزے رکھتے ہوئے نہیں دیکھا، آپ ﷺ شعبان کے اکثر دنوں میں روزہ رکھتے تھے، بلکہ (یوں کہیے کہ گویا) آپ ﷺ پورا مہینہ ہی روزہ رکھتے تھے۔

## نبی کریم ﷺ شعبان میں اکثر روزے رکھتے تھے

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم ﷺ رمضان کے علاوہ شعبان کے مہینے میں بہت زیادہ نفلی روزے رکھا کرتے تھے، بلکہ حضرت عائشہؓ نے بڑے مبالغہ سے بیان کیا کہ گویا آپ ﷺ شعبان کا پورا مہینہ ہی روزے رکھتے تھے، اس کی وجہ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے بیان فرمائی کہ اس مہینے میں ایک ایسا دن ہے، جس میں سال کے اعمال اللہ جل شانہ کے دربار میں پیش ہوتے ہیں، اس لیے میرا دل چاہتا ہے کہ میرے اعمال ایسی حالت میں پیش ہوں کہ میں روزہ دار ہوں۔

مگر یہ ذہن میں رہے کہ ایک عام مسلمان کے لیے حکم یہ ہے کہ شعبان کے آخری پندرہ دنوں میں روزے نہ رکھے، تا کہ وہ رمضان کے روزوں کے لیے تیار ہو جائے، البتہ جو شخص پیر اور جمعرات کا روزہ معمول کے طور پر رکھتا ہو، وہ اپنا معمول جاری رکھ سکتا ہے۔ (۲)

عَنْ عَبْدِ اللهِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ مِنْ غُرَّةِ كُلِّ شَهْرٍ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ وَقَلَّمَا كَانَ يُفْطِرُ يَوْمَ الْجُمُعَةِ. (۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ ہر مہینے کے شروع میں تین دن روزے رکھا کرتے تھے، اور جمعہ کے دن بہت کم افطار فرماتے تھے۔

عَنْ مُعَاذَةَ، قَالَتْ: قُلْتُ لِعَائِشَةَ: أَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُ ثَلَاثَةَ أَيَّامٍ مِنْ كُلِّ شَهْرٍ؟ قَالَتْ: نَعَمْ. قُلْتُ: مِنْ أَيِّهِ كَانَ يَصُومُ؟ قَالَتْ: كَانَ لَا يُبَالِي مِنْ أَيِّهِ صَامَ. (۴)

ترجمہ: حضرت معاذہ کہتی ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: کیا نبی کریم ﷺ ہر مہینے میں تین روزے رکھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: جی ہاں (رکھتے تھے) میں نے عرض کیا: مہینے کے کون سے دنوں میں آپ ﷺ روزہ رکھتے

---

(۱) سنن الترمذی، الصوم، رقم الحدیث: ۷۳۷۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۱۲۱۔

(۳) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۷۴۲

(۴) سنن الترمذی ۳/۱۳۵/ رقم الحدیث: ۷۶۳/ صوم ثلاثة ایام من کل شہر/ احیاء التراث، بیروت۔

تھے؟ انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم روزہ رکھنے کے لیے دنوں کی پرواہ نہیں کرتے تھے، (یعنی دن اور تاریخ کی تعیین کے بغیر تین روزے رکھتے تھے)۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** غرہ: (غین پر پیش اور را پر زبر و تشدید) مہینہ کا شروع، من ایه کان یصوم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کس دن روزہ رکھا کرتے، لایبالی: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پرواہ نہ کرتے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جمعہ کے دن اور ہر مہینے میں تین روزہ رکھا کرتے

مذکورہ احادیث میں دو امور کا ذکر ہے:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرتے تھے، اور مسلمانوں کو بھی ان کی ترغیب دی ہے، اور ہر نیکی چونکہ دس گنا ہوتی ہے، اس سے تین روزے گویا پورے مہینے کے روزوں کے برابر ہیں، یہ تین روزے مہینے کی کونسی تاریخ میں ہوتے؟ اس بارے میں مختلف روایات منقول ہیں، مگر ان میں کوئی تعارض نہیں، کبھی یہ تین روزے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مہینے کے شروع میں ہی رکھ لیتے، کبھی ہر پیر اور جمعرات کے دن، کبھی ایام بیض یعنی اسلامی مہینے کی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ میں، حتمی طور پر کوئی تعیین نہیں تھی، حالات اور موقع کی مناسبت سے جب مناسب ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ روزہ رکھ لیا کرتے، اسی وجہ سے دوسری حدیث میں حضرت عائشہؓ نے حضرت معاذہ کے سوال پر دنوں کی تعیین سے انکار کر دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنوں کی تعیین کی پرواہ نہ فرماتے، جب موقع ملتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تین روزے رکھ لیتے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی جمعہ کے دن روزہ رکھا کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ جمعہ کے دن روزہ رکھنا جائز ہے، مگر اس دن کو روزہ کے لیے خاص کرنا پسندیدہ نہیں، ایک اور حدیث میں اس تخصیص سے منع کیا گیا ہے تا کہ لوگ اس روزے کو ضروری نہ سمجھ لیں۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم يَتَحَرَّى صَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ۔(۲)

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم پیر اور جمعرات کے روزے کا اہتمام فرماتے تھے۔

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صلى الله عليه وسلم يَصُومُ فِي شَهْرٍ أَكْثَرَ مِنْ صِيَامِهِ فِي شَعْبَانَ۔(۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم شعبان سے زیادہ کسی ماہ میں روزے نہیں رکھتے تھے۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم قَالَ: تُعْرَضُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ وَالْخَمِيسِ، فَأُحِبُّ أَنْ يُعْرَضَ عَمَلِي وَأَنَا

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۲۲/۱

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۷۴۵۔

(۳) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۷۳۶۔

صائم.(۱)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: پیر اور جمعرات کے دن اللہ جل شانہ کے سامنے اعمال پیش کیے جاتے ہیں، لہذا میں اس بات کو پسند کرتا ہوں کہ میرا عمل اس حال میں پیش ہو کہ میں روزے کی حالت میں ہوں۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:** یتحری: اہتمام فرماتے، قصد فرماتے، تعرض: (صیغہ مجہول) پیش کئے جاتے ہیں۔

## اللہ کے سامنے تین بار اعمال کی پیشی

مذکورہ احادیث میں ہے کہ پیر اور جمعرات کے دن انسانوں کے اعمال اللہ جل جلالہ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں، پیر کے دن کی خاص طور پر اس لیے بھی اہمیت ہے کہ اس دن نبی کریم ﷺ پیدا ہوئے اور اس دن آپ ﷺ کو نبوت عطا کی گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ انسانوں کے اعمال تین بار اللہ جل جلالہ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں:

- روزانہ رات دن کے اعمال اللہ جل شانہ کے سامنے پیش کیے جاتے ہیں۔
- پھر ہفتہ میں دو مرتبہ پیر اور جمعرات کے دن اللہ کے سامنے اعمال پیش کیے جاتے ہیں۔
- اور پورے سال کے اعمال پندرہ شعبان اور لیلۃ القدر میں پیش کیے جاتے ہیں۔

اور اللہ کے سامنے بار بار ان اعمال کو پیش کرنے کی ایک حکمت یہ ہے کہ اس سے فرشتوں کے سامنے نیک لوگوں کی فضیلت کو ظاہر کرنا مقصود ہوتا ہے، کیونکہ فرشتوں نے حضرت آدم کی پیدائش کے وقت یہ اشکال کیا تھا کہ آپ ایک ایسی مخلوق پیدا فرما رہے ہیں، جو دنیا میں جا کر قتل وخونریزی اور فساد برپا کرے گی، اس لیے اللہ تعالیٰ نیک لوگوں کے اعمال کے ذریعہ فرشتوں کے سامنے تفاخر فرماتے ہیں کہ یہ میرے نیک بندے ہیں، ورنہ اللہ جل شانہ ہر شخص کے ہر عمل سے ہر وقت واقف ہیں، ان کے سامنے اعمال پیش کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔(۲)

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَصُومُ مِنَ الشَّهْرِ: السَّبْتَ وَالْأَحَدَ وَالْإِثْنَيْنِ، وَ مِنَ الشَّهْرِ الْآخَرِ: الثُّلَاثَاءَ وَالْأَرْبِعَاءَ وَالْخَمِيسَ۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ (کبھی) ہر مہینے کے تین روزے اسطرح بھی رکھتے تھے کہ ایک مہینہ میں ہفتہ، اتوار اور پیر کو روزہ رکھ لیتے، اور دوسرے ماہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کو (روزہ رکھ لیتے)

---

(۱) سنن الترمذی، رقم الحدیث:۷۴۷۔

(۲) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۲۰۸) جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوي ۲/۱۲۶۔

## ہر مہینہ میں تین روزے رکھنے کا مسنون طریقہ

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اہتمام سے ہر مہینہ میں تین روزے رکھا کرتے، اس کے لیے ایام اور تاریخ متعین نہیں تھی، کبھی مہینہ کے شروع میں، کبھی وسط میں اور کبھی مہینہ کے آخر میں روزے رکھ لیتے، اسی طرح ہفتہ کے ایام بھی متعین نہیں تھے، ایک مہینہ میں یہ روزے ہفتہ، اتوار اور پیر کے دن رکھ لیتے اور پھر اگلے مہینہ میں منگل، بدھ اور جمعرات کے دن روزہ رکھا کرتے، تاکہ ہفتہ کے تمام دنوں میں روزہ ہو جائے، اس حدیث میں اگرچہ جمعہ کے روزے کا ذکر نہیں مگر اس سے پہلے حدیث میں گذر چکا ہے کہ کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جمعہ کے دن بھی نفلی روزہ رکھتے تھے۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كَانَ عَاشُورَاءُ يَوْمًا تَصُومُهُ قُرَيْشٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ، وَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُومُهُ، فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِينَةَ صَامَهُ وَأَمَرَ بِصِيَامِهِ، فَلَمَّا افْتُرِضَ رَمَضَانُ كَانَ رَمَضَانُ هُوَ الْفَرِيضَةُ وَتُرِكَ عَاشُورَاءُ، فَمَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ تَرَكَهُ.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش عاشوراء یعنی دس محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی (ہجرت سے پہلے تطوعا) یہ روزہ رکھ لیا کرتے تھے، پھر جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (ہجرت کر کے) مدینہ منورہ تشریف لائے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود بھی یہ روزہ (اہتمام سے) رکھا اور (امت کو بھی) اس روزے کا (وجوبا) حکم دیا، پھر جب رمضان کے روزے فرض ہوئے تو رمضان کے روزے ہی فرض ہو گئے اور عاشوراء کا روزہ چھوڑ دیا گیا (یعنی اس کی فرضیت منسوخ ہو گئی، اب وہ ایک مستحب روزہ ہے) لہذا جو چاہے، یہ روزہ رکھ لے اور جو چاہے، اسے نہ رکھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دس محرم کا روزہ رکھا کرتے

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں قریش دس محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہجرت سے پہلے تطوعا یہ روزہ رکھتے تھے، اس کے بعد جب مدینہ منورہ کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہجرت فرمائی، تو اس کے بعد اس امت پر یہ روزہ فرض ہو گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بڑے اہتمام سے یہ روزہ رکھا کرتے اور مسلمانوں کو بھی اس روزے کا لازمی طور پر حکم دیا، پھر جب رمضان کے روزے اس امت پر فرض ہو گئے تو دس محرم کے روزے کا وجوب تو منسوخ ہو گیا، مگر اس کا استحباب اب بھی باقی ہے، انسان کی مرضی ہے، چاہے تو یہ روزہ رکھ لے اور چاہے تو روزہ نہ رکھے۔

---

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۵۰۹)

(۲) سنن الترمذي، رقم الحديث: ۷۵۳۔

عاشوراء کے روزے کی فضیلت سے متعلق بہت سی احادیث منقول ہیں، چنانچہ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ عرفہ کے دن روزہ رکھنے سے دو سال کے گناہ معاف ہوتے ہیں، اور دس محرم میں روزہ رکھنے سے ایک سال کے (صغیرہ) گناہ معاف ہوتے ہیں، اس دن میں بہت سے اہم واقعات پیش آئے ہیں، مثلاً: حضرت آدم کی توبہ قبول ہوئی، حضرت نوح کی کشتی جودی پہاڑ پر آئی تو انہوں نے شکر کے طور پر اس دن کا روزہ رکھا، اس دن حضرت موسیٰؑ کو فرعون سے نجات ملی اور فرعون غرق ہوا تھا، اس دن میں حضرت عیسیٰؑ پیدا ہوئے، اور اسی دن آسمان پر اٹھائے گئے، اسی دن حضرت یونسؑ کو مچھلی کے پیٹ سے نکالا گیا، اور اسی دن ان کی امت کا قصور معاف ہوا، اسی دن حضرت یوسف علیہ السلام کنویں سے نکالے گئے، غرض یہ کہ یہ بہت عظمت والا دن ہے، کہتے ہیں کہ اس دن میں جانور بھی روزہ رکھتے ہیں،

دیکھیے کس قدر فضیلت والا یہ دن ہے، مگر افسوس ہے کہ بہت سے لوگ اس دن کو رسم ورواج اور فضول چیزوں میں گذار دیتے ہیں، اس کی قدر نہیں کرتے، اسی فضیلت کی وجہ سے زمانہ جاہلیت میں بھی قریش دس محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے، ہجرت کے بعد نبی کریم ﷺ نے دیکھا کہ یہود اس دن کا روزہ رکھتے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے ان سے دریافت فرمایا کہ تم لوگ یہ روزہ کیوں رکھتے ہو؟ انہوں نے بتایا کہ اس دن اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ کو فرعون سے نجات عطا فرمائی تھی اور فرعون کو غرق کیا تھا، جس کے شکریہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس دن کا روزہ رکھا، اس لیے ہم بھی اس دن روزہ رکھتے ہیں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: ہم لوگ حضرت موسیٰؑ کی اتباع کے تم سے زیادہ حقدار ہیں، اس لیے حضور اقدس ﷺ نے وحی کے ذریعہ یا اپنے اجتہاد سے خود بھی یہ روزہ رکھا اور امت کو بھی روزہ رکھنے کا وجوباً حکم دیا، اس وقت دس محرم کا روزہ فرض تھا، پھر رمضان کے روزے فرض کیے گئے تو عاشوراء کے روزے کی فرضیت منسوخ ہوگئی، اس کا مستحب ہونا اب بھی باقی ہے، مگر یہود کی مشابہت سے بچنے کے لیے آپ ﷺ نے مسلمانوں سے فرمایا کہ تم لوگ دس محرم کے روزے کے ساتھ نو محرم یا گیارہ محرم کا روزہ رکھا کرو، کیونکہ یہود صرف دس محرم کا روزہ رکھتے تھے۔(۱)

عَنْ عَلْقَمَةَ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، أَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخُصُّ مِنَ الْأَيَّامِ شَيْئًا؟ قَالَتْ: كَانَ عَمَلُهُ دِيمَةً، وَأَيُّكُمْ يُطِيقُ مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطِيقُ.(۲)

ترجمہ: حضرت علقمہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا: کیا حضور اقدس ﷺ (نفلی عبادت کے لیے) ایام میں سے کسی دن کو مخصوص فرمایا کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: (کہ نہیں) نبی کریم ﷺ کے اعمال دائمی ہوتے تھے، اور تم میں سے کون اس عمل کی طاقت رکھتا ہے، جس کی حضور اقدس ﷺ طاقت رکھتے تھے۔

(۱) فتح الباری ۳۱۰/۴، کتاب الصوم، باب صیام یوم عاشوراء رقم الحدیث: ۲۰۰۲، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۲۹/۲ المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۵۱۱)

(۲) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۸۶۰۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نفلی اعمال میں بھی دوام اختیار فرماتے

حضرت علقمہ نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نفلی عبادات یعنی روزوں کے لیے کسی دن کو متعین فرماتے تھے؟ مثلاً پیر کو روزے کے لیے خاص کر لیتے ہوں کہ اس میں ضرور روزہ رکھتے ہوں، کبھی افطار نہ کرتے ہوں، حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح نفلی روزوں کے لیے دنوں کو متعین نہیں فرماتے تھے، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جو نفلی کام شروع فرماتے، اس پر اہتمام سے عمل فرماتے، مداومت فرماتے، نہایت خشوع وخضوع اور اخلاص کے ساتھ اس پر عمل پیرا ہوتے، تم لوگ اس قدر مداومت اور اہتمام کی طاقت نہیں رکھتے، جتنا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے معمولات کو پابندی اور اہتمام سے ادا فرماتے، اور جو معمول رہ جاتا، اسے دوسرے وقت میں ادا فرما لیتے، چنانچہ اسی اہتمام کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیر، جمعرات اور ہر مہینے میں تین روزے رکھا کرتے۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ سوال وجواب ان تین روزوں سے متعلق ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر مہینے میں رکھا کرتے تھے، سائل نے یہ سمجھا کہ یہ ایام بیض کے روزے ہیں، مقصد یہ تھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہ تین روزے ایام بیض یعنی تیرہ، چودہ اور پندرہ تاریخ میں رکھتے تھے؟ حضرت عائشہؓ نے جواب دیا کہ اس طرح تعیین نہیں تھی، کبھی ان دنوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ تین روزے رکھتے اور کبھی مہینے کے دیگر ایام میں یہ روزے رکھ لیتے، ہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوام اور اہتمام سے تین روزوں پر عمل پیرا رہتے، جس کی تم لوگوں میں طاقت اور ہمت نہیں، اس میں بھی امت کے لیے آسانی ہے، کہ وہ پورے مہینے میں جب بھی یہ تین روزے رکھنا چاہیں، رکھ سکتے ہیں، اس سے اس سنت پر عمل ہو جائے گا۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: دَخَلَ عَلَيَّ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعِنْدِي امْرَأَةٌ فَقَالَ: مَنْ هَذِهِ؟ قُلْتُ: فُلَانَةُ، لَا تَنَامُ اللَّيْلَ، فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: عَلَيْكُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيقُونَ، فَوَاللهِ لَا يَمَلُّ اللهُ حَتَّى تَمَلُّوا، وَكَانَ أَحَبَّ ذٰلِكَ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَدُومُ عَلَيْهِ صَاحِبُهُ.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے، اس وقت میرے پاس ایک عورت بیٹھی ہوئی تھی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ کون عورت ہے؟ میں نے عرض کیا: یہ فلانی عورت ہے، جو رات بھر نہیں سوتی، (نوافل میں مشغول رہتی ہے) اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہیں ایسے (نفلی) اعمال اختیار کرنے چاہئیں جن کی تم لوگ طاقت رکھتے ہو، کیونکہ اللہ جل شانہ (اجر وثواب دینے سے) نہیں اکتاتے یہاں تک کہ تم لوگ (عمل کرنے سے) اکتا جاؤ گے (یعنی ہمت ہار بیٹھو گے) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک سب

(۱) فتح الباری ۲۹۶/۴، کتاب الصوم، باب هل یخص شیئاً من الأیام، رقم الحدیث: ۱۹۸۷

(۲) أشار الیه الترمذی فی سننه فی آخر حدیث: ۲۸۶۔

سے زیادہ پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر عمل کرنے والا آدمی دوام اور پابندی کرے۔

عَنْ أَبِي صَالِحٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ، وَأُمَّ سَلَمَةَ، أَيُّ الْعَمَلِ كَانَ أَحَبَّ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَتَا: مَادِيمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّ.

ترجمہ: حضرت ابوصالح کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ اور حضرت ام سلمہ سے پوچھا کہ نبی کریم ﷺ کے نزدیک کون سا عمل زیادہ پسندیدہ تھا؟ ان دونوں نے فرمایا: وہ عمل جس پر دوام اور پابندی کی جائے، خواہ وہ کتنا ہی کم ہو۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ فلانة: یہ لفظ "عَلَم" سے کنایہ ہے، اس لیے یہ غیر منصرف ہے، دوسری روایت میں ہے کہ یہ قبیلہ بنی اسد کی خاتون تھی، جس کا نام حولاء بنت تُوَیت تھا۔ علیکم: یہ اسم فعل ہے، امر کے معنیٰ میں ہے، یعنی: الزموا: تم پر لازم ہے، یہ خطاب اگرچہ خواتین سے تھا مگر پھر بھی آپ ﷺ نے عَلَیکُنَّ کے بجائے علیکم فرمایا، اس طرف اشارہ کرنے کے لیے کہ یہ حکم پوری امت کے لیے ہے، خواہ وہ مرد ہوں یا خواتین، لا یمل: اللہ تعالیٰ نہیں اکتاتے یعنی اجر وثواب دینے سے نہیں گھبراتے، حتی تملوا: یہاں تک کہ تم ہی اکتا جاؤ گے یعنی تم ہی ہمت ہار بیٹھو گے، تھک جاؤ گے ما دیم علیه: وہ عمل جس پر دوام اور پابندی کی جائے۔(۱)

## نفلی عبادات میں اعتدال کا حکم

ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے پاس ایک خاتون یعنی حضرت حولاء بنت تویت بن حبیب بن عبدالعزی رضی اللہ عنہا بیٹھی ہوئی تھیں، اتنے میں نبی کریم ﷺ تشریف لائے آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ خاتون کون ہیں؟ حضرت عائشہؓ نے آپ ﷺ کو بتایا کہ یہ ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت، ذکر وفکر، تلاوت اور نوافل میں مشغول رہتی ہیں، پوری رات نہیں سوتیں، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: نفلی اعمال نماز، روزہ وغیرہ اسی قدر اختیار کرنے چاہئیں، جن کی انسان میں طاقت ہو، اپنی ہمت سے بڑھ کر ساری رات جاگ کر عبادت میں مشغول رہنا، یہ اپنی جان پر زیادتی ہے، یہ شوق اور جذبہ زیادہ عرصہ نہیں رہتا، انسان اکتا جاتا ہے، ہمت ہار بیٹھتا ہے، مگر اللہ تعالیٰ اجر وثواب دینے سے نہیں تھکتے، اس لئے اپنی ہمت سے بڑھ کر کوئی کام نہیں کرنا چاہیے، اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- نفلی عبادات نماز روزے اور ذکر وغیرہ میں میانہ روی اور اعتدال اختیار کرنا چاہیے، اپنی ہمت سے بڑھ کر نفلی عبادات میں مشغول رہنے سے عموماً فرائض وواجبات اور روزمرہ کے کاموں میں حرج واقع ہوجاتا ہے، اس لیے یہ طریقہ اختیار کرنا شریعت میں پسندیدہ نہیں۔

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۱۴) جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوي ۱۳۳/۲

حضرت عائشہ صدیقہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نفلی عبادات میں اس عمل کو زیادہ پسند فرماتے تھے، جس پر پابندی، دوام اور اہتمام سے عمل کیا جائے اگرچہ وہ کام تھوڑا ہی ہو، چنانچہ نبی کریم ﷺ بھی نفلی عبادات میں مداومت اور اہتمام فرماتے تھے، اللہ جل شانہ ہمیں بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔(۱)

عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ يَقُولُ: كُنْتُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً، فَاسْتَاكَ، ثُمَّ تَوَضَّأَ، ثُمَّ قَامَ يُصَلِّي، فَقُمْتُ مَعَهُ، فَبَدَأَ فَاسْتَفْتَحَ الْبَقَرَةَ، فَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ رَحْمَةٍ إِلَّا وَقَفَ فَسَأَلَ، وَلَا يَمُرُّ بِآيَةِ عَذَابٍ إِلَّا وَقَفَ فَتَعَوَّذَ، ثُمَّ رَكَعَ فَمَكَثَ رَاكِعًا بِقَدْرِ قِيَامِهِ، وَيَقُولُ فِي رُكُوعِهِ: سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ، وَالْمَلَكُوتِ، وَالْكِبْرِيَاءِ، وَالْعَظَمَةِ، ثُمَّ سَجَدَ بِقَدْرِ رُكُوعِهِ، وَيَقُولُ فِي سُجُودِهِ: سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ، وَالْمَلَكُوتِ، وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ، ثُمَّ قَرَأَ آلَ عِمْرَانَ، ثُمَّ سُورَةً، سُورَةً، يَفْعَلُ مِثْلَ ذَلِكَ فِي كُلِّ رَكْعَةٍ.

ترجمہ: حضرت عوف بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں ایک رات نبی کریم ﷺ کے ساتھ تھا، آپ ﷺ نے مسواک کیا، پھر وضو فرمایا، پھر کھڑے ہو کر نماز پڑھنے لگے، میں بھی آپ ﷺ کے ساتھ (نماز میں) کھڑا ہوا (مقتدی کی حیثیت سے) آپ ﷺ نے سورہ بقرہ کی تلاوت شروع فرمائی، آپ ﷺ (تلاوت کے دوران) رحمت کی آیت سے گذرتے تو ٹھہر جاتے اور اللہ تعالیٰ سے رحمت کا سوال فرماتے، اور عذاب کی آیت سے گذرتے تو ٹھہر جاتے اور عذاب سے پناہ مانگتے، پھر آپ ﷺ نے رکوع کیا، اور اپنے قیام کے بقدر رکوع میں ٹھہرے رہے اور رکوع میں یہ کلمات پڑھتے رہے: سُبْحَانَ ذِي الْجَبَرُوتِ وَالْمَلَكُوتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظَمَةِ (میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں جو قدرت والی، عظیم الشان سلطنت، بڑائی اور عظمت والی ہے) اور پھر آپ ﷺ نے اپنے رکوع کے بقدر سجدہ کیا، اور اپنے سجدے میں بھی وہی سابقہ کلمات پڑھتے رہے، پھر (دوسری رکعت میں) سورہ آل عمران پڑھی پھر (یعنی تیسری اور چوتھی رکعات) میں ایک ایک سورت پڑھی، اسی طرح آپ ﷺ ہر رکعت میں کرتے (یعنی رحمت کا سوال، عذاب سے پناہ، رکوع و سجود کو قیام کی طرح طویل فرماتے)۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ فاستاک: آپ ﷺ نے مسواک کیا، استفتح البقرۃ: سورہ بقرہ کو شروع فرمایا، ذی الجبروت: قدرت والی ذات، الملکوت: (میم اور لام پر زبر) عظیم الشان سلطنت، یہ لفظ صرف اللہ جل شانہ کی سلطنت کے ساتھ مخصوص ہے، الکبریاء: بڑائی ثم سورۃً سورۃً: پھر (تیسری اور چوتھی رکعت میں) ایک ایک سورت پڑھی، یفعل مثل ذلک: آپ ﷺ ہر رکعت میں اسی طرح کرتے یعنی رحمت کی آیت پر ٹھہر کر رحمت کا سوال کرتے، عذاب کی آیت پر اللہ کے عذاب سے پناہ مانگتے، اور رکوع و سجود کو قیام کی طرح طویل فرماتے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۳۳/۲، المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص:۵۱۳)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چار طویل نوافل

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ چار رکعت نفل نماز بڑی طویل قراءت، اور لمبے رکوع وسجود کے ساتھ پڑھی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت عوف بن مالک رضی اللہ عنہ بھی تھے، یہ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مقتدی ہونے کی حیثیت سے شامل ہو گئے، پہلی رکعت میں سورہ بقرہ، دوسری رکعت میں سورہ آل عمران، تیسری رکعت میں سورہ نساء اور چوتھی رکعت میں سورہ مائدہ پڑھی، تلاوت کے دوران جب رحمت کی آیت آتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم قراءت روک کر اللہ سے اس کی رحمت مانگتے، اور جب عذاب کی آیت آتی تو اللہ سے عذاب کی پناہ مانگتے، پھر قیام کے بقدر لمبا رکوع اور طویل سجود کیے، جس میں یہ کلمات پڑھتے رہے: سُبْحَانَ ذِی الْجَبَرُوْتِ وَالْمَلَكُوْتِ وَالْكِبْرِيَاءِ وَالْعَظْمَةِ (میں اس ذات کی پاکی بیان کرتا ہوں جو قدرت والی، عظیم الشان سلطنت بڑائی اور عظمت والی ہے)، اس حدیث سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

- کبھی طویل قراءت کے ساتھ نوافل پڑھنے چاہئیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کبھی عام معمول سے ہٹ کر بہت طویل قراءت کے ساتھ بھی نوافل پڑھا کرتے تھے۔
- نوافل میں دورانِ قراءت اگر رحمت کی آیت آئے تو اس وقت اللہ سے اس کی رحمت مانگنی چاہیے، عذاب سے متعلق کوئی آیت آجائے تو اللہ سے اس کے عذاب سے پناہ مانگنی چاہیے، اور جب تسبیح سے متعلق کوئی آیت آجائے تو اس پر اللہ کی تسبیح بیان کرنی چاہیے، جیسے فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّكَ وَاسْتَغْفِرْهُ، اور جب اللہ کے فضل سے متعلق کوئی آیت آئے تو اس وقت اللہ سے اس کا فضل وکرم مانگنا چاہیے، جیسے اللہ کا ارشاد ہے: وَاسْأَلُوا اللّٰهَ مِنْ فَضْلِهِ (اللہ سے اس کا فضل مانگا کرو) چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اس آیت کی تلاوت فرماتے، تو یہ دعا مانگتے: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَسْئَلُكَ مِنْ فَضْلِكَ (اے اللہ! میں آپ سے آپ کا فضل مانگتا ہوں) لیکن فرض نماز کی قراءت کے دوران اس قسم کی کوئی آیت آجائے تو اس وقت قرأت روک کر یہ دعائیں مانگنا درست نہیں، مگر یہ ذہن میں رہے کہ نوافل میں بھی یہ دعائیں عربی زبان میں ہی مانگنا ضروری ہے، عربی زبان کے علاوہ کسی اور زبان میں نماز کے دوران کوئی دعا مانگنا درست نہیں، اس سے نماز فاسد ہو جائے گی۔(۱)

## آخری چار احادیث کو بظاہر باب سے مناسبت نہیں

امام ترمذی رحمہ اللہ نے باب ماجاء فی صوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں آخری چار احادیث جو ذکر کی ہیں، ان کو بظاہر اس باب سے مناسبت نہیں، ان میں روزے کا ذکر نہیں، بلکہ اعمال میں دوام اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نفلی نماز کا ذکر ہے، اس کی توجیہ میں شارحین حدیث نے تین باتیں ذکر کی ہیں:

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۳۶/۲۔

۱۔ شمائل کے بعض نسخوں میں باب صلاۃ الضحی، باب صلاۃ التطوع، اور باب ما جاء فی صوم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہیں ہیں، بلکہ یہ ساری احادیث، باب ما جاء فی عبادۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت درج ہیں، اگر شمائل کے ان نسخوں کو سامنے رکھا جائے تو پھر اس صورت میں کوئی اشکال ہی نہیں۔

۲۔ بعض یہ کہتے ہیں کہ کسی کاتب نے غلطی سے ان احادیث کو اس باب کے تحت ذکر کر دیا ہے، ان کا اصل مقام باب ما جاء فی عبادۃ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

۳۔ امام ترمذی رحمہ اللہ ان روایات کو روزے کے باب میں ذکر کر کے اس طرف اشارہ کر رہے ہیں کہ نفلی عبادات، خواہ وہ نماز ہو یا روزے وغیرہ، ان میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنی چاہیے، یوں انسان آسانی کے ساتھ فرائض سمیت تمام مسنون اور نفلی عبادات سرانجام دے سکتا ہے، اور باب کی آخری حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار رکعت طویل نفل نماز ذکر کر کے یہ پیغام دے رہے ہیں کہ کبھی انسان عام معمول سے ہٹ کر زیادہ دیر تک بھی نفلی عبادت کرے تو یہ بھی جائز ہے۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي قِرَاءَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا ذکر ہے

عَنْ يَعْلَى بْنِ مَمْلَكٍ أَنَّهُ سَأَلَ أُمَّ سَلَمَةَ، عَنْ قِرَاءَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا هِيَ تَنْعَتُ قِرَاءَةً مُفَسَّرَةً حَرْفًا حَرْفًا.(۲)

ترجمہ: حضرت یعلی بن مملک نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی کیفیت پوچھی، تو وہ بیان کرنے لگیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کا ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ اور واضح ہوتا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ تنعت: حضرت ام سلمہؓ بیان کرنے لگیں، مفسرۃ: (میم پر پیش، فا پر زبر اور سین پر زبر وتشدید) ایک ایک حرف علیحدہ علیحدہ ہوتا، واضح ہوتا،

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قراءت کا ہر حرف واضح ہوتا

ایک مرتبہ یعلی بن مملک نے حضرت ام سلمہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی کیفیت پوچھی کہ وہ کیسے ہوتی؟ تو انہوں نے اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قراءت کی کیفیت کو بیان کیا ہے۔

فاذاھی تنعت قراءۃ مفسرۃ.... الخ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس جملے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

(۱) المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص:۵۱۸)

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث:۲۹۲۳۔

۱۔ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی قراءت کی کیفیت کو بیان کیا کہ اس کا ہر حرف الگ، الگ اور خوب واضح ہوتا، آپ ﷺ ٹھہر ٹھہر کر تجوید کے مطابق تلاوت فرمایا کرتے۔

۲۔ دوسرا احتمال یہ ہے کہ حضرت ام سلمہ نے نبی کریم ﷺ کی طرح قرآن مجید کی آیات تلاوت کر کے اور پڑھ کر بتایا کہ آپ علیہ السلام اس طرح واضح انداز سے تلاوت فرماتے تھے، اس مطلب کو زیادہ بہتر قرار دیا گیا ہے۔(۱)

عَنْ قَتَادَةَ، قَالَ: قُلْتُ لِأَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: كَيْفَ كَانَتْ قِرَاءَةُ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ فَقَالَ: مَدًّا.(۲)

ترجمہ: حضرت قتادہؒ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انسؓ سے رسول اللہ ﷺ کی قراءت کی کیفیت پوچھی؟ تو انہوں نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ (مد والے حروف کو) مد کے ساتھ کھینچ کر پڑھتے تھے۔

## نبی کریم ﷺ مد والے حروف میں مد فرماتے

اس حدیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

- نبی کریم ﷺ جب قراءت فرماتے تو مد والے حروف کو مد کے ساتھ کھینچ کر پڑھا کرتے۔
- نبی کریم ﷺ اطمینان کے ساتھ تلاوت فرماتے، کیونکہ جلدی پڑھنے سے مد کو ادا کرنا مشکل ہوتا ہے، مگر مد کے ساتھ پڑھنے میں اس بات کا خیال رکھنا چاہیے کہ حدود سے تجاوز نہ ہو جائے، بعض قراء مد والے حرف کو بہت زیادہ کھینچ کر پڑھتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں، اس سے فقہاء کرام نے منع کیا ہے۔

عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ، قَالَتْ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَطِّعُ قِرَاءَتَهُ يَقُولُ: {الْحَمْدُ لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ} [الفاتحة: ] ثُمَّ يَقِفُ، ثُمَّ يَقُولُ: {الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ} [الفاتحة: ] ثُمَّ يَقِفُ، وَكَانَ يَقْرَأُ (مَلِكِ يَوْمِ الدِّينِ)(۳)

ترجمہ: حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنی تلاوت میں ہر آیت کو جدا جدا کر کے علیحدہ علیحدہ پڑھتے (یعنی ہر آیت پر وقف کرتے) آپ ﷺ پڑھتے: الحمد لله رب العالمين پھر آپ ﷺ ٹھہر جاتے (یعنی وقف کرتے) پھر آپ ﷺ پڑھتے: الرحمن الرحيم اور وقف کرتے اور پھر مالک یوم الدین پڑھتے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔ یقطع: تقطیع سے ہے: کاٹ کاٹ کر پڑھتے یعنی ہر آیت کو جدا جدا کر کے پڑھتے، وقف کرتے، ثم

---

(۱) شرح الطيبی ۲۸۲/۴، كتاب فضائل القرآن۔

(۲) الصحيح للبخاری، كتاب فضائل القرآن، باب الترتيل فی القراءة۔

(۳) سنن الترمذی، رقم الحديث: ۲۹۲۸۔

**یقف**: پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہر جاتے یعنی وقف کرتے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر آیت پر وقف فرماتے

حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت میں ہر آیت پر وقف کرتے تھے، یہی مسنون طریقہ ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر آیت پر وقف اس لیے فرمایا کرتے تھے، تا کہ سننے والوں کو ہر آیت کی ابتداء اور انتہا معلوم ہو جائے، اور حضرت مولانا انور شاہ کشمیری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جس طرح ہر آیت پر وقف کرنا منقول ہے، اسی طرح آیتوں کو ملا کر پڑھنا بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے۔(۱)

**عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أَبِي قَيْسٍ قَالَ: سَأَلْتُ عَائِشَةَ عَنْ قِرَاءَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَكَانَ يُسِرُّ بِالْقِرَاءَةِ أَمْ يَجْهَرُ؟ قَالَتْ: كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ، قَدْ كَانَ رُبَّمَا أَسَرَّ، وَرُبَّمَا جَهَرَ، فَقُلْتُ: الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي جَعَلَ فِي الْأَمْرِ سَعَةً.(۲)**

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن ابی قیس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی (رات کی) قراءت کی کیفیت کے بارے میں پوچھا؟ کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم (رات کے نوافل میں) آہستہ تلاوت فرماتے یا بلند آواز سے پڑھتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: ہر طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیا کرتے، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ قراءت کرتے اور کبھی بلند آواز سے پڑھا کرتے، میں نے کہا: تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے اس معاملے میں وسعت اور گنجائش رکھی ہے۔

**عَنْ أُمِّ هَانِئٍ، قَالَتْ: كُنْتُ أَسْمَعُ قِرَاءَةَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِاللَّيْلِ وَأَنَا عَلَى عَرِيشِي.(۳)**

ترجمہ: حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی رات کے وقت (تہجد کی نماز میں) قراءت کی آواز سنا کرتی تھی، جبکہ میں اپنے گھر کی چھت پر ہوتی۔

**مشکل الفاظ کے معنی**:۔ **یسر بالقراءة**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم آہستہ آواز سے قراءت کرتے، **سعة**: (سین پر زبر) گنجائش، وسعت، کشادگی، **علی عریشی**: اپنی چھت پر، چھپر پر۔

---

(۱) العرف الشذی علی جامع الترمذی ۲۰/۲، مرقاۃ المفاتیح ۸۴/۵، کتاب فضائل القرآن باب اداب التلاوۃ۔

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۹۲۵۔

(۳) سنن النسائی ۱۷۸/۲، الصلاۃ، باب رفع الصوت بالقرآن، رقم الحدیث: ۱۰۱۳۔

# نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز تہجد میں قراءت کی کیفیت

مذکورہ احادیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نماز تہجد میں کبھی آہستہ آواز سے قراءت فرماتے اور کبھی بلند آواز سے، حضرت ام ہانی رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ہجرت سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسجد حرام میں تہجد کی نماز میں اس قدر بلند آواز سے تلاوت فرماتے کہ میں اپنے گھر کی چھت پر یہ آواز سن لیتی تھی مگر بلند آواز سے پڑھنے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ اس سے کسی کو اذیت اور تکلیف نہ پہنچے، ورنہ آہستہ انداز سے ہی پڑھنا چاہیے۔

كُلُّ ذٰلِكَ قَدْ كَانَ يَفْعَلُ یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول دونوں طرح کا تھا، بلند آواز سے بھی اور کبھی آہستہ انداز سے، اس کے دو مطلب ہو سکتے ہیں:

- ایک رات میں ہی دونوں طرح کا معمول تھا، کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے تلاوت فرماتے، اور کبھی آہستہ انداز سے پڑھتے تھے۔
- کسی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم بلند آواز سے قراءت کرتے اور کسی رات میں آہستہ انداز سے پڑھتے، دونوں طرح کا عمل درست ہے۔(۱)

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مُغَفَّلٍ يَقُولُ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَى نَاقَتِهِ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهُوَ يَقْرَأُ: {إِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُبِينًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ} [الفتح : ]. قَالَ: فَقَرَأَ وَرَجَّعَ. قَالَ: وَقَالَ مُعَاوِيَةُ بْنُ قُرَّةَ: لَوْ لَا أَنْ يَجْتَمِعَ النَّاسُ عَلَيَّ لَأَخَذْتُ لَكُمْ فِي ذٰلِكَ الصَّوْتِ أَوْ قَالَ: اللَّحْنِ.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے فتح مکہ کے دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی اونٹنی پر اس حال میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ آیت پڑھ رہے تھے: اِنَّا فَتَحْنَا لَكَ فَتْحًا مُّبِيْنًا لِيَغْفِرَ لَكَ اللّٰهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِكَ وَمَا تَأَخَّرَ، حضرت عبداللہ بن مغفل فرماتے ہیں: آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلق میں آواز گھما کر یعنی ترنم اور لب ولہجہ سے پڑھ رہے تھے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم (سواری پر بیٹھنے کی وجہ سے) "آ آ" کر کے پڑھ رہے تھے، حدیث کے راوی شعبہ کہتے ہیں کہ معاویہ بن قرہ کہتے تھے: اگر مجھے یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے، تو میں تمہارے سامنے اس آواز میں یا کہا: اسی لب ولہجہ میں پڑھ کر سناتا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** رجع: یہ ترجیع سے ہے، اس کے دو ترجمے ہیں، ۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلق میں آواز گھما کر پڑھ رہے تھے یعنی ترنم اور انتہائی اچھے لب ولہجہ میں پڑھ رہے تھے، ۲۔ ایک اور حدیث میں اس کی وضاحت خود حضرت عبداللہ بن مغفل رضی اللہ عنہ نے

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۴۰۔

(۲) سنن ابی داؤد، الصلاۃ، رقم الحدیث: ۱۴۶۷۔

یوں فرمائی ہے: کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "آ آ" کر کے پڑھ رہے تھے یعنی سواری پر بیٹھ کر پڑھنے کی وجہ سے "آ آ" کی آواز نکل رہی تھی،
اللحن: (لام پر زبر اور حا ساکن) لب ولہجہ۔

## فتح مکہ کے دن اونٹنی پر تلاوت میں ترجیع

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن اپنی عضباء اونٹنی پر سوار تھے، اور سورہ فتح کی ابتدائی آیات ترجیع کے ساتھ پڑھ رہے تھے، معاویہ بن قرہ کہتے ہیں کہ مجھے ترجیع کی کیفیت معلوم ہے، اگر مجھے یہ خوف نہ ہوتا کہ یہ لوگ میرے پاس جمع ہو جائیں گے تو میں اسی انداز اور لب ولہجہ میں قرآنی آیات پڑھ کر آپ کو سناتا، اس ترجیع سے کیا مراد ہے؟ اس کے دو مطلب ہیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ کے فتح ہو جانے کی وجہ سے بہت خوش تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم حلق میں آواز گھما کر یعنی انتہائی اچھے لب ولہجہ سے مذکورہ آیات تلاوت فرما رہے تھے۔

۲۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ سواری پر تلاوت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز میں "آ آ آ" کی آواز پیدا ہو رہی تھی، اس کو ترجیع سے ذکر کیا گیا ہے۔(۱)

عَنْ قَتَادَةَ قَالَ: مَا بَعَثَ اللهُ نَبِيًّا إِلَّا حَسَنَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الصَّوْتِ، وَكَانَ نَبِيُّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَسَنَ الْوَجْهِ، حَسَنَ الصَّوْتِ، وَكَانَ لَا يُرَجِّعُ.

ترجمہ: حضرت قتادہؓ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو خوبصورت اور اچھی آواز والا بنا کر بھیجا ہے، اور تمہارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم (بھی) خوبصورت اور خوش آواز تھے، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم قرآن مجید (گانے والوں کی طرح) آواز بنا کر نہیں پڑھتے تھے۔

## تمام انبیاء خوبصورت اور خوش آواز تھے

اس حدیث میں دو باتیں ہیں:

۱۔ اللہ جل جلالہ نے دنیا میں جتنے بھی انبیاء کرام بھیجے ہیں، ان سب میں یہ دو صفات تھیں: جسمانی لحاظ سے حسن و جمال کے شاہکار اور آواز انتہائی خوبصورت، دل گداز اور پرسوز، مگر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان دو صفات میں بھی تمام انبیاء سے اعلیٰ و برتر اور ممتاز ہیں، صلی اللہ علیہ وسلم۔

۲۔ وکان لا یرجع حدیث کا یہ جملہ پچھلی حدیث سے متعارض ہے، کیونکہ اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فتح مکہ کے دن سورہ فتح کی تلاوت میں ترجیع فرما رہے تھے اور اس حدیث میں ہے: وکان لا یرجع، علامہ بیجوری نے وکان لا یرجع

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۴۲/۲۔

کے دو مطلب بیان کیے ہیں:

❁ بعض اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ترنم اور لب ولہجہ کے بغیر بھی تلاوت فرمایا کرتے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ کبھی لب ولہجہ اور خوش الحانی کے بغیر بھی تلاوت کرنا جائز ہے۔

❁ اس کا مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گانا گانے والوں کی طرح آواز نکال کر قرآن مجید کی تلاوت نہیں فرماتے تھے، بلکہ انتہائی عمدہ انداز اور خوبصورت لب ولہجہ میں تلاوت فرماتے تھے۔

اس سے معلوم ہوا کہ قرآن مجید کو تجوید کے قواعد اور مخارج کے مطابق کسی قاری سے سیکھ کر اس کی تلاوت کرنی چاہیے تاکہ اس کے پڑھنے کا انداز گانے کی طرح نہ ہو، یوں اسے ان شاء اللہ پورا اجر وثواب حاصل ہوگا۔(۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَتْ قِرَاءَةُ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُبَّمَا يَسْمَعُهَا مَنْ فِي الْحُجْرَةِ وَهُوَ فِي الْبَيْتِ. (۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑھنے کی آواز کو کبھی وہ شخص سن لیتا، جو صحن میں ہوتا، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں تلاوت فرمارہے ہوتے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم درمیانی آواز سے تلاوت فرمایا کرتے

اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کمرے میں تلاوت فرماتے تو بسا اوقات حجرہ یعنی صحن میں موجود شخص اس آواز کو سن لیتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم درمیانی آواز سے تلاوت فرماتے تھے، موقع ومحل کی مناسبت سے کبھی بلند آواز سے پڑھنا افضل ہوتا ہے، جبکہ اس سے دوسروں کو ترغیب دینا یا سکھانا پیش نظر ہو اور اگر بلند آواز سے پڑھنے سے کسی کو تکلیف پہنچ رہی ہو تو پھر اونچی آواز سے پڑھنا جائز نہیں، بلکہ ایسی صورت میں آہستہ آواز سے ہی پڑھنے کا حکم ہے، اسی طرح اگر کسی کو بلند آواز سے پڑھنے سے ریاکاری کا خوف ہو تو پھر آہستہ آواز سے پڑھنا چاہیے۔(۳)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي بُكَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رونے اور گریہ وزاری کا ذکر ہے

عَنْ مُطَرِّفٍ وَهُوَ ابْنُ عَبْدِ اللهِ بْنِ الشِّخِّيرِ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: أَتَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يُصَلِّي

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۵۲۵)
(۲) سنن أبي داؤد، باب رفع الصوت بالقراءة، رقم الحديث: ۱۳۲۷۔
(۳) جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوي ۱۴۳/۲

وَلِجَوْفِهٖ أَزِيزٌ كَأَزِيزِ الْمِرْجَلِ مِنَ الْبُكَاءِ.(۱)

حضرت عبداللہ بن شخیر کہتے ہیں کہ میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے، اور رونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ یعنی سینہ سے ایسی آواز آرہی تھی، جیسے ہنڈیا کے ابلنے کی آواز ہوتی ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔** ولجوفه: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ یعنی سینہ میں، أزيز: پیٹ میں گڑ گڑ کی آواز، كأزيز المرجل: ہنڈیا اور دیگ کے ابلنے کی طرح آواز۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نوافل میں بہت رویا کرتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بسا اوقات نفل نماز میں اللہ کے خوف وخشیت اور آخرت کے امور میں غور وفکر کی وجہ سے بہت روتے تھے، کبھی محبت اور خوشی کی وجہ سے بھی بے اختیار آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں، چنانچہ مذکورہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن شخیر فرماتے ہیں کہ میں نے ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز میں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رو رہے ہیں، اور رونے کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ سے ایسی آواز آرہی تھی، جیسے ہنڈیا کے جوش اور ابلنے کی آواز ہوتی ہے۔(۲)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ آدمی کبھی اس انداز سے بھی نوافل پڑھ لیا کرے، جس میں وہ اللہ کے خوف کی وجہ سے اللہ جل جلالہ کے سامنے گڑگڑائے اور گریہ وزاری کرے، یہ ادا اللہ جل شانہ کو بہت پسند ہے، امت کے اولیاء وصلحاء اور نیک لوگوں کا بھی یہی طریقہ رہا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُودٍ قَالَ: قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اقْرَأْ عَلَيَّ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَقْرَأُ عَلَيْكَ، وَعَلَيْكَ أُنْزِلَ قَالَ: إِنِّي أُحِبُّ أَنْ أَسْمَعَهُ مِنْ غَيْرِي، فَقَرَأْتُ سُورَةَ النِّسَاءِ، حَتّٰى بَلَغْتُ {وَجِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيدًا} [النساء:] قَالَ: فَرَأَيْتُ عَيْنَيْ رَسُولِ اللّٰهِ تَهْمِلَانِ.(۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے ارشاد فرمایا کہ میرے سامنے قرآن مجید پڑھو، میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ: میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید سناؤں، حالانکہ یہ قرآن تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی پر اتارا گیا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں قرآن مجید کو اپنے علاوہ کسی اور سے سنوں، چنانچہ میں نے سورہ نساء سنانا شروع کی، یہاں تک کہ جب میں اس آیت پر پہنچا: فَكَيْفَ إِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ

(۱) سنن ابی داؤد، الصلاۃ، ص: ۳۴۰/ج: ۱/رقم الحدیث: ۹۰۴، باب البکاء فی الصلوۃ۔

(۲) جمع الوسائل مع شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۴۲۔

(۳) سنن الترمذی، التفسیر، رقم الحدیث: ۳۰۲۸۔

أُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ وَّ جِئْنَا بِكَ عَلٰى هٰؤُلَاءِ شَهِيْدًا (ترجمہ: پھر یہ لوگ سوچ رکھیں کہ) اس وقت (ان کا) کیا حال ہوگا جب ہم ہر امت میں سے ایک گواہ لے کر آئیں گے اور (اے پیغمبر) ہم تم کو ان لوگوں کے خلاف گواہ کے طور پر پیش کریں گے) ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھوں کو دیکھا کہ ان سے آنسو بہ رہے ہیں۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ عیني النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھیں، تهملان: (تا پر زبر اور میم پر پیش اور زیر دونوں طرح پڑھ سکتے ہیں) دونوں آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض صحابہؓ سے کبھی تلاوت سنا کرتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بعض اوقات کسی صحابی سے فرماتے کہ تم مجھے قرآن مجید پڑھ کر سناؤ، مذکورہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعود سے جب یہ فرمایا تو انہیں ذرا تعجب سا ہوا، عرض کیا: یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو قرآن سناؤں، حالانکہ قرآن مجید تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اترا ہے، شاید ابن مسعود کے ذہن میں یہ بات ہو کہ قرآن مجید سنانا تو تبلیغ کے لیے یا یاد کرانے کے واسطے ہوتا ہے، ان میں سے کوئی وجہ یہاں نہیں پائی جارہی، تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سنانے کی بظاہر کوئی وجہ نہیں، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: میرا دل چاہ رہا ہے کہ میں کسی سے قرآن مجید سنوں، چنانچہ حکم کی تعمیل کرتے ہوئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے سورہ نساء سنانا شروع کردی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر بیٹھ کر یہ تلاوت سن رہے تھے، جب یہ آیت آئی: فكيف اذا جئنا... تو فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بس بس ٹھہر جاؤ، میں نے چہرۂ انور کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن مجید کی تلاوت میں بہت رویا کرتے تھے، امام نووی فرماتے ہیں: اَلْبُكَاءُ عِنْدَ قِرَاءَةِ الْقُرْاٰنِ صِفَةُ الْعَارِفِيْنَ وَشِعَارُ الصَّالِحِيْنَ (قرآن مجید کی تلاوت کے وقت رونا عارفین کی شان اور نیک لوگوں کا شعار اور علامت ہے) اللہ جل جلالہ نے قرآن مجید میں بہت سے مقامات پر اس کی تعریف فرمائی ہے اور اسے نیک اور متقی لوگوں کی صفات میں شمار کیا ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بڑھ کر کون عارف ہوسکتا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی تلاوت کے وقت رویا کرتے تھے، تاکہ امت بھی اس کی اتباع کرے)۔(۱)

فَكَيْفَ اِذَا جِئْنَا مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ بِشَهِيْدٍ یہاں سے آخرت کی طرف توجہ دلائی گئی ہے، اور اس سے کفار قریش کی توبیخ اور زجر بھی مقصود ہے، کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا جب میدان حشر میں ہر ہر امت کا نبی اپنی امت کے اچھے اور برے اعمال پر گواہ کے طور پر پیش ہوگا، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اپنی امت پر گواہ بن کر حاضر ہوں گے، اور بطور خاص ان کفار و مشرکین سے متعلق اللہ کی عدالت میں گواہی دیں گے کہ انہوں نے کھلم کھلا معجزات دیکھ کر بھی ان کی تکذیب کی، آپ کی وحدانیت اور میری رسالت پر ایمان

---

(۱) فتح الباری ۱۲۱/۹، كتاب فضائل القرآن، باب البكاء عند قراءة القرآن، رقم الحديث: ۵۰۵۵

نہیں لائے۔(۱)

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ آیت سن کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے روئے تھے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے قیامت کا منظر آ گیا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی امت کے ان لوگوں کا خیال آیا، جو عمل کرتے ہی نہیں، یا یہ کہ وہ اعمال میں کمزور ہوں گے، جس کی وجہ سے انہیں عذاب ہوسکتا ہے۔(۲)

مذکورہ حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- تلاوت قرآن مجید کے وقت اللہ کے خوف اور خشیت کی وجہ سے رونا یا اللہ جل شانہ کی نعمتوں کو سوچ کر شکر کے طور پر رونا اور اللہ سے محبت کی وجہ سے رونا ایک مسنون عمل ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اپنے فضل و کرم سے اس سنت پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔
- اگر کوئی شخص دوسرے کسی شخص سے قرآن مجید کی تلاوت سنے تو یہ سنت سے ثابت ہے، اگر کوئی شخص تلاوت سنتا ہے تو اس پر اسے اجر و ثواب دیا جاتا ہے، چنانچہ اگر کوئی مسلمان موبائل، ریڈیو، ٹی وی، نیٹ، کیسٹ اور سی ڈیز وغیرہ سے پوری توجہ کے ساتھ قرآن سنتا ہے، تو اسے اس پر بھی ان شاء اللہ اجر و ثواب ملے گا۔
- دیکھئے اس حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ایک امتی حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے قرآن مجید سن رہے ہیں، حالانکہ ایک امتی کے مقابلے میں نبی کا مقام اور پھر ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مقام یقیناً بہت ہی بلند ہے، اس سے یہ پیغام دینا مقصود ہے کہ بڑا آدمی اپنے سے چھوٹے سے، ایک استاد اپنے شاگرد سے، ایک شیخ اپنے کسی متعلق سے اور ایک باپ اپنے کسی بچہ سے استفادہ کرسکتا ہے، اس سے بڑے کے مقام میں کمی نہیں، بلکہ اس میں مزید اضافہ ہوتا ہے۔
- تلاوت سننے والا آدمی اگر کسی وجہ سے تلاوت مزید نہ سننا چاہے تو قاری کو کہہ سکتا ہے کہ اب تم تلاوت کرنا بند کرو، اس میں کوئی حرج نہیں۔(۳)

**عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ: انْكَسَفَتِ الشَّمْسُ يَوْمًا عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَامَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُصَلِّي، حَتَّى لَمْ يَكَدْ يَرْكَعُ ثُمَّ رَكَعَ، فَلَمْ يَكَدْ يَرْفَعُ رَأْسَهُ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَلَمْ يَكَدْ أَنْ يَسْجُدَ، ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ، ثُمَّ رَفَعَ رَأْسَهُ، فَلَمْ يَكَدْ أَنْ يَسْجُدَ، ثُمَّ سَجَدَ فَلَمْ يَكَدْ أَنْ يَرْفَعَ رَأْسَهُ، فَجَعَلَ يَنْفُخُ وَيَبْكِي، وَيَقُولُ: رَبِّ أَلَمْ تَعِدْنِي أَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَأَنَا فِيهِمْ؟ رَبِّ أَلَمْ تَعِدْنِي أَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُونَ؟ وَنَحْنُ نَسْتَغْفِرُكَ. فَلَمَّا صَلَّى رَكْعَتَيْنِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ، فَقَامَ فَحَمِدَ اللّٰهَ تَعَالَى وَأَثْنَى**

(۱) معارف القرآن ۲/۴۲۰، سورہ نساء، آیت: ۴۱۔

(۲) فتح الباری ۹/۱۲۲، کتاب فضائل القرآن، باب البکاء عند قراءۃ القرآن، رقم الحدیث: ۵۰۵۵۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۴۷۔

عَلَيهِ، ثُمَّ قَالَ : إِنَّ الشَّمسَ وَالقَمَرَ آيَتَانِ مِنْ آيَاتِ اللهِ لَا يَنكَسِفَانِ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيَاتِهِ، فَإِذَا انكَسَفَا فَافزَعُوا إِلَى ذِكرِ اللهِ تَعَالَى.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ایک دن سورج گہن ہوا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز پڑھنا شروع کی، اتنا طویل قیام کیا گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع کرنے کا ارادہ نہیں ہے، پھر رکوع کیا (وہ اتنا طویل تھا) گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رکوع سے اٹھنے کا ارادہ نہیں ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا سر رکوع سے اٹھایا، (اسی قدر طویل قومہ میں کھڑے رہے) گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کرنا ہی نہیں ہے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدہ کیا، قریب نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنا سر سجدے سے اٹھائیں (یعنی کافی دیر سجدے میں رہے) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے سے اپنا سر اٹھایا (اور جلسہ میں بیٹھ گئے) گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سجدے سے سر نہیں اٹھانا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم (سجدے میں ہی) زمین پر پھونک مارنے لگے اور رونے لگے اور کہنے لگے: اے میرے پروردگار کیا آپ نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ آپ ان کو عذاب نہیں دیں گے جبکہ میں ان میں موجود ہوں گا، اے میرے پروردگار: کیا آپ نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ آپ ان کو عذاب نہیں دیں گے، جب تک وہ استغفار کرتے رہیں گے، اور ہم سب آپ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کرتے ہیں، جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو رکعت نماز پڑھ لی تو سورج روشن ہو چکا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بیان کے لیے کھڑے ہو گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل جلالہ کی مدح وثناء اور تعریف کی پھر فرمایا: بیشک سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں، کسی کی موت اور حیات کی وجہ سے ان دونوں کو گہن نہیں لگتا، لہٰذا جب سورج اور چاند کو گہن ہو جائے تو تم لوگ ڈر کر اللہ تعالیٰ کے ذکر کا سہارا لیا کرو۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:** **انکسفت الشمس:** سورج گہن ہو جائے، **لم یکد یرکع:** قریب نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم رکوع کرتے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام بہت طویل تھا، **فجعل ینفخ:** آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے سجدے میں زمین پر پھونک مارنے لگے جیسے شدت غم میں آدمی سانس لیتا ہے، **الم تعدنی:** کیا آپ نے مجھ سے وعدہ نہیں کیا، **انجلت الشمس:** سورج روشن ہو چکا، سورج گہن کی کیفیت سے نکل گیا، ظاہر ہو گیا، **انکسفا:** چاند اور سورج کو گہن ہو جائے، **فافزعوا:** تم لوگ ڈر کر سہارا لو، پناہ لو، آہ وزاری کرو۔

## سورج گرہن کی نماز میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گریہ وزاری

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ۱۰ ہجری میں صرف ایک مرتبہ ہی سورج گرہن ہوا، اتفاق سے اس دن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے حضرت ابراہیم بن محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا بھی انتقال ہوا تھا، حضرت ابراہیمؑ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری صاحبزادے ہیں، جو حضرت ماریہ قبطیہ کے بطن سے ماہ ذی الحجہ ۸ھ میں پیدا ہوئے، اور ۱۰ھ میں ان کا انتقال ہوا، زمانہ جاہلیت میں یہ بات مشہور تھی

کہ سورج گرہن اس وقت رونما ہوتا ہے، جب کوئی عظیم انسان پیدا ہو یا اس کی وفات ہو جائے، لوگوں نے اس رسم کے مطابق یہ کہنا شروع کر دیا کہ آج سورج گرہن اس لیے پیش آیا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عظیم صاحبزادے کا انتقال ہوا ہے، اس سلسلے میں مذکورہ حدیث میں دو چیزیں بیان کی گئی ہیں:

ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرامؓ کو جمع کر کے دو رکعت نماز کسوف پڑھائی، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے قراءت، رکوع، قومہ، سجود اور جلسہ کو بہت طویل کر کے ادا کیا، دوسری رکعت کے آخری سجدے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر پھونک ماری یعنی شدت غم سے سانس لیا اور پھر رو کر اللہ جل شانہ سے یہ دعا کرنے لگے: آپ نے مجھ سے یہ وعدہ کیا تھا کہ جب تک میں موجود ہوں گا، تو آپ عذاب نہیں اتاریں گے اور یہ بھی وعدہ کیا تھا کہ جب تک لوگ اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کرتے رہیں گے تو آپ عذاب نہیں دیں گے تو ہم سب آپ کے سامنے اپنے گناہوں کی معافی مانگتے ہیں، آپ ہمیں معاف فرما دیں اور سورج کی تاریکی کو ختم کر کے اس کو پہلے کی طرح روشن اور منور کر دیں، جب نماز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم فارغ ہوئے تو سورج روشن ہو چکا تھا۔(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دعا میں یہ جو فرمایا: رَبِّ اَلَمْ تَعِدْنِی اَنْ لَا تُعَذِّبَهُمْ وَ اَنَا فِیْهِمْ رَبِّ: اَلَمْ تَعِدْنِی اَلَّا تُعَذِّبَهُمْ وَ هُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (اے میرے رب، کیا آپ نے مجھ سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ میری موجودگی تک امت کو عذاب نہ ہوگا، اے میرے پروردگار آپ نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ جب تک یہ لوگ استغفار کرتے رہیں گے، ان پر عذاب نہیں ہوگا) اس سے دراصل سورہ انفال کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے: وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِیُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِیْهِمْ وَمَا كَانَ اللّٰهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ یَسْتَغْفِرُوْنَ (اور اے پیغمبر! اللہ ایسا نہیں ہے کہ ان کو اس حالت میں عذاب دے جب تم ان کے درمیان موجود ہو اور اللہ اس حالت میں بھی ان کو عذاب دینے والا نہیں ہے جب وہ استغفار کرتے ہوں) مطلب یہ ہے کہ یہ لوگ اپنے کفر اور شرک کی وجہ سے مستحق تو اسی بات کے تھے کہ ان پر عذاب نازل کیا جائے، لیکن دو وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر عذاب نازل نہیں فرمایا، ایک وجہ یہ ہے کہ حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مکہ مکرمہ میں موجود ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہوتے ہوئے عذاب نازل نہیں ہو سکتا، کیونکہ نبی کی موجودگی میں اللہ تعالیٰ کسی قوم پر عذاب نہیں بھیجتا، جب نبی بستی سے نکل جاتے ہیں، تب عذاب آتا ہے، اس کے علاوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رحمۃ للعالمین بنا کر بھیجا گیا ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے عذاب عام اس امت پر نہیں آئے گا، اور دوسری وجہ یہ ہے کہ مکہ مکرمہ میں بہت سے مسلمان استغفار کرتے رہتے ہیں، ان کے استغفار کی برکت سے عذاب رکا ہوا ہے۔(۲)

بعض حضرات یہاں یہ اعتراض کرتے ہیں کہ سورج گرہن اور چاند گرہن تو طبعی حالات سے پیش آتے ہیں، موجودہ دور میں، حساب کے ذریعہ پہلے سے معلوم کر لیا جاتا ہے کہ فلاں تاریخ اور فلاں وقت میں اس علاقے اور ملک میں سورج گرہن یا چاند گرہن ہوگا تو پھر اس پر گھبرانے اور خوفزدہ ہو کر ذکر و اذکار اور نماز کسوف پڑھنے کے کیا معنیٰ ہیں؟

(۱) المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۵۳۰) سیرت المصطفیٰ ﷺ ۲۵۶/۳ اولاد کرام، حضرت ابراہیم۔
(۲) معارف القرآن ۲۲۳/۴ سورۃ انفال، آیت: ۳۳، آسان ترجمہ قرآن (ص: ۳۱۴، سورۃ انفال/آیت: ۳۳)

اس کا جواب یہ ہے کہ سورج اور چاند گرہن کو اگرچہ حساب کے ذریعہ ان کا وقت معلوم کرلیا جائے، تب بھی ان کے پیش آنے پر مسلمانوں کو اللہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے، کیونکہ عام معمول سے ہٹ کر یہ چیز رونما ہورہی ہے، اگر اللہ تعالیٰ چاہیں تو اسے عذاب کا ذریعہ بھی بنا سکتے ہیں، اس میں یہ درس دینا مقصود ہے کہ یہ سارا نظام کائنات ہمارے حکم کے مطابق اس ترتیب سے چل رہا ہے جس سے سارے انسان فائدہ اٹھا رہے ہیں، جب ہم چاہیں گے تو اس نظام کو تہس نہس کردیں گے اور یوں قیامت آجائے گی، اس لیے اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے دو رکعت طویل نماز پڑھائی اور مسلمانوں کو حکم دیا کہ ایسے موقع پر ڈر کر اللہ کے ذکر اور اس کی یاد میں مشغول ہوجائیں، تاکہ یہ گہن ہمارے اوپر عذاب نہ بن جائے۔

۲۔ نماز پڑھا کر نبی کریم ﷺ نے مسلمانوں کو خطبہ دیا، حمد وثناء کے بعد فرمایا کہ سورج اور چاند اللہ جل شانہ کی نشانیوں میں سے ہیں، کسی کے پیدا ہونے یا مرنے سے ان پر گہن نہیں آتا، لہذا آج اتفاق سے اگر ابراہیم بن محمد رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے تو اس کا گہن سے کوئی تعلق نہیں، اللہ کے علم میں ان کی موت کا یہی وقت لکھا تھا، اس لیے وہ وفات پاگئے، لہذا جب سورج چاند کو گرہن ہوجائے تو اللہ جل جلالہ کی طرف رجوع کریں، نماز اور ذکر واستغفار میں مشغول ہوجائیں مگر افسوس ہے کہ آج مسلمان اس طرح کے واقعات کے وقت اللہ کی طرف رجوع نہیں کرتے، میڈیا اس خبر کو یوں نشر کرتا ہے جیسے یہ ایک عام سا معمولی واقعہ پیش آیا ہے، چنانچہ محض خبر کے طور پر اسے سنا اور پڑھا جاتا ہے، اس مسنون عمل کی طرف عام طور پر لوگوں کی کوئی توجہ نہیں ہوتی، یہ طرز درست نہیں، اس لیے ایسے موقع پر تمام مسلمانوں کو اللہ جل جلالہ کی عبادت میں مشغول ہوکر توبہ واستغفار کرنا چاہیے تاکہ یہ گرہن درست ہوجائے۔(۱)

سورج گرہن کی نماز بالاتفاق تمام ائمہ کے نزدیک مسنون ہے، اسے جماعت کے ساتھ پڑھا جائے، اس کی دو رکعتیں ہیں، چاند گرہن کی نماز بھی دو رکعت ہے، مگر اس میں جماعت نہیں ہے، بلکہ ہر شخص الگ الگ ہی یہ نماز پڑھے۔(۲)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: أَخَذَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ابْنَةً لَهُ تَقْضِي، فَاحْتَضَنَهَا، فَوَضَعَهَا بَيْنَ يَدَيْهِ، فَمَاتَتْ وَهِيَ بَيْنَ يَدَيْهِ، وَصَاحَتْ أُمُّ أَيْمَنَ فَقَالَ - يَعْنِي صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ - : أَتَبْكِينَ عِنْدَ رَسُولِ اللهِ؟ فَقَالَتْ: أَلَسْتُ أَرَاكَ تَبْكِي؟ قَالَ: إِنِّي لَسْتُ أَبْكِي، إِنَّمَا هِيَ رَحْمَةٌ، إِنَّ الْمُؤْمِنَ بِكُلِّ خَيْرٍ عَلَى كُلِّ حَالٍ، إِنَّ نَفْسَهُ تُنْزَعُ مِنْ بَيْنِ جَنْبَيْهِ، وَهُوَ يَحْمَدُ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ.(۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی ایک بیٹی (یعنی نواسی) کو لیا، جو قریب الوفات تھی، حضور اکرم ﷺ نے ان کو گود میں لیا اور ان کو اپنے سامنے رکھا، چنانچہ آپ ﷺ کے سامنے ہی ان کی

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۵۰/۲

(۲) بدائع الصنائع ۲۲۶/۱ کتاب الصلاۃ، فصل فی صلاۃ الکسوف والخسوف، ط: بیروت۔

(۳) سنن النسائی، الجنائز، باب فی البکاء علی المیت۔

وفات ہوگئی، ام ایمن (جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک آزاد کردہ باندی تھیں) چلا کر رونے لگیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: کیا تم اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے چلا کر رو رہی ہو؟ ام ایمن نے عرض کیا: کیا میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو روتا ہوا نہیں دیکھ رہی (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے بھی تو آنسو نکل رہے ہیں) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں (چلا کر) نہیں رو رہا، آنکھ سے (غیر اختیاری طور پر) نکلنے والے یہ آنسو رحمت ہیں، بیشک مومن ہر حال میں خیر کے ساتھ ہوتا ہے، حتی کہ اس کی سانس اس کے دونوں پہلوؤں سے نکالی جا رہی ہوتی ہے اور وہ (اس وقت بھی) اللہ تعالیٰ کی تعریف کر رہا ہوتا ہے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ تقضی: وہ قریب المرگ تھیں، موت کے قریب تھیں، فاحتضنها: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو گود میں اٹھالیا، فوضعها بین یدیه: اور ان کو اپنے سامنے رکھ لیا، و صاحت: اور چلا کر رونے لگیں، ان نفسه: (نون اور فاء پر زبر) حتی کہ اس کی سانس، تنزع: (صیغہ مجہول) نکالی جا رہی ہوتی ہے، من بین جنبیه: اس کے دونوں پہلوؤں سے۔

## نواسی کے انتقال پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آنسو

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی کا ذکر ہے کہ وہ قریب المرگ تھیں، پھر وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی وفات پا گئیں، مگر اس پر اشکال ہوتا ہے کہ اس پر تمام اصحاب سیر کا اتفاق ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام صاحبزادیوں کی وفات بچپن میں نہیں ہوئی بلکہ بڑے ہو کر ہوئی، تین صاحبزادیوں کا انتقال تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہوا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا انتقال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے تقریباً چھ ماہ بعد ہوا، تو پھر اس حدیث میں "ابنة له" (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک بیٹی) سے کیا مراد ہے؟ شارحین حدیث نے اس کی مختلف توجیہات ذکر کی ہیں:

۱۔ "ابنة" سے مجازاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی مراد ہیں، اس کا ذکر مسند احمد کی ایک روایت میں ہے، حضرت اسامہ بن زید فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت زینب رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی بیٹی حضرت امامہ سخت بیمار ہوگئیں، ان کی مرنے والی حالت ہوگئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف لائے، ان کی حالت دیکھ کر شفقت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو نکل آئے، لیکن اس پر اشکال ہوتا ہے کہ حضرت امامہ کی تو وفات نہیں ہوئی تھی، بلکہ ان کی صحت درست ہوگئی تھی، وہ جب بڑی ہوگئیں تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات کے بعد ان سے شادی کر لی تھی، اس لیے اس روایت میں کسی راوی کو وہم ہوا ہے، اس لیے اس نے تقضی، اور فماتت بین یدیہ ذکر کر دیا ہے، ان جملوں کا صحیح مفہوم یہ ہے کہ حضرت امامہ کی طبیعت اس قدر شدید خراب ہوگئی تھی، گویا کہ وہ مرنے لگی تھیں، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعا کی برکت سے وہ صحت یاب ہوگئی تھیں۔

۲۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس روایت میں اگرچہ "ابنة له" کے الفاظ ہیں، مگر اس سے "ابن له" مراد ہے یعنی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادوں حضرت قاسم یا حضرت عبداللہ یا حضرت ابراہیم میں سے کوئی مراد ہے، کیونکہ ان سب کی وفات بچپن میں

ہی ہوئی تھی، اوران کی وفات پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو شفقت کی وجہ سے بہ پڑے تھے۔

۳۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی کسی بیٹی کا کوئی بیٹا مراد ہو، ان میں سے بھی بعض بچپن میں ہی وفات پا گئے تھے، ان کی وفات کا اس حدیث میں ذکر ہے۔(۱)

بہر حال اکثر حضرات کے نزدیک مذکورہ روایت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نواسی کی وفات کا ذکر ہے، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شفقت کی وجہ سے رو پڑے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت دیکھ کر حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا چلا کر رونے لگیں، ان کی یہ کیفیت دیکھ کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم اللہ کے رسول کے سامنے اس طرح موت پر چلا کر رو رہی ہو، انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کی آنکھوں سے بھی آنسو نکل رہے ہیں، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اس پر افسوس نہیں کر رہا بلکہ رحمت اور شفقت کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر میری آنکھوں سے آنسو نکل آئے، اور فرمایا کہ مومن تو تمام حالات میں خیر پر ہی ہوتا ہے، یہاں تک کہ سانس اور روح نکلنے کے وقت بھی وہ اللہ جل جلالہ کی حمد و ثناء کر رہا ہوتا ہے۔

مذکورہ حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- کسی عزیز کی فوتگی پر اگر طبعی طور پر شفقت کی وجہ سے انسان رو پڑے، تو یہ کوئی گناہ نہیں، یہ رحم دلی کی علامت ہے، جسے اسلام پسند کرتا ہے۔
- وفات پر آواز نکال کر، چلا کر رونا اور میت پر نوحہ کرنا یہ جائز نہیں، اس سے اسلام نے سختی سے منع کیا ہے، ایسے لوگوں پر لعنت کی وعید ہے، مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چلا کر رونے کی وجہ سے حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا کو منع فرمایا ہے۔

## حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا

حضرت ام ایمن کا نام برکہ بنت ثعلبہ ہے، یہ حبشہ کی تھیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے والد حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کی باندی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ باندی اپنے والد صاحب کی میراث سے ملی تھی، ان کی شادی عبید بن حبشی سے ہوئی تھی، اس سے ان کا بیٹا ہوا، جس کا نام ایمن تھا، اسی وجہ سے ان کو ام ایمن کہا جاتا ہے، حضرت ایمن ایک مخلص صحابی تھے، غزوہ حنین میں اللہ جل جلالہ نے حضرت ایمن کو شہادت کی سعادت عطا فرمائی، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ کی وفات کے بعد حضرت ام ایمن رضی اللہ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرورش کی، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے: "هٰذِهِ أُمِّي بَعْدَ أُمِّي" یہ میری ماں کے بعد ماں ہیں یعنی میری دوسری ماں ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جب حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا سے شادی کی تو اس وقت حضرت ام ایمن کو آزاد کر دیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی شادی حضرت زید بن حارثہ رضی اللہ عنہا سے کر دی تھی، اس سے ان کا بیٹا اسامہ بن زید ہے۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۵۲، باب ماجاء فی بکاء رسول اللہ ﷺ

حضرت ام ایمن نے حبشہ اور مدینہ منورہ دونوں کی طرف ہجرت کی ہے، غزوہ احد میں موجود تھیں، زخمیوں کو پانی پلاتیں اور انہیں دوا کھلاتی تھیں، غزوہ خیبر میں بھی شریک تھیں، حضرت اسامہ کا رنگ کالا، جبکہ ان کے والد حضرت زید کا رنگ سفید تھا، اور حضرت ام ایمن کی رنگت بھی سیاہ تھی، حضرت عمرؓ کی شہادت کے بیس دن کے بعد ان کی وفات ہوئی۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبَّلَ عُثْمَانَ بْنَ مَظْعُونٍ وَهُوَ مَيِّتٌ وَهُوَ يَبْكِي أَوْ قَالَ: عَيْنَاهُ تَهْرَقَانِ.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے عثمان بن مظعون کی پیشانی پر بوسہ دیا جبکہ وہ مر چکے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت رو رہے تھے یا راوی نے یوں کہا: اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھوں سے آنسو بہ رہے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی: وعیناه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں آنکھیں، تہرقان: (صیغہ مجہول) عصام کہتے ہیں کہ اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا جاسکتا ہے: ا۔ (تا پر پیش اور ہا پر زبر) اور یہ ''ہاء'' ہمزے سے بدل کر آئی ہے، اس صورت میں اس کی ماضی ہراق ہو گی۔ ۲۔ (تاء پر پیش اور ہا ساکن) اس میں ''ھا'' کا اضافہ کیا گیا ہے، اس صورت میں یہ باب افعال سے ہوگا، جس کی ماضی کا صیغہ اُہراق ہے، روایت میں اس لفظ کو دونوں طرح سے پڑھا جاسکتا ہے، ترجمہ دونوں صورتوں میں ایک ہی ہے: دونوں آنکھوں سے آنسو بہ رہے ہیں۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عثمان بن مظعونؓ کی موت پر رو پڑے

حضرت عثمان بن مظعونؓ قبیلہ قریش کے تھے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی ہیں، ابتداء اسلام میں ہی تیرہ بندوں کے بعد انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا، پہلے حبشہ کی طرف اور پھر مدینہ منورہ کی طرف ہجرت کی، زمانہ جاہلیت میں بھی انہوں نے شراب کو اپنے اوپر حرام کرر کھا تھا، اور شروع اسلام میں جب شراب پینا جائز تھا، اس وقت بھی حضرت عثمان نے شراب نہیں پی، بڑے ہی عبادت گذار اور زاہدانہ صفات سے آراستہ تھے، ہجرت کے بعد سب سے پہلے یہ صحابی ہیں، جن کا انتقال مدینہ منورہ میں ہوا، ان کی میت پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی پیشانی کو چوما اور شفقت اور رحمت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہ پڑے، کافی دیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر رونے کی کیفیت رہی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے متعلق فرمایا: طُوبىٰ لَکَ یَا عُثْمَانُ لَمْ تَلْبَسکَ الدُّنْیَا وَلَمْ تَلْبَسْهَا (اے عثمانؓ: تمہارے لیے خوشخبری ہو، دنیا تیرے ساتھ نہیں لگی اور تو دنیا کے ساتھ نہ لگا، یعنی دنیا نے تیرے اوپر کوئی اثر نہیں کیا اور تو بھی اس سے متاثر نہیں ہوا، اس سے کنارہ کش ہی رہا) اور جنت البقیع میں

---

(۱) الاصابة ۸/۳۵۸، حرف الألف، رقم الترجمة: ۱۱۹۰۲

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۹۸۹۔

ان کو دفن کیا گیا، ان کے دفن کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نِعْمَ السَّلَفُ هُوَ لَنَا (یہ ہمارے لیے بہترین پیش خیمہ ہیں)(۱)

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- شفقت اور طبعی رحم کی وجہ سے میت پر رونا جائز ہے، یہ ممنوع نہیں۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی پیشانی پر بوسہ دیا، اس سے معلوم ہوا کہ میت کو بوسہ دینا جائز ہے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: شَهِدْنَا ابْنَةً لِرَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَرَسُولُ اللّٰهِ جَالِسٌ عَلَى الْقَبْرِ، فَرَأَيْتُ عَيْنَيْهِ تَدْمَعَانِ، فَقَالَ: أَفِيكُمْ رَجُلٌ لَمْ يُقَارِفِ اللَّيْلَةَ؟ قَالَ أَبُو طَلْحَةَ: أَنَا، قَالَ: انْزِلْ فَنَزَلَ فِي قَبْرِهَا.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک صاحبزادی (حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا) کی تدفین کے وقت موجود تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قبر پر تشریف فرما تھے، میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آنکھوں سے آنسو بہہ رہے تھے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: کیا تم لوگوں میں ایسا کوئی شخص ہے، جس نے اس رات میں اپنی بیوی سے ہمبستری نہ کی ہو؟ ابوطلحہ نے عرض کیا: میں ہوں (یا رسول اللہ) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم (قبر میں) اترو، چنانچہ وہ حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی قبر میں اترے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ شهدنا: ہم (تدفین کے وقت) موجود تھے، ہم حاضر تھے، لم یقارف: اس کے تین ترجمے کیے گئے ہیں: ۱۔ اس نے ہمبستری اور جماع نہیں کیا۔ ۲۔ اس نے اس رات میں گناہ نہیں کیا۔ ۳۔ اس نے عشاء کے بعد کوئی بات نہ کی، پہلے معنی زیادہ مشہور ہیں، اور یہاں اس حدیث میں پہلے معنی ہی مراد ہیں۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کی تدفین کے وقت رونا

غزوہ بدر کے موقع پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صاحبزادی حضرت رقیہ رضی اللہ عنہا شدید بیمار تھیں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے شوہر حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ تم غزوہ بدر میں شرکت کے بجائے ان کی دیکھ بھال کرو، چنانچہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی تیمارداری کرتے رہے، اتفاق سے ان کی وفات ہوگئی، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس غزوے میں مشغول تھے، مدینہ منورہ میں موجود نہیں تھے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دوسری صاحبزادی حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح حضرت عثمان رضی اللہ عنہ سے کر دیا، اور فرمایا: اس ذات کی قسم جس کے قبضے میں میری جان ہے: اگر میری سو بیٹیاں ہوتیں اور یکے بعد دیگرے ان کی وفات ہوتی رہتی، تو میں ان سب کا نکاح یکے بعد دیگرے عثمان رضی اللہ عنہ سے کرتا رہتا، یہ جبرائیل مجھے بتا رہے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں ام کلثوم رضی اللہ عنہا کا نکاح عثمان رضی اللہ عنہ سے کردوں، دیکھیے یہ کس قدر فضیلت و برکت والا نکاح ہے، جس کا حکم آسمان سے نازل ہوا ہے۔

حضرت ام کلثوم رضی اللہ عنہا بھی اکثر بیمار رہا کرتی تھیں، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ ان کی مکمل دیکھ بھال کرتے، جس طرح کہ ایک شوہر بیمار

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۵۳/۲۔

بیوی کی خدمت کرتا ہے، بلکہ اس سے بڑھ کر وہ ان کی تیمارداری کر رہے تھے، اللہ کے حکم سے بیماری کے دوران ہی ایک رات حضرت ام کلثومؓ کا انتقال ہوگیا، اتفاق سے اسی رات میں حضرت عثمانؓ نے اپنی ایک باندی سے ہمبستری بھی کر لی تھی، جو شرعی لحاظ سے حضرت عثمانؓ کے لیے یہ جائز تھا، ان کو اس بات کا بھی اندازہ نہیں تھا کہ حضرت ام کلثومؓ کی اس رات میں ہی وفات ہو جائے گی، بس طبعی تقاضے کی بنیاد پر انہوں نے یہ کام کر لیا، مگر نبی کریم ﷺ کو جب ان کے اس عمل کا پتہ چلا تو آپ ﷺ کو حضرت عثمانؓ کا یہ عمل پسند نہ آیا، آپ ﷺ نے اس پر تنبیہ کے لیے تدفین کے وقت یہ فرمایا: کیا تم لوگوں میں ایسا کوئی شخص ہے، جس نے اس رات ہمبستری نہ کی ہو، حضرت ابوطلحہؓ زید بن سہل انصاریؓ نے عرض کیا کہ میں ہوں، نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تم قبر میں اترو، چنانچہ وہ حضرت ام کلثومؓ کی تدفین کے لیے قبر میں اتر گئے۔

اس حدیث کی روشنی میں درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- بہتر یہی ہے کہ قبر میں خاتون کو اس کے محرم رشتہ دار اتاریں، لیکن اگر محرم رشتہ دار نہ ہوں یا اور کسی وجہ سے انہیں قبر میں نہ اتارا جا سکتا ہو تو پھر کسی اجنبی سے بھی یہ خدمت لی جا سکتی ہے۔
- قبر کے کنارے پر بیٹھ کر میت پر رویا جا سکتا ہے۔
- بیٹی کی وفات پر شفقت کی وجہ سے اگر آنسو آجائیں، تو یہ مقام نبوت کے منافی نہیں۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي فِرَاشِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان روایات میں ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے بستر کا ذکر ہے

عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ: إِنَّمَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الَّذِي يَنَامُ عَلَيْهِ مِنْ أَدَمٍ، حَشْوُهُ لِيفٌ.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کا بستر جس پر نبی کریم ﷺ سوتے تھے، چمڑے کا تھا جس میں کھجور کے درخت کی چھال اور ریشے بھرے ہوئے تھے۔

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ (ابْنِ الْبَاقِرِ)، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: سُئِلَتْ عَائِشَةُ، مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِكِ؟ قَالَتْ: مِنْ أَدَمٍ، حَشْوُهُ مِنْ لِيفٍ، وَسُئِلَتْ حَفْصَةُ: مَا كَانَ فِرَاشُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِكِ؟ قَالَتْ: مِسْحًا نَثْنِيهِ ثِنْيَتَيْنِ فَيَنَامُ عَلَيْهِ، فَلَمَّا كَانَ ذَاتَ لَيْلَةٍ قُلْتُ: لَوْ ثَنَيْتَهُ أَرْبَعَ ثِنْيَاتٍ لَكَانَ أَوْطَأَ لَهُ فَثَنَيْنَاهُ لَهُ بِأَرْبَعِ ثِنْيَاتٍ، فَلَمَّا أَصْبَحَ قَالَ: مَا فَرَشْتُمْ لِيَ اللَّيْلَةَ قَالَتْ: قُلْنَا: هُوَ فِرَاشُكَ إِلَّا أَنَّا ثَنَيْنَاهُ بِأَرْبَعِ ثِنْيَاتٍ، قُلْنَا: هُوَ أَوْطَأُ لَكَ قَالَ: رُدُّوهُ لِحَالَتِهِ الْأُولَى، فَإِنَّهُ مَنَعَتْنِي وَطَاءَتُهُ صَلَاتِي اللَّيْلَةَ.

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۵۳/۲، خصائل نبوی (ص: ۳۶۴) مکتبۃ البشریٰ

(۲) الصحیح لمسلم، اللباس، رقم الحدیث: ۲۰۸۲، سنن الترمذی، اللباس، رقم الحدیث: ۱۷۶۱۔

ترجمہ: محمد باقر رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا: آپ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کا بستر کیسا تھا؟ انہوں نے فرمایا: وہ چمڑے کا تھا جس کے اندر کھجور کے درخت کے ریشے بھرے ہوئے تھے، اور حضرت حفصہؓ سے پوچھا گیا: آپ کے گھر میں رسول اللہ ﷺ کا بستر کیسا تھا؟ انہوں نے فرمایا: ایک ٹاٹ تھا، جس کو ہم دوہرا کر دیتے تھے، اس پر آپ ﷺ سویا کرتے تھے، ایک رات میں نے سوچا: اگر میں اس بستر کو چوہرا کر کے بچھادوں تو وہ آپ ﷺ کے لیے زیادہ آرام دہ ہوگا، چنانچہ ہم نے اسے چوہرا کر کے بچھا دیا، نبی کریم ﷺ نے جب صبح کی تو دریافت فرمایا: آج رات تم لوگوں نے میرے لیے کیا بچھا دیا تھا؟ حضرت حفصہؓ فرماتی ہیں: ہم نے عرض کیا: یہ آپ ﷺ کا وہی بستر تھا، مگر ہم نے اس کو چوہرا کر کے بچھایا تھا، ہم نے سوچا کہ وہ آپ ﷺ کے لیے زیادہ آرام دہ ہوگا، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اس کو اس کی پہلی حالت پر ہی لوٹا دو، کیونکہ اس کی نرمی نے آج رات مجھے نماز (تہجد) پڑھنے سے روک دیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ فراش: (فا کے نیچے زیر) بستر، بچھونا، أدم: (ہمزے اور دال پر زبر) أدمة یا ادیم کی جمع ہے: وہ چمڑا جس کو دباغت سے صاف کرلیا گیا ہو، حشوہ: (حاء پر زبر اور شین ساکن) اس بستر کی بھرائی یعنی وہ چیز جس سے بستر کو بھرا جاتا ہے، جیسے ہمارے زمانے میں عموماً روئی سے تلائی اور لحاف کی بھرائی کی جاتی ہے، عہد رسالت میں کھجور کے درخت کی چھال اور ریشے ڈال کر بستروں کی بھرائی کی جاتی تھی، لیف: کھجور کے درخت کی چھال، ریشے، مسحاً: (میم کے نیچے زیر اور سین ساکن) ٹاٹ، کھردرا بستر اور بچھونا، نثنیه: (یہ ثنی سے باب ضرب سے جمع متکلم ہے) ہم اس بستر کو دوہرا کر دیں، ثنیتین: (ثا کے نیچے زیر، نون ساکن اور یاء پر زبر) یہ ثنیة کا تثنیہ ہے: دوہرا کر کے، ڈبل کر کے لو ثنیته: (صیغہ متکلم) اگر میں بستر کو دوہرا کر کے بچھادوں، أوطأله: (صیغہ اسم تفضیل) نبی کریم ﷺ کے لیے زیادہ آرام دہ، اربع ثنیات: چوہرا کر کے یعنی چار مرتبہ بستر کو ڈبل کیا جائے، ما فرشتمونی: تم لوگوں نے میرے لیے کیا چیز بچھادی ہے؟ ردوہ: (صیغہ امر) تم لوگ اس بستر کو لوٹا دو، منعتنی: مجھے روک دیا، وطاءته: (واؤ پر زبر) بستر کی نرمی۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا بستر

نبی کریم ﷺ کے بستر کی کیفیت مذکورہ احادیث میں حضرت عائشہؓ اور حضرت حفصہؓ نے بیان فرمائی ہے، حضور اقدس ﷺ کا بستر کبھی چمڑے کا ہوتا، جس کے اندر کھجور کے درخت کی چھال اور ریشے ڈال کر اسے بھرا جاتا، کبھی آپ ﷺ کا بستر صرف ٹاٹ کا ہوتا، جو کھردرا ہوتا، کبھی آپ ﷺ کا بستر صرف بوریا ہوتا تھا، متعدد احادیث میں یہ مضمون منقول ہے کہ صحابہ کرام اور ازواج مطہرات جب آپ ﷺ کے لیے نرم بستر بنانے کی درخواست کرتے تو حضور اقدس ﷺ یہ ارشاد فرمایا کرتے: مجھے دنیا کے آرام اور راحت سے کیا غرض، میری مثال تو اس راہ گیر جیسی ہے جو سفر کے دوران تھوڑی دیر آرام کے لیے کسی

سایہ دار درخت کے نیچے بیٹھ گیا ہو، اور پھر تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنی منزل کی طرف چل پڑا ہو۔

حضرت حفصہ ؓ نے ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بستر کو چوہرا کر کے بچھا دیا تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زیادہ آرام دہ بن جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر سو گئے، صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا کہ تم لوگوں نے میرے لیے کیسا بستر بچھایا تھا؟ بتایا گیا کہ ہم نے اس کو زیادہ دوہرا کر کے بچھایا ہے، تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے زیادہ آرام دہ ہو جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: نہیں، میرا بستر اسی طرح دوہرا کیے بغیر ہی بچھایا کرو، کیونکہ اس بستر کی نرمی نے مجھے نماز تہجد پڑھنے سے روکا، میری آنکھ ہی نہیں کھلی یا دیر سے کھلی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس نرم بستر کو پسند نہیں فرمایا۔

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سادہ بستر کو پسند فرماتے جو زیادہ نرم نہ ہوتا، تا کہ اس پر سونے کی وجہ سے ایسی غفلت نہ ہو جائے، جو اللہ کی یاد سے غافل کر دے۔

۞ نرم بستر پر سونا شرعاً جائز ہے مگر اس کا اہتمام رہے کہ اس پر سونے کی وجہ سے نمازیں قضا نہ ہونے پائیں اور اللہ جل جلالہ کے احکام پر عمل کرنے میں سستی اور غفلت نہ ہو۔

۞ اپنے آپ کو پر تعیش اور ناز و نعمت کی زندگی کا عادی نہیں بنانا چاہیے، ایسے میں انسان عموماً غفلت میں مبتلی ہو جاتا ہے، العیاذ باللہ۔

جعفر بن محمد عن ابیه قال: سئلت عائشه۔ جعفر اپنے والد یعنی محمد باقر سے روایت کرتے ہیں، مگر یہ حدیث منقطع ہے، کیونکہ محمد باقر کی ملاقات حضرت عائشہ ؓ اور حضرت حفصہ ؓ سے نہیں ہوئی، محمد باقر کی پیدائش ستاون ہجری میں ہوئی اور حضرت عائشہ ؓ کی وفات اسی سال ہوئی جبکہ حضرت حفصہ ؓ کی وفات پینتالیس ہجری میں ہوئی، تاہم ابن ہمام کہتے ہیں کہ یہ انقطاع حدیث کے لیے نقصان دہ نہیں، یہ حدیث حجت اور قابل استدلال ہے۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي تَوَاضُعِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان روایات میں ہے جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انکساری اور تواضع کا ذکر ہے

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تُطْرُونِي كَمَا أَطْرَتِ النَّصَارَى ابْنَ مَرْيَمَ إِنَّمَا أَنَا عَبْدٌ فَقُولُوا: عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُولُهُ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم لوگ حد سے زیادہ میری تعریف نہ کرو جیسے نصاریٰ نے عیسیٰ بن مریم کی تعریف میں مبالغہ کیا، میں اللہ تعالیٰ کا بندہ ہوں، اس لیے تم لوگ مجھے اللہ کا بندہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۵۷، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۳۸)

اور اس کا رسول ہی کہا کرو۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** تواضع: انکساری، منکسر المزاجی، عاجزی اختیار کرنا، منصب اور مرتبہ سے اپنے آپ کو کم ظاہر کرنا، لا تطرونی: یہ طراوۃ سے باب افعال سے نہی کا صیغہ ہے، (تا پر پیش، طا ساکن اور را پر پیش): تم لوگ حد سے زیادہ میری تعریف نہ کرو، میری تعریف میں تم لوگ مبالغہ نہ کرو، اطرت النصاری: (ہمزے پر زبر، طاء ساکن اور را پر زبر) واحد مؤنث ماضی معروف از باب افعال، اصل میں أطروت ہے تعلیل کے بعد أطرت ہوگیا: نصاری نے حد سے زیادہ تعریف کی، تعریف میں خوب مبالغہ کیا، نصاری: نصرانی کی جمع ہے: عیسائی مذہب کا پیروکار، عیسائی، کرسچن۔

## نبی کریم ﷺ کی تواضع وانکساری

نبی کریم ﷺ انتہائی منکسر المزاج اور متواضع تھے، مزاج میں انتہائی نرمی اور بے تکلفی تھی، آپ ﷺ صحابہ کرامؓ کے ساتھ گھل مل کر رہتے تھے، امتیازی شان اور نمایاں رہنا آپ ﷺ کو بالکل پسند نہیں تھا، تواضع کی یہ کیفیت انسان کو اسی وقت حاصل ہوسکتی ہے، جب دل میں ہر وقت اللہ جل جلالہ کا خوف ہو، اس کے سامنے کھڑے ہوکر پائی پائی کا حساب دینے کا منظر پیش نظر ہو، یہ حقیقت جس قدر آدمی کے دل میں جاگزیں ہوگی، اسی قدر اس کے چال چلن، رہن سہن اور گفتار و کردار میں عجز وانکساری اور تواضع کا عنصر نظر آئے گا، اور نبی کریم ﷺ کو اللہ جل جلالہ کے ہاں انتہائی بلند مقام اور خصوصی قرب حاصل تھا، اس لیے آپ ﷺ کو تواضع کا بھی انتہائی بلند مقام حاصل تھا، آپ ﷺ کی ساری زندگی تواضع اور عجز وانکساری کا بہترین نمونہ تھی۔

آپ ﷺ عاجزانہ انداز سے بیٹھ کر کھانا تناول فرمایا کرتے اور فرماتے کہ میں ایک بندہ ہوں، اس طرح بیٹھتا ہوں جس طرح کہ ایک غلام بیٹھتا ہے، اپنے خادم کو نہ مارتے، اور نہ ڈانٹتے، اور نہ یہ فرماتے کہ یہ کام تم نے کیوں کیا، گھر میں آتے تو ہنس مکھ رہتے، موڈ میں نہ رہتے اور اپنے کام خود کیا کرتے، ضرورت کے وقت کبھی گدھے پر سوار ہوجاتے، اور سواری میں اپنے ساتھ دوسرے صحابیؓ کو بٹھا لیتے، ایک مرتبہ کسی سفر میں چند صحابہؓ نے ایک بکری ذبح کرنے کا ارادہ فرمایا، اور اس کا کام آپس میں تقسیم کیا، ایک نے کہا: میں اسے ذبح کروں گا، دوسرے نے کہا: میں اس کی کھال اتاروں گا، تیسرے نے کہا: میں اسے پکانے کی ذمہ داری لیتا ہوں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا کہ پکانے کے لیے لکڑی اکٹھی کرنا میرے ذمہ ہے، صحابہؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ہم لوگ یہ کام خود کرلیں گے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: مجھے معلوم ہے کہ تم لوگ یہ کام کرلوگے، مگر مجھے یہ بات پسند نہیں کہ میں تم سب سے ممتاز رہوں، کیونکہ اللہ جل جلالہ بھی اس بات کو پسند نہیں فرماتے کہ ایک انسان اپنے ساتھیوں کے درمیان نمایاں اور ممتاز رہے، ایک مرتبہ آپ ﷺ کے جوتے کا تسمہ ٹوٹ گیا، آپ ﷺ خود ہی اسے درست کرنے لگے تو صحابیؓ نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں اسے درست کردیتا ہوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ مجھے امتیازی شان پسند نہیں، آپ ﷺ کے پاس اطراف عالم سے مختلف وفود آتے، آپ ﷺ ان کی ضیافت فرماتے اور خود ہی ان کا بہت اکرام فرماتے۔

یہ چند واقعات ہیں، ورنہ اس طرح کے واقعات کی ایک طویل فہرست ہے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پوری زندگی عجز وانکساری اور تواضع کے واقعات سے بھرپور ہے، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع سے متعلق تیرہ احادیث ذکر کی ہیں۔(۱)

## میری تعریف میں نصاریٰ کی طرح حد سے مبالغہ نہ کرنا

مذکورہ حدیث میں دو چیزوں کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو حکم دیا ہے کہ میری تعریف میں نصاریٰ کی طرح مبالغہ نہ کرو، ان لوگوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں بہت غلو کیا، اور حد سے تجاوز کر لیا، بعض نصاریٰ نے حضرت عیسیٰ کو اپنا معبود اور اللہ بنا لیا جبکہ کچھ نے ان کو اللہ کا بیٹا قرار دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس طرح کی مبالغہ آمیز تعریف سے منع فرمایا ہے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں لہذا مجھے اللہ کا بندہ اور اس کا رسول ہی کہا کرو، میری مدح وثناء میں ایسی کوئی بات نہ کہو، جو بندگی کے خلاف اور منافی ہو، اسی طرح میری ایسی کوئی تعریف نہ کرو، جو منصب نبوت اور رسالت کے خلاف ہو، چنانچہ صاحب بردہ کہتے ہیں:

دَعْ مَا ادَّعَتْهُ النَّصَارٰی فِیْ نَبِیِّهِمْ وَاحْكُمْ بِمَا شِئْتَ مَدْحاً فِیْهِ وَاحْتَكِمِ

ترجمہ: تو اس چیز کو چھوڑ دے جس کا نصاریٰ نے اپنے نبی کے بارے میں دعویٰ کیا ہے (یعنی خدائی کا یا اللہ کے بیٹے ہونے کا)، اور شرعی حدود میں رہ کر جس قدر تو تعریف کرنا چاہے استقامت کے ساتھ کرتا رہے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میں عبدیت اور نبوت کے تمام کمال کے اوصاف موجود ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم تمام اولاد آدم کے سردار ہیں، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے لیے اتنی بات ہی کافی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم "محمد" ہیں، اولین اور آخرین سب ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وثناء کرتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے مقام محمود اور حوض کوثر ہوگا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک جھنڈا ہوگا، جس کے نیچے حضرت آدم سمیت تمام لوگ ہوں گے۔

کسی صاحب حال نے کیا خوب کہا:

مَا اِنْ مَدَحْتُ مُحَمَّدًا بِمَدِیْحَتِیْ بَلْ اِنْ مَدَحْتُ مَدِیْحَتِیْ بِمُحَمَّدٍ

ترجمہ: میں نے اپنی تعریف سے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی تعریف نہیں کی، بلکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعہ اپنی تعریف کی مدح کی ہے (یعنی اپنے کلام کو حسن بخشا ہے)

اور ابن الفارض نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں مدح کی:

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۶۰۔

أَرَى كُلَّ مَدْحٍ فِي النَّبِيِّ مُقَصِّرًا وَإِنْ بَالَغَ الْمُثْنِيْ عَلَيْهِ وَأَكْثَرَا
إِذَا اللهُ أَثْنَى بِالَّذِي هُوَ أَهْلُهُ عَلَيْهِ فَمَا مِقْدَارُ مَا يَمْدَحُ الْوَرَى

ترجمہ ۱: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں ہر قسم کی تعریف کو کم سمجھتا ہوں، اگر چہ تعریف کرنے والا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں مبالغہ کرے اور کثرت سے کرے۔

ترجمہ ۲: جب اللہ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس طرح تعریف فرمائی ہے، جس کے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل ہیں، تو پھر مخلوق کی مدح وثناء اور تعریف کی کیا مقدار اور حیثیت ہے۔(۱)

اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی انتہائی کامل درجہ کی تواضع ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی دیگر تمام صفات اور کمالات کے باوجود یہاں پر اپنی عبدیت اور بندگی کی صفت کو ذکر کیا ہے، اور تمام مسلمانوں کو بھی حکم دیا کہ مجھے اللہ جل جلالہ کا بندہ اور اُس کا رسول ہی کہا کرو۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ امْرَأَةً جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ لَهُ: إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً، فَقَالَ: اجْلِسِي فِي أَيِّ طَرِيقِ الْمَدِينَةِ شِئْتِ أَجْلِسْ إِلَيْكِ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ ایک عورت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا: مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حاجت ہے (جسے علیحدگی میں عرض کرنا ہے) حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تو مدینہ کے کسی راستہ پر بیٹھ جا، میں بھی وہاں تیری طرف متوجہ ہو کر بیٹھ جاؤں گا (اور تمہاری بات سن لوں گا)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر شخص کی بات پوری توجہ سے سنا کرتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جو شخص بھی گفتگو کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پوری توجہ سے سنتے تھے، بات کرنے والا مرد ہو یا عورت، بڑا ہو یا چھوٹا، مسلمان ہو یا کافر، آزاد ہو یا غلام اور باندی، کسی سے بھی بے رخی کا انداز نہ ہوتا، سب کی بات پوری توجہ سے سنا کرتے اور پھر اس کے مطابق اس کی رہنمائی فرماتے، کوئی شخص کبھی علیحدگی میں بات کرنا چاہتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بھی موقع دے دیتے، چنانچہ مذکورہ حدیث میں ایک خاتون نے گذارش کی کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حاجت اور ضرورت ہے، اس کا تذکرہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سب کے سامنے نہیں کر سکتی، صرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ہی اسے ذکر کرنا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے مطالبہ کو رد نہیں کیا، بلکہ اسے یہ فرمایا کہ تم مدینہ منورہ کے کسی راستہ اور گلی کے کنارے پر بیٹھ جاؤ، میں بھی وہاں آکر بیٹھ جاؤں گا، اور تمہاری بات پوری توجہ سے سن لوں گا، چنانچہ پھر ایسا ہی ہوا۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۶۲/۲

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں الگ ہوکر اس کی بات سننے کا فرمایا، ایسا کیوں؟ اس کی دو وجہیں ہیں:

۞ صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ وہ خاتون کچھ بے عقل سی تھی، گھر میں بات سننے کی صورت میں ازواج مطہرات کے لیے کوئی دقت اور مشکل ہوسکتی تھی، چنانچہ بعض نے لکھا ہے کہ اس کی عقل میں کچھ فتور تھا، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ وہ گلی کوچوں میں پھرتی رہتی ہوگی، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے راستہ میں تشریف لے جاکر بات سننے کا ارشاد فرمایا۔(۱)

۞ راستہ میں بیٹھنے کا ارشاد اس لیے تھا، تاکہ اجنبیہ عورت کے ساتھ تنہائی اور خلوت نہ ہو، یہاں سب کے سامنے راستہ کی ایک جانب میں الگ ہوکر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خاتون کی بات سن کر اس کی حاجت کو پورا کیا۔

اس خاتون کا نام کیا تھا؟ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں اس کے نام پر مطلع نہ ہوسکا، البتہ کتاب الشفاء کے بعض حواشی میں ہے کہ اس کا نام ''ام زفر'' ہے، یہ حضرت خدیجہ رضی اللہ عنہا کی کنگھی کیا کرتی تھی(۲)، مگر اس پر اشکال یہ ہوتا ہے کہ ''ام زفر'' تو انصاری خاتون نہیں تھی جبکہ بخاری کی روایات میں اس کی تصریح ہے کہ وہ انصاری خاتون تھی(۳) بظاہر دونوں باتوں میں تعارض ہورہا ہے، اس لیے شارحین حدیث کے اس میں دو قول ہیں: ۱۔ بعض نے دونوں میں یہ تطبیق دی ہے کہ مسلم کی روایت اور بخاری کی روایت میں دو الگ الگ عورتوں کا ذکر ہے۔ ۲۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ظاہر یہی ہے کہ دونوں روایات میں ایک ہی خاتون کا قصہ ہے۔ واللہ اعلم

مذکورہ حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اجنبیہ خاتون کے ساتھ تنہائی اور خلوت میں بیٹھنا جائز نہیں۔

۲۔ ضرورت کے وقت راستہ کی ایک جانب بیٹھا جاسکتا ہے، مگر اس میں یہ اہتمام رہے کہ اس سے کسی گذرنے والے کو اذیت اور تکلیف نہ پہنچے۔

۳۔ حاکم، سرپرست اور ذمہ دار آدمی کو اپنے ماتحت لوگوں کی ضروریات کو پورا کرنے کی ہر ممکن کوشش کرنی چاہیے۔(۴)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُودُ الْمَرِيضَ، وَيَشْهَدُ الْجَنَائِزَ، وَيَرْكَبُ الْحِمَارَ، وَيُجِيبُ دَعْوَةَ الْعَبْدِ، وَكَانَ يَوْمَ بَنِي قُرَيْظَةَ عَلَى حِمَارٍ، مَخْطُومٍ بِحَبْلٍ مِنْ لِيفٍ، وَعَلَيْهِ إِكَافُ

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۴/ ۵۴۰ کتاب الفضائل، باب قرب النبی علیه السلام من الناس و تبرکهم به، رقم الحدیث: ۵۹۹۹، بذل المجهود ۱۹/ ۳۷ کتاب الادب، باب فی الجلوس فی الطرقات، رقم الحدیث: ۴۸۱۸

(۲) کتاب الشفا للقاضی عیاض (ص: ۸۹) الباب الثانی فی تکمیل الله له المحاسن خلقا و خلقا، فصل: و اما تواضعه ﷺ، ط: بیروت

(۳) فتح الباری ۷/ ۱۴۳ کتاب مناقب الانصار، باب حب الانصار من الایمان، رقم الحدیث: ۳۷۸۶، و ایضاً ۱۱/ ۶۴۴ کتاب الایمان والنذور، رقم الحدیث: ۶۶۴۵

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/ ۱۶۳، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۵۴۲)

مِنْ لِيفٍ .(۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم بیمار کی عیادت فرماتے، جنازہ میں حاضر ہوتے، گدھے پر سوار ہوتے اور غلام کی دعوت (بھی) قبول فرمالیتے تھے، اور بنوقریظہ کی لڑائی کے دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے گدھے پر سوار تھے، جس کی لگام کھجور کی چھال کی رسی سے بنی ہوتی تھی، اور اس پر کھجور کی چھال کا پالان تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ **یعود**: بیمار پرسی کرتے، **یجیب**: قبول فرماتے، **مخطوم**: لگام دیا ہوا، **بحبل من لیف**: کھجور کے چھال کی رسی سے، **اکاف**: (ہمزے کے نیچے زیر) پالان، **لیف**: کھجور کی چھال، ریشہ۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گدھے پر بھی سوار ہوا کرتے

مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چار سنتوں کا ذکر ہے:

۱۔ جب کوئی بیمار ہوجاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بیمار پرسی کے لیے اس کے گھر تشریف لے جاتے، اس کے سر کے پاس بیٹھ کر اسے دعائیں دیتے، وہ بیمار خواہ مسلمان ہو یا کافر، بڑا شخص ہوتا یا معمولی، آزاد ہوتا یا غلام، چنانچہ ایک یہودی لڑکا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کیا کرتا تھا، اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا، وہ سخت بیمار ہوگیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی عیادت کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے، اسے اسلام کی دعوت دی، اس نے اپنے باپ کی طرف دیکھا تو باپ نے کہا: أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ: ابو القاسم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات مان لو، اس یہودی لڑکے نے اسلام قبول کرلیا، پھر اس کی وفات ہوگئی، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کیا کہ اس نے میرے ذریعہ ایک شخص کو جہنم کی آگ سے بچا دیا، بیمار پرسی کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا حضرت ابوطالب کو بھی اسلام کی دعوت دی، مگر انہوں نے اسلام قبول نہ کیا، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم منافقین کے سردار عبداللہ بن ابی بن سلول کی عیادت کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے، حالانکہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہر موقع پر اذیت ہی پہنچاتا رہا، ان تمام واقعات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور انکساری ثابت ہوتی ہے۔(۲)

احادیث میں عیادت اور بیمار پرسی کے بہت فضائل منقول ہیں، اس لیے تمام مسلمانوں کو اس سنت پر اہتمام سے عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میت کی نماز جنازہ اور دفن میں شرکت فرمایا کرتے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوپر ایک مخصوص کیفیت طاری ہوتی، نماز جنازہ فرض کفایہ ہے، اس میں شرکت کا اہتمام کرنا چاہیے، کیونکہ یہ مرحوم کا زندوں پر ایک حق ہے، جسے ادا کرنا

---

(۱) سنن الترمذی، باب الجنائز، رقم الحدیث: ۱۰۱۷۔

(۲) فتح الباری ۲۸۰/۳ کتاب الجنائز، باب اللحد و الشق فی القبر، رقم الحدیث: ۱۳۵۶، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۶۴/۲

چاہیے۔

۳۔ جب کوئی شخص آزاد یا غلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کرتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دعوت کو بخوشی قبول فرماتے، اس کی دعوت سے انکار نہ فرماتے۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تواضع کی وجہ سے گدھے پر بھی سوار ہو جاتے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دوسری عمدہ سواری کا بندوبست ہوتا پھر بھی گدھے پر سواری کرتے، چنانچہ غزوہ خندق کے بعد غزوہ بنو قریظہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ایک ایسے گدھے پر سوار تھے، جس کی لگام کھجور کے درخت کی چھال کی بنی ہوئی تھی، اور اس پر پالان بھی کھجور کی چھال کا بندھا ہوا تھا، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور اس کے بعد بھی بہت سے لوگ سنت پر عمل کرنے کی نیت سے گدھے پر سواری کیا کرتے تھے، اور اب بھی کرتے ہیں۔

ان تمام امور سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا متواضع مزاج ثابت ہوتا ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ : كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُدْعَى إِلَى خُبْزِ الشَّعِيرِ وَالإِهَالَةِ السَّنِخَةِ فَيُجِيبُ، وَلَقَدْ كَانَ لَهُ دِرْعٌ عِنْدَ يَهُودِيٍّ، فَمَا وَجَدَ مَا يَفُكُّهَا، حَتَّى مَاتَ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (بسا اوقات) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جو کی روٹی اور باسی چربی کی دعوت دیئے جاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے قبول کر لیتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ایک زرہ ایک یہودی کے پاس (گروی) تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسی کوئی چیز نہیں پائی جس کے ذریعہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس زرہ کو چھڑا لیتے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہو گئی۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** یدعی: (صیغہ مجہول) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دی جاتی، خبز الشعیر: جو کی روٹی، اھالۃ: (ہمزے کے نیچے زیر) چربی، تیل ہر وہ چیز جو سالن کے طور پر استعمال کی جائے، سنخۃ: (سین پر زبر، نون کے نیچے زیر اور خاء پر زبر) باسی، خراب، سڑی ہوئی بدبودار، درع: (دال کے نیچے زیر اور راء ساکن) زرہ، ما یفکھا: اس میں "ھا" ضمیر "درع" کی طرف لوٹ رہی ہے، اور "درع" مؤنث ہے کیونکہ یہ "لأمۃ" (زرہ) کے معنی میں ہے، اس لیے درع کا استعمال بھی مؤنث ہوتا ہے؛ وہ چیز یعنی رقم وغیرہ جس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس زرہ کو چھڑا لیتے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر طرح کے کھانے کی دعوت قبول فرمالیتے

مذکورہ حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے، جن سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اعلیٰ درجہ کی تواضع اور عاجزی ثابت ہوتی ہے:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کی ہر دعوت کو قبول فرما لیتے تھے، اس میں کھانے کا عمدہ ہونا، بلکہ تازہ ہونا بھی کوئی ضروری نہیں

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۶۴/۲۔

(۲) سنن الترمذی، البیوع، رقم الحدیث: ۱۲۱۵۔

تھا، بسا اوقات کھانے کی دعوت دینے والا بتا دیتا کہ میرے گھر باسی چربی یا گوشت اور جو کی روٹی ہے، یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کی تنگدستی سے سمجھ جاتے کہ یہ دعوت باسی کھانے کی ہے، کیونکہ اس زمانے میں کھانے کی اشیاء کو باسی ہونے سے بچانے کے لیے کوئی فرج وغیرہ تو تھا نہیں، یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم حالات اور قرائن سے سمجھ جاتے کہ یہ کھانا باسی ہوگا، اس کے باوجود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس صحابیؓ کی دلداری اور دلجوئی کے لیے اس کی دعوت کو قبول فرما لیتے، سوچیے کہ آج اگر کوئی ہماری دعوت کرے اور اس میں بدبودار اور باسی کھانے ہوں تو ہمارے دل پر کیا گذرتی ہے، ہم اس سے ہمیشہ کے لیے بہت سخت ناراض ہو جاتے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عاجزی اور تواضع دیکھیے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخوشی اس دعوت کو قبول فرما لیتے، اس سے دراصل امت کو یہ درس دینا مقصود ہے کہ کبھی کسی دعوت میں کسی وجہ سے باسی یا آپ کے مزاج کے خلاف کھانا پیش کر دیا جائے، تو سنت پر عمل کرنے کی نیت سے اسے برداشت کر لیا جائے، اسے لڑائی جھگڑے اور ناراضگی کا سبب نہ بنایا جائے۔

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک یہودی ابوالشحم یا ابوشحمہ بن اوس سے تیس صاع ''جو'' قرض کے طور پر لیے تھے یا اس سے خریدے تھے، رقم ادا کرنے کی اس وقت کوئی صورت نہ تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس یہودی کے پاس اپنی زرہ گروی رکھوا دی، اس معاملے کی مدت ایک سال تھی، مگر اس سے پہلے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاملہ کسی صحابی کے ساتھ کیوں نہ کیا، یہودی کے ساتھ کس وجہ سے کیا؟ شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجہیں لکھی ہیں:

۞ یہودی کے ساتھ یہ معاملہ کر کے امت کو یہ بتانا ہے کہ ضرورت کے موقع پر ایک یہودی کے ساتھ بھی لین دین کا معاملہ کیا جا سکتا ہے۔

۞ صحابہ کرامؓ کے پاس کھانے کا راشن وغیرہ زائد نہیں ہوتا تھا، جبکہ یہودی لوگ ذخیرہ اندوزی کرتے تھے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ معاملہ یہودی سے کیا۔

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً اپنے فقر و فاقہ کی حالت صحابہؓ سے پوشیدہ رکھتے تھے، ورنہ صحابہؓ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر ہر چیز قربان کر دیتے تھے، اگر انہیں محسوس ہو جاتا کہ یہ چیز مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ضرورت ہے تو وہ بغیر کسی معاوضہ، قیمت اور گروی رکھوانے کے، اس چیز کو خدمت اقدس میں پیش کر دیتے، اور ہدیہ قبول کر لینے کو بجا طور پر اپنی بہت بڑی سعادت سمجھتے تھے، ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس وقت صحابہ کرامؓ پر بوجھ ڈالنا مناسب نہ سمجھا ہو۔

۞ قریبی کے بجائے دور کے بندے سے قرض لینا زیادہ اچھا ہوتا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہودی سے یہ قرض لیا تھا۔

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زرہ گروی رکھوائی تھی، اس سے معلوم ہوا کہ آلات حرب و ضرب، جنگ اور جہاد کے ہتھیاروں کو بھی گروی رکھوایا جا سکتا ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ساری زندگی قیمت ادا کر کے اپنی زرہ نہ چھڑا سکے، بعد میں حضرت صدیق اکبرؓ نے قرض ادا کر کے اس زرہ کو واپس لیا تھا، اس سے آپ اندازہ لگا سکتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر کس قدر شدید تنگدستی اور فقر و فاقہ تھا، بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حالت بھی تواضع کی وجہ سے تھی، اور فقر و فاقہ کے تمام حالات اور کیفیات آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اختیاری تھیں، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ اللہ جل جلالہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اختیار دیا تھا کہ آپ عبدیت اور بندگی کے ساتھ رسول بننا چاہتے ہیں یا سلطنت اور بادشاہت کے ساتھ؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پہلی صورت کو پسند فرمایا، غناء و مالداری اور بادشاہت کا راستہ اختیار نہیں فرمایا، اس سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تواضع، عجز و انکساری اور منکسر المزاجی ثابت ہوتی ہے۔

ایک حدیث میں ہے: نَفْسُ الْمُؤْمِنِ مُعَلَّقَةٌ بِدَيْنِهِ حَتّٰى يُقْضٰى عَنْهُ (مؤمن کی جان اس کے قرض کے ساتھ معلق رہتی ہے یہاں تک کہ اس کی طرف سے وہ قرض ادا کر دیا جائے) مگر یہ ذہن میں رہے کہ یہ حدیث انبیاءؑ کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ اس شخص کے بارے میں ہے جو ترکہ میں قرض کی ادائیگی کی کوئی چیز نہ چھوڑے، اگر کوئی آدمی قرض تو ادا نہ کر سکا، مگر اس کا ترکہ موجود ہے، جس سے اس کا قرض ادا کیا جا سکتا ہو، تو پھر وہ حدیث کی اس وعید میں داخل نہیں ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: حَجَّ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى رَحْلٍ رَثٍّ، وَعَلَيْهِ قَطِيفَةٌ لَا تُسَاوِي أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ، فَقَالَ: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا، لَا رِيَاءَ فِيهِ، وَلَا سُمْعَةَ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پرانے کجاوے پر (بیٹھ کر) حج کیا، اس کجاوے پر یا نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم پر ایک ایسا کمبل یا چادر تھی، جس کی قیمت چار درہم کے برابر بھی نہیں ہوگی، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم یہ دعا مانگ رہے تھے کہ: یا اللہ اس حج کو ایسا حج بنا دیجیے، جس میں نہ تو کوئی ریاکاری اور دکھلاوا ہو، اور نہ ہی شہرت ہو۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔رحل: (را پر زبر اور حاء ساکن) کجاوہ، رث: (را پر زبر اور ثاء پر تشدید) پرانا، بوسیدہ، قطیفة: کمبل، جھالردار چادر، کپڑا، علیه قطیفة: اس میں "علیہ" کی ضمیر "ہ" کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ا۔ یہ ضمیر "رحل" کی طرف لوٹ رہی ہے یعنی اس کجاوے پر، ۲۔ یہ ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے جسم مبارک پر، قطیفة: جھالر دار چادر، سمعة: (سین پر پیش اور میم ساکن) شہرت، مشہوری، ریاء: دکھلاوا، لوگوں کو دکھانے کے لیے کام کرنا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پرانے کجاوے پر حج کیا

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو اعمال کا ذکر ہے:

---

(۱) شرح الشمائل للمناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۱۶۶، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۵۲۵)

(۲) سنن ابن ماجه/ج: ۲/ص: ۹۶۵/رقم الحديث: ۲۸۹۰، باب الحج على الرحل۔

۱۔ حج کے مناسک کی ادائیگی کے وقت نبی کریم ﷺ ایک ایسے اونٹ پر سوار تھے، جس پر ایک پرانا کجاوہ تھا، اس کجاوے یا نبی کریم ﷺ کے جسم مبارک پر ایک معمولی سا کمبل یا چادر تھی، جس کی قیمت چار درہم کے برابر بھی نہ تھی، اس سے نبی کریم ﷺ کی تواضع اور دنیا سے بے رغبتی ثابت ہوتی ہے، اگر آپ ﷺ چاہتے تو عمدہ سواری اور اعلیٰ لباس کا انتظام کر سکتے تھے، مگر آپ ﷺ کو سادہ طرز زندگی پسند تھا، اس لیے سادہ لباس پہننے کا ہی معمول تھا، البتہ کسی غرض کی وجہ سے کبھی آپ ﷺ نے قیمتی لباس بھی پہنا ہے، لہذا یہ بھی جائز ہے۔

۲۔ سفر حج میں آپ ﷺ نے یہ دعا فرمائی: اَللّٰهُمَّ اجْعَلْهُ حَجًّا لَا رِيَاءَ فِيْهِ وَلَا سُمْعَةَ (اے اللہ: میرے حج کو ایسا حج بنا دے، جس میں نہ تو کوئی ریاکاری اور دکھلاوا ہو اور نہ ہی اس میں شہرت ہو) اس میں تو کوئی شک نہیں کہ نبی کریم ﷺ کے کسی عمل میں نہ ریاء کا کوئی شائبہ تھا اور نہ ہی شہرت کا، اس کے باوجود نبی کریم ﷺ نے یہ دعا اہتمام سے فرمائی، اس کی دو وجہیں ہو سکتی ہیں:

- اس سے دراصل امت کو یہ تعلیم دینا مقصود ہے کہ وہ اپنے تمام اعمال میں ریا ونمود اور شہرت سے دور رہیں، اور خاص طور پر سفر حج ہو تو یہ عبادت چونکہ دیگر تمام عبادات سے ذرا مشکل اور محنت طلب ہے، اس لیے حج کی ادائیگی میں اس دعا کا خاص اہتمام کرنا چاہیے، تاکہ انسان کا حج ریاکاری اور شہرت سے محفوظ رہ سکے۔
- نبی کریم ﷺ نے محض تواضع اور عاجزی کی وجہ سے اللہ جل جلالہ سے حج کی یہ دعا مانگی، ورنہ آپ ﷺ کے تو تمام اعمال ہی صرف اللہ جل شانہ کی رضا کے لیے ہی تھے، ان میں نام ونمود اور ریاکاری بالکل نہیں تھی۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا، لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذٰلِكَ.(۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نزدیک رسول اللہ ﷺ سے زیادہ کوئی شخص محبوب نہیں تھا، اس کے باوجود وہ لوگ جب حضور اکرم ﷺ کو دیکھتے تو کھڑے نہیں ہوتے تھے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ نبی کریم ﷺ اسے پسند نہیں فرماتے۔

## دوسرے انسان کی تعظیم کے لیے کھڑے ہونے کا حکم

مذکورہ حدیث سے معلوم ہوا کہ جب کوئی انسان بیٹھا ہو اور دوسرا کوئی اس کے پاس آجائے تو اس کے لیے کھڑا ہونا پسندیدہ نہیں، نبی کریم ﷺ اس موقع پر کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرماتے تھے، یہ بھی نبی کریم ﷺ کی انتہائی عاجزی اور متواضع ہونے کی دلیل ہے کہ اس قدر بلند مرتبہ ہونے کے باوجود اپنے لیے صحابہ کرام کا کھڑا ہونا آپ ﷺ کو پسند نہیں تھا، اور

---

(۱) سنن الترمذی، الأدب، رقم الحدیث: ۲۷۵۵۔

صحابہ کرامؓ اپنے کسی عمل سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ناراض نہیں کرتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھڑا ہونا چونکہ پسند نہیں تھا، اس لیے صحابہ کرامؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر کھڑے نہیں ہوتے تھے، جیسا کہ مذکورہ حدیث میں ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد پھر صحابہ کرامؓ کا بھی یہی طریقہ رہا ہے، کیونکہ عموماً اس موقع پر تعظیماً کھڑے ہونے کو متکبر اور عجمی لوگ پسند کرتے ہیں، جو بلاشبہ درست نہیں ہے۔

لیکن اس کے بالمقابل بہت سی ایسی احادیث اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہے کہ جس سے تعظیماً کھڑے ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے، چند روایات کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔ حدیث میں ہے کہ اہل قریظہ جب حضرت سعد کے فیصلے پر متفق ہوگئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت سعد کو بلایا، جب وہ اپنی سواری پر سوار ہو کر آگئے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل قریظہ سے فرمایا: قوموا الی سید کم (تم اپنے سردار کے لیے کھڑے ہو جاؤ)

۲۔ حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ غزوہ تبوک میں شریک نہ ہوسکے تھے، اس کی وجہ سے اللہ جل شانہ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے ناراض ہوگئے، جب ان کی توبہ اللہ کے ہاں قبول ہوئی، تو وہ مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں آئے تو حضرت طلحہ بن عبید اللہ نے کھڑے ہو کر ان کا استقبال کیا، مصافحہ کیا اور ان کو مبارک باد دی۔

۳۔ حضرت فاطمہؓ جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں تشریف لے جاتیں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہو جاتے اور اپنی جگہ پر ان کو بٹھاتے۔

۴۔ ایک دفعہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے رضاعی بھائی آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہوگئے اور انہیں اپنے سامنے بٹھایا۔

۵۔ سنن ابی داؤد میں حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسجد میں ہمارے ساتھ باتیں کرتے رہتے تھے، اور جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے تو ہم بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے ہو جاتے، اور ہم اس وقت تک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کھڑے رہتے، جب تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف نہ لے جاتے۔

۶۔ حضرت عکرمہ بن ابی جہل نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں اسلام قبول کرنے کے لیے آئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے لیے کھڑے ہوگئے۔

۷۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس عدی بن حاتم جب بھی آتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دل جوئی کے لیے کھڑے ہو جاتے، تاکہ وہ اسلام قبول کرلیں، ان کے اسلام قبول کرنے سے ان کا پورا قبیلہ طی اسلام قبول کرلے گا، کیونکہ یہ اس قبیلہ کے سردار تھے۔

۸۔ نابینا صحابی حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوتے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے اور ان کے لیے چادر بچھواتے اور فرمایا کرتے کہ یہ وہ صحابی ہیں کہ جن کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سورہ عبس میں میرے اوپر عتاب نازل فرمایا ہے۔

مذکورہ روایات سے تعظیماً کھڑے ہونے کا جواز معلوم ہوتا ہے، جبکہ شمائل کی مذکورہ روایت اور اس مفہوم کی دیگر روایات میں ممانعت کا ذکر ہے، اس لیے اس میں اہل علم کا اختلاف ہے کہ آیا تعظیماً کھڑے ہونا چاہیے یا نہیں، اکثر محققین کی رائے یہ ہے کہ ان روایات میں کوئی تعارض نہیں ہے بلکہ کھڑے ہونے کی مختلف وجہیں، مقاصد اور اسباب ہوتے ہیں، اسی اعتبار سے اس قیام کا حکم ہوگا، چنانچہ علامہ عینی نے بخاری کی شرح میں ابوالولید بن رشد سے کھڑے ہونے کی چار قسمیں ذکر کی ہیں، ان کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ ممنوع: اس شخص کے لیے کھڑا ہونا ممنوع ہے، جو محض تکبر وسرکشی کی وجہ سے اس بات کو پسند کرتا ہے کہ لوگ اس کے لیے کھڑے ہوا کریں۔

۲۔ مکروہ: جس شخص کے بارے میں یہ خطرہ ہو کہ اگر لوگ اس کی تعظیم میں کھڑے ہوتے رہے، تو اس میں تکبر، بڑائی اور عجب پیدا ہو جائے گا، تو ایسے بندے کے لیے کھڑا ہونا مکروہ ہے، نیز اس طرح کھڑے ہونے میں متکبرین کے ساتھ مشابہت بھی لازم آتی ہے، اس لحاظ سے بھی کھڑے ہونے سے پرہیز کرنا بہتر ہے۔

۳۔ جائز: ادب واکرام اور حسن سلوک کی وجہ سے اس شخص کے لیے کھڑا ہونا جائز ہے، جو متکبر نہ ہو۔

۴۔ مستحب: تعظیماً کھڑا ہونا اس وقت مستحب ہوتا ہے جب کوئی سفر سے واپس آئے تا کہ اس سے ملاقات اور اسے سلام کیا جائے، یا کسی کو کوئی خوشی حاصل ہوئی تا کہ اسے مبارک باد دی جائے، یا جو مبتلائے مصیبت ہے تو اسے تسلی دی جائے یا حاکم کے لیے اس کے دفتر میں کھڑا ہونا، اس قسم کے تمام مواقع پر کھڑا ہونا پسندیدہ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جو مسلمان صاحب علم وفضل ہو اور اہل اشراف میں سے ہو، اس کے آنے پر کھڑا ہونا مستحب ہے، قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ اس قیام کی ممانعت ہے کہ جس میں بڑا آدمی بیٹھا رہے اور لوگ اس کے سامنے کھڑے رہیں، چنانچہ ممانعت کی احادیث میں یہ ارشاد بھی ہے کہ اس طرح نہ کھڑے ہوا کریں، جس طرح عجمی لوگ اپنے سرداروں کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرامؓ اس موقع پر کھڑے ہونے کو پسند نہیں فرماتے تھے، اس کے بعد اولیاء کرام، مشائخ عظام اور ہمارے اسلاف کا بھی یہی معمول چلا آ رہا ہے۔(۱)

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: سَأَلْتُ خَالِي هِنْدَ بْنَ أَبِي هَالَةَ، وَكَانَ وَصَّافًا عَنْ حِلْيَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَأَنَا أَشْتَهِي أَنْ يَصِفَ لِي مِنْهَا شَيْئًا، فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَخْمًا مُفَخَّمًا،

(۱) فتح الباری ۵۸/۱۱، کتاب الاستئذان، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: قوموا الی سیدکم، رقم الحدیث: ۶۲۶۲، عمدة القاری ۲۵۲/۲۲، ط: کوئٹہ، تکملة فتح الملهم ۱۲۶/۳ کتاب الجهاد والسیر، مسألة القیام للقادم رقم الحدیث: ۴۳۵۹، تحفة الاحوذی ۲۹/۸ کتاب الاداب، باب ما جاء فی کراهیة قیام الرجل للرجل، رقم الحدیث: ۲۷۵۴، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۶۸/۲، المواهب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۵۴۷)

يَتَلَأْلَأُ وَجْهُهُ تَلَأْلُؤَ الْقَمَرِ لَيْلَةَ الْبَدْرِ، فَذَكَرَ الْحَدِيثَ بِطُولِهِ. قَالَ الْحَسَنُ: فَكَتَمْتُهَا الْحُسَيْنَ زَمَانًا، ثُمَّ حَدَّثْتُهُ فَوَجَدْتُهُ قَدْ سَبَقَنِي إِلَيْهِ. فَسَأَلَهُ عَمَّا سَأَلْتُهُ عَنْهُ، وَوَجَدْتُهُ قَدْ سَأَلَ أَبَاهُ عَنْ مَدْخَلِهِ، وَمَخْرَجِهِ، وَشَكْلِهِ، فَلَمْ يَدَعْ مِنْهُ شَيْئًا.

ترجمہ: حضرت حسن بن علیؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے ماموں ہند بن ابی ہالہ سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل و صورت اور حلیہ مبارک کے بارے میں دریافت کیا، اور وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کو بہت زیادہ اور خوب اچھی طرح بیان کیا کرتے تھے، مجھے یہ خواہش ہوئی کہ وہ ان اوصاف جمیلہ میں سے کچھ میرے سامنے بھی بیان کر دیں، چنانچہ حضرت ہند نے فرمایا: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ذات کے لحاظ سے عظیم الشان اور صفات میں بھی بلند رتبہ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، پھر حضرت حسن نے اپنی لمبی حدیث کو ذکر کیا (جو اس کتاب کے پہلے باب کی ساتویں حدیث ہے)۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے اس حلیہ کو یا اس روایت کو حضرت حسین سے ایک عرصہ تک چھپائے رکھا (یعنی ذکر نہیں کیا) پھر میں نے ان کو یہ حدیث بتائی، تو میں نے ان کو اس طرح پایا کہ وہ مجھ سے ماموں سے پوچھنے میں سبقت کر چکے تھے، (یعنی یہ حدیث حضرت حسین نے پہلے سے اپنے ماموں حضرت ہند سے سن لی تھی) چنانچہ حضرت حسین نے حضرت ہند سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا، جسے میں نے حضرت ہند سے پوچھا تھا اور (مزید) میں نے حضرت حسین کو اس طرح پایا کہ وہ اپنے والد حضرت علیؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اپنے گھر میں تشریف لے جانے اور گھر سے باہر تشریف لانے اور (صحابہ کرامؓ وغیرہ کے ساتھ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے طور طریقے کے بارے میں (یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شکل وصورت اور حلیہ مبارک کے بارے میں) پوچھ چکے تھے، چنانچہ حضرت علیؓ نے پوچھے گئے سوال سے متعلق کوئی بات نہیں چھوڑی۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** وصافا: بہت زیادہ بیان کرنے والے، حلیة: (حا کے نیچے زیر اور لام ساکن) شکل وصورت، حلیہ مبارک، انا اشتهي: میں نے چاہا، مجھے یہ خواہش ہوئی، فخما: (فا پر زبر اور خاء ساکن) اپنی ذات کے لحاظ سے عظیم الشان اور شاندار، مفخما: تفخیم سے صیغہ اسم مفعول، اوصاف اور خوبیوں کے اعتبار سے دوسرے لوگوں کی نظروں میں بھی بلند رتبہ، باوقار، يتلألا وجهه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ چمکتا تھا، ذکر الحدیث: حضرت حسن نے حدیث کو ذکر کیا، فکتمتها: (صیغہ متکلم) اس میں "ھاء" ضمیر: روایۃ یا حلیۃ کی طرف لوٹ رہی ہے: چنانچہ میں نے اس روایت کو چھپایا یعنی میں نے ذکر نہیں کیا، عن مدخله: (میم پر زبر اور دال ساکن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں داخل ہونے اور تشریف لانے کے بارے میں، کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ گھر میں کیسا تھا، مخرجه: (میم پر زبر اور خاء ساکن) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر سے نکلنے کے بارے میں کہ گھر سے باہر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا طرز زندگی کیسا تھا، وشکله: (شین پر زبر اور کاف ساکن) اس کے دو ترجمے کیے گئے ہیں: ا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا صحابہؓ

وغیرہ کے ساتھ طور طریقہ، طرز زندگی، ۲۔ نبی کریم ﷺ کی شکل وصورت، فلم یدع: فعل کی ''ھو'' ضمیر کے بارے میں دو قول ہیں: ۱۔ یہ ضمیر حضرت علیؓ کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: حضرت علیؓ نے نہیں چھوڑا، ۲۔ یہ حضرت حسینؓ کی طرف راجع ہے، ترجمہ: حضرت حسینؓ نے اپنے سوال میں سے کوئی چیز نہیں چھوڑی، منہ شیئا: سوال میں پوچھی گئی چیزوں میں سے کوئی چیز۔

## حضرت حسنؓ نے اپنے ماموں سے نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک اور اوصاف دریافت کیے

حضرت حسنؓ نے اپنے ماموں حضرت ھند بن ابی ہالہؓ سے نبی کریم ﷺ کا حلیہ مبارک اور اوصاف دریافت کیے، کیونکہ حضرت ھند رضی اللہ عنہ بہت کثرت سے اور خوب اچھی طرح نبی کریم ﷺ کے اوصاف بیان کیا کرتے تھے، ان کے ماموں نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ اپنی ذات اور حسب ونسب کے اعتبار سے بھی عظیم الشان، باوقار اور اونچی شان والے تھے اور مفخم بھی تھے، یعنی اوصاف وصفات اور خوبیوں کے اعتبار سے دوسرے لوگوں کی نظروں میں بھی بلند مرتبہ والے تھے، آپ ﷺ کی شان جیسی کسی انسان کی شان نہیں تھی، دشمن بھی آپ ﷺ کی امانت ودیانت، عمدہ کردار اور حسن اخلاق کے معترف تھے، آپ ﷺ کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح چمکتا تھا، پھر حضرت حسنؓ نے مکمل حدیث کو ذکر کیا، امام ترمذیؒ نے اس حدیث کو شمائل کے پہلے باب میں نمبر سات پر ذکر کیا ہے، اس کی مزید تفصیل پہلے گذر چکی ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

حضرت حسنؓ فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت حسینؓ کا شوق علم دیکھنے کے لیے کچھ عرصہ یہ حدیث ان کو نہیں بتائی، پھر میں نے ان کو یہ حدیث بتائی، تو اس وقت مجھے پتہ چلا کہ وہ تو یہ حدیث اپنے ماموں سے حاصل کر چکے تھے، اور مزید یہ کہ انہوں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے نبی کریم ﷺ کے گھر میں تشریف لانے، گھر سے باہر نکلنے، اور آپ ﷺ کی شکل کے بارے میں بھی دریافت کر چکے تھے، شکل کے دو مطلب ہیں:

- نبی کریم ﷺ کا صحابہ وغیرہ کے ساتھ کیسا رویہ، برتاؤ اور سلوک تھا، اس طور طریقے کے بارے میں بھی وہ پوچھ چکے تھے۔
- اس سے نبی کریم ﷺ کی شکل وصورت اور حلیہ مبارک مراد ہے۔

حضرت حسینؓ نے حضرت علیؓ سے جو کچھ پوچھا، انہوں نے پوری تفصیل سے انہیں بتا دیا، حضرت علیؓ نے اس سوال سے متعلق کوئی بات نہیں چھوڑی، اس سے اہل بیت رسول ﷺ کا نبی کریم ﷺ کے ساتھ عشق اور والہانہ محبت معلوم ہوتی ہے کہ نبی کریم ﷺ کے حلیہ مبارک کو وہ حضرات بڑی چاہت اور عقیدت کے ساتھ مخصوص انداز سے بیان کیا کرتے تھے۔(۱)

قَالَ الْحُسَیْنُ: فَسَأَلْتُ أَبِي، عَنْ دُخُولِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ: كَانَ إِذَا أَوَى إِلَى مَنْزِلِهِ جَزَّأَ دُخُولَهُ ثَلَاثَةَ أَجْزَاءٍ، جُزْءًا لِلّٰهِ، وَجُزْءًا لِأَهْلِهِ، وَجُزْءًا لِنَفْسِهِ، ثُمَّ جَزَّأَ جُزْأَهُ بَيْنَهُ وَبَيْنَ النَّاسِ، فَيَرُدُّ ذٰلِكَ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۷۱/۲، المواھب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص:۵۴۹)

بِالْخَاصَّةِ عَلَى الْعَامَّةِ، وَلَا يَدَّخِرُ عَنْهُمْ شَيْئًا۔

ترجمہ: حضرت حسین رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں تشریف لے جانے کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر میں پناہ لیتے یعنی تشریف لاتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں رہنے کے اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے، ایک حصہ: اللہ جل جلالہ (کی عبادت) کے لیے، دوسرا حصہ گھر والوں (کے حقوق کی ادائیگی) کے لیے، اور تیسرا حصہ اپنی ذات کے لیے، پھر اپنے والے (تیسرے) حصے کو اپنے اور لوگوں کے درمیان تقسیم فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس تیسرے حصے کو خاص صحابہ کے ذریعہ عام لوگوں پر لوٹاتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ سے کسی چیز کو ذخیرہ کر کے نہ رکھتے (یا صحابہ کرامؓ سے کوئی چیز مخفی اور پوشیدہ نہ رکھتے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أوى: پناہ لیتے، گھر میں تشریف لاتے، دخوله: ای زمن دخوله: گھر میں داخل ہونے کے وقت کو جزأ: (جیم پر زبر اور را پر زبر و تشدید) تقسیم فرماتے، فیرد ذلک: آپ صلی اللہ علیہ وسلم تیسرے حصے کو لوٹاتے یعنی اسے تقسیم فرماتے، لا یدخر عنهم: اس کے دو ترجمے ہیں: ا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ سے کسی چیز کو ذخیرہ نہ کرتے، جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس میسر ہوتی، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی خاطر تواضع فرماتے، ۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وعظ و نصیحت اور ہدایت سے متعلق جو بات صحابہ کرام کے لیے مفید ہوتی، وہ بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم مخفی نہ رکھتے، اسے پوشیدہ نہ رکھتے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں اپنے اوقات کو تین حصوں میں تقسیم فرماتے

حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب اپنے گھر میں تشریف لاتے تو اوقات کو تین حصوں میں تقسم فرماتے:

- وقت کا ایک حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل جلالہ کی عبادت کے لیے مختص کیا ہوا تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نماز، تلاوت، ذکر و اذکار اور دعا وغیرہ میں مشغول رہتے تھے۔
- وقت کے دوسرے حصہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر والوں کے حقوق ادا فرماتے تھے، ان کے ساتھ ہنس کر باتِ چیت کرتے، ان کی خبر گیری فرماتے اور حالات معلوم کر کے ان کی ضروریات کو پورا فرماتے، اور گھر کے کام کاج میں بھی ان کا ہاتھ بٹاتے، غرض یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر میں ایک مثالی شوہر کے طور پر اپنے اہل خانہ کے ساتھ معاملہ فرماتے، چنانچہ امت کے مرد حضرات کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گھریلو زندگی بھی ایک بہترین نمونہ ہے، جس کی روشنی میں گھر کی زندگی کو خوشگوار اور پرسکون بنایا جا سکتا ہے۔
- وقت کا تیسرا حصہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ذات کے لیے مخصوص کر رکھا تھا، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی ضروریات کو پورا

فرماتے اور آرام وراحت فرماتے، مگر وقت کے اس تیسرے حصے کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو حصوں میں تقسیم فرما رکھا تھا، ایک اپنی ذات کے لیے اور دوسرا مخصوص جلیل القدر صحابہ کرامؓ کے لیے، اس وقت میں خواص صحابہ کرامؓ تشریف لاتے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے فیض حاصل کر کے عوام تک اسے پہنچاتے، اور آپ علیہ السلام صحابہ کرامؓ سے کوئی چیز ذخیرہ نہ کرتے، یعنی کھانے کی جو چیز بھی اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دستیاب ہوتی، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کی خاطر تواضع فرماتے اور وعظ ونصیحت اور ہدایت سے متعلق بھی جو بات صحابہ کرامؓ کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم مناسب سمجھتے، ارشاد فرما دیتے، پھر خواص صحابہ کرامؓ خلفاء اربعہ وغیرہ جو بکثرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس استفادہ کے لیے حاضر ہوتے تھے، ان تعلیمات کو ان صحابہ کرامؓ تک پہنچا دیتے، جو اس مجلس میں موجود نہ ہوتے، یوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں اپنے اوقات کو تقسیم کیا ہوا تھا۔(۱)

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ انسان کو اپنے شب وروز کا ایک نظام الاوقات بنانا چاہیے، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے اوقات کو مختلف امور کے لیے تقسیم کیا ہوا تھا، نظام الاوقات کی وجہ سے تمام امور آسانی کے ساتھ اپنے اوقات پر ہو جاتے ہیں، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

۲۔ اپنے گھر والوں اور اہل خانہ کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آنا، ان کی ضروریات کو پورا کرنا اور گھر کے کام کاج میں ان کی مدد کرنا، مسنون عمل ہے۔

۳۔ وقت کا کچھ حصہ اللہ جل جلالہ کی عبادت اور راز و نیاز کے لیے مخصوص کرنا چاہیے، جس میں انسان پوری یکسوئی کے ساتھ یاد الٰہی میں مشغول رہے، چنانچہ انہی تعلیمات کی روشنی میں حضرات صحابہ کرامؓ اور اولیاء کرام کا اس طرح کا ہی معمول تھا، اللہ جل شانہ ہمیں بھی صحیح طرح اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

۴۔ ایک عالم، مفتی اور صاحب علم کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایک وقت لوگوں کے لیے ایسا ضرور رکھے، جس میں وہ اس کے پاس حاضر ہو کر دین کا استفادہ کر سکیں، فقہی مسائل اور دین سے متعلق کوئی بات معلوم کر سکیں، مذکورہ حدیث سے اس کا مسنون ہونا ثابت ہوتا ہے۔

وَكَانَ مِنْ سِيرَتِهِ فِي جُزْءِ الْأُمَّةِ إِيثَارُ أَهْلِ الْفَضْلِ بِإِذْنِهِ وَقَسْمِهِ عَلَى قَدْرِ فَضْلِهِمْ فِي الدِّينِ، فَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَةِ، وَمِنْهُمْ ذُو الْحَاجَتَيْنِ، وَمِنْهُمْ ذُو الْحَوَائِجِ، فَيَتَشَاغَلُ بِهِمْ وَيُشْغِلُهُمْ فِيمَا يُصْلِحُهُمْ وَالْأُمَّةَ مِنْ مَسْئَلَتِهِمْ عَنْهُ وَإِخْبَارِهِمْ بِالَّذِي يَنْبَغِي لَهُمْ وَيَقُولُ: لِيُبَلِّغِ الشَّاهِدُ مِنْكُمُ الْغَائِبَ۔

ترجمہ: اور امت کے جزء یعنی تیسرے حصے کے آدھے وقت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا طریقہ یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل فضل وکمال کو اپنے پاس آنے کی اجازت دینے میں ترجیح دیتے اور اس وقت کو ان کے درمیان دینی فضیلت کے بقدر

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۷۲، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۵۵۲)

تقسیم فرماتے تھے، ان میں سے بعض آنے والے ایک حاجت لے کر آتے، اور بعض دو دو حاجتیں لے کر آتے، اور بعض حضرات کئی کئی حاجتیں لے کر خدمت میں حاضر ہوتے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے، اور ان کو (بھی) ایسے امور میں مشغول فرما دیتے، جو خود ان کی اور تمام امت کی اصلاح کے لیے مفید ہوتے یعنی ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی امور سے متعلق دریافت کرنا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انہیں ایسی باتیں بتلانا، جو ان کے لیے مناسب ہوتیں اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان سے فرماتے: تم میں سے جو لوگ یہاں موجود ہیں، انہیں چاہیے کہ وہ ان باتوں کو غائبین یعنی ان لوگوں تک پہنچا دیں، جو یہاں موجود نہیں ہیں۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:** - ایثار: ترجیح دینا، **باذنہ**: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اجازت سے، **قسمہ**: اس میں "ہ" ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں: ۱۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت کو تقسیم فرماتے، اس صورت میں "قسم" مصدر فاعل کی طرف مضاف ہے، ۲۔ "ہ" ضمیر "جزء" کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس جزء کو تقسیم کرنا، اس صورت میں "قسم" کی اضافت مفعول کی طرف ہے، **علی قدر فضلھم**: ان کی فضیلت کے بقدر، **یتشاغل بھم**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ مشغول ہو جاتے یعنی ان کی حاجتیں پوری فرماتے، **یشغلھم**: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھا جا سکتا ہے: ۱۔ یہ اشغال سے ہے: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مشغول کر دیتے، ۲۔ (یا اور غین پر زبر) مجرد سے، **مایصلحھم والامۃ**: اس میں "الامۃ" کا عطف "ھم" ضمیر پر ہے، ترجمہ: جو امور ان کے اور امت کی اصلاح میں مفید ہوتے، **من مسئلتھم عنہ**: ان کا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کرنا، **واخبارھم**: اس کا عطف مسئلتھم پر ہے، ترجمہ: اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ان کو خبر دینا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل علم وفضل اور اکابر صحابہ رضی اللہ عنہم کو حاضری میں ترجیح دیتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر میں جو وقت اپنی ضروریات اور آرام وراحت کے لیے مخصوص کیا تھا، اس میں بھی آدھا وقت اہل علم اور فضیلت والے اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات میں صرف فرماتے، ان صحابہ کرام کو حاضری کی اجازت دینے میں ترجیح دیتے، ان میں خلفاء اربعہ سر فہرست تھے، یہ حضرات خدمت نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہو کر اپنی ضروریات، حاجتیں اور پیش آنے والے مسائل سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آگاہ کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی دینی مسائل کی تشنگی اور ضروریات کو پورا فرماتے، ان کے ساتھ ہی مشغول ہو جاتے اور ان صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بھی ایسے امور میں مشغول فرما دیتے، جو ان کی ذات کے لیے اور پوری امت کی اصلاح کے لیے کار آمد اور مفید ہوتے، اور وعظ ونصیحت اور تعلیمات میں سے جو چیز ان کے حال کے مناسب ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ان کے سامنے بیان فرما دیتے۔

چنانچہ مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ان کے حالات سامنے رکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف وصیتیں فرمائی ہیں، ایک صحابی رضی اللہ عنہ نے عرض

کیا: یا رسول اللہ! مجھ کو وصیت فرمادیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا: تم اللہ جل شانہ سے شرم وحیا کیا کرو، ایک اور صحابی کو وصیت فرمائی کہ: تم غصہ نہ کیا کرو، حضرت بلال رضی اللہ عنہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم خرچ کیا کرو، فقر وفاقہ سے نہ ڈرا کرو، عرش والا تمہاری مدد کرے گا، ایک اور صحابی سے فرمایا: کہ تم سارا مال اللہ کے راستے میں خرچ نہ کرو، وارثوں کے لیے بھی کچھ چھوڑو، تم وارثوں کو خوشحال چھوڑ کر وفات پاؤ، یہ تمہارے لیے بہتر ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس میں موجود اکابر صحابہ کو تاکید سے فرماتے کہ جو امور تم لوگ مجھ سے اس مجلس میں سیکھ رہے ہو، انہیں ضرور ان لوگوں تک پہنچا دینا، جو اس ملاقات میں ہمارے ساتھ موجود نہیں ہیں(۱)۔

اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- اہل علم اور فضیلت والے حضرات کو ملاقات میں ترجیح دینا جائز ہے۔
- جو شخص کسی ادارے کا ذمہ دار اور سربراہ ہو، اسے وسیع ظرفی کے ساتھ اپنے ماتحتوں کے مسائل اور ان کی مشکلات کو سننا چاہیے، اور پھر شرعی دائرے میں رہتے ہوئے ان مشکلات کے حل اور ازالے کی مخلصانہ کوشش کرنی چاہیے۔
- جو شخص اپنے استاذ سے دینی علم حاصل کر لے، اسے چاہیے کہ اب وہ اسے دوسروں تک پہنچائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تبلیغ کی بہت تاکید فرمائی ہے، اللہ تعالیٰ عمل کی توفیق عطا فرمائے آمین یارب العالمین۔

وَأَبْلِغُونِي حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا، فَإِنَّهُ مَنْ أَبْلَغَ سُلْطَانًا حَاجَةَ مَنْ لَا يَسْتَطِيعُ إِبْلَاغَهَا، ثَبَّتَ اللهُ قَدَمَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ، لَا يُذْكَرُ عِنْدَهُ إِلَّا ذٰلِكَ، وَلَا يُقْبَلُ مِنْ أَحَدٍ غَيْرِهِ، يَدْخُلُونَ رُوَّادًا وَلَا يَفْتَرِقُونَ إِلَّا عَنْ ذَوَاقٍ، وَيَخْرُجُونَ أَدِلَّةً يَعْنِي عَلَى الْخَيْرِ.

(اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے) اور جو لوگ (کسی عذر مثلاً پردہ، دوری، شرم وحیاء اور بیماری وغیرہ کی وجہ سے) مجھ تک اپنی ضرورتوں کو نہیں پہنچا سکتے، تم لوگ ان کی ضرورتیں مجھ تک پہنچا دیا کرو، کیونکہ جو شخص بادشاہ تک کسی ایسے شخص کی ضرورت پہنچائے، جو خود اسے نہیں پہنچا سکتا، تو اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس شخص کو ثابت قدم رکھیں گے، (لہذا تم لوگ اس میں ضرور کوشش کیا کرو) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ضروری اور مفید باتوں کا ہی تذکرہ ہوتا تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ضرورت وحاجت کے علاوہ کسی سے کوئی کلام قبول نہ فرماتے یعنی نہ سنتے، صحابہ کرام حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دینی امور کے طالب بن کر آتے تھے، اور کچھ نہ کچھ چکھے بغیر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جدا نہ ہوتے تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس سے ہدایت اور علم کے رہنما بن کر نکلتے تھے (پھر وہ ان علوم کو دوسروں تک پہنچاتے تھے)۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔أبلغونی: (صیغہ امر) مجھ تک پہنچایا کرو، ثبت اللہ: یہ تثبیت سے ہے: اللہ تعالیٰ ثابت قدم رکھیں گے، الا ذلک: مگر اسی چیز کا یعنی لوگوں کی ضروریات اور حاجتوں سے متعلق، لا یقبل: قبول نہ فرماتے یعنی نہ سنتے، غیرہ: ای غیر ما

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۷۴، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۵۳)

یتعلق بحاجۃ احد: اس بات کے علاوہ جو کسی انسان کی حاجت سے متعلق ہو، رواد: (را پر پیش، واو پر زبر و تشدید) رائد کی جمع ہے: طلب کرنے والے، اور رائد دراصل اس شخص کو کہتے ہیں جو قافلے سے آگے جاتا ہے، تاکہ وہ قافلہ کو پانی اور گھاس کی جگہ بتائے، یہاں حدیث میں اکابر صحابہؓ مراد ہیں، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بکثرت آتے تھے، لا یفترقون: جدا نہ ہوتے، ذواق: چکھنا، أدلة: دلیل کی جمع ہے: رہنما، رہبر، دین کے داعی۔

## ضرورت مندوں کی ضرورت کو بادشاہ یعنی ذمہ دار تک پہنچانے کی فضیلت

حدیث کی مذکورہ عبارت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے گھر کی مخصوص مجلس میں حاضر ہونے والے اکابر صحابہؓ سے بڑی تاکید سے فرمایا کہ تم لوگ مجھ تک ان لوگوں کی ضروریات پہنچایا کرو، جو مجھ تک اپنی ضرورت کو پہنچا نہیں سکتے، مثلاً وہ خواتین، غلام، بیمار یا جو مجھ سے دور ہیں، ان کے مسائل مجھ تک پہنچایا کرو، کیونکہ جو شخص بادشاہ یعنی ذمہ دار اور حاکم تک ایسے لوگوں کی ضروریات پہنچائے گا، اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کے پاؤں ثابت رکھیں گے، قیامت کی ذلت و رسوائی سے وہ محفوظ رہے گا ان شاء اللہ تعالیٰ۔

اس سے معلوم ہوا کہ ضرورت مندوں کی ضرورت کو پورا کرنا یا ذمہ دار تک ان کی بات پہنچا دینا، تاکہ ان کی وہ مشکل حل ہو جائے، بہت اجر و ثواب والا عمل ہے، ان کی یہ حاجت دینی ہو یا دنیوی، ہر صورت میں مذکورہ فضیلت انسان کو حاصل ہو سکتی ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں ضروری اور مفید باتوں کا ہی تذکرہ ہوتا تھا، لایعنی اور فضول باتوں کا وہاں تصور ہی نہیں تھا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی ضرورت سے متعلق ہی بات سنتے تھے، اس کے علاوہ اور کسی کی کوئی بات نہیں سنتے تھے۔

اس سے یہ ادب معلوم ہوتا ہے کہ ضروری اور کام کی باتوں کے علاوہ غیر ضروری اور فضول گپ شپ سے احتراز کرنا چاہیے، اس سے انسان بہت سے گناہوں سے محفوظ رہتا ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

۳۔ صحابہ کرامؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دینی امور اور علم کے طالب بن کر حاضر ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ نہ کچھ چکھ کر ہی نکلتے تھے "الا عن ذوق" کے دو مطلب ہیں:

❁ اس سے کھانے کی چیزوں کا چکھنا مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کھانے کی جو چیز دستیاب ہوتی، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرام کی مہمان نوازی فرماتے، اور صحابہ کرام اس چیز کو کھا کر جایا کرتے تھے۔

❁ اس سے روحانی طور پر چکھنا مراد ہے، معنیٰ یہ ہیں کہ صحابہ کرامؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی علوم و معارف کے زیور سے آراستہ ہوتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے دینی استفادہ کرتے، یہ مفہوم صحابہ کرامؓ کے بلند مقام کے زیادہ مناسب ہے، کیونکہ ان پر دنیا کی نہیں بلکہ آخرت کی فکر ہی غالب تھی، ان کا ہر قدم آخرت کے لیے ہی اٹھتا تھا، دنیا اور اس کی چمک دمک ان کا مقصود نہیں تھا اس مطلب کو راجح قرار دیا گیا ہے۔

ویخرجون أدلة یعنی علی الخیر: صحابہ کرامؓ نبی کریم ﷺ سے علم حاصل کر کے دوسروں کے لیے رہنما اور ہادی بن کر نکلتے، ''خیر'' سے علم مراد ہے، اور علم نافع کی یہ علامت ہے کہ اس سے عاجزی اور تواضع پیدا ہوتی ہے، صحابہ کرامؓ بھی عجز و انکساری اور تواضع کے بلند مقام پر فائز تھے، (۱) دیلمی نے ''مسند فردوس'' میں حضرت علیؓ کا یہ قول نقل کیا ہے:

مَنِ ازْدَادَ عِلْمًا وَلَمْ يَزْدَدْ فِي الدُّنْيَا زُهْدًا، لَمْ يَزْدَدْ مِنَ اللهِ إِلَّا بُعْدًا(۲)

(جو شخص علم میں بڑھ جائے مگر اسے دنیا سے بے رغبتی کا ملکہ حاصل نہ ہو، تو وہ اللہ جل شانہ سے مزید دور ہوتا چلا جاتا ہے)

اور ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا:

إِذَا لَمْ يَزِدْ عِلْمُ الْفَتَى قَلْبَهُ هُدًى وَسِيرَتَهُ عَدْلًا وَأَخْلَاقَهُ حُسْنًا
فَبَشِّرْهُ أَنَّ اللهَ أَوْلَاهُ نِقْمَةً تُغَشِّيهِ حِرْمَانًا وَ تُوْرِثُهُ حُزْنًا

ترجمہ: ۱۔ جب نوجوان کا علم اس کے دل میں ہدایت کو، اس کی سیرت میں عدل و انصاف کو اور اس کے اخلاق میں اچھائی میں اضافہ نہ کرے۔

۲۔ تو تم اسے یہ بشارت سنا دو کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے ایسی سزا تیار کر رکھی ہے، جو اس کو محرومی سے ڈھانپ لے گی اور اسے ذلت و رسوائی سے دوچار کرے گی۔(۳)

قَالَ: فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَخْرَجِهِ كَيْفَ يَصْنَعُ فِيهِ؟ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْزِنُ لِسَانَهُ إِلَّا فِيمَا يَعْنِيهِ، وَيُؤَلِّفُهُمْ وَلَا يُنَفِّرُهُمْ، وَيُكْرِمُ كَرِيمَ كُلِّ قَوْمٍ وَيُوَلِّيهِ عَلَيْهِمْ، وَيَحْذَرُ النَّاسَ وَيَحْتَرِسُ مِنْهُمْ مِنْ غَيْرِ أَنْ يَطْوِيَ عَنْ أَحَدٍ مِنْهُمْ بِشْرَهُ وَخُلُقَهُ، وَيَتَفَقَّدُ أَصْحَابَهُ، وَيَسْأَلُ النَّاسَ عَمَّا فِي النَّاسِ، وَيُحَسِّنُ الْحَسَنَ وَيُقَوِّيهِ، وَيُقَبِّحُ الْقَبِيحَ وَيُوَهِّيهِ.

ترجمہ: حضرت حسینؓ فرماتے ہیں: میں نے اپنے والد حضرت علیؓ سے نبی کریم ﷺ کے باہر تشریف لانے کے بارے میں دریافت کیا کہ آپ ﷺ باہر ہونے کی حالت میں کیا کرتے تھے؟ حضرت علیؓ نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ (غیر ضروری باتوں سے) اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے، مگر ان باتوں میں جو اہم اور مفید ہوتیں (آپ ﷺ صرف ان کو ہی ارشاد فرماتے تھے) اور آپ ﷺ (آنے والے) لوگوں کو مانوس فرماتے، ان کو ڈرا کر دور

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۷۵/۲، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۵۴)

(۲) مسند الفردوس للديلمی ۲۰۲/۳ حرف الميم، رقم الحديث: ۵۸۸۷، ط: بيروت، كنز العمال ۸۴/۱۰ كتاب العلم، قسم الاقوال، رقم الترجمة: ۲۹۰۱۲، ط: بيروت

(۳) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۵۵)

نہ کرتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر قوم کے مہربان اور معزز آدمی کا اکرام کرتے اور اس کو (اپنی طرف سے بھی) اس قوم کا سردار مقرر فرمادیتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو تنبیہ کرتے رہتے (یا عذاب الٰہی سے ڈراتے رہتے) اور خود بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں (کے شر) سے محفوظ اور محتاط رہتے تھے، اس کے باوجود ان میں سے کسی سے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی خندہ پیشانی اور خوش اخلاقی نہ لپیٹتے (یعنی خوش اخلاقی اور خندہ پیشانی سے پیش آتے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے دوستوں کی خبر گیری فرماتے، ان کے حالات کا جائزہ لیتے تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مخصوص صحابہ کرام سے ان خوبیوں اور برائیوں کے بارے میں پوچھا کرتے، جو لوگوں میں موجود ہوتیں (تاکہ برائیوں کی اصلاح کی جاسکے) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اچھی بات کی اچھائی کو بیان فرماتے، اور (دلائل سے) اس کی قوت ظاہر فرماتے، اور برائی کی قباحت اور برا ہونا بیان فرماتے، اور برائی کو کمزور کردیتے (اس سے منع کرکے)۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** عن مخرجه: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے باہر تشریف لانے کے بارے میں، یخزن: (زا پر پیش اور زیر) آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم زبان کو محفوظ رکھتے تھے، غیر ضروری باتوں سے زبان کو روکے رکھتے تھے، فیما یعنیه: ان باتوں میں جو اہم اور مفید ہوتیں، یؤلفهم: تالیف سے ہے: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آنے والے لوگوں کو مانوس فرماتے تھے، تالیف قلب فرماتے تھے، ولا ینفرهم: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان لوگوں کو ڈرا کر دور نہیں کرتے تھے، متنفر نہیں کرتے تھے، ویولیه علیهم: آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کریم شخص کو ان لوگوں پر اپنی طرف سے والی اور سردار بنادیتے تھے، ویحذر الناس: تحذیر سے ہے۔ ۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو متنبہ کرتے رہتے، محتاط رہنے کا حکم دیتے۔ ۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کو اللہ کے عذاب اور فتنوں سے ڈراتے رہتے تھے، یحترس منهم: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم لوگوں کے شر سے محفوظ اور محتاط رہتے تھے، یطوی: لپیٹتے یعنی نہ روکتے، بشره: (با کے نیچے زیر اور شین ساکن) اپنی خندہ پیشانی کو، ولا خلقه: (خا اور لام پر پیش کے ساتھ) اور نہ اپنی خوش اخلاقی کو یتفقد: خبر گیری فرماتے، ان کے حالات معلوم کرتے، ان کے احوال کا جائزہ لیتے، عما فی الناس: ان برائیوں اور خوبیوں کے بارے میں، جو لوگوں میں موجود تھیں، یحسن: تحسین سے ہے: تحسین فرماتے، اچھا ہونا بیان فرماتے، یقبح: یہ تقبیح سے ہے: قباحت بیان فرماتے ویوهیه: یہ "توهیه" سے ہے: اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس برائی کو کمزور اور ساقط فرمادیتے (یعنی لوگوں کو اس سے منع کرکے اسے کمزور فرمادیتے)۔

## گھر سے باہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لوگوں کے ساتھ برتاؤ اور معاملات

حدیث کے مذکورہ حصے میں حضرت حسین رضی اللہ عنہ نے حضرت علیؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لوگوں کے ساتھ وہ رویہ، برتاؤ، طریقہ کار اور معاملات کے بارے میں پوچھا، جو گھر سے باہر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا لوگوں کے ساتھ تھا، اس سوال کے جواب میں حضرت علیؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت سے امور کا ذکر کیا ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم غیر ضروری بات سے اپنی زبان کو محفوظ رکھتے تھے، کیونکہ بلا وجہ زیادہ بولنے اور فضول گپ شپ سے

وقت بھی ضائع ہوتا ہے، اور بسا اوقات اس میں بہت سے گناہوں کا ارتکاب بھی ہوجاتا ہے، غیبت، جھوٹ، الزام تراشی، بہتان اور بیہودہ گفتگو کی وجہ سے انسان گنہگار ہوجاتا ہے، آپ ﷺ جب بھی بولتے تو کسی ضروری، اہم اور مفید بات کا ہی ارشاد فرماتے تھے، ورنہ آپ ﷺ خاموش رہتے تھے، لہذا انسان کو چاہیے کہ وہ اللہ جل جلالہ کی عطا کردہ زبان کی اس عظیم نعمت کی قدر کرے، اس زبان کو ناجائز، بیہودہ اور فضول گفتگو میں استعمال نہ کرے، ضروری کلام، تلاوت قرآن مجید اور ذکر واذکار میں ہی اسے مشغول رکھے، اس نعمت کے شکر ادا کرنے کا یہی سب سے اہم طریقہ ہے، اللہ تعالیٰ ہمیں زبان کو صحیح طرح استعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کی خدمت اقدس میں جو حضرات آتے، آپ ﷺ ان کو اپنے سے مانوس فرماتے، بات چیت اور سمجھانے وغیرہ میں ان کے ساتھ سختی نہ فرماتے، اور انہیں کسی ایسی چیز کا حکم نہ دیتے کہ جس سے وہ متنفر ہوجائیں، ایسا کوئی رویہ آپ ﷺ اختیار نہ فرماتے کہ جس سے ان کو آپ ﷺ سے وحشت ہونے لگے، اس میں باپ، استاذ، شیخ، ذمہ دار اور حاکم کے لیے درس عبرت ہے، لہذا باپ کو ایسا کوئی برتاؤ نہیں کرنا چاہیے، جس سے اس کی اولاد اور بیوی وغیرہ کو اذیت ہو، انہیں اپنے اخلاق سے قریب کرے، استاذ کو چاہیے کہ وہ طلبہ کے ساتھ پیار ومحبت اور حسن اخلاق سے پیش آئے، تاکہ وہ اس سے آسانی سے علمی استفادہ کرسکیں، شیخ کو ایسا نرم رویہ رکھنا چاہیے کہ جس سے ان کے متعلقین اور مریدین خوب اچھی طرح بغیر کسی تکلیف کے اپنی اصلاح کراسکیں، ذمہ دار اور حاکم کو اپنے دروازے ہر ضرورت مند کے لیے کھلے رکھنے چاہئیں، تاکہ وہ لوگوں کی مشکلات سن کر ان کے حل کی کوشش کرے، آج بہت سے لوگ اپنے ماتحتوں کے ساتھ انتہائی نامناسب رویہ اختیار کرتے ہیں، اور بلا وجہ ان پر ضابطے کی سختی جاری کرتے رہتے ہیں، انصاف پسندی اور بڑی وسیع ظرفی سے اپنے ماتحت لوگوں کے ساتھ سلوک کرنا چاہیے، تاکہ وہ خوش رہیں، یوں وہ اپنے ذمہ کا کام انتہائی خوش اسلوبی سے سرانجام دیں گے۔

۳۔ کسی قبیلہ کا سردار آپ ﷺ کے پاس آتا تو آپ ﷺ اس کا اعزاز واکرام کرتے، ایک اور حدیث میں ارشاد گرامی ہے: إِذَا أَتَاكُمْ كَرِيمُ قَوْمٍ فَأَكْرِمُوهُ: جب تمہارے پاس کسی قوم کا معزز ومحترم شخص آجائے تو اس کا اکرام کیا کرو، اور پھر اس کی دلجوئی کے لیے نبی کریم ﷺ اپنی طرف سے بھی اسے اس قوم پر سردار نامزد فرمادیتے، اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص بلند حسب ونسب یا علم وعمل اور فضل وشرف والا ہو تو اس کا اکرام کرنا ایک مسنون عمل ہے۔

۴۔ نبی کریم ﷺ لوگوں کو طاعت اور نیکی کے کاموں پر ابھارا کرتے، ان کو جہنم کے عذاب اور طرح طرح کے فتنوں سے ڈرایا کرتے تھے، مضر اور نقصان دہ امور سے بچنے کی تاکید فرماتے، اور ایک دوسرے سے محتاط رہنے کی تاکید فرماتے، تاکہ ہر شخص سکون سے زندگی گذار سکے، کسی کو دوسرے سے کوئی تکلیف اور ایذاء نہ ہو، اور نبی کریم ﷺ لوگوں سے محتاط ہو کر زندگی بسر کرتے، اس سب کے باوجود آپ ﷺ سب ہی کے ساتھ ہنس مکھ اور خندہ پیشانی سے ملتے، ہر ایک کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے، کیونکہ لوگوں کے ساتھ بداخلاقی اور بے رخی کرنے سے اسلام نے منع کیا ہے، اس لیے تمام مسلمانوں کو بھی اچھے اخلاق

اور اعلیٰ صفات سے آراستہ ہونا چاہیے، حسنِ اخلاق کے سبب ایک مسلمان آخرت میں بہت بلند مقام حاصل کر سکتا ہے، اللہ جل شانہ ہمارے اخلاق کی اصلاح فرمائے۔

۵۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے دوستوں کی خبر گیری فرمایا کرتے، ان کی عدم موجودگی میں ان کے بارے میں دریافت فرماتے، چنانچہ اگر کوئی بیمار ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بیمار پرسی فرماتے، جو سفر پر ہوتا، اس کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم دعا فرما دیتے اور جو وفات پا چکا ہوتا، اس کے لیے مغفرت اور بخشش کی دعا فرماتے۔

مخصوص صحابہ کرامؓ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم معاشرے کے احوال کے بارے میں دریافت فرماتے، تاکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معلوم ہو جائے کہ لوگوں میں کیا کیا خرابیاں اور کونسی کونسی اچھی باتیں اور خوبیاں پائی جاتی ہیں، تاکہ برائیوں کی اصلاح کی جاسکے، مظلوم کی مدد اور ظالم کو اس کے ظلم سے روکا جائے، اور جو اچھی چیزیں ان میں پائی جاتی ہیں، ان کی حوصلہ افزائی کی جائے۔(۱) اس سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- ادارے اور ملک کے سربراہ کو چاہیے کہ وہ اپنے ماتحت رعایا کے حالات دریافت کرتے رہا کرے، تاکہ ان میں جو فریاد رس ہو، تو اس کی مدد و نصرت کی جاسکے۔
- اپنے ماتحت لوگوں کے دلوں کا خوش کرنا سنت ہے، یوں وہ اس ادارے کے ساتھ مزید اخلاص اور محبت کے ساتھ پیش آئیں گے، اور ادارہ اپنے مشن میں بہت زیادہ ترقی کرے گا۔
- اصلاح کی غرض سے معاشرے میں پھیلی برائیوں کو معلوم کیا جائے، اور پھر اپنی ہمت کے بقدر ان کی اصلاح کی کوشش کرتے رہنا چاہیے، کیونکہ ایک رہنما کی شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ لوگوں کو نیکی کا حکم دے اور برائیوں سے روکے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اچھی بات کی حوصلہ افزائی فرماتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی اچھی بات یا کوئی اچھا کام دیکھتے تو اس کی حوصلہ افزائی فرماتے، اس کی تحسین فرماتے تاکہ دوسرے لوگ بھی اس اچھائی کو اختیار کر لیں، اور برائی کی قباحت سے لوگوں کو آگاہ کرتے اور اسے کمزور کر دیتے یعنی لوگوں کو اس برائی سے منع کر دیتے، اور جو کوئی برائی کا ارتکاب کرتا تو اس کو زجر و توبیخ اور تنبیہ فرماتے، اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ جو اچھی اور جائز بات ہو، اسے ہی اچھا کہا جائے، اور جو شخص کوئی اچھا کام کرلے، تو اس کی حوصلہ شکنی نہیں بلکہ حوصلہ افزائی کرنی چاہیے، اس سے اس کا دل خوش ہوگا تو اس کی صلاحیتوں میں نکھار پیدا ہوگا، اور اسے نیکی کے کاموں پر مزید ہمت اور شوق پیدا ہوگا۔

۲۔ برائی کو برا ہی کہا جائے، اس کی اصلاح اور درستگی کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے، حدیث میں آتا ہے کہ جو شخص کوئی

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۷۶/۱، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۵۵۷)

برائی دیکھے تو اس پر لازم ہے کہ وہ قوت سے اس برائی سے روکے، اگر ہاتھ سے اسے نہیں روک سکتا، تو زبان سے منع کرے، یہ بھی نہیں کرسکتا یا قادر نہیں تو دل ہی دل میں اس برائی کو برا سمجھے، یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے، لہذا ہر مسلمان کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر یعنی نیکی کا حکم اور برائی سے روکنا چاہیے، اللہ کرے امت مسلمہ اس حکم پر عمل کرے، تو اس کی برکت سے پورا عالم اسلام امن وسکون کا گہوارہ بن جائے گا۔(۱)

مُعْتَدِلُ الْأَمْرِ غَيْرُ مُخْتَلِفٍ۔

ترجمہ: حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر (مباح) امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مختلف یعنی متلون مزاج نہ تھے (کہ کبھی کچھ فرمادیا اور کبھی کچھ)۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔** **معتدل الامر:** معتدل امر والے، میانہ روی اختیار فرمانے والے، **غیر مختلف:** آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم متلون مزاج نہ تھے کہ کبھی کچھ کردیا یا فرمادیا اور کبھی کچھ۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر امر میں اعتدال کا راستہ اختیار فرماتے

اسلام نے جن چیزوں کا بجالانا ضروری قرار دیا ہے ان تمام امور کو بجالانا ہر مسلمان پر لازم ہے، اور جن چیزوں سے منع کیا ہے، ان سے بچنا ضروری ہے، عبادات اور معاملات میں سے ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار کرنی چاہیے، ان میں ایسا کوئی طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے، جس سے انسان مشکل کا شکار ہوجائے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر امر میں اعتدال اور میانہ روی اختیار فرماتے تھے، صحابہ کرام کو بھی اسی چیز کا درس دیتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ تین صحابہ کرامؓ ازواج مطہرات کے پاس آئے، ان سے دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر میں کتنی عبادت کرتے ہیں؟ ان کو بتایا گیا تو اس وقت ان میں سے ایک نے یہ ارادہ کیا کہ میں ساری رات عبادت کیا کروں گا، دوسرے نے کہا کہ میں مسلسل روزے رکھوں گا، کبھی ناغہ نہیں کروں گا، تیسرے نے کہا کہ میں عورتوں سے الگ تھلگ رہوں گا، کسی عورت سے کبھی بھی شادی نہیں کروں گا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جب اس بات کا پتہ چلا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا کہ تم لوگوں نے ایسی ایسی بات کی ہے، اللہ کی قسم: میں تم سب سے زیادہ اللہ تعالیٰ سے ڈرتا ہوں، مگر میں نفلی روزہ رکھتا ہوں اور کبھی نہیں بھی رکھتا، میں رات کو اللہ جل جلالہ کی عبادت بھی کرتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، اور میں نے شادی بھی کی ہے، یہ نکاح میری سنت ہے اور جو شخص میرے اس طریقے سے اعراض کرے، تو وہ مجھ سے یعنی میرے پیروکاروں میں سے نہیں۔(۲)

اس حدیث سے اعتدال کا درس دیا جارہا ہے، اس لیے عبادات اور معاملات میں افراط وتفریط سے کنارہ کش ہوکر

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۷۷/۲

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۷۸/۲، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۵۸)۔

اعتدال اور میانہ روی کا راستہ اپنانا چاہیے، یہی نبی کریم ﷺ کا طریقہ تھا، اللہ تعالیٰ ہمیں عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

لَا يَغْفُلُ مَخَافَةَ أَنْ يَغْفُلُوا أَوْ يَمِيلُوا، لِكُلِّ حَالٍ عِنْدَهُ عَتَادٌ، لَا يُقَصِّرُ عَنِ الْحَقِّ وَلَا يُجَاوِزُهُ.

ترجمہ: آپ ﷺ (لوگوں کی اصلاح وتعلیم سے) غفلت نہ فرماتے تھے، اس خوف سے کہ کہیں وہ (دین سے) غافل نہ ہو جائیں یا (کسی امر میں حد سے بڑھ جانے کی وجہ سے) وہ اکتا نہ جائیں، (اس لیے حضور ﷺ ان کے حالات سے غفلت نہ فرماتے تھے) نبی کریم ﷺ کے پاس ہر حال کا ایک تیار کیا ہوا سامان (یعنی انتظام) تھا، آپ ﷺ امر حق میں کوتاہی نہ کرتے تھے اور نہ ہی اس سے تجاوز فرماتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** مخافة ان یغفلوا: اس خوف سے کہ صحابہ کرام دینی استفادے سے غافل نہ ہو جائیں، ویملوا: اور اکتا نہ جائیں، عتاد: (عین پر زبر) تیار کیا ہوا سامان یعنی انتظام، لا یقصر: یہ تقصیر سے ہے: آپ ﷺ کوتاہی نہ فرماتے، لا یجاوزہ: آپ ﷺ اس حق سے تجاوز نہ فرماتے۔

## نبی کریم ﷺ صحابہ کرام کی تربیت پر خاص نظر رکھتے

حدیث کے مذکورہ حصہ میں تین امور کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام ؓ کی تعلیم اور تربیت سے غافل نہ ہوتے، بلکہ اس پر آپ ﷺ کی خصوصی توجہ اور نظر تھی، اس کی وجہ سے صحابہ کرام ؓ بھی مستعد اور چست رہتے، اگر آپ ﷺ کی طرف سے اہتمام نہ ہوتا تو پھر صحابہ کرام ؓ بھی دینی معلومات حاصل کرنے اور تعلیم وتربیت میں آپ ﷺ سے استفادہ کرنے میں سست روی کا شکار ہو جاتے، اس لیے ایسا نہ ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ والد کو اپنی اولاد کی، استاذ کو اپنے شاگرد کی اور شیخ ومربی کو اپنے متعلقین کی اصلاح وتربیت سے غافل نہیں ہونا چاہیے، حکمت و پیار سے ان پر کڑی نظر رکھنی چاہیے، تاکہ یہ لوگ اپنی اصلاح میں سست نہ ہو جائیں۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کے پاس ہر حال کا ایک تیار سامان موجود تھا، مطلب یہ ہے کہ ہر امر کا حکم اور اس کی دلیل موجود تھی، ایسا نہیں تھا کہ کسی چیز کا حکم آپ ﷺ کو معلوم نہ ہو۔

۳۔ نبی کریم ﷺ امر حق میں نہ کوتاہی فرماتے اور نہ اس سے تجاوز فرماتے، اس سے آپ ﷺ کی دین میں استقامت ثابت ہوتی ہے کہ آپ ﷺ حدود سے تجاوز نہیں فرماتے تھے، لہٰذا ایک مسلمان کو دینی تعلیمات کے مطابق اس طرح زندگی گذارنی چاہیے کہ دینی امور میں نہ تو کوتاہی کی جائے اور نہ حدود سے تجاوز ہو، اعتدال کے ساتھ سنت کے مطابق زندگی گذارنے کی کوشش کرنی چاہیے۔(۱)

الَّذِينَ يَلُونَهُ مِنَ النَّاسِ خِيَارُهُمْ، أَفْضَلُهُمْ عِنْدَهُ أَعَمُّهُمْ نَصِيحَةً، وَأَعْظَمُهُمْ عِنْدَهُ مَنْزِلَةً أَحْسَنُهُمْ مُوَاسَاةً

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۷۸

وَمُؤَازَرَةً.

ترجمہ: جولوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتے (دینی استفادے کے لیے) وہ لوگوں میں سب سے بہترین لوگ تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک لوگوں میں سب سے زیادہ افضل وہ لوگ تھے، جن کی خیر خواہی اور نصیحت عام تھی، (یعنی جن کی خیر خواہی زیادہ عام تھی) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک لوگوں میں بڑے مرتبہ والا وہ تھا، جو ان میں لوگوں کی غم گساری اور ان کی مدد ونصرت کرنے میں زیادہ اچھا ہوتا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ الذین یلونہ: وہ صحابہؓ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب ہوتے، اکثر حاضر باش رہتے تاکہ دینی تعلیم حاصل کرسکیں، مواساۃ: غم گساری، غمخواری، مؤازرہ: مدد ونصرت، معاونت۔

## لوگوں کے ساتھ خیر خواہی اور ان کی غم گساری کی فضیلت

مذکورہ حدیث میں تین قسم کے لوگوں کی فضیلت کا بیان ہے:

۞ وہ صحابہؓ تمام لوگوں سے بہتر ہیں، جو دینی امور سیکھنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب رہتے تھے، شب وروز ان کا یہی مشغلہ اور اوڑھنا بچھونا تھا، اس مقصد کے لیے انہوں نے کسی بھی قربانی سے دریغ نہیں کیا، یہ امت کے بہترین افراد ہیں، ان کے واسطے سے علوم نبوت لوگوں تک پہنچے، قرآن وسنت کے معنی اور تفسیر میں انہی پر اعتماد کیا جاتا ہے، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ انسان کسی بھی علم اور فن میں اس وقت تک کمال حاصل نہیں کرسکتا، جب تک کہ مکمل یکسوئی کے ساتھ اس پر توجہ نہ دے اور استاذ کے قریب نہ ہو، یعنی پابندی کے ساتھ حاضری اور اہتمام سے اس میں مشغول ہو جائے۔

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک وہ صحابہ کرامؓ زیادہ فضیلت والے تھے جن کی خیر خواہی زیادہ عام تھی، جو لوگوں کی مدد ونصرت اور خدمت کرتے تھے، ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اَلدِّینُ النَّصِیحَۃُ، دین تو خیر خواہی کا نام ہے، کسی کے بارے میں دل میں کینہ، بغض اور حسد نہ ہو، بلکہ ہر ایک کے بارے میں اچھے خیالات اور خیر خواہی کے جذبات سے دل سرشار ہو اور کسی کے بارے میں برا نہ سوچا جائے۔

۞ جو صحابہ کرامؓ دوسروں کی مدد ونصرت اور غم گساری کرتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کا مرتبہ اور مقام زیادہ تھا، چنانچہ ہر صحابی کی ایسی تربیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کی تھی کہ وہ اپنی جان اور مال پر دوسروں کو ترجیح دیتے تھے، اس بارے میں احادیث میں بہت سے واقعات منقول ہیں، حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک انصاری صحابیؓ یعنی حضرت ابوطلحہؓ کے پاس ایک مہمان آیا، ان کے پاس گھر میں صرف اپنے لیے اور اپنے بچوں کے لیے بقدر ضرورت کھانا تھا، انہوں نے اپنی بیوی سے فرمایا: تم بچوں کو سلادو اور چراغ بجھادو اور جو کھانا تمہارے پاس ہے، اسے مہمان کے سامنے پیش کردو، چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کردیا، اس پر اللہ جل جلالہ نے یہ آیت نازل فرمائی: وَیُؤْثِرُوْنَ عَلٰٓی اَنْفُسِہِمْ وَلَوْ کَانَ بِہِمْ خَصَاصَۃٌ (اور وہ ان کو اپنے آپ پر ترجیح دیتے ہیں چاہے

ان پر تنگ دستی کی حالت ہی گذر رہی ہو)(۱)

قَالَ: فَسَأَلْتُهُ عَنْ مَجْلِسِهِ، فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَقُومُ وَلَا يَجْلِسُ إِلَّا عَلَى ذِكْرٍ، وَإِذَا انْتَهَى إِلَى قَوْمٍ جَلَسَ حَيْثُ يَنْتَهِي بِهِ الْمَجْلِسُ وَيَأْمُرُ بِذَلِكَ، يُعْطِي كُلَّ جُلَسَائِهِ بِنَصِيبِهِ، لَا يَحْسَبُ جَلِيسُهُ أَنَّ أَحَدًا أَكْرَمُ عَلَيْهِ مِنْهُ۔

حضرت حسین ؓ کہتے ہیں کہ میں نے حضرت علی ؓ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے حالات دریافت کیے تو حضرت علی ؓ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ جل جلالہ کے ذکر پر ہی مجلس سے اٹھتے اور بیٹھتے (یعنی اٹھتے بیٹھتے اللہ کا ذکر فرماتے تھے) اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی قوم کی مجلس میں پہنچتے تو اس جگہ پر ہی بیٹھ جاتے، جہاں تک مجلس پہنچی ہوتی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو بھی اسی بات کا حکم دیتے تھے (کہ مجلس میں جہاں جگہ مل جائے، وہیں پر بیٹھ جایا کریں) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ہم نشینوں میں سے ہر ایک کو اس کا حصہ دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھنے والا کوئی بھی شخص یہ نہیں سمجھتا تھا کہ اس کے مقابلے میں اور کوئی شخص حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک زیادہ معزز اور اکرام والا ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** حيث ينتهي به المجلس: "ہ" ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے: جس جگہ تک مجلس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پہنچتے۔ جلساء: جلیس کی جمع ہے: ہم نشین، ساتھ بیٹھنے والا۔ اکرم علیه منه: علیہ میں "ہ" ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اور "منہ" کی ضمیر "جلیس" کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ یوں ہوگا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک اس ہم نشین سے زیادہ معزز و مکرم۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل مجلس میں سے ہر شخص پر پوری توجہ فرمایا کرتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کیسی ہوتی، اس کی کیفیت کیا ہوتی، اس بارے میں مذکورہ حدیث میں تین امور کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے اٹھتے اور بیٹھتے وقت غرض ہر حال میں اللہ جل جلالہ کے ذکر میں مشغول رہتے، کوئی وقت ذکر اللہ اور یاد الٰہی سے غافل نہ تھا، قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَذِكْرُ اللّٰهِ أَكْبَرُ (اور اللہ جل جلالہ کا ذکر بہت بڑی چیز ہے) اور نیک لوگوں کی صفات میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلَّذِيْنَ يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ قِيَامًا وَّقُعُوْدًا وَّعَلٰى جُنُوْبِهِمْ (جو لوگ اللہ کو کھڑے، بیٹھے اور اپنے پہلوؤں یعنی ہر حال میں یاد کرتے ہیں)، اور ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَا يَزَالُ لِسَانُكَ رَطْبًا مِنْ ذِكْرِ اللّٰهِ (تمہاری زبان ہر وقت اللہ کے ذکر سے تر رہنی چاہیے)، اس سے معلوم ہوا کہ مسلمان کو ہر وقت اس بات کا اہتمام کرنا چاہیے کہ وہ اپنی زبان کو اللہ کی یاد میں مشغول رکھے، گناہ کی بات اور غیر ضروری گفتگو سے پرہیز کرے، اور چلتے، پھرتے، اٹھتے، بیٹھتے

(۱) فتح الباری ۱۵۰/۷، کتاب مناقب الانصار، باب قول اللہ عزوجل: ویؤثرون علی انفسهم، رقم الحدیث: ۳۷۹۸۔

ذکر اللہ میں مصروف رہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں یہ کیفیت عطا فرمائے کہ ہمارا کوئی وقت بھی اللہ کی یاد سے غافل نہ ہو۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب مجلس میں تشریف لاتے تو گردنیں پھلانگ کر آگے نہ جاتے، بلکہ مجلس میں جہاں جگہ خالی ہوتی، وہاں بیٹھ جاتے، اور صحابہ کرامؓ کو بھی اسی بات کا حکم دیتے کہ مجلس میں خالی جگہ پر ہی بیٹھ جایا کریں، کیونکہ دوسروں کو تکلیف پہنچا کر آگے جانا جائز نہیں ہے، اور پھر وہ جگہ جہاں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف رکھ لیتے، وہی جگہ صدر مجلس بن جاتی، سارے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہی متوجہ ہوجاتے، اس سے مجلس کا یہ ادب معلوم ہوا کہ جب انسان کسی مجلس اور اجتماع گاہ میں جائے تو جہاں جگہ خالی ہو کہ اس تک پہنچنے میں کسی کو تکلیف نہ پہنچتی ہو تو وہاں جا کر بیٹھ جائے، لوگوں کی گردنیں پھلانگ کر آگے جانا جائز نہیں ہے۔

۳۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک کی سب سے اہم خصوصیت یہ تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم حاضرین مجلس میں سے ہر ایک کی طرف پوری توجہ فرماتے، اس سے خندہ پیشانی اور بشاشت سے گفتگو فرماتے، اس کے حال کے مطابق ایسی تعلیمات اور ارشادات فرماتے کہ ہر شخص یہ سمجھتا تھا کہ میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سب سے زیادہ معزز ومکرم ہوں، ہر صحابی کے ساتھ اس کے استحقاق کے مطابق معاملہ فرماتے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق اور حسنِ معاشرت کا بہت بڑا کرشمہ تھا کہ مجلس میں موجود ہر شخص یہ محسوس کرتا تھا کہ میں ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں زیادہ مقرب اور محبوب ہوں، صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ایک کامیاب حاکم ورہنما، باکمال استاذ، شیخ کامل، شفیق والد، اور ادارے کے ہر دل عزیز سربراہ کی علامت یہ ہے کہ وہ ہر ایک کی طرف کامل توجہ دے، اس کی حیثیت کے مطابق اس کے ساتھ حسن سلوک سے پیش آئے، یہی ایمان کامل کی علامت ہے، مگر افسوس ہے کہ بعض سرکاری اداروں میں ذاتی رابطوں اور رشوت کا راج ہے، جب کہ بعض دینی اداروں میں ایک مہتمم کا رویہ اپنے بعض مدرسین کے ساتھ انتہائی نامناسب بلکہ متکبرانہ ہوتا ہے، جو شخص اس سربراہ کی خوشامد کرتا پھرے، اس کی ہر جائز اور ناجائز بات کو مانتا رہے، کوئی روک ٹوک نہ کرتا ہو تو اس کی اہمیت ہوتی ہے، اور جو مدرس اپنے وقار اور خود اعتمادی سے استغناء کے ساتھ اپنے مفوضہ امور سرانجام دے رہا ہو، اس کی کوئی وقعت اور اہمیت نہیں ہوتی، یہ رویہ درست نہیں ہے، یہ حدیث ہمیں بتلا رہی ہے کہ ہر ماتحت کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، اس کا دل اس طرح خوش کیا جائے کہ وہ یہ محسوس کرنے لگے کہ اس ذمہ داری کی نظر میں میرا بہت مقام اور اہمیت ہے، اللہ تعالیٰ ہم سب کی اصلاح فرمائے۔

مَنْ جَالَسَهُ أَوْ فَاوَضَهُ فِي حَاجَةٍ صَابَرَهُ حَتَّى يَكُونَ هُوَ الْمُنْصَرِفُ عَنْهُ، وَمَنْ سَأَلَهُ حَاجَةً لَمْ يَرُدَّهُ إِلاَّ بِهَا أَوْ بِمَيْسُورٍ مِنَ الْقَوْلِ، قَدْ وَسِعَ النَّاسَ بَسْطُهُ وَخُلُقُهُ، فَصَارَ لَهُمْ أَبًا وَصَارُوا عِنْدَهُ فِي الْحَقِّ سَوَاءً۔

جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھتا یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کسی ضرورت اور مسئلہ کے بارے میں بات چیت کرتا تو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ صبر سے بیٹھے رہتے، یہاں تک کہ وہ خود ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پھرنے (یعنی اٹھنے) کی ابتدا کرتا، اور جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے کوئی حاجت یعنی کوئی چیز مانگتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کو حاجت پوری کیے بغیر واپس

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۷۹، المواھب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۵۶۰)

نہ لوٹاتے یا کوئی آسان اور اچھی بات فرما کر لوٹاتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خندہ پیشانی، بشاشت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خوش اخلاقی سب لوگوں کے لیے عام تھی، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (شفقت ورحمت میں) سب لوگوں کے باپ تھے، اور تمام لوگ حقوق میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک برابر تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** من جالسه: جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھتا، فاوضه: وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو اور بات چیت کرتا، صابره: آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ صبر سے بیٹھے رہتے، رکے رہتے، هو المنصرف عنه: "عنہ" کی "ہ" ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے: وہ شخص خود ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پھرنے یعنی اٹھنے میں ابتدا کرتا، بها: اس حاجت کے ساتھ، میسور من القول: اچھی بات سے، آسان اور نرم گفتگو، بسطه: اس کے دو ترجمے ہیں: ا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خندہ پیشانی اور بشاشت۔ ۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جود وکرم، وسع الناس: لوگوں پر وسیع اور عام تھی، خلقه: (خاء اور لام پر پیش) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اچھے اخلاق۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ملاقات کرنے والے سے اٹھنے میں پہل نہ کرتے

مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت سے متعلق چار امور کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ملاقات کے لیے حاضر ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھ جاتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ بیٹھے رہتے، اٹھنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پہل نہ کرتے بلکہ وہ شخص خود ہی اٹھنے میں ابتداء کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ جب کسی سے کوئی شخص ملنے کے لیے آئے تو ملاقات کے لیے ٹائم دینا چاہیے، اس سے نہ ملنا یا نہایت مختصر وقت دینا کہ جس سے وہ اپنی گفتگو بھی مکمل نہ کر سکے، درست نہیں ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جب کوئی اپنی ضرورت لے کر آتا کہ یا رسول اللہ میری فلاں حاجت پوری فرما دیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس ضرورت کو پورا کرنے کا سامان دستیاب ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت فوراً اسے وہ چیز مہیا کر دیتے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس اس وقت گنجائش نہ ہوتی تو اس سے وعدہ فرما دیتے کہ کسی اور وقت آ جانا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت صدیق اکبرؓ نے یہ اعلان فرمایا تھا: مَنْ كَانَ لَهُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم عِدَةٌ فَلْيَأْتِنَا (جس شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی چیز دینے کا وعدہ کیا تھا تو وہ ہمارے پاس آ کر وصول کر لے) کچھ صحابہ کرام حاضر ہوئے، انہوں نے وعدے کے مطابق وہ چیزیں حضرت صدیق اکبر سے وصول کر لیں۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر کسی سے خندہ پیشانی اور شگفتگی سے پیش آتے، خواہ وہ کافر اور منافق ہوتا، تب بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان سے حسن اخلاق سے ملتے، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بلند مقام اور اولوالعزم ہونے کی واضح دلیل ہے، حسن اخلاق ایک ایسا عمل ہے جس کے احادیث میں بہت سے فضائل منقول ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو بھی اس صفت سے آراستہ ہونے کی ترغیب دی ہے، ایک

حدیث میں ارشاد ہے کہ قیامت کے دن اعمال نامے میں سب سے وزنی چیز حسن اخلاق ہوں گے، اللہ تعالیٰ ہمیں حسن اخلاق کے زیور سے مزین فرمائے، آمین یارب العالمین۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم امت کے حق میں اس قدر شفیق، مہربان اور رحیم تھے جیسے ایک باپ اپنی اولاد کے لیے ہوتا ہے، بلکہ باپ سے بھی بڑھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم امت کے لیے شفیق ہیں، کیونکہ باپ عموماً صرف ظاہر کی اصلاح کرتا ہے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ظاہر اور باطن دونوں کی اصلاح فرماتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں تمام لوگ حقوق کے اعتبار سے مساوی تھے، جو شخص جس مقام اور درجے کے لائق ہوتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ اسی انداز سے معاملہ فرماتے، کسی پر ظلم اور بے رخی کا کوئی تصور بھی نہ تھا، مجلس میں شریک ہر شخص کو اس کا حق عنایت فرماتے تھے، صلی اللہ علیہ وسلم۔(۱)

مَجْلِسُهُ مَجْلِسُ عِلْمٍ وَحِلْمٍ وَحَيَاءٍ وَأَمَانَةٍ وَصَبْرٍ، لاَ تُرْفَعُ فِيهِ الأَصْوَاتُ وَلاَ تُؤْبَنُ فِيهِ الْحُرَمُ، وَلاَ تُثْنَى فَلَتَاتُهُ، مُتَعَادِلِينَ، بَلْ كَانُوا يَتَفَاضَلُونَ فِيهِ بِالتَّقْوَى، مُتَوَاضِعِينَ يُوَقِّرُونَ فِيهِ الْكَبِيرَ، وَيَرْحَمُونَ فِيهِ الصَّغِيرَ، وَيُؤْثِرُونَ ذَا الْحَاجَةِ، وَيَحْفَظُونَ الْغَرِيبَ.

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس: علم وحیاء اور صبر وامانت کی مجلس تھی، اس مجلس میں نہ آوازیں بلند کی جاتیں، اور نہ اس میں لوگوں کی عزتوں پر عیب لگایا جاتا (یعنی نہ کسی کی آبروریزی کی جاتی) اور نہ ہی اس مجلس کی لغزشوں کو پھیلایا جاتا اور شہرت دی جاتی، سب لوگ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں) آپس میں ایک دوسرے کے برابر اور موافق ہوتے تھے، (کوئی کسی پر تکبر نہیں کرتا تھا) بلکہ وہ لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں تقویٰ اور پرہیز گاری کے ذریعہ ایک دوسرے پر فضیلت اور برتری رکھتے تھے، وہ لوگ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں) ایک دوسرے سے تواضع اور عاجزی سے پیش آتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں وہ لوگ بڑوں کی تعظیم اور چھوٹوں پر رحم کرتے تھے، اور وہ حضرات حاجت مند کو (نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کرنے میں) ترجیح دیتے تھے، اور مسافر کی حفاظت یعنی خبر گیری کرتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ لاترفع فیه: (صیغہ مجہول) اس مجلس میں بلند نہ کی جاتیں، الاصوات: صوت کی جمع ہے: آوازیں، لاتؤبن: ''أبن'' سے صیغہ مجہول، (تاء پر پیش، ہمزہ ساکن اور با پر زبر)، عیب نہ لگایا جاتا، فیه: مجلس میں، حرم: (حا پر پیش اور را پر زبر) حرمة کی جمع ہے: عزتیں، لاتنثی: (تا پر پیش، نون ساکن اور ثا پر زبر اور تثنیہ سے بھی ہوسکتا ہے) صیغہ مجہول: شہرت نہ دی جاتی، پھیلایا نہ جاتا، انہیں عام نہ کیا جاتا، فلتاته: (فا اور لام پر زبر) فلتة کی جمع ہے: اس مجلس کی لغزشیں، متعادلین: یہاں کانوا کا لفظ محذوف ہے، اصل عبارت یوں ہوگی کانوا متعادلین: وہ سب حضرات مجلس نبوی میں آپس میں ایک دوسرے کے موافق اور برابر تھے، یتفاضلون فیه: اس مجلس میں ایک دوسرے سے فضیلت اور برتری رکھتے، متواضعین: یہ لفظ یا تو یتفاضلون کی ضمیر

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۸۰، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۶۱)

سے حال ہے یا کانوا محذوف کی خبر ہے: وہ لوگ ہر ایک سے تواضع اور انکساری سے پیش آتے تھے، **یوقرون**: وہ ادب واحترام اور تعظیم کرتے تھے، **یؤثرون**: وہ لوگ ترجیح دیتے تھے، **ذاالحاجة**: حاجت مند، ضرورت مند، **یحفظون**: وہ لوگ حفاظت یعنی خبر گیری کرتے، **الغریب**: اس کے دو ترجمے ہیں: ۱۔ مسافر، پردیسی، ۲: مشکل اور پیچیدہ مسئلہ۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کی دس خصوصیات

حدیث کی اس عبارت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کی دس خصوصیات بیان کی گئی ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں علم وحلم، بردباری، حیا اور ادب واحترام کا ماحول ہوتا، ہر شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے علوم نبوت سے مستفید ہوتا، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا: **وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ** (اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن اور حکمت سکھاتا ہے) اور صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں نہایت ادب سے بیٹھا کرتے، اس سے معلوم ہوا کہ جس مجلس میں علم سیکھا جا رہا ہو، وہاں خاص طور پر ادب واحترام کو ملحوظ رکھنا چاہیے۔

۲۔ وہ صبر اور امانت والی مجلس ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کے سخت رویے اور ان کی بد اخلاقی پر صبر کرتے، ان کو امانت و دیانت اور دنیا سے بے رغبتی کا درس دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پرنور نشست سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے دل نرم پڑ جاتے، اس سے دینی رہنما کو یہ پیغام ملتا ہے کہ وہ لوگوں کو آزمائش پر صبر اور امانت ودیانت کا درس دیا کرے، اس سے دنیا سے بے رغبتی اور آخرت کی فکر میں اضافہ ہوتا ہے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں شور وشغب اور آوازیں بلند نہ کی جاتیں، اللہ جل جلالہ نے فرمایا: **لَا تَرْفَعُوا أَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ**، نبی کے سامنے اپنی آوازیں بلند نہ کیا کرو، اس حکم کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بہت زیادہ احتیاط شروع کر دی چنانچہ مجلس میں ہر شخص ضرورت کے وقت صرف اسی قدر آواز بلند کرتا، جس قدر ضرورت ہوتی، جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت اور تکلیف نہ ہوتی، یہ حکم عام حالات کے اعتبار سے تھا، مگر مخصوص حالات کے پیش نظر بعض اوقات صحابہ کرام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آواز بلند بھی کیا کرتے، جیسے کسی سرکش کے ساتھ بحث، مباحثہ یا کسی دشمن پر دہشت طاری کرنے کے لیے آواز بلند کرنا، غزوہ حنین میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو بلند آواز سے بلائیں، حضرت عباس رضی اللہ عنہ کی آواز بہت زیادہ بلند تھی، اس سے یہ حکم ثابت ہوتا ہے کہ علم ودانش کی درسگاہ اور اصلاح وتزکیہ کی محفل میں بلند آواز سے اجتناب کرنا چاہیے، اس میں ادب کا ماحول ہونا چاہیے، بے ادبی سے انسان ہر قسم کی خیر سے محروم ہو جاتا ہے۔

۴۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں کسی انسان کی عزت وآبرو پر عیب نہیں لگایا جاتا تھا، ہر انسان کو اس کی حیثیت کے مطابق قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا، غیبت، الزام تراشی اور طعن وتشنیع کا وہاں کوئی تصور نہیں تھا، ہر طرح کی برائی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس محفوظ تھی، آج اگر ہم اپنی مجالس پر نظر ڈالیں تو بعض دفعہ ہم حدود سے تجاوز کر جاتے ہیں، دوسروں کی عیب جوئی، طعن وتشنیع اور الزام تراشی

عموماً ہر مجلس میں یہ چیزیں پائی جاتی ہیں اور غیبت سے تو شاید ہی کوئی مجلس خالی ہو، لہٰذا ہمیں بھی اپنی مجالس کو ان اوصاف سے آراستہ کرنا چاہیے، جن صفات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس مزین و منور ہوا کرتی تھیں۔

۵۔ اس مجلس میں اول تو کسی سے کوئی لغزش ہوتی ہی نہیں تھی، اور اگر بالفرض کسی سے کوئی فروگذاشت، غلطی اور لغزش ہو جاتی تو اسے پیار و محبت سے سمجھا دیا جاتا، جس سے وہ اپنی غلطی کی اصلاح کر لیتا، پھر اس مجلس کے علاوہ کسی کے سامنے کوئی شخص اس لغزش کا تذکرہ نہ کرتا، کیونکہ مجلس کی بات اور ہر عمل ایک امانت ہوتا ہے، اس کو ہر جگہ بتانے اور پھیلانے سے منع کیا گیا ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی تو اسے پھیلایا نہیں جاتا تھا، اس سے مجلس سے متعلق ایک بہت اہم یہ ادب معلوم ہوا کہ جب کسی مجلس میں حاضرین میں سے کسی سے متعلق کوئی خاص بات وغیرہ کی جائے تو اسے راز میں ہی رکھا جائے، اسے مجلس کے علاوہ کسی سے ذکر نہ کیا جائے، کیونکہ اس بات کو پھیلانے سے بعض دفعہ بہت سے مسائل اور فتنے پیدا ہو جاتے ہیں، اللہ جل شانہ ہماری اصلاح فرمائے۔

۶۔ اس مجلس میں تمام لوگ برابر ہوتے، کوئی شخص اپنے آپ کو بڑا نہ سمجھتا، اور نہ ہی کسی کو کمتر اور حقیر سمجھتا، حسب و نسب کا وہ لوگ اعتبار تو کرتے، مگر اس کی وجہ سے کوئی شخص دوسرے پر فخر نہ کرتا، صرف تعارف کی حد تک حسب و نسب اور خاندان کا تذکرہ کیا جاتا، اس سے معلوم ہوا کہ حسب و نسب اور خاندان کی وجہ سے ایک دوسرے پر فخر کرنا درست نہیں ہے۔

۷۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں حسب و نسب کی وجہ سے نہیں، بلکہ تقویٰ کی وجہ سے فضیلت اور برتری حاصل ہوتی، جو شخص جس قدر اللہ سے خوف اور تقویٰ کے بلند مقام پر ہوتا، اسی لحاظ سے اسے شرف و فضیلت حاصل ہوتی، ہر صحابی عاجز اور متواضع تھا، یہ عاجزی اور تواضع ہی انسان کی بلندی کا زینہ ہوتا ہے۔

۸۔ اس مجلس میں وہ لوگ بڑے کا ادب و احترام کرتے، خواہ وہ عمر کے لحاظ سے بڑا ہو یا مقام و مرتبہ کے اعتبار سے فضیلت والا ہو، اور بچوں پر رحم کرتے، ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو شخص ہمارے چھوٹوں پر رحم نہیں کرتا اور ہمارے بڑوں کا احترام نہیں کرتا وہ ہم میں سے نہیں، یعنی وہ ہمارے طریقے پر نہیں چل رہا، اس لیے اسلام نے بڑی تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے کہ ایک مسلمان کو بڑوں کا ادب اور چھوٹوں پر رحم کرنا چاہیے۔

۹۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس مبارک میں جب کوئی ضرورت مند آتا تو صحابہ کرامؓ اپنے مقابلے میں اسے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قریب کرنے میں ترجیح دیتے تاکہ وہ جلد ہی اپنی بات اور ضرورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کر سکے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی حاجت کو پورا فرما دیں، اس سے معلوم ہوا کہ مجلس میں جب کوئی ضرورت مند آ جائے تو اسے متعلقہ ذمہ دار سے فوراً ملاقات کرا دینی چاہیے تاکہ وہ اس کی امداد کر سکے، یوں اس آدمی کی پریشانی دور ہو جائے گی۔

۱۰۔ ویحفظون الغریب اس کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

❁ اس مجلس میں جب کوئی پردیسی اور مسافر آ جاتا تو حاضرین مجلس اس کے حقوق کا لحاظ کرتے، اس کا اکرام اور رہنمائی

کرتے، اس کی رہائش اور کھانے پینے وغیرہ کا بندوبست کرتے، اس کو خوش کرتے، یہ سب کچھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت اور معیت کا اثر تھا، اس میں مہمان کا اکرام اور خدمت کا ثبوت ہے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بے شمار احادیث میں مہمان کے اکرام کی ترغیب دی ہے۔

❁ دوسرا قول یہ ہے کہ "غریب" سے مشکل اور پیچیدہ مسائل مراد ہیں، مطلب یہ ہے کہ اس مجلس میں جب کوئی مشکل اور پیچیدہ مسئلہ بیان ہوتا تو صحابہ کرام اس مسئلہ کو محفوظ کر لیتے، تا کہ وہ ضائع نہ ہو اور پھر وہ ان کو دوسروں تک پہنچاتے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَوْ أُهْدِيَ إِلَيَّ كُرَاعٌ لَقَبِلْتُ، وَلَوْ دُعِيتُ عَلَيْهِ لَأَجَبْتُ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اگر مجھے ہدیہ میں بکری کے پائے دیئے جائیں تو میں ان کو (بھی) قبول کروں گا اور اگر بکری کے پائے سے میری دعوت کی جائے تو میں اس کو (بھی) قبول کر لوں گا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أهدي الي: (صیغہ مجہول) مجھے ہدیہ میں دیئے جائیں، كراع: (کاف پر پیش اور را پر زبر): گائے اور بکری کے کم گوشت پنڈلی کا پتلا حصہ، بکری، گائے کے پائے، دعيت عليه يعني اليه: (متکلم مجہول) پائے سے میری دعوت کی جائے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم معمولی کھانے اور غلام کی دعوت بھی قبول فرما لیتے

اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور انکساری ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بکری کے پائے کا ہدیہ اور دعوت دونوں قبول فرما لیتے، کوئی غلام اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دعوت بھی قبول فرما لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں اصل مقصود دعوت دینے والے اور ہدیہ کرنے والے کی دلجوئی اور اسے خوش کرنا ہوتا تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی پرواہ نہ فرماتے کہ کھانا کس قسم کا ہوگا اور دعوت دینے والا مسلمان آزاد آدمی ہے یا غلام، بس جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت دیتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے دل کو خوش کرنے کے لیے اس کی دعوت کو قبول فرما لیتے، اس حدیث سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

❁ کھانے کی دعوت قبول کرنے میں صرف سنت پر عمل کرنا اور دعوت دینے والے کے دل کو خوش کرنا مقصود ہونا چاہیے، کھانا جس قسم کا بھی ہو، اس کی طرف توجہ نہ کی جائے۔

❁ اگر کوئی غریب آدمی اپنی کسی تقریب میں شرکت کی دعوت دے، تو اسے بھی خوش دلی سے قبول کر لینا چاہیے، اس سے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۸۱/۲، ۱۸۲، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۲۳)

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث:۱۳۳۸۔

اس شخص کا دل خوش ہوگا، جو بلاشبہ بہت بڑی نیکی ہے۔(۱)

عَنْ جَابِرٍ قَالَ: جَاءَنِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِرَاكِبِ بَغْلٍ وَلَا بِرْذَوْنٍ.

ترجمہ: حضرت جابر بن عبداللہؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ میرے پاس (میری عیادت کے لیے) تشریف لائے، آپ ﷺ نہ تو خچر پر سوار تھے اور نہ کسی غیر عربی گھوڑے پر (بلکہ پیدل ہی تشریف لائے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ راکب بغل: خچر پر سوار، برذون: (با کے نیچے زیر، را ساکن اور ذال پر زبر) غیر عربی گھوڑا، طبی وغیرہ کہتے ہیں کہ اس سے ترکی گھوڑا مراد ہے۔

## نبی کریم ﷺ حضرت جابر کی بیمار پرسی کے لیے پیدل تشریف لے گئے

ایک مرتبہ حضرت جابرؓ سخت بیمار ہوگئے تو نبی کریم ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ پیدل چل کر حضرت جابرؓ کی بیمار پرسی کے لیے ان کے گھر تشریف لائے، آپ ﷺ کسی خچر اور غیر عربی گھوڑے پر سوار ہو کر نہ آئے، یعنی آپ ﷺ نہ تو گھٹیا سواری پر سوار تھے اور نہ عمدہ سواری پر، جس طرح کہ دنیا کے حکمرانوں کا دستور ہوتا ہے، بلکہ پیدل چل کر آپ ﷺ عیادت کے لیے تشریف لائے۔

صحیح بخاری میں اس واقعہ کی مزید تفصیل ہے، وہ یہ کہ حضرت جابرؓ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ سخت بیمار ہوا، حضور اقدس ﷺ اور حضرت صدیق اکبرؓ دونوں حضرات پیدل چل کر میری بیمار پرسی کے لیے تشریف لائے، اس وقت میں بے ہوش پڑا تھا، حضور اقدس ﷺ نے وضو فرمایا اور پھر وضو کا پانی میرے اوپر چھڑکا، جس سے مجھے بے ہوشی سے افاقہ ہوگیا، تو میں نے دیکھا کہ میرے پاس نبی کریم ﷺ تشریف فرما ہیں، پھر میں نے آپ ﷺ سے اپنے مال کے بارے میں پوچھا، مگر آپ ﷺ نے جواب نہ دیا، خاموش رہے، اتنے میں میراث کی آیت اللہ جل جلالہ نے نازل فرمادی۔(۲)

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم ﷺ پیدل چل کر عیادت کے لیے تشریف لائے، اس سے آپ ﷺ کی عاجزی اور تواضع ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اگر آپ ﷺ چاہتے تو کسی سواری کا بندوبست ہو جاتا، مگر آپ ﷺ نے ایسا نہ فرمایا، پیدل تشریف لے گئے، تاکہ امت کو اپنے عمل سے بتادیں کہ ایسا بھی کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ جب کوئی چھوٹا آدمی بیمار ہو جائے تو بڑے آدمی کو اس کی عیادت کے لیے جانا چاہیے، اس سے معاشرے پر بہت اچھا اثر پڑتا ہے، یہ ایک مسنون عمل ہے، اور احادیث میں بیمار پرسی کے بہت زیادہ فضائل منقول ہیں اس لحاظ سے بھی اس سنت پر اہتمام

---

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۵۶۴)

(۲) فتح الباري ۱۴۰/۱۰، كتاب المرضى، باب عيادة المغمى عليه، رقم الحديث: ۵۶۵۱۔

سے عمل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یارب العالمین۔(۱)

عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ: سَمَّانِي رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوسُفَ وَأَقْعَدَنِي فِي حِجْرِهِ وَمَسَحَ عَلَى رَأْسِي.

ترجمہ: یوسف بن عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام یوسف رکھا، اور مجھے اپنی گود میں بٹھایا اور میرے سر پر دست مبارک پھیرا تھا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ سمانی: میرا نام رکھا، أقعدنی: مجھے بٹھایا، حجرہ: (حا پر زبر اور زیر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی گود، اور لفظ "حجر" کے بہت سے معانی ہیں، جیسا کہ اس شعر میں ہے:

رَكِبْتُ حَجَرًا وَطُفْتُ الْبَيْتَ خَلْفَ الْحِجْرِ وَحُزْتُ حَجَرًا عَظِيمًا مَا دَخَلْتُ الْحَجَرَ
لِلّٰهِ حَجْرٌ مَنَعَنِي مِنْ دُخُولِ الْحِجْرِ مَا قُلْتُ حَجَرًا وَلَوْ أُعْطِيتُ مِلْءَ الْحَجَرِ

ان اشعار میں آٹھ مرتبہ لفظ "حجر" استعمال ہوا ہے، بالترتیب اس کے معانی یہ ہیں:

۱۔گھوڑی۔ ۲۔حطیم۔ ۳۔سونا، چاندی ۴۔حرام کام۔ ۵۔تصرف سے روکنا اور منع کرنا۔ ۶۔حجر ثمود۔ ۷۔سونا، چاندی۔ ۸۔گود، یہاں حدیث میں گود کے معنی مراد ہیں۔

اشعار کا ترجمہ: ۱۔ میں گھوڑی پر سوار ہوا اور حطیم کے پیچھے سے طواف کیا، اور میں نے سونے چاندی یعنی مال ودولت کو بہت جمع کیا مگر میں نے حرام کام کا ارتکاب نہیں کیا۔

۲۔ اللہ جل جلالہ ہی کی طرف سے منع کا حکم ہے، اس نے مجھے حجر ثمود یعنی قوم ثمود کی بستیوں میں جانے سے منع کیا ہے، میں نے سونے چاندی کا نہیں کہا اگرچہ مجھے گود بھرنے کے بقدر عطا کیا جائے۔(۲)

## حضرت یوسف بن عبداللہ: ایک صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم

حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کے بیٹے حضرت یوسف بن عبداللہ اس حدیث کے راوی ہیں، وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا نام یوسف رکھا تھا، اسی وجہ سے امام بخاریؒ اور دوسرے حضرات فرماتے ہیں کہ یہ بھی صغار صحابہ میں شامل ہیں، البتہ ابوحاتم کا کہنا یہ ہے کہ یہ تابعی ہیں، مگر صحابی نہیں ہیں۔(۳)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۸۳/۲
(۲) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۵۶۷)
(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل، مع شرح المناوی ۱۸۴/۲

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بچہ کا نام رکھتے اور اس کے سر پر دست مبارک بھی پھیرا کرتے

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

❁ حضرت عبداللہ بن سلام رضی اللہ عنہ کا جب بیٹا ہوا تو وہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لے آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نام رکھنے کی درخواست کی، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام یوسف رکھا، اسے اپنی گود میں بٹھایا اور اس کے سر پر ہاتھ مبارک پھیرا، اس سے معلوم ہوا کہ بچے کا نام کسی نیک آدمی سے رکھوایا جائے، نیز بچے کو گود میں بٹھانا اور اس کے سر پر شفقت کی وجہ سے ہاتھ پھیرنا ایک مسنون عمل ہے۔

❁ اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع اور عاجزی ثابت ہوتی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چھوٹے بچہ کو اپنی گود میں بٹھایا اور اس کے سر پر ہاتھ پھیرا۔

❁ بچوں کے نام اچھے رکھنے چاہئیں، اور انبیاء علیہم السلام کے نام رکھنا پسندیدہ ہے، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا نام یوسف رکھا، کیونکہ نام کا انسان کی شخصیت پر اثر پڑتا ہے، اس لیے اہتمام سے بچوں کے اچھے نام رکھنے چاہئیں۔

طبرانی میں اس حدیث کے اندر یہ اضافہ بھی ہے: ودعالی بالبرکۃ (۱) حضرت یوسفؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے لیے برکت کی دعا کی، اس سے یہ سنت معلوم ہوئی کہ چھوٹے بچے کی عمر میں برکت کی دعا بھی کرنی چاہیے۔ (۲)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَّ عَلَى رَحْلٍ رَثٍّ وَقَطِيفَةٍ، كُنَّا نَرَى ثَمَنَهَا أَرْبَعَةَ دَرَاهِمَ، فَلَمَّا اسْتَوَتْ بِهِ رَاحِلَتُهُ قَالَ: لَبَّيْكَ بِحَجَّةٍ لَا سُمْعَةَ فِيهَا وَلَا رِيَاءَ.

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پرانے پالان پر (بیٹھ کر) حج کیا، جس پر ایک ایسی جھالردار چادر تھی، جس کی قیمت ہمارے خیال میں چار درہم ہی ہوگی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی سیدھی یعنی کھڑی ہوگئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں بار بار حاضر ہوں ایسے حج کے لیے، جس میں نہ تو کوئی ریاکاری اور دکھلاوا ہو، اور نہ ہی شہرت ہو (مطلب یہ ہے کہ یا اللہ اس حج کو ایسا ہی بنا دینا)

نوٹ: یہ حدیث اسی باب میں پانچویں نمبر پر گذر چکی ہے، اس کی تفصیل اس عنوان کے تحت دیکھی جاسکتی ہے: "نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پرانے کجاوے پر حج کیا"۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّ رَجُلًا خَيَّاطًا دَعَا رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَرَّبَ مِنْهُ ثَرِيدًا، عَلَيْهِ دُبَّاءٌ قَالَ: فَكَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْخُذُ الدُّبَّاءَ وَكَانَ يُحِبُّ الدُّبَّاءَ. قَالَ ثَابِتٌ: فَسَمِعْتُ أَنَسًا يَقُولُ:

(۱) المعجم الکبیر الطبرانی ۲۲/۲۸۵، رقم الحدیث: ۷۳۱، ط: مکتبۃ ابن تیمیۃ، قاہرہ مصر۔
(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح للمناوی ۲/۱۸۴، المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص:۵۶۷)

فَمَا صُنِعَ لِي طَعَامٌ أَقْدِرُ عَلَى أَنْ يُصْنَعَ فِيهِ دُبَّاءٌ إِلَّا صُنِعَ.(۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) ایک درزی نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کی، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے (کھانے کے لیے) ایسا ثرید قریب کیا، جس پر کدو تھا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کدو لیتے تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کدو کو پسند فرماتے تھے، ثابت کہتے ہیں کہ میں نے حضرت انس رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ (اس کے بعد) میرے لیے کوئی کھانا تیار نہیں کیا گیا، جس میں اس بات پر میں قادر ہوتا کہ اس کھانے میں کدو بھی ڈالا جائے مگر یہ کہ اس میں کدو ڈالا جاتا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ خیاط: درزی، ثرید: وہ کھانا جس میں روٹی چور کر کے شوربے میں ڈالی جاتی ہے، اور پھر اسے کھایا جاتا ہے، دباء: (دال پر پیش اور با پر زبر و تشدید) کدو، ما صنع لی: (صیغہ مجہول) نہیں بنایا گیا، نہیں تیار کیا گیا، اقدر: (صیغہ متکلم): مجھے قدرت ہوتی، میں قادر ہوتا، علی ان یصنع فیہ دباء: (صیغہ مجہول) اس بات پر کہ اس کھانے میں کدو ڈالا جائے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو بہت پسند تھا

اس حدیث سے تین امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ سبزیوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو بہت پسند تھے، جس کھانے میں کدو ہوتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بہت پسند فرماتے، یہاں اس درزی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے ثرید کا کھانا تیار کیا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں سے کدو بڑے شوق سے تناول فرما رہے تھے۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب سے میں نے دیکھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کدو بہت پسند ہیں، اس کے بعد سے میں اپنے ہر کھانے میں کدو ڈلوانے کا اہتمام کرتا، کیونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر اس چیز کو پسند کرتے تھے، جس کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پسند فرماتے تھے، اپنی چاہت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی چاہت پر قربان کر دیتے تھے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ کدو پسند تھا، اس لیے اس درزی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پسند کا کھانا تیار کیا، اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ جس شخص کی دعوت کی جا رہی ہو، اس کی پسند کا کھانا دعوت میں تیار کرنا چاہیے، تاکہ وہ اچھی طرح کھانا کھا سکے۔(۲)

یہ حدیث باب ماجاء فی صفۃ ادام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میں بھی گذر چکی ہے، اس کی مزید تفصیل کو وہاں دیکھ لیا جائے۔

عَنْ عَمْرَةَ، قَالَتْ: قِيلَ لِعَائِشَةَ: مَاذَا كَانَ يَعْمَلُ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَيْتِهِ؟ قَالَتْ: كَانَ بَشَرًا مِنَ الْبَشَرِ، يَفْلِي ثَوْبَهُ، وَيَحْلُبُ شَاتَهُ، وَيَخْدُمُ نَفْسَهُ.

---

(۱) سنن الترمذی، الأطعمة، رقم الحدیث: ۱۸۵۱۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۸۵/۲

ترجمہ: حضرت عمرہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت عائشہؓ سے پوچھا گیا: حضور اقدس ﷺ اپنے گھر میں کیا کام کرتے تھے؟ انہوں نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ انسانوں میں سے ایک انسان تھے، اپنے کپڑے میں خود ہی جوں تلاش کر لیتے تھے، اور خود ہی اپنی بکری کا دودھ نکال لیتے تھے، اور اپنی خدمت خود ہی کرتے تھے (یعنی اپنے کام خود ہی کر لیتے تھے)۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:** ۔ بشر: (با اور شین پر زبر) انسان، آدمی، یفلی: جوں تلاش کرتے، یحلب: دودھ دوہتے، دودھ نکالتے، یخدم نفسہ: اپنے نفس کی خدمت خود ہی کرتے یعنی اپنے کام خود ہی کرتے تھے۔

## نبی کریم ﷺ اپنے گھر کے اکثر کام خود ہی کر لیتے

اس حدیث کو روایت کرنے والی حضرت عمرہ بنت عبدالرحمن بن سعد بن زرارہ رضی اللہ عنہا ہیں، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہ کی پرورش میں تھیں، اس لیے انہوں نے حضرت عائشہؓ سے بہت سی روایات بیان فرمائی ہیں۔

حضرت عمرہؒ فرماتی ہیں کہ ایک دفعہ حضرت عائشہؓ سے یہ سوال کیا گیا کہ نبی کریم ﷺ جب گھر تشریف لاتے ہیں تو کیا کام کرتے ہیں؟ تو حضرت عائشہؓ نے اصل جواب سے پہلے تمہید کے طور پر فرمایا کہ کان بشراً من البشر کہ وہ انسانوں میں سے ایک انسان ہیں، اس سے دراصل وہ کفار کے اس نظریے پر رد کر رہی ہیں کہ جو یہ سمجھتے تھے کہ دنیا کے حکمرانوں کی طرح گھر کے کام کاج بھی نبی کی شان کے خلاف ہیں، اس کا ذکر اللہ جل جلالہ نے سورہ فرقان کی اس آیت میں کیا: وَقَالُوا مَالِ هٰذَا الرَّسُوْلِ يَأْكُلُ الطَّعَامَ وَيَمْشِيْ فِي الْأَسْوَاقِ، اس رسول کا کیا حال ہے کہ جو کھانا کھاتا ہے اور بازار میں چلتا ہے، تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ آدمیوں میں سے ایک آدمی تھے، مطلب یہ ہے کہ عام آدمیوں کی طرح اپنے گھر کے اکثر کام آپ ﷺ خود ہی کر لیتے تھے، اپنی ضروریات اور گھر کے کام کاج کرنے میں نبی کریم ﷺ کو کوئی ناگواری یا تکبر نہیں ہوتا تھا، اس حدیث میں حضرت عائشہؓ نے صرف تین چیزوں کا ذکر کیا: آپ ﷺ اپنے کپڑوں سے جوں تلاش کرتے، بکری کا دودھ نکالتے اور اپنے کام خود ہی کر لیتے، دوسری روایات میں ہے کہ نبی کریم ﷺ اپنے کپڑوں میں خود پیوند لگاتے، جوتے سی لیتے، غرض جو کام اور لوگ گھروں میں کرتے، وہ حضور اقدس ﷺ بھی کر لیا کرتے تھے۔(۱)

حقیقت یہ ہے کہ حضور اقدس ﷺ کے بدن، کپڑوں یا بالوں میں جوں نہیں پڑتی تھی، کیونکہ جوں بدن کی میل سے پیدا ہوتی ہے، اور پسینہ سے بڑھتی ہے، اور حضور اقدس ﷺ تو سراپا نور تھے، وہاں تو میل کچیل کا تصور ہی نہیں تھا، اسی طرح آپ ﷺ کے پسینہ سے خوشبو آتی تھی اور اسے خوشبو میں استعمال کیا جاتا تھا، تو پھر اس معطر پسینہ میں جوں کیسے پیدا ہو سکتی تھی، اب سوال یہ ہے کہ جب نبی کریم ﷺ کے جسم اور کپڑوں میں جوں نہیں پڑتی تھی تو پھر اس جملے ویفلی ثوبہ کے کیا معنیٰ ہیں؟ اس

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۴۹۰ کتاب الفضائل، باب فی اخلاقہ وشمائلہ ﷺ، رقم الحدیث: ۵۸۲۲

کے مختلف جواب دیئے گئے ہیں:

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس احتمال کی وجہ سے جوں تلاش کرتے کہ شاید کسی دوسرے کی جوں نہ چڑھ گئی ہو۔
- اس سے درحقیقت دوسروں کو تعلیم دینا پیش نظر تھا، تاکہ دوسرے لوگ اپنے کپڑوں اور جسم سے جوں تلاش کرلیا کریں، اس سے ان کی نظر میں اہتمام ہوگا اور اپنے کپڑوں اور جسم کو وہ اچھی طرح صاف کریں گے۔

اس حدیث سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی منکسر المزاجی، تواضع اور عاجزی ثابت ہوتی ہے، اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اپنے اور گھر کے کام کاج کرنا مسنون عمل ہے، اس سے اعراض نہیں کرنا چاہیے۔(۱)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي خُلُقِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق وعادات کا ذکر ہے۔

## خلق کے معنی اور انسانی مزاج میں اس کا اثر

خلق: (خاء اور لام پر پیش اور لام پر سکون بھی پڑھ سکتے ہیں) عادت، خصلت، اس کی جمع اخلاق ہے۔

خلق کی تعریف: امام غزالی رحمہ اللہ نے اس کی تعریف یہ کی ہے: اِنَّهٗ هَيْئَةٌ لِلنَّفْسِ يَصْدُرُ عَنْهُ الْاَفْعَالُ بِسُهُوْلَةٍ یعنی خلق اس صلاحیت اور قوت وہمت کا نام ہے، جس سے اعمال وافعال آسانی سے صادر ہوتے ہیں، پھر اگر یہ افعال اچھے ہوں، تو ان کو "اخلاق حسنہ" کہا جاتا ہے، اور برے افعال صادر ہوں تو وہ "برے اخلاق" کہلاتے ہیں۔(۲)

"اخلاق حسنہ" انسان کی طبیعت میں اللہ جل جلالہ نے فطری اور قدرتی طور پر پیدا کیے ہیں یا وہ کسبی ہیں یعنی محنت اور کوشش سے حاصل ہوتے ہیں؟ اس بارے میں شارحین کے تین قول ہیں:

۱۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اخلاق حسنہ ہر آدمی میں اللہ تعالیٰ نے قدرتی طور پر پیدا کیے ہیں، ان کا استدلال امام بخاری کی اس روایت سے ہے: اِنَّ اللّٰهَ قَسَمَ بَيْنَكُمْ اَخْلَاقَكُمْ كَمَا قَسَمَ اَرْزَاقَكُمْ (اللہ جل جلالہ نے تمہارے درمیان اخلاق کو اسی طرح تقسیم کیا ہے جس طرح کہ تمہارے رزق تقسیم کیے ہیں)۔

۲۔ بعض عادتیں قدرتی ہوتی ہیں اور کچھ اخلاق کسبی ہیں، جن کے لیے انسان کو تگ ودو اور محنت کرنی پڑتی ہے۔

ان کا استدلال حضرت منذر بن عائذ رضی اللہ عنہ، جن کا لقب "اشج" تھا، کی حدیث سے ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا تھا: اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللّٰهُ الْحِلْمَ وَالْاَنَاةَ تم میں دو ایسی خصلتیں ہیں: بردباری اور دانائی، جن کو اللہ جل جلالہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۸۶/۲ المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۵۷۰)

(۲) احياء العلوم للغزالی ۷۳/۳، بیان فضیلة حسن الخلق و مذمة سوء الخلق، ط: رشیدیہ کوئٹہ۔

پسند فرماتے ہیں، انہوں نے عرض کیا: یارسول اللہ! یہ خصلتیں میرے اندر پیدائشی ہیں یا میں نے کسب یعنی محنت سے حاصل کی ہیں؟ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: پیدائشی ہیں، اس پر اشج نے کہا: اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَبَلَنِیْ عَلٰی خُلُقَیْنِ یُحِبُّھُمَا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ (تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں، جس نے مجھے ایسی دو خصلتوں پر پیدا کیا، جن کو اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول پسند کرتے ہیں) اس سے معلوم ہوا کہ انسان میں کچھ خصلتیں فطری اور قدرتی طور پر ہوتی ہیں، اور کچھ کسبی ہیں، جو محنت و کوشش اور ذرا مجاہدے سے حاصل ہوتی ہیں۔

۳۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ تمام ''اخلاق حسنہ'' قدرتی ہیں، انہیں اللہ جل جلالہ نے ہی پیدا فرمایا ہے، البتہ اخلاق حسنہ کے مختلف مراتب اور درجات ہیں، ان میں حالات کے اعتبار سے کمی بیشی ہوتی رہتی ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ سے اچھے اخلاق کو مکمل کرنے اور انہیں مزید اچھا کرنے کی دعا کی ہے، ذیل میں چند احادیث پیش خدمت ہیں، جن سے ملا علی قاری رحمہ اللہ کے موقف کی تائید ہوتی ہے:

- بُعِثْتُ لِأُتَمِّمَ صَالِحَ الْأَخْلَاقِ أَوْ قَالَ: مَكَارِمَ الْأَخْلَاقِ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مجھے اس لیے نبی بنا کر بھیجا گیا، تا کہ میں عمدہ اخلاق کی تکمیل کروں۔
- اَللّٰهُمَّ اهْدِنِيْ لِأَحْسَنِ الْأَخْلَاقِ، لَا يَهْدِيْ لِأَحْسَنِهَا إِلَّا أَنْتَ، اے اللہ! میری عمدہ اور اعلیٰ اخلاق کی طرف رہنمائی فرمادے، کیونکہ تو ہی عمدہ اخلاق کی ہدایت دے سکتا ہے۔
- اَللّٰهُمَّ كَمَا حَسَّنْتَ خَلْقِيْ فَحَسِّنْ خُلُقِيْ اے اللہ جس طرح تو نے مجھے حسین پیدا کیا، اسی طرح میرے اخلاق کو بھی اچھا کردے۔
- حُسْنُ الْخُلُقِ نِصْفُ الدِّيْنِ۔ اچھے اخلاق تو آدھا دین ہے۔
- إِنَّ مِنْ أَحَبِّكُمْ إِلَيَّ أَحْسَنَكُمْ أَخْلَاقًا مجھے تم میں سب سے زیادہ وہ شخص محبوب ہے، جس کے اخلاق تم میں سب سے اچھے ہوں۔

ان تمام روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ''اخلاق حسنہ'' گو کہ فطری ہیں مگر ان میں محنت و مجاہدے اور اچھی مجلس سے اضافہ ہوتا رہتا ہے، اسی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اخلاق کو مزید اچھا اور عمدہ کرنے کی دعا مانگا کرتے تھے، اور امت کو بھی یہ دعا مانگنے کی ترغیب دی ہے۔(۱)

عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ قَالَ: دَخَلَ نَفَرٌ عَلَى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ، فَقَالُوا لَهُ: حَدِّثْنَا أَحَادِيثَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَاذَا أُحَدِّثُكُمْ؟ كُنْتُ جَارَهُ، فَكَانَ إِذَا نَزَلَ عَلَيْهِ الْوَحْيُ، بَعَثَ إِلَيَّ فَكَتَبْتُهُ لَهُ، فَكُنَّا إِذَا ذَكَرْنَا الدُّنْيَا ذَكَرَهَا مَعَنَا، وَإِذَا ذَكَرْنَا الْآخِرَةَ ذَكَرَهَا مَعَنَا، وَإِذَا ذَكَرْنَا الطَّعَامَ ذَكَرَهُ مَعَنَا، فَكُلُّ هٰذَا

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۸۶/۲۔

أُحَدِّثُكُمْ عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

ترجمہ: حضرت زید بن ثابتؓ کے بیٹے حضرت خارجہ کہتے ہیں: کچھ لوگ حضرت زید کے پاس آئے، انہوں نے حضرت زید سے عرض کیا: ہمیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کچھ حدیثیں سنا دیں؟ حضرت زید نے فرمایا: میں آپ لوگوں سے کیا حدیثیں بیان کروں، (تمام احادیث کا احاطہ تو ہو نہیں سکتا) میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پڑوسی تھا، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس کسی آدمی کو بھیجتے، تو میں (حاضر خدمت ہو جاتا اور) اس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھ لیتا، (حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے ساتھ انتہائی بے تکلفی سے رہتے تھے) چنانچہ جب ہم دنیا کا تذکرہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ اس کا تذکرہ کرتے اور جب ہم آخرت کا ذکر کرتے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ آخرت کا ذکر فرماتے، اور جب ہم کھانے کا تذکرہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ اس کا تذکرہ فرماتے، یہ سب کچھ میں تم لوگوں کے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی احادیث کا ہی تذکرہ کر رہا ہوں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔ نفر: تین سے دس افراد یا جماعت کے لیے یہ لفظ استعمال ہوتا ہے۔ **حدثنا:** (صیغہ امر اور نا ضمیر مفعول) آپ ہمارے سامنے بیان کریں، **ماذا أحدثكم:** (صیغہ متکلم) کون سی حدیث تمہیں سناؤں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کیا حالات بتاؤں، **بعث الي:** نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف کسی بندے کو بھیج دیتے، **كل هذا احدثكم عن النبي صلى الله عليه وسلم:** یہ سب کچھ میں تمہارے سامنے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور احادیث ہی بیان کر رہا ہوں۔

## حضرت زید بن ثابت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اخلاق وشمائل سے متعلق سوال

حضرت زید بن ثابت کے صاحبزادے حضرت خارجہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ کچھ حضرات نے حضرت زید بن ثابت سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اخلاق و عادات کے بارے میں دریافت کیا، حضرت زیدؓ نے فرمایا: ماذا أحدثكم؟ میں تم لوگوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کیا کیا حالات اور اخلاق ذکر کروں؟ کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اخلاق و کردار کو بیان کرنا انسانی دسترس میں نہیں، ان کا احاطہ تو ممکن ہی نہیں، کچھ میں ذکر کر دیتا ہوں، جس کا حاصل یہ ہے:

۱۔ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پڑوس میں رہتا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر جب کوئی وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف کسی بندے کو بھیجتے، میں حاضر خدمت ہو جاتا، اور میں اس وحی کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے لکھ لیتا، یہ اکثر اوقات کے اعتبار سے ہے، کیونکہ حضرت زید قریب رہتے تھے، ورنہ ان کے علاوہ وحی لکھنے والے یہ حضرات صحابہ بھی تھے: حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، حضرت ابیؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت خالد بن سعیدؓ، حضرت حنظلہ بن ربیعؓ، حضرت علاء بن حضرمیؓ، حضرت ابان بن سعیدؓ، ان صحابہ کرام کی تعداد نو (۹) ہے، جو کاتبین وحی تھے۔

حضرت زید بن ثابتؓ اس موقع پر کتابت وحی کو ذکر فرما کر یہ بتانا چاہتے ہیں کہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وحی اور احادیث

کو اچھی طرح ضبط اور محفوظ کرتا تھا۔(۱)

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اگر ہم دنیا کے کسی امر کا تذکرہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے سامنے اسی قسم کا تذکرہ کرتے، ایسا نہیں تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر وقت ہمارے ساتھ صرف آخرت کا ہی تذکرہ کرتے ہوں اور دنیا کی کوئی بات سننا بھی گوارا نہ کریں، دنیا سے متعلق یہ گفتگو بھی کسی خاص مقصد کے لیے ہی ہوتی تھی، مثلاً جہادی امور، آلات اور اسلحہ کے بارے میں یا زراعت اور کاشت وغیرہ کے بارے میں، اس کلام سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم صحابہ کرامؓ کو شرعی حکم بیان فرمایا کرتے، تاکہ کوئی بات پوشیدہ نہ رہ جائے، اس سے معلوم ہوا کہ رزق حلال کے حصول کے لیے دنیاوی گفتگو کرنا یا دینی نقطہ نظر کی وجہ سے دنیاوی امور کا تذکرہ کرنا مذموم نہیں، بلکہ اگر جائز مقصد کی نیت سے یہ کام کیا جائے، تو اس پر ان شاء اللہ اجر وثواب حاصل ہوگا۔

۳۔ اور جب ہم لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے آخرت کا تذکرہ کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ اس کا تذکرہ فرماتے، آخرت کے امور، واقعات اور ایسی باتیں ذکر فرماتے، جن سے انسان کا رجحان دنیا سے ہٹ کر آخرت کی طرف ہو جاتا، اور دنیا کی بے رغبتی اس کے دل میں پیوست ہو جاتی، اس لیے اپنی مجالس میں آخرت کے امور کا وقتاً فوقتاً تذکرہ کرتے رہنا چاہیے، تاکہ اعمال میں غفلت اور سستی پیدا نہ ہو۔

۴۔ اور جب ہم کسی کھانے کی بات کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے ساتھ اس گفتگو میں شامل ہو جاتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھانے کی انواع واقسام، ان کے احکام، آداب، فائدے اور نقصانات ذکر فرماتے، کون سا کھانا انسانی صحت کے لیے مفید ہے اور کون سا نقصان دہ ہے، یہ سب امور زیر بحث آتے اور ان کا شرعی حکم ہمیں بتایا جاتا، اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ کبھی اپنی اولاد، طلبہ اور متعلقین کے سامنے جائز کھانوں کا ذکر، ان کے آداب، فوائد اور نقصان بتانے چاہئیں، تاکہ انہیں اس بارے میں آگاہی حاصل ہو جائے، خاص کر اس زمانے میں تو اس کی بہت زیادہ ضرورت ہے، آج بعض مارکیٹوں اور ہوٹلوں میں بعض ایسے کھانے اور چیزیں بھی کھلائی پلائی جاتی ہیں جو شرعی لحاظ سے یا تو حلال ہی نہیں یا ان کا کھانا شرعاً مکروہ ہے، اس لیے اس بارے میں ضرور معلومات حاصل ہونی چاہئیں۔

حدیث کے آخر میں حضرت زید فرماتے ہیں کہ یہ جو میں نے کچھ باتوں کا آپ کے سامنے ذکر کیا ہے، یہ بھی میں آپ لوگوں کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حالات اور اخلاق ہی سنا رہا ہوں، ان تمام باتوں سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تواضع، عاجزی اور نرمی ثابت ہوتی ہے کہ ہر صحابی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بغیر کسی تکلف کے اپنی بات کر کے اس کا شرعی حکم معلوم کر لیتا تھا، صلی اللہ علیہ وسلم۔(۲)

---

(۱) للمواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:٥٧٢)

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۸۸، مرقاة المفاتيح ۱۰/۹۱، كتاب الفضائل والشمائل، باب فی أخلاقه وشمائله، رقم الحديث: ٥٨٢٣

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقْبِلُ بِوَجْهِهِ وَحَدِيثِهِ عَلَى أَشَرِّ الْقَوْمِ، يَتَأَلَّفُهُمْ بِذٰلِكَ فَكَانَ يُقْبِلُ بِوَجْهِهِ وَحَدِيثِهِ عَلَيَّ، حَتّٰى ظَنَنْتُ أَنِّي خَيْرُ الْقَوْمِ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَنَا خَيْرٌ أَوْ أَبُو بَكْرٍ؟ قَالَ: أَبُو بَكْرٍ فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَنَا خَيْرٌ أَوْ عُمَرُ؟ فَقَالَ: عُمَرُ، فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَنَا خَيْرٌ أَوْ عُثْمَانُ؟ قَالَ: عُثْمَانُ، فَلَمَّا سَأَلْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَصَدَقَنِي فَلَوَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ سَأَلْتُهُ.(۱)

ترجمہ: حضرت عمرو بنؓ عاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے سے متوجہ ہوتے اور اپنی گفتگو میں خصوصی توجہ فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس خصوصی توجہ سے لوگوں کو مانوس کرتے اور ان کو اپنی طرف مائل فرماتے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چہرے سے میری طرف متوجہ ہوتے اور اپنی گفتگو میں بھی میری طرف خصوصی توجہ فرماتے، یہاں تک کہ میں یہ سمجھنے لگا کہ میں قوم کا بہترین شخص ہوں (اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف خصوصی توجہ فرماتے تھے) اسی خیال کی وجہ سے ایک دن میں نے دریافت کیا: یارسول اللہ! میں افضل ہوں یا ابوبکر؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ابوبکر، پھر میں نے پوچھا: یارسول اللہ میں افضل ہوں یا عمر؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر، پھر میں نے پوچھا: یارسول اللہ میں افضل ہوں یا عثمانؓ؟ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمان، جب میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (کسی کا لحاظ کیے بغیر) مجھے صحیح صحیح جواب ارشاد فرمایا، پھر تو میں تمنا کرنے لگا کہ اے کاش: میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ سوال ہی نہ کرتا (کیونکہ میرا خیال غلط ثابت ہوگیا)۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ۔ یقبل: (اقبال سے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم متوجہ ہوتے، اشر القوم: قوم کا بدترین آدمی، یتألفهم: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو مانوس کرتے، ان کو اپنی طرف مائل کرتے، "ھم" ضمیر کے مرجع میں دو قول ہیں: ۱۔ یہ ضمیر "اشر" کی طرف لوٹ رہی ہے، جو لفظاً تو مفرد ہے، مگر معنی کے اعتبار سے "اشر" جمع ہے، ۲۔ یہ ضمیر لفظ قوم کی طرف لوٹ رہی ہے، فصدقنی: تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے صحیح صحیح جواب دیا، میرے سامنے حق بات ہی ارشاد فرمائی، اس میں کسی کا لحاظ نہیں کیا، لوددت: (صیغہ متکلم) میں تمنا کرنے لگا۔

## قوم کے بدترین شخص کی طرف بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خصوصی توجہ فرماتے

اس حدیث سے تین امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں جو شخص بھی حاضر ہوتا، خواہ وہ مسلمان ہوتا یا کافر، اچھا آدمی ہوتا یا بدترین، آپ صلی اللہ علیہ وسلم

(۱) الصحیح لمسلم، رقم الحدیث: ۲۳۸۵۔

اس کی طرف خصوصی توجہ فرماتے، اس کی گفتگو مکمل یکسوئی سے سنتے اور اس کی رہنمائی فرماتے، یہ خصوصی توجہ یا تو اس وجہ سے ہوتی کہ یہ مسلمان تقویٰ وطہارت کے لحاظ سے اعلیٰ مقام پر ہوتا، امت میں اس کی افضلیت کی وجہ سے اس کی طرف خصوصی عنایت فرماتے جیسے خلفاء اربعہ ہیں... اور یا اس سے تالیف قلب پیش نظر ہوتا کہ اس سے یہ آدمی اسلام سے مزید مانوس ہوگا، اگر وہ اب تک مسلمان نہیں ہوا تو اس طرز عمل سے وہ اور اس کا خاندان اسلام کی روشنی سے منور ہو جائیں گے، یا اگر وہ نومسلم ہے تو اس توجہ سے اسے اسلام کے ساتھ مزید محبت والفت پیدا ہو جائے گی، یوں وہ احکام پر عمل کرنے میں مزید دلچسپی سے کام لے گا۔

اس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عمدہ اخلاق کی ایک بہترین مثال ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو بھی خدمت میں حاضر ہوتا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی طرف خصوصی توجہ فرماتے، یوں وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اخلاق سے بہت زیادہ متاثر ہوتا، اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ ایک داعی حق، مبلغ ورہنما، استاذ اور شیخ کو چاہیے کہ اس کے پاس جو بھی ملاقات اور استفادے کے لیے حاضر ہو، اس سے اعراض اور بے رخی نہ کرے بلکہ اس کو کچھ وقت دے، اس سے ملاقات کر کے اس کی حوصلہ افزائی کرے، دینی امور میں اس کی رہنمائی کرے تاکہ وہ بھی اپنی اصلاح کے بعد لوگوں کی صحیح طرح اصلاح کر سکے۔

۲۔ حضرت عمرو بن عاص رضی اللہ عنہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، فتح مکہ سے ایک یا دو سال پہلے اپنی خوشی سے انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، اسلام قبول کرنے کے بعد اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ رہتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کا بڑا لحاظ فرماتے تھے، تاکہ وہ مانوس ہو جائیں، اور اس سے پہلے جو انہوں نے اسلام کے خلاف کاروائیاں کی تھیں، ان کو وہ بھول جائیں، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو غزوہ ذات السلاسل کا امیر بھی مقرر کیا تھا، اور پھر ان کی مدد ونصرت کے لیے حضرت ابوبکرؓ اور حضرت عمر فاروقؓ کو بھی بھیجا تھا۔

شمائل کی مذکورہ حدیث میں وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میری طرف اس قدر توجہ فرماتے کہ مجھے یہ خیال ہونے لگا کہ گویا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر میں سب صحابہ سے میں افضل ہوں، اسی خیال کی تصدیق کے لیے ایک دن انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا کہ میں افضل ہوں یا ابوبکر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جواب میں فرمایا: ابوبکر، پھر پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عمر؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمرؓ پھر پوچھا کہ میں افضل ہوں یا عثمانؓ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عثمانؓ، فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحیح صحیح جواب دیا، اس میں کسی کا لحاظ نہیں کیا، جواب سن کر مجھے اپنے سوال پر اس قدر ندامت اور شرمندگی ہوئی کہ میں تمنا کرنے لگا کہ کاش میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال ہی نہ کیا ہوتا۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عمرو بن عاصؓ کی طرف جو خصوصی توجہ فرما رہے تھے، وہ ان کی تالیف قلب اور مانوس کرنے کے لیے تھا، اس وجہ سے نہیں تھا کہ وہ دیگر تمام صحابہؓ سے افضل ہیں، مگر حضرت عمرو بن عاصؓ نے اس سے یہ سمجھا کہ میں گویا افضل ہوں، اس لیے انہوں نے سوالات کیے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہی جواب ارشاد فرمائے جو حقیقت پر مبنی تھے، کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں ہی ان تین صحابہ کرام کی افضلیت بالترتیب تمام صحابہ کرامؓ کے ہاں واضح تھی، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے

ہیں کہ ہم لوگ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ابوبکر کے برابر کسی کو نہ سمجھتے تھے، ان کے بعد سب سے افضل عمرؓ کو، ان کے بعد عثمانؓ کو، پھر ان کے بعد اور صحابہؓ میں کسی کو ترجیح نہ دیتے تھے، اسی طرح کا قول حضرت علیؓ سے بھی منقول ہے۔

۳۔ نیز اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد سب سے افضل حضرت ابوبکر، اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ اور پھر حضرت عثمانؓ ہیں، یہی امت مسلمہ کا اجماعی عقیدہ ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: خَدَمْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَشْرَ سِنِينَ، فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ قَطُّ، وَمَا قَالَ لِشَيْءٍ صَنَعْتُهُ: لِمَ صَنَعْتَهُ، وَلَا لِشَيْءٍ تَرَكْتُهُ: لِمَ تَرَكْتَهُ: وَكَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ خُلُقًا، وَلَا مَسَسْتُ خَزًّا وَلَا حَرِيرًا وَلَا شَيْئًا كَانَ أَلْيَنَ مِنْ كَفِّ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، وَلَا شَمَمْتُ مِسْكًا قَطُّ وَلَا عِطْرًا كَانَ أَطْيَبَ مِنْ عَرَقِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ میں نے دس برس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے کبھی کسی بات پر اف تک بھی نہیں فرمایا، اور نہ اس کام پر جس کو میں نے کرلیا، یہ فرمایا کہ تم نے یہ کیوں کیا؟ اور نہ اس کام پر جس کو میں نے چھوڑ دیا یعنی نہیں کیا، یہ فرمایا کہ یہ کام تم نے کیوں ترک کیا؟ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ اچھے اخلاق والے تھے، (اور انتہائی زیادہ خوبصورت بھی تھے) چنانچہ میں نے کبھی کوئی ریشمی کپڑا یا خالص ریشم یا اور کوئی نرم چیز ایسی نہیں چھوئی، جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی سے زیادہ نرم ہو، اور میں نے کبھی کسی قسم کا مشک یا کوئی خوشبو اور عطر، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ سے زیادہ خوشبودار نہیں سونگھا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** أف: (ہمزے پر پیش اور فا پر تشدید وزیر) یہ ایسا لفظ ہے جو ناگواری اور اکتاہٹ کے وقت بولا جاتا ہے، **صنعته:** (صیغہ متکلم) جس کام کو میں نے کیا، **لا مسست:** میں نے نہیں چھویا، **خزا:** ۱۔ اون اور ریشم کا بنا ہوا کپڑا، ۲۔ خالص ریشم کا بنا ہوا کپڑا، ریشم، **حریر:** خالص ریشمی کپڑا، **الین:** (صیغہ اسم تفضیل) زیادہ نرم وملائم، **لا شممت:** میں نے نہیں سونگھا، **مسکا:** (میم کے نیچے زیر) مشک، **اطیب:** (صیغہ اسم تفضیل) زیادہ اچھی، زیادہ خوشبودار، **عرق:** (عین اور را پر زبر) پسینہ۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے خادم کے ساتھ بے مثال برتاؤ

حضرت انسؓ نے اس حدیث میں تین چیزوں کا ذکر کیا ہے:

۱۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں نے تقریباً دس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت کی ہے، اس دوران کبھی بھی مجھے

(۱) فتح الباری ۹۳/۸ کتاب المغازی، باب غزوۃ ذات السلاسل، رقم الحدیث: ۴۳۵۸

(۲) سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۰۱۶۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ڈانٹا نہیں، میرے کسی کام پر اف تک نہیں فرمایا، جو کام میں کر لیتا یا صحیح طرح سے نہ کرتا، اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ نہ فرماتے کہ یہ کام تم نے کیوں کیا ہے، اور جو کام میں نے نہ کیا ہوتا یا اس میں سستی کی ہوتی، کبھی اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری گرفت نہیں فرمائی، غرض یہ کہ آداب خدمت کی خلاف ورزی پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا کبھی مؤاخذہ نہیں فرمایا، نرمی اور حسن سلوک سے ہی پیش آتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سب کچھ من جانب اللہ سمجھتے تھے، اس لیے اس پر راضی رہتے، چنانچہ ایک حدیث میں یہ مضمون آیا ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بعد یہ ارشاد فرمایا کرتے: اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی ہوتا ہے، مقدر میں ہوتا تو ہو جاتا، اس لیے ہم اس پر راضی ہیں، اس سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، یہ مقام کسی اور کو حاصل نہ تھا۔

اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ اگر کسی خادم، اور ملازم وغیرہ سے کوئی بات ادب کے خلاف ہو جائے تو اس پر سیخ پا ہونے کے بجائے، صبر وتحمل اور برداشت سے کام لینا چاہیے، اس کی وجہ سے اس سے جھگڑنا اور ڈانٹ ڈپٹ کرنا کسی بھی طرح سے درست نہیں ہے۔

یہ ذہن میں رہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ذاتی معاملات میں کسی سے انتقام اور بدلہ نہیں لیتے تھے اور نہ باز پرس فرماتے، اسی وجہ سے حضرت انس رضی اللہ عنہ سے خدمت میں اگر کوئی غلطی ہو جاتی یا کوئی کمی رہ جاتی تو اس پر گرفت نہ فرماتے، بلکہ معاف فرما دیتے، لیکن شرعی احکام میں اگر کسی سے کوئی غلطی ہو جاتی مثلاً کسی حرام چیز کا ارتکاب کیا جائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا غصہ شدید ہوتا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کا بدلہ ضرور لیتے، اس سے حضرت انس رضی اللہ عنہ کی بھی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے خدمت کے دوران کسی ایسی چیز کا ارتکاب نہیں کیا، جسکی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کا مؤاخذہ فرماتے، صرف خدمت میں کبھی کوئی لاپرواہی یا سستی ہو جاتی، جس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کوئی روک ٹوک نہ فرماتے، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کی ایک اہم مثال ہے۔

"عشر سنین" اس روایت میں دس سالوں کا ذکر ہے، جبکہ صحیح مسلم کی روایت میں نو سال کا ذکر ہے، امام نووی فرماتے ہیں کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی خدمت کی اصل مدت نو سال اور کچھ ماہ ہے، کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ میں دس سال قیام فرمایا، اور حضرت انس رضی اللہ عنہ پہلے سال کے درمیان میں حاضر خدمت ہوئے تھے، اس لیے جس روایت میں نو سال کا ذکر ہے، اس میں کسر کو حذف کر دیا گیا یعنی ان مہینوں کو شمار نہیں کیا گیا، اور جس روایت میں دس سال کا ذکر ہے، اس میں ان چند ماہ کو شمار کر کے تغلیباً دس سال ذکر کیا ہے۔(۱)

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی مبارک مضبوطی کے ساتھ ساتھ بہت زیادہ نرم تھی، فرماتے ہیں کہ خالص ریشم یا ریشمی کپڑے یا کسی بھی نرم چیز سے زیادہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہتھیلی نرم تھی، اس سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جسمانی

(۱) شرح مسلم للنووی ۲/۲۵۳، کتاب الفضائل، باب حسن خلقه صلی الله علیه وسلم۔ مرقاة المفاتیح ۱۰/۴۷۷ کتاب الفضائل، باب فی اخلاقه وشمائله، رقم الحدیث: ۵۸۰۱

اعتبار سے بھی بہت زیادہ خوبصورت تھے۔

۳۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کی خوشبو مشک اور عطر سے بھی بڑھ کر خوشبودار تھی، بعض ازواج مطہرات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کو کسی بوتل وغیرہ میں جمع کر لیتی تھیں، اور پھر اس مبارک پسینہ کو خوشبو کے طور پر استعمال کیا جاتا تھا، جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک دفعہ مصافحہ کر لیتا، سارا دن اس کے ہاتھ سے خوشبو مہکتی رہتی تھی، صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو کس وجہ سے استعمال فرماتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک سے تو ویسے ہی خوشبو آتی تھی؟ شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجوہ ذکر کی ہیں:

۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کی خوشبو خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو محسوس نہیں ہوتی تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

۲۔ پسینہ چونکہ ہر وقت نہیں آتا تھا، جب پسینہ نہ آتا اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو استعمال فرماتے تھے، اور جب پسینہ آتا تو اس وقت اس کی خوشبو محسوس ہوتی تھی۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خوشبو اس لیے استعمال فرماتے، تاکہ مسلمان اس سنت پر عمل کریں، اور اپنے نبی کی اس سنت میں بھی پیروی کریں۔

۴۔ دنیا میں جتنے بھی حضرات انبیاء کرام تشریف لائے ہیں، وہ سب ہی خوشبو استعمال فرمایا کرتے تھے، ان کے ساتھ موافقت کے طور پر آپ علیہ السلام بھی خوشبو استعمال فرماتے تھے۔

۵۔ گو کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پسینہ کی خوشبو بہت تھی، ہر ملنے والے اور قریب والے آدمی کو محسوس ہوتی تھی، مگر چونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ملاقات فرشتوں سے ہوتی تھی، اس لیے مبالغۃً آپ صلی اللہ علیہ وسلم مزید خوشبو استعمال فرماتے تھے۔(۱)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پریشانی کے وقت یہ کلمات پڑھا کرتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہر عمل کو اللہ جل جلالہ کی طرف سے سمجھتے تھے، طبیعت کے موافق ہوتا تو شکر بجالاتے اور طبیعت کے موافق نہ ہوتا تو اس پر صبر کرتے، پریشان نہیں ہوتے تھے، حضرت انس رضی اللہ عنہ سے بھی جب خدمت میں کوئی چوک ہو جاتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بھی تقدیر کا نوشتہ ہی قرار دیتے، ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت زبان مبارک سے یہ کلمات ارشاد فرماتے:

قَدَرَ اللّٰهُ وَمَا شَاءَ فَعَلَ، وَلَوْ قَدَّرَ اللّٰهُ كَانَ، وَلَوْ شَاءَ اللّٰهُ لَكَانَ۔

---

(۱) الکوکب الدری ۶۸/۳، ابواب البر والصلة، باب ما جاء فی خلق النبی صلی الله علیه وسلم، رقم الحدیث: ۲۰۱۵۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: معارف ترمذی جلد اول، باب ما جاء فی خلق النبی صلی اللہ علیہ وسلم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق۔

ترجمہ: اللہ نے تقدیر میں یہی لکھا ہے، اور اللہ جو چاہتا ہے کر گذرتا ہے، اور اللہ نے جو مقدر کیا ہو وہی ہوتا ہے اور اللہ جل جلالہ جو چاہیں، اسی طرح ہو جاتا ہے۔

چنانچہ صحابہ کرام، تابعین، اولیاء کرام اور امت کے نیک لوگوں کا یہی طریقہ ہے کہ وہ اللہ کے ہر فیصلے پر راضی ہوتے ہیں، اسی کو "رضا بالقضا" کہا جاتا ہے کہ انسان اللہ کے ہر فیصلے پر دل و جان سے راضی ہو، بلکہ نیک لوگ تو سخت حالات، مشکلات اور آزمائشوں سے بھی نہیں گھبراتے، اس سے ان کا اللہ کے ساتھ تعلق میں مزید اضافہ ہوتا ہے، رابعہ بصریہ کا ایک مشہور مقولہ ہے: لَوْ قَطَعْتَنِيْ أَرْبًا أَرْبًا لَمْ أَزْدَدْ فِيْكَ إِلَّا حُبًّا (ترجمہ: اے اللہ! اگر تو میرے ٹکڑے ٹکڑے بھی کر ڈالے تو تیرے ساتھ میری محبت میں اس سے اضافہ ہی ہوگا)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جب بھی کوئی ناگوار بات پیش آئے تو اس پر انسان راضی رہے، اسے اپنے لیے مصیبت نہ سمجھے، بلکہ اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر مطمئن رہے، کیونکہ انسان کے بارے میں اللہ جل جلالہ کا ہر فیصلہ سو فیصد حکمت اور مصلحت کے موافق ہوتا ہے، خواہ اس کی مصلحت انسان کو سمجھ میں آئے یا نہ آئے، اگر انسان اس فکر کا اہتمام کرے تو پھر ان شاء اللہ اسے کوئی غم اور پریشانی نہیں ہوگی، اللہ تعالیٰ اپنے فضل و کرم سے اپنے فیصلوں پر ہمیں راضی رہنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، عَنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنَّهُ كَانَ عِنْدَهُ رَجُلٌ بِهِ أَثَرُ صُفْرَةٍ، قَالَ: وَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَكَادُ يُوَاجِهُ أَحَدًا بِشَيْءٍ يَكْرَهُهُ، فَلَمَّا قَامَ قَالَ لِلْقَوْمِ: لَوْ قُلْتُمْ لَهُ يَدَعُ هَذِهِ الصُّفْرَةَ.

ترجمہ: حضرت انسؓ بن مالک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا، جس پر زرد رنگ (کی خوشبو یا زعفران) کا اثر تھا، حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی عادت یہ تھی کہ آپ ﷺ کسی کو منہ پر ایسی کوئی بات نہ کہتے، جو اس کو ناگوار ہو، پھر جب وہ شخص اٹھ کر چلا گیا تو آپ ﷺ نے لوگوں سے فرمایا: کاش تم لوگ اس سے کہتے کہ وہ یہ زرد رنگ چھوڑ دے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ صفرة: (صاد پر پیش اور فا ساکن) زرد رنگ، لا یکاد یواجه احدا: قریب نہیں تھا کہ آپ ﷺ کسی سے منہ پر کوئی بات کہتے، یعنی آپ ﷺ کی یہ عادت تھی کہ آپ ﷺ کسی سے اس کے منہ پر کوئی بات نہ کہتے، بشیئ یکرهه: ایسی کوئی بات جو اسے ناگوار اور ناپسندیدہ ہو، لو قلتم له: ترکیبی لحاظ سے اسے شرط بھی بنا سکتے ہیں اور تمنی کے لیے بھی ہو سکتا ہے، اگر شرط مراد ہو تو اس کی جزاء محذوف ہوگی یعنی لکان احسن: یعنی اگر تم لوگ اس سے کہتے تو اچھا ہوتا، اور تمنی کی صورت میں ترجمہ یہ ہوگا: کاش تم لوگ اس سے کہتے، یدع: وہ چھوڑ دے۔

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۷٦)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً کسی کو منہ پر منع نہ فرماتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول یہ تھا کہ جب کسی سے کوئی خلافِ اولیٰ امر دیکھ لیتے تو اسے منہ پر نہ ٹوکتے، اور اس شخص سے براہ راست ایسی کوئی بات نہ فرماتے، جو اسے ناگوار ہوتی، مبادا وہ انکار کر بیٹھے یا اس امر سے اعراض کر لے، جس کی وجہ سے کفر تک نوبت پہنچ جاتی، کیونکہ نبی کی بات سے انکار یا اعراض سے انسان کافر ہو جاتا ہے، اس مصلحت کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم عموماً خلاف اولیٰ امر پر منہ پر ہی منع نہ فرماتے تھے، چنانچہ مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی کے کپڑوں پر خوشبو یا زعفران کا کچھ زرد رنگ دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ناگوار ہوا مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوراً اس کے منہ پر ہی اسے منع نہیں فرمایا، بلکہ جب وہ شخص اٹھ کر چلا گیا، تب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حاضرین سے فرمایا کہ تم لوگ اسے زرد رنگ سے منع کر دو تو بہت اچھا ہوگا، یہ طریقہ کار آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خلافِ اولیٰ امر سے متعلق تھا، اگر حرام کام کا کوئی ارتکاب کرتا اور اللہ کی حدود میں سے کسی حد میں تجاوز کر جاتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدید غصہ آتا، منہ پر ہی اسے منع فرماتے اور اس کا انتقام لیتے تھے۔

یہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عام معمول کا ذکر تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عموماً ناگوار بات پر منہ پر ہی منع نہ فرماتے، لیکن کبھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم منہ پر بھی منع فرما دیتے تھے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اطمینان ہوتا کہ یہ شخص اس بات سے انکار یا اعراض نہیں کرے گا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن عمرو بن عاص رضی اللہ عنہم نے ثوب معصفر یعنی کسم سے رنگے ہوئے کپڑے پہنے ہوئے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کپڑے کو پہننے سے منع فرما دیا، تاہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ عام معمول نہیں تھا، اس حدیث سے یہ ادب معلوم ہوتا ہے کہ جب کسی انسان سے کوئی غلطی ہو جائے تو حکمت کے ساتھ اسے سمجھایا جائے، اس کی ہتک حرمت کرنا کسی بھی طرح درست نہیں ہے۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ ، أَنَّهَا قَالَتْ : لَمْ يَكُنْ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاحِشًا وَلاَ مُتَفَحِّشًا وَلاَ صَخَّابًا فِي الأَسْوَاقِ، وَلاَ يَجْزِيءُ بِالسَّيِّئَةِ السَّيِّئَةَ، وَلكِنْ يَعْفُو وَيَصْفَحُ.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ فحش گوئی کی عادت تھی اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بتکلف اور بالقصد فحش بات فرماتے تھے، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بازاروں میں چیخنے والے اور شور مچانے والے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے دل سے معاف فرما دیتے تھے اور اس کا تذکرہ بھی نہ فرماتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔** فاحش: وہ شخص جو بری بات یا برے کام کا عادی ہو، متفحش: (میم پر پیش، تا پر زبر اور حاء کے

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۹۳/۲

(۲) سنن الترمذی، البر، رقم الحدیث:۲۰۱۶۔

نیچے زیر وتشدید) بتکلف اور ارادے سے بری بات کرنے والا، صخاب: (صاد پر زیر اور خاء پر زیر و تشدید) بہت چیخنے اور شور مچانے والا، لا یجزی: بدلہ نہ دیتے، یعفو: وہ باطنا درگذر فرمادیتے یعنی دل سے اسے معاف فرمادیتے، یصفح: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ظاہراً بھی وہ معاف فرمادیتے یعنی اس برائی کا پھر کسی مجلس وغیرہ میں تذکرہ بھی نہ کرتے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حسن اخلاق کے سب سے اعلیٰ مقام پر فائز تھے، اس بات کا ذکر اللہ جل جلالہ نے اس آیت میں کیا ہے: وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْمٍ، (ترجمہ: اور بے شک آپ اخلاق (حسنہ) کے اعلیٰ پیمانے پر ہیں) چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بھی اچھے اخلاق سے آراستہ ہونے کی بہت زیادہ تاکید فرمائی ہے، مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کے پانچ اوصاف کا تذکرہ ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مزاج اور طبیعت ہی ایسی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فحش اور بے حیائی کی بات نہیں فرماتے تھے، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قسم کی گفتگو پسند تھی، لہٰذا ایک مسلمان کو اس بات کی کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی زبان سے کوئی بری اور نا مناسب بات نہ نکلے، کیونکہ انسان کا حسن اس کی زبان میں ہے، اگر زبان سے کوئی برا بول بولے گا تو اس سے خود اس کی اپنی شخصیت مجروح ہوجاتی ہے، اور دوسرے کے دل میں بھی اس کے بارے میں برا تاثر قائم ہوجاتا ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بتکلف بھی فحش بات نہیں فرماتے تھے، جیسے بعض لوگ مجلس کو گرم کرنے اور لوگوں کو ہنسانے کے لیے بتکلف فحش گوئی کیا کرتے ہیں، یہ طریقہ درست نہیں، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

۳۔ بازار میں شور و غل، چیخ و پکار اور شور و شغب کرنا وقار کے خلاف ہے، ضرورت کی وجہ سے بازار میں انسان جا سکتا ہے، مگر شور نہ کیا جائے، آرام و سکون کے ساتھ اپنا کام پورا کر کے گھر واپس آجانا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بازار اور مارکیٹ میں بالکل شور نہیں فرماتے تھے، بازار میں شور کی نفی سے یہ لازم نہیں آتا کہ اور جگہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم شور و شغب کرتے تھے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ بازار میں عموماً شور و غل ہوتا ہے، تو جو شخص وہاں بھی سکون و وقار سے رہے تو وہ اور مقامات پر بطریق اولیٰ پر سکون اور شور و شغب کے بغیر رہتا ہوگا۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اگر کوئی شخص برے طریقے سے پیش آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ بدتمیزی کا معاملہ نہ فرماتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم برائی کا بدلہ برائی سے نہ دیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ساری زندگی اس طرح کے واقعات سے بھری ہوئی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار اور منافقین نے کیا کیا اذیتیں پہنچائیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے کوئی بدلہ نہیں لیا، چند واقعات کی تفصیل درج ذیل ہے:

❁ غزوہ احد میں کفار کی طرف سے کس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تنگ کیا گیا، عتبہ نے پتھر پھینکا، جس سے دندان مبارک ٹوٹ

گئے، بعض لوگوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ ان کے خلاف بددعا فرمادیں؟ نبی کریم ﷺ نے اس وقت بھی یہ دعا فرمائی: یا اللہ میری قوم کو ہدایت عنایت فرما، کیونکہ یہ جاہل اور ناواقف ہیں، جہالت کی وجہ سے یہ لوگ ایسا کر رہے ہیں۔

❁ حضرت زید بن سعنہ پہلے ایک یہودی عالم تھے، ایک مرتبہ کہنے لگے کہ نبوت کی تمام علامتیں میں نے رسول اللہ ﷺ میں دیکھ لی تھیں سوائے دو علامتوں کے، جن کو میں نے اب تک نہیں دیکھا: ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم اور بردباری آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگی، دوسری یہ کہ آپ ﷺ کے ساتھ کوئی جتنا بھی جہالت کا برتاؤ کرے گا، اسی قدر آپ ﷺ کا تحمل اور برداشت زیادہ ہوگی، کہتے ہیں کہ میں ان کو دیکھنے کی جستجو میں مسلسل لگا رہا، اس کے لیے میں آپ ﷺ کی مجلس میں آتا جاتا رہا، ایک دن آپ ﷺ حجرے سے باہر تشریف لائے، حضرت علیؓ بھی آپ ﷺ کے ساتھ تھے، اتنے میں ایک دیہاتی شخص آیا اور عرض کرنے لگا: یا رسول اللہ میری قوم مسلمان ہوچکی ہے اور میں نے ان سے یہ کہا تھا کہ تم اگر مسلمان ہوجاؤ گے تو تمہیں بھرپور رزق ملے گا، اور اب حالت یہ ہے کہ ہمارے علاقے میں قحط پڑ گیا ہے، مجھے یہ اندیشہ ہے کہ کہیں وہ لوگ اسلام سے ہی نہ نکل جائیں، اگر آپ ﷺ مناسب سمجھیں تو کچھ مدد فرمادیں، حضور اقدس ﷺ نے ایک شخص کی طرف دیکھا، جو غالباً حضرت علیؓ تھے، انہوں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ اس وقت تو کچھ بھی موجود نہیں ہے۔

زید بن سعنہ یہ ساری گفتگو سن رہے تھے، کہنے لگے: اے محمد (ﷺ) اگر آپ ﷺ ایسا کرسکیں کہ فلاں شخص کے باغ کی اتنی کھجوریں معین وقت پر مجھے دیدیں، تو میں ان کی قیمت پیشگی ابھی دے دیتا ہوں اور معین وقت پر وہ کھجوریں میں لے لوں گا، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا یہ تو نہیں ہوسکتا، البتہ اگر باغ کی تعیین نہ کرو تو میں معاملہ کرسکتا ہوں، زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ میں نے اس بات کو قبول کرلیا اور میں نے کھجوروں کی قیمت اسی مثقال سونا دے دیا (ایک مثقال مشہور قول کے موافق ساڑھے چار ماشے کا ہوتا ہے)۔

نبی کریم ﷺ نے وہ سونا اس دیہاتی کے حوالہ کردیا، اور فرمایا کہ انصاف کی رعایت رکھنا، اس سے ان لوگوں کی ضروریات پوری کرلو، زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ جب کھجوروں کی ادائیگی کے وقت میں دو تین دن باقی رہ گئے تھے، حضور اقدس ﷺ صحابہ کرامؓ کی ایک جماعت کے ساتھ، جن میں ابوبکر و عمر اور عثمانؓ بھی تھے، کسی کے جنازے کی نماز سے فارغ ہوکر ایک دیوار کے سائے میں تشریف فرما تھے، میں آیا اور آپ ﷺ کے کرتے اور چادر کے کناروں کو پکڑ کر نہایت سخت انداز سے کہا کہ اے محمد! تو میرا قرضہ ادا نہیں کرتا، خدا کی قسم! میں تم سب عبدالمطلب کی اولاد کو خوب جانتا ہوں کہ تم لوگ ادائیگی میں ٹال مٹول کرتے ہو۔

زید بن سعنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے غصہ سے مجھے گھورا اور کہا کہ اے خدا کے دشمن! یہ کیا کہہ رہا ہے؟ خدا کی قسم اگر مجھے حضور اقدس ﷺ کا ڈر نہ ہوتا تو میں اس بات پر تیری گردن اڑا دیتا، مگر حضور اقدس ﷺ نہایت سکون سے مجھے دیکھ رہے

تھے، اور مسکرانے کے لہجہ میں عمر سے فرمایا کہ: عمر! میں اور یہ ایک اور چیز کے زیادہ محتاج تھے، وہ یہ کہ مجھے یہ کہتے کہ میں اس کا حق اچھے طریقے سے ادا کرتا اور اسے یہ نصیحت کرتے کہ وہ اپنے حق کے مطالبہ کرنے میں بہتر طریقہ اختیار کرتا، بہرحال اسے لے جاؤ اور اس کا حق ادا کردو اور تم نے زید کو جو ڈانٹا ہے، اس کے بدلے میں مزید بیس صاع یعنی تقریباً دو من کھجوریں بھی اسے دے دینا۔ (۱)

زید کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ مجھے لے گئے، میرا قرض اور مزید بیس صاع کھجوریں مجھے دے دیں، میں نے پوچھا کہ یہ بیس صاع کیسے؟ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ حضور اقدس ﷺ کا یہی حکم ہے؟ زید نے کہا کہ عمر تم مجھے پہچانتے ہو؟ انہوں نے فرمایا: نہیں، میں نے کہا: میں زید بن سعنہ ہوں، انہوں نے فرمایا کہ جو یہود کا بڑا علامہ ہے؟ میں نے کہا کہ ہاں، میں وہی ہوں، حضرت عمرؓ نے فرمایا: اتنا بڑا آدمی ہو کر حضور اقدس ﷺ کے ساتھ تم نے یہ کیسا برتاؤ کیا؟ میں نے کہا کہ میں نبوت کی دو علامتیں دیکھنا چاہتا تھا، جن کو اب تک میں نے نہیں دیکھا تھا، ایک یہ کہ آپ ﷺ کا حلم اور بردباری آپ ﷺ کے غصہ پر غالب ہوگی دوسری یہ کہ ان کے ساتھ جتنا سخت جہالت کا رویہ برتا جائے، تو اس سے ان کے حلم اور بردباری میں مزید اضافہ ہوگا، اب میں نے یہ رویہ اختیار کر کے ان دو علامتوں کو بھی دیکھ لیا، لو میں تمہیں گواہ بنا کر اسلام قبول کرتا ہوں، اور یہ اعلان کرتا ہوں کہ میرا آدھا مال امت محمدیہ کے لیے صدقہ ہے، اس کے بعد حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر اسلام قبول کر لیا، پھر حضور اکرم ﷺ کے ساتھ تمام غزوات میں شریک رہے، بالآخر غزوہ تبوک میں شہید ہو گئے۔ (۲)

۵۔ نبی کریم ﷺ کے ساتھ جو شخص جتنا بھی برا رویہ اختیار کرتا، آپ ﷺ اسے معاف فرمادیتے، اور پھر اس بات کا کسی کے سامنے کسی مجلس میں بھی ذکر نہ فرماتے، اس سے ایک تو یہ ادب معلوم ہوا کہ جب انسان کے ساتھ کوئی شخص نامناسب رویہ اختیار کرے تو اسے معاف کر دینا چاہیے، اور دوسرا یہ کہ پھر اس برائی کا دوبارہ کسی کے سامنے تذکرہ تک نہ کیا جائے، اسے ذہن سے نکال دیا جائے، ان آداب کا اگر اہتمام کیا جائے تو معاشرے میں پھیلے بہت سے اختلافات اور جھگڑے ختم ہو جائیں، اللہ جل شانہ عمل کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین یارب العالمین۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا ضَرَبَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهِ شَيْئًا قَطُّ إِلَّا أَنْ يُجَاهِدَ فِي سَبِيلِ اللهِ، وَلَا ضَرَبَ خَادِمًا أَوِ امْرَأَةً. (۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے اپنے دست مبارک سے اللہ کے راستہ میں جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا، اور نہ کبھی کسی خادم کو مارا اور نہ کسی عورت (بیوی اور باندی) کو۔

---

(۱) السنن الکبری للبیہقی ۸۶/۶، کتاب التفلیس، باب ماجاء فی التقاضی، رقم الحدیث: ۱۱۲۸۴۔

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۹۵/۲۔

(۳) سنن ابن ماجۃ، النکاح، رقم الحدیث: ۱۹۸۴۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جہاد کے علاوہ کبھی کسی کو نہیں مارا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی کو اپنے دست مبارک سے نہیں مارا، کسی خادم، اہلیہ اور باندی کو نہیں مارا، حالانکہ بسا اوقات ان میں سے کسی کو مارنے کی نوبت آجاتی ہے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم صبر فرماتے اور درگذر فرمادیتے، ہاں اللہ کے راستہ میں جہاد میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مارتے تھے، چنانچہ غزوہ احد میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں سے ابی بن خلف قتل ہوا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کافر کے علاوہ اپنے ہاتھ سے اور کسی کو قتل نہیں کیا، وہ شخص بہت بڑا بدبخت ہوتا ہے جو کسی نبی کو شہید کردے یا نبی کے ہاتھوں سے وہ مارا جائے، ہاں یہ بات احادیث میں موجود ہے کہ بسا اوقات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کمزور جانور کو تھوڑا مارتے تو اس سے وہ جانور درست ہوجاتا اور تیز چلنے لگتا، چنانچہ ایک مرتبہ حضرت جابر کے اونٹ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کچوکا دیا، اور حضرت طفیل اشجعی کے گھوڑے کو تھوڑا مارا، تو وہ تیز رفتار ہوگئے، یوں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے معجزے کا ظہور ہوا۔

اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- ادب سکھانے کے لیے اپنے خادم، بیوی، شاگرد اور اولاد کو مناسب سزا دی جاسکتی ہے، بلکہ اولاد کی تربیت کے لیے ان پر سختی کرنا اور تھوڑا بہت مارنے کو مستحب لکھا ہے۔
- تربیت میں اصل طریقہ یہ اختیار کرنا چاہیے کہ ان کی ذہن سازی کی جائے، پیار و محبت اور حکمت سے ان کو نصیحتیں کرنی چاہئیں۔
- قاضی، جج اور حاکم کے لیے بہتر یہ ہے کہ مجرم کو خود سزا نہ دیا کریں بلکہ کسی اور بندے سے یہ کام کرایا جائے۔(۱)

**عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنْتَصِرًا مِنْ مَظْلَمَةٍ ظُلِمَهَا قَطُّ مَا لَمْ يُنْتَهَكْ مِنْ مَحَارِمِ اللهِ تَعَالَى شَيْءٌ، فَإِذَا انْتُهِكَ مِنْ مَحَارِمِ اللهِ شَيْءٌ كَانَ مِنْ أَشَدِّهِمْ فِي ذٰلِكَ غَضَبًا، وَمَا خُيِّرَ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا اخْتَارَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ مَأْثَمًا.(۲)**

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبھی نہیں دیکھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ظلم کا بدلہ لیا ہو، جو ظلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا، جب تک کہ اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب نہ کیا جائے، جب اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کیا جاتا تو اس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ غصہ آتا اور جب بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دو باتوں میں اختیار دیا جاتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے آسان کو اختیار فرماتے

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۴۸۸ کتاب الفضائل، باب فی أخلاقه و شمائله ﷺ، رقم الحدیث: ۵۸۱۸، جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۹۶، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۵۸۲)

(۲) سنن أبي داؤد، الأدب، رقم الحدیث: ۴۷۸۵۔

جب تک کہ وہ گناہ نہ ہوتا۔

مشکل الفاظ کے معنی: ۔ **منتصرا:** بدلہ لیتے ہوئے، **مظلمة:** (لام کے نیچے زیر) ظلم، زیادتی، **ظلمها:** (ظا پر پیش، لام کے نیچے زیر، صیغہ مجہول) اس میں ''ھا'' ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے جو ظلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کیا گیا، **مالم ینتھک:** (صیغہ مجہول) جب تک ارتکاب نہ کیا جائے، جب تک پردہ دری نہ کی جائے، **محارم:** محرم کی جمع ہے: حرام کردہ چیزیں، **ماخیر:** (صیغہ مجہول) نہیں اختیار دیئے گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا جاتا، **مأثما:** گناہ، معصیت۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جائز امور میں آسان امر کو اختیار فرماتے

مذکورہ حدیث میں تین امور کو بیان کیا گیا ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اگر کوئی ظلم وزیادتی کرتا، نامناسب رویہ اختیار کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے کوئی انتقام اور بدلہ نہ لیتے، بلکہ اسے دل سے معاف فرمادیتے، اور اس کی اصلاح اور ہدایت کے لیے دعا فرماتے، ایک مرتبہ ایک دیہاتی آیا اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی چادر مبارک پکڑ کر اس قدر اسے سختی سے کھینچا کہ اس سے گردن مبارک پر نشان پڑ گئے، اور کہنے لگا کہ میرے اونٹوں پر غلہ سوار کرادیں، کیونکہ تم مجھے اپنا یا اپنے باپ کا مال نہیں دیتے ہو (گویا بیت المال کا مال ہم ہی لوگوں کا ہے، تمہارا نہیں ہے) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جب تک تو اس چادر کھینچنے کا بدلہ مجھے نہیں دے گا، میں تجھے غلہ نہیں دوں گا، اس نے کہا کہ خدا کی قسم! بدلہ نہیں دیتا، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا رہے تھے، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے اونٹوں پر غلہ سوار کرا دیا، ایک غزوہ میں مال غنیمت کی تقسیم کے موقع پر ایک شخص کی زبان سے یہ نکلا کہ ''یہ ایسی تقسیم ہے جس میں اللہ کی رضا کا ارادہ نہیں کیا گیا''۔ اس طرح اور بیسیوں واقعات ہیں، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھ بدسلوکی کرنے والے کو معاف فرما دیا، ان سے کوئی انتقام نہیں لیا، اس میں ان لوگوں کے لیے درس عبرت ہے، جو طبیعت کے خلاف ذرا سی بات سن کر ناراض ہو جاتے ہیں، اور پھر اس کا انتقام لیتے ہیں، اتباع نبوی کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس طرح کی باتوں پر انتقام اور ڈانٹنے کے بجائے صبر کیا جائے، اس سے انسان کے وقار اور عزت ومرتبہ میں کمی نہیں، اضافہ ہوتا ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کی غلطیوں پر اس وقت تک درگذر فرماتے، ان پر گرفت نہ فرماتے، جب تک کسی حرام کام کا ارتکاب نہ کیا جاتا، جب کوئی شخص حرام کردہ چیزوں میں سے کسی چیز کا ارتکاب کر لیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر شدید غصہ آتا، اور اللہ جل جلالہ کے حکم کے مطابق اس سے انتقام لیتے، یعنی اللہ کا حکم اس پر نافذ فرماتے، اس شخص کو سزا دیئے بغیر معاف نہ فرماتے، جیسے اصحاب عرنیین نے اللہ کی حدود کے خلاف کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان پر شرعی سزا جاری فرمانے کا حکم دیا، فتح مکہ کے موقع پر عبداللہ بن خطل اور بعض دوسرے لوگوں کو قتل کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا، ان لوگوں نے اللہ کی محرمات کا ارتکاب کیا تھا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ظلم اور زیادتی کا معاملہ کرے تو اس نے بھی تو ایک

حرام چیز کا ارتکاب کیا ہے، کیونکہ اس سے نبی کریم ﷺ کو ایذاء پہنچتی ہے، اور نبی کریم ﷺ کو تکلیف پہنچانا گویا اللہ جل شانہ کو تکلیف پہنچانا ہے، اس بات کا تقاضا تو یہ ہے کہ اس شخص کو سزا کے بغیر معاف نہیں کرنا چاہیے، تو پھر نبی کریم ﷺ ایسے شخص کو کیوں معاف فرما دیتے تھے؟

شارحین حدیث نے اس کی وجہ یہ لکھی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو ایذاء پہنچانا بلاشبہ بہت بڑا گناہ ہے، مگر اس سے علی الاطلاق انسان کافر نہیں ہوتا، اس لیے کہ یہ ایذاء کبھی تو ایک مسلمان صحابی سے اس کے مخصوص مزاج کی وجہ سے ہو جاتی، آپ ﷺ اسے درگذر فرما دیتے، اس پر کفر کا حکم نہ لگاتے، اگر منافقین کی طرف سے کوئی ایذاء رسانی ہوتی تو آپ ﷺ انہیں معاف فرما دیتے تاکہ لوگ یہ کہنا نہ شروع کر دیں کہ محمد ﷺ تو اپنے ساتھیوں کو قتل کر دیتا ہے، کیونکہ بظاہر یہ منافقین مخلص مسلمانوں کے ساتھ نبی کریم ﷺ کی مجلس مبارک میں حاضر رہتے، اور اگر کوئی ایسا کافر شرارت کے طور پر کرتا، جس کے ساتھ نبی کریم ﷺ کا کوئی معاہدہ ہوتا تو اسے آپ ﷺ معاف فرما دیتے، تاکہ وہ اسلام سے قریب اور مزید مانوس ہو جائے، اور اگر اس کافر کے ساتھ آپ ﷺ کا کوئی معاہدہ نہ ہوتا بلکہ حربی کافر آپ ﷺ کو ایذاء پہنچاتا تو اس سے بھی درگذر فرما دیتے، کیونکہ حربی کافر نے احکام کا التزام نہیں کیا تھا۔

۳۔ حدیث میں تیسری بات یہ بیان کی گئی ہے کہ نبی کریم ﷺ کو جب اللہ جل جلالہ کی طرف سے بالخصوص امت کے حق میں دو امروں میں اختیار دیا جاتا، تو آپ ﷺ اس امر کو اختیار فرماتے جو امت کے لیے آسان ہوتا، اسی طرح دنیاوی امور میں جہاں دو رائے ہوتیں، ان میں سے آپ ﷺ اس رائے کو اختیار فرماتے، جو امت کے لیے بہتر اور آسان ہوتی، جب تک کہ اس امر میں کسی قسم کی شرعی قباحت اور نقصان نہ ہوتا، اس سے معلوم ہوا کہ اختیاری امور میں انسان کو وہ امر اختیار کرنا چاہیے، جس میں سہولت اور آسانی ہو، جبکہ وہ شریعت کے کسی حکم کے خلاف نہ ہو۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: اسْتَأْذَنَ رَجُلٌ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا عِنْدَهُ، فَقَالَ: بِئْسَ ابْنُ الْعَشِيرَةِ أَوْ أَخُو الْعَشِيرَةِ، ثُمَّ أَذِنَ لَهُ، فَأَلَانَ لَهُ الْقَوْلَ، فَلَمَّا خَرَجَ قُلْتُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: قُلْتَ مَا قُلْتَ، ثُمَّ أَلَنْتَ لَهُ الْقَوْلَ؟ فَقَالَ: يَا عَائِشَةُ، إِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ أَوْ وَدَعَهُ النَّاسُ اتِّقَاءَ فُحْشِهِ.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شخص نے نبی کریم ﷺ کے پاس حاضر ہونے کی اجازت چاہی، میں اس وقت آپ ﷺ کے پاس بیٹھی ہوئی تھی، تو آپ ﷺ نے فرمایا: یہ خاندان کا برا بیٹا یا (فرمایا) برا بھائی ہے، پھر آپ ﷺ نے (اسے آنے کی) اجازت دے دی، اور اس سے نرمی سے گفتگو فرمائی، پھر جب وہ شخص چلا گیا تو میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! پہلے آپ ﷺ نے اس کے بارے میں فرمایا جو کچھ کہ فرمایا (یعنی اسے برا آدمی

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۱۹۷/۲، ۱۹۸

(۲) سنن الترمذی، البر، رقم الحدیث: ۱۹۹۷۔

فرمایا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے نرمی سے گفتگو فرمائی؟ اس پر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اے عائشہؓ! بیشک لوگوں میں سب سے بدترین شخص وہ ہے جس کو لوگ اس کی فحش گفتگو یا اس کے شر سے بچنے کی وجہ سے چھوڑ دیں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** بئس: براہے، ألان له: اس کے لیے نرمی کی، نرمی سے گفتگو کی، ودعه الناس: لوگ اس کو چھوڑ دیں، اتقاء فحشه: اس کی فحش گفتگو یا شر سے بچنے کی وجہ سے، العشیرة: قبیلہ، خاندان۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر ایک سے نرمی سے گفتگو فرماتے

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس ایک شخص نے آنے کی اجازت طلب کی، اس وقت حضرت عائشہؓ بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں فرمایا کہ وہ خاندان کا ایک برا آدمی ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اندر آنے کی اجازت دی، اور اس سے نرمی سے گفتگو فرماتے رہے، جب وہ چلا گیا تو حضرت عائشہؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو اس کے بارے میں یہ فرمایا تھا کہ وہ خاندان کا ایک برا آدمی ہے، اور پھر اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو بھی فرماتے رہے، برا ہونے کا تقاضا تو یہ تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے ساتھ سختی سے پیش آتے، نرمی کا برتاؤ اس سے نہ فرماتے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی بات سن کر فرمایا: اِنَّ مِنْ شَرِّ النَّاسِ مَنْ تَرَكَهُ النَّاسُ اِتِّقَاءَ فُحْشِهٖ (بدترین وہ شخص ہے، جس کو لوگ اس کی فحش کلامی کے خوف سے چھوڑ دیں) حدیث کے اس جملے کے دو مطلب بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی فحش گفتگو اور شر سے بچنے کے لیے اس کے ساتھ نرمی سے گفتگو فرمائی، اور خوش اخلاقی اور خاطر مدارات کا معاملہ فرمایا، تاکہ اس کے قبیلہ کے لوگ مانوس ہو کر اسلام قبول کر لیں اور مسلمان اس کے شر سے محفوظ رہ سکیں، اس کے شر کو دیکھ کر اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے سختی کا برتاؤ کرتے تو اس وقت مسلمانوں کے لیے بہت سی مشکلات پیدا ہو سکتی تھیں، اور ویسے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تو سب کے ساتھ نرم گفتگو کرنے کا ہی تھا۔

۲۔ یا اس جملے کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہے، مطلب یہ ہے کہ اگر میں اس کے ساتھ اس کے آنے کے بعد ترش چہرے اور سختی سے گفتگو کرتا تو پھر وہ مجھے اس گفتگو کی وجہ سے چھوڑ دیتا، ایسے میں لوگوں میں سب سے بدترین شخص میں قرار پاتا کیونکہ وہ شخص سب سے بدترین اور شریر ترین ہوتا ہے، جس کی فحش گفتگو کی وجہ سے لوگ اس سے دور ہو جائیں، میں کسی کو اپنے سے دور نہیں، قریب کرتا ہوں، اس بات کی تائید صحیح بخاری کی روایت سے ہوتی ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: متی عهدتنی فحاشا، ان شر الناس .... تم نے مجھے فحش گو کب دیکھا تھا کہ اس شخص کے آنے کے بعد تمہیں اس کا انتظار تھا کہ میں اس کے ساتھ فحش گفتگو کروں گا، یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے حسن اخلاق کا ایک اہم باب ہے کہ جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسلام

کے دشمنوں کے ساتھ بھی خوش اخلاقی اور خاطر مدارات کا معاملہ فرماتے تھے۔(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے آنے سے پہلے حضرت عائشہؓ کے سامنے اس کے برا ہونے کا تذکرہ کیوں فرمایا؟ اس میں درج ذیل امور پیش نظر تھے:

- تا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا اس شخص کے ساتھ اچھا رویہ دیکھ کر حضرت عائشہؓ اور صحابہ کرامؓ یہ نہ سمجھیں کہ یہ مخلص مسلمان ہے، وہ اس وقت پکا منافق تھا، اس طرف اشارہ کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا برا ہونا واضح فرمایا۔
- یہ بتانا مقصود تھا کہ اس کے سامنے راز کی ایسی کوئی بات نہ کی جائے، جس سے مسلمانوں کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہو، کیونکہ منافقین باتیں معلوم کرنے کے لیے اہم موضوعات پر گفتگو شروع کر دیتے ہیں، جس سے ان کا مقصد درست نہیں ہوتا، بلکہ فساد پھیلانے کے لیے وہ ایسا کرتے ہیں۔
- یہ واضح کرنا تھا کہ اصلاح کی نیت سے اور دوسروں لوگوں کو شر سے بچانے کے لیے اگر کسی فسادی کی حقیقت لوگوں کے سامنے واضح کر دی جائے تو شرعاً یہ غیبت کی تعریف میں داخل نہیں ہے، بلکہ بعض اوقات اس چیز کا اظہار ناگزیر ہو جاتا ہے۔(۲)

اس حدیث سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں:

- ایک مسلمان کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ وہ ہر ایک کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آئے، غیر مسلموں کے ساتھ بھی اچھے برتاؤ کا حکم ہے، جبکہ ان کے ضرر سے بچنا مقصود ہو یا انہیں اسلام کی تعلیمات سے مانوس کرنا پیش نظر ہو۔
- کافر اور فاسق مہمان کے ساتھ بھی نرمی اور پیار کا معاملہ کرنا چاہیے۔
- جب کوئی شخص برا، فسادی اور فاسق و فاجر ہو، لوگوں کو دھوکہ دیتا ہو تو اس کی اصل حالت کو لوگوں کے سامنے بیان کرنا جائز ہے، تا کہ لوگ اس کی شرارتوں سے ہوشیار رہیں، ایسی صورت میں اس کے عیوب کا تذکرہ کرنا غیبت نہیں ہے۔

## حدیث میں ''رجل'' سے کون مراد ہے

''رجل'' کی تعیین سے متعلق دو قول ہیں:

۱۔ اس سے حضرت مخرمہ بن نوفل مراد ہیں۔

۲۔ راجح یہ ہے کہ اس ''رجل'' سے حضرت عیینہ بن حصن فزاری مراد ہیں، یہ اس وقت مخلص مسلمان نہیں تھے بلکہ منافقانہ انداز سے صرف ظاہراً مسلمان بنے ہوئے تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ ہر ایک سے حسن اخلاق سے پیش آتے، اس لیے اس کے ساتھ بھی اچھا برتاؤ کیا، تا کہ اس کے شر سے محفوظ رہیں، کیونکہ یہ اپنے قبیلہ کا مانا ہوا سردار تھا، اس کے ساتھ سخت رویہ سے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۰۰

(۲) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۸۶)

مسلمانوں کو ضرر پہنچ سکتا تھا، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد جب ارتداد کا شور ہوا تو یہ بھی مرتد ہو گیا تھا، اور اپنے چھپے ہوئے کفر کو ظاہر کر دیا تھا، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ایک علامت اور معجزہ واضح ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے جو "برا" فرمایا تھا، وہ درست تھا، ارتداد کی وجہ سے اسے حضرت ابوبکر صدیق کی خدمت میں پکڑ کر لایا گیا، راستے میں مدینہ منورہ کے نوعمر لڑکوں نے اس پر آوازیں کسنا شروع کر دیں کہ یہ مرتد ہو گیا ہے، عیینہ نے جواب میں کہا: میں مسلمان ہی نہیں ہوا تھا کہ جو مرتد ہو جاتا، اس کے بعد یہ مخلص مسلمان ہو گئے تھے، اور حضرت عمر کے زمانے میں بعض فتوحات میں یہ شریک بھی ہوئے۔

## مدارات اور مداہنت میں فرق

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے عیینہ بن حصن کے ساتھ مدارات کا معاملہ فرمایا تھا، مدارات مستحب ہے جبکہ مداہنت حرام ہے، مدارات یہ ہے کہ دنیا کی بہتری یا دین کی صلاح یا دین و دنیا دونوں کی بہتری کے لیے دنیا کو خرچ کیا جائے، اور مدارات نرم رویہ، خوش اخلاقی اور حسن سلوک کو کہتے ہیں، اور دنیا کی خاطر دین چھوڑ دینے کو مداہنت کہتے ہیں، اور یہ بھی مداہنت ہے کہ کسی ایسے شخص سے ملنا جلنا رکھا جائے جو کھلم کھلا گناہ کرتا ہے، اور یہ شخص قدرت کے باوجود اس کے گناہ پر کوئی روک ٹوک نہیں کرتا، خاموشی اختیار کرتا ہے، اور اس قدر صرف نظر کرتا ہے کہ دل سے بھی اس کے گناہ کو برا نہیں سمجھتا، اور اگر دل سے برا سمجھے تو یہ مداہنت نہیں ہے۔(۱)

عَنِ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ: قَالَ الْحُسَيْنُ: سَأَلْتُ أَبِي، عَنْ سِيرَةِ النَّبِيِّ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي جُلَسَائِهِ، فَقَالَ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَائِمَ الْبِشْرِ، سَهْلَ الْخُلُقِ، لَيِّنَ الْجَانِبِ، لَيْسَ بِفَظٍّ وَلَا غَلِيظٍ، وَلَا صَخَّابٍ وَلَا فَحَّاشٍ، وَلَا عَيَّابٍ وَلَا مُشَاحٍ، يَتَغَافَلُ عَمَّا لَا يَشْتَهِي، وَلَا يُؤْيِسُ مِنْهُ وَلَا يُجِيبُ فِيهِ۔

ترجمہ: حضرت حسن بن علی فرماتے ہیں کہ (میرے چھوٹے بھائی) حسین بن علی کہتے ہیں کہ میں نے اپنے والد حضرت علی سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا اپنے ہم نشینوں کے ساتھ طرز، سیرت اور طور طریقہ پوچھا (کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے ساتھ کیسے پیش آتے تھے) تو حضرت علیؓ نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ خندہ پیشانی والے اور ہنس مکھ رہتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم مزاج تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم پہلو والے یعنی خوش اخلاق تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اکھڑ مزاج یعنی سخت کلام آدمی نہ تھے، اور نہ سخت دل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ تو چلا کر بولتے تھے، نہ ہی فحش گفتگو فرماتے اور نہ ہی لوگوں کے عیب نکالتے تھے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ زیادہ مبالغہ سے تعریف کرنے والے اور نہ زیادہ مذاق کرتے تھے) اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بخیل تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس بات کی طرف توجہ ہی نہ فرماتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ ہوتی، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسرے کو اس خواہش سے مایوس بھی نہ فرماتے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ ہوتی، اور اس کا جواب بھی نہ

(۱) فتح الباری ۱۰/۵۵۷، کتاب الادب، باب مالم یکن النبی ﷺ فاحشا ولا متفاحشا، رقم الحدیث: ۶۰۳۲

دیتے تھے (بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش رہتے)

**مشکل الفاظ کے معنی**: بشر: (با کے نیچے زیر اور شین ساکن) خندہ پیشانی، ہنس مکھ چہرے والے، **سھل الخلق**: (سین پر زبر اور ہا ساکن، خاء اور لام پر پیش) نرم مزاج، **لین**: نرم، **الجانب**: پہلو، **لین الجانب**: نرم پہلو والے یعنی اچھے اخلاق والے، **فظ**: (فا پر زبر اور ظاء کے نیچے زیر و تشدید) اکھڑ مزاج آدمی، سخت کلام کرنے والا، **غلیظ القلب**: سخت دل آدمی، **صخاب**: چیخنے والا، چلا کر بات کرنے والا، **فحاش**: فحش گفتگو کرنے والا، **عیاب**: دوسروں کے عیب نکالنے والا، **مشاح**: (میم پر پیش، شین پر زبر اور حا پر تشدید) باب مفاعلہ سے شح سے اسم فاعل ہے: بخل کرنے والا، **یتغافل**: آپ صلی اللہ علیہ وسلم توجہ نہ فرماتے، بتکلف غفلت کا معاملہ فرماتے، **عما لا یشتھی**: جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ چاہتے، جو بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آتی، **لا یؤیس منه**: اس میں ''منہ'' کی ضمیر ''مالا یشتھی'' کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس خواہش سے مایوس اور ناامید بھی نہ کرتے، **و لا یجیب فیه**: ۱۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند بات کا جواب ہی نہ دیتے۔ ۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کھانے کی دعوت قبول نہ فرماتے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ ہوتا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی کو مایوس نہ فرماتے

مذکورہ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چند اخلاق حسنہ کا ذکر ہے، جن میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اس برتاؤ کا ذکر ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اہل مجلس کے ساتھ فرماتے تھے، جس کی تفصیل یہ ہے:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگرچہ آخرت کے امور اور احوال کے اعتبار سے یہ سوچ کر غمگین اور پریشان رہتے تھے کہ میری امت کا کیا بنے گا، دل ہی دل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم یہ سوچتے رہتے، مگر دنیا میں ہر ایک سے مسکراتے چہرے اور خندہ پیشانی سے ملتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم دنیاوی امور پر کبھی پریشان نہ ہوتے، کوئی ناگوار بات پیش آجاتی یا کوئی مقصد حاصل نہ ہوتا، اس کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم اور مسکراہٹ ختم نہ ہوتی، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ ہنس مکھ رہتے، چہرہ انور پر تبسم اور بشاشت کا اثر نمایاں ہوتا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ ہر موقع پر انسان کو خندہ پیشانی سے رہنا چاہیے، منہ بنا کر رہنا پسندیدہ طریقہ نہیں، سنت کے خلاف ہے، اس کا انتہائی برا اثر دوسروں پر پڑتا ہے، اس لیے اس انداز سے پرہیز کرنا چاہیے۔
- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نرم مزاج والے تھے، ہر شخص بڑی آسانی سے اپنی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے کر لیتا تھا، کسی کو کوئی ہچکچاہٹ نہ تھی، نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نرم پہلو والے تھے، کسی بات میں اگر لوگوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی موافقت کی ضرورت ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سہولت سے ان کے موافق ہو جاتے، اس سے نرم مزاجی کی فضیلت ثابت ہوتی ہے۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم بول چال اور گفتگو میں سخت نہ تھے اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت دل تھے، حسن اخلاق اور خوش اخلاقی کے انتہائی اعلیٰ مقام پر فائز تھے، قرآن مجید میں اللہ جل جلالہ نے غزوہ احد کے واقعہ میں فرمایا: (لَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَا نْفَضُّوْا

مِنْ حَوْلِکَ ) (اگر آپ اکھڑ مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ صحابہؓ آپ کے پاس سے منتشر ہو جاتے ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نرم رویہ کی وجہ سے وہ سارے حضرات دوبارہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جمع ہو گئے۔

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چلا کر نہ بولتے، درمیانی آواز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے، جس سے آسانی سے بات کو سمجھ لیا جاتا، چیخ و پکار سے بولنے کی عادت بنالینا وقار کے خلاف ہے، اس سے دوسروں کو تکلیف پہنچتی ہے، جس سے احتراز کرنا چاہیے۔

۞ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم فحش اور بے حیائی والی گفتگو نہ فرماتے، اور نہ ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم دوسروں کے عیوب تلاش کرتے، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں اصلاح کی بات ہی ارشاد فرماتے، ایسے ہی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کھانے میں کوئی عیب نہ نکالتے، امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ کھانے میں کوئی عیب نہ نکالا جائے کہ مثلاً یہ کچا ہے، اس میں نمک زیادہ ہے یا کم ہے، یہ ایسا ہے اور یہ ایسا، البتہ پکانے والے کو ایسی صورت میں سمجھایا جاسکتا ہے تا کہ وہ آئندہ اس طرح کھانا نہ بنائے جس کو کھانے والے پسند ہی نہ کریں، یوں وہ ساری چیزیں ضائع ہو جاتی ہیں، جو اس کھانے اور سالن وغیرہ میں استعمال ہوئی ہیں۔

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بخیل نہیں تھے، اہل خانہ اور متعلقین پر تنگی نہ فرماتے، بلکہ خوب خرچ کرتے تھے، گھر میں جو چیز بھی ہوتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے صدقہ فرما دیتے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بھی سخی تھے اور سخاوت کو پسند فرماتے تھے، اور یہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بھی تعلیم دی ہے۔

۞ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو جو بات پسند نہ آتی، اس کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم توجہ ہی نہ فرماتے بتکلف آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اعراض فرماتے، گویا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ بات سنی ہی نہیں، دوسرے کی کوئی خواہش اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آتی تو اس کو مایوس بھی نہ فرماتے، اس بات کا کوئی جواب بھی نہ دیتے بلکہ خاموش رہتے، ان کے ساتھ حسن اخلاق سے پیش آتے، ایسا نہ تھا کہ اگر مرضی کے خلاف کوئی شخص کوئی بات کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس پر غصہ ہو جاتے ہوں یا اس سے ناراض ہو جاتے ہوں، جیسے آج کل ہمارے معاشرے میں اس طرح کے رویے رائج ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ جب کوئی انسان طبیعت کے خلاف کوئی بات کر دے تو اس سے بھی حسن اخلاق سے پیش آنا چاہیے۔

ولا یجیب فیه: اس کے دو مطلب ہیں: ا۔ جو بات آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پسند نہ آتی تو اس کا جواب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نہ دیتے۔ ۲۔ جب کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو کسی ایسے کھانے پر دعوت دیتا، جو کھانا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت کے موافق نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دعوت کو قبول نہ فرماتے، بلکہ عمدہ انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی دعوت کو رد فرما دیتے۔(۱)

قَدْ تَرَکَ نَفْسَهُ مِنْ ثَلَاثٍ: اَلْمِرَاءِ وَالْإِكْبَارِ وَمَا لَا يَعْنِيهِ، وَتَرَکَ النَّاسَ مِنْ ثَلَاثٍ: كَانَ لَا يَذُمُّ أَحَدًا وَلَا يَعِيبُهُ، وَلَا يَطْلُبُ عَوْرَتَهُ۔

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تین باتوں کو اپنے آپ سے منع کر رکھا تھا: لڑائی جھگڑے سے اور اپنے آپ کو بڑا سمجھنے

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۸۸)

سے یعنی تکبر سے اور اس کام یا بات سے جو لایعنی یعنی بے فائدہ اور بیکار ہو، اور تین خصلتوں میں لوگوں کا تذکرہ چھوڑ رکھا تھا: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی مذمت نہ فرماتے، اور نہ کسی پر عیب لگاتے اور نہ ہی کسی کا عیب تلاش فرماتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ترک نفسه: اپنے نفس سے چھوڑ رکھا تھا، المراء: (میم کے نیچے زیر) لڑائی جھگڑا، اکبار: اپنے آپ کو بڑا سمجھنا، تکبر کرنا، لایعنیه: وہ کام یا بات جو مفید نہ ہو، و لا یعیبه: اور نہ اس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم عیب لگاتے، عورة: عیب، خرابی، فساد۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے چھ چیزوں کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ رکھا تھا

مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے چھ چیزوں کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ رکھا تھا، ان میں سے تین کا تعلق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اپنی ذات سے ہے، اور تین کا تعلق لوگوں سے ہے، پہلی تین چیزوں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حق پر ہونے کے باوجود بحث مباحثہ اور لڑائی جھگڑا بالکل نہ فرماتے تھے، ایک اور حدیث میں ارشاد ہے: جو شخص حق پر ہونے کے باوجود لڑائی جھگڑے کو ترک کر دے تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت کے درمیان ایک گھر بنا دیتے ہیں۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم منکسر المزاج اور عاجز طبع تھے، تکبر نام کی کوئی چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں نہ تھی، بعض نسخوں میں "اِکثار" کا لفظ ہے، مطلب یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم زیادہ بولتے نہیں تھے، ضرورت کی گفتگو فرما کر خاموش رہتے تھے، اسی طرح آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال ومتاع اور دولت کے درپے نہ رہتے تھے۔

۳۔ لایعنی اور بے مقصد کاموں یا باتوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجتناب فرماتے تھے، ایسا کام جس کا نہ دنیا میں کوئی فائدہ ہو اور نہ ہی آخرت میں، ایک اور حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: آدمی کے اسلام کا حسن یہ ہے کہ انسان لایعنی کاموں کو چھوڑ دے، اور قرآن مجید میں اللہ جل جلالہ نے نیک لوگوں کی صفات میں فرمایا: وَالَّذِيْنَ هُمْ عَنِ اللَّغْوِ مُعْرِضُوْنَ (جو بے ہودہ کام سے اعراض کرتے ہیں)۔

ان تین چیزوں کا تعلق نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے ہے، اور جن تین خصلتوں کا تعلق لوگوں سے تھا، ان کی تفصیل یہ ہے:

- نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی انسان کی مذمت اور برائی نہ فرماتے۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیٹھ پیچھے کسی کا عیب نہ نکالتے۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی کے عیب تلاش نہ فرماتے، کیونکہ اسلام نے دوسروں کے عیوب کے تجسس اور ٹوہ لگانے سے منع فرمایا ہے، اللہ جل شانہ ہمیں بھی اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔(۱)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۰۴

وَلَا يَتَكَلَّمُ إِلَّا فِيمَا رَجَا ثَوَابَهُ، وَإِذَا تَكَلَّمَ أَطْرَقَ جُلَسَاؤُهُ كَأَنَّمَا عَلَى رُءُوسِهِمُ الطَّيْرُ، فَإِذَا سَكَتَ تَكَلَّمُوا لَا يَتَنَازَعُونَ عِنْدَهُ الْحَدِيثَ، وَمَنْ تَكَلَّمَ عِنْدَهُ أَنْصَتُوا لَهُ حَتَّى يَفْرُغَ، حَدِيثُهُمْ عِنْدَهُ حَدِيثُ أَوَّلِهِمْ، يَضْحَكُ مِمَّا يَضْحَكُونَ مِنْهُ، وَيَتَعَجَّبُ مِمَّا يَتَعَجَّبُونَ مِنْهُ، وَيَصْبِرُ لِلْغَرِيبِ عَلَى الْجَفْوَةِ فِي مَنْطِقِهِ وَمَسْأَلَتِهِ حَتَّى إِنْ كَانَ أَصْحَابُهُ لَيَسْتَجْلِبُونَهُمْ وَيَقُولُ: إِذَا رَأَيْتُمْ طَالِبَ حَاجَةٍ يَطْلُبُهَا فَأَرْفِدُوهُ، وَلَا يَقْبَلُ الثَّنَاءَ إِلَّا مِنْ مُكَافِئٍ، وَلَا يَقْطَعُ عَلَى أَحَدٍ حَدِيثَهُ حَتَّى يَجُوزَ فَيَقْطَعُهُ بِنَهْيٍ أَوْ قِيَامٍ.

ترجمہ: اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم صرف وہی کلام فرماتے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر وثواب کی امید ہوتی، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم گفتگو فرماتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمنشین یعنی حاضرین مجلس اس طرح گردن جھکا کر بیٹھتے گویا کہ ان کے سروں پر پرندے بیٹھے ہوں، پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے، تب وہ حضرات کلام کرتے، اہل مجلس آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کسی بات میں جھگڑتے نہیں تھے، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کوئی گفتگو کرتا، تو سب لوگ اس کی بات کو توجہ سے سنا کرتے، یہاں تک کہ وہ اپنی بات سے فارغ ہو جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اہل مجلس کی گفتگو (توجہ سے سننے میں) ایسی ہوتی جیسے ان میں سے پہلے شخص کی گفتگو ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس بات سے ہنستے، جس سے اہل مجلس ہنستے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہر اس بات پر تعجب کرتے، جس سے لوگ تعجب کرتے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اجنبی مسافر کی آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو اور سوال میں سخت رویہ پر صبر فرماتے، یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض صحابہ مسافروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس اقدس تک تلاش کر کے لاتے تھے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے: جب تم لوگ کسی حاجت مند کو دیکھو، جو اپنی حاجت طلب کر رہا ہے تو اس کی امداد کیا کرو، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم تعریف قبول نہیں فرماتے تھے سوائے اس شخص کے جو احسان کا بدلہ دینے والا ہو (اور وہ تعریف کر دیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو جاتے) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کسی کی بات کو کاٹتے نہیں تھے، یہاں تک کہ وہ حد سے تجاوز کرنے لگتا تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کی بات منع کر کے کاٹ دیتے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم مجلس سے کھڑے ہو جاتے (تاکہ وہ خود ہی رک جائے)۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أطرق: گردن جھکا لیتے، جلساءہ: جلیس کی جمع ہے: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمنشین، حاضرین مجلس، لا یتنازعون: وہ لوگ جھگڑا نہ کرتے، انصتوا له: وہ حضرات اس شخص کی بات توجہ سے سنتے، غریب: اجنبی، پردیسی، مسافر، الجفوة: (جیم پر زبر اور زیر) اکھڑ پن، سختی، بداخلاقی، بے رخی کا رویہ، یستجلبونهم: صحابہ کرام مسافروں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں لاتے، أرفدوه: ارفاد سے صیغہ امر جمع ہے: تم لوگ اس کی امداد کرو، اسے مضبوط کرو، مکافیٔ: احسان کا بدلہ دینے والا، لا یقطع: آپ صلی اللہ علیہ وسلم بات کو نہ توڑتے، حتی یجوز: یہاں تک کہ وہ شخص حد سے تجاوز کرنے لگتا۔

## شکریہ میں تعریفی کلمات پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم سکوت فرماتے

حدیث کی مذکورہ عبارت میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کی چند صفات کا ذکر ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم صرف وہی کلام فرماتے، جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اجر وثواب کی امید ہوتی، ایسی بات جس کا کوئی فائدہ نہ ہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس سے اعراض فرماتے، امت کو بھی اسی کی تاکید فرمائی ہے کہ وہ اپنی زبان پر کنٹرول رکھیں، کیونکہ زبان کو ناجائز اور بیہودہ گفتگو میں استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اس کی قیامت کے دن باز پرس ہوگی۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب گفتگو فرماتے تو حاضرین مجلس صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پوری توجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کلام سنا کرتے، وہ اپنی گردنیں جھکا کر اس طرح آرام وسکون سے بیٹھ جاتے، گویا کہ ان کے سروں پر پرندہ ہو، یہ محاورہ ہے، اس سے مقصود یہ ہے کہ مکمل توجہ سے وہ حضرات نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات سنا کرتے تھے، کَاَنَّمَا عَلٰی رُؤُسِهِمُ الطَّیْرُ (گویا کہ ان کے سروں پر پرندہ ہو) اس محاورے کا آغاز کب ہوا؟ ملا علی قاری رحمہ اللہ نے اس میں دو قول ذکر کیے ہیں:

- بعض حضرات فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت سلیمان علیہ السلام نے پرندوں کو حکم دیا کہ وہ میرے صحابہ پر سایہ کریں، تو ان لوگوں نے اپنی نظریں نیچے کرلیں، کوئی گفتگو نہ کی، حضرت سلیمان علیہ السلام کی گفتگو وہ حضرات توجہ سے سننے لگے۔
- جوہری کہتے ہیں کہ اس کی اصل یہ واقعہ ہے کہ کوا اونٹ کے سر پر بیٹھ کر اس کے سر سے کیڑے نکالتا ہے، جس سے اس اونٹ کو بہت سکون اور راحت ملتی ہے، وہ اپنا سر اس وجہ سے نہیں ہلاتا کہ کہیں یہ کوا اڑ نہ جائے، کیونکہ وہ اونٹ کوے کے کام سے بہت لطف اندوز ہو رہا ہوتا ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی حالت کی اونٹ کی حالت کے ساتھ تشبیہ دی کہ جس طرح وہ اونٹ کوے کے عمل سے سکون محسوس کرتا ہے اور کوئی حرکت نہیں کرتا تا کہ کوا اڑ نہ جائے، اسی طرح صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات مبارکہ سے اس قدر ایمانی لذت محسوس کرتے کہ ان میں سے کوئی بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کلام کے درمیان کوئی جنبش اور حرکت نہ کرتا، تا کہ نور نبوت سے کامل طریقے سے روشنی حاصل کی جائے، اس بات کو بیان کرنے کے لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ عربی محاورہ ذکر کیا ہے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب خاموش ہو جاتے، اس وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گفتگو کرتے، اور بات چیت میں بھی پورے آداب کا لحاظ رکھتے، آپس میں بحث مباحثہ اور لڑائی جھگڑا نہ کرتے، یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا کمال ادب ہے کہ مجلس نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں اپنی آواز تک بلند نہیں کرتے تھے۔

۴۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب کوئی شخص بات کرتا تو تمام حاضرین مجلس اسے توجہ سے سنتے تھے، اس کی گفتگو کے درمیان کوئی بھی نہ بولتا تھا، جب وہ شخص اپنی بات پوری کرلیتا پھر دوسرا کوئی بات کرتا، اس سے معلوم ہوا کہ مجلس میں جب کوئی شخص اپنی بات شروع کردے تو اس کی بات کو پوری توجہ سے سنا جائے، درمیان میں اس کی بات کو کاٹنا درست نہیں ہے۔

۴۔ حَدِيثُهُمْ عِنْدَهُ حَدِيثُ أَوَّلِهِمْ (آپ ﷺ کے سامنے ان کی گفتگو ان میں سے پہلے کی گفتگو کی طرح ہے)، اس جملے کا مطلب کیا ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

❁ حدیث اولہم سے مراد ہے کہ حدیث اولہم یعنی نبی کریم ﷺ ہر شخص کی بات پوری توجہ اور بشاشت سے سنتے، جس طرح کہ پہلے شخص کی گفتگو آپ ﷺ سنا کرتے، ایسا نہ ہوتا کہ ابتداء میں تو آپ ﷺ توجہ سے سنتے اور آخر میں اکتاہٹ آ جاتی، غرض یہ کہ شروع سے آخر تک ہر آدمی کی بات بڑے اہتمام اور توجہ سے آپ ﷺ سنتے تھے۔

❁ بعض حضرات نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ ہر ایک سے ترتیب سے گفتگو فرماتے، جو پہلے آتا آپ ﷺ پہلے اس سے کلام فرماتے پھر یوں ترتیب وار ہر ایک سے پوری توجہ سے کلام فرماتے۔

۵۔ نبی کریم ﷺ اہل مجلس کے ساتھ بات چیت میں شریک ہوتے، حاضرین مجلس ہنستے تو نبی کریم ﷺ بھی مسکراتے، اور جس بات سے سب لوگ تعجب کرتے، اس سے نبی کریم ﷺ بھی تعجب کرتے، خوش طبعی میں آپ ﷺ بھی ان کے ساتھ شامل ہوتے، ایسا نہیں تھا کہ آپ ﷺ چپ چاپ بیٹھے رہیں بلکہ طرز کلام میں اہل مجلس کے ساتھ شریک رہتے تھے۔

۶۔ کوئی اجنبی دیہاتی مسافر آ جاتا تو نبی کریم ﷺ کے ساتھ اس کے بولنے اور سوال کرنے میں انداز انتہائی کرخت اور سخت ہوتا، مگر اس کے باوجود آپ ﷺ اس کے رویے پر صبر فرماتے اور صحابہ کرام ؓ اس طرح کے دیہاتی سائل کو آپ ﷺ کی مجلس میں لاتے، وہ آزادانہ طریقے سے کھل کر مختلف امور کے بارے میں آپ ﷺ سے سوال کرتا، جس سے صحابہ کرام ؓ کو بھی بہت فائدہ ہوتا، اس لیے اجنبی مسافر کے آنے سے صحابہ کرام ؓ خوش ہوا کرتے تھے۔

۷۔ نبی کریم ﷺ صحابہ کرام ؓ کو تاکید فرماتے کہ جب تمہارے پاس کوئی حاجت مند آئے تو تم لوگ اس کی امداد کیا کرو، کیونکہ کسی مسلمان کی ضرورت کو پورا کرنا بہت ہی فضیلت اور اجر و ثواب کا باعث ہوتا ہے۔

۸۔ اگر کوئی شخص بطور شکریہ اور احسان کے بدلے میں آپ ﷺ کی تعریف کرتا تو آپ ﷺ اس پر سکوت اختیار فرماتے کہ احسان کا بدلہ اسے دینا چاہیے۔

یہ ذہن میں رہے کہ کسی کے منہ پر تعریف کرنے کو پسند نہیں کیا گیا، اور نہ ہی کسی کی تعریف میں مبالغہ کرنا درست ہے، کیونکہ اس سے وہ بندہ عجب اور خود پسندی میں مبتلیٰ ہو جاتا ہے، جس سے اس کی عملی زندگی میں مزید کمزوریاں آ جاتی ہیں، البتہ اگر کسی شخص کی اعترافِ حقیقت کے طور پر ایسی تعریف کی جائے، جس کا وہ مستحق ہے، اور غالب گمان یہ ہو کہ وہ اس تعریف سے خود پسندی اور عجب میں مبتلیٰ نہیں ہو گا تو ایسی تعریف جائز ہے، ایک مرفوع حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: أَحْثُوا التُّرَابَ فِي وُجُوهِ الْمَدَّاحِينَ (تعریف کرنے والے کے چہرے پر مٹی پھینکو) لیکن علماء نے لکھا ہے کہ یہ حدیث ان لوگوں کے بارے میں ہے جو غلط اور جھوٹی تعریفیں کرتے ہوں، کیونکہ خود نبی کریم ﷺ کی اشعار اور خطبوں میں تعریف کی گئی اور آپ ﷺ نے اس پر کوئی نکیر نہیں فرمائی، اس بارے میں حضرت حسان بن ثابت اور حضرت کعب بن زہیر کے قصائد مشہور ہیں۔

۹۔ جب کوئی شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے گفتگو کرتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے کلام کو توجہ سے سنتے، اس کی بات کو درمیان سے نہ کاٹتے، البتہ اگر وہ اپنی گفتگو میں حد سے تجاوز کرنے لگتا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یا اسے منع فرما دیتے جبکہ منع کرنا مفید ہوتا، یا اس مجلس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے ہو جاتے، اسی طرز پر ہمارے اسلاف کا عمل چلا آ رہا ہے کہ جب کوئی ان کے سامنے کسی کی غیبت شروع کر دیتا ہے تو وہ اسے منع کر دیتے ہیں جبکہ منع کرنا مفید ہو یا اس مجلس کا رخ تبدیل کر دیتے ہیں یعنی کسی اور موضوع پر گفتگو کا رخ پھیر دیتے ہیں یا اس مجلس سے ہی چلے جاتے ہیں۔(۱)

عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُولُ: مَا سُئِلَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا قَطُّ فَقَالَ: لَا.(۲)

ترجمہ: حضرت جابر بن عبد اللہ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی کسی شخص کے کوئی چیز مانگنے پر انکار نہیں کیا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی کسی سائل کو رد نہیں کیا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے جب کوئی شخص دنیا کی کسی چیز کا سوال کرتا، اگر وہ چیز اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے وہ عطا فرما دیتے، ورنہ اس سے وعدہ فرما لیتے کہ فلاں وقت میں آ جائیں تو وہ چیز تمہیں ان شاء اللہ دے دیں گے، یا اس کے لیے دعا فرما دیتے کہ اللہ جل شانہ کسی اور ذریعہ سے تمہاری ضرورت کو پورا فرما دیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سائل کے سامنے صراحت سے انکار نہ فرماتے کہ وہ بالکل مایوس ہو جائے، ایک عربی شاعر نے کیا خوب کہا:

مَا قَالَ: لَا قَطُّ اِلَّا فِي تَشَهُّدِهٖ لَوْلَا التَّشَهُّدُ كَانَتْ لَاءُهٗ نَعَمْ

ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے تشہد کے علاوہ کبھی "لا" نہیں کہا، اگر تشہد نہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا "لا" بھی نعم یعنی جی ہاں ہوتا۔

یہ درست ہے کہ بعض احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نفی منقول ہے جیسے اشعری صحابہ کے واقعات میں جب انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سواری کا مطالبہ کیا، مگر یہ ذہن میں رہے کہ یہ نفی یا تو ادب سکھانے کے لیے تھی یا معذرت کے لیے تھی، ایسا نہیں تھا کہ ایک چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود ہوتی پھر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم انکار فرماتے۔(۳)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی سائل کو سخت اور کرخت لہجہ میں رد نہیں کرنا چاہیے بلکہ ہو سکے تو اسے وہ چیز دے دی جائے ورنہ اچھے انداز سے اس سے معذرت کر لی جائے۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۰۶۔
(۲) الصحیح للبخاری، الأدب، باب حسن الخلق والسخاء وما یکرہ من البخل، رقم الحدیث: ۶۰۳۴۔
(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۰۸

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ النَّاسِ بِالْخَيْرِ وَكَانَ أَجْوَدَ مَا يَكُونُ فِي شَهْرِ رَمَضَانَ، حَتّٰى يَنْسَلِخَ فَيَأْتِيهِ جِبْرِيلُ فَيَعْرِضُ عَلَيْهِ الْقُرْآنَ، فَإِذَا لَقِيَهُ جِبْرِيلُ كَانَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَجْوَدَ بِالْخَيْرِ مِنَ الرِّيحِ الْمُرْسَلَةِ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم مال و دولت کے خرچ کرنے میں سب لوگوں سے زیادہ سخی تھے، اور رمضان کے مہینہ میں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور زیادہ سخی ہو جاتے تھے؛ چنانچہ (سارے مہینے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کا دریا بہتا رہتا) یہاں تک کہ رمضان کا مہینہ ختم ہو جاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جبرائیل امین آتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کو قرآن مجید سناتے، (یا جبرائیل امین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن سناتے) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت جبرائیل کی ملاقات ہوتی تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم مال خرچ کرنے میں اس ہوا سے بھی زیادہ سخی ہو جاتے، جس ہوا کو (بارش کے لیے) چھوڑا گیا ہو۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** اجود الناس: (جود سے صیغہ اسم تفضیل) لوگوں میں سب سے زیادہ سخی، الخیر: مال و دولت، علم و اخلاق اور خیر کے تمام کام، کان اجود مایکون: اس میں ''کان'' کے اسم کے بارے میں دو قول ہیں: ۱۔ ھو ضمیر اس کا اسم ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لوٹ رہی ہے۔ ۲۔ اجود... اس کا اسم ہے اور اس کی خبر محذوف ہے، حتی ینسلخ: یہاں تک کہ وہ مہینہ پورا گذر جاتا، رمضان کا مہینہ ختم ہو جاتا، یعوض علیہ القرآن: اس کے دو ترجمہ ہو سکتے ہیں۔ ۱۔ یعرض کی ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور علیہ کی ضمیر ''ہ'' حضرت جبرائیل علیہ السلام کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جبرائیل امین کو سنا رہے تھے۔ ۲۔ پہلے کے برعکس یعنی فعل کی ضمیر جبرائیل امین کی طرف اور علیہ کی ''ہ'' ضمیر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف راجع ہے، ترجمہ: حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرآن مجید سنا رہے تھے، الریح المرسلة: چھوڑی ہوئی ہوا۔

## رمضان میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت

یوں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت رمضان کے علاوہ باقی دنوں میں بھی جاری رہتی مگر رمضان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کو مزید چار چاند لگ جاتے، اس ایک مہینہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اتنی سخاوت فرماتے جو سال کے باقی مہینوں سے بڑھ جاتی، اس مہینہ میں اللہ جل جلالہ کے فضل و احسان اور نوازشات کی بارشیں ہوتی ہیں، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم چونکہ اللہ جل شانہ کے اخلاق سے متصف تھے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اس مبارک مہینہ میں خوب سخاوت فرماتے تھے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں میں سب سے زیادہ سخی تھے، اللہ جل جلالہ بھی سخی انسان کو پسند فرماتے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت رمضان میں اس ہوا سے بھی زیادہ تھی، جو بارش کے لیے چھوڑی گئی ہو، یہ عربی زبان میں بطور محاورے کے ہے، مطلب یہ

(۱) الصحیح للبخاری، بدء الوحی، رقم الحدیث: ۶۔

ہے کہ مون سون ہوا کا فائدہ صرف ظاہری حد تک ہے کہ اس سے بارش ہوتی ہے، ہر طرف ہریالی اور سبزہ چھا جاتا ہے، مگر نبی کریم ﷺ کی سخاوت کا فائدہ ظاہر اور باطن دونوں میں ہوتا ہے، آپ ﷺ کے علم واخلاق کی برکت سے لوگوں کے دلوں کی کایا بدل جاتی تھی، یوں آپ ﷺ کی سخاوت زیادہ تھی، احادیث میں بیسیوں واقعات ایسے ہیں جن سے یہ واضح ہوتا ہے کہ ایک چیز کی بسا اوقات نبی کریم ﷺ کو خود بھی اشد ضرورت ہوتی، مگر پھر بھی آپ ﷺ وہ چیز دوسروں کو دے دیتے، ذیل میں چند واقعات کی تفصیل:

۱۔ ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ نے ایک شخص کو بہت زیادہ بکریاں دیں، اس نے واپس جا کر اپنی قوم کو بتایا تو وہ سارے مسلمان ہو گئے۔

۲۔ نبی کریم ﷺ کے پاس کہیں سے نوے ہزار درہم آ گئے، آپ ﷺ نے انہیں ایک چٹائی پر ڈلوا دیا اور تقسیم کرنا شروع کر دیا، کسی بھی سائل کو واپس نہیں کیا، اسی میں وہ سارے ختم ہو گئے، ایک درہم بھی آپ ﷺ نے ان میں سے بچا کر نہیں رکھا۔

۳۔ نبی کریم ﷺ نے حضرت اقرع بن حابس، حضرت عیینہ بن حصن اور حضرت عباس بن مرداس اور دیگر بہت سے حضرات کو سو سو بکریاں عطا فرمائیں۔

۴۔ ایک مرتبہ شدید تنگی کے حالات میں ایک خاتون نے آپ ﷺ کو چادر دی، آپ ﷺ کو اس کی ضرورت تھی چنانچہ آپ ﷺ نے اسے زیب تن کیا، اتنے میں ایک شخص نے وہ چادر آپ ﷺ سے مانگ لی تو آپ ﷺ نے وہ چادر اسے عنایت فرما دی۔

حاصل یہ کہ کوئی بھی نبی کریم ﷺ کی سخاوت کا مقابلہ نہیں کر سکتا تھا، خود فقیرانہ اور انتہائی سادہ زندگی بسر کرتے تھے اور لوگوں کو دینے میں دریا دل تھے، اس قدر دیتے کہ دنیا کے بڑے بڑے بادشاہ بھی آپ ﷺ کی سخاوت کے سامنے ہیچ تھے، صلی اللہ علیہ وسلم۔ (۱)

علامہ نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

- اس سے ہر وقت سخاوت کی ترغیب ثابت ہوتی ہے، خاص کر اس وقت جب نیک لوگ موجود ہوں تو پھر اور زیادہ سخاوت کا اہتمام کرنا چاہیے۔
- رمضان میں حافظ حضرات کو آپس میں قرآن مجید کا دور کرنا چاہیے، کیونکہ ایک دوسرے کو سنانے سے منزل پختہ ہو جاتی ہے۔
- نبی کریم ﷺ رمضان میں بہت زیادہ سخاوت فرماتے تھے، اس لیے جب رمضان آ جائے تو اس میں صدقات اور

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۱۲

لوگوں پر خرچ کرنے کا خوب اہتمام کرنا چاہیے، اللہ تعالیٰ ہمیں اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

❁ نیک لوگوں کی صحبت انسان کے دین میں اثر انداز ہوتی ہے، اس وجہ سے یہ کہا جاتا ہے: لِقَاءُ أَهْلِ الْخَيْرِ عِمَارَةُ الْقُلُوبِ (نیک لوگوں کی ملاقات سے دلوں کی تعمیر ہوتی ہے) اللہ جل شانہ اپنے فضل وکرم سے ہمیں نیک لوگوں کی صحبت عطا فرمائے۔ آمین۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدَّخِرُ شَيْئًا لِغَدٍ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اگلے دن کے لیے کسی چیز کو ذخیرہ کر کے نہیں رکھتے تھے۔

## نبی کریم ﷺ کسی چیز کو آئندہ کے لیے ذخیرہ نہ کرتے

نبی کریم ﷺ کے پاس کھانے کی جو چیز بھی ہوتی، اسے آپ ﷺ لوگوں کو کھلا پلا دیتے، اپنی ذات کے لیے اگلے دن کے لیے اسے بچا کر نہ رکھتے، یہ آپ ﷺ کا اعلیٰ توکل تھا کہ جو ذات آج کھلا رہی ہے، وہ ان شاء اللہ ضرور کل بھی عطا کرے گی، البتہ ازواج مطہرات کو آپ ﷺ ایک سال کا راشن ایک ساتھ عنایت فرما دیتے، جس میں کھجوریں اور جو ہوتے، مگر پھر بھی جب کوئی ضرورت مند آجاتا تو آپ ﷺ اس میں سے بھی خرچ فرما دیتے، اور ازواج مطہرات اس راشن میں سے خود بھی صدقہ کیا کرتی تھیں۔

اس حدیث میں نبی کریم ﷺ کے اعلیٰ درجہ کے توکل کا ذکر ہے، اور توکل کی صفت اخلاق حسنہ میں سے ہے، اس مناسبت سے امام ترمذی نے اس حدیث کو باب خلق النبی ﷺ میں ذکر کیا ہے۔(۳)

عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ، أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَأَلَهُ أَنْ يُعْطِيَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا عِنْدِي شَيْءٌ وَلٰكِنِ ابْتَعْ عَلَيَّ، فَإِذَا جَاءَنِي شَيْءٌ قَضَيْتُهُ، فَقَالَ عُمَرُ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ: قَدْ أَعْطَيْتَهُ فَمَا كَلَّفَكَ اللّٰهُ مَا لَا تَقْدِرُ عَلَيْهِ، فَكَرِهَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَوْلَ عُمَرَ، فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، أَنْفِقْ وَلَا تَخَفْ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا، فَتَبَسَّمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعُرِفَ فِي وَجْهِهِ الْبِشْرُ لِقَوْلِ الْأَنْصَارِيِّ، ثُمَّ قَالَ: بِهٰذَا أُمِرْتُ.

ترجمہ: حضرت عمر بن خطاب فرماتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اس نے آپ ﷺ سے کچھ

---

(۱) فتح الباری ۱/۱۲، کتاب بدء الوحی، رقم الحدیث: ۶، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۹۶)۔

(۲) سنن الترمذی، الزهد، رقم الحدیث: ۲۳۶۳۔

(۳) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۵۹۷)

دینے کا سوال کیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میرے پاس تو اس وقت کچھ موجود نہیں ہے، البتہ تم میرے نام پر خریدلو، پھر جب میرے پاس کچھ آجائے گا تو وہ قرض ادا کردوں گا، اس پر حضرت عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو (مال) دے دیا ہے، اور جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قدرت میں نہیں ہے، اس کا اللہ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکلف نہیں بنایا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت عمرؓ کی یہ بات ناگوار گذری، تو ایک انصاری صحابی نے عرض کیا یا رسول اللہ! جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا جی چاہے خرچ کیجئے، عرش والے سے کسی بھی کمی کا اندیشہ نہ کیجئے، اس بات سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مسکرائے، اور انصاری کی بات کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ مبارک پر خوشی کے آثار نمایاں تھے، پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مجھے اسی بات کا حکم دیا گیا ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ابتع علي: میرے نام پر تم خریدلو، قد أعطيته: ''ہ'' ضمیر میں تین احتمال ہیں: ا۔ یہ ضمیر سائل کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے سائل کو اس سے پہلے دے دیا ہے، ۲۔ یہ ضمیر ''ما عندي شيء'' کے قول کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمدہ بات کے ذریعہ اس کو جواب دے دیا ہے، ۳۔ یہ ضمیر ''مال'' کی طرف لوٹ رہی ہے، ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مال تو عطا کر دیا ہے، اس سے پہلے سائل کو دے دیا ہے، اقلالا: کمی کا، البِشر: (با کے نیچے زیر اور شین ساکن) بشاشت، خوشی کے آثار، عرف البِشر في وجهه: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر خوشی کے آثار نمایاں اور ظاہر تھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرورت مندوں کے لیے قرض لے کر بھی خرچ کیا کرتے

۱۔ ایک مرتبہ ایک شخص نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے کچھ مانگا، مگر اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دینے کی کوئی چیز موجود نہ تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس صحابی سے فرمایا: ما عندي شيء، میرے پاس تو اس وقت کچھ ہے نہیں مگر تم فلاں شخص سے یہ چیز خریدلو، میرے پاس جب مال آئے گا تو میں اسے قرض دے دوں گا، حضرت عمر فاروقؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جو مال موجود تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سائل کو یا اس سے پہلے کسی سائل کو دے دیا ہے، جو چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بس میں نہیں، اس کا اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکلف نہیں بنایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کیوں اس کا قرض دینے کا وعدہ فرما رہے ہیں، حضرت عمر فاروق کی بات گو کہ شرعی لحاظ سے درست تھی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات پسند نہ آئی، کیونکہ اس سے وہ ضرورت مند محروم ہو جاتا، وہاں پر موجود ایک انصاری صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے دریغ خرچ کرتے رہیں، عرش والے سے فقر و تنگدستی کا خوف نہ فرمائیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات بہت اچھی لگی، خوشی سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا چہرہ مبارک کھل اٹھا، اور فرمایا کہ مجھے اللہ جل جلالہ کی طرف سے خرچ کرنے کا ہی حکم دیا گیا ہے۔

۲۔ احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خرچ کرنے کے بہت سے واقعات ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سخاوت کے واقعات اتنی کثرت سے ہیں کہ ان کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس دینے کی کوئی چیز موجود نہ ہوتی تو قرض لے کر ضرورت

مندوں پر خرچ کرنے کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا عام معمول تھا، یہی تعلیم آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے صحابہؓ کو بھی دیتے، حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت بلالؓ کے پاس کھجوروں کی ایک ڈھیری لگی ہوئی دیکھی، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: یہ کیا ہے؟ عرض کیا کہ اسے آئندہ کی ضروریات کے لیے بچا کر رکھا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تجھے اس کا ڈر نہیں کہ اس کی وجہ سے کل قیامت کے دن جہنم کا کچھ دھواں تجھ تک پہنچ جائے، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: أَنْفِقْ بِلَالُ وَلَا تَخْشَ مِنْ ذِي الْعَرْشِ إِقْلَالًا اے بلال! خرچ کر اور عرش کے مالک سے کمی کا اندیشہ نہ کر۔ (۱)

چنانچہ صحابہ کرام بھی اللہ کے راستہ میں دل کھول کر خرچ کیا کرتے تھے، تاکہ اللہ کے ہاں تقرب اور خوشنودی حاصل ہو، رضی اللہ عنہم۔

۳۔ سنن ابی داؤد میں روایت ہے، حضرت عبداللہ ہوزنی رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ میری شام کے شہر ''حلب'' میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مؤذن حضرت بلال سے ملاقات ہوئی تو میں نے ان سے پوچھا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے اخراجات کی کیا صورت تھی؟ انہوں نے فرمایا: حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تو کچھ رہتا ہی نہ تھا، اس چیز کا انتظام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تک میرے پاس ہی تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ معمول تھا کہ جب کوئی مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے ننگا دیکھتے تو مجھے حکم دیتے کہ اس کے لیے کوئی انتظام کرلو، میں کہیں سے قرض لے کر اس کے کپڑے بنواتا اور اس کے لیے کھانے کا انتظام کرتا، ایک دن ایک مشرک آکر مجھے کہنے لگا کہ مجھے بڑی مالی وسعت حاصل ہے، تم نے جو کچھ قرض لینا ہو، مجھ سے لے لیا کرو، اور کسی سے تمہیں قرض لینے کی ضرورت نہیں ہے، میں اس سے حسبِ ضرورت قرض لینے لگا۔

ایک دن میں نے اذان دینے کے لیے وضو کیا اور اذان کہنے لگا تھا کہ وہ مشرک چند تاجروں کو ساتھ لے آیا اور مجھے دیکھ کر کہنے لگا کہ او حبشی! میں نے کہا: میں حاضر ہوں، وہ نہایت سخت لب ولہجہ سے مجھے برا بھلا کہنے لگا اور کہا کہ اس مہینہ میں کتنے دن باقی ہیں؟ میں نے کہا کہ مہینہ توختم کے قریب ہے، وہ مشرک کہنے لگا کہ صرف چار ہی دن باقی ہیں، اگر تم نے اس وقت تک قرض ادا نہ کیا تو میں تجھے اس قرضہ میں غلام بنالوں گا، اور جیسے تو پہلے غلامی کی حالت میں بکریاں چرایا کرتا تھا، وہی صورت پھر ہو جائے گی، حضرت بلال فرماتے ہیں کہ اس مشرک کی سخت باتیں سن کر میرے دل پر وہی گذری، جو عموماً اس طرح کی صورتحال میں اور لوگوں کے دلوں پر گذرتی ہے، خیر میں نے عشاء کی نماز پڑھی اور پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا، یہ سارا واقعہ سنا کر میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ: اتنی جلدی کیا انتظام ہوسکتا ہے، قرض کی ادائیگی کے لیے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کچھ ہے اور نہ میرے پاس ہے، لہٰذا میں روپوش ہو جاتا ہوں، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ادائیگی فرمادیں گے، میں حاضر ہو جاؤں گا، ورنہ وہ مجھے سخت ذلیل کرے گا، فرماتے ہیں کہ اس کے لیے میں نے تیاری شروع کردی، تاکہ میں صبح صادق سے پہلے کہیں چلا جاؤں۔

اتنے میں صبح کی نماز سے پہلے ایک شخص دوڑتا ہوا آیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم تمہیں بلا رہے ہیں، میں خدمت اقدس میں

(۱) شعب الایمان للبیہقی ۲/۱۱۸، رقم الحدیث: ۱۳۴۵، ط: بیروت۔

حاضر ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اللہ جل شانہ نے تیرے قرض کی ادائیگی کا انتظام کر دیا ہے، یہ چار اونٹنیاں جو سامان سے لدی ہوئی ہیں، فدک کے حاکم نے یہ میری طرف ہدیہ میں بھیجی ہیں، چنانچہ صبح ہوتے ہی وہ سارا قرض میں نے ادا کر دیا، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو اطلاع دی کہ اللہ جل جلالہ نے قرضہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سبکدوش کر دیا ہے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ کیا اس میں سے کچھ بچا ہے یا نہیں؟ میں نے بتایا کہ جی ہاں کچھ بچ گیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اسے بھی تقسیم کر دو تا کہ مجھے راحت ملے، فرماتے ہیں: شام ہوگئی مگر اس بقیہ سامان کی تقسیم کی کوئی صورت نہ بن سکی، عشا کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا، میں نے عرض کیا: کوئی مستحق آیا ہی نہیں، اس لیے وہ سامان موجود ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ رات مسجد میں ہی گذاری، گھر میں تشریف نہیں لے گئے، دوسرے دن عشاء کے بعد پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دریافت فرمایا: میں نے عرض کیا کہ اللہ جل شانہ نے اس کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو راحت پہنچادی ہے، اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ذمہ سبکدوش ہو چکا ہے، وہ سب مال تقسیم ہو گیا، تب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ جل جلالہ کا شکر ادا کیا، اور اپنے مکانوں پر تشریف لے گئے۔ (۱)

عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ، قَالَتْ: أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِقِنَاعٍ مِنْ رُطَبٍ وَأَجْرٍ زُغْبٍ فَأَعْطَانِي مِلْءَ كَفِّهِ حُلِيًّا وَذَهَبًا.

ترجمہ: حضرت ربیع بنت معوذ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں تازہ پختہ کھجوروں اور چھوٹی چھوٹی روئی دار ککڑیوں کی ایک ٹرے لے کر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اپنی ہتھیلی بھر کر زیور اور سونا عطا فرمایا۔

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْبَلُ الْهَدِيَّةَ وَيُثِيبُ عَلَيْهَا. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے اور اس کا بدلہ بھی دیا کرتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:** قناع: (قاف کے نیچے زیر) بڑی پلیٹ، ٹرے، طبق جس پر کھجوریں اور پھل کھائے جاتے تھے، رطب: (را پر پیش اور طا پر زبر) تازہ پختہ کھجوریں، أجو: (ہمزے پر زبر، جیم ساکن اور را کے نیچے زیر و تنوین) یہ لفظاً اصل میں اجرو ہے جیسے افلس، اس واؤ کو یاء سے بدل دیا، اور پھر اس سے پہلے یاء کی مناسبت سے زیر دے دی، پھر قاضی والے قانون سے تعلیل کر کے واؤ کو حذف کر دیا تو اَجر ہو گیا، أجو: یہ جرو (جیم کے نیچے زیر اور را ساکن) کی جمع ہے: ابتداءً نکلا ہوا پھل، خواہ وہ کوئی بھی پھل ہو، یہاں حدیث میں اس سے چھوٹی چھوٹی ککڑیاں مراد ہیں، زغب: (زا پر پیش اور غین ساکن) أزغب کی جمع ہے: روئیں دار، چھوٹے بالوں کی طرح باریک باریک ذرے اور روئیاں جو ککڑی کے اوپر ہوتی ہیں، ملأ کفه: (میم کے نیچے زیر اور لام ساکن) اپنی ہتھیلی بھر کر، حلیا: (حا پر پیش، لام کے نیچے زیر اور یا پر تشدید) حلی (حاء پر زیر اور لام ساکن) کی جمع ہے:

(۱) سنن ابی داؤد ۳/ ۲۳۰، کتاب الخراج والفیئ والامارة، باب فی الامام یقبل هدایا المشرکین، رقم الحدیث: ۳۰۵۵، ط: بیروت

(۲) سنن ابی داؤد، البیوع، رقم الحدیث: ۳۵۳۶۔

زیورات، حلیا وذھبا، یہ الفاظ باب الفواکھۃ میں ''اوْ'' کے ساتھ آئے ہیں یعنی حلیا او ذھبا یعنی زیورات یا سونا، یثیب علیھا: اس ہدیہ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم بدلہ دیا کرتے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہدیہ کا بدلہ بھی دیا کرتے

مذکورہ احادیث سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ قبول فرماتے تھے، پہلی حدیث میں حضرت ربیع بنت معوذ فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کچھ تازہ پختہ کھجوریں اور چھوٹی ککڑیاں لائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں قبول فرمایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہدیہ کا بدلہ اسی طرح یا اس سے بہتر عنایت فرماتے، چنانچہ اس صحابیہ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مٹھی بھر کر زیورات عطا فرمائے، اس روایت میں حلیا وذھبا ہے، اس میں ''واؤ'' تفسیر کے لیے ہے، اس کی تائید باب الفواکھۃ کی روایت سے بھی ہوتی ہے، اس میں حلیا او ذھبا، ہے اس میں لفظ ''اوْ'' کے ساتھ ہے، لہذا جس طرح ہدیہ قبول کرنا سنت ہے، اسی طرح اس کا بدلہ دینا بھی سنت ہے، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال اخلاق ثابت ہوتا ہے کہ ہدیہ دینے والے کو ضرور بدلہ دیتے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جب بدلہ میں ہدیہ عنایت فرماتے، تو وہ شخص بہت خوش ہو جاتا، اور اسے اپنے لیے بجا طور پر سعادت سمجھتا تھا۔

۲۔ اگر کوئی شخص کسی مسلمان کو خوش کرنے کے لیے کوئی چیز ہدیہ کرے، اس کا رزق اور ذریعہ آمدن حلال ہو، ہدیہ دینے کا مقصد غلط اور ناجائز نہ ہو، اور نہ ہی اپنی برتری اور احسان جتلانا پیش نظر ہو، تو ایسی صورت میں اس کا ہدیہ قبول کیا جا سکتا ہے، اور اپنی وسعت اور گنجائش کے بقدر اس کے بدلہ میں کوئی چیز ہدیہ میں دینی چاہیے، بدلہ دینے میں یہ کوشش کرے کہ اس کے ہدیہ سے بڑھ کر بدلہ دے، زیادہ کی گنجائش نہ ہو تو کم از کم اس کے ہدیہ کے بقدر ہی کوئی چیز ہدیہ دے دے تو بہتر ہے۔(۱)

حضرت عائشہؓ کی مذکورہ حدیث کے ظاہر سے استدلال کر کے حضرت امام مالک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہدیہ کا بدلہ دینا واجب ہے، جبکہ حنفیہ، شوافع اور جمہور کا مسلک یہ ہے کہ بدلہ کی نیت سے ہدیہ دینا درست نہیں ہے، شرعاً یہ ہدیہ نہیں، بلکہ مجہول قیمت کے بدلے ایک بیع (خرید وفروخت) ہے، کیونکہ ہبہ اور بیع میں شرعاً اور عرفاً فرق ہے، جس معاملہ میں عوض اور بدلہ ہو تو وہ ''بیع'' ہے اور جس میں بدلہ اور عوض کی نیت نہ ہو، محض تبرع اور احسان کرنا مقصود ہو تو یہ ہدیہ اور ہبہ ہے۔(۲)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۱۵۔

(۲) فتح الباری ۵/۲۶۳، کتاب الھبۃ، باب المکافاۃ فی الھبۃ۔ رقم الحدیث: ۲۵۸۵

# بَابُ مَا جَاءَ فِي حَيَاءِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے شرم وحیا کا ذکر ہے

## حیا کے معنیٰ اور اس کی اقسام

حیا کے لغوی معنیٰ: لغت میں حیاء کے معنیٰ: شکستگی، انکسار اور رکنے کے ہیں۔

حیا کی اصطلاحی تعریف کی مختلف تعبیرات ہیں، مقصود ان سب کا ایک ہی ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ امام راغب نے یوں تعریف کی: اَلْحَيَاءُ انْقِبَاضُ النَّفْسِ عَنِ الْقَبَائِحِ وَتَرْكُهَا لِذَالِكَ (۱) (برائیوں سے نفس کا رک جانا اور برائیوں کو چھوڑ دینا حیاء ہے)

۲۔ علامہ طیبی نے اس طرح تعریف کی: خُلُقٌ يَبْعَثُ عَلَى اجْتِنَابِ الْقَبِيحِ وَيَمْنَعُ عَنِ التَّقْصِيرِ فِي حَقِّ ذِي الْحَقِّ (۲) (حیا ایک ایسی خصلت ہے جو انسان کو برے کام سے روکنے پر آمادہ کرتی ہے، اور صاحب حق کے حق میں کوتاہی کرنے سے روکتی ہے)

۳۔ بعض علماء سے یہ تعریف منقول ہے: اَلْحَيَاءُ حَالَةٌ تَتَوَلَّدُ مِنْ رُؤْيَةِ النَّعْمَاءِ وَرُؤْيَةِ التَّقْصِيرِ (۳) (حیاء اس حالت اور کیفیت کا نام ہے جو اللہ جل جلالہ کی بے شمار نعمتوں اور اپنی کوتاہیوں میں غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے)

علامہ مناوی رحمہ اللہ نے حیاء کی چار قسمیں ذکر کی ہیں:

۱۔ حَيَاءُ الْكَرَمِ: طبعی طور پر کرم اور مہربانی کی وجہ سے کوئی بات کہنے سے حیاء کرنا جیسا کہ حضور اقدس ﷺ نے جب حضرت زینب رضی اللہ عنہا کا ولیمہ کیا، تو کھانے سے فارغ ہو کر چند صحابہ کرامؓ وہیں بیٹھ کر باتوں میں مشغول رہے، ان کا وہاں بیٹھنا آپ ﷺ کے لیے گراں اور بھاری تھا، اس کی وجہ سے آپ ﷺ کبھی باہر تشریف لاتے اور کبھی اندر، تاکہ وہ لوگ سمجھ جائیں اور اٹھ جائیں، مگر شرم وحیاء کی وجہ سے نبی کریم ﷺ نے ان کو اٹھنے کا حکم نہیں دیا، قرآن مجید کی سورہ احزاب میں اس قصہ کا ذکر ہے۔

۲۔ حَيَاءُ الْمُحِبِّ مِنْ مَحْبُوْبِهٖ ایک عاشق کو اپنے محبوب سے اس قدر شرم آتی ہے کہ وہ اپنے محبوب کے سامنے بول بھی نہیں سکتا، بولنا اسے انتہائی دشوار معلوم ہوتا ہے۔

۳۔ حَيَاءُ الْعُبُوْدِيَّةِ (بندگی کی شرم وحیاء) اپنی عبادت اور بندگی کمتر سمجھے اور اللہ جل جلالہ سے اس کی وجہ سے اسے شرم وحیاء

(۱) المفردات فی غرائب القرآن: ص: ۱۴۰۔

(۲) شرح الطیبی ۱/۱۱۳، کتاب الایمان، الفصل الاول، رقم الحدیث: ۵

(۳) عمدۃ القاری ۱/۱۲۹، کتاب الایمان، باب الایمان وقول النبی صلی اللہ علیہ وسلم بنی الاسلام۔

آ جائے۔

۴۔ حَيَاءُ الْمَرْءِ مِنْ نَفْسِهٖ (اپنے آپ سے انسان شرم کرے) جب انسان بڑے اہتمام سے کوئی کام کرلے، مگر اس میں پھر بھی کوئی نقص رہ جائے، تو خود اپنے آپ سے شرم آنے لگتی ہے کہ یہ کام بھی مجھ سے اچھے طریقے سے نہ ہوسکا، یہ شرم وحیاء کا سب سے اعلیٰ درجہ ہے کہ جو شخص خود اپنے آپ سے شرماتا ہے، تو وہ دوسرے لوگوں سے بطریق اولیٰ شرمایا کرتا ہے، اور اللہ جل جلالہ سے بھی شرم کرتا ہے اور اس کی نافرمانی چھوڑ کر طاعت میں مشغول رہتا ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ: كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشَدَّ حَيَاءً مِنَ الْعَذْرَاءِ فِي خِدْرِهَا، وَكَانَ إِذَا كَرِهَ شَيْئًا عَرَفْنَاهُ فِي وَجْهِهِ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے، فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کنواری لڑکی سے بھی زیادہ شرم وحیاء والے تھے، جو لڑکی اپنے پردہ میں ہو، اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب کسی چیز کو ناپسند فرماتے تو ہم آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرے سے اس ناگواری کو پہچان لیتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:** اشد حیاءً: بہت زیادہ شرم وحیاء والے، عذراء: (عین پر زبر) کنواری لڑکی، دوشیزہ، خدر: (خاء کے نیچے زیر اور دال ساکن) پردہ، گھر کے ایک گوشہ میں عورت کے لیے لگا ہوا پردہ، خاتون کی خلوت گاہ، عرفناہ: ''ہ'' کے مرجع میں دو احتمال ہیں: ۱۔ امر مکروہ یعنی ناپسندیدہ بات۔ ۲۔ اس چیز کی ناگواری، ترجمہ: ہم اس ناپسندیدہ امر کو یا اس چیز کی ناگواری کو پہچان لیتے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم وحیاء

نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بہت زیادہ شرمیلے اور شرم وحیا والے تھے، مذکورہ حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شرم وحیاء اس کنواری لڑکی اور دوشیزہ سے بھی زیادہ تھی، جو لڑکی پردے میں پرورش پائے، وہ انتہائی شرم والی ہوتی ہے، حتی کہ وہ عورتوں سے بھی شرم محسوس کرتی ہے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا شرم وحیاء اس کنواری کے شرم سے کہیں زیادہ تھا، حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ شرم وحیاء کی کثرت کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گفتگو کے دوران کسی شخص کے چہرے پر نگاہ نہ ڈالتے، آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات نہ فرماتے تھے۔

صحابہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی بات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو طبعی طور پر ناپسند ہوتی یا وہ شرعی لحاظ سے مکروہ تنزیہی کے درجہ میں ہوتی، تو اس بات کی ناگواری ہم لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چہرہ انور سے پہچان لیتے، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خوبصورت چہرے سے وہ

---

(۱) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۲۱۶۔
(۲) سنن ابن ماجة، الزهد، رقم الحديث: ۴۱۸۰۔

ناگواری ہمیں معلوم ہوجاتی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شرم وحیاء کی وجہ سے زبان سے کچھ بھی ارشاد نہ فرماتے، اور نہ غصہ ہوتے، لیکن جو بات ناجائز اور حرام ہوتی، اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم منع فرمادیتے تھے۔(۱)

اس حدیث سے شرم وحیاء کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، حیاء ایمان کا ایک اہم حصہ ہے، اس کے بغیر مسلمان کا ایمان مکمل نہیں ہوتا، اسلام اس صفت کی بہت زیادہ حوصلہ افزائی اور قدر کرتا ہے، کیونکہ جس قدر مسلمان میں یہ صفت زیادہ ہوگی، اسی قدر وہ اللہ کی نافرمانی سے کنارہ کش ہوکر اللہ جل جلالہ کی عبادت اور ذکر وفکر میں مشغول ہوجاتا ہے، اللہ تعالیٰ اپنے فضل وکرم سے ہمیں بھی اس صفت سے آراستہ فرمادے، آمین یارب العالمین۔

عَنْ عَائِشَةَ: مَانَظَرْتُ إِلَى فَرْجِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْ قَالَتْ: مَا رَأَيْتُ فَرْجَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ۔(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شرمگاہ کو کبھی نہیں دیکھا۔

## حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا محلِ ستر کسی بیوی نے کبھی بھی نہیں دیکھا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ شرم وحیا والے تھے، حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے محل شرم کو دیکھنے کی کبھی ہمت نہیں پڑی اور نہ کبھی دیکھا، کیونکہ یہ اصولی بات ہے کہ شرمیلے آدمی کے سامنے دوسرے کو مجبوراً شرم کرنی پڑتی ہے، اور ایک دوسری روایت میں حضرت عائشہؓ نے صراحت سے فرمایا ہے کہ نہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی میرے ستر کو دیکھا ہے اور نہ میں نے کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر کو دیکھا ہے، جب حضرت عائشہؓ کا یہ حال ہے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام بیویوں میں سب سے بے تکلف تھیں اور سب سے زیادہ محبوب بھی تھیں، تو اور بیویوں کا کیا ذکر، چنانچہ حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم صحبت کرنے لگتے تو آنکھیں بند کرلیتے اور سر جھکالیتے اور بیوی کو بھی سکون ووقار کی تاکید فرماتے۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی روایت میں ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم حجروں کے پیچھے جاکر غسل کیا کرتے تھے، کسی نے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ستر کو نہیں دیکھا، نبوت سے قبل جب بیت اللہ کی تعمیر ہورہی تھی، لوگ پتھر اٹھا اٹھا کر لارہے تھے، عرب کے دستور ورواج کے مطابق ستر چھپانے کا کوئی خاص اہتمام نہ تھا، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے کندھے پر پتھر اٹھا کر لارہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا کہ بیٹا اپنا تہبند کھول کر کندھے پر رکھ لو، تاکہ پتھروں کی رگڑ سے محفوظ رہو، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے چچا کے کہنے سے تہبند کھولا، کھولتے ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش ہوکر گر گئے، اسی طرح کا واقعہ بئر زمزم کے لیے پتھر لاتے وقت بھی پیش آیا، اس میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم بے ہوش گئے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آئے تو حضرت ابو طالبؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۱۶۲، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۲۰۲)

(۲) سنن ابن ماجة، الطهارة، رقم الحديث: ۶۶۲

پوچھا تو آپ ﷺ نے فرمایا: میرے پاس ایک سفید کپڑوں والا شخص آیا اور کہنے لگا کہ آپ اپنا ستر ڈھانپ لیجیے، یہ اس زمانے کا واقعہ ہے کہ جب آپ ﷺ نبی نہیں بنے تھے، اور شرعی احکام بھی اس وقت تک نازل نہیں ہوئے تھے، اس زمانے میں بھی آپ ﷺ کا ستر کسی نے نہیں دیکھا تھا۔ (۱)

اس سے معلوم ہوا کہ ہمبستری میں بہتر طریقہ یہ ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کے محل ستر اور شرمگاہ کو نہ دیکھیں، یہ چیز شرم وحیاء کے زیادہ قریب ہے، شرعاً اگرچہ دیکھنا جائز ہے، مگر نہ دیکھنا بہتر ہے۔ (۲)

## بَابُ مَا جَاءَ فِي حِجَامَةِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ ﷺ کے پچھنے لگوانے کا ذکر ہے۔

عَنْ حُمَيْدٍ قَالَ: سُئِلَ أَنَسُ بْنُ مَالِكٍ عَنْ كَسْبِ الْحَجَّامِ، فَقَالَ: احْتَجَمَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَجَمَهُ أَبُو طَيْبَةَ، فَأَمَرَ لَهُ بِصَاعَيْنِ مِنْ طَعَامٍ، وَكَلَّمَ أَهْلَهُ فَوَضَعُوا عَنْهُ مِنْ خَرَاجِهِ وَقَالَ: إِنَّ أَفْضَلَ مَا تَدَاوَيْتُمْ بِهِ الْحِجَامَةُ، أَوْ إِنَّ مِنْ أَمْثَلِ دَوَائِكُمُ الْحِجَامَةَ. (۳)

ترجمہ: حمیدؒ کہتے ہیں کہ حضرت انسؓ بن مالک سے پچھنے لگانے والے کی اجرت کے بارے میں پوچھا گیا تو انہوں نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے پچھنے لگوائے، آپ ﷺ کو ابوطیبہ نے پچھنے لگائے، چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو غلہ کے دو صاع دینے کا حکم دیا، اور (اس کی درخواست پر) آپ ﷺ نے اس کے آقاؤں سے بات کی اور آپ ﷺ نے اس کا ٹیکس کم کرایا، اور نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: بے شک سب سے بہتر وہ چیز جس سے تم علاج کرا سکتے ہو، وہ پچھنے لگوانا ہے، یا یوں فرمایا: تمہاری بہترین دوا پچھنے لگانا ہے۔

عَنْ عَلِيٍّ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَأَمَرَنِي فَأَعْطَيْتُ الْحَجَّامَ أَجْرَهُ. (۴)

ترجمہ: حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے پچھنے لگوائے، اور مجھے اس کی مزدوری دینے کا حکم فرمایا، تو میں نے پچھنے لگانے والے کو اس کی مزدوری دے دی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: إِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ فِي الْأَخْدَعَيْنِ وَبَيْنَ الْكَتِفَيْنِ، وَأَعْطَى الْحَجَّامَ أَجْرَهُ وَلَوْ كَانَ حَرَامًا لَمْ يُعْطِهِ. (۵)

---

(۱) مجمع الزوائد للهيثمي ۲۷۰/۴، ۲۷۱، رقم الحديث: ۵۷۲۹، ۵۷۳۰، ط: بيروت

(۲) جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوي ۲۱۸/۲

(۳) سنن الترمذي، البيوع، رقم الحديث: ۱۲۷۸۔

(۴) سنن ابن ماجة، التجارات، رقم الحديث: ۲۱۶۳۔

(۵) سنن ابي داؤد، البيوع، رقم الحديث: ۳۴۲۳۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے گردن کی دونوں جانب دو پوشیدہ رگوں میں اور دونوں کندھوں کے درمیان پچھنے لگوائے، اور پچھنے لگانے والے کو اس کی اجرت بھی عطا فرمائی، اور اگر یہ اجرت حرام ہوتی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اسے اجرت عطا نہ فرماتے۔

عَنِ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعَا حَجَّامًا فَحَجَمَهُ وَسَأَلَهُ: كَمْ خَرَاجُكَ؟ فَقَالَ: ثَلَاثَةُ آصُعٍ، فَوَضَعَ عَنْهُ صَاعًا وَأَعْطَاهُ أَجْرَهُ۔

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عمرؓ فرماتے ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک پچھنے لگانے والے کو بلایا، اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پچھنے لگائے، حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ تمہارا روزانہ کا محصول اور ٹیکس کتنا ہے؟ تو انہوں نے بتایا کہ تین صاع ہیں، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کا ایک صاع کم کرایا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پچھنے لگانے کی اجرت عطا فرمائی۔

مشکل الفاظ کے معنی :۔ الحجامة: (حا کے نیچے زیر) پچھنے لگانے کا پیشہ، پچھنے لگانا، کسب الحجام: پچھنے لگانے والے کی اجرت، احتجم: پچھنے لگوائے، وضعوا عنه: انہوں نے اس کا خراج کم کردیا، خراجة: اس کا روزانہ کا محصول جو وہ اپنے آقا کو دیتے تھے، ٹیکس، ماتداویتم به: وہ چیز جس سے تم علاج کرا سکو، امثل: زیادہ بہتر، افضل، اخدعین: اخدع کا تثنیہ ہے: گردن کی دونوں جانب دو پوشیدہ رگیں، اصع: صاع کی جمع ہے: چند صاع، صاع ایک پیمانہ ہے جس سے غلہ ناپا جاتا ہے۔

## پچھنے کا استعمال مقام نبوت کے منافی نہیں

مذکورہ احادیث میں چند امور کا ذکر ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف مواقع میں پچھنے لگوائے ہیں، جسم کے مختلف حصوں میں بیماری اور تکلیف کے پیش نظر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا استعمال فرمایا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب خیبر کے یہودیوں نے کھانے کی دعوت میں زہر دی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہ زہریلا لقمہ صرف زبان پر رکھا تھا، اس سے بھی اس زہر کا اثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں چلا گیا تھا، اس کے اثر کو ختم کرنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین مرتبہ کندھے پر پچھنے لگوائے، مگر پھر بھی اس زہر کا پورا اثر ختم نہیں ہوا تھا، اس سے معلوم ہوا کہ کسی بیماری میں پچھنے اور دوا کا استعمال کرنا مقام نبوت اور توکل کے منافی نہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کون متوکل ہو سکتا ہے، اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے علاج معالجہ فرمایا ہے، توکل کے یہ معنی نہیں کہ بیماری کا علاج نہ کرایا جائے اور کسی جائز کام کے اسباب اختیار نہ کیے جائیں، بلکہ توکل یہ ہے کہ اسباب اختیار کرکے اور علاج کی سنت پر عمل کرکے اس کے نتیجہ اور شفا کو اللہ جل جلالہ کے فضل وکرم پر چھوڑ دیا جائے، وہ اگر مناسب سمجھیں گے تو اس طرح کردیں گے، ان پر کوئی جبر کرنے والا نہیں۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ پچھنے لگانا ایک بہترین علاج ہے، اس سے جسم سے فاسد خون نکل جاتا ہے، مگر یہ

طریقہ علاج گرم مزاج لوگوں کے لیے مفید ہوتا ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد براہ راست اہل عرب سے فرمایا، جس میں شدید گرمی پڑتی ہے، لہذا ہر وہ علاقہ جس میں سخت گرمی پڑتی ہو، وہاں کے لوگوں کا خون نرم ہونے کی وجہ سے جسم کی ظاہری سطح کی طرف آجاتا ہے، اس لیے یہ علاج ان کے لیے فائدے مند ہوتا ہے۔

مگر یہ ذہن میں رہے کہ جن لوگوں کے مزاج میں ٹھنڈک زیادہ ہو، حرارت نہ ہو، ان کے لیے پچھنے لگوانا زیادہ مفید نہیں ہوتا، چنانچہ طبرانی نے سند صحیح کے ساتھ ابن سیرین رحمہ اللہ سے روایت نقل کی ہے: إِذَا بَلَغَ الرَّجُلُ أَرْبَعِيْنَ سَنَةً لَمْ يَحْتَجِمْ (جب آدمی چالیس سال کا ہو جائے تو پھر وہ پچھنے نہ لگوائے) طبرانی نے اس کی وضاحت یہ فرمائی ہے کہ اس عمر میں انسان میں عموما کمزوری آجاتی ہے، اگر وہ پچھنے لگوائے گا تو پھر اس کمزوری کا ازالہ نہیں ہو سکے گا، میرک فرماتے ہیں کہ یہ حتمی بات نہیں، ہر آدمی کی ضرورت مختلف ہوتی ہے، اگر کوئی شخص چالیس سال سے زیادہ عمر کا ہے، مگر پچھنے لگوانے کی اسے ضرورت پڑ رہی ہے تو وہ اگر پچھنے لگوا لے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

۳۔ مذکورہ احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ پچھنے لگانے کی اجرت لینا جائز ہے، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ابوطیبہ کو پچھنے لگانے کی اجرت عطا فرمائی ہے، ابوطیبہ کا نام صحیح قول کے مطابق نافع ہے، یہ قبیلہ بنی حارثہ میں سے تھے، ان کو محیصہ بن مسعود انصاری نے آزاد کیا تھا۔

ان روایات سے پچھنے لگانے کی اجرت کا جواز معلوم ہوتا ہے، جبکہ بعض روایات میں ہے: کَسْبُ الْحَجَّامِ خَبِيْثٌ کہ پچھنے لگانے والے کی کمائی خبیث ہے، بظاہر دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہے؟ شارحین حدیث نے اس بارے میں تین توجیہات ذکر کی ہیں:

- امام احمد بن حنبل فرماتے ہیں کہ پچھنے لگانے والا اگر آزاد آدمی ہے تو اس کے لیے پچھنے کی اجرت لینا درست نہیں ہے جبکہ غلام کے لیے اس کا لینا مطلقاً جائز ہے اور ابوطیبہ بھی آزاد کردہ غلام تھے، اس لیے ان کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اجرت عطا فرمائی ہے۔
- ابن الجوزی فرماتے ہیں کہ حدیث میں اس اجرت کو جو خبیث کہا ہے، اس کے معنی یہ ہیں کہ پچھنے لگانے میں ایک مسلمان کو دوسرے مسلمان کے ساتھ تعاون کرنا چاہیے، بغیر ضرورت کے اجرت لینا مناسب نہیں ہے۔
- بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اگر اجرت آپس میں طے کر لی جائے تو پھر اس کا لینا جائز ہے، اور اگر اسے طے نہ کیا جائے بلکہ وہ مجہول ہو تو اس پر شریعت نے زجر و توبیخ کی ہے، اور اسے خبیث کہا ہے۔(۱)

۴۔ حدیث میں ''خراج'' سے محصول اور ٹیکس مراد ہے، غلام کو عہد رسالت میں اس شرط پر چھوڑ دیا جاتا تھا کہ اتنی مقدار میں دراہم یا کھجوریں روزانہ ہمیں دیا کرو، باقی دن میں جو تم کما لو، وہ سارا تمہارا ہوگا، اس طرح کے غلام کو ''عبد مأذون'' کہا جاتا ہے،

(۱) فتح الباری ۱۰/۱۸۶، کتاب الطب، باب الحجامة من الداء، رقم الحديث: ۵۶۹۶، شرح الزرقانی علی الموطأ للامام مالک ۴/۵۲۰، کتاب الاستئذان، باب ماجاء في الحجامة وأجرة الحجام، رقم الحديث: ۱۸۸۷، ط: بيروت، جمع الوسائل ۲/۲۲۱۔

حضرت ابوطیبہ کا روزانہ کا محصول تین صاع مقرر تھے، حضور اکرم ﷺ کی سفارش سے ان کے آقا نے ایک صاع کم کر دیا، دو صاع ان کے ذمے روزانہ دینے لازم تھے، آپ ﷺ نے ایک مقروض کے ذمہ قرض میں کمی کرائی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ اگر کسی کے ذمہ میں کچھ لازم کر دیا جائے، اور اس کے لیے اس ساری چیز کا بندوبست کرنا مشکل ہو تو اس کے بوجھ کو کم کرنے کی سفارش کرنا ایک مسنون عمل ہے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْتَجِمُ فِي الْأَخْدَعَيْنِ وَالْكَاهِلِ، وَكَانَ يَحْتَجِمُ لِسَبْعَ عَشْرَةَ وَتِسْعَ عَشْرَةَ وَإِحْدَى وَعِشْرِينَ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالکؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ اپنی گردن کی دونوں جانب کی رگوں اور شانوں کے درمیان پچھنے لگواتے تھے، اور آپ ﷺ سترہ یا انیس یا اکیس تاریخ میں پچھنے لگواتے تھے۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجَمَ وَهُوَ مُحْرِمٌ بِمَلَلٍ عَلَى ظَهْرِ الْقَدَمِ.

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے "ملل" کے مقام پر پاؤں کی پشت پر پچھنے لگوائے، اس وقت آپ ﷺ احرام کی حالت میں تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** کاهل: کندھے، یہاں اس سے ہر دو کندھوں کے درمیان کی جگہ مراد ہے، ملل: (میم اور لام پر زبر) یہ مکہ مکرمہ اور مدینہ منورہ کے درمیان ایک جگہ کا نام ہے، ظهر القدم: قدم کی پشت، پاؤں کے اوپر کا حصہ۔

## سترہ، انیس یا اکیس تاریخ میں پچھنے لگانا مفید ہے

۱۔ یوں تو شدید ضرورت کے وقت کسی بھی دن اور تاریخ میں پچھنے لگوائے جا سکتے ہیں، چنانچہ نبی کریم ﷺ سے رات کے وقت اور روزے کی حالت میں بھی پچھنے لگوانا ثابت ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی وقت پچھنے لگوائے جا سکتے ہیں، تاہم مذکورہ حدیث میں اسلامی مہینہ کی سترہ یا انیس یا اکیس تاریخ کو پچھنے لگوانے کا بہترین وقت قرار دیا ہے، نبی کریم ﷺ عموماً ان تاریخوں کا لحاظ کر کے پچھنے لگواتے تھے، اسی طرح دوسری احادیث میں ہے کہ جمعرات، جمعہ، ہفتہ، اتوار اور پیر کے دن پچھنے لگوانے چاہئیں، بدھ کے دن اور ایک روایت میں منگل کے دن میں اس کی ممانعت آئی ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: منگل کے دن ایک گھڑی ایسی ہے کہ اس میں جاری ہونے والا خون بند نہیں ہوتا، ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ عام حالات میں منگل کے دن پچھنے نہیں لگوانے چاہئیں، لیکن اگر کسی وجہ سے منگل کو پچھنے لگوانا ضروری ہو جائے تو پھر حجامہ کرایا جا سکتا ہے، اس میں کوئی کراہت

---

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۶۰۷).

(۲) سنن الترمذي، الطب، رقم الحديث: ۲۰۵۵۔

نہیں۔(۱)

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اطباء کے ہاں دن کے دوسرے تیسرے حصہ میں پچھنے لگانا زیادہ بہتر اور فائدہ مند ہوتا ہے، غسل اور ہمبستری کے بعد پچھنے لگانا درست نہیں، ایسے ہی زیادہ بھوک یا زیادہ شکم سیری کی حالت میں بھی ٹھیک نہیں، مہینہ کے آخری پندرہ دنوں میں یہ لگائے جائیں، چودہ تاریخ سے ۲۳ تاریخ تک کے ایام سب سے زیادہ موزوں ہوتے ہیں، کیونکہ جسم کے اخلاط (خون، سودا، صفرا اور بلغم) میں مہینے کی ابتداء میں ہیجان اور جوش ہوتا ہے، جبکہ مہینہ کے آخر میں یہ پرسکون ہوتے ہیں، اس لیے درمیان کا عرصہ زیادہ بہتر ہے، کیونکہ وہ اخلاط کے اعتدال کا زمانہ ہوتا ہے۔(۲)

۲۔　نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے احرام کی حالت میں پاؤں کی پشت پر پچھنے لگوائے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ حالت احرام میں بھی پچھنے لگوائے جا سکتے ہیں، بشرطیکہ اس سے اس آدمی کو کمزوری کا اندیشہ نہ ہو۔

## بَابُ: مَا جَاءَ فِي أَسْمَاءِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض اسماء کا ذکر ہے۔

عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ لِي أَسْمَاءً أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا الْمَاحِي الَّذِي يَمْحُو اللّٰهُ بِيَ الْكُفْرَ، وَأَنَا الْحَاشِرُ الَّذِي يُحْشَرُ النَّاسُ عَلَى قَدَمَيَّ، وَأَنَا الْعَاقِبُ وَالْعَاقِبُ الَّذِي لَيْسَ بَعْدَهُ نَبِيٌّ.(۳)

ترجمہ: حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: بے شک میرے بہت سے نام ہیں: میں محمد ہوں، اور میں احمد (بھی) ہوں، میں ماحی یعنی مٹانے والا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے میرے ذریعہ کفر کو مٹایا ہے، اور میں حاشر یعنی جمع کرنے والا ہوں کہ لوگوں کو میرے قدموں پر جمع کیا جائے گا (یعنی میں میدان حشر میں سب سے پہلے آؤں گا، اور لوگ میرے پیچھے ہوں گے) اور میں عاقب ہوں یعنی سب کے آخر میں آنے والا ہوں کہ اس کے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔

---

(۱)　جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۲۴، بذل المجهود فی حل ابی داؤد ۱۶/۱۰۳، کتاب الطب، باب متی تستحب الحجامة، رقم الحديث: ۳۸۶۲

(۲)　فتح الباری ۱۰/۱۸۴، کتاب الطب، باب ای ساعة یحتجم، رقم الحديث: ۵۳۶۹۔

(۳)　سنن الترمذی، الأدب، رقم الحديث: ۲۸۴۲۔

# نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پانچ مخصوص اسماء مبارک

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے یوں تو بہت سے نام مبارک ہیں، چنانچہ ابن العربی نے شرح ترمذی میں ایک ہزار نام نقل کیے ہیں، علامہ سیوطی رحمہ اللہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ناموں سے متعلق ایک رسالہ "البهجة السنية" لکھا ہے، جس میں تقریباً پانچ سو نام ذکر کیے ہیں، احادیث میں خاص خاص مواقع کے لحاظ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعض نام ذکر کیے گئے ہیں، کسی ایک حدیث میں تمام ناموں کا احاطہ نہیں ہے، ایک حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: قرآن مجید میں میرے سات نام ہیں: محمد، احمد، یسین، طہ، مزمل، مدثر اور عبداللہ۔

حضرت کعب احبار فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام اہل جنت کے ہاں عبدالکریم ہے، اہل جہنم کے ہاں عبدالجبار ہے، عرش والوں کے ہاں عبدالحمید اور فرشتوں کے ہاں عبدالمجید ہے، انبیاء کے ہاں عبدالوہاب اور شیطان کے ہاں عبدالقہار ہے، جنات کے ہاں عبدالرحیم، پہاڑوں میں عبدالخالق، جنگلات وصحراء میں عبدالقادر، سمندروں میں عبدالمہیمن، مچھلیوں کے ہاں عبدالقدوس اور حشرات کے ہاں عبدالغیاث ہے، حتی کہ جانوروں کے ہاں عبدالرزاق، درندوں کے ہاں عبدالسلام اور جانوروں کے ہاں عبدالمؤمن اور پرندوں کے ہاں عبدالغفار ہے، تورات میں موذ، موذ، انجیل میں طاب طاب، صحیفوں میں عاقب، زبور میں فاروق اور اللہ تعالیٰ کے ہاں طٰہٰ اور یسین ہے، اور مومنین کے ہاں محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کنیت ابوالقاسم ہے۔(۱)

لیکن شمائل کی مذکورہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف پانچ ایسے ناموں کا ذکر ہے، جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان میں سے کوئی نام کسی کا نہیں رکھا گیا، اور پہلی امتوں میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ نام معروف ومشہور بھی تھے، ان خصوصیتوں کی وجہ سے اس حدیث میں صرف انہی ناموں کا ذکر ہے، اور اصول ہے کہ جس قدر نام زیادہ ہوں، تو وہ اس شخص کی شرافت اور زیادہ معزز ہونے کی علامت ہوتے ہیں، اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے صرف دو حدیثیں ذکر کی ہیں، جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نو ناموں کا ذکر ہے، ان پانچ ناموں کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ محمد، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا مشہور ترین نام ہے اور قرآن مجید میں بھی اس کا مکرر ذکر ہے، اس کے معنی ہیں: وہ ذات جس کی بار بار تعریف کی جائے یا وہ شخص جس میں تمام قابل تعریف خصلتیں جمع ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا سے لوگوں نے پوچھا کہ آپ نے اس بچہ کا نام "محمد" کیوں رکھا، جبکہ تمہارے آباء واجداد میں تو یہ نام کسی کا نہیں تھا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دادا نے جواب دیا: رَجَوْتُ أَنْ يُحْمَدَ فِي السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ مجھے امید ہے کہ آسمان وزمین میں اس بچہ کی تعریف کی جائے گی، چنانچہ اللہ جل جلالہ نے ان کی امید کو پورا فرمایا، اللہ تعالیٰ، فرشتوں، انبیاء واولیاء اور اولین وآخرین آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرتے ہیں، کعب بن احبار سے

---

(۱) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۲۳، القول البدیع للسخاوی (ص:۱۸۲) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۲۱۰)

روایت ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا نام عرش پر، ساتوں آسمانوں پر، جنت کے محلات اور بالا خانوں پر، حوروں کے سینوں پر، درخت طوبیٰ کے پتوں پر، سدرۃ المنتہیٰ پر، پردوں کے کناروں پر اور فرشتوں کی آنکھوں کے درمیان لکھا ہوا ہے۔(۱)

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کسی شخص کا نام محمد نہیں رکھا گیا البتہ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ دنیا میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری سے پہلے جب لوگوں کو اپنے علماء اور کاہنوں کے ذریعہ یہ پتہ چلا کہ ایک آخری نبی آنے والا ہے، جس کا نام محمد ہو گا، تو کچھ لوگوں نے اپنے نومولود بچوں کا نام بھی محمد رکھنا شروع کر دیا، جن کی تعداد زیادہ سے زیادہ پندرہ تک تھی، تاہم اس سے اس نام کی خصوصیت پر کوئی فرق نہیں پڑتا۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نام ''احمد'' بھی ہے، احمد کے معنیٰ ہیں: اللہ تعالیٰ کی زیادہ تعریف کرنے والا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قیامت کے دن کچھ ایسے کلمات القاء کیے جائیں گے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کلمات کے ذریعہ کسی نے بھی اللہ جل جلالہ کی حمد وثناء نہیں کی ہوگی، تمام انبیاء میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ اللہ جل جلالہ کی تعریف کرنے والے ہیں، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورہ الحمد یعنی سورہ فاتحہ، لواء الحمد یعنی قیامت کے دن حمد وثناء کا جھنڈا اور ''مقام محمود'' عطا کیا گیا ہے، اس نام کا ذکر بھی قرآن مجید میں موجود ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے بعد ایک نبی ہوگا، جس کا نام احمد ہوگا، ایک حدیث قدسی میں اللہ جل جلالہ فرماتے ہیں کہ میں نے اپنے نفس پر یہ قسم کھا رکھی ہے کہ میں کسی ایسے شخص کو جہنم میں داخل نہیں کروں گا، جس کا نام محمد ہوگا اور نہ اس کو، جس کا نام احمد ہوگا، بہرحال ان تمام خصوصیات کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا نام احمد رکھا گیا۔

۳۔ الماحی (مٹانے والا) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اللہ جل جلالہ کفر کو مٹائیں گے، اس کفر کے مٹانے سے کیا مراد ہے؟ اس بارے میں شارحین کے اقوال درج ذیل ہیں:

- حرمین شریفین اور پورے جزیرۂ عرب سے کفر کو مٹانا مراد ہے۔
- اس سے دلائل کے اعتبار سے اسلام کا غلبہ اور شان وشوکت مراد ہے۔
- جو شخص اسلام قبول کرلے گا تو اس کے سابقہ تمام گناہ معاف کر دیئے جائیں گے، اور جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع اور پیروی کرے گا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس کے گناہوں کو مٹا دیا جائے گا یعنی معاف کر دیا جائے گا۔

۴۔ الحاشر (جمع کرنے والا) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ سب سے پہلے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو جمع کریں گے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اٹھائیں گے اور پھر دوسرے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے ہوں گے، گویا لوگوں کے حشر کا سبب حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا حشر ہوگا۔

۵۔ العاقب: سب انبیاء سے آخر میں آنے والا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاتم الانبیاء

---

(۱) ...ائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۲۷

ہیں۔(۱)

عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ: لَقِيتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي بَعْضِ طُرُقِ الْمَدِينَةِ فَقَالَ: أَنَا مُحَمَّدٌ، وَأَنَا أَحْمَدُ، وَأَنَا نَبِيُّ الرَّحْمَةِ، وَنَبِيُّ التَّوْبَةِ، وَأَنَا الْمُقَفِّي، وَأَنَا الْحَاشِرُ، وَنَبِيُّ الْمَلَاحِمِ.

ترجمہ: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں ایک مرتبہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے مدینہ منورہ کی کسی گلی میں ملا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: میں محمد ہوں، میں احمد (بھی) ہوں، میں نبی الرحمہ یعنی رحمت والا نبی ہوں، میں نبی التوبہ یعنی توبہ والا نبی ہوں اور میں مقفی (صیغہ اسم فاعل) ہوں یعنی میں (سابقہ انبیاء کی توحید اور مکارم اخلاق میں) اتباع کرنے والا ہوں، میں حاشر ہوں یعنی جمع کرنے والا ہوں، اور میں گھمسان کی جنگوں والا نبی ہوں۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ طرق: طریق کی جمع ہے: راستے یہاں مدینہ کی کوئی گلی مراد ہے، انا المقفی: اس لفظ کو دو طرح سے پڑھ سکتے ہیں۔ ا۔ صیغہ اسم فاعل باب تفعیل سے، ترجمہ: ا۔ میں تمام انبیاء سے پیچھے آنے والا ہوں، میں سابقہ انبیاء کی توحید اور عمدہ اخلاق میں پیروی کرنے والا ہوں۔ ۲۔ (صیغہ اسم مفعول) وہ شخص جس کی اتباع اور پیروی کی جائے۔ الملاحم: ملحمۃ کی جمع ہے: گھمسان کی لڑائیاں اور جنگیں، خونریز لڑائیاں۔

## نبی رحمت، نبی توبہ اور نبی ملاحم

مذکورہ حدیث میں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سات مشہور ناموں کا ذکر ہے، ان میں سے تین اسماء کی تفصیل تو گذر چکی ہے، باقی چار اسماء کی تفصیل درج ذیل ہے:

ا۔ نبی الرحمۃ: رحمت والا نبی، اللہ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات وصفات کو مسلمان اور کافر سب کے لیے باعث رحمت بنایا ہے، چنانچہ قرآن مجید میں ہے: وَمَا أَرْسَلْنَاكَ إِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِينَ (ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تمام عالم کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے) کفار کے لیے رحمت اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے پوری امت پر عام عذاب نازل نہیں ہوا، جس طرح کہ پہلی امتوں پر نازل ہوتا رہا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رحم وکرم سب کے لیے عام تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی رحمتوں کی خبریں اور بشارتیں دینے والے ہیں، دین اسلام سراسر رحمت ہے، اس وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی الرحمۃ کہا گیا ہے۔

۲۔ نبی التوبۃ (توبہ والا نبی) اس کے تین مطلب بیان کیے گئے ہیں:

❁ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی برکت سے اس امت کے لوگ اگر پختہ یقین کے ساتھ دعا کے آداب وشرائط کے ساتھ اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگیں تو اللہ تعالیٰ ان کی زبانی توبہ کو قبول فرما لیتے ہیں جبکہ بعض پہلی امتوں میں صرف زبان سے توبہ قبول نہ

---

(۱) فتح الباری ۶/۶۸۸، کتاب المناقب، باب ماجاء فی اسماء رسول اللہ ﷺ، رقم الحدیث: ۳۵۳۶، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۲۴۔

ہوتی بلکہ ان کو اس جرم کی سزا قتل وغیرہ کی صورت میں دی جاتی تب ان کی توبہ قبول ہوتی، اس امت کے ساتھ اللہ نے یہ کرم فرمایا کہ زبان سے مانگی ہوئی توبہ کو قبول کرلیا جاتا ہے۔

۞ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نبی التوبہ اس لیے کہا جاتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی امت کو یہ حکم دیتے تھے کہ وہ اللہ جل جلالہ سے اپنے گناہوں کی توبہ کیا کریں۔

۞ یا اس وجہ سے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم خود بہت زیادہ توبہ واستغفار کرتے تھے، چنانچہ ایک حدیث میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزانہ ستر بار سے زیادہ توبہ واستغفار کیا کرتے تھے۔

۳۔ المقفی (صیغہ اسم فاعل) اس کے دو مطلب ہیں: ۞ میں تمام انبیاء سے پیچھے آنے والا ہوں، میرے بعد کوئی نبی نہیں۔ ۞ میں پہلے انبیاء کا اتباع کرنے والا ہوں، یعنی اصل توحید اور اصول دین میں تمام انبیاء کے موافق ہوں، کیونکہ تمام انبیاء بنیادی امور توحید، اصول دین اور عمدہ اخلاق میں متفق تھے، ان میں ان کا کوئی اختلاف نہیں تھا، البتہ فروعات یعنی جزوی مسائل میں اختلاف ضرور رہا ہے، وہ اللہ جل جلالہ کے ہاں اسی طرح طے تھا۔(۱)

۴۔ نبی الملاحم (گھمسان کی جنگوں والا نبی) شارحین حدیث نے اس کے تین مطلب بیان کیے ہیں:

۞ ملحمہ اس لڑائی کو کہتے ہیں جس میں بہت زیادہ قتل وقتال اور خونریزی ہو، اس سے جہاد کی طرف اشارہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کفار کے ساتھ بہت زیادہ جہاد کریں گے، چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں کفار کے ساتھ اتنے زیادہ معرکے کیے کہ اس قدر کسی نبی نے جہاد نہیں کیا، حتی کہ اسی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دندان مبارک بھی شہید ہو گئے، اس راستہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت زیادہ مشقتیں اور آزمائشیں برداشت کیں، نیز اس امت میں قیامت تک مختلف صورتوں میں جہاد جاری رہے گا، یہاں تک کہ قرب قیامت میں اس امت کے لوگ دجال کے ساتھ قتال کریں گے۔

۞ ملحمہ کے ایک معنی جمع ہونے اور اجتماعیت کے بھی ہیں، اس معنی کے لحاظ سے بعض علماء فرماتے ہیں کہ نبی الملاحم کا مطلب یہ ہے کہ اس امت میں اختلافات کے باوجود ہر زمانے میں اجتماعیت برقرار رہے گی، یہ نبی گویا لوگوں کو جمع کرنے والا اور اجتماعیت والا ہے، یہ صفت کسی اور نبی کو حاصل نہیں۔

۞ ملحمہ کے ایک معنی "فتنہ عظیم" کے بھی ہیں، اس معنی کے اعتبار سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ نام نبی الملاحم درست ہے، کیونکہ قیامت کے قریب دجال اور یاجوج ماجوج کا خروج وغیرہ ایسے بڑے بڑے فتنے رونما ہوں گے، جن کی نظیر کسی نبی کی امت میں نہیں گذری، اَللّٰھُمَّ احْفَظْنَا مِنْھَا بِمَنِّکَ وَفَضْلِکَ وَجَاہِ نَبِیِّکَ وَحَبِیْبِکَ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ، اٰمِیْنَ یَارَبَّ الْعَالَمِیْنَ۔(۲)

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۱۰/۵۷۴، کتاب الفضائل والشمائل، باب أسماء النبی ﷺ وصفاته، رقم الحدیث: ۵۷۷۶

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۲۹

## بَابُ: مَا جَاءَ فِي عَيْشِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں نبی کریم ﷺ کے گذر اوقات کا ذکر ہے

نوٹ: یہ ذہن میں رہے کہ امام ترمذی نے یہ باب مکرر ذکر کیا ہے، شروع کتاب میں بھی یہ باب اسی عنوان سے آیا ہے، ہاں اس میں دو حدیثیں ذکر کی گئی ہیں، اس باب میں امام ترمذی رحمہ اللہ نے نو حدیثیں ذکر کی ہیں، اس تکرار کا سبب اور داعیہ کیا پیش آیا اور اس بارے میں اور بہت کچھ تفصیل کے لیے اس کتاب کے شروع میں باب ما جاء فی عیش النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تحت شرح دیکھیے لیجئے، وہاں پر یہ ساری بحث ذکر کردی گئی ہے۔

عَنْ سِمَاكِ بْنِ حَرْبٍ قَالَ: سَمِعْتُ النُّعْمَانَ بْنَ بَشِيرٍ يَقُولُ: أَلَسْتُمْ فِي طَعَامٍ وَشَرَابٍ مَا شِئْتُمْ؟ لَقَدْ رَأَيْتُ نَبِيَّكُمْ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يَجِدُ مِنَ الدَّقَلِ مَا يَمْلَأُ بَطْنَهُ. (۱)

ترجمہ: سماک بن حرب کہتے ہیں کہ میں نے حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ کیا تم لوگ کھانے پینے کی چیزوں میں فراوانی کے ساتھ نہیں ہو کہ جس قدر چاہو کھاؤ، پیو، تحقیق میں نے تمہارے نبی ﷺ کو دیکھا کہ وہ ردی کھجور بھی اتنی نہ پاتے تھے، جس سے آپ ﷺ اپنے پیٹ کو بھر سکیں۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: إِنْ كُنَّا آلَ مُحَمَّدٍ نَمْكُثُ شَهْرًا مَا نَسْتَوْقِدُ بِنَارٍ، إِنْ هُوَ إِلَّا التَّمْرُ وَالْمَاءُ. (۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ہم لوگ یعنی محمد ﷺ کی آل اور اہل وعیال ایک ایک ماہ تک ٹھہرے رہتے، ہم آگ نہیں جلاتے تھے کیونکہ پکانے کی کوئی چیز ہی نہ ہوتی تھی، صرف کھجور اور پانی پر ہی گذارا تھا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** ما شئتم: جس قدر تم لوگ چاہو، دقل: (دال اور قاف پر زبر) ردی کھجور، نمکث شھرا: ہم ایک ایک ماہ تک ٹھہرے رہتے، مانستوقد بنار: ہم آگ نہیں جلاتے تھے۔

## نبی کریم ﷺ کے گھر میں تنگدستی اور فقر وفاقہ کا حال

نبی کریم ﷺ کے گھر میں عموماً تنگدستی اور فقر وفاقہ رہتا تھا، ایسے بھی دن آجاتے کہ ردی کھجور بھی اس قدر مہیا نہ ہوتی کہ اس سے آپ ﷺ پیٹ بھر سکیں، حضرت نعمان بن بشیر اپنے شاگردوں سے یہی فرما رہے ہیں کہ آج تم لوگ خوب فراوانی کے ساتھ جو چیز چاہتے ہو، کھا سکتے ہو اور پی بھی سکتے ہو، عہد رسالت میں اس قدر وسعت نہ تھی، وسعت تو کیا سرکار دو عالم ﷺ کے کسی گھر میں پکانے کی کوئی چیز ہی نہ ہوتی، دو دو ماہ اس طرح گذر جاتے کہ آپ ﷺ کے اہل وعیال کے ہاں چولہا بھی نہ جلتا،

---

(۱) الصحیح لمسلم، الزھد، رقم الحدیث: ۱۹۷۷، سنن الترمذی، الزھد، رقم الحدیث: ۲۳۷۳

(۲) الصحیح لمسلم، الزھد، رقم الحدیث: ۲۹۷۲

بلکہ تیسرا مہینہ بھی اسی طرح شروع ہو جاتا، صرف کھجور اور پانی پر ہی گذارا ہوتا تھا، اس بارے میں مزید چند احادیث درج ذیل ہیں:

۱۔ ایک مرتبہ حضرت عائشہؓ کے بھانجے حضرت عروہ بن زبیر نے پوچھا کہ خالہ جان! پھر کس چیز پر آپ حضرات گذارا کرتے؟ تو فرمایا کہ کھجور اور پانی پر البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے کچھ انصاری صحابہ پڑوسی ایسے تھے، جن کے یہاں دودھ والے جانور تھے، ان میں سے کوئی ہدیہ کے طور پر دودھ پیش کر دیتا تو اس میں سے ہمیں بھی پلایا جاتا تھا، اس حدیث کی تشریح میں علامہ میرک رحمہ اللہ نے ان پڑوسیوں کے نام یہ لکھے ہیں: حضرت سعد بن عبادہ، حضرت عبداللہ بن عمرو بن حرام، حضرت ابوایوب خالد بن زید، اور حضرت اسعد بن زرارہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔(۱)

۲۔ مسند حارث میں حضرت انسؓ بن مالک کی روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں روٹی کے کچھ ٹکڑے لے کر آئیں، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ: یہ کیا ہے؟ حضرت فاطمہؓ نے عرض کیا: یہ خشک روٹی کے ذرے ہیں، میں کھا نہیں سکتی، انہیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس لائی ہوں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: بیٹی! تین دن سے تمہارے ابو کے منہ میں تو یہی کھانا جارہا ہے۔(۲)

۳۔ ایک مرتبہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بکری کی ایک ٹانگ پیش کی، رات کا وقت تھا، حضرت عائشہؓ اندھیرے میں ہی اس کے ٹکڑے کرنے لگیں، کسی نے کہا کہ گھر میں چراغ نہیں ہے؟ فرمانے لگیں: اگر گھر میں چراغ جلانے کے لیے تیل ہوتا تو اس کو کھانے میں استعمال نہ کرتے۔(۳)

۴۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے کبھی بھی سیر ہو کر تناول نہیں فرمایا، گھر میں اگر کوئی چیز ہوتی، اہل خانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کر دیتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کھا لیتے اور جو چیز گھر والے پلانے کے لیے پیش کرتے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے پی لیتے تھے۔(۴)

ان تمام احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر میں عموماً فقر وفاقہ اور تنگدستی رہتی تھی، مگر یہ ذہن میں رہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے لیے اور اپنے گھر والوں کے لیے خود اس حالت کو پسند فرمایا ہے، حالانکہ خزانوں کی کنجیاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پیش کی گئیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مالداری کے بجائے غربت اور تنگدستی کی کیفیت کو اختیار فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہی حالت پسند تھی۔

---

(۱) مسند الامام احمد ۱۰۴/۱۵، رقم الحدیث: ۹۲۳۹، جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۳۲/۲

(۲) شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۳۲/۲

(۳) المعجم الکبیر للطبرانی ۲۵۸/۱، رقم الحدیث: ۷۵۰

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۳۲/۱

اسلام اس بات کو پسند نہیں کرتا کہ انسان اس قدر پیٹ بھر کر اور سیر ہو کر کھائے کہ طبیعت پر غفلت اور سستی سوار ہو جائے، شرعی احکام اور گھریلو امور کو بجالانا مشکل ہو جائے، اس طرح کی شکم سیری کی احادیث میں بہت مذمت منقول ہے، چند احادیث کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ طبرانی میں روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: سیر ہو کر کھانے والے آخرت میں اسی قدر بھوکے ہوں گے۔(۱)

۲۔ ایک حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: انسان کو پیٹ بھر کر نہیں کھانا چاہیے، اتنا کھانا اس کے لیے کافی ہے، جو اس کی پشت کو سیدھا رکھ سکے، اگر کچھ زیادہ کھانا چاہتا ہے تو پیٹ کو تین حصوں میں تقسیم کرے، ایک حصہ کھانے کے لیے، ایک حصہ پانی کے لیے اور ایک حصہ سانس کے لیے خالی چھوڑ دے۔

۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو معدہ ہر وقت بھرا رہتا ہو، اس میں حکمت اور دانائی کی بات داخل نہیں ہوتی، جس کا کھانا، پینا اور نیند ضرورت کے بقدر ہی ہو تو اس کی عمر میں برکتیں ظاہر ہوتی ہیں، اور جو شخص زیادہ کھاتا ہے تو اس میں غور وفکر کی صلاحیت کم اور دل سخت ہو جاتا ہے۔

تاہم اگر انسان ضرورت کے بقدر اس نیت سے کھائے کہ اس سے مجھے قوت حاصل ہو جائے، اور میری صحت درست رہے، تاکہ میں اللہ جل جلالہ کی زیادہ سے زیادہ عبادت اور دین کی خدمات کر سکوں، تو اس میں کوئی حرج نہیں بلکہ اس نیت سے کھانا سارا عبادت بن جاتا ہے۔(۲)

## حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعد لوگوں کی چار قسمیں

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد لوگ چار حصوں میں منقسم ہو گئے:

۱۔ ایک جماعت ان لوگوں کی تھی، جنہوں نے نہ تو خود دنیا کی طرف رخ کیا اور نہ ہی دنیا نے ان کا ارادہ کیا، جیسا کہ صدیق اکبرؓ۔

۲۔ دوسری وہ جماعت تھی، جنہوں نے دنیا کا رخ نہ کیا، لیکن دنیا نے ان کا ارادہ کیا جیسا کہ حضرت عمر فاروقؓ۔

۳۔ تیسرے وہ لوگ ہیں جنہوں نے دنیا کی طرف رخ کیا اور دنیا نے بھی ان کی طرف رخ کیا جیسے بنو امیہ کے بادشاہ حضرت عمر بن عبد العزیز رحمہ اللہ کے علاوہ۔

۴۔ چوتھے وہ لوگ ہیں، جنہوں نے دنیا کا ارادہ کیا، مگر دنیا نے ان کا رخ نہ کیا، جیسے وہ لوگ جن کو اللہ جل جلالہ نے فقیر بنایا

---

(۱) للمعجم الکبیر للطبرانی ۱۱/۲۹۷، رقم الحدیث: ۱۱۶۹۳

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۳۱

اور دنیا کی محبت سے ان کو آزمایا۔(۱)

عَنْ أَبِي طَلْحَةَ قَالَ: شَكَوْنَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْجُوعَ وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ، فَرَفَعَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ بَطْنِهِ عَنْ حَجَرَيْنِ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَمَعْنَى قَوْلِهِ: وَرَفَعْنَا عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ، كَانَ أَحَدُهُمْ يَشُدُّ فِي بَطْنِهِ الْحَجَرَ مِنَ الْجَهْدِ وَالضَّعْفِ الَّذِي بِهِ مِنَ الْجُوعِ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوطلحہ کہتے ہیں کہ ہم لوگوں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھوک کی شکایت کی، اور ہم نے اپنے پیٹ سے کپڑے اٹھا کر ایک ایک پتھر دکھایا (جو خالی پیٹ پر بھوک کی وجہ سے ہم میں سے ہر ایک نے باندھا ہوا تھا) حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی اپنے پیٹ سے کپڑے اٹھائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیٹ مبارک پر (بھوک کی وجہ سے) دو پتھر باندھے ہوئے تھے۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ رَفَعْنَا عَنْ بُطُونِنَا عَنْ حَجَرٍ حَجَرٍ کے معنی یہ ہیں کہ ان میں سے ہر ایک اپنے پیٹ پر پتھر باندھتا تھا اس مشقت اور کمزوری کی وجہ سے، جو بھوک کی وجہ سے ان کو ہو جاتی تھی۔

## بھوک کی بے تابی سے بچنے کے لیے پیٹ پر پتھر باندھ لیے جاتے

ایک مرتبہ شدت بھوک سے بے تاب ہو کر کچھ صحابہ کرام نے اپنے پیٹ پر پتھر باندھ لیے، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا یا رسول اللہ! بھوک سے لاچار ہیں، کھانے کو کچھ نہیں، پیٹ پر پتھر باندھ رکھے ہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کی بات سن کر اپنے پیٹ پر دو پتھر باندھے ہوئے دکھائے، غزوہ خندق کی خندق کی کھدائی کے وقت بھی بہت سے صحابہ کرامؓ اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے پیٹ پر پتھر باندھے ہوئے تھے۔

اس سے آپ اندازہ لگائیے کہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانثار صحابہ کرامؓ پر کس قدر فقر و فاقہ اور تنگدستی کے حالات رہتے تھے، مگر وہ پھر بھی اس حالت میں اللہ تعالیٰ کے فیصلے پر راضی رہتے تھے، اور اللہ جل جلالہ کے احکام پر سو فیصد عمل پیرا تھے۔

بھوک کی بے چینی کے وقت پیٹ پر پتھر کیوں باندھے جاتے تھے؟ شارحین حدیث نے اس کی مختلف وجہیں لکھی ہیں:

۱۔　اہل مدینہ کی یہ عادت تھی کہ شدتِ بھوک کے وقت جب عاجز و لاچار ہو جاتے تو پیٹ پر پتھر باندھ لیتے تاکہ انتڑیاں اتر نہ جائیں، کیونکہ خالی پیٹ ہونے کی صورت میں انتڑیوں کے اتر جانے کا خدشہ ہوتا ہے، بالخصوص چلنے پھرنے میں، نیز کمر کے جھک جانے اور کبڑا ہونے کا اندیشہ بھی ہوتا ہے، جبکہ پیٹ پر پتھر باندھ لینے کی صورت میں یہ خدشات نہیں ہوتے؛ جیسے اس

(۱)　شرح المناوی علی ہامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۲۳۳، خصائل نبوی شیخ الحدیث صاحب رحمہ اللہ (ص: ۴۳۳)

(۲)　سنن الترمذی، الزہد، رقم الحدیث: ۲۳۷۲۔

زمانے میں اس مقصد کے لیے پیٹ پر کپڑا باندھ لیا جاتا ہے۔

۲۔ بعض کی رائے یہ ہے کہ مدینہ منورہ میں ایک خاص قسم کا پتھر تھا، جس کا نام "مُشبِعہ" تھا، اس پتھر میں اللہ جل جلالہ نے ایسی خاص قسم کی ٹھنڈک رکھی تھی، جسے پیٹ پر باندھ لینے سے بھوک میں کسی قدر تسکین ہو جاتی تھی۔(۱)

لیکن یہاں اس حدیث پر ایک مضبوط اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ بہت سی احادیث میں یہ مضمون منقول ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم صوم وصال یعنی کئی کئی دن کا مسلسل روزہ رکھا کرتے تھے، اور جب صحابہ کرامؓ نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع میں مسلسل روزے رکھنے کا ارادہ کیا تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس سے منع فرما دیا، اور یہ ارشاد فرمایا کہ یہ میری خصوصیت ہے کہ میں مسلسل کئی دن کا روزہ رکھ سکتا ہوں، اس لیے کہ اللہ جل شانہ مجھے کھلاتے اور پلاتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ظاہری طور پر کھانا پینا چھوڑنے سے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھوک کا اثر محسوس نہ ہوتا تھا، جب یہ صورتحال ہے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم شدتِ بھوک کے وقت پیٹ پر پتھر کیوں باندھا کرتے تھے، بظاہر ان دونوں قسم کی روایات میں تعارض ہو رہا ہے، اس کے حل کے لیے شارحین حدیث سے مختلف اقوال منقول ہیں، جن کی تفصیل یہ ہے:

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء میں شدت بھوک کے وقت تسکین کے لیے پیٹ پر پتھر باندھتے تھے، پھر اللہ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خصوصی مقام قرب عطا فرمایا کہ معنوی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلایا پلایا جاتا تھا کہ مسلسل روزے رکھنے سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کمزوری کا کوئی اثر محسوس نہیں ہوتا تھا۔

۞ اللہ جل جلالہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس وقت کھلاتے اور پلاتے تھے جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے میں ہوتے، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھوک کا احساس نہ ہوتا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم روزے میں نہ ہوتے، تو بھوک کا احساس ہوتا اور کھانے کی چیز نہ ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیٹ پر پتھر باندھ لیتے، چنانچہ اس کا تجربہ اور مشاہدہ ہے کہ روزے میں بھوک اور پیاس کا احساس اتنا نہیں ہوتا جتنا کہ اس آدمی کو بھوک پیاس کا احساس ہوتا ہے، جس کا روزہ نہ ہو۔

۞ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف حالات کے اعتبار سے مختلف حالتیں ہوں، کبھی اللہ جل شانہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کھلاتے پلاتے اور کبھی یہ کیفیت نہ ہوتی، جس کی وجہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔

۞ بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ جل جلالہ نے اس قدر طاقت وقوت عطا فرمائی تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شدت بھوک کا احساس اگرچہ نہ ہوتا تھا، مگر فقراء اور مساکین صحابہ کی دلجوئی کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پیٹ پر پتھر باندھ لیتے۔(۲)

**عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: خَرَجَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَاعَةٍ لَا يَخْرُجُ فِيهَا وَلَا يَلْقَاهُ فِيهَا أَحَدٌ، فَأَتَاهُ أَبُو بَكْرٍ، فَقَالَ: مَا جَاءَ بِكَ يَا أَبَا بَكْرٍ؟ قَالَ: خَرَجْتُ أَلْقَى رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنْظُرُ فِي وَجْهِهِ**

---

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۹/۴۴۰ کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء وما کان من عیش النبی ﷺ، رقم الحدیث: ۵۲۵۴

(۲) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۳۴، خصائل نبوی (ص:۴۳۶)

، وَالتَّسْلِيمَ عَلَيْهِ، فَلَمْ يَلْبَثْ أَنْ جَاءَ عُمَرُ فَقَالَ: مَا جَاءَ بِكَ يَا عُمَرُ؟ قَالَ: الْجُوعُ يَا رَسُولَ اللهِ، قَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: وَأَنَا قَدْ وَجَدْتُ بَعْضَ ذَلِكَ فَانْطَلَقُوا إِلَى مَنْزِلِ أَبِي الْهَيْثَمِ بْنِ التَّيِّهَانِ الْأَنْصَارِيِّ وَكَانَ رَجُلًا كَثِيرَ النَّخْلِ وَالشَّاءِ، وَلَمْ يَكُنْ لَهُ خَدَمٌ، فَلَمْ يَجِدُوهُ، فَقَالُوا لِامْرَأَتِهِ: أَيْنَ صَاحِبُكِ؟ فَقَالَتْ: انْطَلَقَ يَسْتَعْذِبُ لَنَا الْمَاءَ، فَلَمْ يَلْبَثُوا أَنْ جَاءَ أَبُو الْهَيْثَمِ بِقِرْبَةٍ يَزْعَبُهَا، فَوَضَعَهَا ثُمَّ جَاءَ يَلْتَزِمُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيُفَدِّيهِ بِأَبِيهِ وَأُمِّهِ،

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ایسے وقت میں (گھر سے) باہر تشریف لائے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم (عموماً اس وقت میں) باہر تشریف نہیں لاتے تھے، اور نہ ہی کوئی اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرتا تھا، اتنے میں حضرت صدیق اکبر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کہ اے ابوبکر! اس وقت تمہیں کیا چیز لائی ہے؟ انہوں نے عرض کیا: میں نکلا ہوں تا کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کروں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرۂ انور کا دیدار کروں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سلام عرض کروں، ابھی تھوڑی دیر بھی نہ گذری تھی کہ حضرت عمر فاروقؓ آ گئے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: عمر! اس وقت تمہیں کیا چیز لائی ہے؟ عرض کیا یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھوک کی وجہ سے آیا ہوں، اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں میں بھی بھوک محسوس کر رہا ہوں، چنانچہ تینوں حضرات حضرت ابوالہیثم بن تیہان انصاری کے گھر کی طرف چل پڑے، اور وہ کھجور کے زیادہ درختوں اور کثیر بکریوں کے مالک تھے، ان کا کوئی خادم نہ تھا، اس لیے ان حضرات نے انہیں گھر میں موجود نہ پایا، تو ان کی اہلیہ سے پوچھا کہ تمہارے شوہر کہاں ہیں؟ بیوی نے عرض کیا کہ وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہیں، ابھی کچھ دیر بھی یہ حضرات نہیں ٹھہرے تھے کہ اتنے میں ابوالہیثم پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اٹھائے ہوئے آ گئے، (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر) اسے (فوراً) رکھ دیا، اور آ کر حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے لپٹ گئے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اپنے ماں باپ کو قربان کرنے کا کہنے لگے (یعنی یہ کہ میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں)

ثُمَّ انْطَلَقَ بِهِمْ إِلَى حَدِيقَتِهِ، فَبَسَطَ لَهُمْ بِسَاطًا، ثُمَّ انْطَلَقَ إِلَى نَخْلَةٍ فَجَاءَ بِقِنْوٍ فَوَضَعَهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: أَفَلَا تَنَقَّيْتَ لَنَا مِنْ رُطَبِهِ؟ فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللهِ، إِنِّي أَرَدْتُ أَنْ تَخْتَارُوا، أَوْ تَخَيَّرُوا مِنْ رُطَبِهِ وَبُسْرِهِ، فَأَكَلُوا وَشَرِبُوا مِنْ ذَلِكَ الْمَاءِ. فَقَالَ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَذَا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ مِنَ النَّعِيمِ الَّذِي تُسْأَلُونَ عَنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ: ظِلٌّ بَارِدٌ، وَرُطَبٌ طَيِّبٌ، وَمَاءٌ بَارِدٌ. فَانْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ لِيَصْنَعَ لَهُمْ طَعَامًا. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا تَذْبَحَنَّ ذَاتَ دَرٍّ، فَذَبَحَ لَهُمْ عَنَاقًا أَوْ جَدْيًا، فَأَتَاهُمْ بِهَا فَأَكَلُوا،

پھر حضرت ابوالہیثم ان حضرات کو اپنے باغ میں لے گئے اور ان کے لیے ایک بچھونا بچھایا، پھر کھجور کے ایک درخت کے پاس گئے اور کھجوروں کا ایک گچھا لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اسے رکھ دیا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تم

ہمارے لیے تازہ کھجور چن کر کیوں نہ لائے؟ عرض کیا یارسول اللہ! میں یہ چاہتا ہوں کہ آپ حضرات خود پسند فرمالیں یا یوں کہا: آپ حضرات کچی اور پکی کھجوروں میں سے جو چاہیں، پسند فرمالیں، چنانچہ سب نے (کھجوریں) تناول فرمائیں اور اس پانی سے (جو وہ مشکیزے میں لائے تھے) پیا، نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے، یہ وہ نعمتیں ہیں جن کے بارے میں تم سے قیامت کے دن پوچھا جائے گا، یہ ٹھنڈا سایہ، عمدہ کھجوریں اور ٹھنڈا پانی ہے (کہ انہیں تم نے کیسے استعمال کیا ہے؟) پھر ابوالہیثم چلے تا کہ ان حضرات کے لیے کھانا تیار کرائیں، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: دودھ دینے والے جانور کو ہرگز ذبح نہ کرنا، چنانچہ انہوں نے بھیڑ یا بکری کا ایک بچہ ذبح کیا، پھر وہ (اسے بھون کر) ان حضرات کے پاس لائے تو سب نے کھایا۔

فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: هَلْ لَكَ خَادِمٌ؟ قَالَ: لاَ. قَالَ: فَإِذَا أَتَانَا سَبْيٌ فَأْتِنَا. فَأُتِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِرَأْسَيْنِ لَيْسَ مَعَهُمَا ثَالِثٌ، فَأَتَاهُ أَبُو الْهَيْثَمِ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: اخْتَرْ مِنْهُمَا فَقَالَ: يَا رَسُولَ اللّٰهِ، اخْتَرْ لِي. فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ الْمُسْتَشَارَ مُؤْتَمَنٌ، خُذْ هٰذَا فَإِنِّي رَأَيْتُهُ يُصَلِّي، وَاسْتَوْصِ بِهِ مَعْرُوفًا.

حضور اکرم ﷺ نے ان سے پوچھا کہ کیا تمہارا کوئی خادم ہے؟ عرض کیا: نہیں، آپ ﷺ نے فرمایا: جب ہمارے پاس قیدی آجائیں تو اس وقت ہمارے پاس آجانا (میں تمہیں ایک خادم دے دوں گا) اتنے میں آپ ﷺ کے پاس دو ہی غلام لائے گئے، جن کے ساتھ تیسرا نہ تھا، ابوالہیثم آپ ﷺ کے پاس آگئے، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: ان میں سے ایک پسند کرلو، عرض کیا یارسول اللہ! آپ ﷺ ہی میرے لیے پسند فرمادیجئے، حضور اکرم ﷺ نے فرمایا: بے شک جس سے مشورہ لیا جائے وہ امین ہوتا ہے، تم یہ غلام لے لو، کیونکہ میں نے اسے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اور تم اس کے ساتھ حسن سلوک کرنا۔

فَانْطَلَقَ أَبُو الْهَيْثَمِ إِلَى امْرَأَتِهِ، فَأَخْبَرَهَا بِقَوْلِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، فَقَالَتِ امْرَأَتُهُ: مَا أَنْتَ بِبَالِغٍ حَقَّ مَا قَالَ فِيهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا بِأَنْ تَعْتِقَهُ قَالَ: فَهُوَ عَتِيقٌ، فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: إِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْ نَبِيًّا وَلاَ خَلِيفَةً إِلَّا وَلَهُ بِطَانَتَانِ: بِطَانَةٌ تَأْمُرُهُ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَاهُ عَنِ الْمُنْكَرِ، وَبِطَانَةٌ لاَ تَأْلُوهُ خَبَالاً، وَمَنْ يُوقَ بِطَانَةَ السُّوءِ فَقَدْ وُقِيَ.

پھر ابوالہیثم اپنی بیوی کے پاس چلے گئے، اور ان کو رسول اللہ ﷺ کا فرمان سنایا تو ان کی بیوی نے کہا: تم اس بات تک نہیں پہنچ سکتے، جس کو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے مگر یہ کہ تم اسے آزاد کردو، حضرت ابوالہیثم نے (فوراً) کہا: یہ آزاد ہے، (جب آپ ﷺ کو آزاد کرنے کا پتہ چلا تو) ارشاد فرمایا: بے شک اللہ تعالیٰ کسی نبی یا خلیفہ کو نہیں بھیجتے مگر یہ کہ اس کے دو گہرے دوست ہوتے ہیں، ایک اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور برائی سے منع کرتا ہے (یعنی اچھا

مشورہ دیتا ہے) اور دوسرا اس کے فساد اور بگاڑ میں کوئی کوتاہی نہیں کرتا اور جو شخص برے دوست سے بچالیا گیا تو وہ (گویا ہر قسم کے شرور و آفات سے) محفوظ کر دیا گیا۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** ماجاء بک: کیا چیز آپ کو لائی، الشاء: شاۃ کی جمع ہے بکریاں، خدم: (خاء اور دال پر زبر) خادم کی جمع ہے، خدمت گار۔ یستعذب لنا الماء: ہمارے لیے میٹھا پانی لانے گئے ہیں، ولم یلبثوا ان جاء: اور وہ نہیں ٹھہرے کہ وہ آگئے یعنی جلدی ہی اسی وقت آگئے، قربۃ: (قاف کے نیچے زیر اور را ساکن) مشکیزہ، یزعبھا: بھرے ہوئے مشکیزے کو اٹھائے ہوئے، یلتزم: لپٹ گئے، چمٹ گئے، یفدیہ: ابوالہیثم آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان کرنے لگے یعنی یہ کہنے لگے کہ فداک ابی و أمی: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، بسط: بچھایا، بساط: (با کے نیچے زیر) بچھونا، چٹائی، قنو: (قاف کے نیچے زیر اور نون ساکن) پختہ کھجوروں سے بھرا ہوا گچھا، أفلا تنقیت: تو نے کیوں نہ چن لیا، رطب: (را پر پیش اور طا پر زبر) تازہ پختہ کھجور، بسر: (با پر پیش اور سین ساکن) نیم پختہ کھجور، گدر کھجور، لا تذبحن: تم ہرگز ذبح نہ کرنا، ذات در: (دال پر زبر اور را پر تشدید) دودھ والا جانور، دودھ والی بکری، عناق: ایک سال تک کا بھیڑ بکری کا بچہ، جدی: (جیم پر زبر اور دال ساکن) بکری کا بچہ، سبی: (سین پر زبر اور با ساکن) قیدی، المستشار: (صیغہ اسم مفعول) وہ شخص جس سے مشورہ لیا جائے، بطانتان: بطانۃ کا تثنیہ ہے: دو ہمراز دوست، دو گہرے دوست، لا تالوہ: اس شخص کو بطانہ نہیں روکتا، اس میں کمی اور کوتاہی نہیں چھوڑتا، خبال: فساد، تباہی، بربادی، من یوق: (یا پر پیش، صیغہ مجہول) جو شخص بچالیا گیا، بطانۃ السوء: برا ہمراز دوست، استوص بہ معروفا: تم اس غلام کے ساتھ حسن سلوک کرنا، اچھے انداز سے پیش آنا، خلیفۃ: اس کی جمع خلفاء ہے، اس سے اہل علم، حکمران، قاضی، جج اور گورنر مراد ہیں۔

## حضرت ابوالہیثم کے گھر میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرات شیخین کی آمد

حضرت ابوالہیثم بن تیہان رضی اللہ عنہ ایک مخلص صحابی ہیں، ان کا نام مالک تھا، ہجرت کے بعد انہوں نے اسلام قبول کیا تھا، اور یہ صاحب ثروت صحابہ میں سے تھے، ان کے پاس کھجوروں کے بہت سے باغات اور بکریاں وغیرہ تھیں۔

ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو شدید بھوک لگی، کھانے کا ان کے پاس کچھ نہ تھا، تینوں حضرات حضرت ابوالہیثم کے گھر تشریف لے گئے، وہاں پہنچے تو ان کی اہلیہ نے بتایا کہ وہ ہمارے لیے میٹھا پانی لینے گئے ہوئے ہیں، ان کے پاس کوئی خادم نہ تھا، اس لیے گھر کے سارے امور وہ خود ہی سرانجام دیا کرتے تھے، ان کی اہلیہ نے ان حضرات کو مہمان خانہ میں بٹھایا، تو اتنے میں حضرت ابوالہیثم بھی پانی کا بھرا ہوا مشکیزہ اٹھائے ہوئے پہنچ گئے، جیسے ہی ان کی نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر پڑی تو فوراً وہ مشکیزہ وہیں پر رکھ دیا، اور خدمت اقدس میں حاضر ہو گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ چمٹ گئے اور کہنے لگے: میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں۔

پھر حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ اپنے باغ سے کھجور کا ایک گچھا لے آئے، آپ ﷺ کی خدمت میں پیش کیا، آپ ﷺ نے فرمایا کہ بھائی رطب یعنی تازہ پختہ کھجور ہی لے آتے گدر کھجور نہ لاتے، عرض کیا کہ میں نے یہ اس لیے لایا ہے تا کہ آپ حضرات ان میں سے جو چاہیں منتخب کرلیں، چنانچہ انہوں نے کھایا اور پیا، اس موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ یہ اللہ کی نعمتیں ہیں: ٹھنڈا سایہ، عمدہ کھجور اور میٹھا ٹھنڈا پانی، ان کے بارے میں قیامت کے دن پوچھا جائے گا۔

اس کے بعد حضرت ابوالہیثم اٹھے تا کہ کسی جانور کو ذبح کر کے کھانا تیار کرائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کسی دودھ والے جانور یعنی بکری وغیرہ کو ذبح نہ کرنا، انہوں نے بکری کا ایک بچہ ذبح کیا، ان حضرات نے اسے تناول فرمایا، اس کے بعد نبی کریم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ہمارے پاس جب کوئی غلام آجائے تو ہم آپ کو دیں گے، کچھ ہی دنوں میں آپ ﷺ کے پاس صرف دو غلام آئے وہ حاضر خدمت ہوئے، آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ ان میں سے ایک غلام پسند کرلو، عرض کیا یا رسول اللہ! میری کیا پسند ہے، بس آپ ﷺ ہی میرے لیے پسند فرمادیں، ان کی بات سن کر نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جس سے مشورہ لیا جائے، وہ امین ہوتا ہے، اس لیے میری رائے یہ ہے کہ تم یہ غلام لے لو، اسے میں نے نماز پڑھتے ہوئے دیکھا ہے، اس کے ساتھ تم حسن سلوک کرنا۔

اب حضرت ابوالہیثم خوش خوش یہ غلام لے کر گھر پہنچے، بیوی کو یہ ساری بات بتائی، اس سمجھدار خاتون نے اپنی مشکلات کو نہیں دیکھا بلکہ اپنے شوہر سے کہنے لگیں کہ حضور ﷺ کی بات کا مقصد یہ لگتا ہے کہ تم اسے آزاد کردو، چنانچہ حضرت ابوالہیثم نے فوراً اسے آزاد کردیا، اور پھر یہ سارا واقعہ آکر حضور اکرم ﷺ کو سنایا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ ہر نبی اور اس کے خلیفہ کو دو رازدار دوست عطا فرماتے ہیں، ایک اسے نیکی کا جبکہ دوسرا اسے برائی کا حکم دیتا ہے، اور حقیقت یہ ہے کہ جو شخص برے دوست سے بچالیا گیا تو وہ ہر قسم کی شرور و آفات سے محفوظ رہا۔

مذکورہ حدیث سے بہت سے امور ثابت ہوتے ہیں، ان میں سے بعض کی تفصیل درج ذیل ہے:

- اگر کوئی با اعتماد اور بے تکلف دوست ہو تو اس سے ضرورت کی چیز مانگی جاسکتی ہے، اور اس کے گھر جا کر کھانا وغیرہ بھی کھایا جاسکتا ہے، جبکہ وہ اس سے ناراض نہ ہوتا ہو، اور نہ ہی وہ اسے اپنے اوپر بوجھ محسوس کرے، جس طرح نبی کریم ﷺ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کے گھر میں تشریف لے گئے، کیونکہ آپ ﷺ کو یقین تھا کہ وہ آپ ﷺ کے وہاں جانے سے ناراض نہیں ہونگے، بلکہ بجا طور پر یقیناً خوش ہونگے اور واقعۃً وہ خوش ہوئے تھے۔
- حضرت ابوالہیثم کی اہلیہ نے نبی کریم ﷺ کو بتایا کہ ان کے شوہر میٹھا پانی لینے گئے ہیں، اس نے آپ ﷺ اور حضرات شیخین کو مہمان خانہ میں بٹھایا، اس سے معلوم ہوا کہ پردے میں رہتے ہوئے ضرورت کی گفتگو اجنبیہ خاتون کے ساتھ کی جا سکتی ہے جبکہ کسی فتنہ کا اندیشہ نہ ہو، اور شوہر کی غیر موجودگی میں بھی معزز اور با اعتماد مہمانوں کو شوہر کی اجازت کے بغیر بھی گھر میں بٹھایا جاسکتا ہے، جب یہ معلوم ہو کہ شوہر ناراض نہیں ہوگا۔

❁ حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ کی خدمت میں کھجور کا تازہ گچھا پیش کیا اور میٹھا پانی اور باغ میں ایک ٹھنڈی جگہ پر بٹھایا تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ بھائی یہ ساری نعمتیں ہیں: ٹھنڈا میٹھا پانی، عمدہ کھجوریں اور ٹھنڈا سایہ، ان کے بارے میں ہم سے باز پرس ہوگی کہ انہیں کیسے حاصل کیا اور پھر آگے انہیں کس طرح اور کہاں پر صرف کیا، قرآن مجید میں اللہ جل جلالہ نے اس آیت میں فرمایا: ثُمَّ لَتُسْأَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ، (تم سے ضرور قیامت کے دن نعمتوں کے بارے میں پوچھا جائے گا) ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا: حَلَالُهَا حِسَابٌ، وَحَرَامُهَا عِقَابٌ (حلال نعمتوں کا حساب ہوگا اور حرام چیزوں پر سزا ہوگی) اس سے یہ درس دینا مقصود ہے کہ اللہ جل جلالہ نے ہر انسان کو محض اپنے فضل و کرم سے جو بے شمار طرح طرح کی نعمتیں عطا فرما رکھی ہیں، ان پر تہ دل سے شکر ادا کیا جائے اور انہیں اللہ کی نافرمانی میں استعمال کرنے سے بچا جائے۔

❁ اپنی حیثیت کے مطابق مہمان کی ہر ممکن خدمت کی جائے۔(۱)

❁ نبی کریم ﷺ نے حضرت ابوالہیثم رضی اللہ عنہ کو یہ نصیحت فرمائی کہ وَاسْتَوْصِ بِهِ مَعْرُوفًا کہ اس غلام سے حسن سلوک کرنا، ان کی بیوی نے ان کو بتایا کہ نبی کریم ﷺ کے ارشاد پر عمل جب ہی ہو سکتا ہے کہ تم اسے آزاد کر دو، چنانچہ انہوں نے اپنی بیوی کی یہ بات سن کر فوراً اپنے غلام کو آزاد کر دیا، اس سے ایک تو یہ بات معلوم ہوئی کہ ان کی بیوی ایک سمجھدار خاتون تھیں اور دوسرا یہ کہ نبی کریم ﷺ نے ایسی بیوی کو بہترین ہمراز دوست قرار دیا کہ جو اپنے شوہر کو نیکی کا حکم دیتی ہے، اور تیسری یہ بات معلوم ہوئی کہ بیوی کی درست بات پر عمل کیا جا سکتا ہے۔

❁ بطانتان سے کیا مراد ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

۱۔ ایک اور حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ ہر انسان کے ساتھ دو بطانہ ہوتے ہیں: ایک فرشتہ جو اسے نیکی کا حکم دیتا ہے اور دوسرا جن یعنی شیطان جو اسے برائی اور فساد کا حکم دیتا ہے۔

۲۔ علامہ کرمانی فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ بطانتین سے نفس امارہ (سرکش نفس) اور نفس لوامہ (ملامت کرنے والا نفس) مراد ہو، نفس لوامہ خیر اور نیکی کا حکم دیتا ہے جبکہ نفس امارہ برائی کا حکم دیتا ہے۔

۳۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ بطانتین سے دو ہمراز دوست مراد ہیں، ایک نیک دوست ہے جو اسے نیکی کا حکم دیتا ہے، اور دوسرا برا دوست ہے، جو اسے برائی کا امر کرتا ہے جیسے اس حدیث میں حضرت ابوالہیثم کی اہلیہ بطانۃ الخیر ہیں کہ انہوں نے اپنے شوہر کو غلام آزاد کرنے کا مشورہ دیا ہے اور آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص برے دوست سے محفوظ رہا تو وہ ہر قسم کی شر و رو آفات سے بچ گیا۔

یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لیے ایک ایسا بطانہ ہے، جو

---

(۱) شرح الزرقانی علی الموطأ للامام مالک ۴/۲۲۱ کتاب صفة النبی ﷺ، باب جامع ما جاء فی الطعام والشراب، رقم الحدیث: ۱۷۹۸، تکملة فتح الملهم ۴/۳۱، کتاب الاطعمة، باب جواز استتباعه غیره الی دار من یثق برضاه بذلک، رقم الحدیث: ۵۲۷۲

آپ ﷺ کو برائی کی ترغیب دیتا ہے، حالانکہ آپ ﷺ کے حق میں تو اس کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا؟ شارحین نے اس کا جواب یہ دیا ہے:

آپ ﷺ بطانہ سوء یعنی شیطان سے محفوظ ہیں، چنانچہ ایک روایت میں ہے کہ فَالْمَعْصُوْمُ مَنْ عَصَمَهُ اللّٰهُ (وہ شخص محفوظ رہتا ہے، جسے اللہ جل جلالہ بچالے) آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے برے دوست سے محفوظ رکھا ہے، ایک اور روایت میں اس کی تصریح ہے، آپ ﷺ نے فرمایا: وَلٰكِنَّ اللّٰهَ أَعَانَنِي عَلَيْهِ فَأَسْلَمَ لیکن اللہ تعالیٰ نے میری اس کے خلاف مدد فرمائی، اس لیے میں اس سے سالم اور محفوظ ہوں۔(۱)

**عَنْ سَعْدِ بْنِ أَبِي وَقَّاصٍ يَقُوْلُ: إِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ أَهْرَاقَ دَمًا فِي سَبِيلِ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ، وَإِنِّي لَأَوَّلُ رَجُلٍ رَمَى بِسَهْمٍ فِي سَبِيلِ اللّٰهِ، لَقَدْ رَأَيْتُنِي أَغْزُو فِي الْعِصَابَةِ مِنْ أَصْحَابِ مُحَمَّدٍ عَلَيْهِ الصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ، مَا نَأْكُلُ إِلَّا وَرَقَ الشَّجَرِ وَالْحُبْلَةِ حَتَّى تَقَرَّحَتْ أَشْدَاقُنَا، وَإِنَّ أَحَدَنَا لَيَضَعُ كَمَا تَضَعُ الشَّاةُ وَالْبَعِيرُ، وَأَصْبَحَتْ بَنُو أَسَدٍ يُعَزِّرُوْنَنِي فِي الدِّيْنِ، لَقَدْ خِبْتُ وَخَسِرْتُ إِذًا وَضَلَّ عَمَلِي.(۲)**

ترجمہ: حضرت سعد بن ابی وقاص ؓ فرماتے ہیں کہ بے شک میں سب سے پہلا آدمی ہوں، جس نے اللہ کی راہ میں (کافر کا) خون بہایا ہے، اور میں ہی وہ پہلا شخص ہوں، جس نے اللہ کے راستہ میں (پہلا) تیر چلایا ہے، اور مجھے یاد ہے کہ میں صحابہ کرام کی ایک جماعت کے ساتھ جہاد کرتا (اور غربت کی وجہ سے ہمارے پاس کھانے کا کچھ بھی نہ ہوتا) ہم لوگ درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں کھایا کرتے تھے، یہاں تک کہ اس کی وجہ سے ہمارے منہ کے جبڑے زخمی ہوگئے، اور ہم میں سے ہر ایک یوں قضاء حاجت کرتا جس طرح بکری اور اونٹ کرتے ہیں (یعنی مینگنیوں کی طرح) اور (اب) قبیلہ بنو اسد کے لوگ مجھے دین سکھانے لگے ہیں، (یعنی میری نماز پر اعتراض کررہے ہیں کہ میں صحیح نہیں پڑھتا) پھر تو میں ناکام ہوگیا، اور میرے عمل (جو میں نے حضور ﷺ کے ساتھ جہاد اور نماز وغیرہ پڑھی) رائیگاں اور ضائع ہوگئے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** **أهراق**: اس نے بہایا، اس میں ''ھا'' خلاف قیاس ہمزے سے بدل کر آئی ہے، **عصابة**: (عین کے نیچے زیر) جماعت جو دس سے چالیس افراد پر مشتمل ہو، اس کا مفرد نہیں ہے، **حبلة**: (حا پر پیش اور با کے سکون کے ساتھ) ببول یعنی کیکر کے درخت کا پھل جو لوبیہ کی پھلی کے مشابہ ہوتا ہے، بعض کے نزدیک ہر خار دار درخت کے پھل کو حبلہ کہتے ہیں، **تقرحت**: زخمی ہوگئے، **أشداقنا**: شدق کی جمع ہے: ہمارے منہ کے جبڑے، **لیضع**: وہ قضاء حاجت کرتا ہے، **یعزروننی فی**

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۳۶/۲، تحفۃ الاحوذی ۸۱/۷، کتاب الزھد، باب ما جاء فی معیشۃ اصحاب النبی ﷺ، رقم الحدیث:۲۳۶۹

(۲) الصحیح لمسلم، الزھد، رقم الحدیث:۲۹۶۶، سنن الترمذی، الزھد، رقم الحدیث:۲۳۶۶۔

الدین: قبیلہ بنی اسد کے لوگ مجھے دین سکھانے لگے ہیں، اس سے واقف کرانے لگے ہیں، خبت اذن: (صیغہ متکلم) پھر تو میں ناکام ہی ہوگیا، ضل عملی: میرے عمل ضائع اور رائیگاں ہوگئے۔

## حضرت سعد بن ابی وقاص اسلام کے پہلے تیر انداز ہیں

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا تھا، قبیلہ بنی اسد کے کچھ لوگوں نے حضرت عمر فاروقؓ کے سامنے ان کی کچھ شکایات کیں، ان کی تفصیل آگے آ رہی ہے، ان پر رد کرنے اور اپنی حیثیت کو واضح کرنے کے لیے حضرت سعدؓ نے اس حدیث میں اپنی دو خصوصیات ذکر فرمائی ہیں، جو دیگر صحابہ کو حاصل نہیں:

۱۔ حضرت سعد بن ابی وقاصؓ وہ پہلے آدمی ہیں جنہوں نے اللہ کے راستہ میں سب سے پہلے تیر پھینکا، اس کا واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے سن ایک ہجری کے ماہ شوال میں حضرت عبیدہ بن حارثؓ کی قیادت میں ساٹھ مہاجرین پر مشتمل ایک سریہ مقام ''رابغ'' کی طرف روانہ فرمایا تھا، وہاں ان کا قریش کے دوسو افراد کے ساتھ آمنا سامنا ہوا، ان کے امیر ابوسفیان بن حرب تھے، آپس میں تیراندازی ہوئی، یہ اسلام میں سب سے پہلی لڑائی ہے، مسلمانوں میں سے سب سے پہلے حضرت سعد بن ابی وقاصؓ نے تیر پھینکا تھا، اس لیے حضرت سعدؓ کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ یہ اسلام کے پہلے تیر انداز ہیں۔

۲۔ اسلام میں سب سے پہلے کافر کو زخمی کیا جس سے اس کا زخم سے خون بہہ پڑا، اس کا پس منظر یہ ہے کہ ابتداء اسلام میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام مکہ مکرمہ میں کافروں سے چھپ کر عبادت کیا کرتے تھے، سرعام عبادت نہیں کر سکتے تھے، ایسے ہی ایک دن حضرت سعد اپنے مسلمان ساتھیوں کے ساتھ مکہ کی ایک گھاٹی میں چھپ کر نماز ادا کر رہے تھے کہ اچانک کافروں نے ان پر حملہ کر دیا، لڑائی ہوگئی، اس وقت حضرت سعد نے اونٹ کا جبڑا ایک کافر کو اس زور سے مارا کہ وہ اس سے شدید زخمی ہوگیا اور اس سے اس کا خون بہنے لگا، یہ کافر کے زخم سے نکلنے والا سب سے پہلا خون ہے، جو اسلام میں حضرت سعدؓ نے بہایا تھا۔(۱)

اس سے دو باتیں معلوم ہوئیں:

- اس سے حضرت سعدؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ وہ ایک جلیل القدر صحابی ہیں، ایسے میں وہ کیسے نماز اور دیگر امور میں غفلت اور سستی کر سکتے ہیں، اس لیے شکایت کرنے والوں کی بات درست نہیں ہے۔
- ضرورت کے موقع پر اپنی تعریف کرنا اور اپنی علمی صلاحیتوں کو دوسروں کے سامنے واضح کرنا جائز ہے، تکبر اور بڑائی کی نیت سے یہ جائز نہیں، لیکن اگر تکبر کی نیت سے نہ ہو بلکہ اپنی حیثیت اور صلاحیت بتانے کے لیے ہو یا کسی نعمت کے شکر کے طور پر ہو تو پھر اس میں کوئی حرج نہیں جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے فرمایا: انی حفیظ علیم کہ میں علم بھی رکھتا ہوں اور حفاظت بھی کر سکتا ہوں، امین اور امانتدار ہوں، حضرت علیؓ نے فرمایا: سَلُوْنِيْ عَنْ كِتَابِ اللّٰهِ قرآن مجید سے متعلق کوئی بات پوچھنی ہو تو مجھ سے

---

(۱) تکملۃ فتح الملہم ۶/۴۴۴ کتاب الزھد، رقم الحدیث: ۷۳۹۱

دریافت کرلو، اور بعض اوقات تو اجنبی لوگوں کے سامنے اپنی صلاحیت اور ڈگری کو واضح کرنا ضروری ہوتا ہے، اور شرعاً اس میں کوئی حرج نہیں، لہذا حضرت سعدؓ پر جب بنواسد نے بلا وجہ اعتراض کیے تو انہوں نے اپنی حیثیت کو سب کے سامنے واضح کردیا تاکہ کسی کو کوئی غلط فہمی نہ رہے۔

## صحابہ کرامؓ نے غزوہ سیف البحر یا جیش الخبط میں درختوں کے پتے اور کیکر کی پھلیاں بھی کھائیں

اس حدیث میں حضرت سعد بن ابی وقاص نے صحابہ کرام کی تنگدستی کو بھی ذکر کیا ہے، کہ ہم نے اس کسمپرسی اور مشکل حالات میں بھی اللہ کے راستے میں جہاد کیا، ایسے میں یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ میں نماز صحیح طرح نہ پڑھوں اور گورنری کے امور صحیح طرح انجام نہ دوں۔

حضرت سعدؓ نے یہاں غزوہ سیف البحر یا جیش الخبط کا ذکر کیا ہے، خبط کے معنیٰ پتے جھاڑنے کے ہیں، اس لیے اس کو غزوہ جیش الخبط کہا جاتا ہے، یہ غزوہ سن ۵ ھ میں یا رجب ۸ ہجری میں پیش آیا تھا، اس کا مختصر واقعہ یہ ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے تین سو مہاجرین اور انصار کو حضرت ابو عبیدہ بن حارث کی قیادت میں مدینہ منورہ سے سمندر کے کنارے کی طرف بھیجا تھا، تاکہ قبیلہ جہینہ سے مقابلہ کیا جاسکے، اس لشکر میں شروع دنوں میں یومیہ تین اونٹ ذبح ہوتے تھے، جب اونٹوں کی قلت کا خوف ہوا تو امیر لشکر نے اونٹ ذبح کرنے سے منع کردیا، پھر کچھ کھجور دی جاتی، پھر کھجور بھی کم ہوگئی تو پھر ایک دن میں ایک ہی کھجور فی آدمی کو دی جاتی تھی، اس کو چوستے رہتے اور پانی پیتے رہتے، حضرت سعدؓ فرماتے ہیں کہ پھر ایک وقت ایسا شروع ہوگیا کہ ہم درختوں کے پتے جھاڑ کر کھاتے اور کیکر کے درخت کی پھلیاں کھاتے، ان کی سختی کی وجہ سے ہمارے منہ زخمی ہوگئے، اور ہمیں نارمل انداز سے پاخانہ بھی نہ آتا، بلکہ اونٹوں اور بکریوں کی مینگنیوں کی طرح ہم بھی قضاء حاجت کرتے، پھر اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے سمندر سے ایک بہت بڑی عنبر نامی مچھلی باہر بھیج دی، جس سے کئی دن ہم لوگ کھاتے رہے۔(۱)

یہاں ایک سوال ہوتا ہے کہ شمائل کی اس حدیث کو باب ما جاء فی عیش رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا مناسبت ہے، کیونکہ اس حدیث میں صحابہ کرامؓ کی معاشی تنگی اور فقر و تنگدستی کا ذکر ہے جبکہ اس باب میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے گذر اوقات اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے متعلق احادیث کا بیان ہے، تو پھر امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس روایت کو اس باب کے تحت کیوں ذکر کیا ہے؟

اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۞ حضرت سعد اس حدیث سے ایک اور حدیث کی طرف اشارہ کررہے ہیں جو صحیحین میں منقول ہے، جس کے الفاظ یوں ہیں: بَيْنَمَا نَحْنُ نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم وَمَالَنَا إِلَّا طَعَامُ الْحُبْلَةِ (ہم حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جہاد کرتے،

---

(۱) فتح الباری ۹۷/۸، کتاب المغازی، باب غزوۃ سیف البحر، رقم الحدیث: ۴۳۶۰

ہمارا کھانا کیکر کے درخت کی پھلیاں ہوتی تھیں) یوں اس روایت کو باب سے مناسبت ہے۔

علامہ مناوی فرماتے ہیں کہ صحابہ کرام کی تنگدستی سے نبی کریم ﷺ کی تنگدستی ثابت ہوتی ہے، کیونکہ اگر نبی کریم ﷺ کی معاشی حالت اچھی ہوتی تو آپ ﷺ کے صحابہ کرامؓ معاشی تنگی سے دوچار نہ ہوتے، اس طرح اس روایت کو باب سے مناسبت ہوجاتی ہے۔(۱)

## الزام تراشی کرنے والے کے خلاف حضرت سعدؓ کی بددعا

''وَاَصْبَحَتْ بَنُوْ اَسَدٍ یُعَزِّرُوْنَنِیْ فِی الدِّیْنِ'' بنواسد سے ابن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن مضر مراد ہے، یہ لوگ حضور اقدس ﷺ کے بعد مرتد ہوگئے تھے، اور طلحہ یا طلیحہ بن خویلد کی پیروی کرنے لگے جو کہ جھوٹا مدعی نبوت تھا، پھر حضرت خالد بن ولید نے حضرت صدیق اکبر کے دور میں ان سے جہاد کیا، جس سے انہیں شکست فاش ہوئی، نبوت کے دعویدار طلیحہ نے توبہ کی اور اسلام قبول کرلیا، بعد میں یہ لوگ کوفہ میں رہنے لگے۔

حضرت عمر فاروقؓ نے اپنے دور خلافت میں حضرت سعد بن ابی وقاصؓ کو کوفہ کا گورنر بنایا، اس وقت کوفہ عراق کا دارالحکومت تھا، کوفہ والے بڑے فتنہ پرداز لوگ تھے، اسی وجہ سے یہ مقولہ مشہور ہے: اَلْکُوْفِیُّ لَا یُوْفِیْ (کوفی وفا نہیں کرتا) وہاں کے لوگ کسی بھی امیر کو ٹکنے نہیں دیتے تھے، چنانچہ ان لوگوں نے اپنی روش کے مطابق حضرت سعد کے خلاف امیر المؤمنین حضرت عمر فاروق سے کئی ساری شکایات کر دیں، حتی کہ یہ شکایت بھی کی کہ یہ نماز بھی اچھی طرح نہیں پڑھتے، حضرت عمر فاروقؓ نے حضرت سعدؓ کو بلا کر ان سے دریافت کیا کہ کوفہ والے آپ کے بارے میں ایسی ایسی باتیں کہہ رہے ہیں، اس پر حضرت سعد نے اپنا قدیم الاسلام ہونا اور اسلام کے بارے میں اپنی قربانیوں کا تذکرہ کیا، اور فرمایا کہ بنواسد کے لوگ آج مجھے دین سکھا رہے ہیں اور یہ لوگ میری نماز پر اعتراض کررہے ہیں، اگر میری نماز بھی ٹھیک نہیں تو پھر میری تمام قربانیاں اور اعمال رائیگاں چلے گئے، واقعہ یہ ہے کہ میں نے جس طرح نبی کریم ﷺ کو نماز پڑھتے دیکھا ہے، میں اسی طرح پڑھتا ہوں، اس سے ذرا کوتاہی نہیں کرتا، صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا: ذَالِکَ الظَّنُّ بِکَ یَا اَبَا اِسْحَاقَ اے ابواسحاق! میرا آپ سے یہی گمان تھا کہ آپ اچھی نماز ہی پڑھائیں گے، بے شک یہ لوگ فضول باتیں کررہے ہیں۔

چونکہ متعدد شکایات تھیں اس لیے ان کی تحقیق کے لیے حضرت عمرؓ نے ایک یا زیادہ لوگوں کو کوفہ بھیجا، تا کہ اصل صورتحال واضح ہوجائے اور شرارتی لوگوں کی شرارت سب کے سامنے آجائے، بندے بھیجنے کا مقصد یہ نہیں تھا کہ حضرت سعد پر کوئی شک تھا بلکہ امت کے سامنے یہ نمونہ پیش کرنا تھا کہ ہر حاکم کے حالات کی تحقیق ہوسکتی ہے، چنانچہ سرکاری نمائندے کوفہ کی ہر مسجد میں گئے اور حضرت سعد سے متعلق معلومات حاصل کیں، سب نے ان کی تعریف کی، اور شکایات کی نفی کی البتہ بنوعبس کی ایک مسجد میں جاکر

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۴۳

جب ان لوگوں نے دریافت کیا تو وہاں ایک شخص کھڑا ہوا، جس کا نام اسامہ بن قتادہ تھا، وہ کہنے لگا کہ چونکہ تم لوگ قسم دے کر پوچھ رہے ہو، اس لیے اب میں بتا ہی دیتا ہوں، اس نے تین باتیں کیں:

۱۔ یہ جہاد میں نہیں جاتے۔

۲۔ جب مال غنیمت آتا ہے تو اسے لوگوں میں عدل وانصاف اور برابری سے تقسیم نہیں کرتے۔

۳۔ اور فیصلوں میں عدل نہیں کرتے۔

ذرا غور فرمائیں کہ جو فاتح ایران ہے جس نے پورا ایران فتح کیا، جس نے سب سے پہلے اللہ کے راستے میں تیر چلایا، جس نے سب سے پہلے کافر کو زخمی کر کے زخم سے اس کا خون بہایا، جس نے بدر واحد اور دیگر معرکوں میں جرأت وشجاعت اور فداکاری کی داستانیں رقم کیں، اور جو عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یعنی جنہیں دنیا میں ہی جنت کی بشارت دے دی گئی تھی، اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جن کے بارے میں فرمایا: فِدَاکَ اَبِیْ وَاُمِّیْ (میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں) ان کے بارے میں اس شخص نے یہ تین اعتراض ذکر کیے ہیں۔

حضرت سعد کو جب یہ پتہ چلا تو غصہ آنا طبعی بات ہے، کہ اس قدر عظیم شان والے صحابی کے بارے میں بے تکی باتیں کی جارہی ہیں، اس نے تین اعتراضات کیے تھے، اس لیے حضرت سعد نے بھی تین بددعائیں کیں، مگر غصہ کے باوجود حضرت سعد کی احتیاط کا عالم یہ ہے کہ بددعا سے پہلے دو شرطیں لگائیں ایک یہ کہ اگر یہ شخص جھوٹا ہو اور دوسری یہ کہ اگر محض شہرت حاصل کرنے کے لیے یہ باتیں کر رہا ہو تو پھر اس کے خلاف میں یہ تین بددعائیں کرتا ہوں: اے اللہ اس کی عمر بڑھا دے، اس کا فقر وفاقہ بھی طویل کر دے اور اسے طرح طرح کے فتنوں میں مبتلی کر دے، العیاذ باللہ العظیم۔

چنانچہ حضرت سعد کی بددعا اس کے حق میں قبول ہوئی، کیونکہ مظلوم کی دعا فوراً قبول ہو جاتی ہے، اور ایسا ہی ہوا جیسا انہوں نے اس کے حق میں بددعا کی تھی، حدیث کے راوی عبدالملک بن عمیر فرماتے ہیں کہ میں نے اس بندے کو دیکھا کہ اس کی ابروئیں آنکھوں پر گر گئی تھیں یعنی عمر لمبی ہوئی، اور فقیر بھی ہو گیا تھا، اور گلی کوچوں اور راستے میں لڑکیوں کو چھیڑتا تھا، جب اس سے پوچھا جاتا کہ تمہارے ساتھ یہ حالات کیسے بنے تو وہ کہتا: شَیْخٌ کَبِیْرٌ مَفْتُوْنٌ اَصَابَتْنِیْ دَعْوَۃُ سَعْدٍ، میں ایک عمر رسیدہ بوڑھا ہوں، جو فتنے کا نشانہ بن گیا، بس مجھے تو سعد کی بددعا لگ گئی ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی نیک انسان کی توہین اور اس پر الزام تراشی کرنا جائز نہیں ہے، ایسے میں انسان کو دنیا میں ہی عبرتناک سزا دے دی جاتی ہے، یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ حضرت سعد نے اسے بددعا دی، اگر آپ بددعا نہ دیتے تو کیا ہوتا؟

علماء نے اس کا جواب یہ دیا ہے کہ حضرت سعدؓ نے اسے بددعا دے کر درحقیقت اس کے ساتھ شفقت کی ہے، تا کہ اسے اس الزام تراشی کے گناہ کا بدلہ آخرت کے بجائے دنیا میں ہی مل جائے اور یہاں سے پاک صاف ہو کر اللہ جل شانہ کے پاس جائے، کیونکہ کسی ولی کو ایذاء پہنچانا اللہ تعالیٰ سے جنگ کرنے کے مترادف ہے، حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مَنْ عَادیٰ

لِيْ وَلِيًّا فَقَدْ اٰذَنْتُهٗ بِالْحَرْبِ۔ (جس نے میرے کسی ولی سے عداوت کی تو میرا اس سے اعلان جنگ ہے)(۱)

عَنْ خَالِدِ بْنِ عُمَيْرٍ، وَشُوَيْسًا أَبَا الرَّقَادِ، قَالاَ: بَعَثَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ عُتْبَةَ بْنَ غَزْوَانَ وَقَالَ: انْطَلِقْ أَنْتَ وَمَنْ مَعَكَ، حَتَّى إِذَا كُنْتُمْ فِي أَقْصَى بِلاَدِ الْعَرَبِ، وَأَدْنَى بِلاَدِ الْعَجَمِ فَأَقْبَلُوا، حَتَّى إِذَا كَانُوا بِالْمِرْبَدِ وَجَدُوا هٰذَا الْكَذَّانَ، فَقَالُوا: مَا هٰذِهِ؟ قَالُوا: هٰذِهِ الْبَصْرَةُ فَسَارُوا حَتَّى إِذَا بَلَغُوا حِيَالَ الْجِسْرِ الصَّغِيرِ، فَقَالُوا: هٰهُنَا أُمِرْتُمْ، فَنَزَلُوا - فَذَكَرُوا الْحَدِيثَ بِطُولِهِ - قَالَ: فَقَالَ عُتْبَةُ بْنُ غَزْوَانَ: لَقَدْ رَأَيْتُنِي وَإِنِّي لَسَابِعُ سَبْعَةٍ مَعَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لَنَا طَعَامٌ إِلاَّ وَرَقُ الشَّجَرِ حَتَّى تَقَرَّحَتْ أَشْدَاقُنَا، فَالْتَقَطْتُ بُرْدَةً قَسَمْتُهَا بَيْنِي وَبَيْنَ سَعْدٍ، فَمَا مِنَّا مِنْ أُولٰئِكَ السَّبْعَةِ أَحَدٌ إِلَّا وَهُوَ أَمِيرُ مِصْرٍ مِنَ الْأَمْصَارِ وَسَتُجَرِّبُونَ الْأُمَرَاءَ بَعْدَنَا.

ترجمہ: حضرت خالد بن عمیر اور شویس ابوالرقاد کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو بھیجا اور فرمایا کہ تم اپنے دوستوں کے ساتھ چلے جاؤ، یہاں تک کہ جب تم سرزمین عرب کی انتہاء پر اور عجمی شہروں کے قریب پہنچ جاؤ (تو وہاں قیام کرنا) چنانچہ وہ آگے بڑھے، جب وہ مقام ''مربد'' پر پہنچے تو انہوں نے وہاں سفیدی مائل پتھر پایا، تو لوگوں نے تعجب سے آپس میں پوچھا کہ یہ کیا چیزیں ہیں؟ لوگوں نے کہا: یہ بصرہ ہے (لغت میں بصرہ بھی سفیدی مائل نرم پتھر کو کہتے ہیں) اس کے بعد (حضرت عمرؓ کی ہدایت کے موافق آگے) چلے یہاں تک کہ جب وہ دجلہ کے چھوٹے پل کے مقابل پہنچے تو لوگوں نے کہا کہ اسی جگہ کا تمہیں حکم دیا گیا ہے، اس لیے وہاں پڑاؤ ڈال دیا، راوی نے اس جگہ تمام قصہ ذکر کیا (مگر امام ترمذی نے اسے مختصر کر دیا اور اس کے بعد یہ ذکر کیا)

راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت عتبہ بن غزوان نے فرمایا: میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی یہ حالت دیکھی ہے جبکہ میں ان سات آدمیوں میں سے ایک ہوں جو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، کہ ہمارے پاس کھانے کے لیے درختوں کے پتوں کے سوا کچھ بھی نہ تھا یہاں تک کہ (ان پتوں کو کھانے سے) ہمارے منہ کے جبڑے زخمی ہو گئے، پھر (اتفاقاً) مجھے زمین سے ایک چادر مل گئی تھی، جس کو میں نے اپنے اور سعد کے درمیان نصف نصف تقسیم کر لیا تھا (اللہ تعالیٰ نے اس تنگ حالی اور تکالیف کا دنیا میں یہ اجر عطا فرمایا کہ) ہم سات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں، جو شہروں میں سے کسی شہر کا امیر نہ ہو، اور تم عنقریب ان امراء اور حکمرانوں کا تجربہ کرو گے، جو ہمارے بعد آنے والے ہیں۔

**مشکل الفاظ کے معنی**:۔ **انطلق انت و من معک**: تم اپنے دوستوں کے ساتھ چلو، **أقصی ارض العرب**: سرزمین عرب کی انتہا، منتہا، **ادنی بلاد العجم**: عجمی شہروں کے قریب۔ **فاقبلوا**: (صیغہ ماضی جمع) پھر وہ آگے بڑھے، **مربد**: (میم کے نیچے زیر اور

(۱) فتح الباری ۲/ ۳۰۰، کتاب الاذان، باب وجوب القراءة للامام والماموم ـــ رقم الحدیث: ۷۵۵۔

را ساکن) یہ بصرہ کے قریب ایک جگہ کا نام ہے، اس کے اصل معنی: وہ جگہ جہاں اونٹوں اور بکریوں کو رکھا جاتا تھا یا وہ جگہ جہاں کھجوروں کو خشک کیا جاتا تھا، ممکن ہے کہ اس جگہ یہ کام ہوتے ہوں، اس لیے اس مناسبت سے اس علاقہ کو ہی "مربد" کا نام دے دیا گیا، کذان: (کاف پر زبر اور ذال پر تشدید) سفیدی مائل نرم پتھر، بصرہ: (با پر زبر اور صاد ساکن) سفیدی مائل نرم پتھر، پھر اس مناسبت سے اس علاقہ کا نام بصرہ رکھ دیا گیا، حیال: (حاء کے نیچے زیر) مقابل، الجسر: (جیم پر زبر) پل، فالتقطت: (صیغہ واحد متکلم) میں نے لیا، اتفاقاً مجھے مل گئی، بردۃ: (با پر پیش اور را ساکن) کالی چادر، قسمتها: (صیغہ متکلم) میں نے اس چادر کو تقسیم کیا، ستجربون: عنقریب تم لوگ تجربہ کروگے یعنی دیکھوگے، الامراء: امیر کی جمع ہے: حکمران۔

## حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ

حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ نے ساتویں نمبر پر اسلام قبول کیا ہے، سابقین فی الاسلام میں سے ہیں، انہوں نے دو ہجرتیں کی ہیں، پہلے حبشہ کی طرف اور دوسری مدینہ منورہ کی طرف، غزوہ بدر اور دیگر غزوات میں شریک رہے، ان میں قائدانہ صلاحیتیں تھیں، اس لیے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کئی فتوحات میں ان کو والی مقرر کیا تھا، بصرہ شہر کو سن ۱۷ ہجری میں انہوں نے آباد کیا، اور بصرہ کے قریب مقام "ابلہ" کو حضرت عتبہ نے فتح کیا۔ (۱)

## حضرت عمرؓ نے عتبہ بن غزوان کو عرب کی سرحدوں کی حفاظت کے لیے بھیجا

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو پتہ چلا کہ عجم کا عرب پر حملے کا منصوبہ ہے، اور ایک روایت میں ہے کہ یزدجرد نے عجم سے امداد مانگ لی ہے، اب اس بات کی ضرورت تھی کہ ہندوستان کے جزائر سے جو راستہ فارس کی طرف آنے کا تھا، اسے روکا جائے تا کہ عرب کے خلاف عجمیوں کا گٹھ جوڑ نہ ہو سکے، اس کے لیے حضرت عمرؓ نے حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کو نامزد کیا، ان سے فرمایا کہ آپ اپنے تین سو ساتھیوں سمیت سرزمین عرب کی منتہا اور سرزمین عجم کے قریب چلے جائیں اور اس سرحد کی حفاظت کریں، اس طرح ناکہ بندی کریں کہ وہاں کا کوئی شخص نہ آسکے، چنانچہ یہ حضرات چلے، جب عراق میں بصرہ کے قریب پہنچے تو انہیں سفیدی مائل نرم پتھر نظر آئے، تعجب سے آپس میں پوچھنے لگے کہ یہ کیا ہیں؟ تو لوگوں نے کہا کہ یہ بصرہ ہیں، بصرہ کے معنی بھی سفیدی مائل نرم پتھر کے ہیں، بعد میں حضرت عتبہ نے بصرہ نام سے ہی ۱۷ھ میں اس مقام پر شہر کو آباد کیا، بہر حال یہ حضرات وہاں سے چل کر آگے بڑھے، اور دریائے دجلہ کے چھوٹے پل کے مقابل پڑاؤ ڈالا اور ان کا اتفاق ہو گیا کہ یہی وہ جگہ ہے جس کی حفاظت اور ناکہ بندی کے لیے حضرت عمرؓ نے ہمیں روانہ کیا ہے، اس مقام پر پھر خراسان کا ایک لشکر آیا، ان کے ساتھ حضرت عتبہ اور ان کی فوج کا مقابلہ ہوا، بالآخر حضرت عتبہ بن غزوان کو فتح حاصل ہوئی اور اس علاقے کا مکمل کنٹرول سنبھال لیا اور وہ ذمہ داری پوری نبھائی

(۱) الاصابۃ ۳۶۳/۴، رقم الترجمۃ: ۵۴۲۷، تکملۃ فتح الملہم ۴۴۶/۶، کتاب الزھد، باب، رقم الحدیث: ۷۳۹۳

جس کے لیے حضرت عمرؓ نے ان کو یہاں بھیجا تھا۔(۱)

## حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ کا ایک اہم خطاب

خراسانیوں کے ساتھ جنگ سے فارغ ہو کر حضرت عتبہ بن غزوان کے لیے مخصوص مقام پر ایک منبر رکھا گیا، جس پر کھڑے ہو کر انہوں نے ایک مختصر مگر نہایت جامع خطاب فرمایا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اختصار کے پیش نظر اسے یہاں ذکر نہیں کیا، اس خطبہ میں چونکہ وعظ ونصیحت اور اصلاح سے متعلق ایک اہم پیغام ہے، اس لیے اس کے عربی الفاظ اور اس کا ترجمہ پیش کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے، اس کے عربی الفاظ یہ ہیں:

”اِنَّ الدُّنْيَا قَدْ تَصَرَّمَتْ وَوَلَّتْ حِذَاءً، وَلَمْ يَبْقَ مِنْهَا اِلاّ صُبَابَةٌ كَصُبَابَةِ الْاِنَاءِ، أَلَا وَاِنَّكُمْ مُنْتَقِلُوْنَ مِنْهَا اِلٰى دَارِ الْقَرَارِ، فَانْتَقِلُوْا بِخَيْرِ مَا بِحَضْرَتِكُمْ، وَقَدْ ذُكِرَ لِيْ: لَوْ اَنَّ صَخْرَةً أُلْقِيَتْ مِنْ شَفِيْرِ جَهَنَّمَ هَوَتْ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا وَلَتَمْلَئُنَّهُ أَوْ عَجِبْتُمْ، وَلَقَدْ ذُكِرَ لِيْ: اِنَّمَا بَيْنَ مِصْرَاعَيْنِ مِنْ مَصَارِيْعِ الْجَنَّةِ مَسِيْرَةُ أَرْبَعِيْنَ عَامًا، وَلَيَأْتِيَنَّ عَلَيْهِ يَوْمٌ وَهُوَ كَظِيْظٌ، وَلَقَدْ رَأَيْتُنِيْ وَاِنِّيْ لَسَابِعُ سَبْعَةٍ“(۲)

ترجمہ: دنیا ختم ہو رہی ہے، اور منہ پھیر کر جا رہی ہے، دنیا کا حصہ اتنا ہی باقی رہ گیا جیسا کہ کسی برتن کا پانی ختم ہو جائے اور آخیر میں ذرا سا قطرہ اس میں رہ جائے، خوب سمجھ لو: تم لوگ اس دنیا سے ایک ایسے عالم کی طرف جا رہے ہو، جو ہمیشہ رہنے والا ہے، کبھی ختم ہونے والا نہیں ہے، لہٰذا ضروری ہے کہ تم لوگ بہترین ماحضر یعنی نیک اعمال کے ساتھ اس دنیا سے جاؤ، کیونکہ ہمیں یہ بتایا گیا ہے کہ جہنم اس قدر گہری ہے کہ اگر اس کے اوپر کے کنارے سے ایک پتھر پھینکا جائے تو ستر برس تک وہ اس میں گرتا رہے گا، یہ ذہن میں رکھنا کہ انسانوں سے اس جگہ کو بھرا جائے گا، کس قدر عبرت کا مقام ہے اور ہمیں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ جنت اس قدر وسیع ہے کہ اس کے دروازے کی چوڑائی میں ایک جانب سے دوسری جانب تک چالیس برس کی مسافت کے بقدر فاصلہ ہے، اور ہر انسان پر ایک ایسا دن (یعنی قیامت کا دن) ضرور آئے گا جو انسانوں کے ہجوم سے کھچا کھچ بھرا ہوگا، (ہر انسان کو اپنے حساب کی فکر ہوگی) اور میں نے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ اپنی یہ حالت دیکھی ہے کہ میں ان سات آدمیوں میں سے ایک ہوں جو اس وقت حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے۔

اس کے بعد والی حدیث امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب کی مناسبت سے یہاں ذکر کی ہے، اس میں حضرت عتبہ بن غزوان رضی اللہ عنہ، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، اپنے آپ کی اور صحابہ کرام کی تنگدستی بتا رہے ہیں کہ ہمارے اوپر ایسا وقت بھی گذرا ہے کہ

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۴۴/۲، المواہب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۲۳۲)

(۲) تاریخ الامم والملوک للطبری ۹۰/۳، ذکر بناء البصرة، ط: القاہرة۔

ہمارے پاس کھانے کا کچھ بھی نہ ہوتا، ہم درختوں کے پتے کھا کر گذارا کرتے، جس سے ہمارے جبڑے اور باچھیں زخمی ہو گئی تھیں، مجھے ایک چادر مال غنیمت سے مل گئی تھی، اسے میں نے اپنے اور سعد بن ابی وقاص کے درمیان آدھا آدھا تقسیم کر لیا تھا، اللہ جل شانہ کی ذات بہت ہی کریم اور مہربان ہے، اللہ نے اس فقر و فاقہ اور تنگدستی کا اجر دنیا میں یوں عطا فرمایا ہے کہ ہم سات میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو کسی جگہ کا امیر نہ ہو، ہماری یہ جماعت چونکہ بڑے کٹھن اور مشکلات حالات سے دو چار ہونے کے بعد امارت کے منصب پر فائز ہوئی ہے، اس لیے اس جماعت کا رویہ اپنے ماتحتوں کے ساتھ بہترین ہے، اس کا اندازہ تمہیں اس وقت ہوگا جب تم ہمارے بعد سلاطین اور بادشاہوں کا سلوک دیکھو گے، دونوں میں تمہیں زمین و آسمان کی طرح فرق نظر آئے گا۔(۱)

اس تفصیل سے دو امر ثابت ہوتے ہیں:

۞ ہر انسان نے موت کے بعد اللہ جل جلالہ کے سامنے حساب کے لیے پیش ہونا ہے، لہٰذا اس دن کی تیاری ضرور کرنی چاہیے، ورنہ ایسی ذلت اور رسوائی ہوگی جس کی تلافی کی بھی بظاہر کوئی صورت نہ ہوگی۔

۞ جب کوئی مسلمان اللہ کی رضا کی خاطر اسلام کے راستے میں تکلیف اور مشقت برداشت کرتا ہے تو بسا اوقات دنیا میں بھی اس کا کچھ بدلہ اللہ تعالیٰ اسے عطا فرما دیتے ہیں۔

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَقَدْ أُخِفْتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يَخَافُ أَحَدٌ، وَلَقَدْ أُوذِيتُ فِي اللّٰهِ وَمَا يُؤْذَى أَحَدٌ، وَلَقَدْ أَتَتْ عَلَيَّ ثَلَاثُونَ مِنْ بَيْنِ لَيْلَةٍ وَيَوْمٍ، وَمَا لِي وَلِبِلَالٍ طَعَامٌ يَأْكُلُهُ ذُو كَبِدٍ، إِلَّا شَيْءٌ يُوَارِيهِ إِبِطُ بِلَالٍ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ (کے دین کو ظاہر کرنے اور اس کی طرف لوگوں کو بلانے) کی راہ میں جس طرح مجھے خوف و دہشت میں مبتلی کیا گیا، ایسا کسی اور کو نہیں ڈرایا گیا، اور اللہ کی راہ میں جس قدر مجھے اذیتیں پہنچائی گئیں، اس طرح کسی اور (نبی) کو نہیں ستایا گیا، اور بلاشبہ مجھ پر تیس دن اور تیس راتیں ایسی گذری ہیں، جن میں میرے اور بلال کے لیے کھانے کا ایسا کوئی سامان نہیں تھا، جس کو کوئی جگر والا (یعنی کوئی جانور) کھاتا ہے، سوائے اس معمولی چیز کے جس کو بلال اپنی بغل میں چھپا کر رکھتے تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أخفت: الاخافة سے ماضی متکلم مجہول: مجھے ڈرایا گیا، دہشت میں ڈالا گیا، اوذیت: ایذاء سے ماضی متکلم مجہول: مجھے اذیت دی گئی، مجھے ستایا گیا، ذو کبد: جگر والا یعنی جاندار اور حیوان، یواریہ: اس چیز کو چھپا رکھا ہے، ابط: (ہمزے اور باء کے نیچے زیر) بغل۔

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۴۶۔

(۲) سنن الترمذی، صفة القیامة، رقم الحدیث: ۲۴۷۲۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال کا فقر و فاقہ

مذکورہ حدیث سے تین امر ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ اللہ جل جلالہ کے راستے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو جس قدر خوف و دہشت میں مبتلا کیا گیا اور جس قدر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیفیں پہنچائی گئیں، اتنا کسی اور نبی کو نہیں آزمایا گیا، کیونکہ جو شخص جتنا اللہ کے ہاں قریب ہوتا ہے، اتنی ہی زیادہ اس پر تکلیفیں اور آزمائشیں آتی ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چونکہ اللہ کے ہاں انتہائی اعلیٰ اور اونچا مقام حاصل ہے، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اسی اعتبار سے طرح طرح کے امتحانات اور آزمائشیں آئیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان پر صبر فرماتے رہے، زبان مبارک پر بلکہ حاشیہ خیال میں بھی کبھی حرف شکوہ کا تصور تک نہیں آیا، کفار اور اللہ کے دین کے دشمن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچانے اور ستانے میں اپنی تمام تر توانائیاں استعمال کر گذرتے، لیکن رحمۃ للعالمین کی زبان مبارک سے ان کے حق میں بددعا تو کیا، خیر اور ہدایت کی دعا ہی جاری ہوتی، تاکہ وہ آخرت کے عذاب سے بچ جائیں۔

۲۔ دعوت اسلام اور تبلیغ کی خاطر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فقر و فاقہ اور تنگی بھی برداشت کی، چنانچہ مذکورہ حدیث کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفر میں پورا مہینہ یوں گذارا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے رفیق حضرت بلال کے پاس کھانے کی انتہائی معمولی مقدار تھی، جسے وہ بغل کے نیچے چھپا کر رکھتے تھے، کوئی برتن بھی نہیں تھا کہ اس میں وہ کھانا رکھ لیا جاتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ اسلام کی راہ میں اگر فقر و فاقہ پیش آجائے تو اس پر گلہ و شکوہ کے بجائے، صبر و استقامت کا دامن مضبوطی سے تھاما جائے، ان ایام کو اپنے اوپر عذاب اور مصیبت نہ سمجھا جائے، اس لحاظ سے یہ وقت بھی ایک طرح سے عبادت میں گذرنے والا ہو جائے گا۔

۳۔ امام ترمذی رحمہ اللہ نے جامع ترمذی کے ابواب صفۃ القیامۃ میں لکھا ہے کہ اس حدیث میں ہجرت کا واقعہ مراد نہیں کیونکہ ہجرت کے موقع پر حضرت بلال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نہیں تھے، بلکہ اس سے کوئی اور واقعہ مراد ہے کہ جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت بلال کفار کی تکلیفوں سے تنگ آکر ایک ماہ کے لیے مکہ مکرمہ سے باہر تشریف لے گئے تھے۔

❁ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے غالباً سفر طائف مراد ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابتداء اسلام میں مکہ مکرمہ سے طائف تشریف لے گئے تھے، لیکن اس پر یہ اشکال ہوتا ہے کہ سفر طائف میں تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حضرت زید بن حارثہ کا ذکر آتا ہے، اس کا جواب یہ ہے کہ ان دونوں باتوں میں کوئی منافات اور تعارض نہیں، کیونکہ ہو سکتا ہے کہ طائف کی طرف آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سفر کئی مرتبہ ہوئے ہوں، اور کسی سفر میں حضرت بلال اور حضرت زید بن حارثہ دونوں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر میں رہے ہوں۔(۱)

❁ بعض کی رائے یہ ہے کہ اس سے شعب ابی طالب کا واقعہ مراد ہے، جس میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو قریش کے ساتھ محصور کر

(۱) مرقاۃ المفاتیح ۴۳۹/۹، کتاب الرقاق، باب فضل الفقراء، رقم الحدیث: ۵۲۵۳

دیا گیا تھا، اس وقت کھانے پینے کی کوئی خاص چیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس نہیں تھی، بس معمولی سی مقدار میں کچھ تھا، جسے حضرت بلال اپنی بغل میں چھپا کر رکھا کرتے تھے۔(۱)

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَجْتَمِعْ عِنْدَهُ غَدَاءٌ وَلَا عَشَاءٌ مِنْ خُبْزٍ وَلَحْمٍ إِلَّا عَلَى ضَفَفٍ. قَالَ عَبْدُ اللهِ: قَالَ بَعْضُهُمْ: هُوَ كَثْرَةُ الْأَيْدِي.

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں صبح اور شام کے کھانے میں روٹی اور گوشت دونوں چیزیں کبھی جمع نہیں ہوئیں، مگر لوگوں کے ساتھ اجتماعی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم تناول فرماتے تو دونوں چیزیں جمع ہوجاتیں، حدیث کے راوی عبداللہ بن عبدالرحمن کہتے ہیں کہ ضفف ہاتھوں کا زیادہ ہونا ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دسترخوان پر روٹی اور گوشت جمع نہ ہوتے

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب تنہا ہوتے تو جو چیز میسر ہوجاتی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے تناول فرمالیتے، خواہ خالی روٹی ہو یا صرف گوشت ہو، تنگدستی کی وجہ سے بیک وقت دونوں چیزیں عموماً آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر جمع نہیں ہوتی تھیں، مگر حالت ضفف میں یعنی جب مہمان ہوتے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم مہمان کے اکرام کی وجہ سے اہتمام فرماتے کہ گوشت اور روٹی دونوں چیزوں کو مہیا کیا جائے، یوں اجتماعی شکل میں کھانے کی صورت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دسترخوان پر روٹی اور گوشت دونوں جمع ہوجاتے تھے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی تناول فرمالیتے تھے۔(۲)

عَنْ نَوْفَلِ بْنِ إِيَاسٍ الْهُذَلِيِّ قَالَ: كَانَ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ لَنَا جَلِيسًا، وَكَانَ نِعْمَ الْجَلِيسُ، وَإِنَّهُ انْقَلَبَ بِنَا ذَاتَ يَوْمٍ حَتَّى إِذَا دَخَلْنَا بَيْتَهُ: دَخَلَ فَاغْتَسَلَ، ثُمَّ خَرَجَ وَأُتِينَا بِصَحْفَةٍ فِيهَا خُبْزٌ وَلَحْمٌ، فَلَمَّا وُضِعَتْ بَكَى عَبْدُ الرَّحْمَنِ فَقُلْتُ لَهُ: يَا أَبَا مُحَمَّدٍ، مَا يُبْكِيكَ؟ فَقَالَ: هَلَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَمْ يَشْبَعْ هُوَ وَأَهْلُ بَيْتِهِ مِنْ خُبْزِ الشَّعِيرِ فَلَا أُرَانَا أُخِّرْنَا لِمَا هُوَ خَيْرٌ لَنَا.

ترجمہ: نوفل بن ایاس ہذلی کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمن رضی اللہ عنہ ہمارے ہم نشین تھے، اور واقعی وہ بہترین ہمنشین تھے، ایک دن وہ ہمارے ساتھ ایک جگہ سے لوٹے، یہاں تک کہ ہم ان کے گھر آگئے، وہ گھر میں داخل ہوئے، پھر غسل کیا اور باہر تشریف لائے، اور ہمارے پاس ایک بڑی پلیٹ لائی گئی، جس میں روٹی اور گوشت تھا، جب اس پلیٹ کو رکھ دیا گیا، تو عبدالرحمن رو پڑے، میں نے ان سے پوچھا: اے ابو محمد! کیا چیز آپ کو رلا رہی ہے؟ حضرت عبدالرحمن بن عوف نے فرمایا: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے اس حال میں تشریف لے گئے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور

---

(۱) حاشية الشمائل المحمدية (ص: ۷۰) باب ما جاء في عيش رسول الله صلى الله عليه وسلم، تعليق: عزت عبد، ط: بيروت۔
(۲) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۶۳۷)

آپ ﷺ کے اہل خانہ کبھی (دو دن مسلسل) جو کی روٹی سے سیراب نہیں ہوئے تھے، لہذا میں نہیں سمجھتا کہ ہمیں جس حالت (یعنی مالی وسعت) پر باقی رکھا گیا، وہ ہمارے لیے بہتر ہے (بلکہ وہی تنگدستی کی حالت بہتر تھی جس پر نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں)۔

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔** **نعم الجلیس:** بہترین ہم نشین، **انقلب بنا:** حضرت عبدالرحمن ہمارے ساتھ لوٹے، **أتینا:** (صیغہ مجہول) ہمارے پاس لائی گئی، **صحفة:** بڑا برتن، پلیٹ، **فلما وضعت:** (صیغہ مجہول) جب اس پلیٹ کو رکھ دیا گیا، **فلا اراناای فلا أظن ایانا:** لہذا میں نہیں سمجھتا، میرا خیال نہیں، **اخرنا:** (صیغہ مجہول) ہمیں باقی رکھا گیا، **لما هو:** اس حالت کی طرف یعنی مالی وسعت والی حالت۔

## نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل خانہ نے کبھی جو کی روٹی بھی سیر ہو کر نہیں کھائی

مذکورہ حدیث سے تین امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ نوفل بن ایاس ہذلی کہتے ہیں کہ ہم کسی مقام پر حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے ساتھ جمع ہوئے، وہاں سے فارغ ہو کر ہمیں حضرت عبدالرحمن اپنے گھر لے گئے، ان کے غلام نے ہمارے لیے بڑی پلیٹ لائی، جس میں روٹی اور گوشت تھا، حضرت عبدالرحمن غسل کر کے ہمارے پاس تشریف لائے تو کھانے کو دیکھ کر رونے لگے، ہم نے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ نبی کریم ﷺ اور آپ ﷺ کے اہل خانہ نے کبھی دو دن مسلسل جو کی روٹی سے بھی پیٹ نہیں بھرا، اس تنگدستی کی حالت میں نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے، اور آج ہم مالی وسعت اور خوشحالی میں ہیں، میں تو یہ سمجھتا ہوں کہ ہماری یہ خوشحالی اور مال و دولت کی فراوانی والی حالت بہتر نہیں ہے، بلکہ کامل حالت وہی ہے جس پر نبی کریم ﷺ اس دنیا سے تشریف لے گئے ہیں یعنی فقر و فاقہ والی حالت بہتر ہے۔

۲۔ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرامؓ کے سامنے جب نعمتوں کی فراوانی ہوتی تو وہ پریشان ہو جاتے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہم نے جو نیک اعمال کیے ہیں، ان کا بدلہ دنیا میں ہی مل رہا ہے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا۔ (ترجمہ: تم نے اپنے حصے کی اچھی چیزیں اپنی دنیوی زندگی میں ختم کر ڈالیں) اسی فکر کی وجہ سے حضرت عبدالرحمن کھانے کو دیکھ کر رو پڑے۔

۳۔ نبی کریم ﷺ کا فقر و فاقہ اور تنگدستی کی حالت اختیاری تھی، اللہ جل جلالہ نے آپ ﷺ کو خوشحالی کی پیش کش فرمائی تو آپ ﷺ نے غناء و مالداری کے بجائے فقر و تنگدستی کی حالت کو اختیار فرمایا۔(۱)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۴۸/۲۔

## بَابُ: مَا جَاءَ فِي سِنِّ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر کا بیان ہے

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: مَكَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَكَّةَ ثَلَاثَ عَشْرَةَ سَنَةً يُوحَى إِلَيْهِ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرًا، وَتُوُفِّيَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ.(۱)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباس فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم (نبوت کے بعد) تیرہ سال مکہ مکرمہ میں ٹھہرے، ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہوتی رہی، (اس کے بعد مکہ مکرمہ سے مدینہ کی طرف ہجرت فرمائی) اور دس سال مدینہ منورہ میں قیام رہا، اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم تریسٹھ برس کے تھے۔

عَنْ جَرِيرٍ، عَنْ مُعَاوِيَةَ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَخْطُبُ قَالَ: مَاتَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ وَأَبُو بَكْرٍ وَعُمَرُ، وَأَنَا ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ.(۲)

ترجمہ: حضرت جریر بن عبداللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے حضرت معاویہ کو خطاب کرتے ہوئے سنا، وہ فرماتے ہیں: نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، ابوبکر اور عمر کی وفات تریسٹھ برس کی عمر میں ہوئی، اور میں بھی (اس وقت) تریسٹھ برس کا ہوں۔

عَنْ عَائِشَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَاتَ وَهُوَ ابْنُ ثَلَاثٍ وَسِتِّينَ سَنَةً.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تریسٹھ سال کی عمر میں وفات پائی۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ يَقُولُ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَسِتِّينَ.(۳)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وفات کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر پینسٹھ سال تھی۔

عَنْ دَغْفَلِ بْنِ حَنْظَلَةَ: أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ وَهُوَ ابْنُ خَمْسٍ وَسِتِّينَ. قَالَ أَبُو عِيسَى: وَدَغْفَلٌ لَا نَعْرِفُ لَهُ سَمَاعًا مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانَ فِي زَمَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا.

ترجمہ: حضرت دغفل بن حنظلہ سدوسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے وقت پینسٹھ سال عمر تھی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ دغفل حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں موجود تھے اور بڑی عمر کے تھے مگر ہم ان کا سماع رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نہیں جانتے۔

---

(۱) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث: ۳۶۲۵۔

(۲) الصحیح لمسلم، کتاب الفضائل، باب کم اقام النبی ﷺ بمکۃ والمدینۃ، رقم الحدیث: ۲۳۵۲۔

(۳) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث: ۳۶۵۲۔

عَنْ رَبِيعَةَ بْنِ أَبِي عَبْدِ الرَّحْمَنِ، عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، أَنَّهُ سَمِعَهُ يَقُولُ: كَانَ رَسُولُ اللَّهِ صَلَّى اللَّهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ بِالطَّوِيلِ الْبَائِنِ، وَلَا بِالْقَصِيرِ، وَلَا بِالْأَبْيَضِ الْأَمْهَقِ، وَلَا بِالْآدَمِ، وَلَا بِالْجَعْدِ الْقَطَطِ، وَلَا بِالسَّبِطِ، بَعَثَهُ اللَّهُ تَعَالَى عَلَى رَأْسِ أَرْبَعِينَ سَنَةً، فَأَقَامَ بِمَكَّةَ عَشْرَ سِنِينَ، وَبِالْمَدِينَةِ عَشْرَ سِنِينَ، وَتَوَفَّاهُ اللَّهُ عَلَى رَأْسِ سِتِّينَ سَنَةً وَلَيْسَ فِي رَأْسِهِ وَلِحْيَتِهِ عِشْرُونَ شَعْرَةً بَيْضَاءَ.

ترجمہ: حضرت ربیعہ بن ابی عبدالرحمن نے حضرت انس بن مالک ؓ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نہ بہت لمبے قد کے تھے اور نہ بہت کوتاہ قد (بلکہ درمیانے قد کے تھے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم رنگ کے لحاظ نہ تو (چونے کی طرح) بالکل سفید تھے اور نہ بالکل گندمی رنگ کے (کہ سانولہ پن آجائے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم چودھویں رات کے چاند سے زیادہ روشن اور پرنور تھے) اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر کے بال نہ تو بالکل گھنگھریالے تھے اور نہ بالکل سیدھے تھے، اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں نبی بنا کر بھیجا، (نبوت کے بعد) دس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مکہ مکرمہ میں قیام فرمایا (کسر کو ترک کردیا) اور (ہجرت کے بعد) دس سال مدینہ منورہ میں قیام فرمایا، اور ساٹھ سال کی عمر میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو قبض کرلیا، وفات کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک میں بیس بال بھی سفید نہیں تھے۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ سن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر، اس کی مدت اور مقدار، الطویل البائن: واضح لمبے، بہت لمبے، القصیر: ٹھگنا، بہت چھوٹے قد والا، الأمہق: بہت زیادہ سفید جو انسان کو برا محسوس ہو جیسے چونا، ادم: گندم گوں، گندمی رنگ کے، سانولے رنگ والا، الجعد: (جیم پر زبر اور عین ساکن): گھنگھریالے بالوں والا، القطط: (قاف اور طا پر زبر) اس کے اصل معنی تو چھوٹے گھنگھریالے بال کے ہیں، لیکن یہاں حدیث میں چونکہ یہ "جعد" کی صفت ہے، اس لیے اس سے مبالغہ کے معنی مراد ہیں، لہٰذا الجعد القطط کے معنی ہیں: بہت سخت گھنگھریالے بال، السبط: (سین پر زبر اور باء پر سکون اور زیر دونوں پڑھ سکتے ہیں) سیدھے بالوں والا، جن میں گھنگھریالہ پن نہ ہو، توفاہ اللہ: اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو قبض کیا، وفات ہوگئی، شعرۃ بیضاء: سفید بال۔

## وفات کے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک کتنی تھی

۱۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک وفات کے وقت کتنی تھی؟ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں تین قسم کی روایات ذکر کی ہیں، ایک میں ساٹھ سال، دوسری میں تریسٹھ سال اور تیسری حدیث میں پینسٹھ سال کا ذکر ہے، ان روایات میں تریسٹھ سال کی روایت صحیح ہے، اسی کو جمہور علماء نے اختیار کیا ہے، مگر عرب چونکہ کسر کو چھوڑ دیتے ہیں، اس لیے حضرت انس ؓ نے ساٹھ سال عمر بیان کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ربیع الاول میں پیر کے دن ہوئی، ان دونوں ناقص

سالوں کو مکمل شمار کرلیا جائے تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی عمر مبارک پینسٹھ سال ہوگی، اس لحاظ سے ان تینوں روایات میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں۔

۲۔ حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کی طبعی عمر بھی تریسٹھ سال ہی تھی، حضرت معاویہ کی عمر مبارک جب تریسٹھ برس کی ہوئی تو انہوں نے یہ تمنا کی کہ اللہ کرے میری عمر بھی تریسٹھ برس ہی ہو، مگر ایسا نہ ہوا، ان کی عمر وفات کے وقت اسی (۸۰) سال یا اس سے زیادہ تھی۔(۱)

## نبوت کے بعد مکہ مکرمہ میں قیام کی مدت

اس میں کوئی اختلافی روایت نہیں کہ مدینہ منورہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام دس سال رہا، مگر نبوت ملنے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ مکرمہ میں کتنا عرصہ رہا، اس میں دو طرح کی روایات منقول ہیں، جنہیں امام ترمذی نے مذکورہ باب میں ذکر کیا ہے، ابن عباس کی روایت میں تیرہ سال کی مدت کا ذکر ہے، جبکہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت میں قیام کی مدت دس سال ہے، بظاہر ان دونوں قسم کی روایتوں میں تعارض سا ہے؟ شارحین حدیث نے اس کے تین جواب دیئے ہیں:

۱۔ جمہور علماء کے نزدیک صحیح یہی ہے، جسے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے ذکر کیا ہے، یعنی نبوت کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ مکرمہ میں تیرہ برس رہا، اور جن روایات میں دس سال کا تذکرہ ہے، ان سے مراد یہ ہے کہ فترت وحی کے زمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قیام مکہ مکرمہ میں دس سال رہا، فترت وحی کا زمانہ تین سال ہے، اس دوران عارضی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی نازل ہونے کا سلسلہ موقوف کردیا گیا تھا، پھر تین سال کے بعد دوبارہ وحی کا سلسلہ شروع کردیا گیا تھا، اسی بات کو بعض حضرات نے یوں تعبیر کیا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو چالیس سال کی عمر میں باقاعدہ نبوت عطا کی گئی اور پھر تین سال کے بعد رسالت عنایت فرمائی گئی، رسالت ملنے کے بعد دس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم مکہ مکرمہ میں رہے، لہذا حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں ان تین سالوں کا تذکرہ نہیں، جو زمانہ نبوت اور رسالت کے درمیان تھے، ان کو "فترت وحی" کا زمانہ بھی کہا جاتا ہے۔

۲۔ عربی میں عموماً اعداد میں کسر کو شمار نہیں کیا جاتا، صرف دہائی کو ذکر کردیا جاتا ہے، چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت میں دونوں جگہ صرف دہائیاں ذکر کی گئی ہیں، کسر کو ذکر نہیں کیا گیا، تیرہ سال کے بجائے دس سال اور تریسٹھ سال کے بجائے ساٹھ سال کو بیان کیا گیا ہے، لیکن مراد تیرہ سال اور تریسٹھ سال ہی ہیں۔

۳۔ جمہور کے نزدیک وہ تمام روایات راجح ہیں، جن میں مکہ مکرمہ میں تیرہ سال کے قیام کا ذکر ہے، اور جن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱) شرح مسلم للنووی ۲/۲۶۰، کتاب الفضائل، باب قدر عمرہ صلی اللہ علیہ وسلم و اقامتہ بمکۃ والمدینۃ، الکوکب الدری ۳۸۴/۴۔ ابواب المناقب عن رسول اللہ ﷺ، باب فی مبعث النبی ﷺ۔

کی عمر مبارک تریسٹھ سال مذکور ہے، کیونکہ سند کے لحاظ سے یہ روایات زیادہ صحیح ہیں۔(۱)
اس بارے میں مزید تفصیل شمائل ترمذی کی بالکل پہلی حدیث کی شرح کے تحت مذکور ہے، اسے وہاں دیکھ لیا جائے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قد وقامت، رنگ اور بالوں کی کیفیت

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے قد وقامت، رنگ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بالوں کی صفت کا بیان ہے، جس کا حاصل یہ ہے:

- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد مبارک نہ تو بہت لمبا تھا اور نہ بہت چھوٹا، بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد درمیانہ تھا، مگر لمبائی کی طرف ذرا مائل تھا، اس کے باوجود لوگوں کے مجمع میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد معجزانہ انداز سے نمایاں محسوس ہوتا تھا۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ سفید تھا اور گندمی بھی، ایسا سفید نہیں تھا کہ جو انسان کو برا لگے جیسے چونے، اولے اور دودھ کی سفیدی آنکھوں کو ثقیل محسوس ہوتی ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ انتہائی زیادہ گندمی نہیں تھا بلکہ ایسا گندمی تھا، جس کو سرخ سفید کہا جاتا ہے۔
- آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سر مبارک کے بال نہ تو اتنے زیادہ پیچدار، ٹیڑھے اور گھونگھریالے تھے جیسے افریقی اور حبشی لوگوں کے ہوتے ہیں اور نہ بالکل پھیلے ہوئے اور سیدھے تھے بلکہ ان دونوں کی درمیانی کیفیت کے تھے، جو حسن و جمال کے اعلیٰ شاہکار تھے۔(۲)

## بَابُ: مَا جَاءَ فِي وَفَاةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے، جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کا بیان ہے

**عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: آخِرُ نَظْرَةٍ نَظَرْتُهَا إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَشْفُ السِّتَارَةِ يَوْمَ الإِثْنَيْنِ، فَنَظَرْتُ إِلَى وَجْهِهِ كَأَنَّهُ وَرَقَةُ مُصْحَفٍ وَالنَّاسُ يُصَلُّونَ خَلْفَ أَبِي بَكْرٍ، فَكَادَ النَّاسُ أَنْ يَضْطَرِبُوا، فَأَشَارَ إِلَى النَّاسِ أَنِ اثْبُتُوا، وَأَبُو بَكْرٍ يَؤُمُّهُمْ وَأَلْقَى السِّجْفَ، وَتُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ آخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ.**

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ آخری دیدار جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے دیکھا: وہ (مرض الوفات میں) پیر کا دن تھا جس میں (فجر کی نماز میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنے حجرے کا) پردہ ہٹایا، تو میں نے آپ

---

(۱) فتح الباری ۱۹۰/۸ کتاب المغازی، باب وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۴۴۶۵ تکملۃ فتح الملہم ۵۶۷/۴ کتاب الفضائل، باب فی صفۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۶۰۴۴، جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۱۴/۱، ۱۵۔
(۲) مرقاۃ المفاتیح ۴۶۲/۱۰، کتاب الفضائل، باب أسماء النبی صلی اللہ علیہ وسلم وصفاتہ، رقم الحدیث: ۵۷۸۲۔

ﷺ کے چہرہ مبارک کی طرف دیکھا (جو اس طرح صاف ستھرا اور چمک والا تھا) گویا کہ وہ قرآن مجید کا ایک پاک صاف ورق ہے، لوگ اس وقت صدیق اکبر کی اقتداء میں (صبح کی) نماز پڑھ رہے تھے، قریب تھا کہ صحابہ کرامؓ اپنی جگہوں سے ہلنے لگتے (کہ شاید آپ ﷺ تشریف لا رہے ہیں) اس لیے نبی کریم ﷺ نے لوگوں کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی جگہ ثابت قدم رہیں (یعنی اپنی جگہ کھڑے رہیں) اور ابو بکر ان کی امامت کر رہے تھے، اور پھر آپ ﷺ نے پردہ ڈال دیا، اور اسی دن کے آخر میں آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** **آخر نظرۃ:** آخری دیدار، آخری بار دیکھنا، **کشف:** آپ ﷺ نے ہٹایا، کھول دیا، **الستارۃ:** (سین کے نیچے زیر) پردہ، **کأنہ:** گویا کہ آپ ﷺ کا چہرہ، **ورقۃ مصحف:** قرآن کا ایک ورق ہے، **یضطربوا:** صحابہ کرام ہلنے لگے، اپنی جگہ سے ہٹنے لگتے، **ان اثبتوا:** کہ تم جمے رہو، ثابت قدم رہو، اپنی جگہ پر کھڑے رہو، **القی:** ڈال دیا، **السجف:** (سین پر زبر اور زیر اور جیم ساکن) درمیان سے کٹا ہوا پردہ کہ ضرورت کے وقت آدھا پردہ اٹھایا جا سکے، دو ملے ہوئے پردے، کشف الستارۃ کو تین طرح سے پڑھا جا سکتا ہے: ۱۔ ظرف کی وجہ سے یہ منصوب ہے اصل عبارت یوں ہے: حین کشف الستارۃ۔ ۲۔ یہ مرفوع ہے اور آخر نظرۃ کی خبر ہے، ۳۔ کشف صیغہ ماضی ہے اور اس کی "ھو" ضمیر نبی کریم ﷺ کی طرف لوٹ رہی ہے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تاریخ وفات

وفات سے پہلے نبی کریم ﷺ بیمار ہوئے، اس کا آغاز سر درد سے ہوا، اس روز نبی کریم ﷺ حضرت عائشہؓ کے مکان میں تھے، اس کے بعد حضرت میمونہ کی باری کے دن میں بیماری میں شدت پیدا ہوگئی، جب بیماری زیادہ ہونے لگی تو نبی کریم ﷺ کی خواہش کے مطابق تمام ازواج نے حضرت عائشہؓ کے مکان پر بیماری کے دن گزارنے کو اختیار کر لیا تھا، یہ بیماری بارہ یا چودہ دن رہی، چنانچہ حضرت عائشہ کے مکان پر ہی بالآخر وہ وقت آ گیا کہ جس میں آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے، وہ دن پیر تھا اور چاشت کے وقت آپ ﷺ کا انتقال ہوا، صلی اللہ علیہ وسلم۔

اس میں تو سب کا اتفاق ہے کہ نبی کریم ﷺ کا انتقال ربیع الاوّل میں پیر کے دن ہوا، لیکن ربیع الاوّل کی تاریخ کیا تھی؟ اس میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

- اکثر مؤرخین کے نزدیک انتقال کی تاریخ بارہ ربیع الاوّل ۱۱ ہجری ہے، یہی مشہور قول چلا آ رہا ہے، مگر اس میں ایک نہایت مضبوط اشکال ہوتا ہے، وہ یہ کہ سن ۱۰ ہجری میں نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع فرمایا، اس میں نو ذی الحجہ بروز جمعہ تھا، میدان عرفات میں آپ ﷺ جمعہ کے دن تشریف فرما تھے، اس بات میں کسی کا اختلاف نہیں، تمام محدثین اور اہل تاریخ کا اتفاق ہے، اس کے بعد ذوالحجہ، محرم اور صفر یہ تینوں مہینے خواہ ۳۰ دن کے ہوں یا ۲۹ دن کے، یا ان میں سے بعض مہینے ۲۹ کے اور بعض ۳۰

دن کے ہوں، غرض یہ کہ کسی بھی حساب سے بارہ ربیع الاوّل پیر کے دن نہیں بنتا، اس وجہ سے اس مشہور قول پر یہ اشکال ہوتا ہے۔

بعض محدثین فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال پیر کے دن ربیع الاوّل کی دو تاریخ میں ہوا ہے، اس قول کو اختیار کیا جائے تو پھر مذکورہ اشکال وارد نہیں ہوتا۔ واللہ اعلم۔(۱)

حضرت انس رضی اللہ عنہ کی مذکورہ روایت سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ پیر کے دن صبح کی نماز حضرت ابوبکر صدیقؓ لوگوں کو پڑھا رہے تھے، اس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے کمرے کا پردہ ہٹا کر دیکھا، لوگوں نے یہ سمجھا کہ شاید نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لا رہے ہیں، اپنی جگہ سے ہلنے لگے، اضطرابی کیفیت دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ کیا کہ تم لوگ اپنی جگہ پر ہی کھڑے رہو، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پردہ ڈال دیا۔

۲۔ حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ اس وقت میری نظر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرہ انور پر پڑی، وہ یوں روشن اور صاف تھا جیسے قرآن مجید کا ورق صاف اور پاک ہوتا ہے، فرماتے ہیں کہ یہ میرا آخری دیدار تھا، جو میں نے اپنے محبوب صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا۔

۳۔ گھر کے دروازوں پر پردے کی غرض سے پردے لٹکانا جائز ہے۔

۴۔ اس سے حضرت صدیق اکبرؓ کی فضیلت ثابت ہوتی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم پر لوگوں کی امامت کر رہے ہیں۔

۵۔ وَتُوُفِّيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللّٰه علیه وسلم مِنْ اٰخِرِ ذٰلِكَ الْيَوْمِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات اس دن یعنی پیر کے آخر میں ہوئی، اس "اخر" سے کیا مراد ہے، حالانکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تو چاشت کے وقت ہوئی تھی؟ شارحین حدیث نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

حافظ ابن حجر عسقلانی رحمہ اللہ نے دونوں قسم کی روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ "اخر" سے مراد یہ ہے کہ زوال کے وقت کے بالکل قریب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اور زوال سے چونکہ دن کا دوسرا حصہ شروع ہوجاتا ہے، اس لیے اس حدیث میں من اخر ذلک الیوم کہا گیا ہے، اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے کہ امام ابن شہاب زہری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات زوال کے وقت ہوئی۔(۲)

میرک فرماتے ہیں کہ وفات گو کہ چاشت کے وقت ہوئی مگر لوگوں کو اس روح فرسا واقعہ کی عمومی اطلاع اور یقینی خبر دن کے آخری حصے میں ہوئی، اس لیے اس حدیث میں "من اخر ذلک الیوم" کہا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔(۳)

---

(۱) فتح الباری ۱۹۰/۸، کتاب المغازی، باب وفاة النبی صلی الله علیه وسلم، رقم الحدیث: ۴۴۶۲؛ جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۵۲/۲، سیرت المصطفی ۷۸/۳ تاریخ وفات۔

(۲) فتح الباری ۱۸۱/۸، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی الله علیه وسلم و وفاته، رقم الحدیث: ۴۴۴۸۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۵۶/۲۔

# نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی مرض الوفات

اللہ جل جلالہ نے جناب نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ جو کام لگایا تھا، اس کے مکمل ہونے اور جو شریعت اللہ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو عطا کی، اس کی تکمیل کے بعد اب وقت آیا کہ اللہ تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اپنے پاس بلائیں، اس کا اعلان حجۃ الوداع کے موقع پر میدان عرفات میں یوں کیا گیا: اَلْیَوْمَ اَکْمَلْتُ لَکُمْ دِیْنَکُمْ وَ اَتْمَمْتُ عَلَیْکُمْ نِعْمَتِیْ وَ رَضِیْتُ لَکُمُ الْاِسْلَامَ دِیْنًا، (ترجمہ: آج میں نے تمہارے لیے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی، اور تمہارے لیے اسلام کو دین کے طور پر (ہمیشہ کے لیے) پسند کر لیا) اور جب یہ آیت نازل ہوئی: فَسَبِّحْ بِحَمْدِ رَبِّکَ وَاسْتَغْفِرْهُ (ترجمہ: تو اپنے پروردگار کی حمد کے ساتھ اس کی تسبیح کرو، اور اس سے مغفرت مانگو) اس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کی طرف اشارہ تھا، تو حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کثرت سے استغفار میں مشغول رہتے تھے، ہر سال رمضان میں دس دن اعتکاف فرماتے لیکن اس سال بیس دن اعتکاف میں بیٹھے، حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ، قرآن شریف کے دور کا ہر رمضان میں ایک مرتبہ کا معمول تھا، اس سال دو مرتبہ دور فرمایا، یہ تمام وہ قرائن اور علامات تھیں، جن سے یہ معلوم ہو رہا تھا کہ اب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اس دار فانی سے جانے کا وقت قریب ہے۔

ماہ صفر کی آخری تاریخوں میں ایک رات نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اٹھے، جنت البقیع تشریف لے گئے، اور اہل بقیع کے لیے دعا و استغفار کرنے کے بعد جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم گھر تشریف لائے تو طبیعت ناساز ہوگئی، سر میں درد کی شکایت ہوئی، یوں مرض الوفات کا آغاز ہوگیا، یہ بیماری تقریباً چودہ دن رہی، اس بیماری میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت عائشہؓ کے گھر تشریف لے گئے، حضرت عائشہؓ کو سر درد کی شکایت تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھ کر فریاد کرنے لگیں: وا رأساہ ہائے میرا سر، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بل انا اقول: وا رأساہ یعنی مجھے کہنا چاہیے تھا: "ہائے میرا سر" پھر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: عائشہؓ! اگر تم مجھ سے پہلے مر گئی تو کوئی فکر کی بات نہیں، میں تمہارے کفن دفن کا انتظام کروں گا، نماز جنازہ پڑھا کر تمہارے لیے دعاء مغفرت کروں گا، حضرت عائشہؓ نے بطور ناز فرمایا: "ہاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تو میری موت ہی چاہتے ہیں، اگر میں چلی گئی تو اسی روز آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے ہی گھر میں کسی دوسری زوجہ کے ساتھ آرام کر رہے ہوں گے" حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ بات سن کر تبسم فرمایا، حضرت عائشہؓ کو کیا خبر تھی کہ چند دنوں کے بعد خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم رحلت فرما کر انہیں تنہا چھوڑ دیں گے۔(۱)

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بیماری بدھ کے دن شروع ہوئی، اور بیماری کے ان ایام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مسجد نبوی میں نماز پڑھانے کی غرض سے تشریف لاتے رہے، جمعرات کے دن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ پانی کے سات مشکیزے لائے جائیں، ان سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے غسل فرمایا، جس سے قدرے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکون ہوا، نماز ظہر پڑھانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خطبہ دیا، یہ رسول اللہ

(۱) البدایۃ والنہایۃ ۵/۲۲۳ فصل فی الآیات والاحادیث المنذرۃ بوفاۃ رسول اللہ ﷺ، ط: مکتبۃ قدوسیۃ لاہور۔

صلی اللہ علیہ وسلم کا آخری خطبہ تھا، اس خطبہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت صدیق اکبر کے فضائل ومناقب بیان فرمائے، حضرات انصار سے نرم برتاؤ کرنے کی تاکید فرمائی، اور فرمایا کہ گذشتہ قوموں نے اپنے انبیاء واولیاء کی قبروں کو عبادت گاہ بنایا، دیکھو کہیں تم لوگ ایسی حرکت نہ کرنا، فرمایا کہ مسجد کی طرف جتنے دروازے کھلے ہیں، وہ سب بند کر دیئے جائیں، صرف ابوبکر کا دروازہ کھلا رہنے دیا جائے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ اپنی وفات کے وقت کے قریب آنے کا بھی ذکر کیا، جسے حضرت صدیق اکبر سمجھ گئے اور رونے لگے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو تسلی دی اور فرمایا کہ مجھے ایسا معلوم ہوا ہے کہ آپ لوگ اپنے نبی کی جدائی اور موت سے بہت ہراساں اور خوفزدہ ہیں، حالانکہ یہاں کسی کو دوام نہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نصیحتیں فرمانے کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم گھر تشریف لے گئے۔

جمعرات کے دن عصر کی نماز میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسجد تشریف لائے، مغرب کی نماز میں سورہ مرسلات آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت فرمائی، عشاء کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری رہی اور فرمایا کہ ابوبکر نماز پڑھائیں، چنانچہ عشاء کی نماز صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے پڑھائی، اس کے بعد حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہی نمازیں پڑھاتے رہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد کی طرف آمد موقوف ہوگئی، البتہ ہفتہ یا اتوار کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں کچھ افاقہ ہوا، تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت عباس رضی اللہ عنہ اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد نبوی میں تشریف لائے، جماعت کھڑی ہو چکی تھی، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نماز پڑھا رہے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی بائیں جانب بیٹھ گئے، حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ پیچھے ہٹنے لگے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارے سے روکا اور ان کے پہلو میں بائیں جانب بیٹھ کر نماز پڑھائی، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم امام تھے اور صدیق اکبر رضی اللہ عنہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اقتداء کرنے لگے، باقی نمازی حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی تکبیروں پر نماز ادا کرتے رہے، یہ ظہر کی نماز تھی۔

ظہر کی یہ امامت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آخری امامت تھی، لیکن ظہر کی نماز کی پوری امامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کرائی تھی، نماز کے ابتدائی حصہ کی امامت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے کرائی تھی، پوری امامت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمعرات کے دن مغرب کی نماز کی کرائی تھی۔

اتوار کے دن مرض میں شدت ہوئی، لوگوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ذات الجنب یعنی نمونیہ کی دوا پلانا چاہی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ دوا پینا ناگوار تھا، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انکار فرمایا، مریض عام طور پر چونکہ دوا کو ناپسند کرتا ہے، اس لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا کہ یہ طبعی ناگواری ہے لہذا انہوں نے زبردستی دوا پلا دی، بعد میں جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو منع نہیں کیا تھا؟ اب تمہاری سزا یہ ہے کہ سب کو دوا پلائی جائے جو اس عمل میں شریک تھے، سوائے عباس رضی اللہ عنہ کے کہ وہ اس عمل میں شریک نہ تھے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لیے سزا دلوائی تاکہ وہ حضرات نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کی خلاف ورزی کی وجہ سے آخرت میں پکڑے نہ جائیں۔

جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا یعنی پیر کے روز، صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حجرے کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو لوگ صدیق اکبر کی اقتداء میں نماز فجر میں مشغول تھے، لوگوں کو دیکھ کر خوشی سے مسکرائے، چہرہ انور چمکنے لگا، ادھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرط مسرت

سے بے قابو ہو گئے اور قریب تھا کہ نماز توڑ ڈالیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ سے فرمایا کہ نماز پوری کرو اور حجرے کا پردہ ڈال کر واپس تشریف لے گئے، یہ صحابہ کرامؓ کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عام زیارت کا سب سے آخری موقع تھا، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں سب سے پہلے یہی حدیث ذکر کی ہے۔

پیر کے دن صبح آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پرسکون تھی، حضرت صدیق اکبر صبح کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے، طبیعت میں افاقہ دیکھ کر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! اللہ کے فضل وکرم سے آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت قدرے بہتر ہے، اگر اجازت ہو تو میں اپنی (دوسری) بیوی حبیبہ بنت خارجہ کے پاس سے ہو آؤں کہ آج اس کی باری کا دن ہے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اجازت دے دی، چنانچہ حضرت صدیق اکبرؓ عوالی مدینہ تشریف لے گئے، جہاں ان کی بیوی مقام سخ میں رہائش پذیر تھی، امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اس باب میں ذکر کیا ہے۔

دوسرے صحابہؓ نے بھی آکر حضرت علیؓ سے حال دریافت کیا، حضرت علیؓ نے بتایا کہ آج آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت میں الحمدللہ افاقہ ہے، صحابہ ان کی بات سن کر مطمئن ہو کر چلے گئے، لیکن دن چڑھنے کے ساتھ ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر غشی طاری ہونا شروع ہوئی، اور وقفہ وقفہ سے غشی طاری ہوتی رہی۔

حضرت فاطمہ یہ کیفیت دیکھ کر بولیں: ''واکرب اباہ'' ہائے میرے ابو کی بے چینی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: تمہارے ابا کے لیے آج کے بعد کوئی بے چینی نہ ہوگی، یہ حدیث بھی امام ترمذی رحمہ اللہ نے اس باب میں ذکر کی ہے۔

وفات سے کچھ دیر پہلے حضرت عائشہؓ کے سینہ پر سر رکھ کر لیٹ گئے، حضرت صدیق اکبرؓ کے صاحبزادے عبدالرحمن خدمت اقدس میں حاضر ہوئے، عبدالرحمن کے ہاتھ میں مسواک تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کی طرف نظر جما کر دیکھنے لگے، حضرت عائشہؓ سمجھ گئیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم مسواک کرنا چاہتے ہیں، عبدالرحمن سے مسواک لے کر دانتوں سے نرم کیا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تندرست آدمی کی طرح مسواک کیا۔

جوں جوں وفات کا وقت قریب آرہا تھا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تکلیف اسی قدر بڑھ رہی تھی، پاس ہی پانی کا پیالہ رکھا ہوا تھا، درد سے بے تاب ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس میں ہاتھ ڈالتے، اور چہرۂ انور پر پھیرتے اور یہ فرماتے جاتے: ''لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ، اِنَّ لِلْمَوْتِ لَسَكَرَاتٍ'' بے شک موت کی سختیاں ہیں، اتنے میں ہاتھ اٹھا کر چھت کی طرف دیکھ کر فرمایا: اَللّٰهُمَّ فِي الرَّفِيْقِ الْاَعْلٰى، بس ہاتھ مبارک نیچے گرا اور روح مبارک عالم قدس کی طرف پرواز کر گئی، اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: كُنْتُ مُسْنِدَةَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى صَدْرِي - أَوْ قَالَتْ: إِلَى حِجْرِي - فَدَعَا

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۲۵۲ باب ما جاء فی وفاة رسول اللہ ﷺ، الخصائص الکبری للسیوطی ۲/۴۶۹ ذکر ما وقع عند وفاته ﷺ من المعجزات و الخصائص، البدایة والنہایة ۵/۲۵۴ فصل فی ذکر الوقت الذی توفی فیه رسول اللہ ﷺ، سیرت مصطفیٰ ۳/۱۲۲ سفر آخرت کی تیاری۔

بطَسْتٍ لِيَبُولَ فِيهِ، ثُمَّ بَالَ، فَمَاتَ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو اپنے سینہ سے یا فرمایا: اپنی گود سے سہارا دے رکھا تھا، اتنے میں آپ ﷺ نے ایک طشت یعنی برتن منگوایا تا کہ اس میں آپ ﷺ پیشاب کریں، (برتن آ گیا) پھر آپ ﷺ نے پیشاب فرمایا، پھر آپ ﷺ نے وفات پائی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مسندة: سہارا دے رکھا تھا، سہارا دیئے ہوئے تھی، الی حجری: (حا کے نیچے زیر اور جیم ساکن) اپنی گود کے ساتھ، طست: یہ لفظ اصل میں طس (سین کی تشدید کے ساتھ) ہے، ایک سین کو تا سے بدل دیا گیا، طشت، برتن جس میں پیشاب کیا جاتا تھا، فیه: اس برتن میں۔

## وفات کے وقت سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا

مذکورہ حدیث سے تین امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت عائشہؓ کو یہ شرف حاصل ہے کہ انہوں نے وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کو اپنے سینہ یا اپنی گود سے سہارا دے رکھا تھا، اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات اس حال میں ہوئی کہ آپ ﷺ میری ہنسلی اور ٹھوڑی کے درمیان تھے، ان تمام روایات سے یہ بتانا مقصود ہے کہ وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا، انہوں نے آپ ﷺ کو ٹیک اور سہارا دیا ہوا تھا۔

یہاں ایک سوال ہے کہ حاکم کی روایت میں ہے کہ وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کا سر مبارک حضرت علیؓ کی گود میں تھا، جبکہ ترمذی کی اس روایت اور بخاری کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہؓ کی گود میں آپ ﷺ کا سر مبارک تھا، بظاہر دونوں روایات میں تعارض ہے، شارحین حدیث نے اس کے دو جواب دیئے ہیں:

- حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ صحیح یہی ہے کہ وفات کے وقت نبی کریم ﷺ کا سر مبارک حضرت عائشہؓ کی گود میں تھا، اور حاکم کی روایت جس میں حضرت علیؓ کی گود میں سر رکھنے کا ذکر ہے، وہ سند کے لحاظ سے کمزور ہے، اس لیے اس کا اعتبار نہیں۔
- اور اگر اس روایت کو درست تسلیم کیا جائے تو پھر ان دونوں قسم کی روایات میں تطبیق یوں ہوگی کہ وفات سے تھوڑی دیر پہلے حضرت علی کی گود میں آپ ﷺ کا سر مبارک تھا، اور پھر حضرت عائشہؓ کی گود میں آپ ﷺ نے سر مبارک رکھ لیا تھا، اسی حالت میں پھر آپ ﷺ کی وفات ہوگئی، لہذا دونوں طرح کی روایات اپنے اپنے موقع ومحل کے لحاظ سے درست ہیں، ان میں کوئی تعارض نہیں۔(۱)

---

(۱) فتح الباری ۸/۱۷۶، کتاب المغازی، باب مرض النبی صلی اللہ علیہ وسلم ووفاته، رقم الحدیث: ۴۴۳۸۔

۲۔ وفات سے پہلے آپ ﷺ کو بہت ضعف اور کمزوری ہوگئی تھی، اسی وجہ سے آپ ﷺ نے پیشاب کے لیے ایک برتن منگایا، آپ ﷺ نے حضرت عائشہؓ کی موجودگی میں اس میں پیشاب کیا اور اس کے بعد آپ ﷺ کی وفات ہوئی۔

۳۔ اس روایت سے درج ذیل فوائد ثابت ہوتے ہیں:

- مریض کمرے میں برتن کے اندر پیشاب کرسکتا ہے۔
- شوہر اپنی بیوی کے ساتھ ضرورت کے وقت ٹیک لگا سکتا ہے۔
- بیوی کی موجودگی میں شوہر پیشاب کرسکتا ہے۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّهَا قَالَتْ: رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ بِالْمَوْتِ وَعِنْدَهُ قَدَحٌ فِيهِ مَاءٌ، وَهُوَ يُدْخِلُ يَدَهُ فِي الْقَدَحِ ثُمَّ يَمْسَحُ وَجْهَهُ بِالْمَاءِ، ثُمَّ يَقُولُ: اللَّهُمَّ أَعِنِّي عَلَى مُنْكَرَاتِ -أَوْ قَالَ عَلَى سَكَرَاتِ- الْمَوْتِ.(۲)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو موت کے وقت دیکھا، آپ ﷺ کے پاس ایک پیالہ تھا جس میں پانی تھا، نبی کریم ﷺ اپنا دست مبارک پیالے میں ڈالتے اور اپنے چہرے پر گیلا ہاتھ پھیرتے تھے، اور فرماتے: اے اللہ! موت کی برائیوں پر یا فرمایا: موت کی سختیوں پر میری مدد فرما۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَا أَغْبِطُ أَحَدًا بِهَوْنِ مَوْتٍ بَعْدَ الَّذِي رَأَيْتُ مِنْ شِدَّةِ مَوْتِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ.(۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: میں کسی پر موت کی آسانی کی وجہ سے رشک نہیں کرتی، جب سے میں نے نبی کریم ﷺ کی موت کے وقت سختی دیکھی ہے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ القدح: (قاف پر زبر اور دال ساکن) پیالہ، أعنی: میری مدد فرما، منکرات: (میم پر پیش، نون ساکن اور کاف پر زبر) منکرۃ کی جمع ہے: برائیاں، برے اعمال، سکرات: سکرۃ کی جمع ہے: سختیاں، لا اغبط: میں رشک نہیں کرتی، ھون: آسانی

## نبی کریم ﷺ کی موت کی سختی دیکھ کر حضرت عائشہؓ نے کیا کہا؟

مذکورہ احادیث سے تین امور ثابت ہوتے ہیں:

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۵۷

(۲) سنن الترمذی، الجنائز، رقم الحدیث: ۹۷۸

(۳) سنن الترمذی، الجنائز، رقم الحدیث: ۹۷۹

۱۔ وفات سے پہلے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا مرض بہت شدید ہو گیا تھا، اس کی وجہ سے غنودگی اور بے ہوشی سی طاری ہو جاتی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کیفیت کو ختم کرنے کے لیے پانی کے پیالہ میں بار بار ہاتھ ڈال کر گیلا کرتے اور پھر اسے اپنے چہرہ انور پر پھیرتے تو کچھ افاقہ ہو جاتا، بے ہوشی کی اس حالت کو وہاں پر موجود صحابہ کرامؓ نے دیکھا تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے منہ مبارک میں دوا ڈالنا چاہی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں منع فرمایا، اس کے باوجود مرض کی شدت دیکھ کر انہوں نے وہ دوا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو پلا دی، یہ واقعہ مرض الوفات کے عنوان کے تحت ذکر کیا جا چکا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مرض الوفات میں ہو، اور اسے موت کی سختیوں کا سامنا ہو تو اس سنت پر اسے عمل کرنا چاہیے، وہ خود پانی میں ہاتھ ڈال کر اپنے چہرے پر پھیرے یا اس کا کوئی رشتہ دار ایسا کر دے، اس کا فائدہ یہ ہے کہ شدتِ حرارت اور گھبراہٹ کے وقت ایسا کرنے سے طبیعت کو فرحت اور سکون حاصل ہوتا ہے۔

۲۔ ہر انسان کو موت کے کٹھن مرحلے سے ضرور گذرنا ہے، اور اس کی سختیوں سے بھی اس نے دوچار ہونا ہے، نیک آدمی کے لیے سکرات اور موت کی سختیاں گناہوں کی معافی اور درجات کی بلندی کا ذریعہ ہوتی ہیں، اور انبیاء پر چونکہ سب سے زیادہ آزمائشیں آتی ہیں، اس لیے موت کی سختیوں سے ان کے بھی درجات بلند ہوتے ہیں، اسی وجہ سے ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر بھی کچھ موت کی سختیاں آئیں، مقصد اس سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے درجات کی بلندی ہے، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس حالت میں بھی اللہ جل شانہ کی طرف متوجہ رہے اور یہ دعا مانگ رہے تھے: اَللّٰهُمَّ أَعِنِّيْ عَلٰى سَكَرَاتِ الْمَوْتِ أَوْ قَالَ عَلٰى مُنْكَرَاتِ الْمَوْتِ اے اللہ موت کی سختیوں پر میری مدد و نصرت فرما، اور ایک حدیث مرسل میں یہ دعا منقول ہے: اَللّٰهُمَّ اِنَّکَ تَأْخُذُ الرُّوْحَ مِنْ بَيْنِ الْعَصَبِ وَالْأَنَامِلِ فَأَعِنِّيْ عَلَيْهِ وَهَوِّنْهُ عَلَيَّ (اے اللہ آپ پٹھوں اور پوروں سے روح نکالتے ہیں، لہٰذا اس پر میری مدد فرما اور اسے مجھ پر آسان فرما دے)۔

اس سے معلوم ہوا کہ جب انسان کی موت قریب ہو تو سنت یہ ہے کہ انسان اللہ جل شانہ سے موت کی آسانی اور معافی کی دعا مانگتا رہے۔

۳۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب سے میں نے موت کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے چینی اور سختیاں دیکھیں تو اس وقت سے اب مجھے کسی کی موت کی آسانی دیکھ کر رشک نہیں آتا، کیونکہ عموماً تصور یہ ہوتا ہے کہ موت کی سختی اس شخص پر آتی ہے جو گنہگار ہو، اور سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم تو گناہوں سے معصوم اور پاک صاف ہیں، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی موت کی سختیوں سے سامنا کرنا پڑا تو پھر اور لوگوں کا کیا کہنا، مقصد یہ ہے کہ کسی مسلمان کا موت کے وقت سختی سے دوچار ہونا اس بات کی علامت نہیں کہ وہ اللہ کے ہاں ناپسندیدہ ہے اور کسی کی موت کے وقت آسانی اور نرمی یہ اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ اللہ کے ہاں محترم و مکرم ہے، پس یہ اللہ جل شانہ کی اپنی حکمت اور مصلحت ہے کہ موت کے وقت کسی کو موت کی سختیوں سے گذارتے ہیں اور کسی کو نہیں، مسلمان کا کام یہ ہے کہ وہ اپنی زندگی میں نیک اعمال کرتا رہے اور موت کے وقت اللہ جل شانہ سے اچھا گمان رکھے تو ان شاء اللہ وہ کامیاب ہو

جائے گا۔(۱)

## اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں

دلائل النبوۃ میں امام بیہقی رحمہ اللہ نے ایک طویل حدیث ذکر کی ہے، اس میں ہے: جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے تین دن باقی تھے، تو ان تین دنوں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی عیادت کے لیے آتے اور فرماتے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے بھیجا ہے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت پوچھ کر آؤں حالانکہ اللہ جل شانہ سب کچھ جانتے ہیں۔

تیسرے دن حضرت جبرائیل نے عرض کیا کہ دروازے پر موت کا فرشتہ کھڑا ہے، اندر آنے کی اجازت چاہتا ہے، اس نے آج سے پہلے کسی سے اجازت نہیں لی اور نہ ہی آئندہ کسی سے اجازت لے گا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے اجازت دی تو وہ اندر آ گیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار دیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کرلوں یا چھوڑ دوں؟ حضرت جبرائیل علیہ السلام نے عرض کیا: یَا مُحَمَّدُ إِنَّ اللّٰہَ قَدِ اشْتَاقَ إِلٰی لِقَاءِکَ (اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! اللہ جل شانہ آپ سے ملنے کے مشتاق ہیں) چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے روح قبض کرنے کی اجازت دے دی، پھر اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح قبض کر لی۔(۲)

اس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت اور برتری ثابت ہوتی ہے کہ خود اللہ شانہ، جو خالق و مالک ہیں، جنہوں نے اپنے فضل و کرم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس قدر بلند مقام عطا فرمایا ہے، وہ اپنے مخصوص بندے صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں، مقام ہو تو ایسا صلی اللہ علیہ وسلم الف الف مرۃ، اللہ جل شانہ ہمیں بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے محض اپنے فضل و کرم سے اپنا بنالے، آمین یارب العالمین۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: لَمَّا قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اخْتَلَفُوا فِي دَفْنِهِ، فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: سَمِعْتُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ شَيْئًا مَا نَسِيتُهُ قَالَ: مَا قَبَضَ اللهُ نَبِيًّا إِلاَّ فِي الْمَوْضِعِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُدْفَنَ فِيهِ. ادْفِنُوهُ فِي مَوْضِعِ فِرَاشِهِ۔(۳)

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک قبض ہوگئی تو صحابہ کرامؓ کا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں اختلاف ہوا، تو حضرت ابوبکر صدیق نے فرمایا: میں نے خود حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک بات سنی ہے، میں اسے بھولا نہیں (وہ مجھے خوب یاد ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ کسی بھی نبی کی روح اسی جگہ پر

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۵۹، ۲۶۰

(۲) دلائل النبوۃ للبیہقی ۸/۴۳۳، باب مرض رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۳۲۵۰، ط: موقع جامع الحدیث، بیروت، الخصائص الکبری للامام السیوطی ۲/۴۷۷ باب ما وقع عند احتضارہ ﷺ من الآیات والخصائص، ط: رحمانیہ لاہور

(۳) سنن الترمذی، الجنائز، رقم الحدیث: ۱۰۱۸

قبض کرتے ہیں، جہاں اللہ تعالیٰ یا وہ نبی پسند کرتا ہے کہ اسے وہاں دفن کیا جائے، لہذا تم لوگ نبی کریم ﷺ کو ان کی موت کی جگہ پر ہی دفن کرو۔

## ہر نبی کو اس کی موت کی جگہ پر ہی دفن کیا جاتا ہے

نبی کریم ﷺ جب اس دنیا سے پردہ فرما گئے، تو اب صحابہ کرام میں دو باتوں میں اختلاف ہوا، ایک تو اس میں کہ کیا نبی کریم ﷺ کو دفن کیا جائے؟ یا نہیں؟ بعض نے کہا کہ مسجد نبوی میں دفن کرنا موزوں ہے، بعض نے کہا کہ جنت البقیع میں، بعض نے مکہ مکرمہ میں اور بعض نے کہا کہ شام میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ دفن کیا جائے، حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے ان دونوں باتوں کا انہیں جواب دیا کہ نبی کریم ﷺ کو دفن کیا جائے گا اور آپ ﷺ کو اسی جگہ پر دفن کیا جائے گا جس جگہ پر آپ ﷺ کی وفات ہوئی ہے، کیونکہ میں نے خود نبی کریم ﷺ سے سنا ہے کہ ہر نبی کو اسی جگہ پر دفن کیا جاتا ہے، جس مقام پر اس کی موت واقع ہوتی ہے، لہذا نبی کریم ﷺ کو بھی حجرہ عائشہؓ میں ہی دفن کیا جائے گا جہاں آپ ﷺ کی موت ہوئی ہے، اور یہی طریقہ تمام انبیاء علیہم السلام کے دفن کا رہا ہے البتہ حضرت یوسف علیہ السلام کو پہلے مصر میں دفن کیا گیا تھا، مگر بعد میں حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بذریعہ وحی ان کو وہاں سے فلسطین میں منتقل کیا تھا، یہ ایک استثنائی صورت ہے، ورنہ باقی انبیاء علیہم السلام کو صرف اسی مقام پر ہی دفن کیا جاتا رہا، جہاں ان کی موت واقع ہوئی ہے۔(۱) اس بارے میں تفصیلی روایت اسی باب میں چھ حدیثوں کے بعد آرہی ہے۔

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، وَعَائِشَةَ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ قَبَّلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ مَا مَاتَ.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ فرماتے ہیں کہ ابوبکر صدیقؓ نے نبی کریم ﷺ کو موت کے بعد بوسہ دیا۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ أَبَا بَكْرٍ دَخَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَ وَفَاتِهِ فَوَضَعَ فَمَهُ بَيْنَ عَيْنَيْهِ وَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلَى سَاعِدَيْهِ، وَقَالَ: وَانَبِيَّاهُ، وَاصَفِيَّاهُ، وَاخَلِيلَاهُ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی وفات کے بعد حضرت ابوبکرؓ حضور اکرم ﷺ کے پاس تشریف لائے، اور اپنا منہ نبی کریم ﷺ کی دونوں آنکھوں کے درمیان رکھا (یعنی پیشانی پر بوسہ دیا) اور اپنے دونوں ہاتھ نبی کریم ﷺ کی دونوں کلائیوں پر رکھے اور کہا: ہائے نبی، ہائے مخلص دوست، ہائے جگری دوست۔

**مشکل الفاظ کے معنی:**۔ قبل: تقبیل سے ہے: بوسہ دیا، چوما، علی ساعدیہ: ساعد کا تثنیہ ہے: آپ ﷺ کی دونوں

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۶۱، المواہب اللدنیة علی الشمائل المحمدیة (ص: ۶۵۲)

(۲) سنن ابن ماجة، رقم الحدیث: ۱۴۵۷

کلائیوں پر، وا صفیاہ: اے مخلص دوست، وا خلیلاہ: اے جگری اور دلی دوست۔

## موت کے بعد صدیق اکبرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر بوسہ دیا

مذکورہ احادیث سے درج ذیل امور ثابت ہوتے ہیں:

۱۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر دو آنکھوں کے درمیان بوسہ دیا، ایک تو اس وجہ سے کہ برکت حاصل ہو جائے، نہ جانے پھر کب ملاقات ہو سکے گی اور دوسرا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے کے لیے، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کی جب وفات ہوئی تھی تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں بوسہ دیا تھا، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے آنسو حضرت عثمان بن مظعون کے چہرے پر گرے تھے، اس سے معلوم ہوا کہ میت کو بوسہ دیا جا سکتا ہے۔

۲۔ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنے ہاتھ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی دونوں کلائیوں پر رکھ کر فرمایا: وانبیاہ ... اے نبی، ہائے مخلص دوست، ہائے گہرے اور جگری دوست، یہ الفاظ نوحہ کے طور پر نہیں تھے، بلکہ آہستہ آواز میں اظہار افسوس کے لیے کہے گئے ہیں، اس طرح افسوس اور غم کے اظہار میں شرعاً کوئی حرج بھی نہیں۔(۱)

مسند احمد کی روایت میں ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سرہانے کی طرف تشریف لائے اور چہرۂ انور پر سر جھکایا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر بوسہ دیا، اور فرمایا: وانبیاہ، ہائے نبی، اس کے بعد سر اٹھالیا اور پھر سر جھکایا اور پیشانی کو بوسہ دیا اور فرمایا وا خلیلاہ ہائے جگری یار، ہائے میرے جگری دوست۔(۲)

اور مصنف ابن ابی شیبہؒ کی روایت میں ہے کہ حضرت صدیق اکبرؓ نے اپنا منہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر رکھا اور رو، رو کر بوسہ دیتے رہے، اور فرمانے لگے: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي طِبْتَ حَيًّا وَ مَيِّتًا (میرے ماں باپ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر قربان ہوں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندہ اور موت دونوں حالتوں میں اچھے اور عمدہ ہیں)(۳)

۳۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ جزع فزع اور نوحہ کے بغیر مرحوم کے اوصاف کو بیان کیا جا سکتا ہے بلکہ علماء فرماتے ہیں کہ ان اوصاف کو بیان کرنا مستحب ہے، یہ خلفاء راشدین اور آئمہ عظام کی سنت ہے، اس کے بعد اہل علم کے ہاں بڑی بڑی مجالس میں اور پروگراموں میں اپنے اسلاف کے کارناموں اور ان کی دینی خدمات کو بیان کیا جاتا ہے، تاکہ ان حالات سے سبق سیکھ کر اس پر عمل کیا جا سکے، اللہ جل شانہ ہمیں اپنے بزرگوں کے نقش قدم پر چلائے، آمین یارب العالمین۔(۴)

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۶۲

(۲) مسند الامام احمد بن حنبل ۱۰/۵۰۸، مسند عائشہ رضی اللہ عنہا رقم الحدیث: ۲۶۵۹۲، ط: بیروت

(۳) مصنف ابن ابی شیبۃ ۱۴/۵۵۲ باب ماجاء فی وفاۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۳۸۱۷۶

(۴) المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۶۵۴)

عَنْ أَنَسٍ قَالَ: لَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي دَخَلَ فِيهِ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِينَةَ أَضَاءَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، فَلَمَّا كَانَ الْيَوْمُ الَّذِي مَاتَ فِيهِ أَظْلَمَ مِنْهَا كُلُّ شَيْءٍ، وَمَا نَفَضْنَا أَيْدِيَنَا مِنَ التُّرَابِ، وَإِنَّا لَفِي دَفْنِهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى أَنْكَرْنَا قُلُوبَنَا.(۱)

ترجمہ: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جس دن (ہجرت کر کے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ میں داخل ہوئے تھے تو مدینہ کی ہر چیز روشن ہوگئی تھی، پھر جس دن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا تو مدینہ کی ہر چیز تاریک ہوگئی تھی اور ہم نے ابھی ہاتھوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی قبر پر مٹی ڈال کر) جھاڑا نہیں تھا جس وقت ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں مشغول تھے یہاں تک کہ ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی پایا (اور ہم اپنے دلوں کو پہچان نہ سکے کہ ان میں وہ کیفیت باقی نہ رہی، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کے وقت تھی)

**مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔** أضاء: روشن ہوگئے۔ منها: اس میں "ہا" ضمیر مدینہ منورہ کی طرف لوٹ رہی ہے، **ما نفضنا:** ہم نے جھاڑا نہیں تھا، صاف نہیں کیا تھا، **وانا لفی دفنه:** اس حال میں کہ جس وقت ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں مشغول تھے، **حتی انکرنا قلوبنا:** یہاں تک کہ ہم نے اپنے دلوں کو نہ پہچانا، ہم نے اپنے دلوں کو اجنبی اور اوپرا پایا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے مدینہ منورہ روشن ہوگیا

اس حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی برکات کی طرف اشارہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جب ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو مدینہ منورہ روشن ہوگیا، اس کے رہنے والے مسرت وخوشی سے جھوم اٹھے، دنیا اور آخرت دونوں میں فتح وکامرانی کا سامان خود ان کے شہر میں آگیا تو وہ کیسے خوش نہ ہوتے، مدینہ منورہ کی ساری رونقیں، روشنیاں، اور چمک دمک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بابرکت وجود سے تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات سے ہر چیز تر وتازہ اور دلوں میں ایمان ویقین کے خاص قسم کے انوار، برکتیں اور ولولے موجود تھے، ہر طرف رونقیں، بہاریں اور روشنیاں ہی روشنیاں تھیں، انوار نبوی سے مسکراتا یہ شہر اس وقت پھر تاریک ہوگیا، جس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی، حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال سے ہمارے دلوں کی کیفیتیں ہی بدل گئیں، ابھی ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں ہی مشغول تھے کہ ہم اپنے دلوں کو اجنبی محسوس کرنے لگے، مطلب یہ ہے کہ ہمارے دلوں میں انوار وبرکات کی وہ حالت باقی نہ رہی، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی موجودگی کے وقت تھی، اسی بات کو حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس جملے میں بیان کیا: حَتّٰی اَنْكَرْنَا قُلُوْبَنَا، اس کے یہ معنیٰ نہیں کہ صحابہ کے دلوں میں ایمان اور تصدیق ہی ختم ہوگئی تھی، ایمان اور تصدیق اپنی جگہ برقرار تھی، صرف دلوں میں انوار وبرکات کی وہ کیفیت باقی نہ رہی، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وجود سے تھی۔(۲)

---

(۱) سنن الترمذی، المناقب، رقم الحدیث: ۳۶۲۲۔

(۲) مرقاة المفاتیح ۱۱/۱۰۹، کتاب الفضائل، باب هجرة اصحابه من مكة ووفاته، رقم الحدیث: ۵۹۶۲

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات پیر کے دن ہوئی۔

عَنْ جَعْفَرِ بْنِ مُحَمَّدٍ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ فَمَكَثَ ذَلِكَ الْيَوْمَ وَلَيْلَةَ الثُّلَاثَاءِ، وَدُفِنَ مِنَ اللَّيْلِ. وَقَالَ سُفْيَانُ: وَقَالَ غَيْرُهُ: يُسْمَعُ صَوْتُ الْمَسَاحِي مِنْ آخِرِ اللَّيْلِ.

ترجمہ: محمد باقر کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال پیر کے دن ہوا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دن اور منگل کی رات ٹھہرے رہے (یعنی تدفین عمل میں نہیں آئی) اور (منگل اور بدھ کی درمیانی) رات میں دفن کیے گئے، حدیث کے راوی سفیان بن عیینہ کہتے ہیں: محمد باقر کے علاوہ نے کہا: رات کے آخری حصہ میں پھاوڑوں کی آواز سنی گئی تھی، (یعنی رات کے آخری حصہ میں تدفین کی گئی)۔

عَنْ سَلَمَةَ بْنِ عَبْدِ الرَّحْمَنِ بْنِ عَوْفٍ، قَالَ: تُوُفِّيَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الِاثْنَيْنِ، وَدُفِنَ يَوْمَ الثُّلَاثَاءِ.

ترجمہ: حضرت عبدالرحمن بن عوف کے صاحبزادے ابوسلمہ رحمہ اللہ کہتے ہیں: پیر کے دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اور منگل کے دن دفن کیے گئے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** یوم الاثنین: پیر کے دن، مکث: آپ صلی اللہ علیہ وسلم ٹھہرے رہے یعنی تدفین عمل میں نہیں آئی، لیلۃ الثلاثاء: منگل کی رات، وقال غیرہ: اس میں ''ہ'' ضمیر محمد باقر کی طرف لوٹ رہی ہے، اور محمد باقر کے علاوہ نے کہا، المساحی: مسحاۃ کی جمع ہے: پھاوڑے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں دفن کیا گیا

پیر کے دن زوال کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوا، یہ دن اور منگل کا دن بھی صحابہ کرامؓ کا انتظام میں گذرا، تدفین نہ ہوسکی، پھر منگل کے دن کے آخر میں تدفین کا عمل شروع ہوا، جو رات تک چلتا رہا، رات کے آخری حصے میں قبر کھودنے کے لیے استعمال ہونے والے پھاوڑوں کی آوازیں آتی رہیں، جب قبر مبارک تیار ہوگئی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی رات یعنی منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں دفن کیا گیا، مگر یہاں ایک اشکال ہوتا ہے کہ محمد باقر کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ بدھ کی رات میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا ہے، جبکہ حضرت عبدالرحمن بن عوف کے صاحبزادے حضرت ابوسلمہ کی روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو منگل کے دن دفن کیا گیا، بظاہر دونوں حدیثوں میں تعارض ہے، اس کے دو جواب دیئے گئے ہیں:

۱۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ منگل اور بدھ کی درمیانی رات میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم دفن فرمائے گئے، جس کو عرفاً منگل کا دن بھی کہا جاسکتا ہے، اور بدھ کا دن بھی، اس لیے دونوں روایتوں میں تعارض نہیں۔

۲۔ خلافت کے مسئلہ سے فراغت کے بعد منگل کے دن کے آخر میں تجہیز و تکفین کا عمل شروع کر دیا گیا تھا، اس لیے بعض روایتوں میں منگل کے دن تدفین کا ذکر ہے، اور بدھ کی رات میں تدفین مکمل ہوئی، اس لیے یہ منقول ہے کہ منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا۔(۱)

## نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کے دفن میں تاخیر کے اسباب

دفن میں جلدی کرنا مسنون ہے مگر کچھ اسباب کی وجہ سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے دفن میں تاخیر ہوگئی، جن کی تفصیل یہ ہے۔

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر سے صحابہ کرامؓ کے ہوش اڑ گئے، مدینہ کے ہر طرف غم وحزن اور پریشانی کا سماں تھا، بڑے بڑے صحابہ بھی حیران وششدر تھے، انہیں کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کرنا ہے، حضرت عثمان غنیؓ ایک سکتہ کے عالم میں تھے، ایک دیوار سے ٹیک لگا کر بیٹھے تھے، مگر شدتِ غم کی وجہ سے بات تک نہیں کر سکتے تھے، ادھر حضرت علیؓ زار وقطار رو رہے تھے، زیادہ رونے کی وجہ سے وہ بے ہوش ہوگئے، حضرت عائشہ صدیقہؓ اور دیگر تمام ازواج مطہرات بھی غم سے نڈھال تھیں، حضرت عباسؓ بھی پریشانی سے بے حواس تھے، حضرت عمرؓ جو جرأت وشجاعت کے پہاڑ تھے مگر اس واقعہ سے ان کی پریشانی سب سے بڑھی ہوئی تھی، وہ تلوار کھینچ کر کھڑے ہوگئے، اور بلند آواز سے یہ اعلان کیا کہ منافقین کا گمان ہے کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم انتقال کر گئے ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہرگز نہیں مرے بلکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم تو اپنے پروردگار کے پاس گئے ہیں، جس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام کوہ طور پر اللہ تعالیٰ کے پاس تشریف لے گئے تھے اور پھر واپس آگئے تھے، خدا کی قسم آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی اسی طرح ضرور واپس تشریف لائیں گے، اور منافقوں کو ختم کریں گے، کسی کی یہ مجال نہ تھی کہ وہ حضرت عمرؓ کے سامنے یہ کہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا ہے، بالآخر حضرت ابو بکرؓ صدیق نے ان تمام حالات پر قابو پایا، جس کی تفصیل اگلی حدیث میں آرہی ہے، بہرحال اس تفصیل سے اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ صحابہ کرام کس قدر اس روح فرسا واقعہ سے غمگین تھے۔

۞ صحابہ کرامؓ نے اس سے پہلے کسی نبی کے فوت ہونے کو نہیں دیکھا تھا، اس لیے ان میں کئی سارے امور زیر بحث تھے بعض نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن نہ کیا جائے، یوں ہی رکھ دیا جائے کیونکہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم مبارک میں کوئی تغیر وتبدل نہیں ہوگا یا یہ کہ یوں ہی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آسمانوں پر اٹھا لیا جائے گا، جبکہ بعضوں نے کہا کہ دفن کرنا چاہیے، کہاں دفن کیا جائے، غسل کیسے دیا جائے، پھر نماز جنازہ کیسے پڑھی جائے، ان تمام امور میں صحابہ کا اختلاف ہو رہا تھا، اس کی مزید تفصیل آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

۞ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد مسلمانوں کا امیر کون ہو، انصار کے ہاں یہ مسئلہ کھڑا ہوگیا، اس کے لیے سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع شروع ہوگیا، حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ وہاں تشریف لے گئے، بحث مباحثہ کے بعد سب نے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/ ۲۶۴

صدیق اکبر کی خلافت پر اتفاق کیا، پیر کے دن شام کو یہ طے ہو گیا تھا، اور پھر منگل کے دن حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر عمومی بیعت ہوئی، اور پھر منگل کے آخری حصے میں تجہیز و تکفین پر عمل درآمد شروع ہوا اور رات کو تدفین عمل میں آئی۔

صحابہ کرامؓ نے تدفین سے پہلے خلافت کا مسئلہ اس لیے حل کیا تا کہ امت کے درمیان انتشار و افتراق اور اختلاف نہ ہو جائے، جیسے دنیا میں جب کسی حاکم کا انتقال ہو جائے، تو سب سے پہلے ان کا جانشین مقرر کیا جاتا ہے، تا کہ نظام حکومت میں کوئی فرق نہ آئے، ایسے میں کوئی دشمن بھی حملہ کر سکتا ہے، اسی طرح ایک حکومت میں دو بادشاہ بھی نہیں ہو سکتے ورنہ نظام درہم برہم ہو جاتا ہے، نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد کفار اور منافقین کی طرف سے شورش، دھوکے اور پروپیگنڈے کا اندیشہ تھا، اس مشکل ترین وقت میں آپ ﷺ کی تدفین سے کہیں زیادہ یہ ضروری تھا کہ نبی کریم ﷺ کا کوئی خلیفہ نامزد کیا جائے، تا کہ شیرازہ اسلام کی حفاظت ہو جائے اور نبی کریم ﷺ نے اسلام کی سربلندی کے لیے اپنی زندگی میں جو تیئس سال کی تگ و دو کی، جو تکلیفیں اور مشقتیں جھیلیں، جس کے لیے ہزاروں صحابہؓ نے اپنی جانیں قربان کیں، وہ رائیگاں نہ جائیں، اور پھر کفر کا جھنڈا غالب نہ آ جائے، ان خطرات کی وجہ سے صحابہ کرامؓ نے پہلے خلافت کا مسئلہ حل کیا اور اس کے بعد تدفین کا عمل شروع کیا۔(۱)

یہ وہ چند اسباب تھے جن کی وجہ سے تدفین کے عمل میں تاخیر ہوگئی، واللہ اعلم بالصواب۔

عَنْ سَالِمِ بْنِ عُبَيْدٍ، وَكَانَتْ لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ: أُغْمِيَ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَرَضِهِ فَأَفَاقَ، فَقَالَ: حَضَرَتِ الصَّلَاةُ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ. فَقَالَ: مُرُوا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ، وَمُرُوا أَبَا بَكْرٍ أَنْ يُصَلِّيَ لِلنَّاسِ - أَوْ قَالَ: بِالنَّاسِ - قَالَ: ثُمَّ أُغْمِيَ عَلَيْهِ، فَأَفَاقَ، فَقَالَ: حَضَرَتِ الصَّلَاةُ؟ فَقَالُوا: نَعَمْ. فَقَالَ: مُرُوا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ، وَمُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: إِنَّ أَبِي رَجُلٌ أَسِيفٌ، إِذَا قَامَ ذَلِكَ الْمَقَامَ بَكَى فَلَا يَسْتَطِيعُ، فَلَوْ أَمَرْتَ غَيْرَهُ قَالَ: ثُمَّ أُغْمِيَ عَلَيْهِ فَأَفَاقَ فَقَالَ: مُرُوا بِلَالًا فَلْيُؤَذِّنْ، وَمُرُوا أَبَا بَكْرٍ فَلْيُصَلِّ بِالنَّاسِ، فَإِنَّكُنَّ صَوَاحِبُ أَوْ صَوَاحِبَاتُ يُوسُفَ قَالَ: فَأُمِرَ بِلَالٌ فَأَذَّنَ، وَأُمِرَ أَبُو بَكْرٍ فَصَلَّى بِالنَّاسِ۔

ترجمہ: حضرت سالم بن عبید اللہ جو صحابی ہیں، کہتے ہیں: حضور اقدس ﷺ کو مرض الوفات میں بے ہوشی طاری ہوئی، پھر ہوش آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: کیا نماز کا وقت ہو گیا؟ صحابہ نے بتایا: جی ہاں، حضور اقدس ﷺ نے فرمایا: بلال سے کہو کہ وہ اذان دیں اور ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں پھر آپ ﷺ بے ہوش ہو گئے، جب ہوش آیا تو آپ ﷺ نے پوچھا: نماز کا وقت ہو گیا؟ لوگوں نے کہا: جی ہاں، نبی کریم ﷺ نے فرمایا: بلال سے کہو کہ وہ اذان دیں اور ابو بکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، اس پر حضرت عائشہؓ نے عرض کیا: میرے والد ایک نرم دل آدمی ہیں، جب وہ حضور اکرم ﷺ کی جگہ (نماز پڑھانے کے لیے) کھڑے ہوں گے تو رونے لگیں

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۲۷۰، خصائل نبوی (ص:۴۶۷) مکتبۃ البشریٰ کراچی، سیرت المصطفی ۳/۸۸ باب سوم، سفر آخرت، سقیفہ بنی ساعدہ میں انصار کا اجتماع۔

گے، اور نماز پڑھانے کی وہ ہمت نہ کرسکیں گے، اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے علاوہ کسی اور کو حکم دے دیں (تو اچھا ہوگا) پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہوگئی، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو فرمایا: بلال سے کہو کہ وہ اذان دیں اور ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، بیشک تم تو یوسف علیہ السلام کی عورتوں کی طرح ہو، راوی کہتے ہیں: چنانچہ بلال کو اذان کا کہا گیا تو انہوں نے اذان دی اور ابوبکر سے نماز پڑھانے کا کہا گیا تو انہوں نے لوگوں کو نماز پڑھائی۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ أغمي: (صیغہ مجہول) بے ہوش ہوئے، أفاق: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہوش میں آ گئے، أسیف: نرم دل، رقیق القلب، غم کی وجہ سے جو جلد ہی رو پڑے، فلو أمرت غیرہ: اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکر کے علاوہ کسی اور کو نماز پڑھانے کا کہیں تو اچھا ہوگا، صواحب: صاحبۃ کی جمع ہے، یہ لفظ اگرچہ جمع ہے مگر اس سے عزیز مصر کی بیوی حضرت زلیخہ مراد ہیں۔

## صدیق اکبر نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مرض الوفات میں سترہ نمازیں پڑھائیں

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات تو پیر کے دن زوال کے وقت ہوئی، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت وفات سے چار دن پہلے بہت خراب ہوگئی تھی، حضرت سالم فرماتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بار بار بے ہوشی طاری ہوجاتی، یہ شب جمعہ کی بات ہے، جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو پوچھا کہ نماز کا وقت ہوگیا ہے، اس نماز سے عشاء کی نماز مراد ہے، لوگوں نے بتایا کہ جی ہاں عشاء کا وقت ہو چکا ہے، لیکن آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ضعف اور بیماری ایسی سخت تھی کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو نماز پڑھانے کی ہمت نہیں تھی، اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حکم دیا کہ بلال سے اذان کا کہو اور ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر بے ہوشی طاری ہوئی، دو تین بار ایسا ہی ہوا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہوش آتا تو فرماتے کہ ابوبکر سے کہو کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ میرے والد انتہائی نرم دل آدمی ہیں، وہ جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوں گے تو فراق یار میں رو پڑیں گے، وہ نماز نہیں پڑھا سکیں گے اور ترمذی ابواب المناقب کی روایت میں ہے کہ وہ نماز میں روتے ہیں، جس کی وجہ سے وہ لوگوں کو قراءت کی آواز نہیں سنا سکیں گے، لہذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کسی اور سے نماز پڑھانے کا کہیں تو اچھا ہوگا، اور ایک روایت میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم عمر سے کہیں کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھا دیں، یہ بات سن کر پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ ابوبکر سے کہو وہ نماز پڑھا دیں اور فرمایا کہ تم تو یوسف علیہ السلام کی عورتوں کی طرح ہو، چنانچہ صدیق اکبر نے شب جمعہ کی نماز عشاء پڑھائی اور پھر جمعہ، ہفتہ اور اتوار کے دن کی نمازیں اور وفات والے دن یعنی پیر کی صبح کی نماز بھی صدیق اکبر نے ہی پڑھائی، یوں حضرت صدیق اکبر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں سترہ نمازیں پڑھائیں۔(۱)

---

(۱) سیرت المصطفیٰ ۱۰۲/۳، مدت امامت ابی بکر، البدایۃ والنہایۃ ۲۳۱/۵، ذکر أمرہ علیہ السلام ابابکر ان یصلی بالصحابۃ اجمعین۔

## انکن صواحب یوسف کا مطلب

انکن صواحب یوسف اس میں "کن" ضمیر اگر چہ جمع ہے لیکن اس سے صرف حضرت عائشہؓ مراد ہیں، جیسا کہ صواحب کا لفظ جمع ہے اور مراد اس سے صرف حضرت زلیخہ ہیں، گویا تعظیماً ان الفاظ کو جمع لایا گیا ہے، اس جملے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کو حضرت یوسف کی عورتوں یعنی حضرت زلیخہ کے ساتھ تشبیہ دی ہے، یہ تشبیہ اس چیز میں ہے کہ ظاہر میں کچھ کہا جار ہا ہے اور دل میں کچھ اور ہے، چنانچہ حضرت زلیخا نے بظاہر تو ان عورتوں کی کھانے کی دعوت کی، ان کی ضیافت اور مہمان نوازی کی لیکن ان کے دل میں بات یہ تھی کہ وہ حضرت یوسف کے حسن و جمال کو دیکھیں، اور مجھے ان کے ساتھ محبت کرنے میں معذور سمجھیں۔

اسی طرح حضرت عائشہؓ کے ذہن میں بات کچھ اور تھی اور ظاہر میں انہوں نے دوسری بات کہی، ظاہر میں یہ کہا کہ میرے والد ابو بکر کو امام نہ بنائیں، وہ بہت نرم دل آدمی ہیں، اور نماز میں روتے بھی بہت ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر کھڑے ہوں گے تو وہ اور زیادہ روئیں گے، جس کی وجہ سے ان کی قراءت کی آواز نمازیوں تک نہیں پہنچ سکے گی، اور حضرت عائشہؓ کے دل میں یہ بات تھی کہ اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسی بیماری میں وفات پا گئے، جس میں صدیق اکبرؓ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جگہ پر امامت کرائیں تو لوگ ابو بکر کو منحوس سمجھیں گے، اس لیے حضرت عائشہؓ نے زبان سے دوسری بات کی اور حضرت حفصہؓ سے بھی وہی بات کہلوائی۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس جملے سے حضرت عائشہؓ کو ڈانٹ رہے ہیں کہ تم لوگ مجھے اپنے مقصد میں یوں پھسلا رہی ہو، جس طرح زلیخہ اور اس کی عورتوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کو پھسلانے کی کوشش کی، وہ عورتیں حضرت یوسف کو سمجھانے لگیں کہ تم اپنی مالکہ کی بات مان لو، ان کے مقصد کو پورا کرو، بظاہر تو وہ یہ بات کر رہی تھیں لیکن دل ہی دل میں وہ خود بھی حضرت یوسف کے حسن و جمال کو دیکھ کر ان پر فریفتہ ہو چکی تھیں، اور اپنے دل حضرت یوسف کو دے چکی تھیں، اسی طرح عائشہؓ تم لوگ بھی مجھے بظاہر ایک بات کہہ رہی ہو جبکہ تمہارے دل میں بھی بات دوسری ہے، لہذا صواحب سے اگر صرف حضرت زلیخا مراد ہوں، تو یہ جمع تعظیماً ہوگی اور اگر صواحب سے زلیخا اور ان کی تمام عورتیں مراد ہوں تو پھر جمع کا لفظ اپنے اصل مفہوم کے لحاظ سے ذکر کیا گیا ہے۔(۱)

ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَجَدَ خِفَّةً، فَقَالَ: انْظُرُوا لِي مَنْ أَتَّكِئُ عَلَيْهِ، فَجَاءَتْ بَرِيرَةُ وَرَجُلٌ آخَرُ، فَاتَّكَأَ عَلَيْهِمَا فَلَمَّا رَآهُ أَبُو بَكْرٍ ذَهَبَ لِيَنْكُصَ فَأَوْمَأَ إِلَيْهِ أَنْ يَثْبُتَ مَكَانَهُ، حَتَّى قَضَى أَبُو بَكْرٍ صَلَاتَهُ۔

ترجمہ: پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طبیعت میں ہلکا پن محسوس کیا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو افاقہ ہوا تو فرمایا: میرے لیے اس شخص کو دیکھو، جس پر میں سہارا لگا سکوں (اور مسجد چلا جاؤں) چنانچہ بریرہ بنت صفوان اور ایک اور شخص آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کا سہارا لیا (اور مسجد تشریف لے گئے) جب صدیق اکبرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو پیچھے ہٹنے لگے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو اشارہ کیا کہ وہ اپنی جگہ پر ہی ثابت رہیں، یہاں تک کہ ابو بکرؓ نے اپنی نماز کو مکمل کر

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۶۶۔

لیا۔

مشکل الفاظ کے معنی:۔ خفة: (خا کے نیچے زیر اور فا پر زبر وتشدید) ہلکا پن، افاقہ، من اتکی علیه: (صیغہ متکلم) وہ شخص جس پر میں سہارا لے سکوں، لینکص: تا کہ ابوبکر لوٹیں یعنی وہ اپنی جگہ سے ہٹنے لگے، فأومأ الیه: نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبر کو اشارہ کیا، ان یثبت مکانه: کہ صدیق اکبر اپنی جگہ پر جمے رہیں، کھڑے رہیں، حتی قضی: یہاں تک کہ صدیق اکبرؓ نے مکمل کر لیا۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الوفات میں دو مرتبہ جماعت کے ساتھ مسجد میں نماز پڑھی

مذکورہ حدیث میں ہے کہ مرض الوفات میں جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کچھ افاقہ ہوا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت بریرہ بنت صفوانؓ اور ایک اور شخص یعنی حضرت نوبہ رضی اللہ عنہ کے سہارے مسجد کے دروازے تک تشریف لائے، پھر آگے دو صحابہ کرامؓ کے سہارے مسجد میں تشریف لائے، حضرت صدیق اکبرؓ اس وقت نماز پڑھا رہے تھے، انہوں نے جب محسوس کر لیا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف لا چکے ہیں تو اپنی جگہ سے پیچھے ہٹنے لگے، مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انہیں اشارہ کیا کہ آپ اپنی جگہ پر ہی رہیں، چنانچہ صدیق اکبر نے وہ نماز مکمل کر لی۔

مرض الوفات میں جب مسجد تشریف لائے تو کیا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی یا مقتدی کی حیثیت سے صدیق اکبرؓ کی اقتداء میں نماز ادا کی، اس بارے میں دو قسم کی روایات منقول ہیں:

- بعض صحیح روایات میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھائی، صدیق اکبرؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اقتداء کر رہے تھے اور لوگ صدیق اکبرؓ کو دیکھ کر نماز پڑھ رہے تھے، صدیق اکبرؓ نے جہاں قراءت چھوڑی تھی، اس سے آگے حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شروع کی، اور یہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خصوصیت ہے کہ دوران نماز صدیق اکبر پیچھے ہٹ گئے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نماز پڑھانا شروع کر دی، دوسروں کے لیے شرعی عذر کے بغیر ایسا کرنا جائز نہیں۔
- بعض روایتوں میں یہ ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کو اپنی جگہ سے ہٹنے سے منع کر دیا تھا، کہ تم اپنی جگہ پر رہو اور خود قریب جا کر بیٹھ گئے، اور صدیق اکبرؓ نے اپنی امامت جاری رکھی۔

علامہ عینی رحمہ اللہ نے ان دونوں قسم کی روایات میں یوں تطبیق دی ہے کہ اصل میں یہ دونوں الگ الگ واقعات ہیں:

- ایک واقعہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم امام بن گئے تھے اور صدیق اکبر مقتدی ہو گئے تھے، اور یہ شب جمعہ کی عشاء کی نماز کا واقعہ نہیں ہے بلکہ اس سے پہلے کسی نماز کا یہ واقعہ ہے، کیونکہ مرض الوفات تقریباً چودہ دن تک رہی ہے۔
- دوسرے واقعہ میں حضرت صدیق اکبرؓ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی جگہ رہ کر نماز پڑھانے کا حکم دیا اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مقتدی کی حیثیت سے جماعت میں شامل ہو گئے، اور یہ واقعہ بھی شب جمعہ سے پہلے کسی نماز کا ہے، کیونکہ شب جمعہ کی عشاء کی نماز سے پیر

کی صبح کی نمازتک سترہ نمازیں صدیق اکبرؓ نے پڑھائیں، ان میں نبی کریم ﷺ شریک نہیں ہو سکے تھے۔(۱)

شمائل کی مذکورہ روایت میں ہے: حَتّٰی قَضٰی اَبُوْبَکْرٍ صَلَاتَهٗ (یہاں تک کہ ابوبکر نے اپنی نماز کو مکمل کر لیا) نبی کریم ﷺ نے صدیق اکبر کو اپنی جگہ کھڑے رہنے کا اشارہ فرمایا تو انہوں نے نماز مکمل کر لی، آیا نبی کریم ﷺ جماعت میں شامل ہوئے یا نہیں، ان الفاظ سے کچھ بھی ثابت نہیں ہوتا، تاہم دوسری روایات کے لحاظ سے شارحین حدیث کے دو نقطہ نظر ہیں:

۱۔ علامہ بیجوری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے ظاہر سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ مقتدی کی حیثیت سے جماعت میں شامل ہو گئے تھے، چنانچہ بیہقی کی روایت میں اس کی تصریح ہے، اور حافظ ابن حجرؒ کی بھی یہی رائے ہے۔(۲)

۲۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ مذکورہ روایت کے ظاہر سے یہی لگتا ہے کہ نبی کریم ﷺ صدیق اکبرؓ کو اپنی جگہ رہنے کا اشارہ کرنے کے بعد اپنے حجرے میں تشریف لے گئے، آپ ﷺ نے اس موقع پر صدیق اکبر کی اقتداء نہیں کی، اور جس نماز میں آپ ﷺ نے صدیق اکبر کی اقتداء میں نماز پڑھی ہے، وہ مرض الوفات کے ایام میں ہی کسی دن کا واقعہ ہے، تاہم شب جمعہ سے پہلے کسی نماز میں آپ ﷺ نے اقتداء کی ہے، شب جمعہ عشاء کی نماز سے وفات تک تمام نمازیں حضور اکرم ﷺ کے حکم سے حضرت صدیق اکبرؓ نے پڑھائی ہیں۔

فجاءت بریرہ و رجل اٰخر اس حدیث میں حضرت بریرہ اور ایک اور شخص یعنی حضرت نوبہ رضی اللہ عنہ کا ذکر ہے، جو ایک کالے غلام تھے، ان کے سہارے نبی کریم ﷺ مسجد کے دروازے تک تشریف لائے، شیخین کی روایت میں حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ کے سہارے کا ذکر ہے، دارقطنی کی روایت میں حضرت اسامہ بن زید اور حضرت فضل بن عباسؓ کا ذکر ہے، اور ابن سعدؒ کی روایت میں حضرت فضل اور ثوبان کا ذکر ہے کہ ان کے سہارے پر نبی کریم ﷺ تشریف لائے، ان روایات میں تعارض نہیں ہے، کیونکہ یہ اس پر محمول ہیں کہ نبی کریم ﷺ مرض الوفات میں متعدد مرتبہ دو بندوں کے سہارے باہر تشریف لائے، کسی وقت ان دو بندوں نے آپ ﷺ کو سہارا دیا اور کسی وقت کسی اور نے یا یہ کہ برکت حاصل کرنے کے لیے باری باری دو دو صحابہ آپ ﷺ کو سہارا دیتے رہے، اس لیے ان روایات میں تعارض نہیں ہے۔(۳)

ثُمَّ إِنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ، فَقَالَ عُمَرُ: وَاللّٰهِ لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ إِلَّا ضَرَبْتُهُ بِسَيْفِي هٰذَا قَالَ: وَكَانَ النَّاسُ أُمِّيِّينَ لَمْ يَكُنْ فِيهِمْ نَبِيٌّ قَبْلَهُ، فَأَمْسَكَ النَّاسُ، فَقَالُوا: يَا سَالِمُ، انْطَلِقْ إِلَى صَاحِبِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَادْعُهُ، فَأَتَيْتُ أَبَا بَكْرٍ وَهُوَ فِي

---

(۱) عمدة القاري ۵/۱۸۸، کتاب الأذان، باب حد المریض ان یشهد الجماعة، رقم الحدیث: ۵٦، ط: کوئٹه، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ٦٦١)

(۲) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ٦٦١)، فتح الباري ۲/۱۹۷، کتاب الاذان، باب حد المریض ان یشهد الجماعة، رقم الحدیث: ٦٦٤

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲٦۷، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ٦٦٠)

الْمَسْجِدِ فَأَتَيْتُهُ أَبْكِي دَهِشًا ، فَلَمَّا رَآنِي قَالَ : أَقُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قُلْتُ : إِنَّ عُمَرَ يَقُولُ : لَا أَسْمَعُ أَحَدًا يَذْكُرُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قُبِضَ إِلَّا ضَرَبْتُهُ بِسَيْفِي هَذَا ، فَقَالَ لِي : انْطَلِقْ ، فَانْطَلَقْتُ مَعَهُ ، فَجَاءَ هُوَ وَالنَّاسُ قَدْ دَخَلُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ : يَا أَيُّهَا النَّاسُ ، أَفْرِجُوا لِي ، فَأَفْرَجُوا لَهُ فَجَاءَ حَتَّى أَكَبَّ عَلَيْهِ وَمَسَّهُ ، فَقَالَ : { إِنَّكَ مَيِّتٌ وَإِنَّهُمْ مَيِّتُونَ } [ الزمر : ] ثُمَّ قَالُوا : يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ، أَقُبِضَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ : نَعَمْ ، فَعَلِمُوا أَنْ قَدْ صَدَقَ۔

ترجمہ: پھر رسول اللہ ﷺ کی روح مبارک کو قبض کرلیا گیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اللہ کی قسم میں کسی کو یہ ذکر کرتے ہوئے نہ سنوں کہ وہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کی وفات ہوگئی ہے، ورنہ میں اپنی اس تلوار سے اس کی گردن اڑادوں گا، سالم کہتے ہیں: لوگ ان پڑھ تھے، ان میں نبی کریم ﷺ سے پہلے کوئی نبی نہیں گذرا تھا، چنانچہ لوگ (حضرت عمر کے ڈر سے) یہ بات کہنے سے رک گئے، بعض صحابہؓ نے کہا: اے سالم تم رسول اللہ ﷺ کے ساتھی کی طرف جاؤ اور انہیں بلا کر لاؤ، چنانچہ میں صدیق اکبرؓ کے پاس آیا، وہ اس وقت مسجد میں تھے، میں ان کے پاس روتا ہوا اور حیران وششدر ہوکر آیا، جب انہوں نے مجھے اس حالت میں دیکھا تو مجھ سے دریافت فرمایا: کیا حضور اکرم ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے؟ میں نے عرض کیا: عمر کہتے ہیں کہ میں کسی کو یہ کہتے ہوئے نہ سنوں کہ وہ کہے کہ رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے، ورنہ میں اپنی اس تلوار سے اس کی گردن اڑادوں گا، اس پر صدیق اکبرؓ نے مجھے فرمایا کہ چلو، تو میں صدیق اکبرؓ کے ساتھ چل پڑا، چنانچہ صدیق اکبرؓ تشریف لائے، اس وقت لوگ حضور اقدس ﷺ کے پاس داخل ہوچکے تھے، صدیق اکبرؓ نے فرمایا: اے لوگو! میرے لیے جگہ خالی کردو یعنی مجھے راستہ دو، تو صدیق اکبر (حضور اکرم ﷺ کے پاس) آئے، یہاں تک کہ وہ حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوگئے اور آپ ﷺ کو چھویا یعنی بوسہ دیا، اور یہ آیت پڑھی: اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ (اے نبی بے شک تم بھی وفات پانے والے ہو اور وہ سب دشمن بھی مرنے والے ہیں) پھر صحابہ کرامؓ نے پوچھا: اے رسول اللہ ﷺ کے خصوصی دوست: کیا رسول اللہ ﷺ کا انتقال ہوگیا ہے؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: جی ہاں (آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرماگئے ہیں) اس وقت صحابہ کرامؓ کو یقین ہوگیا کہ صدیق اکبرؓ سچ کہہ رہے ہیں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** امیین: اُمّی کی جمع ہے: ان پڑھ، ناخواندہ، امسک الناس: لوگ حضور ﷺ کی موت کی بات کرنے سے رک گئے، دھشا: حیران وششدر ہوکر، پریشان ہوکر، افرجوا لی: (صیغہ امر) میرے لیے جگہ خالی کردو، میرے لیے راستہ چھوڑ دو، حتی اکب علیہ: یہاں تک کہ صدیق اکبر حضور ﷺ کی طرف متوجہ ہوگئے، یعنی آپ ﷺ پر گر گئے، ومسہ: اور آپ ﷺ کو چھویا یعنی بوسہ دیا، فعلموا: اس وقت صحابہ کرامؓ کو یقین آیا، ان قد صدق: کہ صدیق اکبر

سچ کہہ رہے ہیں۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات کے بعد صحابہ کرام کی کیفیت

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے انتقال کے بعد تمام صحابہ کرام پر غم وحزن کی عجیب وغریب کیفیت طاری ہوئی، غم سے اس قدر نڈھال ہوگئے تھے کہ ان سے بولا بھی نہیں جاتا تھا، حضرت عثمانؓ پر سکتہ طاری ہوگیا تھا، حضرت عائشہؓ اور دوسری ازواج مطہرات کا رورو کر برا حال ہوگیا، حضرت علیؓ روتے روتے بے ہوش ہوگئے، حضرت عمرؓ نے تلوار سونت لی، اور یہ اعلان کیا کہ جو شخص یہ کہے گا کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا ہے تو میں اپنی اس تلوار سے اس کی گردن اڑا دوں گا، حدیث کے راوی حضرت سالم بن عبیدؓ فرماتے ہیں کہ لوگ ان پڑھ تھے، انہیں لکھنا پڑھنا نہیں آتا تھا، اور صحابہؓ کو اس سے پہلے کسی نبی کی وفات کا تجربہ بھی نہیں تھا کیونکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے کوئی نبی ان میں نہیں آیا تھا، اس لیے جب حضرت عمرؓ نے ان سے یہ کہا کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات نہیں ہوئی، جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی بات کرے گا تو میں اسے ماردوں گا، اس ڈر سے سب لوگ سہم گئے، کسی کو یہ بات کرنے کی ہمت اور جسارت نہیں تھی۔

بعض صحابہؓ نے حضرت سالم بن عبید سے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص ساتھی یعنی صدیق اکبرؓ کو دیکھو، ان کو بلا کر لاؤ، وفات کے وقت حضرت صدیق اکبرؓ موجود نہیں تھے، وفات والے دن یعنی پیر کی صبح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت مبارک کو افاقہ ہوا تو صدیق اکبر نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے ملاقات کی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی کہ میں اپنی دوسری بیوی خارجہ کے پاس جانا چاہتا ہوں، یہ مدینہ منورہ سے ایک میل کے فاصلے پر مقام "سنح" پر رہائش پذیر تھیں، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو جانے کی اجازت دے دی، صدیق اکبرؓ وہاں تشریف لے گئے، ادھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت خراب ہونا شروع ہوگئی، یہاں تک کہ زوال کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہوگیا، پریشانی کے اس عالم میں صحابہ کرامؓ نے حضرت سالم کو صدیق اکبرؓ کی طرف بھیجا کہ وہ آجائیں تاکہ یہ مسئلہ حل ہوجائے، یہ وہاں پہنچے تو صدیق اکبرؓ مقام سنح کی محلہ کی مسجد میں تھے، یا بقول بعض وہ غلام کے بتانے پر واپس مسجد نبوی میں پہنچ چکے تھے، بہرحال صدیق اکبرؓ آئے، تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس تشریف لے گئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک پر چادر پڑی ہوئی تھی، انہوں نے چہرے سے چادر ہٹائی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی مبارک کو بوسہ دیا، اور لَا يَجْمَعُ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَوْتَتَيْنِ کہا کہ وہ موت جو اللہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مقدر میں لکھی تھی، اس کے مطابق آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی ہے، اس کے بعد اور کوئی موت آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نہیں آئے گی، پھر مسجد نبوی میں آئے، صحابہ کرامؓ کا مجمع تھا، کسی کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہا جائے اور کیا کیا جائے۔

حضرت عمرؓ اپنے قابو میں نہیں تھے، اور صحابہؓ ان کی اس کیفیت کو دیکھ کر خوف وہراس میں مبتلی تھے، حضرت صدیق اکبرؓ نے عمرؓ کو چھیڑنا اور ٹوکنا مناسب نہیں سمجھا، مسجد کے ایک کونے میں چلے گئے، جدھر وہ گئے مجمع ادھر ہی منتقل ہوگیا پھر حضرت صدیق

اکبرؓ نے صحابہ کرام کے سامنے ایک خطبہ ارشاد فرمایا: اس میں پہلے یہ آیات تلاوت کیں: اِنَّکَ مَیِّتٌ وَّاِنَّهُمْ مَّیِّتُوْنَ (اے نبی بیشک تم بھی وفات پانے والے ہو اور وہ سب دشمن بھی وفات پانے والے ہیں) وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ، قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ، (ترجمہ: اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم ایک رسول ہی تو ہیں، ان سے پہلے بہت سے رسول گذر چکے ہیں) وَكُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ۔ (ترجمہ: اور ہر جاندار کو موت کا مزہ چکھنا ہے) اور یہ آیت پڑھی: كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ۔ (ترجمہ: اس زمین میں جو کوئی ہے، فنا ہونے والا ہے)

ان آیات کے بعد بڑے اعتماد اور قوت سے کہا: مَنْ كَانَ مِنْكُمْ يَعْبُدُ مُحَمَّدًا فَاِنَّ مُحَمَّدًا قَدْ مَاتَ، وَمَنْ كَانَ يَعْبُدُ اللّٰهَ فَاِنَّ اللّٰهَ حَيٌّ لَا يَمُوْتُ (تم میں سے جو شخص محمد کی عبادت کرتا تھا تو خوب سن لو کہ محمد کی تو وفات ہو چکی ہے اور جو شخص اللہ جل جلالہ کی عبادت کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ زندہ ہے، اسے کبھی موت نہیں آئے گی)

حضرت ابوبکر صدیق کے اس خطبہ میں اللہ جل جلالہ نے ایسا اثر ڈالا کہ تمام صحابہ کو اطمینان ہو گیا اور یہ یقین آ گیا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا ہے، کئی صحابہ نے کہا کہ یہ آیتیں ذہن میں نہیں رہی تھیں، جب صدیق اکبر نے ان آیات کی تلاوت کی تو صحابہ کرامؓ کے ذہنوں میں بھی یہ آیتیں مستحضر ہو گئیں۔(۱)

قَالُوْا: يَا صَاحِبَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَيُصَلّٰى عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالُوْا: وَكَيْفَ؟ قَالَ: يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيُكَبِّرُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَدْعُوْنَ، ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ، ثُمَّ يَدْخُلُ قَوْمٌ فَيُكَبِّرُوْنَ وَيُصَلُّوْنَ وَيَدْعُوْنَ، ثُمَّ يَخْرُجُوْنَ، حَتّٰى يَدْخُلَ النَّاسُ۔

ترجمہ: پھر لوگوں نے پوچھا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خاص دوست! کیا ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھیں گے؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: جی ہاں (پڑھیں گے) لوگوں نے کہا: کس طرح پڑھیں؟ صدیق اکبر نے فرمایا: کچھ لوگ (حجرے میں) داخل ہوں، تو وہ (چار) تکبیریں کہیں، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود پڑھیں اور دعا کریں پھر وہ باہر آ جائیں، یہاں تک کہ (اس طرح) سب لوگ داخل ہو جائیں (اور تنہا تنہا نماز جنازہ پڑھ کر واپس آتے جائیں)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ فیکبرون: پھر وہ نماز جنازہ کی چار تکبیریں کہیں، یدعون: وہ لوگ دعا کریں، یصلون: وہ لوگ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجیں، پڑھیں۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ ہر شخص نے اکیلے اکیلے پڑھی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے موقع پر بعض ایسے امور پیش آئے تھے، جن کا وقوع اس سے پہلے صحابہ کرامؓ کے سامنے نہیں ہوا تھا، سوائے بعض صحابہ کرامؓ کے کہ ان کے علم میں یہ چیزیں تھیں، ان میں سرفہرست حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں۔

---

(۱) مسند الامام احمد ۵۰۸/۱۰، مسند عائشة رضی الله عنها، رقم الحديث: ۲۶۵۹۲، ط: بیروت، جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۶۹/۲، سیرت المصطفی ۷۹/۳، صحابہ کا اضطراب۔

صحابہ کرام نے ان سے پوچھا کہ کیا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی؟ ان کے ذہنوں میں یہ بات آئی کہ نماز جنازہ تو گناہوں کی معافی کے لیے ہوتی ہے، تاکہ مرحوم کی مغفرت ہوجائے، جبکہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تو گناہوں سے معصوم اور پاک صاف ہیں، ایسے میں پھر ان کی نماز جنازہ شاید نہ پڑھی جائے، اس خدشہ کی وجہ سے انہوں نے سوال کیا، صدیق اکبرؓ نے انہیں بتایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گو کہ گناہوں سے معصوم ہیں، مگر ان کی نماز جنازہ مزید درجات کی بلندی کے لیے پڑھی جائے گی، پھر لوگوں نے پوچھا کہ نماز جنازہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر کیسے پڑھی جائے گی؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے بتایا کہ کچھ لوگ حجرہ مبارک میں داخل ہوں، وہ اکیلے اکیلے آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر نماز جنازہ پڑھیں، اس کی مزید تفصیل درج ذیل روایات میں ملاحظہ فرمائیں:

۞ حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ صحابہ کرامؓ منگل کے دن جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تجہیز وتکفین سے فارغ ہوئے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی چارپائی کو قبر کے کنارے پر رکھ دیا گیا، گروہوں کی شکل میں صحابہ کرام کمرے میں داخل ہوتے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فرداً فرداً نماز جنازہ پڑھتے، جب مرد فارغ ہوگئے تو اس کے بعد عورتوں نے، ان کے بعد پھر بچوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی۔(۱)

۞ ابن دحیہ فرماتے ہیں کہ تیس ہزار آدمیوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی۔(۲)

۞ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

رُوِيَ عَنْ عَلِيٍّ كَرَّمَ اللّٰهُ وَجْهَهُ أَنَّهُ قَالَ: لَا يَؤُمُّ أَحَدُكُمْ عَلَيْهِ لِأَنَّهُ اِمَامُكُمْ حَالَ حَيَاتِهِ وَحَالَ مَمَاتِهِ۔

ترجمہ: حضرت علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں: تم میں سے کوئی شخص حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی جنازہ کی نماز میں امامت نہ کرے، کیونکہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم زندگی اور موت دونوں حالتوں میں تمہارے امام ہیں۔

ہر شخص کا تنہا تنہا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھنا یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے۔(۳)

۞ ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بعض روایتوں میں منقول ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس انداز سے فرداً فرداً نماز جنازہ پڑھنے کی وصیت فرمائی تھی، اس لیے اس انداز سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔(۴)

۞ مسند بزار اور مستدرک حاکم میں روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مرض الوفات میں ایک دن اہل بیت کو حضرت عائشہؓ کے گھر میں جمع فرمایا، اہل بیت نے دریافت کیا یارسول اللہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ کون پڑھائے گا؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جب تم لوگ میری تجہیز وتکفین سے فارغ ہوجاؤ، تو مجھے چارپائی پر رکھ کر تھوڑی دیر کے لیے باہر نکل جانا، سب سے پہلے مجھ پر

---

(۱) سنن ابن ماجۃ ۱۵۲۰/۲ الجنائز باب ذکر وفاتہ ودفنہ صلی اللہ علیہ وسلم، رقم الحدیث: ۱۶۲۸، ط: بیروت۔

(۲) سیرت مصطفی ۹۴/۳، نماز جنازہ، بحوالہ نیل الاوطار للشوکانی۔

(۳) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۲۷۲

(۴) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۲۷۲

جبرئیل نماز پڑھیں گے پھر میکائیل پھر اسرافیل پھر موت کا فرشتہ اپنے تمام لشکروں کے ساتھ، اس کے بعد تم ایک ایک گروہ کر کے اندر آنا اور مجھ پر صلاۃ وسلام یعنی نماز جنازہ پڑھنا۔(۱)

۞ علامہ بیجوری فرماتے ہیں کہ ساٹھ ہزار فرشتوں نے اور تیس ہزار انسانوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ پڑھی تھی، صلی اللہ علیہ وسلم۔(۲)

قَالُوا: يَا صَاحِبَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ، أَيُدْفَنُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ؟ قَالَ: نَعَمْ، قَالُوا: أَيْنَ؟ قَالَ: فِي الْمَكَانِ الَّذِي قَبَضَ اللّٰهُ فِيهِ رُوحَهُ، فَإِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَقْبِضْ رُوحَهُ إِلَّا فِي مَكَانٍ طَيِّبٍ. فَعَلِمُوا أَنْ قَدْ صَدَقَ، ثُمَّ أَمَرَهُمْ أَنْ يَغْسِلَهُ بَنُو أَبِيهِ۔

ترجمہ: پھر لوگوں نے پوچھا! اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص دوست! کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دفن کیے جائیں گے؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: جی ہاں (دفن کیے جائیں گے) لوگوں نے پوچھا: کہاں؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: اسی جگہ پر دفن کیے جائیں گے، جس جگہ میں اللہ جل شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح مبارک کو قبض کیا ہے، اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی روح کو پسندیدہ اور اچھی جگہ پر ہی قبض فرمایا ہے، صحابہ کو یقین آ گیا کہ صدیق اکبرؓ سچ فرما رہے ہیں (یعنی انہیں اطمینان آ گیا) پھر صدیق اکبرؓ نے لوگوں کو حکم دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے خاندان کے لوگ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دیں۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تجہیز و تکفین اور غسل

حدیث کے مذکورہ حصے میں تین امور کا تذکرہ ہے، جن کی تفصیل یہ ہے:

۱۔ لوگوں نے صدیق اکبرؓ سے پوچھا کہ کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا یا زمین پر ہی رکھ دیا جائے گا، کیونکہ نبی کا جسم تو تغیر و تبدل سے محفوظ ہوتا ہے یا یہ کہ آسمان پر اٹھائے جانے کا انتظار کیا جائے گا، یہ باتیں ان کے ذہن میں تھیں، صدیق اکبر نے جواب دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا جائے گا، جس طرح کہ تمام انبیاء اور رسولوں کو وفات کے بعد دفن کیا جاتا رہا، یہی سنت چلی آ رہی ہے۔

۲۔ پوچھا کہ کس مقام پر دفن کیے جائیں گے: مسجد نبوی میں، مکہ مکرمہ میں یا شام میں؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ جس جگہ پر نبی کی روح کو قبض کیا جاتا ہے، اسی مقام پر اسے دفن بھی کیا جاتا ہے، کیونکہ وہ جگہ اللہ جل جلالہ کے ہاں سب سے پسندیدہ اور اچھی

---

(۱) المستدرک علی الصحیحین ۳/۶۷، کتاب المغازی والسرایا، رقم الحدیث: ۴۴۵۴ ط: دارالفکر، بیروت، کنز العمال ۱۱/۶۱۲، رقم الحدیث ۳۲۱۹۵، کتاب الفضائل، فضائل نبینا محمد صلی اللہ علیہ وسلم،

(۲) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ٦٦٤)

ہوتی ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی مقام پر دفن کیا گیا ہے، اس بارے میں حضرت علی کا بھی ارشاد ہے کہ جس جگہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی وہ خطہ سب سے افضل ہے، چنانچہ علماء کرام فرماتے ہیں کہ زمین کا جو حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم کے ساتھ متصل ہے، وہ بیت اللہ سے بھی افضل ہے۔

۳۔ منگل کے دن جب سب لوگوں نے صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر مسجد نبوی میں عمومی بیعت کر لی تو اس کے بعد صدیق اکبرؓ نے لوگوں کو حکم دیا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قریبی رشتہ داروں کو موقع دیں، تا کہ وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو غسل دے سکیں، جب غسل دینے کا وقت آیا تو یہ سوال پیدا ہوا کہ عام مردوں کی طرح کیا حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کپڑے بھی اتار کر غسل دیا جائے گا یا یہ کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کپڑوں کے ساتھ ہی غسل دیا جائے گا؟ یہ بات صحابہ کرامؓ میں زیر بحث تھی کہ اچانک سب پر ایک غنودگی سی طاری ہو گئی، اور اونگھ کی وجہ سے ان کے سر سینہ کے ساتھ لگنے لگے پھر کمرے کے کونے سے ایک غیبی آواز آئی کہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ نہ کرو، انہیں کپڑوں میں ہی غسل دو، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قمیص میں ہی نہلایا گیا، غسل کے وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو برہنہ نہیں کیا گیا بلکہ قمیص کے اوپر سے ہی پانی ڈالا جاتا رہا اور ہاتھ سے ملتے رہے۔

غسل کے عمل میں حضرت علی، حضرت عباسؓ اور ان کے دو بیٹے حضرت فضل بن عباسؓ، حضرت قثم بن عباسؓ، حضرت اسامہ بن زید اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے آزاد کردہ غلام حضرت شقران رضی اللہ عنہم شریک تھے، حضرت علی رضی اللہ عنہ غسل دے رہے تھے اور حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے حضرت فضل اور حضرت قثم کروٹیں بدلتے تھے، اور حضرت اسامہ اور حضرت شقران پانی ڈالنے پر مامور تھے، غسل کے وقت پردے کا بہت ہی زیادہ اہتمام کیا گیا۔(۱)

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تدفین اور قبر

منگل اور بدھ کی درمیانی شب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دفن کیا گیا، بغلی قبر بنائی گئی تھی، حضرت علیؓ، حضرت عباسؓ اور ان کے دونوں صاحبزادے حضرت فضل اور حضرت قثم رضی اللہ عنہم نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے جسد مبارک کو قبر میں اتارا، جب دفن سے فارغ ہوئے تو کوہان نما آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر بنائی گئی، اور اس پر پانی چھڑکا گیا۔

حضرات صحابہ کرامؓ دفن سے فارغ ہوئے تو اس غم پر خون کے آنسو روتے ہوئے اور انا للہ وانا الیہ راجعون پڑھتے ہوئے گھروں کو واپس ہوئے، صلی اللہ علیہ وسلم۔

**وَاجْتَمَعَ الْمُهَاجِرُونَ يَتَشَاوَرُونَ، فَقَالُوا: انْطَلِقْ بِنَا إِلَى إِخْوَانِنَا مِنَ الْأَنْصَارِ نُدْخِلُهُمْ مَعَنَا فِي هَذَا الْأَمْرِ، فَقَالَتِ الْأَنْصَارُ: مِنَّا أَمِيرٌ وَمِنْكُمْ أَمِيرٌ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ: مَنْ لَهُ مِثْلُ هَذِهِ الثَّلَاثِ {ثَانِيَ اثْنَيْنِ إِذْ هُمَا**

---

(۱) السيرة النبوية لابن هشام ۲۲۱/۴، جهاز رسول الله صلى الله عليه وسلم و دفنه، ط: پشاور، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ۶۶۵)

فِي الْغَارِ إِذْ يَقُولُ لِصَاحِبِهِ لَا تَحْزَنْ إِنَّ اللهَ مَعَنَا} [التوبة: ] مَنْ هُمَا؟ قَالَ: ثُمَّ بَسَطَ يَدَهُ فَبَايَعَهُ وَبَايَعَهُ النَّاسُ بَيْعَةً حَسَنَةً جَمِيلَةً.

ترجمہ: اور مہاجرین (خلیفہ کی تعیین کے لیے) مشورہ کرنے کے لیے جمع ہو گئے، تو بعض مہاجرین نے کہا: آپ ہمیں انصاری بھائیوں کے پاس لے چلیں ہم ان کو (بھی) اپنے ساتھ اس معاملہ میں شامل کرتے ہیں، چنانچہ انصارؓ نے کہا: ہم میں سے یعنی انصار میں سے ایک امیر ہو اور تم مہاجرین میں سے ایک الگ امیر ہو، اس پر حضرت عمرؓ بن خطاب نے فرمایا: کون ہے وہ شخص جس کے لیے یہ تین فضیلتیں ثابت ہوں: ثانی اثنین... (ترجمہ: وہ دو آدمیوں میں سے دوسرے تھے، جب وہ دونوں غار میں تھے، جب وہ اپنے ساتھی سے کہہ رہے تھے کہ "غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے) (تم ہی بتاؤ کہ) وہ دونوں کون تھے؟ (جن کا اس آیت میں ذکر ہے، کس قدر فضیلت کا بیان ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبر کے لیے) راوی کہتے ہیں: پھر حضرت عمرؓ نے بیعت کے لیے اپنا ہاتھ پھیلایا اور حضرت ابوبکرؓ سے بیعت کر لی، اور اس کے بعد سقیفہ میں موجود تمام لوگوں نے حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بڑے اچھے اور خوبصورت انداز سے بیعت کر لی (کسی پر کوئی جبر و اکراہ نہیں تھا)۔

## ثقیفۂ بنی ساعدہ میں صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر خصوصی بیعت

پیر کے دن زوال کے وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی، اسی شام کو حضرات انصار سقیفہ بنی ساعدہ میں جمع ہوئے تا کہ وہ حضرت سعد بن عبادہ کے ہاتھ پر بیعت کر لیں، یہ خبر جب حضرات مہاجرین کو پتہ چلی تو حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر فاروقؓ سقیفہ میں تشریف لے گئے، تا کہ باہمی مشورہ سے ایک متفقہ امیر منتخب ہو جائے، وہاں دیکھا کہ حضرت سعد بن عبادہ مرض کے باوجود کمبل اوڑھے بیٹھے ہیں، خلافت کے مسئلہ پر بات چیت شروع ہوئی، ایک انصاری صحابیؓ حضرت حباب بن منذر رضی اللہ عنہ نے کہا کہ دو امیر ہونے چاہئیں: ایک انصار میں سے اور دوسرا مہاجرین میں ہو، اور دونوں امیر باہمی صلاح اور مشورہ سے خلافت کے کام سرانجام دیں۔

پھر صدیق اکبر نے گفتگو کی، پہلے انصار کی ان خدمات کا تذکرہ کیا، جو انہوں نے اسلام کی سربلندی کے لیے کی تھیں، مگر خلافت کے مسئلہ میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بڑے واضح انداز سے فرمایا: الائمۃ من قریش، خلفاء اور امراء قبیلہ قریش سے ہوں گے، یہ حدیث حضرت سعد بن عبادہ نے بھی حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے حضرت صدیق اکبرؓ کی موجودگی میں سنی تھی، بعد میں صدیق اکبرؓ نے انہیں یاد دلایا تھا، اور صحیح بخاری کی روایت میں ہے کہ صدیق اکبرؓ نے انصار کے جواب میں فرمایا:

مَا ذَكَرْتُمْ مِنْ خَيْرٍ فَأَنْتُمْ أَهْلٌ، وَمَا تَعْرِفُ الْعَرَبُ هٰذَا الْأَمْرَ إِلَّا لِهٰذَا الْحَيِّ مِنْ قُرَيْشٍ هُمْ أَوْسَطُ الْعَرَبِ نَسَبًا وَدَارًا۔

ترجمہ: اے انصار کی جماعت! تم نے جو اپنی خوبیاں اور فضائل بیان کیے ہیں، بلاشبہ تم اس کے اہل ہو، کیونکہ عرب اس امر خلافت کو قبیلہ قریش کے سوا کسی کے لیے قبول نہیں کریں گے، کیونکہ قبیلہ قریش حسب ونسب اور دار کے لحاظ سے سب سے افضل اور برتر ہے۔

اس کے علاوہ صدیق اکبرؓ نے اور بھی بہت سی گفتگو فرمائی، دلائل سے حضرات انصارؓ کو یہ بات سمجھائی، حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے فرمایا: افسوس کہ دو تلواریں ایک نیام میں نہیں آسکتیں، ایک عورت کے ایک ہی وقت میں دو شوہر نہیں ہو سکتے تو پھر ایک ملک کے دو امیر کیسے ہو سکتے ہیں، اس طرح وہ نظام کامیاب ہونے کے بجائے مزید خلفشار کا شکار ہو جاتا ہے، حضرت صدیق اکبر اور حضرت عمر فاروقؓ کی تفصیلی گفتگو سے مجمع میں خاموشی ہوگئی۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی روایت ہے کہ جب انصار نے یہ کہا کہ منا امیر ومنکم أمیر ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک تم میں سے ہو، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا: اے انصار کی جماعت! تمہیں معلوم ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے صدیق اکبرؓ کو اپنی زندگی میں امامت کرانے کا حکم دیا، ایسے میں پھر تم میں سے کون شخص ہے کہ جو ابوبکر پر پیش قدمی کرنا پسند کرے، انصار نے کہا: اللہ کی پناہ کہ ہم ابوبکر پر پیش قدمی کریں۔

اور شمائل کی مذکورہ حدیث میں حضرت عمر نے حضرت صدیق اکبر کی تین ایسی خصوصیتوں کا ذکر کیا ہے، جو صدیق اکبرؓ کے علاوہ کسی اور کو حاصل نہیں:

۱۔ اللہ جل شانہ نے قرآن مجید میں حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بارے میں فرمایا: ثانی اثنین اذ هما فی الغار، اس میں ابوبکر کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ثانی، تنہائی کا ساتھی اور یار غار ہونا بتایا گیا ہے۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اِذْ یَقُوْلُ لِصَاحِبِہٖ لَا تَحْزَنْ (جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ساتھی سے کہا: غم نہ کرو) تمام مفسرین کے نزدیک "صاحبہ" سے حضرت صدیق اکبرؓ مراد ہیں، گویا صدیق اکبرؓ کا صحابی ہونا اس آیت سے ثابت ہے، ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ بعض علماء فرماتے ہیں کہ جو شخص حضرت ابوبکرؓ کے صحابی ہونے کا انکار کرے، وہ کافر ہے، کیونکہ اس انکار سے درحقیقت وہ اللہ جل جلالہ کی اس آیت کا انکار کر رہا ہے، اور آیت کے انکار سے آدمی کافر ہو جاتا ہے۔(۱)

۳۔ اللہ جل جلالہ نے فرمایا: ان اللہ معنا، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم حضرت ابوبکرؓ کو غار ثور میں تسلی دیتے ہوئے فرما رہے ہیں کہ: اللہ ہمارے ساتھ ہے، اس میں "معنا" سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت صدیق اکبرؓ مراد ہیں۔

اس آیت میں ہجرت کے واقعہ کی طرف اشارہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے رفیق خاص حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے ساتھ مکہ مکرمہ سے نکلے تھے، اور تین دن تک غار ثور میں روپوش رہے تھے، مکہ مکرمہ کے کافر سرداروں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلاش کے لیے چاروں طرف لوگ دوڑائے ہوئے تھے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو گرفتار کرنے کے لیے سو اونٹوں کا انعام مقرر کیا ہوا تھا،

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲/۲۷۸

ایک مرتبہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے والے کھوجی غار ثور کے منہ تک پہنچ گئے، اور ان کے پاؤں حضرت صدیق اکبرؓ کو نظر آنے لگے، جس کی وجہ سے ان پر گھبراہٹ کے آثار ظاہر ہوئے، لیکن حضور سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر ان سے فرمایا تھا کہ "لا تحزن ان اللہ معنا، غم نہ کرو، اللہ ہمارے ساتھ ہے، چنانچہ اللہ تعالیٰ نے غار کے دہانے پر مکڑی سے جالا تنوادیا اور وہ لوگ اسے دیکھ کر واپس چلے گئے۔

یہ تین فضیلتیں حضرت ابوبکرؓ کے لیے قرآن مجید سے ثابت ہیں، اس آیت کے سیاق وسباق میں اور بھی خصوصیتیں منقول ہیں، جس میں اس طرف واضح اشارہ ہے کہ ابوبکر ہی سب سے افضل ہیں، اور وہی خلافت کے منصب کے لائق ہیں۔

اس کے بعد صدیق اکبر نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا: یہ عمرؓ اور ابوعبیدہؓ دونوں یہاں موجود ہیں، تم لوگ ان دونوں میں سے جس کے ہاتھ پر چاہو، بیعت کرلو، اس پر ان دونوں حضرات نے کہا: خدا کی قسم یہ ناممکن ہے کہ آپ کے ہوتے ہوئے ہم خلافت کے منصب پر فائز ہوں، آپ ہی تمام مہاجرین میں افضل ہیں، اسلام کے سب سے اہم رکن نماز میں آپ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلیفہ اور قائم مقام ہوئے، لہذا اے ابوبکر! آپ اپنا ہاتھ بڑھایئے، ہم آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتے ہیں۔

ایک روایت میں ہے کہ ابوبکرؓ نے عمرؓ سے کہا: تم ہاتھ آگے کرو تا کہ تمہارے ہاتھ پر بیعت کریں، عمرؓ نے ابوبکرؓ سے کہا: تم افضل ہو، ابوبکر نے جواب دیا: أَنْتَ أَقْوىٰ مِنِّي تم مجھ سے زیادہ قوی اور طاقتور ہو، اسی پر تکرار ہوتا رہا، آخر میں عمرؓ نے کہا: إِنَّ قُوَّتِي لَكَ مَعَ فَضْلِكَ یعنی میری قوت آپ کی فضیلت کے ساتھ مل کر کام کرے گی یعنی افضل امیر ہوگا یعنی آپ، اور زیادہ قوی اس کا وزیر ہوگا یعنی میں خود اس کا معاون اور مشیر ہوں گا۔

اس کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنا ہاتھ پھیلایا اور صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، اس کے بعد سب لوگوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے ہاتھ پر بیعت کی، حاصل یہ کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرات انصار اور حضرات مہاجرین کے اتفاق سے حضرت ابوبکر صدیقؓ کو خلیفہ نامزد کیا گیا، اور وہاں ان کے ہاتھ پر خصوصی بیعت کی گئی، اس سے انتشار اور فتنوں کا دروازہ بند ہوگیا۔

## مسجد نبوی میں حضرت صدیق اکبرؓ کے ہاتھ پر عمومی بیعت

پیر کے دن سقیفہ بنی ساعدہ میں ابتدائی بیعت ہوئی، جو انصار کی مجلس میں ہوئی، اس کے دوسرے دن یعنی منگل کو مسجد نبوی میں تمام صحابہ کرامؓ جمع ہوئے، جس میں تمام مہاجرین اور انصارؓ حضرات موجود تھے، پہلے حضرت عمرؓ نے ایک خطبہ دیا، جس میں انہوں نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے فضائل بیان کیے، اور کچھ دوسرے امور بھی ارشاد فرمائے، حضرت ابوبکر صدیقؓ خاموشی سے ان کا خطبہ سنتے رہے، حضرت عمرؓ نے اپنے خطبہ کے بعد اصرار کر کے صدیق اکبرؓ کو منبر پر بٹھایا، حضرت صدیق اکبرؓ منبر کی اس جگہ سے نیچے بیٹھے جس جگہ پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بیٹھا کرتے تھے، بیٹھنے کے بعد تمام لوگوں سے بیعت لی، بیعت سے فراغت کے بعد حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

أَمَّا بَعْدُ: أَيُّهَا النَّاسُ فَإِنِّي قَدْ وُلِّيتُ عَلَيْكُمْ وَلَسْتُ بِخَيْرِكُمْ فَإِنْ أَحْسَنْتُ فَأَعِينُونِي وَإِنْ أَسَأْتُ فَقَوِّمُونِي، اَلصِّدْقُ أَمَانَةٌ وَالْكَذِبُ خِيَانَةٌ وَالضَّعِيفُ فِيكُمْ قَوِيٌّ عِنْدِي حَتَّى أَرْجِعَ عَلَيْهِ حَقَّهُ إِنْ شَاءَ اللهُ وَالْقَوِيُّ فِيكُمْ ضَعِيفٌ، حَتَّى آخُذَ مِنْهُ الْحَقَّ إِنْ شَاءَ اللهُ، وَلَا يَدَعُ قَوْمٌ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللهِ، إِلَّا ضَرَبَهُمُ اللهُ بِالذُّلِّ، وَلَا تَشِيعُ الْفَاحِشَةُ فِي قَوْمٍ قَطُّ، إِلَّا عَمَّهُمُ اللهُ بِالْبَلَاءِ، أَطِيعُونِي مَا أَطَعْتُ اللهَ وَرَسُولَهُ، وَإِذَا عَصَيْتُ اللهَ وَرَسُولَهُ فَلَا طَاعَةَ لِي عَلَيْكُمْ، قُومُوا إِلَى صَلَاتِكُمْ رَحِمَكُمُ اللهُ۔

ترجمہ: اے لوگو! میں تمہارا والی اور امیر بنا دیا گیا ہوں، اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرنا، اور میں برا کام کروں تو میری اصلاح کرنا، سچائی ایک امانت ہے اور جھوٹ ایک خیانت ہے، اور جو شخص تم میں سے کمزور ہے، وہ میرے نزدیک طاقتور ہے، یہاں تک کہ میں اس کے حق کو لوٹا نہ دوں، اگر اللہ نے چاہا، اور جو تم میں قوی ہے وہ میرے نزدیک کمزور ہے، یہاں تک کہ میں اس سے حق وصول نہ کرلوں، جو قوم جہاد فی سبیل اللہ کو ترک کر دیتی ہے اللہ اس قوم کو ذلیل کرتا ہے، اور جس قوم میں بے حیائی اور بدکاری عام ہو جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ ان پر عمومی آزمائش اور مصیبت ڈال دیتے ہیں، لہٰذا تم لوگ میری اطاعت کرو جب تک کہ میں اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں، اور جب میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں تو پھر تم پر میری بات ماننا اور اطاعت کرنا نہیں، اب تم لوگ نماز کے لیے اٹھو، اللہ تم پر رحم فرمائے، آمین۔

وَقَالَ: وَاللهِ مَا كُنْتُ حَرِيصًا عَلَى الْإِمَارَةِ يَوْمًا وَلَيْلَةً قَطُّ وَلَا كُنْتُ رَاغِبًا وَلَا سَأَلْتُهَا اللهَ فِي سِرٍّ وَعَلَانِيَةٍ لٰكِنَّنِي أَشْفَقْتُ مِنَ الْفِتْنَةِ، وَمَا لِيَ مِنَ الْإِمَارَةِ مِنْ رَاحَةٍ، لَقَدْ قُلِّدْتُ أَمْرًا عَظِيمًا، مَالِي بِهِ مِنْ طَاقَةٍ وَلَا يَدٍ إِلَّا بِتَقْوِيَةِ اللهِ۔

ترجمہ: اور صدیق اکبرؓ نے خطبہ میں فرمایا: خدا کی قسم میں امارت اور خلافت کا کبھی خواہش مند نہیں ہوا، نہ دن میں اور نہ رات میں، اور نہ ہی کبھی اس کی طرف مائل ہوا اور نہ اللہ تعالیٰ سے علانیہ یا پوشیدہ طور پر میں نے کبھی امارت کی دعا مانگی، لیکن مجھے یہ خطرہ ہوا کہ کوئی فتنہ نہ کھڑا ہو جائے، (اس لیے با دل نخواستہ میں نے امارت کو قبول کر لیا) اور میرے لیے تو امارت میں کوئی آرام وسکون اور راحت نہیں، میری گردن پر ایک عظیم بوجھ ڈال دیا گیا، جس کے اٹھانے کی میرے اندر طاقت نہیں، مگر یہ کہ اللہ جل جلالہ ہی میری مدد فرمائے۔

حضرت صدیق اکبرؓ نے بیعت کے بعد دیکھا کہ اس مجمع میں حضرت علیؓ اور حضرت زبیرؓ موجود نہیں ہیں، ان دونوں حضرات کو بلوا کر صدیق اکبرؓ نے حضرت علیؓ سے فرمایا: اے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے داماد! کیا تم بیعت نہ کر کے مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا چاہتے ہو، یہی بات آپ نے حضرت زبیر سے بھی کی، حضرت علی اور حضرت زبیرؓ نے عرض کیا: اے خلیفہ رسول اللہ! آپ ہمیں ملامت نہ کریں، ہم مسلمانوں میں تفرقہ ڈالنا نہیں چاہتے اور عرض کیا:

قَالَ عَلِيٌّ وَالزُّبَيْرُ: مَا أَغْضَبَنَا إِلَّا أَنْ أُخِّرْنَا عَنِ الْمَشُوْرَةِ وَإِنَّا نَرٰى أَبَابَكْرٍ أَحَقَّ النَّاسِ بِهَا، إِنَّهُ لَصَاحِبُ الْغَارِ، وَإِنَّا لَنَعْرِفُ شَرَفَهُ وَخَيْرَهُ، وَلَقَدْ أَمَرَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بِأَنْ يُصَلِّيَ بِالنَّاسِ وَهُوَ حَيٌّ وَفِي رِوَايَةٍ عَنْ عَلِيٍّ أَنَّهُ رَضِيَهُ لِدِيْنِنَا أَفَلَا نَرْضَاهُ لِدُنْيَانَا.

ترجمہ: حضرت علیؓ اور زبیرؓ نے کہا: ہمیں صرف اس بات کا غصہ اور دکھ ہے کہ ہمیں خلافت کے مشورہ میں پیچھے رکھا گیا یعنی سقیفہ میں شریک نہیں کیا گیا، باقی یہ بات ہم یقین سے جانتے ہیں کہ لوگوں میں خلافت کے سب سے زیادہ حق دار صدیق اکبرؓ ہیں، وہ نبی کریم ﷺ کے یار غار ہیں، اور ہم ان کے فضل وشرف اور ان کی بھلائی کو بخوبی جانتے ہیں، اور یہ حقیقت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اپنی زندگی میں انہیں امام مقرر کیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھائیں، (یہ بھی ان کے افضل ہونے کی بہت بڑی دلیل ہے)

اور ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت علیؓ نے فرمایا: رسول اللہ ﷺ نے ابوبکرؓ کو ہمارے دین کے لیے پسند فرمایا تو کیا ہم ابوبکر کو اپنی دنیا (کی خلافت) کے لیے پسند نہ کریں۔

یہ بات کر کے ان دونوں حضرات نے حضرت ابوبکر کے ہاتھ پر بیعت کر لی، صدیق اکبر نے ان حضرات سے معذرت کی اور یہ کہا کہ میں تو اس منصب کو اپنے لیے پسند نہیں کرتا، نہ کبھی اس کی میں نے خواہش کی اور نہ ہی کبھی دعا مانگی مگر مجھے فتنہ کا اندیشہ تھا یعنی یہ اندیشہ ہوا کہ اگر خلافت کے معاملہ کو سقیفہ بنی ساعدہ میں تمہارے آنے اور تمہاری مدد تک مؤخر کر دوں تو ایسا نہ ہو کہ کوئی فتنہ کھڑا ہو جائے، اس لیے تمہاری غیر موجودگی میں ہی میں نے انصار کی مجلس میں سقیفہ میں بیعت لے لی۔(۱)

اس حدیث کی تشریح کے لیے مختصر سی یہ وضاحت لکھ دی گئی ہے، تاکہ خلافت صدیق سے متعلق تمام پہلو ہمارے سامنے آ جائیں اور کوئی خفاء اور ابہام باقی نہ رہے، اللہ تعالیٰ ہمیں سیدھے راستے پر ہی رکھے، اور غلط راستے اور فکر سے ہماری حفاظت فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ: لَمَّا وَجَدَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ كَرْبِ الْمَوْتِ مَا وَجَدَ، قَالَتْ فَاطِمَةُ: وَاكَرْبَاهُ، فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: لَا كَرْبَ عَلٰى أَبِيْكِ بَعْدَ الْيَوْمِ، إِنَّهُ قَدْ حَضَرَ مِنْ أَبِيْكِ مَا لَيْسَ بِتَارِكٍ مِنْهُ أَحَدًا الْمُوَافَاةَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.

ترجمہ: حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے جب موت کی بے چینی اور سختی محسوس کی جس قدر بھی محسوس کی تو حضرت فاطمہ نے کہا: ہائے میرے ابا کی بے چینی، اس پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا: آج کے بعد تیرے

(۱) اس کی تفصیل کے لیے دیکھیے: جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۷۹/۲ باب ما جاء فی وفاۃ رسول اللہ ﷺ، البدایۃ والنہایۃ ۲۴۴/۵ فصل فی ذکر امور مہمۃ وقعت بعد وفاتہ ﷺ وقبل دفنہ، المکتبۃ القدوسیۃ، لاھور

ابو پر کوئی بے چینی اور تکلیف نہیں ہوگی، بیشک آج آپ کے ابو پر ایک ایسی چیز اتری ہے یعنی موت جس سے قیامت تک اللہ تعالیٰ کسی کو چھوڑنے والے نہیں ہیں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** کرب: (کاف پر زبر اور را ساکن) بے چینی، غم، پریشانی، سختی، ما وجد: جس قدر بھی سختی آپ ﷺ نے محسوس کی، واکرباہ: ہائے میرے ابو کی بے چینی اور سختی، ما لیس بتارک منه: وہ چیز یعنی وفات جس سے اللہ تعالیٰ کسی کو چھوڑنے والے نہیں، یہ صلہ موصول مل کر "حضر" کا فاعل ہے اور "لیس" کی ضمیر اللہ تعالیٰ کی طرف لوٹ رہی ہے، یوم القیامة: اصل عبارت اس طرح ہے: الی یوم القیامة: قیامت کے دن تک۔

## آپ ﷺ کی موت کے وقت بے چینی

نبی کریم ﷺ کی موت کے وقت بے چینی کی کیفیت جب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے دیکھی تو بہت پریشان ہوگئیں اور کہنے لگیں: واکرباہ ہائے میرے ابو کی بے چینی اور تکلیف، عربی میں اس طرح کے الفاظ رنج وغم اور افسوس کے اظہار کے لیے ہوتے ہیں، اس سے نوحہ کرنا یا اللہ جل شانہ کے فیصلے پر اعتراض کرنا پیش نظر نہیں ہوتا، اپنی لخت جگر کی بات سنکر نبی کریم ﷺ نے انہیں تسلی دیتے ہوئے فرمایا کہ بیٹی موت تو ایک ایسی اٹل حقیقت ہے، جس سے قیامت تک کوئی انسان بچ نہیں سکتا، میں بھی اس وقت اس کیفیت سے اگرچہ دوچار ہوں لیکن اس بے چینی کے بعد پھر کبھی تمہارے ابو پر موت کی بے چینی دوبارہ نہیں آئے گی، اور یہ ظاہر بات ہے کہ مقصود اس سے نبی کریم ﷺ کے درجات کی بلندی تھی، اس لیے اللہ جل شانہ نے آپ ﷺ کو اس کیفیت سے گذارا، صلی اللہ علیہ وسلم الف الف مرة۔(۱)

عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ، يُحَدِّثُ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: مَنْ كَانَ لَهُ فَرَطَانِ مِنْ أُمَّتِي أَدْخَلَهُ اللهُ تَعَالَى بِهِمَا الْجَنَّةَ، فَقَالَتْ عَائِشَةُ: فَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: وَمَنْ كَانَ لَهُ فَرَطٌ يَا مُوَفَّقَةُ، قَالَتْ: فَمَنْ لَمْ يَكُنْ لَهُ فَرَطٌ مِنْ أُمَّتِكَ؟ قَالَ: فَأَنَا فَرَطٌ لِأُمَّتِي، لَنْ يُصَابُوا بِمِثْلِي.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: میری امت میں سے جس شخص کے دو نابالغ بچے (آخرت میں) پہلے پہنچ جائیں (یعنی ذخیرہ آخرت بن جائیں) تو اللہ تعالیٰ ان دونوں بچوں کی بدولت اسے جنت میں داخل کریں گے، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! آپ ﷺ کی امت میں سے جس شخص کا ایک ہی بچہ پہنچا ہو؟ (اس کا کیا حکم ہے؟) نبی کریم ﷺ نے فرمایا: اور جس شخص کا ایک ہی بچہ مرا ہو (اسے بھی بخش دیا جائے گا) اے وہ عورت جسے خیر کی باتیں پوچھنے کی توفیق دی گئی ہے، حضرت عائشہؓ نے عرض کیا:

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۷۹، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۶۶۸)۔

(۲) سنن الترمذی، الجنائز، رقم الحدیث: ۱۰۶۲۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت میں سے جس کا ایک بچہ بھی نہ مرا ہو؟ (تو اس کا کیا ہوگا) ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: میں اپنی امت کے لیے پیش رو بنوں گا، کیونکہ میری (وفات کی) مصیبت جیسی کسی اور مصیبت سے وہ ہرگز دوچار نہ ہوئے ہوں گے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** فرطان: فرط کا تثنیہ ہے: دو پہلے پہنچنے والے یعنی وہ دو بچے جو بالغ ہونے سے پہلے ہی وفات پا جائیں، اور فرط: اصل میں اس شخص یا چند افراد کو کہا جاتا ہے، جو قافلہ سے پہلے مناسب جگہ کی تلاش کر کے وہاں پانی وغیرہ کا بندوبست کرتے ہیں، یا موفقة: (میم پر پیش، واؤ پر زبر اور فا پر زبر و تشدید) اے وہ عورت، جسے خیر کی باتیں پوچھنے کی توفیق دی گئی ہو، فانا فرط لأمتی: میں اپنی امت کے لیے پیش رو اور ذخیرہ آخرت بنوں گا، لن یصابوا: وہ ہرگز مصیبت نہیں پہنچائے گئے، بمثلی: میری وفات جیسی مصیبت کی طرح۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اہل ایمان کے لیے آخرت میں "فرط" ہوں گے

مذکورہ حدیث میں تین امور کا ذکر ہے:

۱۔ عربی زبان میں "فرط" اس شخص کو کہتے ہیں، جو قافلہ سے پہلے منزل پر پہنچ کر قافلے والوں کے لیے کھانے پینے اور دیگر ضروریات کا بندوبست کرتا ہے، تاکہ جب قافلہ کے افراد یہاں آئیں تو انہیں کوئی دشواری اور مشکل پیش نہ آئے، اس حدیث میں فرط سے مراد وہ بچہ ہے، جو بالغ ہونے سے پہلے ہی وفات پا جائے، اس بچہ کو فرط اس لیے کہتے ہیں کہ وہ آخرت میں پہلے پہنچ کر اپنے والدین کے لیے جنت میں جانے کا انتظام کرتا ہے، اللہ جل جلالہ سے اپنے والدین کو جنت میں لے جانے کی سفارش کرے گا، اور اس کی سفارش کو قبول بھی کیا جائے گا، چنانچہ اسی وجہ سے نماز جنازہ میں نابالغ کی یہ دعا پڑھی جاتی ہے: اَللّٰھُمَّ اجْعَلْہُ لَنَا فَرَطًا وَّ ذُخْرًا۔ اے اللہ اس بچہ کو ہمارے لیے آگے جانے والا اور ذخیرہ آخرت بنا، لیکن یہ ذہن میں رہے کہ حدیث کے آخر میں جو فرمایا: فانا فرط لامتی اس میں "فرط" سے فوت شدہ نابالغ بچہ مراد نہیں ہے، بلکہ اس سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی مراد ہے۔

۲۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عائشہؓ کی حوصلہ افزائی فرماتے ہوئے فرمایا: یا موفقہ یعنی اے وہ عورت کہ جسے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خیر و بھلائی اور اچھی باتیں پوچھنے کی توفیق عطا فرمائی گئی ہے، اس سے ایک تو حضرت عائشہ کی فضیلت اور منقبت ثابت ہوتی ہے اور دوسرا اس سے یہ ادب معلوم ہوا کہ جب کوئی شاگرد یا کوئی شخص کسی استاذ اور عالم سے کوئی سوال پوچھے تو استاذ اور عالم کو چاہیے کہ وہ اس کا جواب مناسب انداز سے دے اور ساتھ ہی پوچھنے والے کی حوصلہ افزائی بھی کرے، تاکہ اس کی ہمت بڑھے، اس طرح اس کے علمی سفر میں ترقی اور اضافہ ہوگا، یہ مسنون طریقہ ہے۔

۳۔ حضرت عائشہؓ نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! جس شخص کا بچہ بالغ ہونے سے پہلے وفات نہ پائے (یا یہ کہ جس کی اولاد

سرے سے ہو ہی نہ) تو اس کا حکم کیا ہوگا؟ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: میں اپنی امت اجابت یعنی اہل ایمان کے لیے فرط یعنی پیش رو اور آگے جانے والا ہوں گا، انہیں میری وفات کے صدمہ کی طرح اور کوئی صدمہ اور مصیبت نہیں پہنچی، یہ صدمہ ان لوگوں کے لیے تو انتہائی غم وحزن کا باعث تھا ہی، جو میری وفات کے وقت موجود تھے، اور جو اس وقت موجود نہیں تھے، ان کے لیے بھی بڑا صدمہ ہے، ایک تو انہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا نہیں اور دوسرا آپ ﷺ اس دنیا سے پردہ فرما گئے۔

حدیث کے آخری الفاظ: فانا فرط لامتی لن یصابوا بمثلی کا مطلب یہ ہے کہ میں اپنی امت کے لیے میر منزل ہونگا، میں پہلے پہنچ کر آخرت میں ان کی سفارش کروں گا، اور سفارش کے ذریعہ ان کو جنت میں لے جاؤں گا، کیونکہ جس قدر مصیبت اور مشقت سخت ہو تو اجر وثواب بھی اتنا ہی زیادہ ہوتا ہے، لہذا میرا اس دنیا سے اٹھ جانا ان کے لیے اتنی بڑی مصیبت اور اتنا بڑا حادثہ ہے کہ اس کے برابر اور کوئی بڑا حادثہ اور کوئی بڑی مصیبت ہو ہی نہیں سکتی، لہذا جن لوگوں کی چھوٹی اولاد فوت ہو کر ان کے لیے ذخیرہ آخرت نہ بھی ہوئی ہوگی تو میری وفات کا یہ حادثہ ان کے لیے جنت میں جانے کے لیے کافی ہوگا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضور اقدس ﷺ کی جدائی ایسی ہی چیز ہے کہ ماں باپ، اعزہ احباب، بیوی اور اولاد میں سے ہر شخص کی موت اور جدائی، حضور اقدس ﷺ کی جدائی اور وفات کے مقابلہ میں کوئی بھی حیثیت اور حقیقت نہیں رکھتی، اسی لیے ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب کسی شخص کو کوئی مصیبت پہنچے تو میری جدائی کی مصیبت سے تسلی حاصل کر لیا کرے یعنی یہ سوچے کہ جب حضور اکرم ﷺ کی جدائی پر صبر کر لیا تو اس کے مقابلے میں یہ مصیبت کیا حقیقت رکھتی ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ کی جدائی کا حادثہ سب سے بڑھ کر حادثہ اور مصیبت ہے، ابو الجوزاء فرماتے ہیں کہ مدینہ منورہ میں جب کسی پر کوئی مصیبت آتی تو اس سے مصافحہ کر کے یوں تسلی دی جاتی: يَا عَبْدَ اللّٰهِ اِتَّقِ اللّٰهَ فَإِنَّ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ أُسْوَةً حَسَنَةً(۱)، (اے اللہ کے بندے! اللہ سے ڈر، کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی وفات کے حادثہ میں تمہارے لیے بہترین نمونہ ہے) چنانچہ اس صدمہ کا اظہار نبی کریم ﷺ کی پیاری صاحبزادی حضرت فاطمہؓ نے ان اشعار میں یوں کیا:

مَا ذَا عَلٰی مَنْ شَمَّ تُرْبَةَ اَحْمَدٍ ‌ ‌ ‌ اِنْ لَّا يَشُمَّ مَدَى الزَّمَانِ غَوَالِيَا

صُبَّتْ عَلَيَّ مَصَائِبُ لَوْ أَنَّهَا ‌ ‌ ‌ صُبَّتْ عَلَى الْأَيَّامِ صِرْنَ لَيَالِيَا

ترجمہ: جو شخص احمد ﷺ کی قبر کی مٹی کو سونگھ لے تو وہ اگر قیامت تک مشک وعنبر سے بنی خوشبو کو نہ بھی سونگھے تو کوئی حرج نہیں، میرے اوپر یہ حادثہ مصیبتوں کے پہاڑ ٹوٹ پڑنے کے مترادف ہے، یہ اتنی بڑی مصیبتیں ہیں کہ اگر یہ دنوں پر آئیں تو وہ رات بن جائیں۔(۲)

---

(۱) للمواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ٦٧٠) رقم الحديث: ٣٩٨

(۲) مرقاة المفاتيح ۱۹۱/۴ كتاب الجنائز، باب البكاء على الميت، رقم الحديث: ۱۷۳۵، و ايضاً ۱۰۸/۱۱، كتاب الفضائل والشمائل، الفصل الاول، رقم الحديث: ۵۹۶۱

اس سے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی جدائی پر غم وحزن، دکھ اور افسوس کا بجا طور پر اظہار کر رہی ہیں۔

اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل وکرم سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میرے لیے میرے والدین، اساتذہ کرام اور تمام قارئین کے لیے بھی ''فرط'' بنادے۔ آمین یارب العالمین۔

## بَابُ: مَا جَاءَ فِي مِيرَاثِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث یعنی متروکہ چیزوں کا تذکرہ ہے

عَنْ عَمْرِو بْنِ الْحَارِثِ، أَخِي جُوَيْرِيَةَ، لَهُ صُحْبَةٌ قَالَ: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَّا سِلَاحَهُ وَبَغْلَتَهُ وَأَرْضًا جَعَلَهَا صَدَقَةً.

ترجمہ: حضرت عمرو بن حارث رضی اللہ عنہ جو ام المؤمنین حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا کے بھائی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابی ہیں، کہتے ہیں کہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے (وفات کے وقت) اپنا ہتھیار اور (سواری کا) اپنا خچر چھوڑا تھا، اور کچھ زمین چھوڑی تھی، جس کو (اپنی زندگی میں ہی) صدقہ (یعنی وقف) فرما گئے تھے۔

## نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے میراث میں کوئی مال ودولت نہیں چھوڑا

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ساری زندگی زاہدانہ اور فقیرانہ گذاری، مال ودولت اور دنیا کے جھمیلوں سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کوسوں دور تھے، زندگی میں جو مال بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آجاتا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے صدقہ فرمادیتے، اس لیے جس وقت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکہ میں کوئی مال ودولت اور جائداد نہیں چھوڑی، مذکورہ حدیث میں ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکہ میں تین چیزیں چھوڑی تھیں: اسلحہ، خچر اور کچھ زمین جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم زندگی میں ہی مسلمانوں کے لیے صدقہ یعنی وقف فرما گئے تھے، اس حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لباس کے کپڑوں اور گھر کے سامان کا ذکر نہیں کیا گیا کہ وہ ان چیزوں کے مقابلے میں معمولی ہیں، ان تین چیزوں کی مزید تفصیل یہ ہے:

۱۔ اسلحہ سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تلوار، نیزہ، زرہ اور خود مراد ہے۔

۲۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سفید خچر چھوڑا تھا، جس کو ''دلدل'' کہا جاتا تھا، یہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، اور آپ کے بعد حضرت عبداللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ کے پاس تھا، یہ کافی عمر رسیدہ ہوگیا تھا، جس کی وجہ سے اس کے دانت گر گئے تھے، ''جو'' پیس کر اسے کھلائے جاتے تھے، کہتے ہیں کہ مقام ''ینبع'' میں یہ مر گیا تھا، اور جبل رضوی میں اسے دفن کیا گیا تھا۔(۱)

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص: ٦٧٢)

علامہ عینیؒ فرماتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے چھ خچر تھے:

- ایک خچر سفید مائل سیاہ تھا، اسے ''دلدل'' کہا جاتا تھا، مقوقس نے یہ خچر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ میں دیا تھا۔
- ایک ''فضہ'' نامی خچر تھا، جو فروہ جذامی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ دیا تھا، پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خچر حضرت صدیق اکبر کو ہدیہ کر دیا تھا۔
- ایک خچر وہ تھا، جسے دومۃ الجندل کے بادشاہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کیا تھا۔
- ایلہ کے بادشاہ نے ایک خچر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ میں دیا تھا، اس خچر کو ''ایلیہ'' کہا جاتا تھا۔
- ایک خچر نجاشی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ کیا تھا۔
- اور ایک خچر کسریٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدیہ میں دیا تھا۔(۱)

۳۔ وارضا جعلها صدقة اس جملے سے متعلق دو باتیں پیش نظر رہیں:

۱۔ اس زمین سے تین جائیدادیں مراد ہیں، جن کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی زندگی میں ہی وقف فرما گئے تھے:

- مدینہ کی جائیداد: اس سے بنونضیر کی زمین مراد ہے، جو اللہ جل شانہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ''فئ'' کے طور پر عطا فرمائی تھی، جس کا ذکر قرآن مجید کی سورہ حشر میں ہے، یہ زمین نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس رہی، اس کی آمدن سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل وعیال کا سالانہ خرچہ ادا فرمادیتے اور جو بچ جاتا، اس سے ہتھیار، گھوڑے اور جہاد کا سامان خرید لیتے۔
- خیبر کی زمین جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خمس یعنی پانچویں حصے سے ملی تھی۔
- فدک کی آدھی زمین جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل خیبر سے فتح کے بعد صلح کے طور پر حاصل ہوئی تھی، خیبر اور فدک کی زمینوں سے جو آمدن آتی، اس سے اس وقت کی پیش آنے والی ضروریات کو پورا کیا جاتا۔

یہ زمینیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سمجھی جاتی تھیں، اور زندگی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے قبضہ میں ہی رہیں، اللہ جل شانہ کی طرف سے ان میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار تھا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح چاہیں تصرف کریں مگر حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم ان زمینوں کی آمدنی سے صرف اپنے اہل وعیال کا سالانہ خرچہ لے لیتے، اور جو بچ جاتا، اسے اسلام اور مسلمانوں کی ضرورتوں اور مصلحتوں میں خرچ فرما دیتے تھے، ان زمینوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی زندگی میں ہی صدقہ یعنی وقف فرمایا تھا، اسی وجہ سے ان زمینوں میں کوئی میراث جاری نہیں ہوئی۔

۲۔ جعلها صدقة: میں ''ها'' ضمیر کس طرف لوٹ رہی ہے؟ اس میں دو قول ہیں:

- یہ ضمیر حدیث میں مذکور سلاح، بغلة اور ارض تینوں کی طرف لوٹ رہی ہے، اس صورت میں معنیٰ یہ ہوں گے کہ نبی کریم

(۱) عمدة القاري ۳۰/۱۴ کتاب الوصايا، باب الوصايا و قول النبي صلى الله عليه وسلم وصية الرجل مكتوبة عنده، ط: رشیدیہ کوئٹہ۔

صلی اللہ علیہ وسلم نے ان تمام چیزوں کو اللہ جل شانہ کے راستے میں صدقہ یعنی وقف کر دیا تھا۔

حدیث کے الفاظ سے بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ "ھا" ضمیر "ارض" یعنی زمین کی طرف لوٹ رہی ہے، کیونکہ پہلی دونوں چیزوں کی نسبت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف کی ہے، اور زمین کی نسبت اپنی طرف نہیں کی، اس کی وجہ یہ ہے کہ زمین کا نفع تمام مسلمانوں کے لیے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے عام تھا، جبکہ سلاح اور بغلہ کی افادیت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مخصوص تھی، اس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث میں یہ ضمیر ارض کی طرف ہی لوٹ رہی ہے۔ (۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: جَاءَتْ فَاطِمَةُ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالَتْ: مَنْ يَرِثُكَ؟ فَقَالَ: أَهْلِي وَوَلَدِي، فَقَالَتْ: مَالِي لاَ أَرِثُ أَبِي؟ فَقَالَ أَبُو بَكْرٍ: سَمِعْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: لاَ نُورَثُ، وَلٰكِنِّي أَعُولُ مَنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَعُولُهُ، وَأُنْفِقُ عَلَى مَنْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُنْفِقُ عَلَيْهِ. (۲)

حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت فاطمہؓ (حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد) حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس تشریف لائیں، (وہ اس وقت تمام مسلمانوں کے خلیفہ اوّل تھے) اور یہ دریافت فرمایا کہ تمہارا وارث کون ہوگا؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا: میرے اہل اور میری اولاد، اس پر حضرت فاطمہ نے پوچھا: پھر میں اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ چیزوں کی وارث کیوں نہیں بنی؟ حضرت ابوبکر صدیقؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا: لانورث (صیغہ مجہول) ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، لیکن میں (وقف کا متولی ہونے کی وجہ سے) ان تمام لوگوں کی کفالت کروں گا جن کی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کفالت کیا کرتے تھے، اور میں بھی ان لوگوں پر خرچ کروں گا، جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کرتے تھے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:** لانورث: (نون پر پیش، واؤ ساکن اور را پر زبر) صیغہ مجہول: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم مورث نہیں بنائے جاتے، اعول: (صیغہ متکلم) میں کفالت کروں گا، ضروری اخراجات کا ذمہ لیتا ہوں، میں پرورش کروں گا، **یعوله:** رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جن کی کفالت کرتے تھے، وانفق: (صیغہ متکلم) میں خرچ کروں گا، **کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ینفق علیه:** جن پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خرچ کرتے تھے۔

## انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب صدیق اکبر خلیفہ بن گئے، اس وقت حضرت فاطمہؓ حضرت صدیق اکبر کے پاس آئیں اور ان سے پوچھا کہ آپ کا وارث کون ہوگا؟ صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میرے اہل وعیال یعنی والد بیوی اور بچے میرے

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۸۲، باب ماجاء فی میراث رسول اللہ ﷺ۔
(۲) سنن الترمذی، السیر، رقم الحدیث: ۱۶۰۸

وارث ہوں گے، اس پر حضرت فاطمہ نے فرمایا: تو پھر میں اپنے والد صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ چیزوں کی وارث کیوں نہیں بنی؟ حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا: اس حدیث کی وجہ سے جس کو میں نے خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ لانورث کہ ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا، مگر میں چونکہ وقت کا متولی ہوں، اس لیے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کی کفالت فرماتے تھے، میں بھی ان کی کفالت کروں گا اور جن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرماتے تھے، میں بھی ان پر خرچ کروں گا۔

اس مقام پر دو باتوں کی وضاحت ضروری ہے:

۱۔ ملا علی قاری رحمہ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ اہل بیت کا یہ خیال تھا کہ دراہم و دنانیر میں میراث جاری نہیں ہوتی، باقی چیزوں میں جاری ہوتی ہے، یا یہ خیال تھا کہ ان جائدادوں میں تو میراث جاری نہیں ہوتی لیکن ان کے منافع اور پیداوار میں میراث جاری ہوتی ہے، مگر حضرت صدیق اکبرؓ نے ان تمام خیالات کی تردید فرمادی کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ترکہ میں جو بھی چیز چھوڑی ہے، وہ صدقہ اور وقف ہے، اس میں میراث کے احکام جاری نہیں ہوتے، البتہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم جن لوگوں کی کفالت فرماتے تھے، میں بھی ان کی کفالت کروں گا اور جن پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خرچ فرماتے تھے، میں بھی ان پر خرچ کروں گا، خواہ وہ خرچہ دینا حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر لازم وواجب تھا یا نہیں جیسے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا خرچہ شوہر ہونے کی حیثیت سے حضرت علی رضی اللہ عنہ پر لازم تھا، مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ان کو دیا کرتے تھے، اس لیے حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں بھی وقف کا متولی ہونے کی وجہ سے ان پر خرچ کروں گا۔

۲۔ صحیح مسلم میں اس روایت میں مزید اضافہ ہے: قَالَ: فَهَجَرَتْهُ، فَلَمْ تُكَلِّمْهُ حَتّٰى تُوُفِّيَتْ (کہ صدیق اکبرؓ نے جب میراث کے طور پر متروکہ اشیاء کو دینے سے انکار کیا تو راوی کہتے ہیں کہ پھر حضرت فاطمہ نے حضرت صدیق اکبرؓ سے بات چیت کرنا چھوڑ دی اور وفات تک صدیق اکبرؓ سے گفتگو نہیں کی)۔

مگر یہ ذہن میں رہے کہ یہ الفاظ اصل روایت کا حصہ نہیں ہیں، بلکہ اس حدیث کے راوی امام زہری نے ان کا اضافہ کیا ہے، اس پر قرینہ لفظ ''قال'' ہے، جس کے قائل امام زہری ہیں، حضرت عائشہؓ نہیں، کیونکہ اگر یہ الفاظ حضرت عائشہ نے ارشاد فرمائے ہوتے تو پھر ''قالت'' کا لفظ ہوتا، چنانچہ حضرت مولانا محمد نافع صاحب رحمہ اللہ نے اپنی مایہ ناز کتاب ''رحماء بینھم'' میں اس بارے میں بہت محققانہ بحث ذکر کی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ حضرت فاطمہؓ کے مطالبہ والی روایت چھتیس طریقوں سے منقول ہے، ان میں گیارہ حدیثیں امام زہری کے علاوہ کسی اور سے منقول ہیں، ان میں کسی حدیث میں بھی حضرت فاطمہؓ کے غصہ اور ترک کلام کا کوئی تذکرہ نہیں ہے، اور پچیس حدیثوں کے راوی امام زہری ہیں، ان میں بھی نو حدیثوں میں حضرت فاطمہؓ کے غصہ اور ترک کلام کا ذکر نہیں ہے، ہاں سولہ طریقوں میں حضرت فاطمہؓ کے غصہ اور ترک کلام کا ذکر ہے، ان سب کا دارومدار امام زہری پر ہے، اس لیے ظاہر یہی ہے کہ یہ اضافہ امام زہری کی طرف سے ہے، اصل روایت میں حضرت عائشہؓ سے یہ الفاظ منقول نہیں ہیں، اور

امام زہری کی یہ ایک معروف عادت تھی کہ وہ حدیث میں اپنی طرف سے ادراج اور اضافہ کیا کرتے تھے۔(۱)

حقیقت یہ ہے کہ اس مفہوم کی روایات کو دیکھنے سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ابتداء میں حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے صدیق اکبرؓ سے جب میراث کا مطالبہ کیا تو حضرت صدیق اکبرؓ نے حدیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم سنا کر صاف انکار فرما دیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی متروکہ چیزوں میں دوسرے انسانوں کی طرح میراث جاری نہیں ہوتی، یہ بات حضرت فاطمہؓ نے تسلیم کر لی، اس کے بعد حضرت فاطمہؓ نے یہ مطالبہ کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ان زمینوں کا مجھے یا حضرت علیؓ کو نگران مقرر کر دیں، مگر صدیق اکبرؓ نے اس سے بھی انکار کر دیا، اور دلیل میں ابوداؤد کی یہ روایت پیش کی: إِنَّ اللّٰهَ إِذَا أَطْعَمَ نَبِيًّا طُعْمَةً ثُمَّ قَبَضَهُ جَعَلَهَا لِلَّذِي يَقُوْمُ مِنْ بَعْدِهِ۔ اللہ جل شانہ جب کسی نبی کو کھانے کی کوئی چیز وغیرہ دیں اور پھر نبی دنیا سے پردہ فرما جائے تو ان چیزوں پر وہ شخص نگران ہوگا، جو اس نبی کے بعد خلیفہ ہوگا، حضرت فاطمہؓ یہ حدیث سن کر خاموش ہوگئیں، اور یہ فرمایا: "أَنْتَ وَمَا سَمِعْتَهُ" آپ اس طرح ہی عمل کیجئے، جس طرح آپ نے حدیث سنی ہے، مگر حضرت فاطمہؓ کی نظر میں یہ حدیث ان کو یا حضرت علیؓ کو متولی بنانے میں مانع نہیں تھی، حضرت فاطمہ نے حضرت صدیق اکبرؓ کی بات کو مان تو لیا، مگر دل میں انہوں نے محسوس کر لیا تھا، اس وجہ سے ان کے تعلقات میں وہ وسعت اور بشاشت باقی نہیں رہی تھی، جو اس واقعہ سے پہلے تھی، اس کو دشمنی یا آپس میں ترک کلام نہیں کہا جا سکتا، اس کی مثال میں یوں کہہ سکتے ہیں کہ جس طرح دو مجتہدوں کے درمیان کسی مسئلہ میں اختلاف ہو جائے تو اسے کوئی دشمنی یا ترک کلام کرنے والا نہیں کہا جاتا، بس صرف ان کے درمیان ایک انقباض اور گھٹن سی پیدا ہو جاتی ہے، اسی طرح حضرت فاطمہ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے تعلقات میں ایک انقباض سا پیدا ہو گیا تھا، مگر حضرت صدیق اکبرؓ نے اس انقباض کو بھی برداشت نہ کیا، وہ حضرت فاطمہؓ کے گھر میں تشریف لے گئے، حضرت علیؓ سے ملاقات کی اور پردے میں رہ کر حضرت فاطمہؓ سے معذرت کر لی، اس معذرت کے بعد پھر حضرت فاطمہؓ اور حضرت صدیق اکبرؓ کے تعلقات حسب سابق استوار اور درست ہو گئے تھے اور کوئی غلط فہمی بھی باقی نہیں رہی تھی۔(۲)

عَنْ أَبِي الْبَخْتَرِيِّ، أَنَّ الْعَبَّاسَ، وَعَلِيًّا، جَاءَا إِلَى عُمَرَ يَخْتَصِمَانِ يَقُولُ كُلُّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا لِصَاحِبِهِ: أَنْتَ كَذَا، أَنْتَ كَذَا، فَقَالَ عُمَرُ، لِطَلْحَةَ، وَالزُّبَيْرِ، وَعَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ، وَسَعْدٍ: أَنْشُدُكُمْ بِاللّٰهِ أَسَمِعْتُمْ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ: كُلُّ مَالِ نَبِيٍّ صَدَقَةٌ، إِلَّا مَا أَطْعَمَهُ، إِنَّا لَا نُورَثُ؟ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ۔(۳)

---

(۱) رحماء بینھم ۱۳۸/۱، ادراج راوی کا بیان، تکملة فتح الملھم ۹۲/۳، کتاب الجھاد والسیر، رقم الحدیث: ۴۳۴۳۔

(۲) تکملة فتح الملھم ۹۵/۳، کتاب الجھاد والسیر، ھل ھجرت فاطمة ابابکر، رقم الحدیث: ۴۳۴۳۔

(۳) الصحیح للبخاری، الجھاد، باب فی الخمس، الصحیح لمسلم، الجھاد، رقم الحدیث: ۱۷۵۷، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۱۶۱۰۔

ترجمہ: حضرت ابوالبختری رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں حضرات حضرت عمر (کے دور خلافت میں ان) کے پاس آئے، دونوں میں سے ہرایک دوسرے پر اعتراض کر رہا تھا، ان میں سے ہر ایک دوسرے سے یہ کہہ رہا تھا کہ تو ایسا ہے اور تو ایسا ہے، حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوف اور حضرت سعد بن ابی وقاص سے فرمایا: میں تمہیں اللہ جل شانہ کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، کیا تم سب نے حضور ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے نہیں سنا کہ نبی کا ہر مال صدقہ ہوتا ہے، سوائے اس کے جو اللہ تعالیٰ ان کو کھلائے، ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں (یا یہ ترجمہ: ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے)، اس حدیث میں ایک قصہ ہے۔

عَنْ عَائِشَةَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا نُورَثُ مَا تَرَكْنَا فَهُوَ صَدَقَةٌ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم انبیاء کی جماعت جو مال چھوڑتی ہے، وہ صدقہ ہوتا ہے۔

## انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہ ہونے کی حکمتیں

جمہور علماء کرام کا موقف یہ ہے کہ تمام انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی، اسی وجہ سے حضرت عمرؓ نے حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ اور دیگر وہاں پر موجود صحابہ کرامؓ سے فرمایا کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے، نبی جو مال چھوڑ کر جاتا ہے، تو وہ صدقہ اور وقف ہوتا ہے، اس میں میراث کے احکام جاری نہیں ہوتے، علماء کرام نے اس کی بہت سی وجوہ اور حکمتیں لکھی ہیں، ان میں سے چند حکمتیں یہ ہیں:

۱۔ انبیاء اپنی قبروں میں زندہ ہوتے ہیں، لہذا ان کی ملک باقی رہتی ہے، اسی وجہ سے نبی کریم ﷺ کی بیبیوں سے کوئی بھی شخص نکاح نہیں کرسکتا، اس کی ممانعت قرآن مجید میں واضح الفاظ سے موجود ہے۔

۲۔ نبی اگر کسی چیز کا مالک ہوجائے تو بھی وہ اسے اپنی چیز نہیں سمجھتا، بلکہ وہ اسے اللہ جل شانہ کی چیز سمجھ کر تصرف کرتا ہے، جیسے صوفیاء کے ہاں یہ جملہ مشہور ہے: اَلصُّوفِيُّ لَا يَمْلِكُ: صوفی کسی چیز کا مالک نہیں ہوتا، اس کا یہ مطلب نہیں کہ شرعاً وہ مالک نہیں ہوتا بلکہ مطلب یہ ہے کہ وہ ان فانی اور ناپائیدار چیزوں کو اپنی نہیں سمجھتا، ان کے ساتھ اس کا دل اٹکا نہیں رہتا، بلکہ اس کا دل ہر وقت اللہ جل شانہ کی یاد میں مشغول رہتا ہے۔

۳۔ دنیا کی ہر چیز اللہ جل جلالہ کی ملک ہے، اور نبی اللہ کا خلیفہ ہونے کی حیثیت سے اس میں تصرف کرتا ہے۔

۴۔ اگر انبیاء علیہم السلام کے مال میں میراث جاری ہو تو ہوسکتا ہے کہ کوئی بدنصیب وارث مال کی لالچ کی وجہ سے نبی کو جان سے مارنے کا منصوبہ بنالے یا اس کی آرزو کرے کہ وہ ہلاک ہوجائے، دونوں ہی باتیں اس آدمی کے لیے بربادی کا ذریعہ ہوں

گی۔

۵۔　تاکہ کسی کو یہ بات کرنے کا موقع نہ ملے کہ یہ شخص نبوت کا دعویٰ صرف اس وجہ سے کر رہا ہے تاکہ وہ خوب مال و دولت کو جمع کر لے اور اپنے اہل وعیال کو مالدار چھوڑ کر جائے۔

۶۔　مال کے زنگ اور میل کچیل سے انبیاء کی مقدس ذات کو محفوظ رکھا جاتا ہے، اس لیے وہ مال سے دور رہتے ہیں۔

۷۔　نبی تمام امت کے لیے باپ کے درجہ میں ہوتا ہے، لہذا اس کا مال تمام اولاد کا مال ہوتا ہے۔

۸۔　اگر نبی بھی مال ودولت کو جمع کرتے تو ان کی اقتداء میں امت کے افراد بھی مال و دولت جمع کرنے کی فکر میں ہی لگے رہتے، ان کو مال سے دور رکھ کر امت کو درس دیا جا رہا ہے کہ مال و دولت کے جمع کرنے اور تجارت میں اس قدر مشغول نہ ہونا کہ اس سے اللہ جل جلالہ کے احکام ٹوٹ جائیں، بس ضرورت کی حد تک رزق حلال کی ضرور کوشش کی جائے، مگر اسے مقصود زندگی نہ سمجھا جائے۔(۱)

## وفی الحدیث قصۃ سے کیا مراد ہے؟

امام ترمذی رحمہ اللہ تعالیٰ نے یہ حدیث مختصراً ذکر کی ہے، کیونکہ امام ترمذی کا مقصد اس سے یہ ثابت کرنا ہے کہ حضرات انبیاء کے ترکہ میں میراث جاری نہیں ہوتی، یہ مقصد اتنی روایت سے حاصل ہو جاتا ہے، اس لیے پورے واقعہ کا ذکر نہیں فرمایا، امام ابوداؤد نے اس کو ذرا تفصیل سے ذکر کیا، اور تھوڑا سا ذکر کرتے کے بعد یہ کہا کہ یہ واقعہ تفصیلاً حضرت مالک بن اوس کی روایت میں ہے، کیونکہ حضرت مالک کی روایت عموماً حدیث کی اکثر کتابوں میں مذکور ہے، صحیح بخاری، مسلم شریف اور ابوداؤد میں تفصیل سے ذکر کی گئی ہے، شمائل کی اس کتاب میں بھی دو حدیثوں کے بعد حضرت مالک بن اوس کی روایت موجود ہے۔

سنن ابوداؤد کی روایت کا ترجمہ یہ ہے: "ابوالبختری کہتے ہیں کہ میں نے ایک شخص سے ایک حدیث سنی، جو مجھے بہت پسند آئی، میں نے ان سے درخواست کی کہ یہ حدیث مجھے لکھ دیجئے، تو وہ ایک نہایت پختہ تحریر لائے، (حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ شخص غالباً مالک بن اوس ہی ہے) اس تحریر میں یہ لکھا تھا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ، حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوئے، حضرت عمرؓ کے پاس اس وقت حضرت طلحہؓ، حضرت زبیرؓ، حضرت سعدؓ اور حضرت عبدالرحمنؓ پہلے سے موجود تھے، وہ دونوں حضرات یعنی حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آپس میں جھگڑ رہے تھے، یعنی ایک دوسرے کو بدنظمی کا الزام دے رہے تھے، حضرت عمرؓ نے حضرت طلحہؓ وغیرہ چاروں حضرات سے دریافت فرمایا: کیا تم لوگ یہ نہیں جانتے کہ حضور اکرم ﷺ نے یہ ارشاد فرمایا تھا کہ نبی کا ہر مال صدقہ ہوتا ہے، سوائے اس مال کے جو وہ اپنے اہل وعیال کو کھلائے یا پہنائے، اس لیے کہ ہم لوگوں کا یعنی انبیاء کا

(۱)　جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲۸۴/۲، تکملۃ فتح الملہم ۸۸/۳، کتاب الجہاد والسیر، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: لانورث، رقم الحدیث: ۴۳۴۲۔

کوئی وارث نہیں ہوتا؟ ان چاروں حضرات نے اقرار کیا کہ بے شک حضور ﷺ نے ایسا فرمایا ہے، حضرت عمرؓ نے فرمایا: حضور اقدس ﷺ اپنی زندگی میں اس میں سے اپنے اہل وعیال پر خرچ کرتے رہے اور جو بچ جاتا تھا، اس کو صدقہ کر دیتے تھے، حضور اکرم ﷺ کے انتقال کے بعد حضرت ابوبکر صدیق خلیفہ بنے اور اپنی دو سالہ زندگی میں اسی طرح عمل درآمد کرتے رہے، جس طرح حضور اکرم ﷺ کا معمول تھا۔

اس کے بعد امام ابوداؤدؒ کہتے ہیں کہ مالک بن اوسؓ کی حدیث کے قریب قریب آگے سارا واقعہ ہے۔(۱)

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا يَقْسِمُ وَرَثَتِي دِينَارًا وَلَا دِرْهَمًا، مَا تَرَكْتُ بَعْدَ نَفَقَةِ نِسَائِي وَمُؤْنَةِ عَامِلِي فَهُوَ صَدَقَةٌ.(۲)

ترجمہ: حضرت ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا: میرے ورثہ دینار اور درہم تقسیم نہ کریں، جو کچھ میں چھوڑ کر جاؤں، اس میں سے میری بیویوں کا خرچہ اور میرے عامل کا خرچہ نکالنے کے بعد، جو کچھ بچے وہ صدقہ ہے۔

**مشکل الفاظ کے معنی:۔** **ورثة:** وارث کی جمع ہے۔ میت کے رشتہ دار جن کو شریعت میں حصہ ملتا ہے، **بعد نفقة نسائی:** میری بیویوں کے خرچہ کے بعد، **مؤنة:** بوجھ، خرچہ۔

## حدیث میں عامل سے کون مراد ہے؟

مذکورہ حدیث میں تین امُور کا ذکر ہے:

۱۔ میرے وارث دراہم ودنانیر کو تقسیم نہ کریں، "لا یقسم" بظاہر نفی کا صیغہ ہے، لیکن اس سے "نہی" مراد ہے، مطلب یہ ہے کہ بالفرض اگر میرے ترکہ میں دراہم ودنانیر ہوں، تو وارث لوگ انہیں تقسیم نہ کریں، دراہم ودنانیر کو خاص طور پر کیوں ذکر کیا گیا؟ اس کی مختلف وجہیں لکھی ہیں:

- عموماً انسان وفات کے وقت نقدی کو چھوڑ کر جاتا ہے، اس لیے خاص طور پر ان کو ذکر فرمایا، مقصد یہ ہے کہ میرے ترکہ میں کوئی وراثت جاری نہیں ہوگی۔
- یا ان کو خاص طور پر اس لیے ذکر کیا کہ چیزوں کی تقسیم دراہم ودنانیر یعنی نقدی اور سکہ کے اعتبار سے ہوا کرتی ہے۔
- یا اس طرف اشارہ کرنا مقصود ہے کہ میرے ترکہ میں اگر ایک درہم اور دینار کے برابر بھی کوئی چیز ہو تو وہ صدقہ ہے، اس

(۱) سنن ابی داؤد ۱۳/۱۵۱ کتاب الخراج، باب فی صفایا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من الأموال، رقم الحدیث: ۲۹۷۵، ط: بیروت۔

(۲) سنن ابی داؤد، الخراج، رقم الحدیث: ۲۹۷۴

میں میراث کے احکام جاری نہیں ہوں گے۔

۲۔ ازواج مطہرات جب تک زندہ ہوں، ان کا خرچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ترکہ میں واجب ہے، کیونکہ یہ عدت والی عورت کے حکم میں ہیں، اسی وجہ سے ان کے ساتھ کوئی نکاح نہیں کر سکتا۔

۳۔ "ومؤنۃ عاملی" اور میرے عامل کے خرچہ سے جو بچ جائے، تو وہ صدقہ ہے، حدیث میں "عامل" سے کون مراد ہے؟ اس میں تین قول ہیں:

- عامل سے وہ شخص مراد ہے، جو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلیفہ بننے والا ہو۔
- جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی زمینوں کی پیداوار جمع کرنے والا ہو، ان کا منتظم اور نگران ہو اور جو کھجوروں کا عامل ہو۔
- مسلمانوں کا جو بھی حاکم ہو۔

ان تمام لوگوں کے لیے شرعاً یہ جائز ہے کہ وہ اپنی ضرورت کے بقدر حکومت سے خرچہ لیں، چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم "مال صفی" سے اپنے اہل وعیال کا خرچہ لیتے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد حضرت ابوبکر صدیق اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی بیت المال سے اپنا خرچہ لیتے رہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کی مالی پوزیشن اچھی تھی، اس لیے انہوں نے بیت المال سے کچھ نہ لیا، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے یہ جائیدادمروان اور اپنے دوسرے رشتہ داروں کو دے دیں تھیں، یہ زمینیں ان کے پاس رہیں پھر جب حضرت عمر بن عبدالعزیز رحمہ اللہ کا زمانہ آیا تو پھر انہوں نے یہ زمینیں ان سے واپس لے لیں اور انہیں سرکاری تحویل میں لے لیا۔(۱)

عَنْ مَالِكِ بْنِ أَوْسِ بْنِ الْحَدَثَانِ قَالَ: دَخَلْتُ عَلَى عُمَرَ فَدَخَلَ عَلَيْهِ عَبْدُ الرَّحْمَنِ بْنُ عَوْفٍ، وَطَلْحَةُ، وَسَعْدٌ، وَجَاءَ عَلِيٌّ، وَالْعَبَّاسُ، يَخْتَصِمَانِ، فَقَالَ لَهُمْ عُمَرُ: أَنْشُدُكُمْ بِالَّذِي بِإِذْنِهِ تَقُومُ السَّمَاءُ وَالْأَرْضُ، أَتَعْلَمُونَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: لَا نُورَثُ، مَا تَرَكْنَاهُ صَدَقَةٌ فَقَالُوا: اللَّهُمَّ نَعَمْ وَفِي الْحَدِيثِ قِصَّةٌ طَوِيلَةٌ.

ترجمہ: حضرت مالک بن اوس بن حدثان کہتے ہیں کہ میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خدمت میں حاضر ہوا، تو اتنے میں ان کے پاس حضرت عبدالرحمن بن عوف، حضرت طلحہ اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ بھی تشریف لے آئے، (تھوڑی دیر کے بعد) حضرت عباس اور حضرت علی جھگڑتے ہوئے تشریف لائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ان سب حضرات کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا: میں تمہیں اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، جس کے حکم سے زمین وآسمان قائم ہیں: کیا تم جانتے ہو کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم انبیاء کی جماعت کسی کو اپنا وارث نہیں بناتے، جو کچھ ہم ترکہ چھوڑ جاتے ہیں، وہ سب صدقہ ہوتا ہے؟ ان سب حضرات نے فرمایا: بیشک نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ارشاد فرمایا ہے، اس حدیث میں ایک

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل ۲۸۷/۲، تکملة فتح الملهم ۱۱۳/۳، کتاب الجهاد والسير، المراد بعامل رسول الله صلى الله عليه وسلم، رقم الحديث: ۴۳۴۶۔

طویل قصہ ہے۔

یہ طویل واقعہ بخاری شریف کی روایت سے نقل کیا جاتا ہے اور ضمناً دوسری روایات میں جو اضافے ہیں وہ بھی فتح الباری وغیرہ سے ذکر کیے جارہے ہیں، تاکہ بات اچھی طرح واضح ہو جائے:

مالک بن اوس کہتے ہیں کہ میں اپنے گھر میں موجود تھا، دن کا کچھ حصہ گذر چکا تھا کہ حضرت عمر کا قاصد مجھے بلانے کے لیے آیا، میں حاضر خدمت ہوا، اس وقت حضرت عمرؓ ایک بوریے پر تشریف فرما تھے، جس پر اور کوئی کپڑا بچھا ہوا نہ تھا، میں سلام کر کے بیٹھ گیا، حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تمہاری قوم کے کچھ ضرورت مند لوگ آئے تھے، میں نے انہیں کچھ دینے کا کہہ دیا ہے، تم یہ چیزیں ان پر تقسیم کردو، میں نے عرض کیا کہ تقسیم کے لیے اگر کسی اور کو تجویز فرمادیتے تو اچھا ہوتا، ارشاد فرمایا کہ نہیں تم ہی جا کر تقسیم کردو، یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ آپؓ کے خادم حضرت یرفا حاضر ہوئے، اور عرض کیا کہ حضرت عثمانؓ، حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ، حضرت زبیر اور حضرت سعد بن ابی وقاصؓ آپ کے پاس آنا چاہتے ہیں، بعض دیگر روایات میں حضرت طلحہ کا بھی ذکر ہے، چنانچہ حضرت عمرؓ نے ان تمام حضرات کو آنے کی اجازت دے دی، یہ حضرات تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، تھوڑی دیر کے بعد حضرت یرفا دوبارہ آئے، اور عرض کیا کہ حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ آپ کے پاس آنے کی اجازت طلب کر رہے ہیں، حضرت عمرؓ نے اجازت دے دی، وہ دونوں بھی تشریف لائے اور سلام کر کے بیٹھ گئے، اتنے میں حضرت عباسؓ نے فرمایا کہ میرے اور اس "ظالم"، یعنی حضرت علیؓ کے درمیان فیصلہ فرمادیجیے، حضرت عباسؓ نے اس موقع پر حضرت علیؓ کے بارے میں اور بھی سخت الفاظ استعمال فرمائے، حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ دونوں میں سخت کلامی ہوگئی، حضرت عثمانؓ وغیرہ حضرات جو پہلے سے بیٹھے تھے، انہوں نے ان کی تائید اور سفارش کی کہ آپ ان کا فیصلہ ضرور کر دیجیے، اور ہر ایک کو دوسرے سے نجات دیجیے۔

مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ مالک بن اوسؓ کہتے ہیں کہ مجھے ان کی سفارش اور ان کی تائید کے انداز سے ایسا لگا کہ ان دونوں حضرات نے ان تمام حضرات کو اپنی تائید ہی کے لیے بھیجا تھا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ ذرا ٹھہرو، اس کے بعد وہاں پر موجود صحابہ کرامؓ کی جماعت کی طرف خطاب کر کے فرمایا: تم کو اس ذات کی قسم دے کر پوچھتا ہوں، جس کے حکم سے آسمان وزمین قائم ہیں، کیا تمہیں معلوم ہے کہ حضور اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا، ہم جو کچھ چھوڑتے ہیں، وہ صدقہ ہوتا ہے، تمام صحابہؓ نے اقرار کیا کہ بے شک حضور اقدس ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے، پھر حضرت عمرؓ نے قسم دے کر حضرت عباسؓ اور حضرت علیؓ سے پوچھا تو انہوں نے بھی اقرار کیا کہ واقعی حضور اکرم ﷺ نے حدیث ارشاد فرمائی ہے، پھر حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ اب تم لوگ میری بات شروع سے سنو: اللہ جل شانہ نے فئی کا یہ مال (یعنی باغ وغیرہ) خاص طور پر حضور اکرم ﷺ کو دیا،

کسی دوسرے کی اس میں شرکت نہ تھی، مگر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کو اپنے لیے مخصوص نہیں فرمایا، بلکہ تم لوگوں پر تقسیم فرمادیا اور بہت تھوڑا سا زمین کا حصہ اپنے اور اپنے اہل وعیال کے گذران کے لیے رکھا اور اس میں بھی گھروں میں دینے کے بعد جو بچتا، اسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے راستے میں خرچ فرمادیتے تھے، میں تم لوگوں کو قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا ایسا ہی تھا یا نہیں؟ پہلے ان پانچ حضرات سے قسم دے کر پوچھا اور اس کی تصدیق کرائی، پھر ان دونوں حضرات سے قسم دے کر تصدیق کرائی۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: اس کے بعد نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا، اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے، اور انہوں نے اس سب پیداوار میں اسی طرز کو جاری رکھا جو حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول تھا، اور اللہ کی قسم! ابوبکر اپنے اس رویہ میں نیکی اور راہ راست پر تھے، حق کا اتباع کرنے والے تھے، مگر تم لوگوں نے ان کو خائن وغادر اور گنہگار سمجھا، تم (یعنی حضرت عباس) اپنے بھتیجے صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث طلب کرنے آئے، اور تم (یعنی حضرت علیؓ) اپنی بیوی کے حصہ کا مطالبہ کرنے آئے۔

حضرت ابوبکرؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا" سنایا، تم لوگوں نے ان کی بات کو صحیح طرح نہ سمجھا، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے وفات پائی، اور میں خلیفہ بنا، اور اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے طریقہ کے مطابق اس میں عمل کرتا رہا، اور اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ میں اپنے اس طرز میں سچا ہوں، نیکی پر عمل کرنے والا ہوں، اس کے بعد تم دونوں میرے پاس آئے اور وہی ایک بات کی: بھتیجے صلی اللہ علیہ وسلم کی میراث کا مطالبہ اور اپنی بیوی کا حصہ، میں نے تم سے حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد کہ "ہمارا کوئی وارث نہیں ہوتا" سنایا، اس کے بعد میں نے مناسب سمجھا کہ میں تم دونوں کو اس زمین کا متولی بنادوں، تو میں نے تم سے یہ عہد لیا کہ تم اس میں اسی طرح عمل کروگے، جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ اور ابتدائی دو برس تک میں خود اس پر عمل کرتا رہا، تم لوگوں نے اس بات کو قبول کیا، یوں میں نے اس کو تمہارے حوالہ کیا، تمہیں قسم دے کر پوچھتا ہوں: کیا میں نے اسی طرح حوالہ نہیں کیا تھا؟ وہاں پر موجود صحابہ کرامؓ نے اس بات کا اقرار کیا اور ان دونوں حضرات نے بھی اقرار کیا۔

حضرت عمرؓ نے فرمایا: اب تم دونوں اس کے خلاف مجھ سے فیصلہ کرانا چاہتے ہو، اس ذات کی قسم جس کے حکم سے آسمان و زمین قائم ہیں، اس کے خلاف میں ہرگز فیصلہ نہ کروں گا، ہاں اگر تم لوگ اس کے انتظام سے عاجز ہو تو مجھے واپس کردو، میں خود اس کا انتظام کرلوں گا۔(۱)

یہ ہے وہ طویل قصہ جس کی طرف امام ترمذی نے اس حدیث کے آخر میں "وفی الحدیث قصة طویلة" سے اشارہ کیا ہے۔

---

(۱) الصحیح للبخاری ۱۷۹۹/۲، کتاب المغازی، باب حدیث بنی النضیر، رقم الحدیث: ۴۰۳۳، ط: البشری کراچی

## اہل بیت کا حضرت صدیق اکبرؓ اور حضرت عمرؓ سے میراث کا مطالبہ

نبی کریم ﷺ کی وفات کے بعد اہل بیت کو یہ خیال آیا کہ خیبر، فدک اور بنونضیر کی زمینیں رسول اللہ ﷺ کی ملکیت اور ذاتی جائیداد تھی، اس لیے یہ جائیدادیں اہل بیت پر میراث کے طور پر تقسیم ہونی چاہئیں، چنانچہ حضرت فاطمہؓ نے ان جائیدادوں سے حضرت صدیق اکبرؓ سے اپنا حصہ طلب کیا، صدیق اکبرؓ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے خود یہ حدیث سنی ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: لا نورث ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا، اور نہ ہم کسی کے مال کے وارث ہوتے ہیں، ہم جو مال چھوڑ جائیں وہ سب فی سبیل اللہ صدقہ اور وقف ہے، البتہ جو نفقہ اور خرچ ان میں مقرر ہے وہ بدستور اسی طرح جاری رہے گا، پھر حضرت فاطمہ نے یہ مطالبہ کیا کہ حضرت علیؓ کو خیبر اور فدک کی زمینوں کا انتظام دے دیں، ان کو نگران اور متولی بنا دیں، صدیق اکبرؓ نے اس سے بھی انکار کر دیا کہ ان زمینوں کا میں خود ہی انتظام کروں گا، اس سے حضرت فاطمہؓ، حضرت صدیق اکبرؓ سے تھوڑی ناراض سی ہوگئیں، اس بارے میں مزید تفصیل پہلے گذر چکی ہے۔

صدیق اکبر کی وفات کے بعد حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی دو سال تک ان زمینوں کا انتظام اپنے ہاتھ میں رکھا، دو سال کے بعد حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ نے حضرت عمرؓ سے ان زمینوں کے بارے میں بات کی تو حضرت عمرؓ نے میراث کے طور پر دینے سے تو صاف انکار کر دیا، البتہ ان کی دلجوئی کے لیے یہ کیا کہ مدینہ کی جائیداد یعنی بنونضیر کی زمین کا انتظام حضرت علیؓ اور حضرت عباسؓ کو دے دیا، ان کو نگران اور متولی بنا دیا، ساتھ ہی یہ عہد بھی لیا کہ اس کی آمدن اور پیداوار کو انہی مصارف پر صرف کرنا، جہاں رسول اللہ ﷺ خرچ کیا کرتے تھے، اور یہ واضح کر دیا کہ یہ میراث نہیں، بلکہ وقف ہے، ان دونوں حضرات نے اس صورت کو منظور کر لیا، چنانچہ بنونضیر کی آمدن سے ازواج مطہرات کے سالانہ مصارف دیئے جاتے تھے، البتہ خیبر اور فدک کی زمینوں کا انتظام حضرت عمرؓ نے اپنے پاس ہی رکھا۔

کچھ عرصہ تو ان دونوں حضرات نے مشترکہ طور پر اس زمین کی نگہداشت کی، مگر بعد میں ان میں اختلاف ہوگیا، جھگڑا اس زمین کی پیداوار کے صرف کرنے کے لحاظ سے ہوا، وہ حضرات دوبارہ حضرت عمرؓ کے پاس آئے، اور ان دونوں حضرات نے یہ مطالبہ کیا کہ یہ زمین ہم دونوں میں تقسیم کر دیں، ایک حصہ کا متولی اور نگران حضرت علیؓ ہوں اور دوسرے حصہ کے متولی اور نگران حضرت عباسؓ ہوں، مگر حضرت عمرؓ نے ان کے اس مطالبہ کو اس خدشہ کے پیش نظر قبول نہیں فرمایا، کہ آگے چل کر لوگ یہی سمجھیں گے کہ یہ زمین ان کے درمیان میراث کے طور پر تقسیم کر دی گئی ہے، جبکہ اس میں تقسیم نہیں ہوسکتی، اس لیے مشترکہ انداز سے ان دونوں حضرات کے پاس اس زمین کی نگرانی رہی، پھر حضرت عثمانؓ کے زمانہ خلافت میں حضرت عباسؓ نے اس زمین کی مشترکہ نگرانی سے علیحدگی اختیار کر لی، تنہا حضرت علیؓ کے قبضہ میں یہ نگرانی رہی، پھر حضرت حسن اس کے متولی اور نگران رہے پھر حضرت حسینؓ اور پھر حضرت علیؓ بن حسین اور حسن بن حسن، پھر زید بن حسن، پھر عبید اللہ بن حسن کے پاس رہی، پھر بنو عباسؓ نے اس پر

قبضہ کرلیا، ان کا جو خلیفہ ہوتا، وہ اس کا متولی رہا، اور اہل مدینہ کے ضرورت مند لوگوں پر اس کی آمدن کو تقسیم کیا کرتے تھے، دوسو ہجری تک ایسا ہی ہوتا رہا۔(۱)

یہاں دو باتوں کی وضاحت کرنا از حد ضروری ہے:

۱۔ اس واقعہ میں حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کے لیے "ظالم" کا لفظ اور دیگر بہت سخت الفاظ استعمال کیے ہیں، اور ان دونوں حضرات کے درمیان حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے سامنے بحث مباحثہ اور سخت گفتگو بھی ہوئی، جو بلاشبہ صحابی کی شان سے بعید معلوم ہوتی ہے، مگر حضرت عباس رضی اللہ عنہ نے دو وجہ سے ایسا کیا تھا:

- ایک تو اس لیے کہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کے چچا تھے، اس لحاظ سے ان کو تنبیہ کا حق حاصل ہے۔
- دوسرا وہ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو اس معاملے میں ناحق سمجھ رہے تھے، اس لیے انہوں نے ظالم کے الفاظ استعمال کیے ہیں،

اختلاف دراصل بنونضیر کی زمین کے پیداوار کے مصارف میں تھا، حضرت علی رضی اللہ عنہ کا کہنا یہ تھا کہ میں اس کی آمدن میں اسی طرح تصرف کررہا ہوں، جس طرح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تصرف فرمایا کرتے تھے، اہل بیت کو دینے کے بعد جو بچ جاتا، حضرت علی رضی اللہ عنہ اسے صدقہ کردیا کرتے تھے، جبکہ حضرت عباس رضی اللہ عنہ نہایت دور اندیش اور منتظم تھے، وہ ہر مال کو بہت احتیاط سے خرچ فرمانا چاہتے تھے، ایمرجنسی اور ضرورت کے موقع کے لیے کچھ مال محفوظ اور ذخیرہ کرکے رکھنا چاہتے تھے، یوں ان حضرات کے درمیان خرچ کرنے کی کیفیت میں اختلاف ہوگیا تھا۔(۲)

۲۔ سوال یہ ہے کہ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے اہل بیت یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ، حضرت عباس رضی اللہ عنہ وغیرہ کو یہ حدیث سنائی تھی کہ: انا لا نورث کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ہم انبیاء کی جماعت کا کوئی وارث نہیں ہوتا، جس کی وجہ سے انہوں نے اس جائیداد کو میراث کے طور پر تقسیم کرنے سے صاف انکار فرمادیا تھا، تو پھر حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان حضرات نے دوبارہ کیوں مطالبہ کیا تھا، حالانکہ ان کو حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ یہ حدیث بتا چکے تھے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث تو یقیناً ان کو معلوم ہوگئی تھی، مگر بظاہر وہ اس حدیث کو مخصوص سمجھتے تھے، کہ دراہم و دنانیر میں تو میراث جاری نہیں ہوتی، مگر اور چیزوں میں گویا میراث جاری ہوتی ہے، ہوسکتا ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے ان کے زمانہ خلافت میں دوبارہ مطالبہ کرنا اس خیال کے پیش نظر ہو کہ شاید حضرت عمر کی رائے بھی ان دونوں حضرات کے موافق ہو یعنی حضرت عمر بھی اس کو مخصوص خیال فرماتے ہوں، لیکن مطالبہ کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی رائے بھی وہی ہے جو اور سب حضرات کی ہے، اور حدیث کے ظاہری الفاظ سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ ارشاد: انا لا نورث ہر چیز کو شامل ہے، کسی چیز کی تخصیص نہیں، لہذا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وفات کے وقت جو چیز بھی چھوڑ کر گئے ہیں، وہ صدقہ اور وقف ہے، اس میں

(۱) فتح الباری ۲۵۴/۶، کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس، رقم الحدیث: ۳۰۹۴، ط: بیروت۔

(۲) تکملۃ فتح الملہم ۸۱/۳، کتاب الجہاد والسیر، قصۃ الخلاف بین عباس و علی، رقم الحدیث: ۴۳۴۰۔

میراث جاری نہیں ہوئی۔(۱)

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ: مَا تَرَكَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دِينَارًا وَلاَ دِرْهَمًا وَلاَ شَاةً وَلاَ بَعِيرًا قَالَ: وَأَشُكُّ فِي الْعَبْدِ وَالأَمَةِ.

ترجمہ: حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ دینار چھوڑا اور نہ درہم، نہ بکری اور نہ اونٹ، راوی کہتے ہیں کہ مجھے غلام اور باندی کے ذکر میں شک ہو گیا کہ حضرت عائشہؓ نے یہ بھی فرمایا تھا کہ "نہ غلام، اور نہ باندی" یا نہیں فرمایا تھا۔

نوٹ: کسی راوی کو اس میں تردد ہو گیا، اس لیے انہوں نے اس پر متنبہ کر دیا، دوسری روایت میں اس کی تصریح ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے نہ غلام چھوڑا اور نہ ہی باندی، چنانچہ صحیح بخاری میں حضرت جویریہ کی روایت ہے، جس میں یہ الفاظ ہیں: ولا عبدا ولا أمة (نہ غلام چھوڑا اور نہ باندی)

## بَابُ: مَا جَاءَ فِي رُؤْيَةِ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ

یہ باب ان احادیث پر مشتمل ہے جن میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کا ذکر ہے۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُودٍ، عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لاَ يَتَمَثَّلُ بِي.(۲)

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے حقیقۃً مجھے ہی دیکھا ہے، اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لاَ يَتَصَوَّرُ أَوْ قَالَ: لاَ يَتَشَبَّهُ بِي.(۳)

ترجمہ: حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نے خواب میں مجھے دیکھا، تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا ہے، اس لیے کہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا، یا یوں فرمایا کہ: شیطان میرے مشابہ صورت نہیں بنا سکتا۔

عَنْ أَبِي مَالِكٍ الأَشْجَعِيِّ، عَنْ أَبِيهِ قَالَ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم: من رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي، قَالَ أَبُو

(۱) فتح الباری ۶/۲۵۵، کتاب فرض الخمس، باب فرض الخمس، رقم الحدیث: ۳۰۹۴

(۲) سنن الترمذی، الرؤیا، رقم الحدیث: ۲۲۷۶

(۳) سنن ابن ماجة، رقم الحدیث: ۳۹۰۱

عِیْسٰی: وَأَبُوْ مَالِكٍ هٰذَا: هُوَ سَعْدُ بْنُ طَارِقِ بْنِ أَشْيَمَ، طَارِقُ بْنُ أَشْيَمَ هُوَ مِنْ أَصْحَابِ النَّبِيِّ ﷺ، وَقَدْ رَوٰى عَنِ النَّبِيِّ ﷺ أَحَادِيْثَ۔

ترجمہ: حضرت طارق بن اشیم سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس نے مجھے خواب میں دیکھا، اس نے حقیقۃً مجھ ہی کو دیکھا۔ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ "ابو مالک" سعد بن طارق بن اشیم ہیں اور رسول اللہ ﷺ کے صحابہ میں سے ہیں اور نبی کریم ﷺ سے بہت سی احادیث روایت کی ہیں۔

**مشکل الفاظ کے معنی:**۔ لا یتمثل بی: شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا، لا یتشبہ بی: وہ میری مشابہ صورت نہیں بنا سکتا۔

## خواب کی تین قسمیں اور ان کا درجہ

رویا اور خواب: اس شکل وصورت اور چیز کو کہتے ہیں، جو انسان کو نیند میں نظر آئے، حدیث میں اس خواب کی تین قسمیں منقول ہیں:

۱۔ رحمانی خواب یعنی نیک خواب: یہ خواب اس بندے کے لیے بشارت ہوتے ہیں، یہ درحقیقت ایک قسم کا الہام ہوتا ہے جو بندے کو متنبہ کرنے یا خوشخبری دینے کے لیے کیا جاتا ہے، اللہ جل شانہ محض اپنے فضل سے خزانہ غیب سے کچھ چیزیں اس کے دل ودماغ میں ڈال دیتے ہیں۔

۲۔ شیطانی خواب: جس میں شیطان کچھ شکلیں اور واقعات اس کے ذہن میں ڈال دیتا ہے، کبھی خوش کرنے والے اور کبھی ڈرانے والے، اس کو "تسویل شیطانی" بھی کہا جاتا ہے۔

۳۔ نفسانی خواب: بیداری کی حالت میں جو کچھ انسان سوچتا ہے، یا جو چیزیں اور صورتیں دیکھتا رہتا ہے، وہ سارا کچھ خواب میں نظر آجاتا ہے، اس طرح کے خواب کو "حدیث النفس" بھی کہا جاتا ہے، لہذا جب انسان کوئی نامناسب اور برا خواب دیکھے تو بائیں جانب تھوک دے اور ہوسکے تو دو رکعت نماز نفل پڑھ لے اور اس خواب کا کسی کے سامنے تذکرہ بھی نہ کرے۔

حضرات انبیاء علیہم السلام کے خواب سچے ہوتے ہیں، اسی لیے ان کے خواب وحی کا درجہ رکھتے ہیں، عام مسلمانوں کے خواب میں ہر طرح کا احتمال رہتا ہے، اس لیے وہ کسی کے لیے دلیل اور حجت نہیں ہوتے، ان کے خوابوں میں بعض اوقات طبعی اور نفسانی صورتیں شامل ہوجاتی ہیں، اور بعض اوقات گناہوں کی تاریکی صحیح خواب پر چھا جاتی ہے، یوں وہ اسے ناقابل اعتبار بنا دیتی ہے، اور بعض اوقات صحیح تعبیر سمجھ میں ہی نہیں آتی۔

خواب کی مذکورہ اقسام میں سے دوسری اور تیسری دونوں قسمیں باطل ہیں، ان کی نہ تو کوئی حقیقت اور اصلیت ہوتی ہے، اور نہ ان کی کوئی واقعی تعبیر ہوسکتی ہے، اس لیے یہ دونوں قسمیں ناقابل اعتبار ہیں۔ (۱)

---

(۱) معارف القرآن ۵/۲۰، سورۃ یوسف، "خواب کی حقیقت، درجہ اور اس کی قسمیں"۔

# حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خواب میں دیکھنے کی فضیلت

جو مسلمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھ لے تو بلاشبہ یہ اس کے لیے بہت بڑے اعزاز اور فضیلت کی بات ہے، اور متعدد احادیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص خواب میں مجھے دیکھ لے تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا ہے، کیونکہ شیطان کو یہ طاقت ہی نہیں کہ وہ میری شکل وصورت میں کسی کے خواب میں آسکے، یہ بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خصوصیات میں سے ہے کہ جس طرح زندگی میں اللہ جل جلالہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو شیطان سے محفوظ رکھا، اسی طرح وفات کے بعد بھی جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھے، تو اس کے اندر بھی شیطان اثر انداز نہیں ہوسکتا، وہ ایسا نہیں کرسکتا کہ اپنی طرف سے شکل بنا کر خواب میں یہ کہے کہ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں کس طرح دیکھا جائے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھنا شمار ہوگا، اس بارے میں شارحین حدیث کے دو قول ہیں:

۱۔ محمد بن سیرین، امام بخاری، قاضی عیاض اور دوسرے بعض علماء کے نزدیک خواب میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اصلی اور معروف شکل وصورت میں دیکھا جائے تو یہ درست خواب ہوگی، جس میں شیطان کا کوئی اثر نہیں ہوگا، اس صورت میں اس نے واقعی آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہی کو دیکھا ہے۔

۲۔ اکثر حضرات کے نزدیک یہ کوئی شرط نہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معروف شکل وصورت میں دیکھا جائے بلکہ اگر معروف شکل وصورت کے خلاف ہیئت میں خواب میں دیکھے تو بھی وہ خواب درست ہوگا، وہ شکل وصورت خواہ جوانی سے متعلق ہو یا بڑھاپے اور آخری عمر سے، کیونکہ شکل وشباہت کے اختلاف سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات پر کوئی فرق نہیں پڑتا بلکہ اس کا تعلق خواب دیکھنے والے سے ہے، چنانچہ جو شخص آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اچھی شکل وصورت میں دیکھے تو یہ اس کے ایمان کے کامل اور عقیدے کے درست ہونے کی علامت ہے، اور جو شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت اس طرح کرے کہ جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان کے مناسب نہیں مثلاً نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جو حلیہ مبارک شمائل کی احادیث میں گذرا ہے، اس کے خلاف دیکھے، تو یہ اس خواب دیکھنے والے کے ایمان کی کمزوری، کوتاہی اور اعمال میں کمزوری کی علامت ہوتی ہے۔

اس میں بھی علماء کا اختلاف ہے کہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اصلی ذات دکھائی جاتی ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی صورت، راجح یہی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مثالی شکل وصورت دکھائی جاتی ہے۔(۱)

بعض لوگ یہاں ایک اشکال کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت ایک ہی وقت میں مختلف شہروں اور مختلف ملکوں میں بہت سے لوگوں کو ہوتی ہے، تو یہ کیسے ممکن ہے کہ ایک آدمی ایک ہی وقت میں ہر جگہ دیکھا جاسکے؟

---

(۱) تکملة فتح الملهم ۴/۴۵۱، کتاب الرؤیا، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم من رآنی فی المنام، رقم الحدیث: ۵۸۷۳

مگر اس زمانے میں یہ بات سمجھنا کوئی مشکل نہیں، کیونکہ یہ ٹی وی، انٹرنیٹ اور کمپیوٹر کا دور ہے، جب ان میں ایک ہی چیز کو بیک وقت پوری دنیا میں دیکھا جا سکتا ہے تو اللہ جل جلالہ کے لیے کیا مشکل ہے کہ وہ نبی کریم ﷺ کی مثالی صورت کو ایک ہی وقت میں دنیا کی مختلف جگہوں پر دکھا دیں، نبی کریم ﷺ کی مثال شمس کی طرح ہے، کہ سورج ایک ہی جگہ پر قائم ہے، اور مختلف لوگ دور دور کے شہروں سے اس کو دیکھتے ہیں اور پھر جس قسم کی عینک پہنی ہو، سبز، سرخ اور سیاہ عینک لگا کر دیکھیں گے تو آفتاب بھی اسی طرح نظر آئے گا، حالانکہ آفتاب کی تو ایک ہی صورت ہے، اسی طرح نبی کریم ﷺ کی مثالی صورت تو ایک ہی جگہ پر ہے مگر پوری دنیا میں اللہ جل شانہ جس کو چاہتے ہیں، اسے زیارت کی سعادت عطا فرما دیتے ہیں، دعا ہے کہ اللہ جل شانہ محض اپنے محض و کرم سے بغیر کسی استحقاق کے بار بار ہمیں بھی زیارتِ رسول کی سعادت نصیب فرمائے، آمین یا رب العالمین۔(۱)

یہ ذہن میں رہے کہ شیطان خواب میں نبی کریم ﷺ کی شکل وصورت میں تو نہیں آ سکتا لیکن اللہ تعالیٰ کی شکل میں آ کر یہ کہہ سکتا ہے کہ میں اللہ ہوں، اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ جل شانہ کی دو صفتیں ہیں: ہادی اور مضل (ہدایت دینے والا اور گمراہ کرنے والا) اضلال یعنی گمراہ کرنے کا عمل چونکہ شیطان کی طرف سے ہوتا ہے، اس لیے صفت ضلالت کی بناء پر وہ یوں گمراہ کر سکتا ہے کہ خواب میں کسی کو یوں کہے کہ میں اللہ ہوں، جب کہ نبی کریم ﷺ ہادی محض ہیں، مضل یعنی گمراہ کرنے والے نہیں، اس وجہ سے شیطان نبی کریم ﷺ کی شکل وصورت کا روپ نہیں بنا سکتا، اسی بات کو نبی کریم ﷺ نے ان احادیث میں بیان فرمایا کہ جو شخص خواب میں مجھے دیکھے، تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا ہے، کیونکہ شیطان میری شکل وصورت میں نہیں آ سکتا۔(۲)

## حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھنے سے متعلق دو اہم باتیں

۱۔ اگر کوئی شخص حضور اکرم ﷺ کو خواب میں دیکھے تو اس پر بیداری کی حالت کے احکام جاری نہیں ہوں گے، یعنی اسے صحابی نہیں کہا جائے گا، اس لیے کہ صحابی اس شخص کو کہتے ہیں جس نے حضور اقدس ﷺ کو بیداری میں اسلام کی حالت میں دیکھا ہو، اور پھر اسلام پر ہی اس کی وفات ہوئی ہو۔

۲۔ خواب میں نبی کریم ﷺ کسی بات کا حکم فرمائیں یا کسی چیز سے منع کریں، تو یہ حجت نہیں یعنی اس پر عمل کرنا لازم نہیں، دیکھا جائے گا کہ وہ حکم یا کسی چیز سے ممانعت، شریعت کے اصول وضوابط کے موافق ہے یا نہیں؟ اگر موافق ہو تو اس پر عمل کرنا بہتر ہے، ضروری نہیں، اور اگر وہ خلافِ شرع ہو تو اس پر عمل کرنا ہرگز جائز نہیں۔

خواب کے مطابق اس حکم پر عمل کرنا اس لیے ضروری نہیں کہ خواب میں بہت سے احتمالات ہو سکتے ہیں کہ خواب دیکھنے

---

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۹۵، ۲۹۶۔

(۲) فتح الباری ۱۲/۴۷۹ کتاب التعبیر، باب من رأی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی المنام، رقم الحدیث: ۶۹۹۳، تقریر بخاری ۱/۳۸، کتاب العلم، باب اثم من کذب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم۔

والے کو پوری بات یاد ہے یا نہیں، اس کی کیا تفصیل تھی... ؟ ان تمام چیزوں کا ذہن میں رہنا کوئی ضروری نہیں، اس وجہ سے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کے مطابق عمل کرنا بھی ضروری نہیں، جیسے ایک شخص کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خواب میں زیارت ہوئی، تو اس نے بتایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے: اِشْرَبِ الْخَمْرَ: شراب پی لیا کرو، اس نے ایک عالم سے تعبیر پوچھی تو انہوں نے بتایا کہ اصل میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے لَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ (کہ شراب مت پینا) فرمایا تھا مگر اسے مکمل ارشاد یاد نہیں رہا تھا یا شیطان نے اس پر خلط ملط کر دیا، اس لیے خواب میں حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کے مطابق عمل کرنا ضروری نہیں۔(۱)

عَنْ عَاصِمِ بْنِ كُلَيْبٍ قَالَ: حَدَّثَنِي أَبِي، أَنَّهُ سَمِعَ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ: قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَمَثَّلُنِي، قَالَ أَبِي: فَحَدَّثْتُ بِهِ ابْنَ عَبَّاسٍ، فَقُلْتُ: قَدْ رَأَيْتُهُ، فَذَكَرْتُ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ فَقُلْتُ: شَبَّهْتُهُ بِهِ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّهُ كَانَ يُشْبِهُهُ.

ترجمہ: حضرت عاصم بن کلیب اپنے والد حضرت کلیب سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت ابو ہریرہؓ کو یہ حدیث بیان کرتے ہوئے سنا کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص خواب میں مجھے دیکھے تو اس نے حقیقۃً مجھے ہی خواب میں دیکھا ہے، کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا۔

میرے والد کلیب کہتے ہیں کہ میں نے یہ حدیث ابن عباسؓ کے سامنے بیان کی اور میں نے یہ بھی کہا کہ میں نے خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، اس وقت مجھے حضرت حسن بن علیؓ کا خیال آیا، میں نے ابن عباسؓ سے کہا کہ میں نے اس خواب کی صورت کو حضرت حسنؓ کی صورت کے بہت مشابہ پایا، اس پر ابن عباسؓ نے فرمایا: واقعی حضرت حسنؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے۔

مشکل الفاظ کے معنیٰ:۔ قد رایته: میں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، شبهته به: میں نے خواب میں دیکھے جانے والی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت کو حضرت حسن کے مشابہ پایا، انه کان یشبهه: واقعی حضرت حسنؓ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے، اس میں "انہ" کی ضمیر اور یشبهه کی ضمیر فاعل حضرت حسنؓ کی طرف لوٹ رہی ہے، اور یشبهه کی "ہ" ضمیر سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم مراد ہیں۔

## حضرات حسنینؓ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بہت مشابہ تھے

اس حدیث کے راوی حضرت کلیب رحمہ اللہ نے ایک مرتبہ خواب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا تو اس بات کا تذکرہ انہوں نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے سامنے کیا، اور ساتھ ہی یہ بھی بتایا کہ جس وقت مجھے زیارت ہوئی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھ کر مجھے حضرت حسنؓ یاد آ گئے کہ حضرت حسنؓ کی صورت تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ معلوم ہوتی ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن

(۱) تکملة فتح الملهم ۴/۴۵۲ کتاب الرؤیا، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم: من رآنی فی المنام، رقم الحدیث: ۵۸۲۳

عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: ہاں یہ درست ہے کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھے، ایک اور حدیث میں حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضرت حسن رضی اللہ عنہ کا سینہ اور جسم کا اوپر کا حصہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بہت مشابہ تھا، اور حضرت حسین رضی اللہ عنہ کے جسم کا نچلا حصہ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کے زیادہ مشابہ تھا۔(۱)

عَنْ يَزِيدَ الْفَارِسِيِّ - وَكَانَ يَكْتُبُ الْمَصَاحِفَ - قَالَ: رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَنَامِ زَمَنَ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ: فَقُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ: إِنِّي رَأَيْتُ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي النَّوْمِ، فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: إِنَّ رَسُولَ اللهِ كَانَ يَقُولُ: إِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَسْتَطِيعُ أَنْ يَتَشَبَّهَ بِي، فَمَنْ رَآنِي فِي النَّوْمِ فَقَدْ رَآنِي، هَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَنْعَتَ هَذَا الرَّجُلَ الَّذِي رَأَيْتَهُ فِي النَّوْمِ؟ قَالَ: نَعَمْ، أَنْعَتُ لَكَ رَجُلًا بَيْنَ الرَّجُلَيْنِ، جِسْمُهُ وَلَحْمُهُ أَسْمَرُ إِلَى الْبَيَاضِ، أَكْحَلُ الْعَيْنَيْنِ، حَسَنُ الضَّحِكِ، جَمِيلُ دَوَائِرِ الْوَجْهِ، مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ مَا بَيْنَ هَذِهِ إِلَى هَذِهِ، قَدْ مَلَأَتْ نَحْرَهُ - قَالَ عَوْفٌ: وَلَا أَدْرِي مَا كَانَ مَعَ هَذَا النَّعْتِ - فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: لَوْ رَأَيْتَهُ فِي الْيَقَظَةِ مَا اسْتَطَعْتَ أَنْ تَنْعَتَهُ فَوْقَ هَذَا۔

ترجمہ: حضرت یزید فارسی رحمہ اللہ، جو قرآن مجید لکھا کرتے تھے، فرماتے ہیں کہ میں نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے زمانے میں ایک مرتبہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا، تو میں نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے عرض کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، اس پر حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا: بیشک رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ شیطان اس بات کی طاقت نہیں رکھتا کہ وہ مجھ جیسی صورت بنائے، لہذا جس کسی نے بھی مجھے خواب میں دیکھا تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا ہے، (پھر ابن عباس رضی اللہ عنہ نے یزید فارسی سے فرمایا) کیا آپ اس شخص کی صورت اور حلیہ بیان کر سکتے ہیں، جس کو آپ نے خواب میں دیکھا ہے؟ انہوں نے کہا: جی ہاں میں اس شخص کا حال آپ کے سامنے بیان کرتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا جسم اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا گوشت یعنی قد و قامت دو آدمیوں کے درمیان میں ہے یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا بدن مبارک اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا قد و قامت دونوں چیزیں معتدل اور درمیانی ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا رنگ گندمی سفیدی مائل تھا، دونوں آنکھیں سرگیں تھیں، بہت اچھی اور عمدہ مسکراہٹ والے اور خوبصورت گول چہرے والے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی نے اس کے اور اس کے درمیان یعنی ایک کان سے لے کر دوسرے کان کی درمیانی جگہ کو بھر رکھا تھا، (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی مبارک چوڑی اور گھنی تھی) اور اس ڈاڑھی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سینہ کے بالائی حصے یعنی گردن کے نچلے حصے کو بھر رکھا تھا یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ڈاڑھی لمبی تھی۔

اس حدیث کے راوی عوف بن ابی جمیلہ کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ ان اوصاف کے ساتھ اور کیا کیا صفات تھیں

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۶۸۴)

(جن کو میرے استاذ یزید فارسی نے بیان کیا تھا) اس پر ابن عباس نے فرمایا: اگر آپ حضور اقدس ﷺ کو بیداری کی حالت میں دیکھتے تو اس سے زیادہ آپ ﷺ کے اوصاف بیان نہ کر سکتے (یعنی آپ نے بالکل صحیح حلیہ مبارک بیان کیا ہے)

مشکل الفاظ کے معنی:۔ مصاحف: مصحف کی جمع ہے، قرآن مجید کے نسخے، ان یتشبہ بی: کہ شیطان میری صورت بنائے، انعت لک: میں آپ کے لیے بیان کرتا ہوں، رجلاً: اس لفظ پر دو طرح کا اعراب پڑھ سکتے ہیں: ا۔ اس پر زبر ہو، اس صورت میں یہ انعت کا مفعول بہ بنے گا، ۲۔ رجل پر پیش اور تنوین ہو، یعنی ھو رجل اس صورت میں یہ ھو مبتدا محذوف کی خبر ہوگا، بین الرجلین: دو آدمیوں کے درمیان، و لحمہ: اور آپ ﷺ کا قد و قامت، ترکیبی لحاظ سے بین الرجلین خبر مقدم ہے اور جسمہ و لحمہ مبتدا مؤخر ہے، ترجمہ یہ ہوگا: آپ ﷺ کا جسم مبارک اور آپ ﷺ کا قد مبارک دو آدمیوں کے درمیان تھا یعنی یہ دونوں چیزیں آپ ﷺ کی معتدل تھیں، أسمر: گندمی رنگ والے، اکحل العینین: سرگیں آنکھوں والے، دوائر: دائرۃ کی جمع ہے: گول، چہرے کے اطراف، قد ملأت: ان ڈاڑھی نے بھر دیا تھا، ما بین ھذہ الی ھذہ: ایک کان سے لے کر دوسرے کان کی درمیانی جگہ، نحرہ: آپ ﷺ کے سینہ کا بالائی حصہ یعنی گردن کا نچلا حصہ، لا ادری: مجھے معلوم نہیں، میں نہیں جانتا، فوق ھذا: ان اوصاف سے زیادہ۔

## یزید فارسی نے خواب میں زیارت کے بعد آپ ﷺ کے یہ اوصاف بیان کیے

ایک مرتبہ حضرت یزید فارسی رحمہ اللہ خواب میں نبی کریم ﷺ کی زیارت سے مشرف ہوئے، اس وقت حضرت عبداللہ بن عباس بھی حیات تھے، اس خواب کا تذکرہ انہوں نے ابن عباس ؓ کے سامنے کیا، حضرت عبداللہ بن عباس ؓ نے پہلے یہ حدیث سنائی کہ نبی کریم ﷺ نے بار ہا ارشاد فرمایا کہ جو شخص مجھے خواب میں دیکھے تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا ہے، کیونکہ شیطان میری مشابہ صورت نہیں بنا سکتا، پھر فرمایا کہ کیا تم خواب میں دیکھے جانے والے شخص کے کچھ اوصاف بیان کر سکتے ہو کہ وہ کیسے تھے؟ حضرت یزید فارسی رحمہ اللہ نے عرض کیا: جی ہاں میں اس شخص کے اوصاف بیان کرتا ہوں، پھر انہوں نے نبی کریم ﷺ کے چھ اوصاف ذکر کیے:

ا۔ نبی کریم ﷺ کا جسم اور آپ ﷺ کا قد و قامت دونوں چیزیں معتدل اور درمیانی ہیں، جسم نہ زیادہ موٹا، نہ زیادہ لمبا، ایسے ہی قد نہ زیادہ لمبا، نہ زیادہ پست بلکہ معتدل تھا۔

۲۔ آپ ﷺ کا رنگ گندمی مگر مائل بہ سفیدی ہے۔

۳۔ قدرتی طور پر نبی کریم ﷺ سرگیں ہیں، جو دیکھنے میں انتہائی دلکش ہیں۔

۴۔ نبی کریم ﷺ عمدہ مسکراہٹ، خندہ دہن اور تبسم والے تھے۔

۵۔ حضور اقدس ﷺ کا چہرہ خوبصورت اور گول تھا، چہرے کے خدوخال اور اطراف انتہائی جاذب نظر اور دلکش تھے۔

۶۔ قَدْ مَلَأَتْ لِحْيَتُهُ مَا بَيْنَ هٰذِهٖ إِلٰى هٰذِهٖ آپ ﷺ کی ڈاڑھی نے ایک کان سے دوسرے کان کی درمیانی جگہ کو بھر رکھا تھا، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ڈاڑھی مبارک چوڑی اور گنجان تھی، اور فرمایا: قَدْ مَلَأَتْ نَحْرَهٗ: اس ڈاڑھی نے آپ ﷺ کے سینہ کے بالائی حصہ یعنی گردن کے نچلے حصہ کو بھر رکھا تھا، اس سے یہ بتانا مقصود ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ڈاڑھی مبارک طویل اور لمبی تھی۔

حضرت عبداللہ بن عباسؓ نے جب حضرت یزید فارسی سے نبی کریم ﷺ کے یہ اوصاف سنے تو فرمایا کہ تم نے بالکل صحیح اوصاف ذکر کیے ہیں، اگر تم آپ ﷺ کو بیداری میں دیکھتے تو اس سے زیادہ آپ اوصاف بیان نہ کرتے، مقصد یہ ہے کہ تم نے بالکل صحیح اوصاف بیان کیے ہیں۔

قَالَ عَوْفٌ وَلَا أَدْرِيْ مَا كَانَ مَعَ هٰذَا النَّعْتِ حدیث کے راوی عوف بن ابی جمیلہ کہتے ہیں کہ میں نہیں جانتا کہ میرے استاد یزید فارسی نے، جو اس خواب کے دیکھنے والے ہیں، ان مذکورہ صفات کے ساتھ اور کیا کیا صفتیں بیان فرمائیں، اس جملے کے دو مطلب بیان کیے گئے ہیں:

- ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عوف بن ابی جمیلہ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ میرے استاذ حضرت یزید فارسی نے اس موقع پر اور بھی بہت سے اوصاف ذکر کیے ہیں، مگر میں ان کو بھول گیا، صرف مذکورہ اوصاف یاد رہے، جن کو میں نے ذکر کر دیا ہے۔
- مناوی نے اس جملہ کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ عوف کہتے ہیں کہ مجھے معلوم نہیں کہ یہ جو اوصاف ذکر کیے ہیں، کیا یہ خارج میں حقیقت کے مطابق ہیں یا نہیں۔(۱)

قَالَ أَبُوْ عِيْسٰى: وَيَزِيْدُ الْفَارِسِيُّ هُوَ: يَزِيْدُ بْنُ هُرْمُزَ، وَهُوَ أَقْدَمُ مِنْ يَزِيْدَ الرَّقَاشِيِّ، وَرَوٰى يَزِيْدُ الْفَارِسِيُّ، عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ أَحَادِيْثَ، وَيَزِيْدُ الرَّقَاشِيُّ لَمْ يُدْرِكِ ابْنَ عَبَّاسٍ، وَهُوَ يَزِيْدُ بْنُ أَبَانَ الرَّقَاشِيُّ، وَهُوَ يَرْوِيْ عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، وَيَزِيْدُ الْفَارِسِيُّ، وَيَزِيْدُ الرَّقَاشِيُّ كِلَاهُمَا مِنْ أَهْلِ الْبَصْرَةِ.

ترجمہ: ابو عیسیٰ امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یزید فارسی ہی یزید بن ہرمز ہیں اور یہ یزید رقاشی سے بہت پہلے گذرے ہیں، یزید فارسی نے ابن عباس سے بہت سی حدیثیں روایت کی ہیں، اور یزید رقاشی نے ابن عباس کا زمانہ نہیں پایا، ان کا نام یزید بن ابان رقاشی ہے، یہ حضرت انس سے روایت کرتے ہیں، یزید فارسی اور یزید رقاشی دونوں ہی بصرہ کے رہنے والے ہیں۔

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۹۶۔

## حضرت یزید فارسی اور حضرت یزید رقاشی رحمہم اللہ تعالیٰ

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یزید نام کے دو راوی ہیں:

۞ ایک حضرت یزید بن ہرمز فارسی رحمہ اللہ ہیں، جو اس حدیث کے راوی ہیں، جنہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو خواب میں دیکھا ہے، حضرت یزید قرآن مجید کے نسخے لکھا کرتے تھے، اسی مشغلے کی برکت سے انہیں زیارتِ رسول کی سعادت حاصل ہوئی، یزید فارسی نے ابن عباسؓ کا زمانہ پایا، اسی وجہ سے انہوں نے ابن عباسؓ سے بہت سی روایتیں نقل کی ہیں، یزید فارسی، یزید رقاشی سے پہلے گذرے ہیں۔

حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذیؒ نے یہ جو کہا کہ یزید فارسی یزید بن ہرمز ہیں، یہ درست نہیں، یزید بن ہرمز مدنی ہیں اور اوساطِ تابعین میں سے ہیں، اور یزید فارسی الگ ہیں، جو بصرہ کے رہنے والے اور صغار تابعین میں سے ہیں، اسی وجہ سے حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے یزید بن ہرمز اور یزید فارسی کا تذکرہ الگ الگ کیا ہے، جبکہ بعض حضرات کی رائے یہ ہے کہ یزید بن ہرمز اور یزید فارسی ایک ہی شخص ہے، چنانچہ امام ترمذی رحمہ اللہ نے اسی کو اختیار کیا ہے، مگر حافظ ابن حجر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام ترمذی کی یہ بات درست نہیں، واللہ اعلم۔(۱)

۞ دوسرے حضرت یزید بن ابان رقاشی رحمہ اللہ ہیں، جو حضرت انسؓ سے روایت کرتے ہیں، امام ترمذی فرماتے ہیں کہ یزید فارسی اور یزید رقاشی دونوں ہی بصرہ کے رہنے والے ہیں۔

**وَعَوْفُ بْنُ أَبِيْ جَمِيْلَةَ هُوَ عَوْفُ الْأَعْرَابِيُّ۔ حَدَّثَنَا أَبُوْ دَاوُدَ سُلَيْمَانُ بْنُ سَلْمٍ الْبَلْخِيُّ، حَدَّثَنَا النَّضْرُ بْنُ شُمَيْلٍ، قَالَ: قَالَ عَوْفُ الْأَعْرَابِيُّ: أَنَا أَكْبَرُ مِنْ قَتَادَةَ۔**

ترجمہ: اور عوف بن ابی جمیلہ وہ عوف اعرابی ہیں: نضر بن شمیل کہتے ہیں کہ عوف اعرابی کہتے تھے: میں عمر میں قتادہ سے بڑا ہوں۔

## حضرت عوف بن ابی جمیلہ رحمہ اللہ

امام ترمذی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حدیث کے راوی عوف بن ابی جمیلہ سے عوف اعرابی مراد ہیں، اور عوف یہ کہا کرتے کہ میں عمر میں قتادہ سے بڑا ہوں، بظاہر امام ترمذی کا اس سے مقصود یہ ہے کہ قتادہ ابن عباسؓ سے روایت کرنے میں معروف ہیں اور جب عوف اعرابی، قتادہ سے عمر میں بڑے ہیں، تو اگر یہ ایک راوی کے واسطہ سے ابن عباسؓ سے کوئی حدیث روایت کریں تو یہ

---

(۱) تهذيب التهذيب ۳۸۴/۹، رقم الترجمة: ۸۰۲۹، وايضاً ۳۸۹/۹، رقم الترجمة: ۸۰۷۵، ط: بيروت جمع الوسائل في شرح الشمائل مع شرح المناوي ۲۹۷/۲

ہوسکتا ہے، یہ بات محال اور ناممکن نہیں۔(۱)

عَنْ أَنَسٍ: أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ: مَنْ رَآنِي فِي الْمَنَامِ فَقَدْ رَآنِي، فَإِنَّ الشَّيْطَانَ لَا يَتَخَيَّلُ بِي وَقَالَ: وَرُؤْيَا الْمُؤْمِنِ جُزْءٌ مِنْ سِتَّةٍ وَأَرْبَعِينَ جُزْءًا مِنَ النُّبُوَّةِ.(۲)

ترجمہ: حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص خواب میں مجھے دیکھے تو اس نے حقیقت میں مجھے ہی دیکھا ہے، کیونکہ شیطان میری صورت نہیں بنا سکتا، اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے۔

## ''اچھا خواب'' نبوت کا ایک جزء ہے

مذکورہ حدیث میں دو باتوں کا ذکر ہے:

۱۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو مسلمان مجھے خواب میں دیکھے تو اس نے واقعی مجھے ہی دیکھا ہے، شیطان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صورت میں نہیں آسکتا۔

۲۔ اس روایت میں ہے کہ مؤمن کا خواب نبوت کے چھیالیس اجزاء میں سے ایک جزء ہے، اس روایت میں چھیالیس کا ذکر ہے، جبکہ دیگر بعض روایات میں چالیس، چوالیس، پینتالیس، انچاس اور ستر واں جزء ہونا بھی منقول ہے۔

شارحین حدیث فرماتے ہیں کہ ان روایات میں کوئی تعارض اور تضاد نہیں، بلکہ ہر روایت اپنی جگہ درست ہے، اور اجزاء کی تعداد کا یہ اختلاف خواب دیکھنے والوں کے مختلف حالات کی بناء پر ہے، چنانچہ جو شخص سچائی، امانت و دیانت اور کمال ایمان کے ساتھ متصف ہوگا، اس کا خواب نبوت کے اجزاء کے اعتبار سے اسی قدر قریب ہوگا، اور جو شخص ان اوصاف میں جس قدر کم ہوگا، اتنا ہی اس کا خواب نبوت کے اجزاء کے اعتبار سے بعید ہوگا۔

باقی رہی یہ بات کہ سچے خواب جزء نبوت کیسے ہیں؟ اس کی تفصیل یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر نبوت کی وحی کا سلسلہ تئیس سال جاری رہا، ان میں سے پہلے چھ ماہ میں یہ وحی خوابوں کی صورت میں آتی رہی، باقی پینتالیس ششماہیوں میں حضرت جبرائیل علیہ السلام بیداری کی حالت میں انسانی صورت میں وحی لاتے رہے، تو ابتدائی چھ ماہ کی نسبت ۲۳ سال کی طرف کی جائے، تو وہ چھیالیسواں حصہ بنتا ہے، اس طرح سچے خواب نبوت کی وحی کا چھیالیسواں جزء ہیں۔

سوال یہ ہے کہ نبوت کا سلسلہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے منقطع ہو چکا ہے تو پھر مؤمن کا خواب، جزء نبوت کس طرح ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ نبی کے علاوہ اگر مسلمان کوئی اچھا خواب دیکھے تو اسے مجازاً نبوت کا جزء کہا گیا ہے، مطلب یہ ہے کہ

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۹۷

(۲) سنن ابی داؤد، الأدب، رقم الحدیث: ۵۰۱۸، سنن الترمذی، رقم الحدیث: ۲۲۷۲۔

نبوت کی ایک صفت اور اچھی خصلت و عادت اس شخص میں پائی جاتی ہے، اس سے اس کا نبی ہونا لازم نہیں آتا، امام قرطبی فرماتے ہیں کہ خواب کے جزء نبوت ہونے سے مراد یہ ہے کہ بعض اوقات انسان خواب میں ایسی چیزیں دیکھتا ہے، جو اس کی قدرت میں نہیں مثلاً یہ دیکھے کہ وہ آسمان پر اڑ رہا ہے، یا غیب کی ایسی کوئی چیز دیکھے جس کا علم حاصل کرنا اس کی قدرت میں نہ تھا، تو یہ اسے خواب میں اللہ جل شانہ کی طرف سے الہام کی جاتی ہیں، جو اصل میں نبوت کا خاصہ ہے، اس لیے اس طرح کے خواب کو نبوت کا جزء قرار دیا گیا ہے۔

## قادیانیوں کا ایک غلط استدلال

اوپر جو تفصیل ذکر کی گئی ہے، اس سے دراصل قادیانیوں پر رد کرنا مقصود ہے، جو سمجھتے ہیں کہ جزء نبوت کے باقی رہنے سے، گویا نبوت بھی باقی ہے، ان کا یہ عقیدہ سراسر غلط ہے، کیونکہ کسی چیز کا ایک جزء موجود ہونے سے، اس چیز کا موجود ہونا لازم نہیں آتا، دیکھیے اگر کسی شخص کا ایک ناخن یا ایک بال کہیں موجود ہو تو کوئی انسان یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہاں وہ شخص موجود ہے، اگر کوئی ایسا کہے تو دنیا بھر کے انسان یا تو اسے جھوٹا کہیں گے یا بے وقوف سمجھیں گے، اس لیے سچے خواب بلاشبہ جزء نبوت ہیں، مگر نبوت نہیں، کیونکہ نبوت کا سلسلہ تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر ختم ہو چکا ہے۔(۱)

قَالَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ الْمُبَارَکِ: إِذَا ابْتُلِیتَ بِالْقَضَاءِ فَعَلَیْکَ بِالأَثَرِ.

ترجمہ: حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: جب تم قضاء یعنی لوگوں کے فیصلہ میں مبتلی ہو جاؤ تو پھر تم پر اثر یعنی منقولی چیز کا اتباع کرنا لازم ہے۔

## فیصلہ میں اثر یعنی کسی منقولی چیز کا اتباع کرنا چاہیے

حضرت عبداللہ بن مبارک کے مذکورہ ارشاد میں اس بات پر تنبیہ کی جا رہی ہے کہ تم میں سے جب کوئی قضاء یعنی لوگوں کے درمیان کسی مسئلہ میں فیصلہ میں مبتلی ہو جائے، تو اسے محض اپنی عقل کی بنیاد پر فیصلہ نہیں کرنا چاہیے، بلکہ اسے اثر یعنی منقولات کو سامنے رکھ کر فیصلہ کرنا چاہیے، "اثر" سے عموم مراد ہے خواہ وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہو یا کسی صحابی اور تابعی کا قول ہو یا تابعین کے بعد کسی بزرگ سے کوئی بات منقول ہو، یہ ایک عام نصیحت ہے جو ہر قسم کے فیصلہ سے متعلق ہے، اس میں خواب کی تعبیر بھی داخل ہے، کیونکہ خواب کی تعبیر بھی ایک فیصلہ ہے، اس لیے اس میں بھی محض اپنی رائے کی بنیاد پر کوئی تعبیر نہیں بتانی چاہیے، بلکہ اپنے بزرگوں سے جو تعبیریں منقول ہیں، ان کو دیکھنا چاہیے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرامؓ اور تابعین سے بکثرت تعبیریں نقل کی گئی ہیں، ان کو سامنے رکھ کر کوئی تعبیر بتانی چاہیے، اور تعبیر کسی ایسے شخص سے پوچھی جائے جو سمجھدار، پرہیزگار، اور دینی علم رکھتا ہو، لوگوں کے

(۱) معارف القرآن ۵/۲۰، تکملة فتح الملهم ۴/۴۴۳، کتاب الرؤیا، باب الرؤیا، رقم الحدیث: ۵۸۵۹۔

عرف اور رواج سے واقف ہو، ہر کس و ناکس سے تعبیر نہیں پوچھنی چاہیے۔(۱)

## حضرت عبداللہ بن مبارک رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت عبداللہ بن مبارک بن واضح رحمہ اللہ تابعین میں سے ہیں، ۱۱۸ھ میں یہ پیدا ہوئے، پھر دینی تعلیم حاصل کی، علم حدیث میں انہیں خوب مہارت تھی، زاہدانہ زندگی اور عبادت میں بہت مشغول رہتے تھے، ان کا چہرہ نور سے چمکتا تھا، لوگوں پر بہت زیادہ خرچ کرتے تھے۔

۱۸۱ھ میں ان کی وفات ہوئی، مقام "ھیت" جو فرات کے قریب ایک جگہ ہے، وہاں پر دفن کیے گئے، ان کی وفات پر ہارون الرشید نے کہا: مَاتَ الْيَوْمَ سَيِّدُ الْعُلَمَاءِ آج تمام علماء کے سردار وفات پا گئے، رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ۔(۲)

عَنِ ابْنِ سِيرِينَ قَالَ: هٰذَا الْحَدِيثُ دِيْنٌ، فَانْظُرُوا عَمَّنْ تَأْخُذُونَ دِيْنَكُمْ.

ترجمہ: محمد بن سیرین کہتے ہیں کہ یہ حدیث یعنی علم حدیث (اور ایسے ہی تمام دینی علوم) دین میں داخل ہیں، لہذا (علم دین حاصل کرنے سے پہلے یہ) دیکھ لو، غور کر لو کہ تم یہ دین کس شخص سے حاصل کر رہے ہو۔

## حضرت محمد بن سیرین رحمہ اللہ تعالیٰ

حضرت محمد بن سیرین کے والد محترم حضرت "سیرین" بصرہ کے قریب مقام "جرجرایا" سے قیدی ہو گئے تھے، بعد میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کے غلام ہو گئے تھے، اور حضرت محمد بن سیرین کی والدہ حضرت صفیہ رحمہا اللہ حضرت ابوبکر صدیق کی باندی تھیں، بعد میں انہوں نے اپنی باندی کو آزاد کر دیا تھا، حضرت محمد بن سیرین کی ولادت مقام "جرجرایا" میں ہی ہوئی تھی، اس کے بعد انہوں نے بصرہ میں ہی مستقل رہائش کر لی تھی، آپ کے چھوٹے بھائی انس بن سیرین رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میرے بھائی محمد بن سیرین کی پیدائش حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کی شہادت سے دو سال پہلے ہوئی، اور میں ان سے ایک سال بعد پیدا ہوا۔

محمد بن سیرین بڑے زاہد، عبادت گذار اور مشہور تابعی ہیں، ابن عون کا کہنا ہے کہ میں نے تین آدمیوں جیسا کوئی انسان نہیں دیکھا: محمد بن سیرین، قاسم بن محمد اور رجاء بن حیوہ، کثرت سے ذکر و فکر اور یاد الٰہی میں مشغول رہتے تھے، موت کے تذکرے سے ان پر ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی تھی، بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ملاقات اور دینی علوم حاصل کیے، علم حدیث میں بہت گہری نظر تھی، وہ فرماتے ہیں کہ ابتداء میں احادیث کے ساتھ سند ذکر کرنے کا اہتمام نہیں تھا، مگر جب بدعتوں اور فتنوں کا دور آیا تو

---

(۱) المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۶۹۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۲/۲۰۲

(۲) سیر اعلام انبلاء ۷/۶۰۲، رقم الترجمة: ۱۲۸۴، عبدالله بن المبارک، ط: بیروت، المواهب اللدنية على الشمائل المحمدية (ص:۶۹۱)

ہم نے ہر حدیث کو بیان کرتے وقت سند بیان کرنے کا اہتمام شروع کر دیا۔

اللہ جل شانہ نے محمد بن سیرین کو خوابوں کی تعبیر میں خوب ملکہ، مہارت اور بصیرت عطا فرمائی تھی، خواب کی تعبیر اس انداز سے بتایا کرتے کہ انسان حیران وششدر رہ جاتا، اور وہ حقیقت کے مطابق ہوتی، اس لیے رہتی دنیا تک یہ ایک معبر کی حیثیت سے جانے پہچانے جاتے ہیں

بالآخر علم وزہد کی دنیا کا یہ چمکتا سورج ۹ شوال ۱۱۰ھ میں غروب ہوگیا اور اپنے مالک حقیقی کے پاس آرام پذیر ہوگیا۔(۱)

## دینی تعلیم کسی متبعِ سنت عالم سے حاصل کی جائے

امام ترمذی رحمہ اللہ نے یہاں یہ اثر ابن سیرین سے روایت کیا ہے، ورنہ ایک مرفوع حدیث میں بھی یہ مضمون منقول ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ دینی علم خواہ وہ علم حدیث وتفسیر ہو یا فقہ وغیرہ، کسی ایسے عالم سے سیکھنا چاہیے، جو سنت کی اتباع کا اہتمام کرتا ہو، ایسے ہی اگر کسی کتاب کا مطالعہ کرنا ہے تو اس کتاب کا انتخاب کیا جائے جس کا مصنف یعنی اسے لکھنے والا صحیح عقیدے والا اور سنت کا پیروکار ہو، کیونکہ جس استاذ سے انسان پڑھتا ہے، یا جس کتاب کا مطالعہ کرتا ہے، غیر شعوری طور پر اس کا اثر انسان کے مزاج میں منتقل ہوتا ہے، اس کے اثرات اس کی زندگی اور اس کے چال چلن پر پڑتے ہیں۔(۲)

آج پوری دنیا میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ بہت سے لوگ دینی تعلیم حاصل کر کے اسلام کی غلط ترجمانی اور غلط تشریح کر رہے ہیں، اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے باقاعدہ کسی مستند دینی ادارے اور کسی متبع سنت عالم سے علم دین حاصل نہیں کیا، ایسے ہی لوگ قرآن وسنت کے مسائل میں اپنی رائے کو ہی سب کچھ سمجھتے ہیں، اور پھر اسی کی بنیاد پر اسلام کی غلط تشریح اور ترجمانی کرتے ہیں، یوں ان کے ذریعہ لوگوں میں ہدایت ورہنمائی نہیں بلکہ ضلالت وگمراہی پھیلتی ہے، العیاذ باللہ، اس لیے اس ارشاد میں متنبہ کیا جا رہا ہے کہ دینی تعلیم حاصل کرنے سے پہلے خوب غور کر لو کہ کہاں سے اور کس سے تم یہ تعلیم حاصل کر رہے ہو، کیونکہ انسان جس طرح کے استاذ سے علم دین حاصل کرے گا، اس کے اثرات اس میں منتقل ہوں گے۔

## کتاب کے آخر میں امام ترمذی کی دو اہم نصیحتیں

امام ترمذی رحمہ اللہ نے کتاب کے آخر میں حضرت عبد اللہ بن مبارک اور حضرت محمد بن سیرین رحمہما اللہ کے اقوال ذکر کر کے دو اہم نصیحتیں فرمائی ہیں:

۱۔ جب تم کوئی فیصلہ کرنے لگو، دینی مسئلہ اور خواب کی تعبیر بتانے لگو تو اس میں عقل کے گھوڑے دوڑانے کے بجائے شرعی

---

(۱) سیر اعلام النبلاء ۴۸۷/۵، رقم الترجمۃ: ۲۱۳ محمد بن سیرین

(۲) المواہب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ (ص: ۶۹۲)

دلائل کا سہارا لو، قرآن مجید، احادیث مبارکہ اور فقہ اسلامی کو سامنے رکھو، اس اہتمام سے انسان غلطی سے محفوظ رہتا ہے، اس لیے قاضی، جج اور مفتی کو قرآن مجید کی تفسیر، احادیث مبارکہ اور اسلامی فقہ پر گہری نظر سے مطالعہ جاری رکھنا چاہیے، تا کہ وہ فیصلہ کرنے اور مسئلہ بتانے میں غلطی سے محفوظ رہے۔

۲۔ دینی علوم ہر کس و ناکس سے نہیں حاصل کرنے چاہئیں بلکہ کسی ایسے شخص کا انتخاب کیا جائے، جسے ایک تو دینی علوم میں خوب مہارت حاصل ہو اور دوسرا اس میں تقویٰ، پرہیزگاری، خوفِ خدا اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی سنتوں پر عمل کرنے کا جذبہ اور اہتمام ہو، اگر استاذ میں یہ صفات موجود ہوں گی تو اس کا اثر اور فیض سیکھنے والے طالب علم میں بھی منتقل ہوگا، لیکن اگر کسی ایسے شخص کا انتخاب کیا گیا جس میں تقویٰ اور پرہیزگاری نہ تھی تو پھر فائدے کے بجائے انسان کو الٹا نقصان ہوتا ہے، اس کے مزاج میں خشیت الٰہی کے بجائے دینی امور میں لاپرواہی اور مزید غفلت پیدا ہو جاتی ہے، اللہ تعالیٰ حفاظت فرمائے۔(۱)

اور یہ جو کہا جاتا ہے: اُنْظُرُوْا اِلٰی مَا قَالَ وَلَا تَنْظُرُوْا اِلٰی مَنْ قَالَ۔

(تم اس بات کو دیکھا کرو جو کہی جا رہی ہے، اس آدمی کو مت دیکھو، جس نے بات کہی ہے)

یہ محاورہ اپنی جگہ درست ہے، مگر یہ اس شخص کے بارے میں ہے، جو حق و باطل، جائز و ناجائز، غلط اور صحیح کے درمیان فرق کر سکتا ہو، کیونکہ وہ شخص گمراہ نہیں ہوتا، یہ بات اس شخص سے متعلق نہیں، جو ابتدائی تعلیم حاصل کر رہا ہے جو غلط اور صحیح کے درمیان، کھرے اور کھوٹے کے درمیان فرق نہیں کر سکتا یا وہ شخص دینی تعلیم سے بالکل ہی ناواقف ہو، اس طرح کے بندے کو ہر بندے کی بات سننا مناسب نہیں، اس لیے یہ محاورہ اس طرح کے آدمی کے بارے میں نہیں ہے، اس لیے ابن سیرین فرماتے ہیں کہ دینی علم حاصل کرنے سے پہلے یہ دیکھ لو، خوب غور کر لو کہ تم کس طرح کے انسان سے حاصل کر رہے ہو، لہذا پہلے اچھے استاذ کا انتخاب کیا جائے اور پھر تعلیم شروع کی جائے(۲)، اللہ جل شانہ اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

واللہ اعلم

محمد طارق

بعد الجمعہ ۱۳ ذیقعدہ ۱۴۳۹ھ

۲۷ جولائی ۲۰۱۸ء

(۱) جمع الوسائل فی شرح الشمائل مع شرح المناوی ۳۰۲/۲

(۲) خصائل نبوی اردو شرح شمائل ترمذی (ص: ۵۰۲)

# مصادر ومراجع

## معارف ترمذی شرح شمائل ترمذی جلد پنجم



| | | |
|---|---|---|
| صحیح البخاری | محمد بن اسماعیل بخاریؒ | دار الفکر بیروت |
| صحیح مسلم | امام مسلمؒ بن حجاج قشیری | دار احیاء التراث العربی۔ بیروت |
| مصنف ابن ابی شیبہ | عبداللہ بن محمد بن ابی شیبہ | ادارۃ القرآن کراچی |
| سنن ابی داؤد | امام ابوداؤد سلیمان ابن اشعثؒ | بیروت |
| بذل المجهود فی حل ابی داؤد | خلیل احمد سہارن پوریؒ | بیروت |
| رد المحتار | علامہ ابن العابدینؒ | ایچ۔ ایم سعید کراچی |
| الکوکب الدری | رشید احمد گنگوہیؒ | ادارۃ القرآن کراچی |
| جمع الوسائل فی شرح الشمائل | ملا علی قاریؒ | میر محمد کتب خانہ کراچی |
| سیر اعلام النبلاء | حافظ ابوعبداللہ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان ذہبی | دار الفکر، بیروت |
| المواهب اللدنیۃ علی الشمائل المحمدیۃ | امام باجوری شافعیؒ | بیروت |
| مرقاۃ المفاتیح | ملا علی قاریؒ | رشیدیہ کوئٹہ |
| تکملۃ فتح الملہم | شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ | مکتبہ دار العلوم کراچی |
| عمدۃ القاری | علامہ بدر الدین عینیؒ | رشیدیہ کوئٹہ |
| فتح الباری | حافظ ابن حجر عسقلانی | دار الفکر، بیروت |
| شرح المناوی علی هامش جمع الوسائل فی شرح الشمائل | علامہ مناوی | میر محمد کتب خانہ کراچی |
| جامع الترمذی | امام ترمذیؒ | قدیمی کتب خانہ کراچی |
| مسند الامام احمد بن حنبل | امام احمد بن حنبلؒ | بیروت |
| شرح مسلم | نووی | قدیمی کراچی |
| خصائل نبوی | شیخ الحدیث زکریاؒ | مکتبہ بشری کراچی |
| تاریخ الخمیس | حسین بن محمد دیار بکری | بیروت۔ دار صادر |
| دیوان حسان بن ثابت | | دار صادر۔ بیروت |
| الروض الانف فی شرح السیر النبویۃ | | بیروت موقع الاسلام (شاملہ) |
| اطراف المسند المعتلی | احمد بن علی بن محمد بن احمد بن حجر العسقلانی | دار ابن کثیر دمشق بیروت |

| | | |
|---|---|---|
| العلل المتناهية | ابن جوزی | بیروت |
| الاصابة فی تمییز الصحابة | حافظ ابن حجر | بیروت |
| تاریخ الخلفاء | امام جلال الدین سیوطی | |
| دلائل النبوة | امام بیہقیؒ | بیروت (شاملہ) |
| المعجم الکبیر | امام طبرانیؒ | قاھرة |
| کنز العمال | علی المتقی الھندی | |
| جامع الحدیث | جلال الدین السیوطیؒ | بیروت |
| الجامع لاحکام القرآن | امام قرطبی | بیروت |
| فتح الملہم | علامہ شبیر احمد عثمانیؒ | مکتبہ دار العلوم کراچی |
| المستدرک علی الصحیحین | امام حاکمؒ حافظ ابو عبداللہ محمد بن عبداللہ | دار الفکر بیروت |
| سیرۃ المصطفیٰ ﷺ | مولانا محمد ادریس کاندھلوی | لاہور |
| شرح المواھب | علامہ زرقانیؒ | بیروت |
| جامع الاصول | مبارک بن احمد بن اثیر جزری | دار الفکر بیروت |
| الطبقات الکبریٰ | ابن سعد | بیروت |
| شرح معانی الآثار | امام طحاوی | مکتبہ بشریٰ کراچی |
| سنن النسائی | احمد بن شعیب نسائی | قدیمی کتب خانہ کراچی |
| الجمع بین الصحیحین | محمد بن فتوح الحمیدی | دار الفکر ردار ابن حزم، لبنان بیروت |
| المعجم الاوسط | امام طبرانیؒ | دار الحرمین قاھرة |
| اوجز المسالک الی موطا الامام مالک | محمد زکریاؒ | ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان |
| تقریرات الرافعی علی رد المحتار | شیخ عبدالقادر الرافعیؒ | ایچ۔ایم سعید کراچی |
| الفتاویٰ الھندیة | جماعة من العلماء | رشیدیہ کوئٹہ |
| المعجم الصغیر | امام طبرانیؒ | الشاملة |
| السنن الکبریٰ | امام بیہقیؒ | الشاملة |
| سنن ابن ماجة | ابن ماجہ | بیروت |
| الموطأ | امام مالک | میر محمد کتب خانہ کراچی |
| زاد المعاد | ابن قیم | بیروت |
| تحفة الاحوذی | عبدالرحمن مبارک پوری | قدیمی کتب خانہ کراچی |
| جواہر الفقہ | مفتی محمد شفیع صاحبؒ | مکتبہ دار العلوم کراچی |

| | | |
|---|---|---|
| تہذیب الآثار | حافظ ابن حجر | بیروت |
| مسند الحمیدی | امام حمیدی | |
| سنن الدارقطنی | حافظ ابوالحسن علی بن عمر دارقطنی | بیروت |
| جامع الاصول فی احادیث الرسول ﷺ | مبارک بن محمد الجزری (ابن الاثیر) | مکتبہ الحلوانی رمطبعۃ الملاح رمکتبۃ دارالبیان |
| اعلاء السنن | علامہ ظفر احمد عثمانی | بیروت |
| مسند ابن الجعد | ابن الجعد | الشاملہ |
| تقریر ترمذی | شیخ الاسلام مفتی محمد تقی عثمانی صاحب | میمن اسلامک پبلشرز کراچی |
| الخصائص الکبری للسیوطی | امام سیوطی | رحمانیہ لاہور |
| المصنف لعبد الرزاق | امام عبدالرزاق بن ہمام صنعانی | مجلس علمی کراچی |
| البدایۃ والنھایۃ | اسماعیل بن عمر بن کثیر | لاہور |
| قاموس الفقہ | مولانا خالد سیف اللہ | زمزم پبلشرز کراچی |
| شعب الایمان | امام بیہقی احمد بن حسین بن علی | دار الکتب العلمیہ بیروت |
| العرف الشذی | مولانا انور شاہ کشمیریؒ | مکتبہ البشری |
| الحاوی للفتاوی | جلال الدین سیوطیؒ | مکتبہ نوریہ فیصل آباد |
| شرح الصحیح للبخاری لابن بطال | امام ابوالحسن علی بن خلف المعروف بابن بطال | مکتبہ الرشد ریاض |
| مسند الطیالسی | سلیمان بن داؤد بن الجارود | ھجر للطباعۃ والنشر (شاملہ) |
| الوفاء بتعریف فضائل المصطفیٰ | ابن جوزی | بیروت |
| کشاف القناع | منصور بن یونس بن ادریس البھوتی | دار الفکر بیروت |
| کتاب الانصاف للمرداوی | مرداوی علی بن سلیمان المرداوی | دار احیاء التراث بیروت لبنان |
| اشعۃ اللمعات فارسی | شیخ عبدالحق محدث دہلوی | مکتبہ نوریہ رضویہ سکھر |
| صحیح ابن حبان | ابن حبان | بیروت |
| مجمع الزوائد | امام نور الدین علی بن ابی بکر الہیثمی | دار الفکر بیروت |
| کھانے کی حلال اور حرام چیزیں | مفتی محمد کمال الدین | کراچی |
| حیوۃ الحیوان اردو | محمد بن موسیٰ بن عیسیٰ کمال الدین الدمیری | مکتبۃ الحسن لاہور |
| تقریب التھذیب | حافظ ابن حجر | بیروت |
| جدید فقہی مسائل | خالد سیف اللہ رحمانی | زمزم پبلشرز کراچی |
| شرح الطیبی الکاشف عن حقائق السنن | حسین بن محمد طیبی | ادارۃ القرآن کراچی |
| الاحاد والمثانی من ذکر ابی عبید مولی رسول ﷺ | | |

| | | |
|---|---|---|
| تفسیر عثمانی | علامہ شبیر احمد عثمانیؒ | |
| القاموس الوحید عربی سے اردو | مولانا وحید الزمان قاسمی کیرانویؒ | ادارہ اسلامیات لاہور |
| فتح القدیر | ابن ہمام | رشیدیہ کوئٹہ |
| منتھی السؤل علی وسائل الوصول | شیخ عبداللہ بن سعید المکی | دار المنھاج |
| مسند ابی یعلی | | |
| الشعر والشعراء | ابن قتیبہ | بیروت |
| الکامل فی التاریخ | ابوالحسن عزالدین علی بن محمد ابن اثیر | دار الکتاب العربی بیروت |
| شرح مسلم للنووی | یحیی بن شرف نووی | قدیمی کتب خانہ کراچی |
| ربیع الابرار ونصوص الاخبار فی المعاصرات | ابوالقاسم محمود بن عمر زمخشری | بیروت |
| معارف القرآن | مفتی محمد شفیع | ادارۃ المعارف کراچی |
| روح المعانی | علامہ آلوسیؒ | مکتبہ امدادیہ ملتان |
| معارف السنن | محمد یوسف بنوری | کراچی |
| تفسیر ابن کثیر | حافظ ابن کثیر | بیروت |
| بدائع الصنائع | علامہ کاسانیؒ علاء الدین ابوبکر بن مسعود | دار الکتب العلمیہ بیروت |
| مسند الفردوس للدیلمی | شیرویہ بن شہردار دیلمی | بیروت |
| کتاب الشفاء | قاضی عیاض | بیروت |
| احیاء العلوم | امام غزالیؒ | رشیدیہ کوئٹہ |
| المفردات فی غریب القرآن | امام حسین بن محمد بن مفضل اصفہانی | دار الفکر بیروت |
| تاریخ الامم والملوک | امام طبری | القاھرۃ |
| رحماء بینھم | مولانا محمد نافع | لاہور |
| تقریر بخاری | شیخ الحدیث زکریاؒ | کراچی |
| تہذیب التھذیب | حافظ ابن حجرؒ | بیروت |
| مسند البزار | ابوبکر احمد بن عمرو البصری البزار | شاملہ |
| صحیح ابن خزیمۃ | محمد بن اسحاق السلمی النیسابوریؒ | المکتب للاسلامی |

# تقریظ

## شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم
## شیخ الحدیث، ونائب صدر جامعہ دار العلوم کراچی

الحمدللہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم وعلی آلہ وصحبہ اجمعین وعلی من تبعهم باِحسان الی یوم الدین۔

برادر عزیز ومکرم جناب مولانا محمد طارق صاحب فاضل جامعہ دار العلوم کراچی واستاد حدیث جامعہ فریدیہ اسلام آباد نے جامع ترمذی جلد ثانی کی شرح اردو میں "معارف ترمذی" کے نام سے لکھی ہے جس کی بحمد اللہ تعالیٰ دو جلدیں شائع ہوئی ہیں جو فاضل مؤلف حفظہ اللہ تعالیٰ نے بندہ کے پاس بھیجی ہیں۔ بندہ کو اس شرح کے مکمل مطالعہ کا تو موقع نہیں مل سکا، لیکن جستہ جستہ مقامات سے دیکھ کر اندازہ ہوا کہ ماشاء اللہ انہوں نے مستند مآخذ سے استفادہ کر کے احادیث کی تشریح دلنشین انداز میں کی ہے، انداز بیان بھی آسان، عام فہم اور شگفتہ ہے جو علماء وطلبہ کے علاوہ عام مسلمانوں کے لئے بھی مفید ہے۔ باقی مقامات جو میرے مطالعے سے نہیں گذرے، ان کے بارے میں ذمہ دارانہ رائے دینی تو ممکن نہیں ہے، لیکن فاضل مؤلف کی قابلیت اور مآخذ مستند ہونے کی بنا پر باقی کے بارے میں یہی امید ہے۔

جامع ترمذی کی بیشتر شروح جامع ترمذی جلد اوّل ہی تک پہنچی ہیں، اور جلد ثانی کی مفصل شروح، بالخصوص حنفیہ کی طرف سے بہت کم ہیں۔ اس لئے امید ہے کہ انشاء اللہ تعالیٰ یہ شرح اس کمی کو پورا کرے گی۔ اللہ تعالیٰ فاضل مؤلف کو اس کی بہترین جزا عطا فرما کر اسے نافع اور مقبول بنائیں، اور ان کی عمر، علم اور عمل میں برکت عطا فرمائیں۔ آمین

بندہ

**محمد تقی عثمانی عفی عنہ**

۲۵ ربیع الاوّل ۱۴۳۴ھ

مکتبہ شیخ الہند
سیکٹر F-10/3 سٹریٹ C-7 ہاؤس 72 اسلام آباد